فتاویٰ علماءِ ہند

جلد - ۱۲

تیار کردہ

منتخب علماءِ ہند

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی

زیرِ نگرانی

حضرت مفتی محمد اسامہ شمیم الندوی

باهتمام

منظمة السلام العالمية

ممبائی۔ الهند

نام کتاب	:	فتاویٰ علماء ہند (جلد-۱۲)
زیر سرپرستی	:	حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب
زیر نگرانی	:	حضرت مولانا محمد اُسامہ شمیم الندوی صاحب
سن اشاعت	:	جولائی ۲۰۱۷ء
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار
کمپوزنگ وڈیزائننگ	:	محمد رضاء اللہ قاسمی
ناشر	:	منظمة السلام العالمية، ممبائی، الهند

یہ کتاب ''منظمة السلام العالمية'' کی
طرف سے ہدیہ ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے
وقف ہے، اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

منظمة السلام العالمية

Global Peace Organisation (GPO)

Email: gpo.org@yahoo.com Mob. : +91-7303 7076 05

کتاب الصلوٰۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللّٰہ عزوجل:

﴿وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا﴾

(سورة الفرقان: ٦٤)

"قال سهل بن عبد اللّٰه التستری:يحتاج العبد إلى السنن الرواتب لتكميل الفرائض ويحتاج إلى النوافل لتكميل السنن ويحتاج إلى الآداب لتكميل النوافل ومن الأدب ترک الدنيا".

(تفسير روح البيان،سورة الفرقان: ٦/١٧٧،دارإحياء التراث العربی)

"عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ،فَدَخَلَ رَجُلٌ،فَصَلَّى،ثُمَّ جَاءَ، فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صلّى الله عليه وسلم فَرَدَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ السَّلاَمَ، فَقَالَ: ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ،فَصَلَّى، ثُمَّ جَاءَ، فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ:ارْجِعْ فَصَلِّ، فَإِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ ثَلاَثًا، فَقَالَ: وَالَّذِی بَعَثَکَ بِالحَقِّ، فَمَا أُحْسِنُ غَيْرَهُ، فَعَلِّمْنِی، قَالَ:إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلاَةِ، فَكَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَکَ مِنَ القُرْآنِ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ افْعَلْ ذَلِکَ فِی صَلاَتِکَ كُلِّهَا".

(صحيح البخاری،باب أمر النبی صلى اللّٰه عليه وسلم الذی لا يتم ركوعه بالإعادة،رقم الحديث: ٧٩٣)

فہرست عناوین

نمبر شمار	عناوین	صفحات

فہرست مضامین (۵-۳۰)

نماز میں تعدیل ارکان (۳۷)

جن جگہوں پر نماز پڑھنا مکروہ ہے (۳۸-۴۶)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نمازی کے سامنے تصویر، یا قبر کا ہونا (۴۷-۵۶)

ریشمی کپڑا، یا سونا پہن کر نماز پڑھنے کا حکم (۵۷-۶۴)

ٹوپی کے بغیر، یا کہنی کھول کر نماز پڑھنا (۶۵-۸۷)

نماز وتر کے مسائل (۱۱۷-۲۰۶)

مسائل سنن ونوافل- سنن مؤکدہ (۲۰۷_۲۲۸)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

سنت فجر کے مسائل (۲۲۹-۲۵۴)

سنت ظہر کے مسائل (۲۵۵-۲۶۲)

سنت جمعہ کے مسائل (۲۶۳-۲۶۶)

عشا کی سنت کے مسائل (۲۶۷)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

مسائل سنن ونوافل- سنن غیر مؤکدہ (۲۶۸-۳۰۶)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

دن اور رات کے نوافل کے احکام (۳۰۷-۳۱۸)

تحیۃ الوضوو تحیۃ المسجد کے مسائل (۳۱۹-۳۲۴)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نماز اشراق کے مسائل (۳۲۵_۳۳۲)

نماز اوابین کے مسائل (۳۳۳_۳۳۶)

نماز تہجد کے مسائل (۳۳۷_۳۴۴)

نماز تہجد میں قرأت کے مسائل (۳۴۵-۳۵۰)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نماز تہجد کے وقت کا بیان (۳۵۱-۳۵۶)

نماز تہجد کی رکعات کا بیان (۳۵۷-۳۶۴)

نوافل نماز کی جماعت (۳۶۵-۳۸۶)

نماز تراویح اور ان کی شرعی حیثیت (۳۸۷-۴۶۰)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

صفحات	عناوین	نمبر شمار

رکعات تراویح سے متعلق مسائل (۴۶۱-۵۶۲)

☆ ☆ ☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلمة الشكر

الحمد لله الذى جعل قيام الليل تطوعا بعد الفريضةوجعل الصلاة عماد الدين، وجعلها رسول الله صلى الله عليه وسلم علامة فارقة تميز المسلمين من الكافرين، أحمده سبحانه أن جعلنا من أهل الصلاة، وأشكره على ما حبانا وأشهد أن محمدًا عبده ورسوله إلى جميع الثقلين، اللّٰهم صل وسلم على عبدك ورسولك محمد، وعلى آله وأصحابه ومن على سنته إلى يوم الدين،أما بعد:

اللہ کا فضل ہے کہ فتاوی علماء ہند کی بارہویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔اللہ کے احکامات میں جہاں فضائل ہیں، وہیں مسائل بھی ہیں، دیگر احکامات کی طرح اس اہم فریضے میں بھی فرائض، واجبات، سنن اور نوافل ہیں۔ مذکورہ جلد میں انہی مسائل کے ساتھ ساتھ تراویح کی نماز کے مسائل پر سیر بحث سوالات وجوابات مذکور ہیں۔

نماز کے ارکان وشرائط سنن ونوافل اور مفسدات جن سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، اس کو اس جلد میں شامل کیا گیا ہے۔ ارکان وشرائط کے بغیر تو نماز ہوتی ہی نہیں ہے۔ سنن ونوافل وآداب کی رعایت سے نماز کی قیمت بڑھتی چلی جاتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ وہاں پہونچتی ہے، جہاں برائیوں اور بے حیائیوں سے روکتی ہے اور اللہ پاک کے لامحدود خزانوں سے دلواتی ہے۔

بندہ بارگاہِ الٰہی میں دست بدعا ہے کہ ان تمام احباب ومعاونین کے لیے جن کی توجہات سے یہ جلد تیار ہوئی ہے۔

والحمد لله رب العالمين

بندہ شمیم احمد
ناشر فتاویٰ علمائے ہند
خادم منظمۃ السلام العالمیۃ، ممبئی، انڈیا
۱۸ر محرم الحرام ۱۴۳۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تأثرات

گرامی قدر جناب مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی کا گرامی نامہ ملا تھا، شمیم دوست آئی تھی گلستان لیے ہوئے؛ لیکن دل زیادہ ملتفت نہیں ہوا؛ کیوں کہ ایسے موضوع پر لکھنے کا حکم صادر ہوا تھا، جس کی ابجد سے زیادہ واقفیت نہیں ہے۔ راقم نہ مُلا، نہ مفتی، نہ محدث، نہ فقیہ، نہ علم جدید میں مہارت، نہ علوم اسلامیہ میں ید طولی، حال وہ جو بزبان قال ایک شاعر (اکبرالٰہ آبادی) نے کہا:

پکا لیں پیس کر دو روٹیاں تھوڑے سے جولانا
ہمارا کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا

کتاب ''فتاویٰ علماء ہند'' ساٹھ جلدوں میں تیس ہزار صفحات پر مشتمل کتاب ہوگی، جو منظمۃ السلام العالمیۃ کی جانب سے شائع ہوگی، علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ مفتی دراصل اللہ کی طرف سے فتویٰ پر دستخط کرنے والا ہوتا ہے؛ یعنی ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مفتی کا ہاتھ؛ اس لیے وہ کارکشاد کارساز ہے اور اس کتاب میں ہندوستان کے تمام فقہا اور مفتیان کرام کے فتاویٰ جمع کر دیئے گئے ہیں اور مختلف زبانوں میں اس عظیم الشان کتاب کی پیش کش ہونے والی ہے اور وہ بھی ساٹھ جلدوں میں یعنی کتاب ینوب عن کتائب، یعنی ایک کتاب جو فوج ظفر موج کے قائم مقام ہے، ہندوستان میں فقہ اسلامی کی بڑی خدمات انجام دی گئی ہیں، فتاویٰ عالمگیری ہندوستان میں تیار ہوئی، ہدایہ کا اردو ترجمہ سامنے آیا جو امیر علی کا کیا ہوا تھا، پھر شرح وقایہ کا اردو ترجمہ مولوی وحید الزماں لکھنوی کا کیا ہوا تھا، درمختار کا اردو ترجمہ مولوی خرم علی نے غایۃ الاوطار کے نام سے کیا تھا، مشہور کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ کا ترجمہ عاصم حداد کے قلم سے منظر عام پر آیا، مولانا تھانوی کی کتاب بہشتی زیور سے لے کر مولانا مجیب اللہ ندوی کی کتاب اسلامی فقہ تک اور کئی کتابیں قابل تذکرہ ہوسکتی ہیں۔ مولانا عبدالشکور صاحب کی علم الفقہ بھی اہم کتاب ہے۔ عاصم حداد نے فقہ السنۃ لکھی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے موسوعۃ الفقہ تیار کی، فقہ کے موضوع پر کویت میں متعدد جلدوں پر عظیم موسوعہ تیار ہوا ہے، اس کا اردو ترجمہ ہندوستان میں ہوگیا ہے، اسی کے ساتھ عربی وفارسی کتابوں کو بھی شامل کرلیا جائے تو ہندوستان میں فقہ اسلامی کی خدمت کا کام اور بہت بلند نظر آئے گا۔ فتاویٰ تاتارخانیہ، فتاویٰ عالمگیری، فوائد فیروز شاہی، فتاویٰ حمادیہ اور فتاویٰ ابراہیم شاہیہ وغیرہ۔ دارالعلوم دیوبند کے فتاویٰ بھی شائع ہوگئے، ندوۃ العلماء کے فتاویٰ بھی اب شائع ہوچکے ہیں اور کئی کتابیں ہیں۔ اب سب کا مجموعہ ''فتاویٰ علماء ہند'' مسک الختام، یا نہایۃ الشوط بن کر منظر عام پر آنے والا ہے، جس کی ترتیب اور تحقیق وتعلیق میں مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی کی کوششوں کا ہاتھ ہے۔ یہ بہت باوقار کام ہے، تحسین وآفرین کے تمام کلمات اس کے لیے کم ہیں، اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور کام کرنے والوں کو اجر جزیل عطا کرے۔ آمین

(پروفیسر) محسن عثمانی ندوی
انگلش اینڈ فورینجن لنگویج یونیورسٹی حیدرآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دین محمدی کی ابدیت وجامعیت کی دلیل یہ بھی ہے کہ عہد صحابہ سے امت میں فتاویٰ کا سلسلہ رہے اور پھر اکابر اہل فقہ وارباب فتاویٰ کی آرا کے مجموعے بھی تیار ہوتے رہے۔ ماضی قریب میں برصغیر میں بزبان اردو بہت سے فتاویٰ کے مجموعے مرتب ہوئے اور عام ہوئے۔

ایک ضرورت یہ محسوس کی جارہی تھی کہ ان فتاویٰ کا یکجائی کوئی مجموعے سامنے لایا جائے، تاکہ افادہ واستفادہ میں وسعت ہو، بعض حضرات نے یہ کام کیا بھی۔

الحمدللہ اس سلسلہ کی ایک مبارک وکامیاب سعی منظر عام پرآ چکی ہے۔ مولانا انیس الرحمٰن قاسمی، ناظم امارت شرعیہ بہار واڈیشہ (چیرمین ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن) کی نگرانی میں ترتیب کا کام ہورہاہے اوراشاعت کا کام مولانا مفتی محمد اسامہ شمیم (ندوی) صاحب کی نگرانی وتوجہ کے تحت انجام پارہاہے۔ حق تعالیٰ اس کوقبول فرمائے اور نفع کوعام فرمائے۔ فقط

محمد عبیداللہ الاسعدی عفی عنہ

استاذ حدیث، جامعہ عربیہ ہتھوڑا، باندہ (اترپردیش)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم ومکرم جناب مفتی محمد اسامہ شمیم صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام عرض ہے کہ آنجناب کا محبت بھرا مکتوب اور علم کی روشنی سے منور ایک مطبوعہ سیٹ (فتاویٰ علماء ہند) بذریعہ رجسٹری ڈاک 16 رصفر المظفر کو ملا۔(جزاکم اللہ خیرا)

آپ حضرات کی یہ مبارک علمی کاوش قابل تحسین ہے، ہم تہہ دل سے اس بیش بہا وقیمتی اشاعت پر ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اپنے دربار میں قبول فرما کر آپ حضرات کے لیے ذخیرہ آخرت اور اہل علم کے لیے نافع بناوے۔آمین

آپ کا یہ یادگار اور قیمتی تحفہ وعلمی گلدستہ ہماری لائبریری کی زینت بنتے ہی مرجع اہل علم بن گیا۔

دست بدعا ہیں کہ پروردگار باقی کام کی بھی جلد از جلد اور بعافیت احسن طریقے سے تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

از ناظم لائبریری

دار العلوم الاسلامیہ الفریدیہ

اسلام آباد، پاکستان

۱۳ر ربیع الاول ۱۴۳۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للّٰہ الذی جعل الصلاۃ عمادَ الدِّین، وراحةَ للقُلُوبِ ونوراً وبرهاناً ونجاةً للمؤمنين، من حافظ عليها كانت له من أعظم الأسباب الموصلة إلى رضا رب الأرباب وأشهد أن سيدنا محمداً عبد اللّٰہ ورسوله، قدوة العابدين وخير القائمين للمولى الكريمِ بأمرِ الدين، صلوات اللّٰہ وسلامه وبركاته عليه وعلى آله وصحبه أجمعين

بفضلہ تعالی موسوعہ فتاویٰ علمائے ہند کی بارہویں جلد آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔ یہ جلد نوافل نماز کے باب میں ہے اس جلد میں سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ تہجد کی نماز کا حال بیان کیا گیا ہے، درحقیقت یہ وہ نفل نماز ہے جو تمام نفلی نمازوں پر بھاری ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس کا اہتمام فرمایا ہے، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی اس کی تلقین فرمائی ہے اس حوالے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم تہجد ضرور پڑھا کرو کیونکہ وہ تم میں سے پہلے صالحین کا طریقہ اور شعار رہا ہے۔ یہ تمہارے رب کے قرب حاصل کرنے کا خاص وسیلہ ہے۔ (ترمذی شریف)

تہجد کا وقت دراصل قبولیت دعا کا وقت ہے اس لیے اس وقت جو بھی مانگا جائے وہ دنیا اور آخرت میں ضرور ملے گا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے یعنی تہجد۔ (مسلم)

الحمد للہ سابقہ جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی فتاویٰ کے سوال وجواب کو بعینہ ذکر کیا گیا ہے ساتھ ہی تمام فتاویٰ میں اصل کتاب کے حوالہ کو بھی درج کیا گیا ہے اور حاشیہ میں دیگر مفتی بہ مسائل کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ حواشی میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی، احادیث نبوی، صحابہ وتابعین کے اقوال وآثار کو اہتمام کے ساتھ ذکر کرنے کی کوشش کی گ ءہے۔ جس کی وجہ سے یہ فتاویٰ اور بھی زیادہ مدلل ہوگئے ہیں۔

الحمد للہ اس طرح ہمارے اکابرین کا یہ علمی وفقہی سرمایہ منظمہ السلام العالمیہ کے زیر اہتمام بندہ کی نگرانی میں اور حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب کے زیر سرپرستی علمائے ہند کی ایک بڑی جماعت ملک وبیرون ملک کے مختلف مقامات پر اپنی خدمات انجام دے رہی ہے کہیں جمع وترتیب کا سلسلہ ہے تو کہیں تحقیق ونظر ثانی پر کام ہو رہا ہے اور بعض مقامات پر عربی وانگریزی ترجمہ کا اہتمام کیا جارہا ہے اس کے بعد ملک کے مشاہیر مفتیان کرام کی نگاہوں سے اس مجموعہ کو گزار کر اس کی توثیق کرائی جاتی ہے تاکہ یہ مجموعہ مؤثق ہو کر مؤید من اللہ ہو جائے، پھر طباعت کے بعد پورے عالم کے تمام اہم دینی اداروں میں ہدیہ لوجہ اللہ ارسال کرنے کی ترتیب بنائی جاتی ہے، ماشاء اللہ ہمارے مفتیان کرام بڑی ہمت وجانفشانی کے ساتھ سرگرم عمل ہیں۔

میں شکرگزار ہوں علماء ومفتیان کرام کا جنھوں نے میری گزارش پر اپنے تاثرات تحریر فرمائے ہمت افزائی فرمائی اور دعائیں دی۔ بندہ شکر گزار ہے اپنے بزرگوں اور اپنے ساتھیوں کا جنھوں نے اس جلد کو تیار کرنے میں انتھک کوشش ومحنت کی اور اس ناکارہ کا خوب ساتھ دیا، اللہ تعالی بہترین جزائے خیر عطا فرمائے اور اسے ذخیرہ آخرت بنائے۔

۹/اکتوبر ۲۰۱۷ء، مطابق: ۱۹/محرم الحرام ۱۴۳۹ھ

بندہ محمد اسامہ شمیم الندوی
رئیس المجلس العالمی للفقہ الاسلامی ممبئی، الہند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیة

الحمد للّٰه الذی جعل العلم النافع طریقًا موصلًا لرضاه وصراطًا یتبعه من أراد هداه ویحید عنه من ضل واتبع هواه وأشهد أن محمدًا عبده ورسوله، الرحمة المهداة والنعمة المسداة، صلی اللّٰه علیه وعلی آله وأصحابه الهداة التقاة ومن سار علی نهجه إلی یوم لقاه.أما بعد:

نماز کے افعال میں اطمینان اور تعدیل واجب ہے، جس کی حد یہ ہے کہ ہر رکن میں اعضاو جوارح ساکن ہوکر اپنی اپنی جگہ برقرار ہوجائیں اور یہ کیفیت کم از کم ایک مرتبہ سبحان ربی العظیم کہنے تک باقی رہے۔ نماز کے صحیح ہونے کے لیے نماز کی جگہ کا پاک ہونا شرط ہے، قبلے کی طرف رُخ کرنا، کپڑوں کا صاف ستھرا اور ساتر ہونا بھی لازمی ہے اور اس بات کا خاص خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ ایسے کپڑوں میں نماز پڑھی جائے، جن پر جاندار چیزوں کی تصاویر نہ ہوں، یا سجدہ ایسی جگہ نہ کی جائے، جہاں جاندار کی تصاویر اور نقشے ہوں۔

سنت اس عمل کو کہتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو، اب اگر ہمیشہ کیا ہو اور کبھی بغیر عذر چھوڑ بھی دیا ہو تو اسے سنت مؤکدہ کہتے ہیں اور اگر ہمیشہ آپ کا معمول نہ ہو؛ بلکہ کبھی کبھار عمل کیا ہو تو اسے سنت غیر مؤکدہ یا مستحب کہتے ہیں۔ فرض نمازوں سے پہلے، یا بعد جو مؤکدہ، یا غیر مؤکدہ سنتیں پڑھی جاتی ہیں، احادیث کے مطابق قیامت کے روز ان کے ذریعے فرض میں رہ جانی والی کمی وکوتاہی کی تلافی ہوگی، نفل نماز ثواب میں اضافہ کے لیے ایک زائد نماز ہے، البتہ سنت نمازوں کی طرح اس کو پڑھنا ضروری قرار نہیں دیا گیا؛ لیکن ان نمازوں کو پڑھ کر انسان اپنے ثواب میں اضافہ کرسکتا ہے؛ بلکہ اللہ کے نزدیک وہ مقرب ہوسکتا ہے۔ خاص نماز تہجد کی بڑی اہمیت ہے، سورج طلوع ہونے کے بعد کی نماز، ظہر سے پہلے کی نماز، مسجد میں داخل ہونے کے بعد کی نماز، خوف کے وقت کی نماز، گرہن کے وقت کی نماز، سفر کے وقت کی نماز نوافل ہی کے زمرے میں آتے ہیں۔ رمضان المبارک کی راتوں میں فرض نمازِ عشا کے بعد باجماعت نماز کو تراویح کہا جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص رمضان (کی راتوں) میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے (عبادت کے لیے) کھڑا ہو، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

اللہ تعالیٰ شانہ کا شکر ہے کہ اس نے ''**فتاویٰ علماء ہند**'' کی نماز کے مسائل سے متعلق ''جلد-۱۲'' کی ترتیب وتحقیق کی توفیق مرحمت فرمائی۔ اس جلد میں تعدیل ارکان، نماز کی جگہوں، سنن ونوافل اور تراویح سے متعلق مسائل کو شامل کیا ہے، سابقہ جلدوں کی طرح فتاویٰ علماء ہند کے اس حصہ (۱۱رویں) میں فتاویٰ کے سوال وجواب کو من وعن نقل کرنے کے ساتھ ہر فتویٰ کے ساتھ اصل کتاب کے حوالہ کو بھی درج کردیا ہے اور حاشیہ میں دیگر مفتیٰ بہ مسائل کا اضافہ بھی کیا ہے۔

امید ہے کہ علما، ائمہ، اہل مدارس اور اصحاب افتا خاص طور پر اس سے فائدہ اٹھائیں گے، حواشی میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی، احادیث نبوی، صحابہ وتابعین کے آثار واقوال کو اہتمام کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے یہ فتاویٰ مدلل بھی ہوگئے ہیں۔ میں ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن پھلواری شریف، پٹنہ کے ارکان ومعاونین کا شکرگزار ہوں، جو ۲۰۰۶ء سے اس خدمت میں مشغول ہیں۔ اللہ ان تمام معاونین مخلصین کی اس سعی جمیل کو قبول فرمائے اور میرے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ (آمین)

(انیس الرحمٰن قاسمی)

ناظم امارت شرعیہ پٹنہ چیرمین ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن

۳رشعبان المعظم ۱۴۳۹ھ

نماز میں تعدیل ارکان

وہ نمازیں جو تعدیل ارکان سے خالی رہیں، ان کا کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص کی عمر بیس برس کی ہے، اس عرصہ تک اس نے کوئی نماز درست نہیں پڑھی، صرف دوٹکر مار کر نماز ختم کر دیتا ہے، یہ نمازیں ہوئیں، یا نہیں؟ اگر اعادہ کرے تو صرف فرض ہی ادا کرے، یا سنت بھی؟

الجواب ——————

جو نمازیں تعدیل ارکان کے ساتھ ادا نہیں ہوئیں، اگر چہ وہ ہوگئی ہیں؛ لیکن ان کا دہرالینا اچھا ہے، فرض اور وتر کا اعادہ کرے، سنتوں کا اعادہ نہ کرے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۴۷/۴)

قومہ اور جلسہ میں تعدیل:

سوال: جمعہ کی نماز کے قومہ اور جلسہ میں امام اتنی دیر ٹھیرتا ہے کہ ایک سورۃ چھوٹی بخوبی پڑھ لی جا سکے، اس سے نماز میں کچھ نقصان تو واقع نہیں ہوتا؟

الجواب ——————

اس صورت میں نماز صحیح ہے، کچھ نقصان نہیں آیا۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵۹/۴)

(۱-۲) عن أبی هريرة رضی اللّٰه عنه أن رجلاً دخل المسجد ورسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم فی ناحية المسجد فجاء فسلم عليه فقال له: ارجع فإنک لم تصل، فرجع فصلیٰ ثم سلم، فقال: وعليک ارجع فصل فإنک لم تصل، قال فی الثالثة أو فی التی بعدها: علمنی يارسول اللّٰه! قال إذا أقمت إلی الصلاة فأسبغ الوضوء ثم استقبل القبلة فكبر وأقرأ بما تيسر معک من القرآن حتیٰ تطمئن راكعاً ثم رفع رأسه حتیٰ تعتدل قائماً ثم اسجد حتیٰ تطمئن ساجداً ثم ارفع حتیٰ تستوی وتطمئن جالساً ثم اسجد حتیٰ تطمئن ساجداً ثم ارفع حتیٰ تستوی قائماً افعل ذلک فی صلاتک كلها. (صحيح البخاری، كتاب الأيمان والنذر، باب إذا حنث ناسياً فی الأيمان: ۹۸۶/۲، مكتبة رشيدية سهارنپور، رقم الحديث: ۶۲۵۱-۶۶۶۷، انيس)

(وتعديل الأركان) أی تسكين الجوارح قدر تسبيحة فی الركوع و السجود وكذا فی الرفع منهما علیٰ ما اختاره الكمال (الدر المختار) أی يجب التعديل أيضاً فی القومة من الركوع والجلسة بين السجدتين، إلخ. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب واجبات الصلاة: ۴۳۲/۱، ظفير)

جن جگہوں پر نماز پڑھنا مکروہ ہے

مسجد کی چھت پر نماز کا حکم:

سوال: شدت گرمی کی وجہ سے عشا اور تراویح کی نماز مسجد کی کھلی ہوئی چھت پر باجماعت ادا کی جاسکتی ہے، یا نہیں؟ اور عدم کراہت میں ہمارے علاقہ کے مقتدر علما کا فعل پیش کیا جاتا ہے کہ فلاں مولانا اتنے بڑے عالم اور بزرگ تھے، وہ خود گرمی کی وجہ سے چھت پر پڑھا کرتے تھے، حالاں کہ فتاویٰ عالمگیری میں مکروہ لکھا ہے، مسئلۂ مذکور کا بالتفصیل جواب لکھ کر یہ بتلائیں کہ فتاویٰ عالمگیری میں جو مکروہ لکھا ہے، اس سے کون سی کراہت مراد ہے اور علما کے فعل کو دلیل میں پیش کرنا کیسا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

بلا عذر مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ؛یعنی خلاف اولیٰ ہے اور اگر کوئی عذر مثلاً نیچے جگہ نہ ہو، یا شدید گرمی ہو اور ہوا کا کوئی نظم نہ ہو تو اس صورت میں بلا کراہت مسجد کی چھت پر نماز درست ہے۔ عالمگیری کی عبارت میں مکروہ سے مراد مکروہ تنزیہی ہے۔(۱)

امداد الفتاویٰ: ۱/۴۴۴، ۴۴۵ کے حاشیہ میں مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری نے اس مسئلہ پر بڑی اچھی بحث کی ہے، ملاحظہ فرمالیں،(۲) نیز کفایت المفتی (جلد سوم صفحہ ۱۵۵) ملاحظہ فرمالیں۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۷/۱۱/۱۴۰۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۴۱۷-۴۱۸)

---

(۱) الصعود علٰی سطح کل مسجد مکروہ ولھٰذا إذا اشتد الحر یکرہ أن یصلوا بالجماعة فوقه إلا إذا ضاق المسجد فحینئذٍ لایکرہ الصعود علٰی سطحه للضرورة، کذا فی المغرائب. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد: ۵/۳۲۲، مکتبة ماجدیة کوئٹه، باکستان، انیس)

(۲) حضرت مفتی صاحب اس مسئلہ مکمل بحث کے بعد لکھتے ہیں:

لہٰذا مسجد کی چھت پر تنہا یا با جماعت نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے، البتہ عذر کے وقت مثلاً نیچے جگہ نہ ہو یا گرمی شدید ہو اور در بچوں سے بھی علاج نہ ہو سکے اور دیگر کوئی محظور شرعی بھی نہ ہو (مثلاً قرب وجوار کے مکانوں کی بے پردگی) تو چھت پر تنہا، یا با جماعت نماز پڑھنا جائز ہے۔

(۳) حضرت مفتی صاحب اس طرح کے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ”مسجد کی چھت پر نماز کی جماعت جائز ہے اور اگر گرمی وغیرہ کے عذر کی وجہ سے ہو تو کسی قسم کی کراہت بھی نہیں، البتہ بلا عذر ہو تو اس بنا پر کہ جماعت کی اصلی جگہ نیچے کا درجہ اور محراب ہے، اوپر جماعت کرنا خلاف اولیٰ ہے“۔

مسجد کی چھت پرنماز مکروہ ہے:

سوال: ہم مصلیان مسجد میر محمود صاحب مرحوم مندرجۂ ذیل وجوہ کی بناپر دریافت کرتے ہیں کہ مسجد کی چھت پر نماز جماعت سے پڑھ سکتے ہیں، یانہیں؟

(۱) مسجد پست بنی ہے۔

(۲) اور چھوٹے اور موٹے کولوں کے ہیں اور اندرون مسجد ہوا کی آمدورفت کم ہے،جس کے باعث نماز میں گرمی کی شدت سے طبیعت پریشان ہوتی ہے۔

(۳) مسجد کی وضع قطع کے ماتحت یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ مسجد بناتے وقت چھت پرنماز پڑھنا بھی مقصود تھا، زینہ بہت عرصہ کے بعد بنالیا گیا ہے۔

(۴) کسی مکان کی بے پردگی نہیں ہوتی ہے۔

الجواب

فی العالمکیرية الباب الخامس من الكراهة:الصعود علىٰ سطح كل مسجد مكروه،ولهٰذا إذا اشتد الحر يكره أن يصلوا بالجماعة فوقه إلا إذا ضاق المسجد فحينئذ لايكره الصعود علىٰ سطحه للضرورة،كذا فی الغرائب،آه.(۱)

اس میں تصریح ہے کہ صورتِ مسئول عنہا میں چھت پر جماعت کرنا مکروہ ہے۔(۲)

۱۴رصفر۱۳۵۴ھ(النور،محرم۱۳۵۵ھ،ص:۹)

نوٹ: ہوااورگرمی کا علاج دیوارقبلہ،یایمین وشمال میں دریچہ کھولنے سے ہوسکتا ہے۔اشرف علی

(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۴۴۴)

---

(۱) الفتاویٰ الهندية،الباب الخامس فی آداب المسجد:۵/۳۲۲،مکتبة ماجدية،باكستان،انیس

(۲) مسجد کی چھت پرتنہا، یاباجماعت،نماز پڑھنے کی کراہت کامدار،چھت پر چڑھنے کی کراہت پر ہے، چناں چہ عالمگیریہ میں غرائب سے جوکراہت صلوٰۃ نقل کی ہے، وہ کراہت سعود علی السطح پر متفرع ہے؛لیکن شامی رحمہ اللہ نے درمختار کے قول ''وكره تحريمًا الوطء فوقه'' کی شرح کرتے ہوئے فرمایاہے:أی الجماع''خزائن'' أما الوطء فوقه بالقدم فغير مكروه،إلا فی الكعبة لغير عذر،لقولهم بكراهة الصلوٰة فوقها، اور جب صعود علی السطح مکروہ نہیں تو چھت پرنماز پڑھنا بھی مکروہ نہیں، پھرشامی رحمہ اللہ نے قہستانی سے کراہیۃ صعود علی السطح کا جزئیہ بھی نقل کیاہے اوراس پر کراہیۃ صلوٰۃ علی سطح المسجد متفرع کی ہے؛لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ کواس پر اطمینان نہیں ہے؛ اس لیے فلیتأمل فرمایا۔(ردالمحتار،باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها،مطلب:فی أحكام المسجد: ۱/۶۵۶،انیس)

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی شرح منیہ اور شامی کی مذکورعبارت نقل کرکے فرماتے ہیں خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ بعض عبارت سے جوازنماز فوق مسجد معلوم ہوتاہے اوربعض سے کراہت معلوم ہوتی ہے اھ(فتاویٰ دارالعلوم جدید:۴/۱۵۰،سوال۱۶۲۱) ==

مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے، یا نہیں:

سوال: مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا کیسا ہے، مکروہ ہے، یا نہیں؟ اگر رمضان شریف میں ایک امام نیچے مسجد میں تراویح پڑھائے اور دوسرا امام مسجد کی چھت پر پڑھائے تو بلا کراہت جائز ہے، یا نہیں؟ اگر مسجد میں دو درجے؛ یعنی دو منزلیں ہوں تو دوسرے درجہ کا چھت میں شمار ہوگا، یا نہیں؟

فتاویٰ قاضی خاں مطبوعہ نول کشور جلد اول صفحہ: ۱۱۷ میں یہ عبارت ہے:

وکذا لو صلّٰی علی السطح فی شدة الحر لقوله تعالٰی: ﴿قل نار جهنم أشد حرا لو كانوا يفقهون﴾(۱) کی اس عبارت سے چھت پر نماز پڑھنے کو مکروہ کہہ سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب

قال فی الدر: وكره تحريمًا الوطأ فوقه والبول والتغوط؛ لأنه مسجد إلٰی عنان السماء، آه.

قال الشامی: ولهٰذا يصح اقتداء من علٰی سطح المسجد بمن فيه إذا لم يتقدم على الإمام ولا يبطل الاعتكاف بالصعود إليه ولا يحل للجنب والحائض والنفساء الوقوف عليه ولو حلف لا يدخل هٰذه الدار فوقف علٰی سطحها يحنث، آه. (۲)

وأيضا: فإن الفقهاء لم يذكروا فی مكروهات الصلاة سوٰى ظهر بيت الله، آه.

مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ نہیں؛ کیوں کہ وہ بھی مسجد ہی ہے، البتہ یہ جائز نہیں کہ جماعت سقف ہی پر ہو، نیچے کے درجہ میں نماز ہی نہ ہو؛ کیوں کہ اصل مسجدیت میں داخلی حصہ ہی ہے، سقف کی مسجدیت تبعاً للتحت ہے، پس داخلی حصہ میں نماز نہ ہونا صرف سقف پر ہونا مکروہ ہوگا۔ (۳)

إلا للحاجة الشديدة بأن كان المسجد ذا منزلين ويتعذر الصلاة فی الداخل للحر ونحوه فهو عذر ولأن المنزلة الثانية ليس فی حكم السقف بالكلية بل له حكم المسجد والسقف ما كان فوق المنزلة الثانية.

اور یہ صورت بلا کراہت جائز ہے کہ امام تحت میں داخل مسجد ہو اور کچھ جماعت اس کے ساتھ ہو اور کثرت جماعت

== پس تطبیق کی صورت ذہن میں یہ آتی ہے کہ نفی کراہت تحریمی کی ہے اور اثبات کراہت تنزیہی کا، لہٰذا مسجد کی چھت پر تنہا یا باجماعت نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی؛ یعنی خلاف اولیٰ ہے البتہ عذر کے وقت مثلاً نیچے جگہ نہ ہو، یا گرمی شدید ہو اور دریچوں سے بھی علاج نہ ہو سکے اور دیگر کوئی محذور شرعی بھی نہ ہو، (مثلاً قرب وجوار کے مکانوں کی بے پردگی) تو چھت پر تنہا یا باجماعت نماز پڑھنا جائز ہے، واللہ اعلم بالصواب (سعید احمد پالنپوری)

(۱) سورة التوبة: ۸۱، انیس

(۲) ردالمحتار، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب: فی أحكام المسجد: ۶۵۶/۱، دار الفكر، انیس

(۳) الصلاة على الرفوف فی المسجد الجامع من غير ضرورة مكروهة وعند الضرورة بأن امتلأ المسجد ولم يسجد موضعاً يصلى فيه فلا بأس به. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة، باب مايكره للمصلی: ۵۶۹/۱، انیس)

کے وقت کچھ آدمی اوپر چھت پر اقتدا کرلیں۔

بشرط التخلف عن الإمام وفی شرح المنیة للحلبی: وکذا(یکره)لو صلٰی علٰی سطح المسجد من شدة الحر لقوله تعالٰی:﴿قل نارجهنم أشد حرًا لو کانوا یفقهون﴾ (۱)وفی القنیة إمام یصلی التراویح علٰی سطح المسجد فقل اختلف فی کراهیة والأولٰی أن لایصلی فیه عند العذرفکیف فی غیره،آه. (ص:۳۹۲)(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ تحت مسجد کو چھوڑ کر سقف پر نماز پڑھنا مکروہ ہے، یہ تو سقف کا حکم ہے اور دومنزلہ کے بارے میں یہ کہنا کی بالائی منزل سقف کے حکم میں ہے، صحیح نہیں؛ بلکہ سقف وہ ہے، جو بالائی منزل کے اوپر ہے، پس دومنزلہ میں یہ جائز ہے کہ کسی وقت تحتانی منزل میں نماز نہ پڑھی جائے، صرف بالائی میں پڑھی جائے، وہ اس کی نظیر ہے کہ کسی وقت مسجد کے داخلی حصہ میں نماز نہ ہو؛ بلکہ صحن میں پڑھی بجاوے کہ یہ بلا کراہت جائز ہے، رہی یہ صورت کہ دومنزلہ مسجد میں ایک امام تحتانی منزل میں ہو اور ایک امام بالائی منزل میں ہو اور دونوں الگ الگ تراویح پڑھاویں، سو یہ صورت مکروہ ہے؛ کیوں کہ فقہانے ایک مسجد میں تراویح کی دو جماعتوں سے منع کیا ہے۔

ولوصلوا لتراویح ثم أرادوا أن یصلی ثانیًا یصلی فرادٰی، کذا فی الخلاصة. (۳)

وفی شرح المنیة (ص: ۳۸۹):ولوأم فی التروایح مرتین فی مسجد واحد کره وکذا لو صلاها مرتین مامونًا فی مسجد واحد وإن صلٰی فی المسجد ین اختلف المشائخ فیه،آه.

نیز تکرار جماعت ایک مسجد میں ایک وقت میں سلف سے ثابت نہیں۔

والخیر کله فی اتباع السلف ولایغتر،أحدهما یفلعه أهل الحرم من تعدد الجماعات فی التروایح فإن الحرم یجوزفیه تکرارالجماعة فلایصدق علیه أنه مسجد محلة بل هو کمسجد شارع وقد مرأنه لاکراهة فی تکرارالجماعة فیه اجماعاً. (۴)

وبالجملة فکل مسجد یجوز تکرارالجماعة فیه لابأس بتکرارالتروایح فیه إذاکان الإمام و الموموں فی کل علٰیحدتهم وإلا فلا.

۲۷/شعبان ۱۳۴۶ھ۔ (امدادالاحکام:۲/۱۷۲-۱۷۳)

---

(۱) سورةالتوبة: ۸۱، انیس

(۲) قنیةالمنیة لتتمیم الغنیة،باب فی التراویح،ص: ٤٤،انیس

(۳) خلاصة الفتاوٰی، کتاب الصلاة،الفصل الثالث فی التراویح: ٦٤/١،مکتبة أشرفیة،دیوبند،انیس

(۴) ردالمحتار، کتاب الصلاة،مطلب فی تکرارالجماعة فی المسجد: ٢٦٦/٢،مکتبة دارالکتاب،انیس
والخیر کله فی اتباع السلف الصالح الذین اختارهم الله فما فعلوا فعلناه وما ترکوا ترکناه.(دلیل المواعظ إلی أدلة المواعظ،المولد النبوی هه نحتفل: ٧٣٦/٢،دارالفرقان البحیرة،انیس)

سنیما کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے:

سوال: سنیما (گھر) کی چھت پر نماز ادا کرنا کیسا ہے؟ نماز بلاکراہت ادا ہوگی، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

وہاں جانا ہی حرام ہے تو نماز بطریق اولی مکروہ تحریمی ہے؛ اس لیے کہ یہ موضع لہو ولعب اور مجمع شیاطین ہے، **كما قالوا فى الصلاة فى معابد اليهود والنصارىٰ**، اگر یہ عمارت سنیما کی آمدنی، یا اور کسی قسم کے مال حرام سے بنائی ہو تو اس کے استعمال کا گناہ بھی ہوگا اور نماز میں مزید کراہت کا باعث ہوگا، اس نماز کا اعادہ بہر حال واجب ہے۔

قال شارح البداية فى مكروهات الصلاة: والصلاة جائزة فى جميع ذلك لاستجماع شرائطها وتعاد علىٰ وجه غير مكروه وهٰذا الحكم فى كل صلاة أديت مع الكراهة. (فتح القدير: ۲۹۵/۱)(۱) **فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم**

۲۷/شعبان ۱۳۸۸ھ (احسن الفتاویٰ: ۴۲۱/۳)

بت خانہ میں نماز پڑھنا:

سوال: شرک وبت پرستی کی جگہ، جہاں بت اور تصاویر ہوں، نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــ

تمام روئے زمین پر بشرطیکہ پاک ہو، نماز پڑھنا جائز ہے،(۲) اور تصویر اگر مصلی کے سر پر یا دائیں بائیں ہو تو نماز مکروہ ہوگی۔(۳)

---

(۱) فتح القدير، باب الكراهة: ۴۲۹/۱، مكتبة دار الكتب العلمية، انيس

(۲) عن حذيفة قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: فضلنا على الناس بثلاث: ضعلت صفوفنا كصفوف الملائكة وجعلت لنا الأرض كلها مسجداً وجعلت تربتها لنا طهوراً إذا لم نجد الماء. (صحيح لمسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ۵۲۲/صحيح ابن خزيمة، رقم الحديث: ۲۶۴/مسند السراج، رقم الحديث: ۵۰۴/شرح مشكل الآثار، رقم الحديث: ۱۰۲۴/الشريعة للآجرى، رقم الحديث: ۱۰۴۴/شرح السنة للبغوى: ۱۱۳/۲، المكتب الإسلامى بيروت/نصب الرأية، باب التيمم: ۱۵۸/۱، مؤسسة الريان/البدر المنبير، الحديث الرابع، الحديث ۶۲۱/۲، دار الهجرة، انيس)

(۳) عن أبى طلحة عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قا لا تدخل الملائكة بيتاً فيه كلب ولاصورة. (الصحيح لمسلم، باب تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولاصورة: ۲۰۰/۲، مكتبة رشيدية، دهلى، انيس)

وأن يكون فوق رأسه أوبين يديه أوبحذائه يمنة أويسرة أومحل سجوده تمثال ولوفى وسادة منصوبة لامفروشة. (الدر المختار، باب الكراهة: ۳۶۰/۲، مكتبة دار الكتاب ديوبند، انيس)

اسی طرح اگر مصلی کے سامنے آگ روشن ہو تو آتش پرستوں کی مشابہت کی وجہ سے نماز میں کراہت آجائے گی۔ (کذا فی السراج المنیر)(۱)

اور کسی مکان کا محض مقام شرک ہونا نماز سے مانع نہیں۔ (۲) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۲۶)

مواضع غضب وعذاب میں ممانعت نماز اور اس کی حکمت:

سوال: کئی ایام سے ایک شبہ دل میں واقع ہو رہا ہے، اب تک بدستور ہے؛ اس لیے عرض کر کے حل چاہتا ہوں، وہ یہ کہ بندہ چوں کہ ضعیف وناتواں ہے، ایک ضد سے تاثر کے وقت دوسری ضد کا تحمل نہیں کر سکتا؛ مگر حق تعالیٰ چوں کہ قادر مطلق ہیں، وہ متاثر ومنفعل نہیں ہوتے، پھر مواضع غضب وعذاب میں جانے آنے، یا نماز پڑھنے سے نہیں کیوں فرمائی گئی ہے، چناں چہ اصحاب حجر کے متعلق ارشاد ہے:

لاتدخلوا علیٰ هؤ لاء المذبین إلا أن تکونوا باکین فإن لم تکونوا باکین فلاتدخلوا علیهم لایصیبکم ماأصابهم،الحدیث. (۳)

اس کی حکمت ارشاد فرمائی جاوے؟

---

(۱) (و) کذا لا تکره الصلاة (إلی مصحف أو سیف معلق)موضوع بین یدیة لأنهما لا یعبدان (أو شمع)بفتح المیم علی الأوجه والسکون ضعیف،مع أن المستعمل قاله ابن قتیبة، (أو سراج) هذا هو المختار کما فی غایة البیان، وقیل:یکره لو کان بین یدیه جمر أو نار توقد،التمرتاشي،وهو الأصح لأنهما لا لا یعبدهاما أحد،وفی القنیة:المجوس یعبدون الجمر لا النار الموقدة حتی لا تکره النار الموقدة،انتهی.(النهر الفائق،باب ما یقفسد الصلاة ومایکره فیها: ۲۸۵/۱-۲۸۶،دارالکتب العلمیة بیروت،انیس)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع سے خانۂ کعبہ کے اردگرد رکھے ہوئے مورتیوں لکڑی کے اشارے سے منہدم کیا اور خانہ کعبہ کے اندر انبیاء کرام کے بنائے گئے تصاویر کو مٹایا اور دروازے کے سامنے دو رکعت نماز ادا کی۔

ثم نهض رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم والمهاجرون والأنصار بین یدیه وخلفه وحوله حتی دخل المسجد فأقبل إلی الحجر الأسود فاستلمه ثم طاف البیت وفی یده قوس وحول البیت وعلیه ثلاث مائة وستون صنما فجعل یطعنها بالقوس ویقول﴿جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل کان زهوقا﴾(الإسراء: ۸۱)﴿جاء الحق وما یبدیء الباطل ومایعید﴾(سبأ: ۴۹)والأصنام تتساقط علی وجوهها.وکان طوافه علی راحلته ولم یکن محرما یأمئذ فاقتصر علی الطواف فلما أکمله دعا عثمان بن طلحة فأخذ منه مفتاح الکعبة فأمر بها ففتحت فدخلها فرأی فیها الصور وأی فیها صورة إبراهیم وإسماعیل یستقسمان بالأزلام فقال:قاتلهم اللّٰه واللّٰه إن استقسما بها قط،ورأی فی الکعبة حمامة من عیدان فکسرها بیده وأمر بالصور فمحیت ثم أغلق علیه الباب وعلی أسامة وبلال فاستقبل الجدار الذی یقابل الباب حتی إذا کان بینه وبین قدر ثلاثة أذرع وقف وصلی هناکثم دار فی البیت وکبر فی نواحیه،الخ.(زاد المعاد، أسباب الفتح الأعظم:۳۵۸/۳،مؤسسةالرسالة بیروت،انیس)

(۳) فتح الباری،باب الصلاة فی مواضع الخسف والعذاب:۶۸۶/۱،رقم الحدیث:۴۳۳،دارالسلام ریاض،انیس

الجواب

ایک توجیہ یہ خیال میں آئی تھی؛ مگر اس احتمال پر کہ شاید کسی نے اس سے اچھی توجیہ لکھی ہو، کتابوں کا مطالعہ کیا، بحمد للہ تعالیٰ فتح الباری میں بتغیر الفاظ وہی توجیہ نکلی، جو خیال میں آئی تھی، اس میں شبہ مذکورہ فی السوال کا جواب بھی ہے؛ اس لیے اس کو نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔

وللمصنف في أحاديث الأنبياء أن يصيبكم أى خشية ؤن يصيبكم،ووجه هٰذه الخشية أن البكاء يبعثه على التفكر والاعتبارفكأنه أمرهم بالتفكرفى أحوال توجب البكاء من تقدير الله تعالٰى علٰى أولٰئک بالكفرمع تمكينه لهم فى الأرض وإمهالهم مدة طويلة ثم ايقاع نقمته بهم وشدةعذابه وهوسبحانه مقلب القلوب فلايأمن المؤمن أن تكون عاقبته إلٰى مثل ذلک والتفكرأيضًا فى مقابلة أولٰئک نعمة الله بالكفروإهمالهم أعمال عقولهم فيما يوجب الإيمان به والطاعة له فمن مرعليهم ولم يتفكرفيما يوجب البكاء اعتبارًا بأحوالهم فقد شابههم فى الاهمال ودل علٰى قساوة قلبه وعدم خشوعه فلا يأمن أن يجره ذلک إلى العمل بمثل أعمالهم فيصيبه ما أصابهم وبهٰذا يندفع اعتراض من قال كيف يصيب عذاب الظالمين من ليس بظالم؛لأنه بهٰذا التقرير لايأمن أن يصيرظا لما فيعذب بظلمه،آه. (۱)

میری توجیہ کے یہ الفاظ ہیں کہ جس طرح مواضع طاعت میں نور ہوتا ہے اور نور حاصل ہوتا ہے طاعات پر، اسی طرح مواضع معصیت میں ظلمت ہوتی ہے اور وہ ظلمت حاصل ہوتی ہے معاصی پر تو ایسے مواضع سے تلبس سبب ہوسکتا ہے قساوت وغفلت ومعصیت کا اور اس پر نزول عذاب مرتب ہوسکتا ہے اور بکاء وخشیت اس اثر سے مانع ہوجاتا ہے، پس یہ اصابت متلبسین کو اپنے اعمال سے مسبب ہوگی، نہ کہ ان کے اعمال سے۔

ولعل هٰذا العنوان أسهل فكان فى قوله عليه السلام: "إن يصيبكم مثل ما أصابهم" دون أن يقول: "يصيبكم ما أصابهم" إشارة واضحة إلٰى ذلک. والله أعلم

اشرف علی، ۶/محرم ۱۳۵۶ھ (النور ص ۸ ربیع الثانی ۵۷ھ) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۴۴۵-۴۴۷)

چارپائی پر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: چارپائی پر نماز کا جواز بکراہت ہے، یا بلا کراہت؟ اور کراہت تنزیہی ہے، یا تحریمی؟ اس کے متعلق جو تفصیل ہو، اس سے مطلع فرمائیں۔

---

(۱) فتح الباری، باب الصلاة فى مواضع الخسف والعذاب: ۱/۶۸۷، مكتبة دار السلام، انیس

الجواب ــ

چار پائی پر نماز پڑھنا خلاف اولیٰ ہے، فإن الأفضل أن یصلی علیٰ مایشاء به الأرض. یہ اس وقت ہے جب کہ پلنگ خوب کسا ہوا ہو، ورنہ نماز کی صحت میں ہی شبہ رہے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰/ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ (امداد الاحکام: ۱۷۶/۲-۱۷۷)

مسجد کے در میں تنہا یا چند آدمی کا نماز پڑھنا:

سوال: مسجد کے در میں تنہا، یا چند آدمی مل کر اقتدا کریں تو یہ صحیح ہے، یا مکروہ؟ اور کس درجہ کا مکروہ ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

تنہا در میں کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے، دو آدمی ہوں تو مضائقہ نہیں ہے۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد نور الحسن غفرلہ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۳۰۷/۲)

منبر کی سیڑھی پر سجدہ کرنے کا حکم:

سوال: ایک مسجد میں امام کے خطبہ پڑھنے کا جو منبر ہے، اس کی ایک سیڑھی کچھ زیادہ آگے کو ہے، جس کی وجہ سے جو صف اول نمازیوں کی ہوتی ہے، اس میں دو نمازیوں کو سجدہ اسی سیڑھی کے اوپر کرنا پڑتا ہے اور یہ سیڑھی فرش مسجد سے پانچ گرہ اونچی ہے، اگر مجبوری ہے تو صرف اسی قدر ہے کہ ایسی صورت میں اندر کے در میں بجائے تین صف کے دو صف ہوتی ہیں اور اگر منبر کے سامنے جو سیڑھی ہے اسی قدر جگہ کو چھوڑ دی جائے تو صفیں تو ضرور تین ہو جاویں گی؛ لیکن درمیان میں دو نمازیوں کی جگہ خالی رہتی ہے اور سلسلۂ صف شکستہ ہوتا ہے، اور یہ بات نہیں ہے کہ مسجد میں گنجائش نہیں ہے؛ بلکہ ضرورت سے زیادہ گنجائش ہے، لہٰذا اندریں صورت ان دو نمازیوں کی نماز صحیح ہوتی ہے اور جائز ہے، یا کیا صورت ہے؟

---

(۱) والأصح ماروی أبی حنیفة أنه قال: أكره أن یقوم بین الساریتین أوفی زاویة أو فی ناحیة المسجد أوإلیٰ ساریة؛ لأنه خلاف عمل الأمة. (ردالمحتار، باب الإمامة: ۳۱۰/۲)(۵٦۸/۱، دارالفكر بیروت، انیس)

أبوهریرة قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: وسطوا الإمام وسددوا الخلل. (سنن أبی داؤد، كتاب الصلاة، باب مقام الإمام من الصف: ۹۹/۱، مكتبة رشیدیة دهلی، رقم الحدیث: ٦۸۱، انیس)

حدثنی أبوهریرة قال: سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول: وسطوا الإمام وسدوا الثلم لا یتخللها الشیطان وضعوا نعالكم بین أقدامكم. (المعجم الأوسط، من إسمه عبداللّٰه، رقم الحدیث: ٤٤۵۷، انیس)

"والاصطفاف بین الأسطوانین غیرمكروه؛ لأنه صف فی حق كل فریق". (مبسوط للسرخسی: ۳۵/۲) (شروط الجمعة، دارالمعرفة بیروت، انیس)

الجواب

ایک بالشت اونچی سیڑھی پر سجدہ جائز ہے اور وہ سیڑھی پانچ گرہ ہے؛ اس لیے نماز جائز نہیں ہوتی۔

فی العالمکیریة (ص: ٤٤/ج: ١): إذا کان موضع السجود ارفع من موضع القدمین بقدر لبنة أو لبنتین منصوبتین جاز وإن زاد لم یجز، کذا فی الزاهدی وحد اللبنة ربع ذراع، کذا فی السراج الوهاج.(۱)

اور بلاضرورت صف میں جگہ چھوڑنا بھی مکروہ ہے؛ اس لیے اندر دو صف باندھی جائیں۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، ۸/ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ، الجواب صحیح ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ (امداد الاحکام: ۱۶۹/۲-۱۷۰)

مغصوبہ زمین پر نماز پڑھنا:

سوال: کسی سے غصب کی ہوئی زمین پر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب

مکروہ ہے؛ مگر فریضہ ادا ہوجائے گا۔ **(کذا فی شرح المسلم لمولانا نظام الملة والدین)**(۲)

(مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو: ۲۲۶)

(۱) الفتاویٰ الهندیة، الفصل الأول فی فرائض الصلاة: ۷۰/۱، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) ونظیر هذا الصلاة فی الأرض المغصوبة مجزئة مسقطة للقضاء ولکن لا ثواب له فیها کذا قاله جمهور أصحابنا. (مرقاة المفاتیح، باب الکهانة: ۲۹۰۵/۷، دار الفکر بیروت، انیس)

نمازی کے سامنے تصویر، یا قبر کا ہونا

ایسے جائے نماز پر نماز کا مکروہ ہونا جس میں مقام سجدہ پر جاندار کی تصویر ہو:

سوال: اگر کسی سجادہ پر سجدہ کی جگہ تصویر انسانی، یا حیوانی ہو، مذہب امام شافعی وحنفی کے علماء اس پر نماز کا حکم دیتے ہیں، یا نہیں؟ ہر دو مذہب کے مسئلہ کے حل سے بحدیث صحیح و بآیات قرآنیہ، یا بہ نص پورے طور سے واضح وخلاصہ تحریر فرماویں کہ اس سجادہ پر نماز درست، یا مکروہ، یا واجب جو کچھ حل حرمت سے ہو، بنظر عنایت رحمت آ گاہی بخشیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

فی الدرالمختار، مکروهات الصلاة: وأن يكون فوق رأسه أو بين يديه أو بحذائه يمنة أو يسرة أو محل سجوده تمثال، إلخ. (۱)

وفيه أولها: (أى فى الدرالمختار أول المكروهات) وكره هٰذه تعم التنزيهية التى مرجعها خلاف الأولىٰ فالفارق الدليل فإن نهيا ظنى الثبوت و لاصارف فتحريمية وإلا فتنزيهية. (۲)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ صورت مسئولہ میں نماز مکروہ ہوگی اور کراہت بھی تحریمی ہوگی، جو حکم حرام میں ہے اور میرے پاس مذہب شافعیؒ کی کتاب نہیں ہے۔

۲۷/ شوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص: ۸۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۴۳۹-۴۴۰)

تصویر والے مقام میں نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے:

سوال: جس گھر میں تصویر ہو، اس میں نماز مکروہ ہے، اب اس کا اعادہ واجب ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

تصویر والے مقام میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور اس کا اعادہ واجب ہے۔

فى مكروهات الصلاة من التنوير: وليس ثوب فيه تماثيل وأن يكون فوق رأسه أو بين يديه

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، باب الكراهة: ۲/ ۳۶۰، مكتبة دار الكتاب، انيس

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱/ ۶۳۸-۶۳۹ (باب الكراهة: ۲/ ۳۵۰، مكتبة دار الكتاب، انيس)

أوبحذائه تمثال واختلف فيما إذاكان خلفه والأظهر الكراهة.(۱)

وفى قضاء الفوائت من الشامية عن البحر:ان من ترك واجبا من واجباتها أوارتكب مكروهًا تحريميًا لزمه وجوبا، أن يعيد فى الوقت فإن خرج إثم ولايجب جبرالنقصان بعده فلو فعل فهوأفضل،آه، وبعد أسطر:وأما كونها واجبة فى الوقت مندوبة بعده كما فهمه فى البحر وتبعه الشارح فلادليل عليه وقد نقل الخيرالرملى فى حاشية البحرعن خط العلامة المقدسى أن ما ذكره فى البحر يجب أن لايعتمد عليه لاطلاق قولهم كل صلاة أديت مع الكراهة سبيلها الاعادة،آه، قلت: أى لأنه يشمل وجوبها فى الوقت وبعده أى بناء على أن الاعادة لا يختص بالوقت وظاهره ماقدمناه عن شرح التحرير ترجيحه وقد علمت أيضا ترجيح القول بالوجوب فيكون المرجح وجوب الإعادة فى الوقت وبعده ويشيرإليه ما قدمناه عن الميزان من قوله يجب عليه الاعادة وهو اتيان مثل الأول ذاتا مع صفة الكمال أى كمال مانقصه منها وذلك يعم وجوب الاتيان بها كاملة فى الوقت وبعده كما مر،ثم هٰذا حيث كان النقصان بكراهة تحريم لما فى مكروهات الصلاة من فتح القدير:أن الحق التفصيل بين كون تلك الكراهة كراهة تحريم فتجب الإعادة أوتنزيه فتستحب،آه، أى تستحب فى الوقت وبعده أيضاً.(ردالمحتار: ۶۷۹/۱)

وفى الهداية فى مكروهات الصلاة: ويكره أن يكون فوق رأسه فى السقف أوبين يديه أو بحذائه تصاوير أوصورة معلقة (إلٰى قوله)والصلاة جائزة فى جميع ذلك لاستجماع شرائطها وتعاد علٰى وجه غيرمكروه وهٰذا الحكم فى الكل صلاة أديت مع الكراهة.وفى الفتح:(وقوله وتعاد)صرح بلفظ الوجوب الشيخ قوام الدين الكاكى فى شرح المنار ولفظ الخبرالمذكور أعنى قوله وتعاد يفيده أيضًا علٰى ماعرف والحق التفصيل بين كون تلك الكراهة كراهة تحريم فتجب الإعادة أوتنزيه فتستجب فإن كراهة التحريم فى رتبة الواجب فإن الظنى إن أفاد المنع بدلالة قطعية أعنى بطريق الحقيقة مجرد عن القرائن الصارفة عنه فالثابت كراهة التحريم وإن أفاد الزام الفعل كذلك فالوجوب وإن أفاد ندب لمنع فتنزيهيية أوالفعل فالمندوب ولذا كان لازمهما معنى واحدًا وهو ترتب الإثم بترك مقتضاهما.(۲) فقط واللّٰه تعالٰى أعلم

۱۳/ربیع الاول ۱۳۹۰ھ (احسن الفتاویٰ:۳/۴۲۷-۴۲۸)

---

(۱) رد المحتار،باب الكراهة: ۳۶۰/۲،دارالكتاب ديوبند،انيس

(۲) فتح القدير،باب الكراهة: ۴۲۸/۱ ،مكتبة زكرياديوبند،انيس

نماز پڑھنے والے کے سامنے اگر کوئی صاف تصویر ہو تو:

سوال: کسی چیز گھڑی وغیرہ پر تصویر ہے اور وہ نمازی کے سامنے رکھی ہے تو نماز ہو جاوے گی، یا مکروہ ہوگی؟

الجواب

اگر ایسی تصویر ہے کہ معلوم ہوتی ہے تو نماز مکروہ ہوگی اور اگر ایسی چھوٹی ہے، جیسے مچھر مکھی کہ کپڑے پر ہونے سے معلوم نہیں ہوتی تو مکروہ نہیں۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص: ۵۷) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۷۷)

نمازی کا عکس شیشے میں نظر آنے کا حکم:

سوال: مسجد میں سامنے دیوار کے پاس الماریاں رکھی ہوتی ہیں، جن میں قرآن شریف رکھے جاتے ہیں اور الماریوں میں شیشے لگے ہوئے ہیں، جو شخص صف میں ان کی محاذات میں ہوتا ہے، اس کا عکس نظر آتا ہے، ایسا عکس نہیں جیسا کہ منہ دیکھنے کے آئینہ میں نظر آتا ہے؛ بلکہ ایسا عکس ہے جیسا کہ پانی میں نظر آتا ہے، سوال یہ ہے کہ ایسا عکس نماز میں کراہت پیدا کرتا ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر نماز میں اس کی طرف توجہ جاتی ہو اور یکسوئی میں مخل ہو تو ایسا شیشہ لگانا مکروہ ہے، ورنہ فی نفسہ اس میں کوئی کراہت نہیں، جیسا کہ مصلی کا سایہ بحالت نماز سامنے پڑھنا موجب کراہت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹/رجب ۱۳۸۷ھ (احسن الفتاویٰ: ۳/۴۱۲-۴۱۳)

مصلی کے پس پشت تصویر کا ہونا:

سوال: اگر مصلی کے سر پر یا پسِ پشت تصویر ہو تو نماز مکروہ ہوگی، یا نہیں؟

الجواب

مکروہ ہوگی۔

(۱) عن أبي طلحة أنه قال: إن رسول الله صلى عليه وسلم قال: إن الملائكة لاتدخل بيتاً فيه صورة. (الصحيح لمسلم، باب لاتدخل الملائكة بيتاً، رقم الحديث: ٢١٠٦/صحيح البخاري، باب من كره القعود على الصورة، رقم الحديث: ٥٩٥٨/سنن أبي داؤد، باب في الصور، رقم الحديث: ٤١٥٥/مسند أبي يعلى الموصلي، أول مسند ابن عباس، رقم الحديث: ٢٤٢٩، انيس)

رسائل الارکان میں ہے:

قال فی الهداية: أشدها كراهة أن يكون إمام المصلی، ثم من فوق رأسه، ثم يمنيه ثم شماله، ثم خلفه، إنتهیٰ. (۱) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۰۶)

جس فرش پر جوتا پہن کر چلتے ہیں اس پر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال (۱) ایک کمرہ ہے، وہاں زمین پر فرش بچھا ہوا ہے، لوگ ہر قسم کے آتے ہیں اور جوتا پہن کر فرش پر چلتے ہیں اس جگہ پر نماز پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟ اگر پڑھ سکتے ہیں تو کس طرح؟

جس کاغذ پر تصویر ہو اس پر نماز کا حکم:

(۲) اخبار بچھا کر نماز پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟ جب کہ اس اخبار میں تصویر موجود ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

(۱) جائے نماز، یا کوئی پاک کپڑا بچھا کر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ (۲)

(۲) ایسا اخبار یا کاغذ بچھا سکتے ہیں، جس میں سامنے رخ پر تصویر نہ ہو۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد نظام الدین (امیر شریعت بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ) (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۴۱۶-۴۱۷)

نماز میں ذی روح چیز کی تصویر پاؤں تلے رکھنا:

سوال: جناب مفتی صاحب! اگر کوئی شخص کسی جاندار کی تصویر سے منقش مصلی پر نمار پڑھ رہا ہو اور پاؤں اس تصوریر پر رکھے ہوں تو اس شخص کی نماز کا کیا حکم ہے؟ کیا نماز مکروہ ہو جائے گی، یا نہیں؟

---

(۱) الهداية فی شرح بداية المبتدی، فصل ويكره للمصلی، الخ: ۶۵/۱، دار إحياء التراث العربی بيروت، انيس

(۲) قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم أتانی جبرئيل فقال لی أتيتک البارحة فلم يمنعنی أن أكون دخلت إلا أنه كان على الباب تماثيل وكان فی البيت قدام ستر فيه تماثيل وكان فی البيت كلب فمر برأس والتماثيل الذی فی البيت يقطع فيصر كهيأة الشجرة ومر بالستر فليقطع إلخ. (أبو داؤد، كتاب اللباس: ۵۷۳/۲، مكتبة رشيدية دهلی، انيس)

(هی) ستة (طهارة بدنة) ... (من حدث) ... وخبث) ... (وثوبه) ... (ومكانه) أی موضع قدميه أو إحداهما إن رفع الأخریٰ وموضع سجوده اتفاقا فی الأصح لا موضع يديه وركبتيه على الظاهر إلا إذا سجد على كفه كما سيجیء.. (الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، باب شروط الصلاة: ۴۰۲/۱، مكتبة دار الفكر، انيس)

(۳) ولبس ثوب فيه تماثيل) ذی روح، وأن يكون فوق رأسه أو بين يديه أو (بحذائه) يمنة أو يسرة أو محل سجوده (تمثال)... (و) لا يكره (لو كانت تحت قدميه). (الدر المختار، باب مكروهات الصلاة: ۴۱۶/۲-۴۱۷)

الجواب

جس کمرے میں کسی ذی روح (جاندار) کی تصویر آویزاں ہو تو وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے، چاہے تصویر سامنے ہو، یا پیچھے، دائیں ہو، یا بائیں، فقہاء کرام نے اس کراہت کی وجہ صنم پرستی سے مشابہ اور تعظیم بیان کی ہے؛ لیکن اگر کسی مصلی پر جاندار کی تصویر اس طرح بنی ہو کہ اس پر پاؤں رکھے جاتے ہوں تو ایسے مصلی پر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے؛ اس لیے کہ اس عمل سے اس تصویر کی تذلیل ہوتی ہے، نہ کہ تعظیم بیان کی ہے؛ لیکن اگر کسی مصلی پر جاندار کی تصویر اس طرح بنی ہو کہ اس پر پاؤں رکھے جاتے ہوں تو ایسے مصلی پر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے؛ اس لیے کہ اس عمل سے اس تصویر کی تذلیل ہوتی ہے، نہ کہ تعظیم کرنے سے منع کیا ہے۔

لما قال العلامة المرغيناني: ولا بأس بأن يصلي علىٰ بساط فيه تصاوير؛ لأن فيه استهانة بالصور ولا يسجد على التصاوير؛ لأنه يشبه عبادة الصورة وأطلق الكراهية في الأصل؛ لأن المصلي معظم ويكره أن يكون فوق رأسه في السقف وبين يديه أو بحذائه تصاوير أو صورة معلقة، إلخ. (۱) (فتاویٰ حقانیہ: ۳/۲۵۱-۲۶۱)

جس صف پر صلیب کی تصویر ہو اس پر نماز پڑھنا اور اس کو منبر پر بچھانا:

سوال: مسجد کے فرش پر صلیب کی تصویر موجود ہے تو اس پر نماز پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟ اور اس کو ممبر پر بچھا کر خطبہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

حامدًا مصليًا، الجواب وبالله التوفيق: جو تصویریں اس قدر چھوٹی ہوں کہ اگر وہ زمین پر پڑی ہوں اور کھڑے آدمی کو تصویر دکھائی نہ دے تو ایسے فرش کو گھر میں بچھانا مکروہ نہیں؛ لیکن جو فرش محل اہانت میں نہ ہو، جیسے مصلے و جانمازیں تو یہ تصویر دار جائز نہیں، لما في الهداية۔ (۲) لہٰذا اگر چھوٹی تصویر ہو اور پیروں کے نیچے روندی جاتی ہو تو مکروہ نہیں۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاوی: ۲/۲۴۴)

---

(۱) الهداية، باب مايفسد الصلوٰة ومايكره: ۱۴۲/۱، مكتبة ياسر نديم، انيس

(۲) وفي المصلي أطلق الكراهة في المبسوط؛ لأن المصلي معظم(...وأطلق الكراهة في الأصل؛ لأن المصلي معظم. (الهداية، فصل في مكروهات الصلاة: ۱۴۲/۱، مكتبة ياسر نديم، انيس)

(۳) "وإن كانت الصور على البسط والوسائد الصغار وهي تداس بالأرجل لاتكره لما فيه من إهانتها". (بدائع الصنائع، فصل في شرائط الأركان: ۱۱۶/۱، دارالكتب العلمية بيروت، انيس) (ردالمحتار، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۳۶۰/۲، مكتبة دار الكتاب، انيس)

نماز میں کسی بزرگ کی قبر کا نقشہ سامنے ہونا:

سوال: اگر کاغذ پر کسی ولی اللہ کی قبر کا نقشہ ہو، اس کو سامنے رکھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ حالاں کہ نیت تقرب الی ولی اللہ نہیں ہے؟ بینواتوجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: وقال في الحلية: وتكره الصلاة عليه (أي على القبر) **وإليه لورود النهي عن ذلك.** (رد المحتار: ١/٨٤٦)(١)

وفي الدر: أولغيرذي روح لايكره؛ لأنها لا تعبد.

وفي الشامية: فإن قيل عبد الشمس والقمر والكواكب والشجرة الخضراء؟ قلنا: عُبِد عينُه لا تمثاله، فعلىٰ هٰذا ينبغي أن يكره استقبال عين هٰذه الأشياء، معراج، أي لأنها عين ما عبد بخلاف مالوصورها واستقبل صورتها عن هٰذه الأشياء، أي لأنها عين ما عبد، بخلاف مالو صورها واستقبل صورتها. (٢)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اگر چہ قبر کا نمازی کے سامنے ہونا مکروہ ہے؛ لیکن قبر کے نقشہ کا سامنے ہونا مضر نہیں؛ کیوں کہ قبر کے نقشہ کی کوئی پرستش نہیں کرتا، البتہ اگر کسی قوم میں رسم ہو تو اس میں بھی کراہت ثابت ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷/ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ (احسن الفتاویٰ: ۳/۴۳۱-۴۳۲)

قبر سامنے ہوتے ہوئے نماز پڑھنا کس صورت میں مکروہ ہے:

سوال: ایک عالی شان قبہ ہے، جس میں متعدد قبریں لکڑی کی جالی دار کٹھروں کے اندر موجود ہیں، اس قبہ کے برابر لائن میں دائیں طرف مسجد ہے اور بائیں طرف دوسرا قبہ ہے اور ان تینوں کے آگے ایک بڑا صحن ہے، جو تقریباً ایک جریب ہے، جس کو مسجد کا حکم ہے، آیا مسجد کے برابر والے صحن کو امام چھوڑ کر درمیانی قبہ (جس کا دروازہ کھلا ہوا ہے) کے تھوڑے شمال کی طرف کھڑا ہو کر نماز پڑھاتا ہے اور صفیں سارے صحن کی لمبائی پر بنائی جاتی ہیں، کیا اس حالت میں امام اور مقتدیوں کی نماز جائزہ ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

صورت مذکورہ میں اس شرط کے ساتھ نماز جائز ہے کہ یا تو قبروں اور نماز کی صفوں کے درمیان کوئی دیوار، یا بند شدہ

(۱-۲) **ردالمحتار، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها: ٢/٣٦١، مكتبة دارالكتاب، انيس**

کواڑ وغیرہ حائل ہوں اور یا اتنا فاصلہ ان قبروں اور نماز کی صفوں میں ہو کہ جب نمازی خشوع کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کی نظر ان قبروں پر نہ پہنچے۔ خشوع کی تفسیر یہ ہے کہ حالت قیام میں نظر سجدہ کی جگہ پر رکھے اور حالت رکوع میں پشت قدم پر اور حالت قعود میں زانوں کی جڑ پر اور اگر نہ کوئی دیوار یا کوئی کواڑ حائل ہوں او نہ اتنا فاصلہ ہے تو ان قبروں کے سامنے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

الدليل عليه ماذكره الطحاوی فی حاشيته علٰی مراقی الفلاح حيث قال: وفی القهستانی عن جنائز المضمرات: لا تكره الصلاة إلٰی جهة القبر إلا إذا كان بين يديه بحيث لو صلٰی صلاة الخاشعين وقع بصره عليه. (۱)

وما فی العالمغيرية: إن كانت القبور ماوراء المصلی لايكره فإنه إن كان بينه وبين القبر مقدار مالو كان فی الصلاة ويمر إنسان لايكره، انتهٰی. (۲)

وما فی خزانة الروايات فی مقيد المستفيدين من الحاوی: سئل أبو نصر عن ذلك فقال: إن كان القبر وراء المصلی لايكره فإنه إن كان بينه وبين القبور مقدار مالو مر إنسان بين يديه لايكره، فكذا هنا والحد الفاصل موضع سجوده، انتهٰی.

وصرح فی الخلاصة من كتاب الصلاة بجواز الصلاة إليها إذا كان هناك حائل مثل الجدار وغيره. (امداد المفتین: ۲/ ۲۹۷-۲۹۸)

مزار کے مقابل نماز پڑھنا کیسا ہے:

سوال: زید نے ایک مسجد تعمیر کی، اس مسجد کے وسط صحن میں ایک مزار ہے، جس کا نقشہ منسلک ہے، اگر کوئی شخص مزار کے مقابل نماز پڑھے، جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

قبر کے سامنے نماز فرض اور نفل پڑھنا مکروہ ہے؛ اس لیے مناسب یہ ہے کہ ایسے موقع پر اگر قبر واقع ہو، جیسا کہ اس صورت موجودہ میں ہے تو اس قبر کا نشان مٹا دیا جائے، پس جب کہ نشان قبر فرش مسجد میں نہ رہے گا تو نماز میں کچھ کراہت نہ ہوگی اور اگر نشان قبر نہ مٹایا جاوے گا تو پھر قبر کے سامنے نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس کا علاج اور بندوبست ایسا کیا جائے کہ قبر کے ہر طرف ایک کٹہڑا بنا دیا جائے تو پھر بھی کراہت مرتفع ہو جاوے گی۔ (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/ ۹۳)

(۱) الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۳۵۷، مكتبة دار الكتاب، انيس

(۲) الفتاوٰی الهندية، كتاب الصلاة، باب الكراهة: ۱/ ۱۰۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۳) وكذا تكره فی أماكن كفوق كعبة، الخ، ومقبرة. (الدر المختار)　==

مسجد کے مغربی گوشہ میں دیوار کے باہر قبریں ہوں تو اس سے نقصان نہیں:

سوال: ایک مسجد کے مغربی گوشہ کے سوا تمام اطراف میں قبریں بنی ہوئی ہیں تو مغربی گوشہ میں قبریں تیار ہو سکتی ہیں، یا نہیں؟ اور کیا مسجد کی دیوار جو حائل ہے، کافی ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس گوشۂ مغربی میں اگر قبور کی جائیں تو نماز میں کراہت نہ ہوگی؛ کیوں کہ دیوار مغربی مسجد حائل کافی ہے۔

قال فی شرح المنیة: لابأس فی الصلاة فی المقبرة إذا کان فیها موضع أعد للصلاة ولیس فیه قبر وهٰذا لأن الکراهة معللة بالتشبه بأهل الکتاب وهو منتف فیما کان علی الصفة المذکورة، إلخ. (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۰۶/۴-۱۰۷)

مقبرہ میں نماز کا حکم:

سوال: مقبرہ میں نماز جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر مقبرہ میں کوئی جگہ صاف اور ستھری نماز کے لیے ہو اور اس میں نجاست اور قبر نہ ہو اور آگے نمازی کے بسوئے قبلہ کوئی قبر نہ ہو تو نماز جائز ہے بلا کراہت تحریمہ اور اگر سامنے قبر ہو، یا خود اس جگہ قبر ہو، جہاں نماز پڑھتا ہے تو مکروہ تحریمی ہے۔

شامی میں ہے:

ولابأس بالصلاة فیها إذا کان فیها موضع أعد للصلاة ولیس فیه قبر ولانجاسة کما فی الخانیة ولاقبلته إلیٰ قبر، إلخ. (۲)

اور لفظ لابأس سے اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مقبرہ میں نماز پڑھنا اچھا نہیں ہے۔فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۴۵/۴-۱۴۶)

== (کتاب الصلاة، مطلب فی إعراب کائناً ما کان: ۴۲/۲، مکتبة زکریا، انیس)

واختلف فی علته، فقیل: لأن فیها عظام الموتیٰ وصدیدهم وهو نجس، وفیه نظر، و قیل: لأن أصل عبادة الأصنام اتخاذ قبور الصالحین مساجد، وقیل: لأنه تشبه بالیهود، وعلیه مشیٰ فی الخانیة، ولابأس بالصلاة فیها إذا کان فیها موضع أعد للصلاة ولیس فیه قبر ولانجاسة ولاقبلة إلیٰ قبر. (ردالمحتار، کتاب الصلاة: ۳۵۲/۱، ظفیر) (مطلب فی إعراب کائناً ما کان: ۴۳/۲، مکتبة زکریا، انیس)

(۱) غنیة المستملی، ص: ۳۵۰، ظفیر (فصل فی صفة الصلاة، ص: ۳۱۵، مکتبة دار الکتاب، دیوبند، انیس)

(۲) رد المحتار، کتاب الصلاة: ۳۵۳/۱، ظفیر) (مطلب فی إعراب کائناً ما کان: ۴۳/۲، مکتبة زکریا، انیس)

اگر مسجد میں قبر ہو تو نماز کا حکم:

سوال: ہمارے محلے کی مسجد میں ایک پرانی قبر ہے، کبھی کبھی بعض لوگ قبر کے بالکل سامنے کھڑے ہو کر نمازیں پڑھتے ہیں، کیا ان لوگوں کی نمازیں درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

قبر کے سامنے نماز پڑھنا (چاہے فرض ہو، یا نفل) مکرہ ہے،(۱) البتہ اگر قبر کے سامنے کوئی دیوار وغیرہ ہو تو پھر اس میں کوئی کراہت نہیں؛ تاہم اس صورت میں قبر پرستی کی تہمت سے بچنے کے لیے وہاں نماز نہ پڑھی جائے، جب کہ مسجد کے دوسرے حصوں میں نماز بلا کراہت جائز ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي: وكذا تكره في أماكن كفوق كعبة...ومقبرة.

قال ابن عابدين: واختلف في علته فقيل: لأن فيها عظام الموتٰى وصديد هم وهو نجس وفيه نظر، قيل: لأن أصل عبادة الأصنام اتخاذ قبور الصالحين مساجد وقيل؛ لأنه تشبه باليهود وعليه شئ في الخانية ولا بأس بالصلاة فيها إذا كان فيها موضع أعد للصلاة وليس فيه قبر ولا نجاسة إلٰى قبر. (۲) (فتاویٰ حقانیہ:۲۰۳/۳)

---

(۱) عن عائشة وعبدالله بن عباس قالا: لما نزل برسول الله صلى الله عليه وسلم طفق يطرح خميصة له على وجهه فإذا اغتم بها كشفها عن وجهه وهو كذلك، لعنة الله على اليهود والنصارىٰ اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد يحذر ما صنعوا. (صحيح البخارى، باب الصلاة فى البيعة، رقم الحديث: ٤٣٥)

لما كان اليهود والنصارىٰ يسجدون لقبور الأنبياء تعظيما لشأنهم ويجعلونها قبلة ويتوجهون فى الصلاة نحوها فاتخذوها أوثانا لعنهم ومنع المسلمين عن مثل ذلك. (شرح المشكاة للطيبى، باب المساجد ومواضع الصلاة: ٩٣٧/٣، مكتبة نزار مصطفى الباز، انيس)

تنبيه: قال فى مجمع البحار وحديث لعن الله اليهود والنصارىٰ اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد كانوا يجعلونها قبلة يسجدون إليها فى الصلاة كالوثن، وأما من اتخذ مسجدا فى جوار صالح أو صلى فى مقبره قاصدا به الاستظهار بروحه أو وصول أثر من آثار عبادته إليه لا التوجه نحوه والتعظيم له فلاحرج فيه، الخ. (تحفة الأحوذى، باب ماجاء فى كراهية أن يتخذ على القبر، الخ: ٢٢٦/٢، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

(۲) ردالمحتار، كتاب الصلاة، قبل باب الأذان، انيس

قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالى: وتكره الصلاةفى المقبرة وأمثالها قال الطحطاوى: (تحت قوله فى المقبرة)؛ لأنه تشبه باليهود والنصارىٰ وفى زاد الفقير وتكره الصلاة فى المقبرة إلا أن يكون فيها موضع أعد للصلاة لانجاسة فيه ولاقذر فيه، قال الحلبى: لأن الكراهة معللة بالتشبة وهومنتف حينئذ. وفى القهستانى عن جنائز المضمرات: لا تكره الصلاة إلى جهة القبر إلا إذا كان بين يديه بحيث لو صلٰى صلاة الخاشعين وقع بصره عليه. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، باب مكروهات الصلاة، ص: ٣٥٧، مكتبة زكريا، دارالكتاب، انيس)

قبروں کے سامنے نماز:

سوال: عیدگاہ میں قبریں ہیں، ان کے سامنے نماز ادا کرنا کیسا ہے؟ کیا انہیں توڑ دیا جائے، تقریبا چالیس سال سے ہیں، کیا عیدگاہ کی جگہ فروخت کر کے کشادہ جگہ خریدی جاسکتی ہے؟

هوالمصوب

قبروں سے ہٹ کر نماز ادا کرنی چاہیے، اگر قبروں کے سامنے ادا کریں گے تو نماز مع الکراہت درست ہوگی، (۱) قبروں کو توڑا نہیں جاسکتا ہے، نیز اگر مذکور زمین وقف ہے تو اسے فروخت بھی نہیں کیا جائے گا، چہار دیواری سے صرف قبروں کو گھیر دینے سے کراہت ختم ہوجائے گی۔

تحریر: محمد طارق ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۴۵۱/۲)

(۱) وفي الحاوي وإن كانت القبور ماوراء المصلي لايكره فإنه إن كا بينه وبين القبر مقدار ما لو كان في الصلاة ويمر إنسان لايكره فههنا أيضا لايكره (الفتاوی الهندية، كتاب الصلاة، باب الكراهة: ۱۰۷/۱، مكتبة زكريا، انيس)

وروى أن عمر رضي الله عنه رأى رجلا يصلي بالليل إلى قبر فناداه القبر القبر فظن الرجل أنه يقول: القمر القمر فجعل ينظر إلى السماء، فمازال به حتى تنبه، فعلى هذا تجوز الصلاة وتكره. (بدائع الصنائع، فصل شرائط أركان الصلاة: ۱۱۵/۱، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

ریشمی کپڑا، یا سونا پہن کر نماز پڑھنے کا حکم

طلائی یا ریشمی کپڑوں میں نماز درست ہے، یا نہیں:

سوال: جس کلاہ یا ٹوپی پر سچے یا جھوٹے طلاء کا کام ہو، اس کے ساتھ نماز پڑھنی، یا پڑھانی، یا کسی ٹسری اور ریشمی کپڑے کے ساتھ نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

اگر چار انگشت سے زیادہ کام ہو تو استعمال اس کا ناجائز ہے اور نماز اس کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے، ایسا ہی حکم ہے ریشمی کپڑے کا۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۱۱۰/۴)

ریشمی کپڑوں میں نماز پڑھنا کیسا ہے:

سوال: ریشمی کپڑا پہن کر، یا بچھا کر اس پر نماز پڑھنے سے نماز ادا ہو جاتی ہے، یا اعادہ واجب ہے؟ ایک اہل علم کا بیان ہے کہ نماز تو ہو جاتی ہے؛ لیکن وہ شخص گنہگار رہے، جیسے کوئی مرد طلائی، یا زائد از مقدار شرعیہ نقرئی انگوٹھی، یا اور کوئی زیور پہن کر نماز پڑھے گا تو نماز ادا ہو جائے گی؛ لیکن اس ناجائز استعمال کا گناہ اس کے سر رہے گا۔ اسی طرح اگر کوئی لباس، یا پاجامہ وغیرہ ٹخنہ سے نیچے ہو تو ایسے شخص کی نماز ادا ہوگی، یا نہیں؟ نیز ریشمی کپڑے والے، یا دراز پاجامہ والے جیسے اہل عرب وغیرہ جبہ، یا عبا وغیرہ اتنا دراز پہنتے ہیں کہ زمین سے لگتا ہے، یا زیور پوش، یا داڑھی صفا کی امامت درست ہے، یا نہیں؟ اور اس علم کے بعد مقتدیوں کو اپنی نماز لوٹانا ہوگی، یا نہیں؟ خاص کر ایسی صورت میں نماز جمعہ وعیدین کی اعادہ کی کیا صورت ہوگی، جب کہ بہت سے لوگ سلام کے بعد منتشر ہو جاتے ہیں؟

---

(۱) یحرم لبس الحرير ،إلخ، على الرجل لا المرأة إلا قدرأربع أصابع.(الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة فصل في اللبس : ٣٠٨/٥،ظفير)

عن عبد الرحمن بن أبى ليلىٰ أنه قال:سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:لا تلبسوا الحرير ولا الديباج ولاتشربوا فى آنية الذهب والفضة ولا تأكلوا فى صحافها فإنها لهم فى الدنيا ولنا فى الآخرة.(صحيح البخارى،باب الأكل فى إناء مفضض،رقم الحديث: ٥٤٢٦/صحيح لمسلم،باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة، رقم الحديث:٢٠٦٧،انيس)

الجواب

ریشمی کپڑا پہننا حرام ہے، پس نماز جو ریشمی کپڑا پہن کر پڑھی جائے، مکروہ واجب الاعادہ ہوگی، (۱) اور اس پر نماز پڑھنا بچھا کر، اس کو فقہا نے جائز لکھا ہے۔

كما فى رد المحتار: بخلاف الصلاة على السجادة منه: أى من الحرير؛ لأن الحرام هو اللبس دون الانتفاع، إلخ. (۲)

پھر اس میں حموی سے روایت کراہت بھی نقل کی ہے، اگرچہ اس کو مرجوح کہا ہے، بہرحال احتیاط ترک صلوٰۃ علی الحریر میں ہے؛ لیکن اگر پڑھے تو اعادہ واجب نہ ہوگا اور جس کا لباس خلاف شرع ہو، یا داڑھی محلوق ہو تو امامت اس کی مکروہ ہے بوجہ فاسق ہونے امام کے۔

اور درمختار میں ہے: **صلّٰى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة، إلخ، أفاد أن الصلاة خلفها أولٰى من الانفراد، إلخ.** (ردالمحتار) (۳)

اور نماز جمعہ وعیدین میں ترک واجب سے سجدۂ سہو کا حکم نہ کرنا (۴) مقتضی اس کو ہے کہ اعادہ اس کا بصورت مذکورہ لازم نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۱۲۶-۱۲۷)

ریشمی کپڑے میں پڑھی ہوئی نماز ہوئی، یا نہیں:

سوال: بلاضرورت شرعی ریشمی کپڑا پہنے ہوئے مرد کو نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، یا مکروہ تنزیہی؟ اور برتقدیر اول اعادہ نماز کا واجب ہوگا، یا نہیں؟

---

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من لبس الحرير فى الدنيا لم يلبسه فى الآخرة. (صحيح البخارى، باب لبس الحرير وافتراشه للرجال: ٨٦٧/٢، مكتبة رشيدية دهلى، انيس)

لأن الصلاة فى الحرير مكروهة للرجال. (شرح الحموى على الأشباه والنظائر، ص: ١٩٧، ظفير)

(۲) فى الدر المنتقٰى: ولاتكره الصلاة علٰى سجادة من الإبريسم؛ لأن الحرام هو اللبس أما الانتفاع بسائر الوجوه فليس بحرام، كما فى صلاة الجواهر. (رد المحتار: ٣٢/٥، ظفير) (كتاب الحظر والإباحة، فصل فى اللبس: ٥١٠/٩، مكتبة زكرياديوبند، انيس)

عن حذيفة قال: نهى النبى صلى الله عليه وسلم أن نشرب فى آنية الذهب والفضة أوان نأكل فيها وعن لبس الحرير والديباج وأن نجلس عليه. (صحيح البخارى، باب افتراش الحرير: ٨٦٨/٢، مكتبة رشيدية، انيس)

(۳) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ٥٢٥/١، ظفير

(۴) والسهو فى صلاة العيد والجمعة والمكتوبة و التطوع سواء والمختار عند المتأخرين: عدمه فى الأوليين. (الدر المختار علٰى هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ٧٠٥/١، ظفير)

الجواب

بظاہر مکروہ تحریمی ہے اور اعادہ واجب ہے۔(۱)

کما قالوا بإعادة صلاة صليت فی ثوب فيه صورة.قال فی رد المحتار :ويؤيده ماصرحوا به من وجوب الإعادة بالصلاة فی ثوب فيه صورة بمنزلة من يصلی وهو حامل صنم،إلخ.(۲)

شرح حموی میں ہے:

"لأن الصلاة فی الحرير مكروهة للرجال". (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۱۳۹/۴)

ریشمی ازار بند کے ساتھ نماز درست ہے، یا نہیں:

سوال: ریشمی کپڑا امرد کو حرام ہے، اور نماز اس سے مکروہ ہے۔(غایۃ الاوطار، جلد اول، صفحہ:۱۹۰) لیکن فتاویٰ ہندیہ جلد چہارم میں لکھا ہے کہ: "اگر ریشم کے ساتھ نماز پڑھے تو جائز ہے، مکروہ نہ ہوگی؛ لیکن پہننے والا گناہ کا مرتکب ہوگا"۔(۴)

الجواب

یہ تو ظاہر ہے کہ ریشمی کپڑا امرد کو پہننا حرام ہے اور اس کے ساتھ نماز بھی مکروہ ہوگی،(۵) اور فتاویٰ ہندیہ میں غالباً جواز نماز بلا کراہت اس لیے لکھا ہے کہ تکہ ریشم کا عند البعض جائز ہے۔

كذا فی الدر المختار:"وتكره التكة منه أی من الديباج هو الصحيح،وقيل لابأس به"إلخ.(۶)

وفی الشامی عن التتارخانية:ولا تكره تكة الحرير؛لأنها لاتلبس وحدها وفی شرح الجامع الصغير لبعض المشائخ:لابأس بتكة الحرير للرجال عند أبی حنيفة وذكر صدر الشهيد أنه يكره عندهما.(۷)

(۱) أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :إنما يلبس الحرير فی الدنيا من لاخلاق له فی الآخرة.(صحيح البخاری،باب لبس الحرير:۸٦۷/۲،مكتبة رشيدية دهلی،انيس)

(۲) رد المحتار ،باب صفة الصلاة،مطلب واجبات الصلاة:۳٦۰/۲،مكتبة زكرياديوبند،انيس

(۳) شرح الحموی علی الأشباه والنظائر،ص:۱۹۷

(۴) فی جامع الفتاویٰ عن محمد بن سلمة:من صلی من تكة إبريشم جاز وهو مسیء،كذا فی التتارخانية.(الفتاویٰ الهندية،الباب التاسع فی اللبس:۳۳۲/۵،دارالفكر بيروت،انيس)

(۵) لأن الصلاة فی الحرير مكروهة للرجال بخلاف الصلاة فی الثوب النجس فإنها غير صحيحة. (الأشباه والنظائر، الفن الثانی،كتاب الصلاة،ص:۱۹۷، ظفير)

(۶) ردالمحتار،كتاب الحظر والإباحة،فصل فی اللبس:۵۰۹/۹،مكتبة زكريا،انيس

(۷) ردالمحتار،كتاب الحظر والإباحة،فصل فی اللبس: ۳۱۰/۵،ظفير

اس روایت سے ایک وجہ تطبیق بھی معلوم ہوگئی کہ صاحب غایۃ الاوطار نے صاحبین کے قول کو لیا ہو اور فتاویٰ ہندیہ میں امام صاحب کے قول کو اختیار کیا ہو، اس کے علاوہ غایۃ الاوطار میں ریشم کے کپڑے کو لکھا ہے تکہ سے بحث نہیں کی، تکہ کمر بند ہے، اس کی کراہت میں اختلاف ہے، کما مر۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۱۳۲۔۱۳۳)

ریشمی لباس میں نماز مکروہ ہے:

سوال: اگر مرد سونا، یا ریشم پہن کر نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی، یا نہیں؟ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ہفتم و ہشتم ص:۲۳۵ میں درج ہے کہ ''سونا اور ریشم پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور نماز واجب الاعادہ ہے'' اس بارے میں اپنی تحقیق تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملہم الصواب

نماز ہو جائے گی۔

قال فی الشامیة: وستر عورته ولو بما لایحل لبسه کثوب حریر وإن أثم بلا عذر کالصلاة فی الأرض المغصوبة.(۱)

مگر حالت ارتکاب کبیرہ میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، نیز کراہت کی یہ وجہ بھی ہے کہ یہ متکبرین اور فساق کا لباس ہے، لہٰذا یہ نماز واجب الاعادہ ہے۔

لما فی مکروهات الصلاة من الهدایة: والصلاة جائزة فی جمیع ذلک لاستجماع شرائطها وتعاد علیٰ وجه غیر مکروه وهٰذا الحکم فی کل صلاة أدیت مع الکراهة.(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲/شوال ۱۳۸۷ھ (احسن الفتاویٰ:۳/۴۱۳)

ریشمی کپڑے سے نماز پڑھنا:

سوال: ریشمی پارچہ سے نماز ہو جاتی ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــ

ریشمی کپڑے سے نماز ہو جاتی ہے؛ مگر سخت گنہگار رہتا ہے اور عورت کو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(تالیفات رشیدیہ ۲۸۴)

---

(۱) ردالمحتار، مطلب فی ستر العورة: ۲/۲۲، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

(۲) فتح القدیر، باب الکراهة: ۱/۴۲۹، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

(۳) قال: أخبرنی أنس بن مالک أنه رأی علیٰ أم کلثوم بنت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم برد حریر سیراء. (صحیح البخاری، باب الحریر للنساء: ۲/۸۶۸، مکتبة رشدیدیة، انیس)

ریشم اور سونا پہن کر نماز ہوتی ہے، یا نہیں:

سوال: اگر کوئی شخص بلا عذر ریشم اور سونا پہن کر نماز پڑھے تو اس کی نماز ہوگی، یا نہیں؟ بعض احباب کا خیال ہے کہ سونا اور ریشم مردوں کو پہننا حرام ہے؛ لیکن اگر پہن کر نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی۔ یہ صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب

ریشمی کپڑا اور سونا بیشک مردوں کے لیے حرام ہے اور نماز جو ان سے پڑھی گئی، وہ صحیح ہے؛ مگر ظاہر ہے کہ استعمال ریشم اور سونے کا مردوں کو ہر وقت حرام ہے تو نماز میں بھی حرام ہے؛ مگر چوں کہ وہ دونوں نجس نہیں ہیں؛ اس لیے نماز ہوگئی۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۱۴۷)

سونا پہن کر نماز ادا کرنا:

سوال: ایک اہم مسئلہ آپ کی خدمت میں لکھنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ سونے کی انگوٹھی پہن کر نماز ہو جاتی ہے، یا نہیں؟ سونا چوں کہ مردوں کے حرام ہے اور حرام چیز پہن کر نماز پڑھنا کہاں تک جائز ہے؟

الجواب

نماز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری ہے، جو شخص عین حاضر کی حالت میں بھی فعل حرام کا مرتکب ہو اور حق تعالیٰ شانہ کے احکام کو توڑنے پر مصر ہو، خود ہی سوچ لیجئے کہ کیا اس کو قرب و رضا کی دولت میسر آئے گی۔ الغرض سونا، یا کوئی اور حرام چیز پہن کر نماز پڑھنا درست نہیں، اگر چہ نماز کا فرض ادا ہو جائے گا۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۵۵۰)

ریشم یا سونا، پہن کر اور بغیر داڑھی کے نماز پڑھنا:

سوال: میں سنا ہے کہ ریشمی کپڑا اور سونا مرد پر حرام ہیں اور اگر کوئی شخص ان کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو اس شخص کی نماز قبول نہیں ہوتی، کیا یہ بات درست ہے؟ کیوں کہ داڑھی منڈوانا بھی حرام ہے، کیا بغیر داڑھی کے نماز قبول ہو سکتی ہے؟

---

(۱) عن البراء بن عازب قال: نهانا النبي صلى الله عليه وسلم عن سبع: نهانا عن خاتم الذهب -أو قال- حلقة الذهب وعن الحرير والاستبرق والديباج والميثرة الحمراء والقسي وآنية الفضة، إلخ. (صحيح البخاري، باب خواتيم الذهب: ۲/۸۷۱، مكتبة زكريا رشيدية دهلي، رقم الحديث: ۵۸۶۳/انيس)

لأن الصلاة في الحرير مكروهة للرجال. (شرح الحموي على الأشباه والنظائر، ص: ۱۹۷، ظفير)

(۲) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الذهب و الفضة والحرير والديباج هي لهم في الدنيا ولكم في الآخرة. (صحيح البخاري، باب لبس الحرير: ۲/۸۶۷، مكتبة رشيدية، انيس)

ويكره للمصلي كل ما هو أخلاق الجبابرة عموماً؛ لأن الصلاة مقام التواضع والتذلل والخشوع وهوينا في التكبر والتجبر. (الحلبي الكبير، ص: ۳۴۸، طبع: سهيل اكادمي لاهور)

الجواب

یہ تمام امور ناجائز اور گناہ کبیرہ ہیں،(۱) اور جو شخص عین نماز کی حالت میں خدا کی نافرمانی کرتا ہو، اس کو ظاہر ہے کہ نماز کا پورا ثواب نہیں ملے گا، خصوصاً جب کہ اس اس نافرمانی پر ندامت بھی نہ ہو،(۲) نماز تو ہو جائے گی؛ مگر مرد کو سونے کی انگوٹھی اور ریشم پہننا حرام ہے۔(۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵۵۰/۳-۵۵۱)

---

(۱) فی الصحیحین أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: من لبس الحریر فی الدنیا لم یلبسه فی الآخرة وهذا عام فی الجند وغیرهم لقوله صلی اللّٰہ علیه وسلم: حرم لبس الحریر والذهب علی ذکور أمتی وعن حذیفة بن الیمان رضی اللّٰہ عنه قال: نهانا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم أن نشرب فی آنیة الذهب والفضة وأن نأکل فیها وعن لبس الحریر والدیباج وأن نجلس علیه أخرجه البخاری، فمن استحل لبس الحریر من الرجال فهو کافر وإنما رخص فیه الشارع صلی اللّٰہ علیه وسلم لمن به حکة أو جرب أو غیره وللمقاتلین عند لقاء العدو وأما لبس الحریر للزینة فی حق الرجال فحرام بإجماع المسلمین سواء کان قباء أو قبطیا أو کلوثة وکذلک إذا کان الأکثر حریرا کان حراما وکذلک الذهب لبسه حرام علی الرجال سواء کان خاتما أو حیاصة أو سقط سیف حرام لبسه وعمله وقد رأی النبی صلی الله علیه وسلم فی ید رجل خاتما من ذهب فنزعه. (الکبائر للذهبی، الکبیرة السادسة والمخمسون لبس الحریر والذهب للرجال: ۲۱۷/۱، دارالندوة الجدیدة بیروت، انیس)

الکبیرة الخامسة بعد المائة: لبس الذکر أو الخنثی البالغ العاقل الحریر الصرف أو الذی أکثره حریر وزنا لا ظهورا من غیر عذر، کدفع قمل أو حکة. (الزواجر عن اقتراب الکبائر، باب اللباس، الکبیرة الخامسة بعد المائة: ۲۵۲/۱، دارالفکر بیروت، انیس)

اعلم أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم نظر إلی عادات العجم وتعمقاتهم فی الاطمئنان بلذات الدنیا فحرم رؤوسها وأصولها وکره مادون ذلک لأنه علم علم أن ذلک مفض إلی نسیان الدار الآخرة مستلزم للإکثار من طلب الدنیا. وفمن تلک الرؤوس اللباس الفاخر فإن ذلک أکبر همهم وأعظم فخرهم والبحث عنه من وجوه: ... ومنها الجنس المستغرب الناعم من الثیاب، قال صلی اللّٰہ علیه وسلم: من لبس الحریر فی الدنیا لم یلبسه یوم القیامة، وسره مثل ما ذکرنا فی الخمر، ونهی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم عن لبس الحریر والدیباج وعن لبس القسی والمیاثر والأرجوان ورخص فی موضع إصبعین أو ثلاثة لأنه لیس من باب اللباس وربما تقع الحاجة إلی ذلک ورخص للزبیر وعبدالرحمن بن عوف فی لبس الحریر لحکمة بهما لأنه لم یقصد حینئذ به الإرفاه وإنما قصد الاستشفاء. (حجة اللّٰہ البالغة، اللباس والزینة والأوانی ونحوها: ۲۹٤/۲، دارالجیل بیروت، انیس)

(۲) عن أبی هریرة رضی الله عنه عن النبی صلی اللّٰہ علیه و سلم أنه نهٰی عن خاتم الذهب. (صحیح البخاری، باب خواتیم الذهب: ۸۷۱/۲، مکتبة رشیدیة، دهلی، انیس)

ویکره للمصلی کل ماهومن أخلاق الجبابرة عمومًا؛ لأن الصلاة مقام التواضع والتذلل والخشوع وهو ینافی التکبروالتجبر. (الحلبی الکبیر، فصل فی صفة الصلاة، ص: ۳۰۳، مکتبة دارالکتاب، انیس)

(۳) (قوله: وکره، إلخ) لأن النص حرم الذهب والحریرعلیٰ ذکورالأمة بلا قید البلوغ، إلخ. (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة: ۵۲۲/۹، مکتبة زکریادیوبند، انیس)

گو عورت کو سونا اور ریشم پہننا حرام نہیں ہے۔

مرد کو سونا پہن کر نماز ادا کرنا:

سوال: سونا پہننا مرد پر حرام ہے؛ لیکن اگر مرد سونا پہن کر نماز پڑھتا ہے تو کیا اس کی نماز ادا ہوگئی، یا نہیں؟

الجواب

فقہی فتوے کی رو سے تو نماز ادا ہو جائے گی ؛(۱) لیکن جو شخص عین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کے موقع پر حرام کا ارتکاب کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوں گے، یا ناراض؟ اس کو خود سوچ لیجئے۔(۲)
(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۵۵۱/۳)

سونے کے دانت لگوا کر نماز پڑھنا:

سوال: اگر کسی شخص نے سونے کا دانت لگوایا ہے تو کیا اس سے نماز ہو جاتی ہے؟ کیا سونے کا دانت لگوانا جائز ہے؟

الجواب

سونے کا دانت لگانا جائز ہے، نماز ہو جائے گی۔(۳)(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۵۵۱/۳)

---

(۱) قال: ولو أن رجلا صلى فى الحرير أو الديباج فصلاته جائزة إذا كان طاهرا غير أن لبسه حرام. (النفت فى الفتاوٰى للسغدى، اللباس المكروه: ۲۴۹/۱، دار الفرقان بيروت، انيس)

(۲) عن علي رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم أخذ حريراً فجعله فى يمينه فأخذ ذهبا فجعله فى شماله ثم قال. أن هذين حرام علىٰ ذكور أمتى. (رواه أحمد}(مشكوٰة المصابيح، باب الحاتم، ص: ۳۷۸، مكتبة فيصل ديوبند)/مسند الإمام أحمد، ومن مسند على بن أبى طالب رضى الله عنه، رقم الحديث: ۹۳۵/مصنف ابن أبى شيبة، فى لبس الحرير وكراهية لبسه، رقم الحديث: ۲۴۶۵۹، انيس)

(۳) عن عبد الرحمن بن طرفة أن جده عرفجة بن أسعد، قطع أنفه يوم الكلاب فاتخذ أنفاً من ورق فأنتن عليه فأمره النبى صلى الله عليه وسلم أن يتخذ أنفاً من ذهب. (سنن الترمذى، باب ماجاء فى ربط الأسنان بالذهب، رقم الحديث: ۴۲۳۲/سنن النسائى، من أصيب أنفه هل يتخذ أنفا من ذهب، رقم الحديث: ۵۱۶۱/ مسند أبى يعلى الموصلى، مسند عرفجة بن أسعد، رقم الحديث: ۱۵۰۱/شرح معانى الآثار، باب الرجل يتحرك سنه هل يشدها بالذهب أم لا، رقم الحديث: ۶۷۴۵/صحيح ابن حبان، كتاب الزينة والتطيب، رقم الحديث: ۵۴۶۲/مسند أبى داؤد الطيالسى، عرفجة بن أسعد عن النبى صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ۱۳۵۴/مسند بن الجعد، حديث أبى الأشهب، رقم الحديث: ۳۱۴۳/مصنف ابن أبى شيبة، فى شد الأسنان بالذهب، رقم الحديث: ۲۵۲۶۴/مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث عرفجة بن أسعد، رقم الحديث: ۱۹۰۰۶، انيس)

إذا جدع أنفه أو أذنه أو سقط سنه فأراد أن يتخذ سنا آخر، فعند الإمام يتخذ ذلک من الفضة فقط. وعند محمد من الذهب أيضًا. (رد المحتار، كتاب الحظر و الإباحة، فصل فى اللبس: ۵۲۱/۹، انيس)

سونے کا چھلّہ پہن کر نماز مکروہ ہے:

سوال: سونے کا چھلہ پہن کر نماز پڑھنے سے نماز ہوتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

سونے کی انگوٹھی اور چھلّہ پہننا مردوں کو حرام ہے۔

کما فی الحدیث: "نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن خاتم الذهب". {الحدیث}(۱)

پس جب کہ سونے کا چھلہ پہننا ہر وقت مردوں کو حرام ہے، نماز میں بھی حرام ہے اور نماز بکراہت ادا ہو جاتی ہے؛ یعنی نماز ہو جاتی ہے؛ مگر مکروہ ہے۔(۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۳۴/۴)

☆ ☆ ☆

(۱) صحیح لمسلم، باب المیاثر الحمر، رقم الحدیث: ٣٦٦٤، انیس

عن علی رضی الله عنه قال: "نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن لبس القسی والمعصفر وعن تختم الذهب" إلخ. {رواه مسلم} (مشکوة المصابیح، باب الخاتم، ص: ٣٧٨، ظفیر)

(۲) لأن الصلاة فی الحریر مکروهة للرجال. (شرح الحموی علی الأشباه والنظائر، ص: ١٩٧، ظفیر)

ٹوپی کے بغیر، یا کہنی کھول کر نماز پڑھنا

صرف بنیان و نیم آستین صدریہ کے ساتھ نماز مکروہ ہے:

سوال: بنیان، یا نیم آستین صدری سے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(۲) رومال سے پیٹ، یا پیٹھ چھپا کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

بنیان، یا نیم آستین؛ بلکہ پوری آستین کی بھی صدری پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، اسی طرح رومال وغیرہ سے پیٹ اور پیٹھ چھپا کر پڑھنا بھی مکروہ ہے، **کمافی عامة کتب الفقه وتکره الصلاة فی ثیاب البذلة.** (۱) البتہ اگر کسی کے پاس دوسرا کپڑا موجود نہ ہو تو بلا کراہت نماز درست ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (امداد المفتین:۲/۲۹۷)

حقہ پی کر نماز پڑھنا:

سوال (۱) حقہ پی کر یا کوئی بدبودار چیز استعمال کرے، ایسی حالت میں نماز مکروہ ہے، یا نہیں؟

گنجی پہن کر، یا رومال اوڑھ کر نماز پڑھنے کا حکم:

(۲) صرف گنجی، یا رومال اوڑھ کر پڑھنا مکروہ ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

(۱) بہتر نہیں ہے؛ مگر نماز ہو جائے گی۔ (۲)

---

(۱) وتکره فی ثیاب البذلة، وفی الغایة: قال فی الحاوی: ویستحب له أن یلبس من أحسن ثیابه وصالحها عندالصلاة ویتعمم. (تبیین الحقائق، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها: ۱/۱٦۲، المطبعة الکبریٰ الأمیریة بولاق، انیس)

عن نافع قال: رآنی ابن عمر وأنا أصلی فی ثوب واحد فقال: ألم أکسک؟ قلت: بلی، قال: فلو بعثتک کنت تذهب هکذا؟ قلت: لا، قال: فاللّٰه أحق أن یتزین له، ثم قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إذا صلی أحدکم فی ثوب فیلشده علی حقوه ولا تشتملوا کاشتمال الیهود. (سنن البیهقی الکبریٰ، باب ما یستحب للرجل أن یصلی فیه من الثیاب، رقم الحدیث: ۳۲۷۲، انیس)

(۲) مکروہ ہے۔ ==

(۲) مکروہ ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد نور الحسن غفرلہ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۳۰۷)

بلاضرورت بنیان، یا میل خوری میں جن کی آستینیں مرفقین تک ہوں نماز پڑھنا مکروہ ہے:

سوال: بنیان یا میل خوری جن کی آستینیں مرفقین تک ہو، یا اس سے کچھ اوپر فقط اس کو پہن کر نماز ادا کرنا مکروہ ہے، یا نہیں؟

الجواب

مکروہ ہے، جب کہ اس کے پاس اور کپڑے بھی ہوں؛ کیوں کہ اس کو پہن کر آدمی محافل وسوق میں نہیں جاسکتا عادۃً، نیز مرفقین کا کھولنا خود مکروہ ہے۔(۲)

۱۷/رجب ۱۳۴۷ھ۔(امدادالاحکام:۲/۱۷۵)

بغیر ضرورت کے صرف بنیان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے:

سوال: گنجی (بنیان) جو آج کل نہایت کثرت سے لوگ پہنتے ہیں، مثل نیمہ کے کہنی کے اوپر ہوتا ہے، اس کو پہن کر نماز بلا کراہت جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

جس شخص کے پاس کُرتہ نہ ہو اس کی نماز گنجی (بنیان) پہن کر بلا کراہۃ درست ہے اور جس کے پاس آستین والا کرتا ہو، اس کی نماز گنجی پہن کر بکراہت درست ہے؛ کیوں کہ نماز میں کہنیوں کا بلا عذر کھولنا مکروہ ہے، نیز عادۃ صرف بنیان پہن کر مجالسِ عامہ میں جانا معیوب سمجھا جاتا ہے تو صاحبِ استطاعت کو ایسے لباس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، جس کو پہن کر مجالسِ عامہ میں وہ نہ جاسکے۔(۳) واللہ اعلم

۲۲/ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ۔(امدادالاحکام:۲/۱۶۸-۱۶۹)

== عن أبی هريرة قال: وجد النبی صلی اللّٰه عليه وسلم ريح ثوم فی المسجد، فقال: من أكل من هٰذه الشجرة الخبيثة فلا يقربن مسجدنا. (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث: ۹۷۹۲، انيس)

(و) كره تحريمًا... وأكل نحو ثوم، ويمنع منه، وكذا كل مؤذ ولو بلسانه. (الدرالمختار علٰی هامش ردالمحتار: ۲/۴۲۸ - ۴۳۶) (باب الكراهة، مطلب فی الغرس فی المسجد: ۲/۴۳۵، مكتبة زكريا، انيس)

(۱) وكره (كفه) ... (وصلاته فی ثيابه بذلة) يلبسها فی بيته (ومهنه) أی خدمة، أن له غيرها و إلا لا. (الدر المحتار: ۲/۴۰۶-۴۰۷) (باب الكراهة، مطلب فی الكراهة التحريمية والتنزيهية: ۲/۴۰۷، مكتبة زكريا، انيس)

(۲) قال اللّٰه تعالٰی: ﴿يٰبنی اٰدم خذوا زينتكم عند كل مسجد﴾ (سورة الأعراف: ۳۱، انيس)

(۳) عن أبی هريرة أنه سائلاً سأل رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم عن الصلاة فی ثوب واحد ==

کھلی ہوئی کہنیوں سے نماز پڑھنا:

سوال: آستین چڑھا کر نماز پڑھنے سے نماز میں کوئی خلل ہوتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر کہنیاں کھلی ہوئی ہوں تو باتفاق مکروہ ہے اور اس سے کم میں خلاف ہے۔(۱)

وهو المراد من قول الحلبی فی شرح المنية حيث قال: ويكره أيضاً أن يكف ثوبه وهو فی الصلاة بعمل قليل بأن يرفعه من بين يديه أو من خلفه عند السجود أو يده فيها وهو مكفوف كما إذا دخل وهو مشمر الكم أو الذيل.(۲)

وقال الشامی: وقيد الكراهة فی الخلاصة والمنية بأن يكون رافعاً كميه إلى المرفقين وظاهره أنه لايكره إلىٰ مادونهما، قال فی البحر: والظاهر الإطلاق لصدق كف الثوب على الكل. (ردالمحتار، كراهة الصلاة: ۱/ ۴۳)(۳)(امداد المفتین:۲/ ۲۹۶-۲۹۷)

نیم آستین واسکٹ میں نماز پڑھنا:

سوال: آدھی بانہوں کی واسکٹ سے بھی نماز ہوسکتی ہے، یا مکروہ ہے؟

الجواب

فقط نیم آستین پہن کر؛ یعنی جب اس کے ساتھ کرتہ وغیرہ نہ ہو تو نماز مکروہ ہے، البتہ اگر کسی عذر سے ایسا کیا ہو تو پھر مضائقہ نہیں ہے۔(۴) واللہ اعلم

احقر عبدالکریم عفی عنہ ۱۴/ رج ۲، ۱۳۴۵ھ، الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ، ۲۰/ رج ۲، ۱۳۴۵ھ۔ (امداد الاحکام:۲/ ۱۷۷)

== فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أولكلكم ثوبان؟(صحيح البخاری، باب الصلاة فی الثوب الواحد ملتحفا به: ۱/ ۵۲، رقم الحديث: ۳۵۸، الصحيح لمسلم، باب الصلاة فی ثوب واحد وصفة لبسه: ۱/ ۱۹۸، رقم الحديث: ۵۱۵، مكتبة دار الكتاب/ سنن أبی داؤد، باب جماع أثواب ما يصلی فيه، رقم الحديث: ۶۲۵، انيس)

(۱) عن هشام بن حسبان عن الحسن قال: أدركنا القوم وهم يسجدون علىٰ عمائهم ويسجد أحدهم ويديه قميصه. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب الصلاة، باب السجود على العمائم، رقم الحديث: ۱۵۶۶، مكتبة زكريا، انيس)

(۲) الكبيری، ص: ۳۰۳، مكتبة دار الكتاب، انيس

(۳) ردالمحتار، مطلب فی الكراهة التحريمية والتنزيهية: ۲/ ۴۰۷، مكتبة زكريا، انيس

(۴) ولو صلىٰ رافعاً كميه إلى المرفقين كره، كذا فی فتاویٰ قاضی خان. (الفتاویٰ الهندية، الفصل الثانی فيما يكره فی الصلاة ومالايكره: ۱/ ۱۰۶، دار الفكر بيروت، انيس)

کھلی کہنی نماز مکروہ ہے:

سوال: اگر کہنیاں کھلی ہوں تو نماز ہو جاتی ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

نماز ہو جاتی ہے؛ مگر یہ امر خلاف سنت ہے اور مکروہ ہے؛ یعنی جب کہ کپڑا موجود ہو اور اگر نہ ہو تو کچھ کراہت نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۱۰۰)

نماز میں کہنی کھلی رکھنی مناسب نہیں:

سوال: نماز میں آستین مونڈھوں تک چڑھانا کیسا ہے، نماز میں کچھ خلل تو نہیں آتا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

نماز ہو جاتی ہے؛ مگر یہ فعل اچھا نہیں۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۱۰۸)

کھلی کہنی کے ساتھ نماز مکروہ ہے:

سوال: خالی گنجی پہن کر جس کی نصف آستین ہوتی ہے، نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

نماز ہو جاتی ہے، (لیکن اگر کہنی کھلی ہو تو یہ مکروہ ہے)۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۱۲۳)

---

(۱) ولو صلّٰی رافعاً کمیه إلی المرفقین کره، کذا فی فتاوٰی قاضی خان(الفتاوٰی الهندیة،باب مایکره فی الصلاۃ ومالایکره: ۱/ ۱۰۶،دارالفکر بیروت،ظفیر)

(۲) وکره کفه أی رفعه لتراب کمشمر کم أوذیل وعبثه به أی بثوبه.(الدرالمختار)(باب الکراهة،مطلب فی الکراهة التحریمیة والتنزیهیة: ۲/ ۴۰۷،مکتبة زکریا،دیوبند، انیس)

(قوله: کمشمر کم،إلخ)أی کما لو دخل فی الصلاۃ وهو مشمر کمه أو ذیله الخ لکن قال فی القنیة: واختلف فیمن صلی وقد شمر کمیه لعمل کان یعمله قبل الصلاۃ أو هیئة ذلک ومثله ما لو شمر للوضوء ثم عجل لإدراک الرکعة مع الإمام وإذا دخل فی الصلاۃ کذلک،وقلنا بالکراهة فهل الأفضل إرخاء کمیه فیها بعمل قلیل أوترکهما لم أره والأظهر الأول إلخ وقید الکراهة فی الخلاصة والمنیة بأن یکون رافعاً کمیه إلی المرفقین.(الدرالمختارعلٰی هامش ردالمحتار ،باب ما یفسد الصلاۃ وما یکره فیها: ۲/ ۴۰۷،مکتبة زکریا،دیوبند،ظفیر)

(۳) ولو صلّٰی رافعاً کمیه إلی المرفقین کره.(الفتاویٰ الهندیة ، الباب السابع فیما یفسد الصلاۃ وما یکره فیها: ۱/ ۱۰۶، دارالفکر بیروت، ظفیر)

آستین چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے:

سوال: اگر زید نماز اس طرح ادا کرتا ہے جو عادۃ خلاف ہے جیسے آستین چڑھی ہوئی ہو، یا گریبان کھلا ہوا ہو تو اس شخص کی نماز مکروہ تنزیہی ہے، یا نہیں؟

الجواب

حالت صلوٰۃ میں اگر آستین چڑھی ہوئی ہو تو نماز مکروہ ہوگی اور اگر گلا کھلا ہوا ہو تو نماز مکروہ نہیں ہوگی۔(۱)

(کفایت المفتی: ۴۲۸/۳)

آستین چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے:

سوال: زید نے وضو کرنے کے لیے آستین چڑھائی تھی، اب رکعت جانے کے خوف سے جلدی میں بغیر آستین اتارے جماعت میں شامل ہو گیا تو کیا زید کی نماز مکروہ ہوگی، یا نہیں؟ اگر مکروہ ہوگی تو تنزیہیہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب　　باسم ملهم الصواب

بلا وجہ آستین چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور اگر نماز سے پہلے کسی کام کے لیے باوضو کے لیے آستینیں چڑھائی تھیں اور اسی طرح نماز شروع کر دی، یا اس کی ہیئت ہی ایسی ہے تو اس کی کراہت میں اختلاف ہے، بہر صورت بہتر یہ ہے کہ نماز کے اندر ہی عمل قلیل سے آستینیں کھول کہ **قال فی شرح التنویر: وكره كفه أى رفعه ولو لتراب كمشمر كم أو ذيل.**

وقال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالىٰ: أى كما لو دخل فى الصلاة وهو مشمر كمه أو ذيله وأشار بذلك إلىٰ أن الكراهة لايختص بالكف وهو فى الصلاة، كما أفاده فى شرح المنية، لكن قال فى القنية: والختلف فيمن صلىٰ قد شمر كميه لعمل كان يعمله قبل الصلاة أو هيئته ذلك، آه، ومثله مالو شمر للوضوء ثم عجل لإدراك الركعة مع الإمام وإذا دخل فى الصلاة كذلك وقلنا بالكراهة فهل الأفضل ارخاء كميه فيها بعمل قليل أو تركهما لم أره والأظهر الأول بدليل قوله الآتى ولو سقطت قلنسوته فاعادتها وفضل تأمل هٰذا وقيد الكراهة فى الخلاصة والمنية بأن يكون رافعًا كميه إلى المرفقين وظاهره أنه لايكره إلىٰ مادونهما قال فى

(۱) وكره كفه أى رفعه، ولو لتراب كمشمر كم أو ذيل وعبثه به أى بثوبه. (الدر المختار)

(قوله: كمشمر كم) أى كما لو دخل فى صلاة وهو مشمر كم أو ذيله. (ردالمحتار، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۴۰۷/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

البحر والظاهر الاطلاق لصدق كف الثوب لعى الكل، آه، سوكذا قال فى شرح المنية الكبير أن التفييد بالمرفقين إتفاقى، قال: وهٰذا لوشمرهما خارج الصلاة ثم شرع فيها كذلک إمام لوشمر وهو فيها تفسد؛ لأنه عمل كثير. (رد المحتار: ۵۹۹/۱)(۱)

وقال أيضاً تحت (قوله: أى رفعه): وحرر الخير الرملى ما يفيد أن الكراهة فيه تحريمية. (رد المحتار: ۵۹۸/۱)(۲) فقط والله تعالىٰ أعلم

۱۹ر محرم ۱۳۸۷ھ (احسن الفتاویٰ: ۴۰۶/۳-۴۰۷)

کھلی ہوئی کہنیوں سے نماز پڑھنا:

سوال: آستین چڑھا کر نماز پڑھنے سے نماز میں کوئی خلل ہوتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر کہنیاں کھلی ہوئی ہوں تو باتفاق مکروہ ہے اور اس سے کم میں خلاف ہے۔

وهو المراد من قول الحلبى فى شرح المنية حيث قال: ويكره أيضاً أن يكف ثوبه وهو فى الصلاة بأن يرفعه من بين يديه أو من خلفه عند السجود أو مده فيها وهو مكفوف كما إذا دخل وهو مشمرا لكم أو الذيل. (۳)

وقال الشامى: وقيد الكراهة فى الخلاصة والمنية بأن يكون رافعاً كميه إلى المرفقين وظاهره أنه لايكره إلىٰ مادونهما. قال فى البحر: والظاهر الإطلاق لصدق كف الثوب على الكل. (۴)

(امداد المفتین: ۲۹۶/۲، ۲۹۷)

صرف پاجامہ پہن کر نماز مکروہ ہے:

سوال: بغیر کرتہ کے صرف پاجامہ، یا تہبند سے نماز کیسی ہوگی؟

الجواب

بغیر کرتہ کے صرف پاجامہ یا تہبند کے ساتھ نماز مکروہ ہے، كذا فى شرح المنية. (امداد المفتین: ۲۹۷/۲)

(۱) باب الكراهة، مطلب فى الكراهة التحريمية والتنزيهية: ۴۰۷/۲، مكتبة زكريا، ديوبند، انيس

(۲) ردالمحتار، باب الكراهة: ۴۰۶/۲، انيس

(۳) الكبيرى، ص: ۳۰۳، مكتبة دار الكتاب، انيس

(۴) ردالمحتار، باب الكراهة، مطلب فى الكراهة التحريمية والتنزيهية: ۴۰۷/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

صرف بنیان پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے:

سوال: کرتے اور قمیص کی موجودگی میں بنیان سے کہنیاں ننگی کر کے نماز پڑھنا اور اس فعل کی ہمیشہ عادت ڈالنا کیسا ہے؟

الجواب

عن أسماء بنت يزيد قالت: كانت يدكم رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى الرسغ. (۱)

وكره كفه أى رفعه ولولتراب كشمر كم أوذيل،آه. (الدرالمختار على الشامية: ۱/۴۴۹)(۲)

قمیص کی بجائے بنیان پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، جب کہ کہنیاں کھلی ہوں، جیسا کہ جزئیہ بالا سے ظاہر ہے اور یہ شخص مشمر ذیل کے بھی مشابہ ہے، یہ دوسری وجہ کراہت ہے۔

وذكرفى المغرب عن بعضهم أن الائتزارفوق المقيص من الكف،آه. (البحرالرائق: ۲/۲۵)(۳)

اور تیسری وجہ کراہت اس میں یہ ہے کہ ثیاب بذلہ کی تفسیر کے تحت داخل ہے۔

قال فى البحر: وفسرها فى شرح الوقاية بمايلبسه فى بيته ولايذهب به إلى الأكابر. (البحر الرائق: ۲/۲۷)(۴)

اور چوتھی وجہ تکاسل ہے کہ نماز کو ایسی اہمیت نہیں دیتا جیسا کہ شریعت میں امر کیا گیا ہے۔ الحاصل صرف بنیان پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، مستحب یہ ہے کہ پورے تین کپڑوں میں نماز ادا کی جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ، نائب مفتی خیرالمدارس ملتان، ۱۳۸۳/۵/۲۵ھ

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفااللہ عنہ، مفتی خیرالمدارس۔ (خیرالفتاویٰ: ۲/۴۲۴-۴۲۵)

صدری (فتوئی) میں نماز:

سوال: خواندن صلوٰۃ درصدری کہ درملک پنجاب فتوحی (۵) گویند، باوجود جامہ دیگر، چہ حکم دارد؟

---

(۱) سنن الترمذی،باب ماجاء فى القميص،رقم الحديث: ۱۷۶۵/سنن أبى داؤد،كتاب اللباس،باب ماجاء فى القميص،دارالفكر، بيروت،انيس

(۲) باب الكراهية،مطلب فى الكراهة التحريمية والتنزيهية: ۲/۴۰۶،مكتبة زكرياديوبند،انيس

(۳) البحرالرائق، كتاب الصلاة،باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۴۲،مكتبة زكرياديوبند،انيس

(۴) البحرالرائق، كتاب الصلاة،باب مايكره الصلاة: ۲/۴۴،مكتبة زكرياديوبند/ردالمحتار،باب الكراهية، مطلب فى الكراهة التحريمية والتنزيهية: ۱/۶۴۱،دارالفكر بيروت،انيس

(۵) فتوحی: عربی،اسم مؤنث،صدری،بن آستینوں کی کمری،بن آستینوں کی مرزئی۔ایک قسم کی جاکٹ کرتی۔(فرہنگ آصفیہ، ==

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ

اگر از فتوحی سینہ و کمر و دوش و دست پوشیدہ شد، نماز دراں باوصف بودن پارچہ دیگر بلا کراہت ادا می شود، البتہ دیگر پارچہ افزودن ادب است، اگر در فتوحی موافق وافی ماند، کراہت تنزیہی خواہد بود۔(۱) فقط

(مجموعہ کلاں، ص:۱۳۶)(باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۵)

صرف ازار وردا پہن کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک استفتاء کے متعلق مدرسہ سبحانیہ جو یہاں ایک مدرسہ ہے، اس کے مدرسین نے عجیب باتیں تحریر کی ہیں، سائل نے یہ سوال کیا کہ چادر اور لنگی پہن کر نماز پڑھنا باوجودیکہ پاجامہ وغیرہ موجود ہے تو امرا کے یہاں تو عمدہ لباس پہن کر جاویں اور خدا کے سامنے ردی لباس، یہ نہ ہونا چاہیے، جناب مولانا منیر الدین صاحب نے جو میرے مدرسہ میں ہیں، اس کا جواب تحریر فرمایا کہ یہ لباس فعل رسول ہے، جب کپڑا صاف ہو تو یہ ثیاب بذلہ جس کو فقہا نے مکروہ لکھا ہے، نہ ہوگا، ثیاب بذلہ وہی ہوگا جو ردی ہو جس میں بدبو وغیرہ موجود ہو، چادر اور لنگی جب صاف ہے تو یہ عمدہ لباس ہے، اس سے نماز مکروہ نہیں ہوسکتی۔ جناب مولانا محی الدین صاحب نے اس کی تصدیق کی، جس کو جناب مولانا منیر الدین صاحب نے تحریر فرمایا تھا اور مولانا ولایت حسین صاحب نے بھی اسی کی تصدیق کی کہ نماز مکروہ نہیں ہوسکتی، اس کا رد مدرسہ سبحانیہ کے مدرسین نے بڑے زور شور سے کیا، رد یہ تھا کہ فقہاء رحمہم اللہ نے ثیاب بذلہ کی عام تعریف کی ہے، وہ یہ ہے: **لایذهب بتلك الثياب إلى الأمراء**، جب عادت لوگوں کی اس طرح پر ہے کہ چادر اور لنگی پہن کر امراء کے پاس نہیں جاتے، معیوب سمجھتے ہیں تو بالضرور یہ ثیاب بذلہ ہوگا اور نماز مکروہ ہوگی اور ہر فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جواز بلا کراہت پر استدلال کرنا جائز نہیں اور جہاں کہیں فقہ میں خدمت کا کپڑا ہو یا بدبو دار ہو، یہ لکھا ہے: وہ فرد ثیاب بذلہ ہے، تعریف عام وہی ہے جو" **لایذهب بتلك الثياب إلى الأمراء**" سے ثابت ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے متعلق کچھ تصریح کے ساتھ تحریر فرمائیں کہ" **لایذهب بتلك الثياب إلى الأمراء**" کا کیا مطلب ہے؟ محض رواج یا عادت سے لوگوں کی چادر اور لنگی ثیاب بذلہ میں جاوے گا اور نماز مکروہ

== مولوی سید احمد دہلوی، ص:۳۲۶ر ج:۳) اس کو اردو اور ہندوستان کی عام زبان میں فتوئی کہتے ہیں۔ (فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں، مرتبہ مولوی ظفر الرحمٰن صاحب دہلوی، ص:۱۴۸-۱۵۰، جلد دوم (دہلی:۱۹۴۰ء) [نور]

(۱) ترجمہ سوال: صدری میں جس کو پنجاب میں فتوحی کہتے ہیں، اس میں دوسرا کپڑا موجود ہوتے ہوئے، نماز پڑھنا کیسا ہے؟

ترجمہ جواب: اگر فتوئی سے سینہ، کمر کندھے اور ہاتھ چھپ جائے، تو دوسرا کپڑا موجود ہونے کے باوجود، اس میں بلا کراہت نماز ہو جائے گی؛ مگر دوسرے کپڑے کا اضافہ کر لینا ادب ہے اور اگر فتوئی ضرورت کے مطابق ہے تو اس میں نماز مکروہ تنزیہی ہوگی۔ (ت: نور)

ہوگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لباس کو ہمیشہ پہنا، یا نہیں؟ پاجامہ وغیرہ یہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، یا نہیں؟ یا صرف پسند فرمایا تھا؟

الجواب

میرے نزدیک محقق اس میں تفصیل ہے کہ جس شخص نے رداء وازار سے نماز پڑھی، آیا سنت سمجھ کر پڑھی ہے، یا لباس معتاد کے پہننے سے کسل کرکے پڑھی ہے، اول صورت میں کراہت نہیں؛ کیوں کہ ایسا شخص اس لباس سے دوسرے مجمع میں بھی بے تکلف چلا جاوے گا کہ وہ اس کو لباس محترم سمجھتا ہے اور دوسری صورت میں کراہت ہوگی کہ خود وہ لباس اس کی نظر میں غیر وقیع ہے، اس تفصیل سے متنازعین کے سب دلائل درست رہے اور نزاع لفظی ہوگیا، موضوع کے بدلنے سے محمول بدل گیا۔

اشرف علی، ۲۵؍شعبان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۱۷) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۴۲۷-۴۲۸)

آدھی آستین والی قمیص میں نماز پڑھنا:

سوال: آدھی آستین والی قمیص پہن کر، یا آدھی آستین چڑھا کر نماز پڑھنے سے نماز درست ہوگی، یا نہیں بغیر کسی مجبوری کے؟

الجواب

مکروہ ہے۔

اس مسئلہ سے متعلق تفصیل کے لیے حضرت والا دامت برکاتہم ہی کا مصدقہ، راقم مرتب کا فتویٰ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

سوال: اگر کوئی آدمی آستین چڑھا کر نماز پڑھے تو کیا یہ جائز ہے؟ کہنیاں کھلی ہوئی ہوں، یا نہ کھلی ہوئی ہوں، دونوں صوورتوں میں کیا حکم ہے؟

جواب: اگر کہنیاں کھلی ہوئی ہوں تو اس طرح نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اس سے کم ہو تو اس میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک مکروہ نہیں؛ کیوں کہ فقہی دلائل میں "مرفقین" کہنیوں تک" کے الفاظ آئے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے کم ہو تو مکروہ نہیں۔

وفی الدر المختار: "وكره كفه أى رفعه ولو لتراب كمشمر كم أو ذيل.(۱)

وفی الشامية: وقيدالكراهة فى الخلاصة والمنية بأن يكون رافعًا كميه إلى المرفقين وظاهره أنه لايكره إلىٰ ما دونهما.(۲)

(۱) الدرالمختار: ١/ ٦٤٠، طبع: ایچ ایم سعید

(۲) ردالمحتار، باب الكراهة، مطلب فى الكراهة التحريمية والتنزيهية: ٢/ ٤٠٧، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

اور بعض حضرات کے نزدیک یہ صورت بھی مکروہ ہے؛ کیوں کہ ان حضرات کے نزدیک آستین چڑھا کر نماز پڑھنا مطلقاً مکروہ ہے۔

وفی الشامية: وقيد الكراهة فی الخلاصة والمنية بأن يكون رافعًا كميه إلى المرفقين وظاهره أنه لايكره إلٰى مادونهما،قال فی البحر:والظاهرالاطلاق لصدق كف الثوب على الكل، آه، ونحوه فی الحلية وكذا قال فی شرح المنية الكبير:إن التقييد بالمرفقين إتفاقی،قال:وهٰذا لوشمرهما خارج الصلاة ثم شرع فيها كذلکً.(۱)

وراجع أيضا: خلاصۃ الفتاویٰ:۱/۵۸، نیز دیکھئے: کفایت المفتی ۳/۴۲۸، طبع جدید دارالاشاعت، وامداد الاحکام:۱/۵۶۱-۵۶۳، وامداد المفتیین:۱/۳۴۱-۳۴۲۔

لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ بلاضرورت آستین چڑھا کر نماز نہ پڑھی جائے اور اگر پہلے سے وضو وغیرہ کے لیے آستین چڑھائی ہوئی ہوں تو بہتر یہ ہے کہ عمل قلیل سے نماز میں آستین نیچے کرلے، مثلاً کچھ رکوع، کچھ قومہ میں اور کچھ سجدہ میں نیچے کرلے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: بندہ محمد تقی عثمانی عفی عنہ، ۲۸/۷/۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: بندہ محمد محمود اشرف غفر اللہ لہ، ۲۴/۷/۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: بندہ محمد عبدالرؤف سکھروی، ۲۶/۷/۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: بندہ محمد زبیر حق نواز، دارالعلوم کراچی ۱۴، ۲۳/۷/۱۴۲۳ھ)۔ واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ، ۲۱/۲/۱۳۸۸ھ (فتویٰ نمبر: ۱۹/۲۳۲، الف) الجواب صحیح: بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ (فتاویٰ عثمانی: ۱/۴۶۲)

گھنڈی بٹن وغیرہ کھلے ہونے کی حالت میں نماز کے حکم کی تحقیق:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل ہیں!

(۱) کرتا اور اچکن کی گھنڈیاں، یا بوتام اور انگرکھا کا بند کھول کر نماز پڑھنا، یا پڑھانا مکروہ ہے، یا نہیں؟

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام سے کرتا کی گھنڈی کھول کر نماز پڑھنا ثابت ہوا ہے، یا نہیں؟

(۳) بہشتی گوہر کے صفحہ: ۵۸، باب مکروہات نماز میں یہ مسئلہ ہے:

”حالت نماز میں کپڑے کا خلاف دستور پہننا؛ یعنی جو طریقہ اس کے پہننے کا ہو اور جس طریقہ سے اس کو اہل تہذیب پہنتے ہو، اس کے خلاف اس کا استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے“۔

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الكراهية، مطلب فی الكراهية والتحريمية والتنزيهية: ۲/۴۰۷، مكتبة زكريا، انيس

اس میں یہ صورت داخل ہوتی ہے، یا نہیں؟ کیوں کہ تمام مہذب لوگ گھنڈی اور بوتام لگانے اور بند باندھنے کو عملاً داخل تہذیب سمجھتے ہیں؟

الجواب

عن الثالث وهو يغني عن الجواب عن الأولين

اصل میں کراہت کا حکم سدل میں منقول ہے اوراس کی تفسیر ارسال ثوب بلا لبس معتاد ہے، کذا فی الدرالمختار وحواشیہ، خواہ کل ثوب میں ہو، یا جزو میں مثل آستین وغیرہ، بعض نے اس میں توسع کر کے مطلق لبس غیر معتاد کو بھی اس میں داخل کر دیا، (۱) چناں چہ ردالمحتار میں ہے:

قال في الخزائن: بل ذكر أبو جعفر أنه لو أدخل يديه في كميه ولم يشد وسطه أولم يزر إزاه فهو مسئي؛ لأنه يشبه السدل، آه. (۲)

عجب نہیں علم فقہ میں جو کہ اصل ہے بہشتی گوہر کی (جس کے انتخاب کی کیفیت اس کے خطبہ میں مذکور ہے، جس کی بنا پر مسئلہ کی نسبت میری طرف تام بھی نہیں) اس قول کو لے لیا ہو؛ لیکن خود شامی ہی نے اس قول کا رد بھی اس کے بعد ہی نقل کر دیا ہے۔

ونصه: قلت: لكن قال في الحلية: فيه نظر ظاهر بعد أن يكون تحته قميص أو نحوه مما يستر البدن، إلخ. (۱/ ۶۶۸ - ۶۶۹) (۳)

اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ عدم لبس معتاد سدل کی حقیقت نہیں، بلکہ ایک قید ہے اس کی حقیقت (یعنی ارسال) کی اور وجود قید مستلزم نہیں وجود مقید کو، نیز اس کا لبس غیر معتاد ہونا بھی مسلم نہیں، صدہا صلحا و متواضعین میں یہ معتاد ہے؛ اس لیے جتنی ناتمام نسبت اس مسئلہ کی میری طرف ہے، اس بنا پر میں اس سے رجوع کرتا ہوں۔

ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ۔ (ترجیح خامس، جلد: ۵/ص: ۱۴۸) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۴۳۶-۴۳۷)

ننگے سر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ٹوپی کے اوپر دستار باندھی اور دستار کے بیچ کے درمیان سے ٹوپی نظر آوے؛ یعنی سر کی سطح اعلیٰ پر جو ٹوپی

---

(۱) عن معاوية بن قرة عن أبيه رضي الله تعالیٰ عنه قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في رهط من مزينة فبايعناه وإن قميصه لمطلق الأزرار. (سنن أبي داؤد، باب في حل الأزرار: ۲/ ۲۰۸، طبع: رشيدية، رقم الحديث: ۴۰۸۲، انيس

(۲) ردالمحتار، باب الكراهة، مطلب في الكراهة التحريمية والتنزيهية: ۲/ ۴۰۵، مكتبة زكريا، ديوبند، انيس

(۳) ردالمحتار، باب في الكراهة التحريمية والنزيهية: ۲/ ۴۰۵، مكتبة زكريا، ديوبند، انيس

ہے، وہ نظر آوے، اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی ہوگی، یا نہ، یا کہ ننگے سر پر دستار باندھی اور سر کی سطح اعلیٰ دیکھی گئی نماز اس صورت میں مکروہ ہوگی؟ اس بارے میں بھی اختلاف بہت ہورہا ہے، جواب باصواب ارقام فرماویں؟

الجواب

فی الدرالمختار، مکروهات الصلاة: وصلاته حاسرًا أی کاشفاً رأسه للتکاسل ولابأس به للتذلل وأما للإهانة بها فکفرولوسقطت قلنسوته فإعادتها أفضل لا إذا حتاجت لتکویرأوعمل کثیر. (مع ردالمحتار: ۱/ ٦٧٠)(۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر ٹوپی نظر آوے تو کراہت نہیں ہے؛ **لانه لیس بحاسر کیف واذاجاز الاکتفاء بالقلنسوة کمایدل علیه قوله ولوسقطت قلنسوته، الخ، فکیف اذاکانت علی بعضها العمامة أیضاً.** اور اگر سر نظر آوے تو کراہت ہے، **لأنه حاسر. فقط واللّٰہ أعلم**

۱۶/ شوال ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص: ۸۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۴۴۲)

حکم نماز بلا عمامہ و بلا قلنسوہ:

سوال: لوگ آج کل مختلف ہیں:

(۱) سر پر کلاہ اور کلاہ کے اوپر عمامہ باندھ کر نماز پڑھتے ہیں۔

(۲) صرف ٹوپی سے فریضہ ادا کرتے ہیں، بمشکل ۵، ۷ فی صدی ہوں گے۔

(۳) سر پر صرف لنگی یا ململ وغیرہ کی ...... پگڑی باندھے ہوئے نماز پڑھتے ہیں، پگڑی وغیرہ کے نیچے ٹوپی نہیں ہوتی، ایسے ۴۰، ۵۰ فی صدی ہوں گے، دیگر یہ کہ ایسا بھی دیکھا کہ نمبر: ۲ سے اگر ضرورتاً امام بھی بن جائیں تو وہ ٹوپی اتار کر صرف گز دو گز، یا کم وبیش رومال وغیرہ باندھ کر جماعت کرادیتے ہیں، پورے طور پر تمام سر بھی نہیں ڈھکا جاتا، نمبر: ۳ کے سر تو بالعموم درمیان سے کھلے رہتے ہیں، لہٰذا باآدب التماس ہے کہ ہر سہ اقسام مذکورہ کے درجات نماز، نیز از روئے شریعت دیگر حالات پر نظر ڈالتے ہوئے نماز امام اور دوسرے اشخاص نمبر: ۳ میں تو کوئی اعتراض نہیں ہے؟ اگر ہے تو آگاہ فرمادیجئے؟

الجواب

قال فی شرح الشمائل: ولابأس بلبس القلنسوة اللاصقة بالرأس والمرتفعة المضربة وغیرها

---

(۱) الدرالمختارمع ردالمحتار، باب الکراهةالتحریمیة والتنزیهیة: ۲/ ۴۰۷، مکتبة زکریادیوبند، انیس

عن هشام بن حسان الحسن قال: أدرکنا القوم وهم یسجدون علیٰ عمائمهم ویسجد أحدهم ویدیه فی قمیصه. (المصنف لعبد الرزاق، باب السجود علی العلمائم، رقم الحدیث: ۱۵٦٦، مکتبة زکریادیوبند، انیس)

تحت العمامة وبلاعمامة؛لأن كل ذلك جاء عن المصطفٰى و بذلك أيد بعضهم ما اعتيد فى بعض الاقطارمن ترك العمامة من أصلها لكن الأفضل العمامة،آه.

ولأبى داؤد والمصنف:"فرق ما بيننا وبين المشركين العمائم على القلانس". قال المصنف:غريب وليس إسناده بالقائم،آه.(۱)

وفيه (ص:١٦٨):وقال ميرك: وروى عن ابن عباس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يلبس القلانس تحت العمائم ويلبس العمائم بغيرالقلانس،آه.(۲)

وقد ورد أنه صلى الله عليه وسلم نهٰى عن الاعتجارفى الصلاة وفسره الفقهاء كما فى مراقى الفلاح بأنه شد الرأس بالمنديل أوتكويرعمامته علٰى رأسه وترك وسطها مكشوفاً،آه.(ص:٤٠٤)

اس سے معلوم ہوا کہ صورت نمبر:۱، ونمبر:۲، ونمبر:۳، تینوں جائز ہیں؛ مگر افضل صورت نمبر:۱، ہے اور نمبر:۳، ایسی شرط سے جائز ہے کہ سر کا درمیانی حصہ بھی عمامہ سے مستور ہو، مکشوف نہ ہو، ورنہ نماز مکروہ ہوگی۔ واللہ اعلم

۱۵/ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ (امداد الاحکام:۲/۱۷۴)

درمیان سر کھول کر نماز پڑھنا کیسا ہے:

سوال: اگر سر پر عمامہ ہو اور ٹوپی نہ ہو، بیچ سے سر کھلا ہوا ہو، تو نماز میں کیسا ہے؟

الجواب

ایسا مکروہ ہے؛ مگر نماز ہو جاتی ہے۔

يكره اشتمال الصماء والاعتجار.(الدرالمختار)

لنهى النبى صلى الله عليه وسلم وهو شد الرأس أوتكويرعمامته علٰى رأسه وترك وسطه مكشوفاً.(۳)فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۱۰۸)

ٹوپی کے بغیر نماز پڑھنا:

سوال (۱) متواتر کوئی شخص بغیر ٹوپی کے نماز پڑھ رہا ہے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

(۱) سنن أبى أبوداؤد، كتاب اللباس، باب فى العمائم: ٥٦٤/٢، مكتبة رشيدية، رقم الحديث: ٤٠٧٨/سنن الترمذى، باب العمائم على القلانس، رقم الحديث: ١٧٨٤، انيس

(۲) جمع الوسائل فى شرح الشمائل للقارى، باب ماجاء فى عمامة رسول الله صلى الله عليه وسلم: ١٦٨/١، المطبعة الشرفية، انيس

(۳) ردالمحتار: ٦١٠/١-٦١١، ظفير (باب الكراهة، مطلب فى الكراهة التحريمية والتنزيهية: ٤١١/٢، مكتبة زكريا، انيس)

(۲) زید گھر سے نماز کے لیے مسجد کو آئے، اب کسی وجہ سے اس کے پاس ٹوپی نہیں ہے تو اب وہ مسجد میں رکھی ہوئی کھجور، یا بلاسٹک کی بنی ہوئی ٹوپی لگا کر نماز پڑھے، یا بغیر لگائے؟

(۳) عصر حاضر میں جو مروجہ ٹوپیاں مسجدوں میں رکھی رہتی ہیں، لوگ اس بنا پر کہ مسجد میں ٹوپی مل جائے گی، گھر سے ٹوپی نہیں لاتے ہیں اور اس کو لگا کر نماز پڑھتے ہیں تو ان کا یہ فعل کیسا ہے اور مسجدوں میں مذکور ٹوپیوں کے رکھنے کا کیا حکم ہے؟

هو المصوب

(۱) بغیر ٹوپی کے نماز ادا ہو جائے گی، خواہ مستقل طور پر ٹوپی نہ پہنتا ہو، البتہ یہ خلاف ادب ہے۔(۱)

(۲) مسجد میں رکھی ٹوپی لگا کر نماز پڑھے، مسجد کی ٹوپیاں اسی لیے رکھی جاتی ہیں۔

(۳) اس عمل میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے اور نہ مسجد میں ٹوپیاں رکھنے میں کوئی حرج ہے۔

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۴۴۹/۲-۴۵۰)

☆ ☆ ☆

(۱) و صلاته حاسرًا رأسه للتكاسل ولا بأس به للتذلل. (الدر المختار مع ردالمحتار: ۴۰۷/۲) (باب الكراهة، مطلب في الكراهة التحريمية و التنزيهية: ۴۰۷/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

جن چیزوں سے نماز مکروہ نہیں ہوتی

محراب میں کعبہ اور گنبد خضراء کی تصویر ہو:

سوال: مسجد کی محراب میں سامنے کی دیوار میں کعبہ کی دیوار میں کعبہ شریف اور روضۂ اقدس کے گنبد خضرا کی تصویر بنی ہوئی ہے، جس میں کھلے ہوئے قرآن کی بھی تصویر ہے اور چاند کے دائرہ میں ہے، اس طرح کی تصویر امام کے سامنے سر کے اوپر جائز ہے؟

هو المصوب

غیر ذی روح (بے جان) چیزوں کی تصویریں اگر سامنے ہوں، یا اوپر، یا نیچے، نماز بلا کراہت ہو جاتی ہے، البتہ جاندار کی تصویروں سے نماز مکروہ ہوتی ہے، مذکور صورت میں نماز بلا کراہت ادا ہو جاتی ہے، عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے، علامہ حصکفیؒ درمختار میں لکھتے ہیں:

أو بغير ذی روح لايكره؛ لأنها لاتعبد. (۱)

علامہ شامیؒ نے تشریح کرتے ہوئے مزید فرمایا:

لقول ابن عباس للسائل: فإن كنت لابد فاعلاً فاصنع الشجر وما لانفس له. (رد المحتار: ٢/ ٤١٨) (۲)

یعنی بے جان چیزوں کی تصویریں تو نماز مکروہ نہیں ہوتی؛ کیوں کہ ان کی عبادت نہیں کی جاتی۔

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۲/ ۴۴۳-۴۴۴)

محراب میں حرمین شریفین کا عکس ہونے کی صورت میں نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص نے مسجد کی محراب میں بالکل امام کے سینہ کے محاذات میں پتھر کا ایک نقش نصب کرا دیا ہے، جس میں حرمین شریفین کا عکس اور قرآن مجید کھلا ہوا بنا ہے، چاند کے اندر بسم اللہ اور تارا بھی بنا ہے، کلمہ طیبہ بھی نقش ہے، کیا ان کو سامنے لگانے سے نماز متاثر ہوگی؟

(۱) الدر المختار مع الرد، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ١/ ٦٤٩، مكتبة سعيد، انيس

(۲) باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها: ١/ ٦٤٩، مكتبة سعيد، انيس

هو المصوب

ایسی چیزوں کے سامنے ہونے سے جن میں مذکورہ باتیں اور کچھ غیر ذی روح وغیرہ کی تصویریں بنی ہوئی ہوں، نماز ہوجائے گی؛ لیکن شرعاً ایسی چیزیں مصلی کے سامنے بنوانا اوران کا اس کے سامنے ہونا غیر پسندیدہ عمل ہے؛ کیوں کہ ایسی صورت میں خیال ہٹنے کا اور ذہن کے ادھر چلے جانے کا قوی امکان ہے، جو خشوع وخضوع جو کہ مطلوب ہے میں مانع ہے۔(۱)

تحریر: محمد طارق ندوی، تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۲/۴۴۴)

ایسے پتھر، یا شیشہ کے سامنے نماز پڑھنا جس میں صورت نظر آئے:

سوال: مسجد تالاب کٹھ ہنگولی میں فرش سے ساڑھے تین فٹ کی اونچائی تک ایک پتھر لگانے کے لیے خرید کرلائے ہیں، پتھر قیمتی ہے، جس کا نام ’گرے نائٹ‘ ہے، اس میں شکل نظر آرہی ہے اور کپڑوں کا رنگ بھی نظر آرہا ہے، مطلب شبیہ نظر آرہا ہے، جس پر لوگ اعتراض کررہے ہیں، پتھر کالے رنگ کا ہے، اب وہ پتھر دیواروں کو لگائیں، یا نہیں؟ یا مشرق شمال جنوب ۳ جانب لگا سکتے ہیں، مغرب کی جانب لگا سکتے ہیں، یا نہیں؟

هو المصوب

ایسے پتھروں کا استعمال جس میں کہ صورت نظر آتی ہو، مسجد میں بہت زیادہ زینت سے منع کیا گیا ہے؛ اس لیے مناسب نہیں ہے، البتہ نماز ہوجائے گی۔(۲)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۲/۴۴۴-۴۴۵)

کالا شیشہ کے سامنے نماز پڑھنا، جس میں مصلی کا چہرہ نظر آتا ہو:

سوال: اگر کسی مسجد میں کالا شیشہ لگا ہوا اور اس میں نماز پڑھنے والے کی تصویر نظر آتی ہو تو کیا نمازی کی نماز ہوگی، یا نہیں؟

---

(۱) ویکره التصاویر فی الثوب والکراهة إذا کانت الصورة کبیرة،وتبدو للناظر من غیر تکلف فإذا کانت صغیرة أومحموة الرأس لا بأس به.(الفتاویٰ التاتارخانیة: ۲/۲۰۳،رقم االمسئلة: ۲۱۴۹،مکتبة زکریادیوبند،انیس)

ولیس بمستحسن کتابة القرآن علی المحاریب والجدران لما یخاف من سقوط الکتابة وأن توطأ.(البحرالرائق، کتاب الصلاة،قبیل باب الوتر والنوافل:۲/۳۷،مکتبة کراچی،انیس)

(۲) لا بأس بنقشه خلا محرابه،فإنه مکروه؛لأنه یلهی المصلی،ویکره التکلف بدقائق النقوش خصوصاً فی جدار القبلة.(ردالمحتار،مطلب کلمة لا بأس دلیل علی أن المستحب غیره: ۲/۴۳۱،مکتبة زکریادیوبند.انیس)

هو المصوب

نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، البتہ اگر اس سے نمازیوں کا ذہن منتشر ہوتا ہے اور خشوع وخضوع میں خلل واقع ہوتا ہے تو اسے ہٹا دینا بہتر ہے۔(۱)

تحریر: ساجد علی۔تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۲/۴۴۵)

چوڑی دار پائجامہ پہن کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: جو پائجامہ دہلی والے اور یوپی والے پہنتے ہیں، کیا اس کے پہننے سے نماز ہوجاتی ہے، یانہیں؟

الجواب

نماز ہوجاتی ہے؛ لیکن لباس ایسا ہونا چاہیے کہ جس سے پورا پردہ حاصل ہوجائے۔(۲) فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، نائب مفتی، ۱۷/ذی الحجہ:۱۳۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ ہذا۔(خیر الفتاویٰ:۲/۴۲۵)

اسٹیل کا چین پہنا ہوا ہو تو نماز مکروہ نہ ہوگی:

سوال: گھڑی کا چین جو عام طور پر اسٹیل کا ہوتا ہے، اگر پہنا ہوا ہو تو نماز ہوجاتی ہے، یانہیں؟ اس بارے میں مولانا احمد رضا خان بریلوی نے اپنی کتاب ''احکام شریعت'' میں لکھا ہے: ''نماز مکروہ تحریمہ ہوگی''؛ لیکن اس پر کوئی دلیل شرعی قائم نہیں۔ براہِ کرم حوالہ کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں کہ یہ مکروہ ہے، یانہیں؟

(المستفتی: صاحبزادہ محمد لطف اللہ خالد، ۲۵۳/ بی شاہ جمال ٹاؤن، لاہور-۴۰)

الجواب

اسٹیل کا چین پہننا درست ہے اور اس سے نماز بھی مکروہ نہ ہوگی۔

''**لأن تابع كالعلم للثوب فلايعد لابساً له**''.(ردالمحتار:۵/۲۳۰)(۳) **فقط واللّٰہ أعلم**

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس، ملتان، ۱۷/۱۱/۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان۔(خیر الفتاویٰ:۲/۴۲۵-۴۲۶)

---

(۱) محل لكراهة التكلف بدقائق النقوش ونحوه خصوصاً في جدار القبلة؛لأنه يلهي قلب المصلى.(الحلبي الكبير،ص:٦١٦،مكتبة لاهور،انيس)

(۲) أما لو كان غليظاً لايرى منه لون البشرة إلاأنه التصق بالعضو وتشكل بشكل فصاربشكل العضو مرئياً فينبغي إلا أن لا يمنع جواز الصلاة،لحصول الستر.(ردالمحتار،:۲/۸٤،مكتبة زكريا،انيس)

(۳) بقي الكلام في نبذ الساعة الذي تربط ويعلقه الرجل بزرثوبه والظاهرأنه كنبذ السجة الذي تربط.(ردالمحتار،كتاب الحظروالإباحة،فصل في اللبس:۹/٥١٠،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

غیر مسلموں کے بنائے ہوئے کپڑوں میں نماز پڑھنا:

سوال: بازاروں اور مرکیٹوں میں آج کل جاپان اور دیگر یورپی ممالک کا تیار کردہ کپڑا اکفار کے ہاتھوں کا بنا ہوا ہوتا ہے، کیا ایسے کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟ اور اس کے استعمال کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

غیر مسلم کے ہاتھوں کے بنے ہوئے کپڑوں کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں، جہاں تک اس میں نماز پڑھنے کا تعلق ہے تو اگر چہ ایسے کپڑے کے نجس ہونے کا احتمال ہے؛ لیکن اس میں طہارت کی جانب راجح ہے؛ اس لیے اس میں نماز پڑھنا بھی درست ہے۔

لماقال العلامة الحصكفیؒ: لو شک فی نجاسة ماء او ثوب لم یعتبر.

قال ابن عابدین (تحت قوله من شک): فی إنائه وثوبه فهو ظاهر، الخ، كذا مايتخذه اهل الشرک أو الجهلة من المسلمين كالسمن والخبز والاطعمة. (۱) (فتاویٰ حقانیہ: ۳/۲۰۰)

چین والی گھڑی پہن کر نماز پڑھنا:

سوال: ہمارے محلے کی جامع مسجد میں ایک صاحب مجھ سے نماز سے پہلے کہنے لگے کہ گھڑی کی چین پہن کر نماز مت پڑھا کروں؛ کیوں کہ اس سے نماز نہیں ہوتی، ان سے وجہ پوچھی تو وہ فرمانے لگے کہ چین ایک قسم کی دھات ہے اور کسی بھی قسم کی دھات مردوں پر حرام ہے، لہذا اس سے نماز قبول نہیں ہوتی، آپ اس سلسلے میں وضاحت فرمائیں، میں بہت ہی شش و پنج میں پڑ گیا ہوں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اس صاحب کا ''فتویٰ'' غلط ہے، گھڑی کی چین جائز ہے اور اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں، مردوں کے لیے سونا اور چاندی کا پہننا حرام ہے (البتہ مرد حضرت چاندی کی انگوٹھی جس کا وزن ساڑھے تین ماشے سے زیادہ نہ ہو، پہن سکتے ہیں)، باقی دھاتیں مرد کے لیے حرام نہیں، البتہ زیور مردوں کے لیے نہیں، عورتوں کے لیے ہوتا ہے اور گھڑی کی چین ان زیورات میں شامل نہیں۔ (۲) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳/۵۵۰)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الطهارة، مطلب أبحاث الغسل: ۱/۲۵۴، مكتبة دار الكتاب، انيس

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمه الله : قال أبوحفص البخاری رحمه الله: من شک فی إنائه أو ثوبه أو بدنه إصابته نجاسة أم لا فهو ظاهر مالم يستيقن. (الفتاوىٰ التاتارخانية: ۱/۱۴۶) كتاب الطهارة، نوع فی مسائل الشک: ۱/۷۹، مكتبة دار الإيمان، انيس)

(۲) ولايتحلى الرجل بذهب وفضة مطلقًا ولايتختم إلا بالفضة لحصول الاستغناء بها فيحرم بغيرها. (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی اللبس: ۹/۵۱۶، مكتبة زكريا ديوبند، انيس) ==

نماز میں بہ مجبوری زمین پر ہاتھ ٹیک کر اٹھنے میں کوئی حرج نہیں:

سوال: میری عمر اس وقت چالیس سال کے قریب ہے، جسم بھاری ہے۔ میں نماز میں اٹھتے وقت ہاتھ مٹھی کی شکل میں زمین پر جمالیتی ہوں، اس سے نماز میں تو کوئی خلل نہیں پڑتا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

آپ کے ہاتھوں کو زمین پر جما کر اٹھنا چونکہ مجبوری کی وجہ سے ہے؛ اس لیے کوئی حرج نہیں، بغیر ضرورت کے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۵۵۸/۳)

نماز میں بضرورت کرتا درست کرنا مکروہ نہیں:

سوال: ایک امام صاحب جب بھی سجدہ سے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہیں تو ایک ہاتھ سے اور کبھی دونوں ہاتھوں سے پیچھے کی طرف سے کرتہ پکڑ کر درست کرتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

کرتہ درست کرنے کی ضرورت عموماً دو وجہ سے پیش آتی ہے، ایک یہ کہ کرتا کمر بند کے اوپر اٹک جاتا ہے، جو بعض طبائع کے لیے مشوش اور خشوع میں مخل ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ بعض لوگوں کے سرین کے اندر کرتا اٹک جاتا ہے، کسی ایسی ضرورت کی وجہ سے کرتے کو کھینچ کر درست کرنے میں کراہت نہیں، البتہ اس کے لیے ایک ہاتھ کافی ہے، دوسرا ہاتھ استعمال کرنا مکروہ ہے اور بلاضرورت ایک ہاتھ کا استعمال بھی مکروہ تحریمی ہے اور ایسی نماز کا اعادہ واجب ہے۔

قال فی التنویر: وکرہ کفه وعبثه به وفی الشامية: (قوله وعبثه) هو فعل لغرض غیر صحیح قال فی النهاية وحاصله إن کل عمل هو مفید للمصلی فلابأس به أصله ما روی أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم عرق فی صلٰوته فسلت العرق عن جبینه أی مسحه؛ لأنه کان یؤذیه فکان مفید أو زمن الصیف کان إذا قام من السجود نفض ثوبه یمنه أو یسره؛ لأنه کان مفیدًا کی لا تبقی

== وفی الشامية: قال اتخذ من ورق ولاتتمه مثقالا، إلخ ۔(ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی اللبس: ۵۱۹/۹، مکتبة زکریادیوبند، انیس)

(۱) عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال: کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ینهض فی الصلاة علٰی صدور قدمیه. (جامع الترمذی، أبواب الصلاة، باب کیف النهوض من السجود: ٦٤/١، مکتبة أشرفیة دیوبند، انیس)

فإذا فرغ من السجدة الثانیة ینهض قائماً علٰی صدر قدیمه ولایقعد ولا یعتمد بیدیه علی الأرض عند النهوض إلا من عذر، إلخ. (الحلبی الکبیر، ص: ٢٨١، مکتبة دارالکتاب، انیس)

صورة فأما ماليس بمفيد فهو العبث،آه، وقوله كي لاتبقى صورة يعني حكاية صورة الالية، كما في الحواشي السعيدية. (۱)**فقط والله تعالیٰ أعلم**

۱۶/ جمادی الآخرہ ۱۳۹۹ھ (احسن الفتاویٰ: ۴۳۵/۳-۴۳۶)

سوتے شخص کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا:

سوال: کوئی شخص سورہا ہو، اس کے سامنے کھڑے ہوکر نماز پڑھنا بدون سترہ کے جائز ہے، یا نہیں؟ اگر ویسے ہی لیٹا ہو سویا نہ ہو تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

دونوں صورتوں میں جائز ہے، بشرطیکہ لیٹنے والے کا رخ نمازی کی طرف نہ ہو؛ بلکہ چت یا قبلہ رخ لیٹا ہو، البتہ اگر لیٹنے والے پر کوئی کپڑا پڑا ہو تو بہر صورت جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹/ شعبان ۱۳۹۸ھ (احسن الفتاویٰ: ۴۳۶/۳)

رومال وعقال سدل میں داخل نہیں:

سوال: سر پر کپڑا ڈال کر اگر اس پر عقال باندھ دیا جائے، جیسا کہ اہل عرب کا طریقہ ہے، یہ سدل میں شمار ہوگا، یا نہیں؟ نیز اس سے مکروہ ہوگی، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

سدل کے بارے میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالی نے جو تفصیل تحریر فرمائی ہے، اس ک احاصل یہ ہے کہ اس کی کراہت کی تین وجوہ ہیں:

(۱) اہل کتاب سے تشبہ

(۲) کشف عورت کا خطرہ، اور یہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ صرف سر پر کپڑا ڈال کر لٹکا دیا جائے اور ازار وغیرہ نہ ہو۔

(۳) لبس غیر معتاد

رومال سر پر ڈال کر جو عقال باندھا جاتا ہے، یہ لبس متعاد ہے، اس میں کشف عورت کا بھی خطرہ نہیں اور تشبہ باہل کتاب بھی نہیں؛ اس لیے اس میں کوئی کراہت نہیں۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷/ جمادی الآخرہ ۱۳۹۱ھ (احسن الفتاویٰ: ۴۰۸/۳)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۴۰۶/۲، مكتبة زكريا، انيس

(۲) سدل تحريما للنهي ثوبه أي ارساله بلا لبس معتال فكراهته لاحتمال كشف العودة وإن كان مع السراويل فكراهته للتشبه بأهل الكتاب فهو مكروه مطلقاً. (ردالمحتار، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۴۰۵/۲، مكتبة زكريا، ايس)

آدھی آستین کے کرتا میں نماز مکروہ نہیں:

سوال: آدھی آستین والا کرتا پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ایسے لوگوں کو درمیان صف سے نکالنا چاہیے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

آدھی آستین والا کرتہ پہن کر نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں، اگر اس کو ثیاب بذلہ میں شمار کیا جاتا ہو اور اس کو عام مجلس میں پہننا معیوب سمجھا جاتا ہو تو مکروہ ہے، بہرصورت ان کو صف سے نکالنا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالی اعلم

۲۹/ جمادی الآخرہ ۱۳۹۱ھ (احسن الفتاویٰ: ۳/ ۴۰۷-۴۰۸)

نماز میں ڈکار آنا:

سوال: دوران نماز اگر ڈکار آ جائے، جس سے آواز پیدا ہو تو نماز درست ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

نماز درست ہو جائے گی؛ مگر حتی الامکان آواز کو روکنا چاہیے۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸/ شعبان ۱۳۹۴ھ (احسن الفتاویٰ: ۳/ ۴۰۸)

عمامہ باندھ کر نماز پڑھانا:

سوال: اگر امام عمامہ باندھے ہوئے ہے اور مقتدیوں کے سر پر صرف کلاہ ہے تو ایسی صورت میں نماز مکروہ ہوگی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

نہیں؛ کیوں کہ عمامہ باندھ کر نماز پڑھانا مستحب ہے۔ (۲)

تاتارخانیہ میں ہے: والمستحب للرجل أن يصلي في ثلٰثة أثواب: قميص وإزار وعمامة، إنتهٰى. (۳)

---

(۱) ولها آداب منه إمساک فمه عند التثاوب ولو بأخذ (شفتيه) بسنه فإن لم يقدر غطاه بظهر يده اليسرٰى، وقيل بالنهي لو قائماً وإلا فيسراه. (ردالمحتار، باب صفة الصلاة: ۱۷٦/۲، مكتبة زكريا، ديوبند، انيس)

(۲) عن إسماعيل بن عبد الله بن جعفر عن أبيه رضي الله عنه قال رأيت على النبي صلى الله عليه وسلم ثوبين مصبوغين بزعفران رداء وعمامة. (فتح الباری: ۲۷۳/۱، الموسوعة الفقهية: ۳۰۲/۳۰، وزارة الأوقاف الكويت، انيس)

(۳) أما المستحب فهو أن يصلي في ثلاث أثواب: قميص وإزار ورداء أو عمامة، كذا ذكر الفقيه أبو جعفر الهندواني في غريب الرواية عن أصحابنا وقال محمد: إن المستحب للرجل أن يصلي في ثوبين إزار ورداء لأن به يحصل ستر العورة والزينة جميعا. (بدائع الصنائع، فصل في بيان ما يستحب في الصلاة ومايكره: ۲۱۹/۱، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

اس صورت میں مقتدیوں نے ترکِ مستحب کیا اور امام نے نہیں کیا اور امام ومقتدی میں عمامہ کے اختلاف سے نماز مکروہ نہیں ہوتی۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو:۲۲۶)

جالی ٹوپی کے ساتھ نماز مکروہ نہیں:

سوال: بعض لوگ بید کی ٹوپی اوڑھتے ہیں، اس ٹوپی میں جالی ہوتی ہے اور اس کے سوارخوں میں سے سر کے بال دکھائی دیتے ہیں، اس ٹوپی کو اوڑھ کر امامت کرنا اور نماز پڑھانا مکروہ ہے، یا نہیں؟ نماز کی حالت میں سر کے بالوں کے کھلنے سے کراہت لازم آتی ہے، یا نہیں؟ فقط

(المستفتی:۲۲۴۱، ضیاء الحق چوڑی گران دہلی، ۷/ربیع الاول ۱۳۵۷ھ ۸/مئی ۱۹۳۸ء)

الجواب

اس ٹوپی کو پہن کر نماز پڑھنا بلاشبہ جائز ہے اور امامت میں بھی کوئی کراہت نہیں۔(۱) سر کے بال کوئی ستر کی چیز نہیں ہے، ننگے سر نماز پڑھی جائے اور نیت تواضع کی ہو تو وہ نماز بلا کراہت جائز ہے۔(۲) ہاں لاابالی پنے سے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے؛ مگر اس کی کراہت کی علت عدم مبالات ہے نہ کہ بالوں کا انکشاف۔فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۴۲۹/۳-۴۳۰)

سر بریدہ تصویر کا حکم:

سوال: اگر مصلی کے سامنے سر کٹی ہوئی، یا اس قدر چھوٹی تصویر ہو کہ کھڑے ہو کر نظر ہی نہیں آتی ہو تو اس سے نماز مکروہ ہوگی، یا نہیں؟

الجواب

نہیں۔

---

(۱) عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: إذا صلٰی أحدکم فلیلبس ثوبیه فإن اللہ أن یزین له.(رواه الطحاوی، کذا فی التفسیر للقاضی الألبانی: ۳۷۰/۳،مکتبة زکریا دیوبند،انیس)

والمستحب أن یصلی الرجل فی ثلاثة أثواب،قمیص وإزار،وعمامة،أما لو صلٰی فی ثوب واحد متوحشًا به جمیع بدنه کإزار المیت تجوز صلاته من غیر کراهة وتفسیره ما یفعله القصار فی المقصرة.(الحلبی الکبیر، فروع من بحث الستر،ص: ۱۹۰،مکتبة دار الکتاب دیوبند،انیس)

(۲) قال فی شرح التنویر فی مکروهات الصلاة:"وصلاته حاسرًا أو کاشفًا رأسه للتکاسل ولا بأس به للتذلل وأم الاهانة بها فکفر ولو سقطت قلنسوته فإعادتها أفضل.(الدر المختار،باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها: ۴۰۷/۲، مکتبة زکریادیوبند، انیس)

رسائل الارکان میں ہے:

''وإن کادت الصورة صغيرة بحيث لاتبدو أو محوة الرأس أوعلیٰ وسادة أو بساط مفرش لايکره أوکانت صغيرة لاتتبين تفاصيل أعضائها للناظرقائماً وهی علی الأرض أومقطوعة الرأس أوالوجه أوممحوة عضو لاتعيش بدونه''.(۱)(مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۰۶-۲۰۷)

امام زمین پر اور مقتدی جانماز پر:

سوال: اگر امام جائے نماز بوریہ وغیرہ کو کھینچ کر کھڑا ہو جاتا ہو اور مقتدی لوگ فرش پر کھڑے ہوں، یہ فعل امام کا کیسا ہے؟

الجواب

اگر امام زمین پر اور سب مقتدی جانماز پر ہوں، جب بھی کچھ کراہت نہیں ہوتی یہ فعل درست ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ ۲۸۷)

اگر مقتدی قالین پر اور امام بغیر فرش کے ہو:

سوال: اگر مقتدی فرش قالین وغیرہ پر ہوں اور امام بغیر فرش کے ہو تو درست ہے، یا نہیں؟ یا مقتدی خطاوار ہیں؟

الجواب

درست ہے کہ مقتدی فرش پر ہو اور امام نہ ہو، کچھ مضائقہ نہیں۔ فقط (تالیفات رشیدیہ ۲۸۷)

مصلّٰی الٹ کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: مصلّٰی جس پر امام کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے ہیں اوپر بدنما ہو جانے پر اسے پلٹ کر اس پر نماز پڑھائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

جائے نماز کو الٹ کر بچھا کر اس پر نماز ادا کی جاسکتی ہے۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۴۲۰)

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلاة،باب مکروهات الصلاة:۲/ ۳٦۱،مکتبة الدارالکتاب،انیس

(۲) فنـاء الـمسجد له حکم المسجد يجوز الاقتداء فيه وإن لم تکن الصفوف متصلة.(حاشية الطحطاوی علی المراقی،ص: ۱٦۰،مکتبة زکريا ديوبند،انيس)

(۳) اس لیے کہ مصلی الٹنے پر بھی پاک ہے اور پاک کپڑے پر نماز صحیح ہے۔

==

امام کا مصلی پر رومال ڈالنا:

سوال: زید عالم ہے اور امامت بھی کرتا ہے؛ مگر بوجہ زیادہ ہونے اپنی عزت کے اپنا رومال بچھا کر امامت کرتا ہے؛ یعنی مصلی ڈال کر اور مصلے پر کھڑا ہو کر امامت کرتا ہے اور مقتدی بغیر فرش کے ہوتے ہیں تو ایسی نزاکت بڑھانا امام کو اپنے واسطے بہتر ہے، یا نہیں؟ اور نماز میں کچھ مکروہات نہیں ہوتا؟

الجواب

اگر امام رومال یا مصلٰی پر کھڑا ہوا اور مقتدی زمین پر ہوں، اس میں کچھ کراہت نہیں، یہ امر درست و جائز ہے بلا خلاف۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ ۲۸۷)

نمازی کے نقشہ روضۂ مطہرہ کے استقبال کا حکم:

سوال: مدینہ منورہ کا نقشہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کا قبہ بھی ہے، اگر نماز میں سامنے لٹکا ہو تو نماز میں کچھ خرابی تو نہ ہوگی؟

الجواب

فی ردالمحتار عن الحلية: وتكره الصلاة عليه (أی علی القبر) وإليه لورود النهی عن ذلک.

وفی الدر المختار: اولغير ذی روح لايكره لانها لاتعبد.

فی ردالمحتار: فعلی هذا ينبغی ان يكره استقبال عين هذه الأشياء (ای الشمس والقمر والكواكب والشجرة الخضراء) معراج، أی لأنها عين ماعبد بخلاف ما لوصورها واستقبل صورتها. (۱/۶۷۸)(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر چہ قبر کا نماز کے سامنے ہونا مکروہ ہے؛ لیکن قبر کے نقشہ کا سامنے ہونا کچھ حرج نہیں؛ کیوں کہ نقشہ قبر کی کوئی پرستش نہیں کرتا، البتہ اگر کسی قوم کی یہ رسم بھی ثابت ہوجاوے تو پھر اس میں بھی کراہت ہوجاوے گی۔

۷ رشوال ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثانیہ، ص: ۱۷۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۴۴۰)

== "(هی) ستة (طهارة بدنه) ... (من حدث) ... (وخبث) ... (وثوبه) ... (ومكانه)". (الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۲/۶۷، مكتبة دار الكتاب ديوبند، انيس)

(۱) وفی المسجد الخارج إن كانوا يصلون فی الداخل أوفی الداخل إن كانوا فی الخارج إن كان هناک مسجد أن صيفی وشتوی. (ردالمحتار: ۲/۵۱۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) الدر المختار مع ردالمحتار، مكروهات الصلاة، مطلب إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة كان ترک السنة أولیٰ: ۲/۳۶۱ (دار الكتاب ديوبند: ۱/۶۴۹، انيس)

نمازی کے آگے جُوتیوں کا رکھنا:

سوال　نمازی کے روبرو جوتیوں کا موجود رہنا کہ جو مستعمل ہوں موجب کراہت نماز ہے، یا نہیں؟

الجواب＿＿＿＿＿＿وباللّٰہ التوفیق

مصلی کے آگے اگر جوتہ مستعمل رکھا ہے، اس کی کوئی کراہت منقول نہیں ہے، لہٰذا کچھ حرج نہیں۔ (۱) (تالیفات رشیدیہ:۲۸۱)

پلنگ پر بیٹھے ہوئے کے سامنے نماز پڑھنا:

سوال: اگر کوئی پلنگ (Bed) پر بیٹھا ہے، یا سویا ہے اور اس کے سامنے نیچے کوئی نماز پڑھ رہا ہے تو کیا نماز ہوگی، یا نہیں؟

الجواب＿＿＿＿＿＿حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس میں کوئی حرج نہیں، نماز درست ہے۔ فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم (محمود الفتاویٰ:۱/۴۶۲)

نمازی کے سامنے قرآن شریف کا ہونا:

سوال: اگر قرآن شریف پڑھ کر سامنے رکھ دے اور پھر نماز پڑھے تو کوئی حرج ہے، یا نہیں؟ ایک شخص کہتا ہے کہ نماز میں کراہت آجاتی ہے۔

الجواب＿＿＿＿＿＿

اگر آگے قرآن شریف رکھا ہو تو نماز میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (۲) فقط (تالیفات رشیدیہ:۲۸۵)

---

(۱)　وينبغي لداخله تعاهد نعله وخفه وصلاته فيهما أفضل. (الدرالمختار)

قلت: لٰكن إذا خشي تلويث فرش المسجد بها ينبغي عدمه وإن كانت طاهرة. (ردالمحتار، باب مكروهات الصلاة، مطلب في أحكام المسجد: ۲/۴۲۹، مكتبة زكريا، انيس)

(۲)　ولا يكره صلاة إلٰى ظهر قاعد ولا إلٰى ولا مصحف أوسيف مطلقاً. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الكراهية: ۲/۳۶۵، مكتبة دار الكتاب، ديوبند، انيس)

اور ہدایہ میں ہے: اگر سامنے قرآن رکھا ہو اور کوئی نماز پڑھتا ہو تو کوئی حرج نہیں۔

ولا بأس أن يصلي إلٰى ظهر رجل قاعد يتحدث ... ولا بأس أن يصلي وبين يديه مصحف معلق لأنهما لايعبدان. (الهداية، باب الكراهة: ۱/۱۲۲، مكتبة رشيدية، انيس)

ولا بأس أن يصلي وبين يديه في القبلة مصحف معلق أو سيف معلق إذ ليس فيه شبهة العبادةفإن أحدا لا يعبد المصحف والسلاح وقد صح أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى إلى عنزته ولو كان فيه شبهة العبادة ما صلى إليها. (المحيط البرهاني، الفصل الرابع في الصلاة والتسبيح: ۵/۳۰۸، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

بغیر اجازت، دوسرے کے کپڑوں میں نماز کا حکم:

سوال: بعض دھوبی کسی غیر کے کپڑے سے نماز پڑھ لیتے ہیں تو جو کوئی غیر کے کپڑے سے بدون اجازت نماز پڑھے تو نماز ہو جاتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

ادا ہو جاتی ہے۔(۱)

(بدست خاص، ص:۴۰) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۳)

دھوبی کے یہاں بدلے ہوئے کپڑے سے نماز:

سوال: کپڑا دھوبی کے یہاں بدل جاوے تو اس سے نماز پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر اس کا کپڑا اس شخص کے پاس پہنچ گیا ہے اور قیمت میں چنداں تفاوت نہیں ہے تو اس کے استعمال کا مضائقہ نہیں ہے اور اگر وہ کپڑا اس شخص کا دھوبی نے رکھ لیا ہے، یا کھو دیا اور دوسرے کا کپڑا اس کو دے دیا تو ایسی صورت میں اس کا استعمال ہرگز درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ:۲۸۴)

سرخ استر کے کپڑے سے نماز:

سوال: سرخ استر سے نماز ہو جائے گی، یا نہیں؟

الجواب

سرخ رنگ مرد کو علی الاصح درست ہے، کُسم کا رنگ البتہ مرد کو حرام ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ:۲۸۵)

---

(۱) منافع الغصب غير مضمونة. (ردالمحتار: ۲۰٦/٦، مكتبة سعيدية، انيس)

(۲) عن أبي جحيفة قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في قبة حمراء من أدم. (صحيح البخاری، باب الصلاة في الثوب الأحمر، رقم الحديث: ۳۷٦/ صحيح لمسلم، باب سترة المصلى، رقم الحديث: ۵۰۳، انيس)

عن البراء قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم مربوعاً وقد رأيته في حلة حمراء ما رأيت شيئا أحسن منه. (صحيح البخاری، باب الثوب الأحمر، رقم الحديث: ۵۸٤۸، انيس)

عن علي بن أبي طالب قال: نهاني رسول الله صلى الله عليه وسلم عن التختم بالذهب وعن لباس القسي وعن القراءة في الركوع والسجود وعن لباس المعصفر. (صحيح لمسلم، باب النبي عن لبس الرجل الثوب المعصفر، رقم الحديث: ۲۰۷۸، انيس)

چھ گرہ چوڑا پائجامہ پہننے والے کی امامت:

سوال: اگر پائجامہ ۶ ؍گرہ چوڑا اور ٹخنوں سے اونچا ہو، امام اس کو پہن کر نماز پڑھاوے، جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

نماز صحیح ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۳؍۱۳۰)

تہبند کے ساتھ نماز پڑھانا جائز ہے:

سوال: اگر پیش امام تہہ باندھے ہوئے نماز پڑھائے تو جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی:۵۶، پیر محمد، پان فروش (ساگر) ۲۰؍جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ ۱۱؍اکتوبر ۱۹۳۳ء)

الجواب

تہبند باندھ کر نماز پڑھانا بلاشبہ جائز ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳؍۷۹)

صرف تہبند اور رومال کے ساتھ نماز درست ہے، یا نہیں:

سوال: امام کو ایک تہبند اور ایک رومال اوڑھ کر امامت کرانا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

درست ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۳؍۲۰۶)

---

(۱) اس لیے کہ چوڑے پائچوں کے پائجامے پہننا درست ہے۔ظفیر

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إزارة المؤمن إلٰى نصف الساق وليس عليه حرج فيما بينه وبين الكعبين وما أسفل ذلك ففي النار. (المعجم الكبير للطبراني، كتاب اللباس، باب الإزار: ۵/۱۲۶، انيس)

(۲) والمستحب أن يصلي في قميص وازار وعمامة. (الكبيرى وعمدة الرعاية والفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۵۹، مكتبة زكريا، ديوبند، انيس) بحوالہ خیر الفتاویٰ:۲؍۲۵۴)

والرابع ستر عورته، الخ، و هي للرجل ما تحت سترته إلٰى ما تحت ركبته، إلخ. (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب في ستر العورة: ۲/۶۹، مكتبة دار الكتاب ديوبند، انيس)

(۳) والمستحب أي يصلي الرجل في ثلٰثة أثواب إزار وقميص وعمامة ولو صلىٰ في ثوب واحد متوشحاً به جميع بدنه كما يفعله القصّار في المقصرة جاز من غير كراهة مع تيسير وجود الطاهر الزائد ولكن فيه ترك الاستحباب. (غنية المستملي، فصل الذي يكره في الصلوٰة، ص: ۳۳۷، ظفير غفر له ذنوبه)

دھوتی پہن کر امام بننا کیسا ہے:

سوال: دھوتی اور دو پلی ٹوپی اور اونچا کرتہ پہن کر امامت کرنا مسجد میں درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

اگر ستر عورت پورا ہے تو نماز ہو جاتی ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ عمامہ ولباس شرعی کے ساتھ نماز پڑھاوے۔ (۱) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۶۶/۳)

لنگوٹھ پر تہبند یا پائجامہ پہن کر نماز پڑھنا:

سوال: لنگوٹھ نیچے بندھا ہوا ہو اوپر پاک پائجامہ پہن کر، یا تہبند باندھ کر نماز پڑھیں، ادا ہو جائے گی، یا نہ، بصورت عذر یا بلا عذر کے۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

نماز ہو جائے گی، لعدم ما یدل علی الحرمۃ وفساد الصلوٰۃ، اور لوگوں میں جو اس کی ممانعت مشہور ہے، وہ بے سند بات ہے۔ (۲) واللہ اعلم

عبدالکریم عفی عنہ، ۳؍ جمادی الثانیہ ۱۳۴۸ھ، الجواب صحیح: ظفر احمد، یکم رجب ۱۳۴۸ھ (امداد الاحکام: ۱۷۸/۲-۱۷۹)

کوٹ پہن کر امامت درست ہے، یا نہیں:

سوال: امام اگر کوٹ پہن کر امامت کرے تو درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

امامت اس کی بلا کراہت درست ہے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۸۸/۳)

---

(۱) والمراد ستر عورته، إلخ، وهي للرجل ماتحت سرته إلٰى ماتحت ركبته. (الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، باب شروط الصلوٰة، مطلب في ستر العورة: ۶۹/۲، مكتبة دار الكتاب، ديوبند، انيس)

والمستحب أي يصلي الرجل في ثلٰثة أثواب إزار وقميص وعمامة ولو صلىٰ في ثوب واحد متوشحاً به جميع بدنه كما يفعله القصّار في المقصر جاز من غير كراهة مع تيسير وجود الطاهر الزائد ولكن فيه ترك الاستحباب. (غنية المستملي، ص: ۳۳۷، ظفير)

(۲) والمستحب أن يصلي في قميص وإزار وعمامة. (الفتاوىٰ الهندية، باب شروط الصلاة: ۵۹/۱، مكتبة زكريا، انيس)

(۳) يجب على المصلي أن يقدم الطهارة من الأحداث والأنجاس، إلخ، ويستر وعورته لقوله تعالٰى: ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ إلخ. (الهداية، باب شروط الصلاة: ۷۶/۱، ظفير)

چوغہ وعمامہ میں نماز ہوتی ہے، یا نہیں:

سوال: امام کہ لباس شرعی مثل چوغہ وازار ورداء وعمامہ را پوشیدہ امامت می سازد ولیکن پوشیدن این لباس اورا ناخوش است، آیا نماز جائز می شود، یا نہ؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

نماز ادا می شود۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴۵/۴)

عمامہ والی نماز کا ثواب:

سوال: امام کو باوجود قدرت ہونے عمامہ کے بغیر عمامہ نماز پڑھانا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

بلاعمامہ امامت کرنا درست بلا کراہت کے ہے، اگر چہ عمامہ پاس رکھا ہو، البتہ عمامہ سے ثواب زیادہ ہوتا ہے۔(۲)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ الاجوبۃ کلہا صحیحۃ: ابوحنیف محمد عبداللطیف عفی عنہ (تالیفات رشیدیہ:۲۸۶)

بلاعمامہ کے نماز پڑھنا:

سوال: سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بلا عمامہ کے بھی نماز پڑھنا ثابت ہے، یا نہیں؟ اور حضور نے کبھی بلا عذر نماز بلا جماعت بھی پڑھی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

اس کا صریح ثبوت اس وقت بندہ کو معلوم نہیں؛ مگر احرام کی حالت میں سر برہنہ نماز پڑھنا محقق ہے، علی ہذا نماز فرض مرض موت میں بلا جماعت پڑھی ہے، ورنہ جماعت سے ہی پڑھتے تھے۔(۳) (تالیفات رشیدیہ:۲۸۵)

---

(۱) ترجمہ سوال: ایسا امام جو شرعی لباس مثلاً چوغہ، ازار، چادر اور عمامہ پہن کر امامت کرتا ہے؛ مگر ایسا لباس اس کو پسند نہیں ہے تو کیا نماز ہوگی، یا نہیں؟

ترجمہ جواب: نماز ہوجاتی ہے۔ انیس

(۲) قال الحسن: کان القوم یسجدون علی العمامة والقلنسوة ویداه فی کمه. (صحیح البخاری، باب السجود علی الثوب فی شدة الحر: ۵۶/۱، مکتبة رشیدیة، انیس)

(۳) عن ابن عمر: أن رسول الله صلی علیه وسلم کان یلبس قلنسوة بیضاء. (شعب الإیمان، فصل فی العمائم، رقم الحدیث: ۵۸۴۸/ مجمع الزوائد: ۱۲۱/۵، انیس)

==

بلا عمامہ کی نماز کا حکم:

سوال: کیا فتاویٰ عالمگیری اور قاضی خاں میں نماز بلا عمامہ کو مکروہ لکھا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

کسی نے بلا عمامہ نماز کو مکروہ نہیں کہا، اگر کہا تو وہ قول ماؤل ہے بترک ندب، ورنہ مردود ہوگا۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(تالیفات رشیدیہ: ۲۸۵-۲۸۶)

بلا عمامہ کے نماز پڑھانا:

سوال: اگر بلا عمامہ نماز پڑھاوے تو کیا نماز مکروہ ہوگی، تنزیہی، یا تحریمی؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ نماز عمامہ سے پڑھائی ہے، صرف ٹوپی کو سر مبارک پر زیب نہیں بخشا؟

الجواب ـــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صلوٰۃ بلا عمامہ مکروہ نہیں نہ تحریمہ نہ تنزیہ، البتہ ترک افضل ہے، آپ کے سر مبارک پر گاہ کلاہ بلا عمامہ بھی ثابت ہوتی ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ ۲۸۶)

بغیر عمامہ کے نماز پڑھانے والے سے جنگ کرنا:

سوال: جو شخص تارک عمامہ سے جنگ وجدل کرے اور عمامہ کو ضروری جانے وہ کیسا ہے، حالاں کہ تارک عمامہ اولویت عمامہ کا نماز کے اندر قائل ہے اور جہاں امام دستار بند نماز نہ پڑھاتا ہو، وہاں سے جو شخص مسجد چھوڑ کر چلا جاوے، اسی وجہ سے اور مارنے مرنے پر مستعد ہو، وہ کیسا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــ

تارک عمامہ سے جدال کرنے والا جاہل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ: ۲۸۶)

== عن عائشة قالت: أمر رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم أبا بكر أن يصلي بالناس في مرضه فكان يصلي بهم. (صحيح البخاري، باب من قام إلى جنب الإمام لعلة، رقم الحديث: ٦٨٣، انيس)

(۱) وكره صلاته حاسراً: أي كاشفاً رأسه للتكاسل ولا بأس به للتذلل وأما لإهانة بها فكفر. (الفتاوىٰ الهندية، باب الكراهة: ١٠٦/١، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبس قلنسوة بيضاء. (شعب الإيمان، فصل في العمائم، رقم الحديث: ٥٨٤٨/ مجمع الزوائد: ١٢١/٥، انيس)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: كان لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قلنسوة بيضاء لاطية يلبسها. (المتفق والمفترق: ١٧٢٤/٣، دار القاري دمشق، رقم الحديث: ١٢٥٥، انيس)

امام کا بلا عذر بغیر عمامہ کے عمامہ والوں کی امامت کرنا:

سوال: اگر امام کو عذر سے، یا بلا عذر عمامہ میسر نہ ہو اور مقتدی باندھ رہے ہیں تو کیا نماز میں کچھ نقصان ہوگا؟ فقط

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر چہ مقتدی سب متعمم ہوں اور امام بلا عمامہ ہو تو نماز کسی کی بھی مکروہ نہیں ہوتی ۔(۱)(تالیفات رشیدیہ:۲۸۶)

کن ٹوپ میں نماز:

مسئلہ: لباس کن ٹوپ میں، جس طرح چاہے نماز پڑھے، نماز درست ہے۔
(مجموعہ کلاں، ص:۱۳۴)(باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۵)

عورتوں کے لیے نماز میں عقص شعر مکروہ ہے، یا نہیں:

سوال: زید دعویٰ می کند کہ درحالت عقص شعر نماز گذاردن مر مرداں را مکروہ است، نہ زناں را زیرا کہ بریں کراہیت بحدیثے کہ صاحب ہدایہ وغیرہا استدلال کردہ اند، موردش مرد است، نہ زن ونیز موئے سرزن حکم عضوے میدارد وبریں تقدیر اگر برائے سجدہ موئے زن موئے خود را بگذارد تا بوجہ بروں شدن از پارچہ سر نمازش فاسد گردد، اما عمرو می گوید کہ در کراہت آں عقص شعر حکم مرد وزن یکساں است چرا کہ اگر چہ مورد حدیث مذکور خاص است لیک حکمش عام، لہذا فقہاء در جائے کہ حکم آں کراہت بمرداں تخصیص نہ کردہ اند۔

الجوابـــــــــــــــــــــ

قال فی الدرفی باب المکروھات: وعقص شعرہ، آہ.

قال الشامی: أی ضفرہ وفتلہ والمراد بہ أن یجعلہ علیٰ ھامتہ ویشدہ بصمغ أو أن یلف ذوائبہ حول رأسہ کما یفعلہ النساء فی بعض الأوقات أو یجمع الشعر کلہ من قبل القفا ویشدہ بخیط أو خرقۃ کی لا یصب الأرض إذا سجد وجمیع ذلک مکروہ، لما روی الطبرانی أنہ علیہ الصلاۃ والسلام نھی أن یصلی الرجل ورأسہ معقوص، آہ.(۶۷۱/۱)(۲)

وفی نیل الأوطار عن العراقی: وھو مختص بالرجال دون النساء؛ لأن شعرھن عورۃ یجب

---

(۱) قال رکانۃ سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول إن فرق ما بیننا وبین المشرکین العمائم علی القلانس.(جامع الترمذی، کتاب اللباس: ۳۰۸/۱،مکتبۃ یاسر ندیم،انیس)

(۲) ردالمحتار، کتاب الصلاۃ،باب الکراھۃ،مطلب فی الخشوع: ۳۵۲/۲،مکتبۃ دارالکتاب،دیوبند،انیس

ستره فی الصلاة فإذا نقضته ربما استرسل وتعذر ستره فتبطل صلا تها، آه. (۲۳۵/۲)(۱)

قلت: وقول العراقی لا تأباه قواعدنا بل هی تؤیده فإن شعر النساء عورة عندنا أیضا. (۲)

پس دریں مسئلہ ہم قول زید نزد ما صحیح است نہ قول واللہ اعلم

تنبیہ: دریک بار زاید از سہ سوال را جواب دادن اینجا قاعدہ نیست، پس از بقیہ سوالات دوبارہ استفسار کنند اگر خواہند۔

۸/محرم ۱۳۴۶ھ (امداد الاحکام: ۱۷۱/۲)

اگر نماز میں مردار کی ہڈی بدن پر ہو:

سوال: مردار کی ہڈی گلے وغیرہ میں لٹکا کر نماز درست ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مردار کی ہڈی پاک ہوتی ہے، سوائے خنزیر کے، سو اس کے ساتھ ہونے سے نماز میں کچھ نقصان نہیں آیا۔(۳) فقط

(مجموعہ کلاں، ص: ۱۴۷) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۷۶)

سیپ کے بٹن کے ساتھ نماز جائز ہے، یا نہیں:

سوال: سیپ کے بٹن کپڑے میں لگے ہونے سے نماز جائز ہے، یا نہیں؟ ویسے سیپ حلال و پاک ہے۔

الجواب

نماز صحیح ہے اور سیپ حلال و پاک ہے۔(۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵۷/۴)

نماز سے پہلے نماز میں سورتیں پڑھنے کا تعین کر لینا:

سوال: اگر قبل پڑھنے نماز تعین کرے کہ فلاں فلاں سورہ پڑھوں گا، خواہ مقتدی ہو، یا امام درست ہے، یا نہیں؟

---

(۱) نیل الأوطار، باب کراهیة أن یصلی الرجل معقوص الشعر: ۳۹۳/۲، دار الحدیث مصر، انیس

(۲) أن رأس المرأة عورة ویجب ستره فی الصلاة. (شرح مختصر الطحاوی، باب صفة الصلاة: ۶۹۹/۱، دار البشائر الإسلامیة، انیس)

قال علیه الصلاة والسلام: المرأة عورة مستورة. (نصب الرأیة، باب شروط الصلاة: ۲۹۸/۱، مؤسسة الریان بیروت/الدرایة فی تخریج أحادیث الهدایة، باب شروط الصلاة: ۱۲۳/۱، دار المعرفة بیروت، انیس)

(۳-۴) وشعر المیتة غیر الخنزیر علی المذاهب وعظمها وعصبها علی المشهور وحافرها وقرنها... وکذا کل مالا تحله الحیاة. (ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب المیاه، مطلب فی أحکام الدباغة: ۳۲۰/۱، مکتبة دار الکتاب، انیس)

الجواب ـــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اس خیال اور تعین سے نماز میں کوئی نقصان اور خرابی نہیں آتی اور اگر پھر اس قرار داد کے موافق نہ پڑھے اور کچھ پڑھ لے، تب بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ: ۲۸۴)

آمین بالجہر نماز میں حرام ہے، یا بدعت:

سوال: آمین بالجہر کہنا نماز میں حرام اور بدعت عندالحنفیہ ہے، یا نہیں؟ اور ہم لوگ آمین بالجہر نماز میں کہنے والوں کو مسجد سے نکال باہر کر دیں، یا نہیں؟ اور اگر ہم لوگ ان پر نکیر نہ کریں تو کچھ گناہ تو نہ ہوگا، یا ہم لوگ گناہ گار رہوں گے اور جماعت میں ان کے آمین بالجہر اور رفع یدین کرنے سے ہماری نماز میں کس قدر نقصان واقع ہوگا؟ ہماری نماز بالکل جاتی رہے گی، یا مکروہ ہوگی۔ فقط بینوا بالکتاب وتوجروا، بیوم الحساب بمہر و دستخط بواپسی ڈال۔ فقط

الجواب ـــــــــــــــــ

آمین بالجہر اور قرأت خلف الامام رفع یدین یہ امور سب خلاف بین الائمہ ہیں اور اگر کوئی شخص ہوائے نفسانی اور ضد سے خالی ہو اور محض محبت سنت کی وجہ سے یہ امور کرتا ہو تو اس پر کوئی طعن و تشنیع اور الزام دہی درست نہیں ہے اور اگر محض حنفیہ کی ضد میں ایسا کریں تو سخت گناہ گار ہیں۔

بہر حال ان لوگوں کے ان امور کو کرنے سے دوسرے نمازیوں کی نماز میں خرابی و نقصان نہیں آتا اور مفصل بحث اس کی بندہ نے سبیل الرشاد اور ہدایت المبتدی وغیرہ میں لکھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ: ۲۸۱)

آمین بالجہر سے نماز میں فساد ہوتا ہے، یا نہیں:

سوال: غیر مذہب کے ہمراہ شامل صف نماز ہو کر کسی شخص کا پکار کے آمین کہنا ہمارے واسطے موجب فساد نماز یا کراہت نماز ہے یا نہیں؟ اگر اس کا آمین کہنا ہمارے واسطے موجب فساد نماز یا باعث کراہت ہے تو یہ حنفی مذہب کی کون سی معتبر کتاب میں لکھا ہے۔ بینوا وتوجروا۔

(مرسلہ: بابو عبدالوہاب صاحب بلند شہر محلّہ قاضی واڑہ)

الجواب ـــــــــــــــــ

آمین بالجہر کہنا غیر مذہب کا مذہب حنفی والے کو مفسد نماز نہیں ہے نہ موجبِ کراہت۔ کیونکہ فعل ایک مصلی کا

---

(۱) ولا یتعین شي من القرآن لصلاة علی طریق الفرضیة...ویکره التعیین. (ردالمحتار، مطلب السنة تکون سنة بدعة وسنة کفایة: ۲/۲۳۵، مکتبة دار الکتاب، انیس)

دوسرے مصلی کی طرف مفضی نہیں ہوتا۔(۱) واللہ اعلم بالصواب

حررہ واجابہ خاکسار محمد مسعود نقشبندی دہلوی غفر رحیم فہو مسعود، ۲۸/ جمادی الاول ۱۲۹۴ھ

بلکہ اگر آمین کے جہر کرنے میں امام قرأت بھول جاوے تو کراہت اس کی مجاہر پر نہ ہوگی۔کتبہ محمد یعقوب دہلوی

صحیح الجواب بلاارتیاب حررہ محمد عبد الحق، الجواب صحیح: سید حسن شاہ، الجواب صحیح: محمد یوسف عبد ۱۲۸۴ھ

دار دامید شفاعت از محمد یعقوب، صح الجواب

عنده ذلک کذلک محمد إسمٰعیل فإنه الجلیل الدلیل والجواب المذکوره صحیح إن کان المقصود اتباع السنة وإلافالأفضل عندی الامتناع واللّٰه اعلم بالصواب(۲)

الجواب صحیح: محدث رامپوری۔ بلاشبہ جواب ثانی صحیح ہے: از منصور علی احمد۔

ہست: نظام الدین، محمد عبد الرب، محمد اسماعیل انصاری مدرس مدرسہ حسین بخش مرحوم دہلوی، اکبر علی خان ولد رحم علی خاں، قمر اسمہ احمد بالعا، محمد عبد القادر ۱۲۸۷ھ، خدا باد ہاشم بنام محمد میرٹھی، مولانا سراج احمد صاحب محدث خورجوی۔

لاریب فی هٰذا الجواب، الجواب صحیح: محمد نور اللّٰه عفی عنه

من أجاب فقد أصاب. محمد عبد اللطیف عفی عنہ، مقیم میرٹھ

أصاب عندی من أجاب. بندہ عبد اللہ گلاد ٹھوی عفی عنہ

امام فن مناظرہ اہل الکتاب سید ناصر الدین محمد ابوالمنصور ۱۲۹۱ھ، محمد کرامت اللہ، ۱۲۹۲ھ، محمد فضل احمد۔عبداللہ

میرے نزدیک تو اگر خود حنفی بھی آمین بالجہر کہے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی، نہ کہ دوسرا شخص کہے اور حنفی کی نماز فاسد ہوجائے، حق یہ ہے کہ جہر واخفاء دونوں فعل مسنون ہیں، ائمہ حنفیہ کو جواز جہر میں خلاف نہیں ہے، صرف اولویت میں خلاف ہے، چناں چہ حنفیہ اخفا کو اولیٰ سمجھتے ہیں اور دیگر ائمہ جہر کو، پس سائل کو اپنی نماز کے فساد کا کیا معنی، کراہیت کا بھی شبہ نہ کرنا چاہیے۔واللہ اعلم بالصواب

حررہ محمد اسمٰعیل عفا اللہ عنہ ساکن کول، الجواب صحیح: خلیل احمد عفی عنہ انبہٹوی، الجواب صحیح: بندہ محمود عفی عنہ دیوبندی

الجواب صحیح: بندہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ دیوبند

---

(۱) عن علقمة بن وائل عن أبيه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قرأ غیر المغضوب ولا الضالین، فقال: آمین وخفض بها صوته. (سنن الترمذی، باب ماجاء فی التامین: ۵۸/۱، انیس)

(۲) جواب مذکور صحیح ہے، اگر مقصود اتباع سنت ہو ورنہ افضل میرے نزدیک منع کرنا ہے۔

وإذا فرغ من الفاتحة قال: آمین والسنة فیه الإخفاء ویخفی الإمام والمأموم. (الفتاویٰ التاتارخانیة: ۱۶۷/۲، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

الجواب صحیح: رشید احمد عنہ گنگوہی مدرس اول مدرسہ دیو بند، الٰہی عاقبت محمود گردان، ۱۲۹۹ھ

وتوکل علی العزیز الرحمٰن: رشید احمد، ۱۳۰۱ھ

جواب المجيب حق والحق أحق أن يتبع. المتقادم الباری عبداللہ الانصاری

هٰذا الجواب يجوب ريب المرتات. محمد حسین عفی عنہ، ابو یحیٰ محمد ۱۳۱۳ھ، الجواب حق. علی احمد عفی عنہ سنبھلی

جملہ جوابات مجیبین کے صحیح ہیں؛ لیکن مولوی محمد اسماعیل صاحب انصاری مدرس مدرسہ حسین بخش مرحوم کا تحریر فرمانا خلاف شان علماء کے ہے؛ کیوں کہ جب ایک امر حدیث سے سنت ثابت ہو چکا، پھر اس کے عامل پر الزام نفسانیت کس طرح ہوسکتا ہے، نماز میں کسی قسم کی خرابی جب واقع ہوتی ہے کہ خلاف امر مشروع نماز میں کیا جاوے اور آمین بالجہر کے جواز کے تو علمائے حنفیہ بھی قائل ہیں، چناں چہ مولانا شیخ عبدالحق صاحب دہلوی لکھتے ہیں:

والظاهر الحمل علٰى كلا معنيين.

اور مولانا عبدالحئ لکھنوی لکھتے ہیں:

والانصاف أن الجهر قوى من حيث الدليل.

اور شیخ ابن ہمام لکھتے ہیں:

لو كان إليَّ فى هٰذا شى لوفقت بأن رواية الخفض يراد بها عدم القرع العنيف ورواية الجهر بمعنى قولها فى زبر الصوت وذيله. (۱)

اور نیز علمائے دیگر بھی قائل ہیں، مانند ان کے مولانا بحر العلوم عبدالعلی ارکان اربعہ میں لکھتے ہیں کہ!

''در باب آہستہ گفتن آمین ہیچ وارد نہ شدہ مگر حدیثے ضعیف۔ (۲)

اور مولانا سلامت اللہ صاحب حنفی بھی قائل ہیں، چناں چہ شرح المؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں لکھا ہے بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے۔

حررہ عبدالصمد حنفی، متوطن کوٹھاؤلی ضلع بلند شہر، مورخہ ۱۲/ شعبان المعظم ۱۳۱۳ھ، **هو المصيب**

کسی دوسرے شخص کا زور سے آمین کہنا احناف کے واسطے نہ موجب فساد ہے، نہ کراہت، احناف اور غیر احناف میں جو کچھ اس بارے میں اختلاف ہے، وہ محض اولویت وعدم اولویت کا ہے، اس سے فساد کسی کا مذہب نہیں، زمانہ صحابہ سے لے کر آج تک یہ تعامل چلا آتا ہے کہ دونوں فریق ایک جگہ نماز پڑھتے رہے، البتہ سب وشتم اور لعن وطعن باہم نہ ہونا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) فتح القدير، باب صفة الصلاة: ۲۹۵/۱، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) آمین کے آہستہ کہنے کے بارے میں بجز ایک ضعیف حدیث کے اور کچھ نہیں آیا ہے۔

کتبہ عبد اللطیف عفی عنہ از دفتر ندوۃ العلماء کانپور، ۲۶/جمادی الثانی ۱۳۱۴ھ

الجواب صحیح: محمد مجتبی حسن عفی عنہ، مہر ندوۃ العلماء

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن پشاوری، الجواب صواب: عبد المومن عفی عنہ دیو بندی۔

صح الجواب: حررہ الفقیر عبد الحئ اصلح اللہ لہ، صح الجواب: خادم الفقراء والعلماء ابوبکر علی احمد محمود اللہ شاہ الحنفی البدایونی، الجواب صحیح: العبد احقر العباد عبد القیوم گڑھ مکیٹسری واعظ علی گڑھ۔

چونکہ آمین بالجہر پر تعامل صحابہ کبار رہا ہے؛ اس لیے آمین بالجہر کہنے والوں پر سب وشتم کرنا در پردہ صحابہ پر معترض ہونا ہے اور یہ بالاتفاق ممنوع ہے، فعل صحابہ سے کسی صحابی کے فعل کا اقتدا سنت ہے، **کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: أصحابی کالنجوم بأیهم إقتیتم إهتدیتم** .(۱) واللہ اعلم بالصواب

بندہ محمد محسن عفی عنہ میرٹھی، مہر محمد محسن

جو شخص اہل حدیث ہو اور وہ شریکِ جماعت احناف ہو، اس کا آمین بالجہر کہنا مفسد نماز احناف ہرگز نہیں، یہ اختلاف اولویۃ میں ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ محمد ریاض الدین، مدرس مدرسہ عالیہ میرٹھ

زید کے آمین بالجہر کہنے سے عمرو کی نماز نہ فاسد ہوگی، نہ مکروہ ہوگی۔

عبد اللہ خاں مدرس مدرسہ اسلامیہ شہر میرٹھ بالائی کوٹ

آمین بالجہر سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور نہ مکروہ ہوتی ہے، غلط بیان کرتا ہے، جو کہتا ہے کہ آمین بالجہر سے دوسرے کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، یا مکروہ۔

احمد علی عفی عنہ مدرس مدرسہ میرٹھ اندر کوٹ

آمین بالجہر کہنے سے آمین بالخفاء کہنے والوں کی نماز میں کسی طرح کا فساد نہیں ہے۔(۲)

حررہ محمد رمضان عفی عنہ مفتی واعظ جامع مسجد آگرہ۔ (تالیفات رشیدیہ ۲۸۱-۲۸۴)

---

(۱) جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے صحابہ تاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کی اقتدا کروگے ہدایت پاؤگے۔

عن جابر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: أصحابی کالنجوم بأیهم اقتدیتم اهتدیتم. (جامع بیان العلم وفضله، رقم الحدیث: ۱۷۶۰، انیس)

عن جوّاب بن عبید اللہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إن مثل أصحابی کمثل النجوم ههنا وههنا من أخذ بنجم منها اهتدیٰ وبأی قول أصحابی أخذتم فقد اهتدیتم. (المدخل إلی السنن الکبریٰ للبیهقی، باب أقاویل الصحابة رضی اللہ عنهم، رقم الحدیث: ۱۵۳، انیس)

(۲) **والتأمین وکونهن سراً. (ردالمحتار، مطلب سنن الصلاة: ۱۷۲/۲، مکتبة زکریا، دیوبند، انیس**

امام کا خفی امور کو سیٹی کی سی آواز سے ادا کرنا:

سوال: اگر امام التحیات یا سجدہ یا سورہ فاتحہ وغیرہ کہ جس کے واسطے حکم خفی پڑھنے کا ہے ایسا پڑھتا ہو کہ نزدیک کے مقتدی بھی سنتے اور سیٹی کی سی آواز مقتدی سنیں تو نماز میں کراہت ہوگی یا نہیں؟ اور جب امام سے کہا جاوے تو یہ کہتے ہیں کہ جو کوئی میری آواز سیٹی کی سی سنتا ہے تو میں اس وقت میں صاد ادا کیا کرتا ہوں۔؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر آواز خفی امام کے آس پاس کے چند سُن لیویں تو اس میں حرج نہیں اور کوئی کراہت نہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(تالیفات رشیدیہ ۲۸۸)

تھوک نگل لینے سے روزہ اور نماز ٹوٹنے کا حکم:

سوال: روزہ دار کے منہ میں اگر بلغم، یا تھوک جمع ہو جاوے حالتِ نماز میں، یا غیر نماز میں تو روزہ اور نماز ہوئی، یا نہیں؟ اگر وہ بلغم، یا تھوک منہ میں آیا ہوا نگلا جاوے؟

الجواب ــــــــــــــــ

اگر چہ نگل جاوے، درست ہے۔(۱) فقط

(بدست خاص، ص:۴۱) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۳)

جلسہ اور قومہ کی دُعائیں:

سوال: جلسے اور قومے میں یہ الفاظ کہنا فرائض ہوں، یا نوافل جائز ہے، یا نہیں؟

"اللّٰهم اغفرلي وارحمني واهدني وارزقني وارفعني واجبرني".

جلسے میں اور قومے میں:

"ربنا لک الحمد حمدًا كثيرًا طيبًا مباركاً فيه".

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

یہ کلمات فرض نفل میں سب میں درست ہیں؛ مگر امام کو فرائض میں نہ کہنا چاہیے کہ مقتدیوں پر تطویل صلوٰۃ کی کلفت ہوتی ہے، تنہا ہو تو کہے کہ نماز میں اذکار مسنونہ اولیٰ ہیں۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ:۲۸۵)

---

(۱) وكره له ذوق شئ وكذا مضغه. (الدرالمختار) وفى الشامية: الظاهر أن الكراهة فى هٰذه الأشياء تنزيهية. (رد المحتار، باب الكراهية: ۳/ ۳۹۵، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) قال أبويوسف: سألت الإمام أن يقول الرجل أن يقول الرجل إذا ارفع رأسه من الركوع والسجود ==

نماز کے بعد مسجد میں سوال کرنا اور سائل کو دینا کیسا ہے:

سوال: ہمارے یہاں مسجد میں مدرسے کے حضرات اور دیگر حضرات نماز کے بعد مدد کرنے کا سوال کرتے ہیں تو کیا مسجد میں سوال کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

فقہاء کرام نے یہ لکھا ہے کہ اگر سائل مجبور ہے اور وہ اپنے سوال کے لیے نمازیوں کے آگے سے نہیں گذرتا ہے اور ان کی گردنوں کو پھلانگ کر نہیں جاتا ہے تو اس کے لیے مسجد میں سوال کرنا اور اس کو دینا دونوں جائز ہے، اگر وہ مجبور نہیں ہے؛ بلکہ پیشہ ور سائل ہے یا نمازیوں کے آگے سے گذرتا ہے، یا تخطی رقاب کرتا ہے تو اس کو دینا جائز نہیں ہے۔

والمختار أن السائل إذا کان لایمرّ بین یدی المصلّی ولایتخطی رقاب الناس ولایسئل الناس إلحافًا ویسأل لأمر لابد منه، لابأس بالسوال والأعطاء ولا یحلّ إعطاء سوال المسجد إذا لم یکونوا علٰی تلک الصفة المذکورة، کذا فی الوجیز للکردری. (۱)

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر مدرسہ کے افراد مدرسہ کے ضروری کام کے لیے؛ یا دیگر مجبور حضرات جو واقعۃً مجبور ہوں، اپنی مدد کے لیے نماز کے بعد مسجد میں سوال کرتے ہیں تو ان کے لیے سوال کرنا شرعاً جائز ہے، بشرطیکہ وہ نمازیوں کے آگے سے نہ گذریں اور ان کی گردنوں کو پھلانگ کر نہ جائیں، جس سے نمازیوں کو تکلیف ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۴۰۹/۱۱/۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۲۰/۲-۴۲۱)

ناکہ حیوان کی چربی کے ساتھ نماز درست ہے:

سوال: اگر ناکہ حیوان بحری کی چربی کا تیل ہاتھ و پاؤں پر مالش کر کے بغیر دھوئے نماز پڑھی جاوے تو نماز درست ہوگی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

نماز اس صورت میں صحیح ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۱۲/۴)

== **اللٰھم اغفرلی قال: یقول: ربنا لک الحمد وسکت ولقد أحسن فی الجواب إذ لم ینه عن الاستغفار، نهر وغیره، أقول بل فیه إشارة إلٰی أنه غیرمکروہ ... بل ینبغی أن یندب الدعاء بالمغفرة بین السجدتین خروجاً من الإمام أحمد لإبطاله الصلاة یترکه عامداً، إلخ. (ردالمحتار: ۲۱۲/۲-۲۲۳، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)**

(۱) **الفتاوٰی الهندیة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱۴۸/۱، مکتبه زکریا دیوبند، انیس**

(۲) بحری جانور کی یہ چربی حکماً پاک ہے، لہٰذا کوئی مضائقہ نہیں۔ ظفیر ==

ہرن کی دباغت دی ہوئی کھال کا مصلّٰی بنانا درست ہے:

سوال: ہرن کی ایسی کھال پر جس کے ساتھ چاروں کھر اور سینگ معلق ہوں، مصلّٰی بنا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، یا نہ؟

الجواب

اس کھال پر نماز بلا کراہت کے درست ہے، وجہ کراہت کی کچھ نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۱۰۰)

مسجد کا سائبان جو ناچ میں دیدیا گیا ہو اس میں نماز درست ہے، یا نہیں:

سوال: ایک شخص نے مسجد کا سائبان ناچ میں دے دیا، اب اس سائبان کے نیچے نماز پڑھ سکتے ہیں؟ نمازیوں کو دھوپ کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے؟

الجواب

اس سائبان کے نیچے نماز پڑھنا جائز ہے، اس کو دھوپ وغیرہ کے وقت مسجد میں لگانا چاہیے اور آئندہ کسی محفل ناچ وغیرہ کے لیے نہ دیا جاوے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۱۱۵)

عاجزی کے طور پر ننگے سر نماز بلا کراہت جائز ہے:

سوال: ایک کتاب میں لکھا ہے کہ جو شخص ننگے سر اس نیت سے نماز پڑھے کہ عاجزانہ درگاہِ خدا میں حاضر ہوتا ہوں تو کچھ حرج نہیں؟

الجواب

یہ تو کتب فقہ میں بھی لکھا ہے کہ بہ نیت مذکورہ ننگے سر نماز پڑھنے میں کراہت نہیں ہے۔

درمختار میں ہے:

ولا بأس به للتذلل، إلخ. (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۹۴)

== کما يطهر لحمه شحمه ... قوله تعالىٰ: ﴿أحل لكم صيد البحر﴾ (المائدة: ٩٦) من غير فصل وقوله عليه السلام في البحر: هو الطهور ماؤه والحل ميتته، إلخ. (الهداية، كتاب الذبائح: ٤٤٢/٤، مكتبة فيصل ديوبند، انيس)

(۱) شعر الميتة وعظمها طاهر وكذا العصب والحافر والخف والظلف والقرن والصوف والوبر والريش والسن والمنقار والمخلب، إلخ، كل إهاب دبغ دباغة حقيقية بالأدوية أو حكمية بالتتريب و التشميس والإلقاء في الريح فقد طهر وجازت الصلاة فيه. (الفتاوى الهندية، باب المياه، الفصل الثاني: ٢٥/١، مكتبة زكريا ديوبند، ظفير)

(۲) الدر المختار على هامش رد المحتار، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها: ٥٩٩/١، ظفير

جالی دار ٹوپی کے ساتھ نماز مکروہ نہیں:

سوال: جالی دار کپڑے کی ٹوپی سے نماز مکروہ ہوتی ہے، یا نہیں؟ اور ہمیشہ استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب

جو کپڑا مردوں کو پہننا مباح ہے، اگر وہ جالی دار ہو تو اس کی ٹوپی سے نماز درست ہے اور استعمال اس کا اس طریقہ پر کہ کشف عورت نہ ہو، درست ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۰۹/۴)

تولیہ، یا رومال باندھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے:

سوال: تولیہ، یا رومال بجائے عمامہ کے باندھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور تولیہ ٹوپی پر باندھنا مکروہ ہے، یا نہیں؟ اور اس سے نماز پڑھانا مکروہ ہے، یا نہیں؟ اور یہ اعتجار ہے، یا نہیں؟ اگر کوئی شخص اس پر طعن کرے اور الفاظ جاہلانہ توہین کے کہے تو اس کو عتاب ہونا چاہیے، یا نہیں؟

الجواب

تولیہ ورومال ٹوپی پر باندھنا مکروہ نہیں ہے؛ یعنی عمامہ کے طور پر باندھنا اور نماز اس سے مکروہ نہ ہوگی؛ بلکہ اطلاق عمامہ کا اس پر آوے گا اور باندھنے والا مستحق ثواب ہوگا اور یہ اعتجار مکروہ نہیں ہے، عصابہ بمعنیٰ عمامہ بھی آتا ہے اور پٹی جو سر پر باندھی جاوے، اس کو بھی عصابہ کہتے ہیں۔

العصابة تأتی بمعنی العمامة، کما فی القاموس وغیره. (جمع الوسائل)(۲)

عمامۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت منقول ہے کہ آپ کے پاس دو عمامے تھے۔ایک سات ذراع کا اور ایک بارہ ذراع کا؛ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس میں کوئی تحدید شرعاً نہیں ہے، بقدر ضرورت ہونا کافی ہے۔(۳)

---

(۱) لبس الثیاب الجمیلة مباح إذا لم یتکبر. (ردالمحتار، باب الاستبراء: ۵۰۵/۹، مکتبة زکریادیوبند،انیس)

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل،باب ماجاء فی عمامة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ۱۶۹/۱،الحلبی،انیس

(۳) فإن لم تکن عمامته بالکبیرة التی یؤذی حملها حاملها،إلخ،ولابالصغیرة التی تقتصرعن وقایة الرأس من الحر والبرد بل کانت وسطاً بین ذلک،إلخ، وقال السیوطی:لم یثبت فی مقدارها حدیث وفی خبرمایدل علیٰ أنها عشرة أذرع والظاهرأنها کانت نحوالعشرة أوفوقها بیسیر وقال السخاوی فی فتاویٰه:رأیت من نسب لعائشة أن عمامته فی السفر بیضاء وفی الحضرسوداء وکل منهما سبعة أذرع،الخ، وفی تصحیح المصابیح لابن الجزری: تتبعت الکتب وتطلبت من السیروالتواریخ لأقف علیٰ قدرعمامته صلی اللّٰه علیه وسلم فلم أقف علیٰ شیء حتی أخبرنی من أثق به أنه وقف علیٰ شیء من کلام النووی ذکرفیه أنه کان له صلی اللّٰه علیه وسلم عمامةٌ قصیرةٌ ستة أذرع وعمامةٌ طویلةٌ اثنا عشرذراعاً. (شرح المواهب الدنیة للزرقانی: ۴/۵،ظفیر)

جمع الوسائل شرح الشمائل للعلی القاری میں ہے:

وقال الشیخ الجزری فی تصحیح المصابیح: تتبعت الکتب وتطلبت من السیر والتواریخ لأقف علیٰ قدر عمامة النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فلم أقف حتیٰ أخبرنی من أثق به أنه وقف علیٰ شیء من کلام النووی ذکر فیه أنه کان له صلی اللّٰہ علیه وسلم عمامةٌ قصیرةٌ وعمامةٌ طویلةٌ وأن القصیرة کانت سبعة أذرع مطلقاً من غیر تقیید بالقصیر والطویل،الخ. (جمع الوسائل)(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۹۴/۴-۹۵)

شملہ زیادہ ہونے سے کیا نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے:

سوال: عمامہ باندھنا کتنا سنت ہے اور اس کا شملہ پیچھے چھوڑنا کتنا مسنون ہے؟ اگر کوئی سرین تک چھوڑے تو نماز میں نقصان آتا ہے، یا نہیں؟ ایک شخص کہتا ہے کہ اگر شملہ سوا بالشت سے زیادہ چھوڑے تو نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔ اس بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب

درمختار میں ہے کہ عمامہ کا شملہ پیچھے چھوڑنا مستحب ہے اور وسط ظہر تک شملہ کا ہونا مستحب ہے اور بعض نے کہا: ایک بالشت ہوگا اور یہ کہنا اس شخص کا کہ اگر سوا بالشت سے زیادہ شملہ چھوڑے تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی، غلط ہے۔ وسط ظہر تک ہونا شملہ کا، یا ایک بالشت ہونا یہ سب امور مستحبہ میں سے ہیں، اس کا خلاف مکروہ تحریمی نہیں ہے اور نماز میں کچھ کراہت نہیں آتی۔ ایک قول شملہ کے بارے میں درمختار میں یہ بھی ہے کہ موضع جلوس تک شملہ کا ہونا مستحب ہے۔(۲) اس سے معلوم ہوا کہ کمر کی جڑ تک؛ یعنی سرین کے شروع تک ہونا شملہ کا بھی مکروہ نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ جو کچھ اقوال ہیں دربارہ استحباب ہیں، باقی گناہ کسی حال میں نہیں ہے، شملہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ اسی

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل،باب ماجاء فی عمامة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: ۱۶۸/۱،الحلبی،انیس

(۲) قال الجزری فی تصحیح المصابیح : قد تتبعت الکتب وتطلبتمن السیر والتواریخ لأقف علیٰ قدرعمامه النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فلم أقف علیٰ شئ حتیٰ أخبرنی من أثق به أنه وقف علیٰ شئ من الکلام النووی ذکر فیه أنه کان له صلی اللّٰہ علیه وسلم عمامة قصیرة وعمامة طویلة وإن القصیرة کانت سبعة أذرع والطویلة اثنی عشر ذراعاً ظاهر کلام المدخل أن عمامته کانت سبعة أذرع مطلقاً من غیر تقیید بالقصر والطویل.(مرقاة المصابیح، کتاب اللباس:۲۵۰/۸،مکتبة أشرفیة، انیس)

وندب لبس السواد وإرسال ذنب العمامة بین کتفیه إلیٰ وسط الظهروقیل لموضع الجلوس وقیل شبر. (الدرالمختارعلیٰ هامش رد المحتار:۶۶۰/۵،ظفیر)(کتاب الحظروالإباحة:۵۱۵/۹،مکتبة زکریادیوبند، انیس)

طرح عمامہ کے طول کی شرعاً کوئی حد خاص نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ کبھی بارہ ہاتھ کا ہوا ہے اور کبھی سات ہاتھ کا اور دوسروں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص طول کا امر نہیں فرمایا، پس جس طرح عادت ہو اور جتنا باندھنے کی عادت ہو باندھ لے، کچھ وہم نہ کرے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۳۸/۴)

صرف ٹوپی اوڑھ کر امامت مکروہ نہیں:

سوال: ٹوپی اوڑھ کر امامت کرنا بلا کراہت جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

ٹوپی سے امامت درست ہے، کچھ کراہت نہیں ہے، البتہ عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنا اور امامت کرانا افضل ہے اور ثواب زیادہ ہے؛ لیکن ٹوپی بھی مکروہ نہیں ہے، کذا فی شرح المنیۃ الکبیر۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۹۷/۴)

بلا عمامہ نماز مکروہ نہیں:

سوال: آیا نماز بکلاہ بدونِ عمامہ مکروہ است، یا نہ؟(۳)

فتاویٰ سعدیہ میں مکروہ لکھا ہے اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جائز بلا کراہت تحریر فرماتے ہیں۔

الجواب

أقول وباللّٰہ التوفیق:

شرح منیہ کبیری میں ہے:

والمستحب أن یصلی الرجل فی ثلٰثة أثواب إزاروقمیص وعمامة ولوصلٰی فی ثوب واحد متوشحاً به جمیع بدنه کما یفعله القصارفی المقصرة جازمن غیر کراهة مع تیسروجود الطاهر الزائد ولکن فیه ترک الاستحباب.(۴)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ بلا عمامہ کے نماز مکروہ نہیں ہے، البتہ عمامہ کا ہونا مستحب ہے اور عمامہ نہ ہونے کی

---

(۱) ذکر فیه أنه کان له صلی اللّٰه علیه وسلم عمامة قصیرة وعمامة طویلة وأن القصیرة کانت سبعة أذرع والطویلة إثنٰی عشرذراعاً.(مرقاة المفاتیح، کتاب اللباس: ۵۰/۸، مکتبة أشرفیة، ظفیر)

(۲) والمستحب أن یصلی الرجل فی ثلٰثة أثواب إزاروقمیص وعمامة، ولوصلٰی فی ثوب واحد متوشحاً به جمیع بدنه کما یفعله القصار فی المقصرة جاز من غیر کراهة مع تیسر وجود الطاهرالزائد ولکن فیه ترک الاستحباب.(غنیة المستملی، ص: ۳۰۳، مکتبة دار الکتاب، ظفیر)

(۳) بلا عمامہ صرف ٹوپی پر نماز مکروہ ہے یا نہیں۔انیس

(۴) غنیة المستملی، ص: ۳۰۳، مکتبة دار الکتاب، ظفیر

صورت میں باوجود میسر ہونے کے ترک استحباب ہے، پس حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ کی غرض یہی ہے کہ اگر چہ ترک عمامہ میں خلاف استحباب ہے؛ لیکن جائز بلا کراہت ہے اور غیر مستحب کو کراہت لازم نہیں ہے۔

كما صرح به الشامي من أنه ''لا يلزم من ترك المستحب ثبوت الكراهة إذ لابد لها من دليل خاص''.(۱)

پس صحیح یہی ہے جو حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ نے لکھا ہے اور فتاویٰ سعدیہ میں جو اس کو مکروہ لکھا ہے، یہ اس قول کی بنا پر ہوگا جو کہتے ہیں کہ ترک مستحب خلاف اولیٰ ہے اور خلافِ اولیٰ اور مکروہِ تنزیہی کا مرجع واحد ہے تو مراد صاحب فتاویٰ سعدیہ کی مکروہ تنزیہی ہونا ہے؛ لیکن شامی کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ مکروہ تنزیہی بھی نہ کہنا چاہیے، البتہ عمامہ کی وجہ سے زیادتی ثواب ہونا مسلم ہے، جیسا کہ جملہ مستحبات کے ادا میں زیادتی ثواب ہے؛ لیکن ان کے ترک میں کراہت نہیں، جیسے صلوٰۃ ضحیٰ وغیرہ۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۲۰/۴-۱۲۱)

فوجی ٹوپی پہن کر نماز جائز ہے:

سوال: اگر کوئی شخص سر پر بجائے ٹوپی کے کلاہ فوجی بلا ضرورت رکھ کر نماز پڑھے، یا پڑھاوے تو نماز جائز ہے، یا نہیں؟ اور بغیر نماز پہننا کیسا ہے؟

الجواب

اس ٹوپی سے نماز ہو جاتی ہے، لباس اور ٹوپی میں کوئی خاص طریق اور وضع مامور بہ نہیں ہے؛ بلکہ جیسے جس ملک کی عادت اور رواج ہو، اس کے موافق لباس اور ٹوپی وغیرہ پہننا درست ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

''**كل ماشئت والبس ماشئت**''. (الحديث) (یعنی: جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو؛ مگر تکبر و اسراف نہ کرو۔) (۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۰۲/۴)

صرف لنگی میں نماز درست ہے:

سوال: ایک شخص تونگر حاجی ہے اور گرمی کے موسم میں پانچ وقت کی نماز ایک لنگی سے جو گھٹنوں سے دو انگل نیچی ہے اور دوسری چادر سے نماز پڑھتا ہے، بعض وقت کی نماز صرف اسی لنگی سے پڑھ لیتا ہے تو اس کی نماز ہوتی ہے، یا نہیں؟

(۱) ردالمحتار، بحث مستحبات الوضوء: ۱۱۵/۱، ظفير (كتاب الطهارة، مطلب: ترك المندوب هل يكره تنزيهاً: ۲٤۷/۱، مكتبة دارعالم الكتب، رياض، انيس)

(۲) یہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے، دیکھئے: صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب قول الله: ۸٦۰/۲، مكتبة رشيدية، انيس

الجواب

صرف لنگی سے بھی نماز ہو جاتی ہے؛(۱) مگر بہتر یہ ہے کہ بصورت استطاعت لنگی و چادر یا کرتہ و پاجامہ وکلاہ، یا عمامہ کلاہ کے ساتھ نماز پڑھے، یہ افضل ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۱۳۱-۱۳۲)

ولایتی کپڑے میں نماز درست ہے:

سوال: ولایتی کپڑے میں نماز جائز ہوگی، یا نہیں؟

الجواب

نماز اس کپڑے میں درست ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۱۰۷)

قومِ نصاریٰ کے مستعمل کپڑوں میں نماز ہوتی ہے، یا نہیں:

سوال: کپڑے مستعملہ قوم نصاری سے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

جامہائے مستعملہ قوم نصاری وغیرہ سے فقہانے نماز پڑھنے کو جائز لکھا ہے، سوائے پاجامہ اور ازار کے کہ اس کا نجس ہونا بظن غالب ہے، کذا فی الشامی،(۴) اور دھو لینا ہر ایک کپڑے کا احوط ہے، خصوصاً ازار و پاجامہ کا دھونا ضروری ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۱۲۵-۱۲۶)

---

(۱) والرابع ستر عورته، إلخ، وهي للرجل ماتحت سرته إلٰى ما تحت ركبتيه. (الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، باب شروط الصلاة: ۱/۳۷٤، ظفير) (مطلب ستر العورة: ٦٩/٢، مكتبة دار الكتاب ديوبند، انيس)

(۲) والمستحب أن يصلي الرجل في ثلثة أثواب إزار وقميص وعمامة ولو صلٰى في ثوب واحد متوشحًا به جميع بدنه كما يفعله القصار في المقصرة جاز من غير كراهة مع تيسر وجود الطاهر الزائد ولكن فيه ترك الاستحباب. (غنية المستملي، ص: ۳۳۷، ظفير)

(۳) اس لیے کہ حکماً پاک ہے اور نماز کے لیے یہی شرط ہے۔

ولو شك في نجاسة ماء أو ثوب، الخ، لم يعتبر (الدر المختار علٰى رد المحتار) (كتاب الطهارة: ۱/۲۸۳، انيس)

من شك في إنائه وثوبه فهو طاهر، إلخ، وكذا مايتخذه أهل الشرك أو الجهلة من المسلمين كالسمن والخبز و الأطعمة. (رد المحتار، كتاب الطهارة، مطلب في ندب مراعاة الخلاف إذا لم يرتكب مكروه مذهبه. مطلب قُبَيل أبحاث الغسل: ۱/۲۸٤، مكتبة دار عالم الكتب رياض، انيس)

(۴) ثياب الفسقة وأهل الذمة طاهرة. (الدر المختار)

قال في الفتح: وقال بعض المشائخ: تكره الصلٰوة في ثياب الفسقة؛ لأنهم لا يتقون الخمور. ==

میلے کپڑوں میں نماز مکروہ ہے، یا نہیں:

سوال: میلے کپڑے اور جڑاول سال گذشتہ کے ثیاب بذلہ میں داخل ہیں، یا نہیں؟ اور نماز ان میں جائز ہوگی، یا مکروہ؟

الجواب

کپڑوں کے میلے ہوجانے کی وجہ سے وہ ثیاب بذلہ نہیں ہوئے، اسی طرح جڑاول سال گذشتہ ثیاب بذلہ میں داخل نہیں، لہٰذا نماز ان میں مکروہ نہ ہوگی۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۳۹/۴)

بغیر کلی کے کرتا سے نماز جائز ہے:

سوال: اگر کوئی شخص بغیر کلیوں کا کرتا پہن کر نماز پڑھے تو نماز مکروہ ہوگی، یا نہیں؟

الجواب

بغیر کلیوں کا کرتا پہن کر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے؛ کیوں کہ مقصود ستر عورت ہے اور وہ اس صورت میں حاصل ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۰۶/۴)

ساڑی میں عورتوں کی نماز جائز ہے، یا نہیں:

سوال: عورتوں کو دھوتی باندھنا اور اس سے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

عورتوں کو دھوتی باندھنا اور دھوتی سے نماز پڑھنا درست ہے، غرض یہ ہے کہ پردہ پورا ہونا چاہئے، دھوتی ہو یا پاجامہ اسکی کچھ خصوصیت نہیں ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۱۱/۴)

== قال المصنف يعنى صاحب الهداية: الأصح أنه لايكره؛ لأنه لم يكره من ثياب أهل الذمة إلا السراويل مع استحلالهم الخمر، فهٰذا أولٰى، آه. (رد المحتار، قبيل كتاب الصلاة: ۳۲٤/۱، ظفير) (باب الأنجاس: ٥٦٥/۱، مكتبة عالم الكتب، انيس)

(۱) (وصلاته فى ثياب بذلة) يلبسها فى بيته (ومهنته) أى خدمته إن له غيرها و إلاّ لا. (الدر المختار علٰى هامش ردالمحتار، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها: ٦٤٠/۱، دار الفكر بيروت، انيس)

وفسرها فى شرح الوقاية بما يلبسه فى بيته لايذهب به إلى الأكابر والظاهر أن الكراهة تنزيهية، آه. (رد المحتار، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب فى الكراهة التحريمية والتنزيهية، قُبيل مطلب فى الخشوع: ٦٤١/۱، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) وعلٰى هٰذا فما صار شعار العلماء يندب لهم لبسه. (الموسوعة الفقهية: ١٤٠/٦، انيس)

(۳) والرابع سترعورة، ووجوبه عام ولوفى خلوة على الصحيح، إلخ، وهى إلخ للحرة ولوخنثٰى جميع بدنها ==

ساڑی میں نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: اس ملک میں عورتیں جو ایک کپڑا تمام بدن میں دے کر نماز پڑھتی ہیں، جس کو ہمارے ملک میں ساڑھی بولتے ہیں، تھوڑی پہنتی ہیں اور تھوڑی بدن میں ڈالتی ہیں، یا دھوتی بولتے ہیں؟

الجواب

ساڑی میں نماز جائز تو ہے، بشرطیکہ عورت کا تمام جسم مخفی رہے؛ مگر بدون کرتے کے نماز مکروہ ہے، جس کے پاس کرتا ہو، پس عورتوں کو ساڑھی کے نیچے کرتا ضرور پہننا چاہیے کہ بغیر اس کے ستر کھلنے کا بھی اندیشہ ہے۔(۱)

۲۸/ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ۔(امداد الاحکام:۱۸۰/۲)

حالتِ نماز میں چادر یا رضائی اوڑھنا درست ہے، یا نہیں:

سوال: حالت نماز میں چادر، یا رضائی کو سر پر اوڑھنا چاہیے، یا کاندھے پر اور اس کے بائیں جانب کے دونوں کونے لٹکے رہیں، یا کندھے پر ڈال لیں، افضل کیا ہے؟

الجواب

دونوں طرح اوڑھنا درست ہے اور یہ بھی درست ہے کہ بائیں طرف کے دونوں کونے لٹکے رہیں؛ کیوں کہ جب داہنی طرف کا کنارہ بائیں مونڈھے پر اوڑھ لیا تو سدل جو کہ مکروہ ہے نہ رہا اور بہتر ہے کہ بائیں طرف کے کونے بھی مونڈھے پر ڈال لے۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۱۰۴/۴)

== حتٰی شعرها النازل فی الأصح خلا الوجه والکفین إلخ والقدمین.(الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، باب شروط الصلاة: ۳۷٤/۱)(مطلب فی ستر العورة: ٦٩/۲، مکتبة دار الکتاب، انیس)

سترِ عورت خواہ پاجامے سے ہو، خواہ ساڑی سے، دونوں برابر ہے، یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ ساڑی باندھنا ہندوانہ لباس ہے؛ بلکہ ملک کے بعض حصوں میں مسلمان عورتوں کا بھی یہی لباس ہے، جس طرح پاجامہ پہننے والے علاقوں میں ہندو عورتیں بھی بکثرت پاجامہ پہنتی ہیں؛ یعنی ان کا بھی لباس یہی ہے اور مسلمان عورتوں کا بھی۔ واللہ اعلم (محمد ظفیر الدین غفرلہ)

(۱) (و) الرابع (ستر عورته) ... (وهی للرجل ما تحت سرته إلی ما تحت رکبته) ... (وللحرة) ولو خنثی (جمیع بدنها) حتی شعرها النازل فی الأصح (خلا الوجه والکفین) فظهر الکف عورة علی المذهب (والقدمین) علی المعتمد وصوتها علی الراجح.(الدر المختار: ۷٥/۲، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

(۲) (وکره) ... (سدل) تحریما للنهی (ثوبه) أی إرساله بلا لبس معتاد.(الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها: ٦۳۸/۱-٦۳۹)

فعلٰی هٰذا تکره فی الطیلسان الذی یجعل علی الرأس وقد صرح به فی شرح الوقایة آه. إذا لم یدره علٰی عنقه وإلا فلا سدل.(رد المحتار، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، مطلب فی الکراهة التحریمیة والتنزیهیة: ٦۳۹/۱، ظفیر)

چارپائی نمازی کے سامنے ہوتو اس سے کوئی حرج نہیں ہوتا:

سوال: کسی مکان، یا دوکان کے اندر مصلی کے سامنے چارپائی خالی بچھی ہوئی ہے اور وہ اس چارپائی کے پاس قبلہ رخ نماز پڑھے تو جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

درست ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۳۳/۴)

نقش ونگار والے مصلیٰ پر نماز جائز ہے، یا نہیں:

سوال: اگر کسی مصلیٰ، یا جائے نماز پر نقشہ کسی روضہ، یا مسجد، یا خانہ کعبہ، یا مدینہ منورہ کا ہو اور ہر حالت میں پیش نظر رہے، اس پر نماز پنجگانہ ادا کرنا کیسا ہے؟

الجواب

نماز ادا ہو جاتی ہے؛(۱) لیکن پیش نظر ہونا نقش ونگار کا اچھا نہیں ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۲۷/۴-۱۲۸)

پرند کی تصویر پر دوسرا کپڑا بچھا کر نماز پڑھی تو نماز ہوگی، یا نہیں:

سوال: جس جائے نماز پر پرندہ کی تصویر ہو، اس پر دوسرا کپڑا اڈال کر نماز جائز ہے یا نہ؟

الجواب

اس صورت میں نماز جائز ہے بلا کراہت۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۲۹/۴)

---

(۱) (أو لغير ذي روح لا) يكره لأنها لاتعبد. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۶۴۹/۱، دار الفكر بيروت، انيس)

لقول ابن عباس للسائل: فإن كنت لابد فاعلاً فاصنع الشجر وما لانفس له، رواه الشيخان. (رد المحتار، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة كان ترك السنة أولیٰ: ۶۴۹/۱، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) (ولا بأس بنقشه خلا محرابه) فإنه يكره؛ لأنه يلهي المصلي. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها: ۶۵۸/۱، دار الفكر بيروت، انيس)

أي فيخلّ بخشوعه من النظر إلیٰ موضع سجوده ونحوه... ويكون منتهیٰ بصره إلیٰ موضع سجوده، إلخ. (ردالمحتار، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب كلمة لا بأس دليل علیٰ أن المستحب غيره لأن البأس الشدة: ۶۵۸/۱، دار الفكر بيروت، ظفير)

(۳) (واختلف فيما إذا كان) التمثال (خلفه، والأظهر الكراهة و) لايكره (لو كانت تحت قدميه) أو محل جلوسه لأنها مهانته... أو علیٰ خاتمه) بنقش غير مستبين، قال في البحر: ومفاده كراهة المستبين لاالمستتر بكيس أو صرة أو ثوب آخر. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۶۴۸/۱، دار الفكر بيروت، انيس) ==

جیب میں روپیہ ہو تو بھی نماز ہو جاتی ہے:

سوال: روپیہ پیسہ اگر صدری کی جیب میں ہو اور نیت باندھنے کے وقت ہاتھ کے نیچے رہے تو کیا نماز ہو جاتی ہے؟

الجواب

نماز اس صورت میں بلا کراہت صحیح ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۴۶/۴-۱۴۷)

نمازی پنکھا کرنے سے خوش ہو تو اس کی نماز میں کوئی کراہت نہیں:

سوال: نمازی کو اگر کوئی شخص پنکھا کرے اور نمازی اس فعل سے خوش ہو تو نماز ہوگی، یا نہیں؟

الجواب

نمازی کو اگر کوئی شخص پنکھا کرے لوجہ اللہ اور نمازی کو اس سے راحت ہو اور وہ باطمینان نماز پوری کرے تو اس سے نماز میں کچھ فساد اور خلل اور کراہت نہ ہوگی، نماز پڑھنے والا اگر اس سے خوش ہو، تب بھی اس کی نماز میں کچھ فساد اور کراہت نہ آوے گی اور مساجد میں جو پنکھے لگے ہوئے ہیں، ان سے کسی کی نماز میں کچھ کراہت نہ ہوگی، البتہ نماز پڑھنے والے کو خود یہ حکم کسی کو نہ کرنا چاہیے کہ وہ اس کو پنکھا کرے، نماز پڑھتے ہوئے کہ یہ امر خلاف ادب کے ہے، اگرچہ نماز میں اس سے بھی کچھ کراہت نہ آوے گی۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۰۱/۴)

ناک سے نماز میں آواز نکالنا کیسا ہے:

سوال: ایک شخص کوزکام ہے، وہ اگر مخارج حروف صحیح نکالنے کی وجہ سے سُوسُو کرتا یعنی ناک میں سے اوپر کی طرف دم کھینچ کر ناک کو درست کر لیتا ہے، تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

نماز میں ایسی آواز نکالنا نہ چاہیے، بایں ہمہ اگر نکالی گئی بضرورت تصحیح مخارج حروف تو نماز صحیح ہے۔(۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۱۳/۴-۱۱۴)

== بأن كان فوق الثوب الذی فيه صورة ثوب ساترله فلا تكره الصلاة فيه لاستتاها بالثوب بحر.(رد المحتار،باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها،مطلب إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة وكان ترك السنة أولٰى:٦٤٨/١، دارالفكربيروت، ظفير)

(۱) ولايكره (لوكانت تحت قدميه)أومحل جلوسه لأنها مهانة (أوفي يده) عبارة الشمني بدنه؛لأنها مستورة بثيابه ...ومفاده كراهة المستبين لا المستتربكيس أو صرة أوثوب آخر (الدرالمختارعلٰى هامش ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب مايفسد الصلاة ومايكر فيها:٦٤٨/١، دارالفكربيروت،انيس)

بأن صلٰى ومعه صورة أوكيس فيه دنانيرأودراهم فيها صورصغارفلا تكره لاستتارهابحر.(رد المحتار،باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها،مطلب:مطلب إذا ترددالحكم بين سنة وبدعة وكان ترك السنة أولٰى:٦٤٨/١،دارالفكر بيروت،ظفير)

(۲) (والتنحنح) بحرفين(بلاعذر)أما به بأن نشأ من طبعه فلا(أو)بلا(غرض صحيح)فلولتحسين صوته ...==

نماز میں اگر تھوکنا ہو تو کیا کرے:

سوال: نماز میں منھ بھر کر تھوک آیا تو کس طرف تھوکے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر نگل نہ سکے تو کپڑے میں لے لے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۰۰/۴)

پان چائے کے بعد بلا کلی نماز پڑھنا کیسا ہے:

سوال: کوئی شخص چائے پینے اور پان کھانے کے بعد اس قدر توقف کرے کہ اثر پان اور چائے کا زائل ہو جاوے تو بلا مضمضہ نماز پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟ یا ضرورت مضمضہ کی ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

مضمضہ کرنا پھر بھی بہتر ہے اور نہ کرے، تب بھی نماز ہو جائے گی۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۳۰/۴-۱۳۱)

تمباکو کے ساتھ نماز ہوتی ہے، یا نہیں:

سوال: اگر کوئی شخص پینے کا تمباکو ہمراہ لے کر نماز پڑھے تو نماز ہوتی ہے، یا نہیں؟ تمباکو کے دھوئیں کو اکثر لوگ حرام کہتے ہیں تو تمباکو کا پینا بھی مکروہ ہوا؟

== فلا فساد على الصحيح. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها: ٦١٨/١-٦١٩، دار الفكر بيروت، انيس)

لأنه يفعله لإصلاح القراءة فيكون من القراءة معنىً. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلوٰة وما يكره فيها، مطلب المواضع التى لا يجب فيا ردالسلام: ٦١٩/١، دار الفكر، بيروت، ظفير)

(۱) عن أنس بن مالك أن النبى صلى الله عليه وسلم رأى نخامة فى القبلة فشق ذلك عليه حتى رُئِيَ فى وجهه فقام فحكه بيده، فقال: :"إن أحدكم إذا قام فى صلاته فإنه يناجى ربه أو إن ربه بينه وبين القبلة، فلا يبزقن أحدكم قبل قبلته ولكن عن يساره أو تحت قدمه ثم أخذ طرف ردائه فبصق فيه ثم رد بعضه علىٰ بعض فقال أويفعل هٰكذا. {رواه البخارى} (مشكوٰة، باب المساجد ومواضع الصلاة، ص: ٧١، مكتبة فيصل ديوبند، ظفير)(صحيح البخارى، باب حك البزاق باليد فى المسجد، رقم الحديث: ٤٠٥/صحيح لمسلم، باب النهى عن البصاق فى المسجد، رقم الحديث: ٥٥١، انيس)

(۲) قال: أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم بخبز ولحم وهو فى المسجد فأكل وأكلنا معه ثم قام فصلى وصلينا معه ولم نزد علىٰ أن مسحنا أيدينا بالحصباء". {رواه ابن ماجة}(مشكوٰة المصابيح، كتاب الأطعمة، ص: ٣٦٦، ظفير)(سنن ابن ماجة، باب الشواء، رقم الحديث: ٣٣١١، انيس)

بالحصباء أى بالحجارات الصغار استعجالا للصلوٰة أوبيانا للجواز. (مرقاة المفاتيح: ٣٧٩/٤، ظفير)

الجواب

تمبا کو کا پینا حرام نہیں ہے اور نہ اس کا دھواں حرام ہے اور نہ نجس ہے۔ پس اگر اس تمبا کو میں کوئی نجس چیز نہیں ہے تو اس کے پاس رکھنے سے نماز ہو جاتی ہے، مطلب یہ ہے کہ خود تمبا کو تو ناپاک نہیں ہے؛ لیکن اس میں جو شیرہ وغیرہ پڑتا ہے، اگر وہ پاک ہو، نجس نہ ہو تو پھر اس کو ساتھ رکھ کر نماز صحیح ہے، اگر چہ اچھا نہیں ہے۔ (۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۱۰۷-۱۰۸)

کثیف کپڑے میں نماز درست ہے، یا نہیں:

سوال: امام باوجود دیگر پارچہ موجود ہونے کے، نہایت کثیف کپڑے استعمال کرتا ہے، اس کے پیچھے نماز میں کوئی نقص تو نہیں ہے؟

الجواب

نماز اس کی صحیح ہے، کپڑا پاک ہونا چاہیے۔ (۲) فقط　(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۱۲۸)

نمازی کے سامنے پیپل کا درخت ہونے سے نماز مکروہ نہیں ہوتی:

سوال: اگر پیپل کا درخت نمازی کے سامنے ہو تو نماز ہو جاوے گی، یا نہیں؟

الجواب

نماز صحیح ہے، اس میں کچھ کراہت بھی نہیں۔ (۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۱۴۶)

---

(۱) قلت: فيفهم منه حكم النبات الذى شاع فى زماننا المسمى بالتتن فتنبه وقد كرهه شيخنا العمادى فى هديته إلحاقاً بالثوم والبصل بالأولٰى فتدبر. (الدر المختار، كتاب الأشربة، قُبيل كتاب الصيد: ٦/ ٤٦٠-٤٦١، دارالفكر بيروت، انيس)

(قوله: فيفهم منه حكم النبات): وهو الإباحة على المختار. (ردالمحتار، كتاب الأشربة، قُبيل كتاب الصيد: ٦/ ٤٦٠، دارالفكر بيروت، انيس)

(۲) ثم الشرط لغةً العلامة اللازمة وشرعًا ما يتوقف عليه الشيء ...(هى) ...(وثوبه). (الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ١/ ٤٠٢، دارالفكر بيروت، انيس)

لیکن فقہانے بوقت وسعت ایسے کپڑوں میں نماز کو مکروہ تنزیہی لکھا ہے:

((و) كره كفه ... (وصلاته فى ثياب بذلة) يلبسها فى بيته (ومهنته) أى خدمة، إن له غيرها وإلاّ لا. (الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ١/ ٦٤٠، دارالفكر بيروت، انيس)

(۳) (أو لغير ذى روح لا) يكره لأنها لاتعبد. (الدر المختار علٰى هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ١/ ٦٤٩، دارالفكر بيروت، انيس)

لوہے تانبے کے زیورات پہن کر نماز:

سوال: اگر کوئی لوہے، تانبے، پیتل وغیرہ کے زیورات پہن کر نماز پڑھے تو درست ہے؟

هو المصوب

نماز ہو جائے گی، البتہ مذکورا شیا کا استعمال مکروہ ہوگا۔

وفی الخجندی: التختم بالحدید والصفر والنحاس والرصاص مکروہ للرجال والنساء جمیعًا. (۱)

فدل ذلک علٰی أنه غیر مخصوص بالخاتم بل یشتمل کل حلیة من الحدید أو الشبه والنحاس والصفر، کذا قول الفقهاء: أن النص معلول والحاقهم الرصاص والنحاس والصفر بالشبه یدل علٰی عدم الاختصاص بالخاتم. (۲)

تحریر: محمد مستقیم ندوی، تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۲/۴۵۷)

عورت کا اسٹیل، تانبے کی چوڑی پہن کر نماز پڑھنا:

سوال: ہمارے گاؤں میں بریلویوں کا بڑا زور ہے ان کی عورتوں کے واسطہ یہ سننے میں آیا ہے، لوہے تانبے، پیتل، اسٹیل کی چوڑی پہن کر نماز نہیں ہوگی، اسی طرح اس کی بھی نماز نہیں ہوتی جو چوڑی نہ پہنے ہوئی ہو مذکورہ باتیں کہاں تک صحیح ہیں اور ان کی کیا حقیقت ہے؟ اسی طرح اس بات کی بھی وضاحت مقصود ہے کہ چین والی (یعنی لوہے کی پٹے ولی) گھڑی پہن کر نماز ہوگی یا نہیں؟ بریلی علما کہتے ہیں ایسی گھڑی میں نماز نہیں ہوگی؟

هو المصوب

دھات کی بنی ہوئی کوئی چیز مثلا چوڑی یا گھڑی وغیرہ پہن کر نماز پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے اور مرد بھی چین والی گھڑی پہن کر نماز پڑھے گا تو نماز ہو جائے گی۔ (۳)

تحریر: ساجد علی، تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۲/۴۵۷-۴۵۸)

---

(۱) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الکراهة، الباب العاشر فی استعمال الذهب والفضة: ۳۳۵/۵، مکتبة زکریادیوبند، انیس
(وأما) التختم بما سوی الذهب والفضة من الحدید والنحاس والصفر فمکروه للرجال والنساء جمیعا لأنه زی أهل النار. (بدائع الصنائع، قبیل بیان رکن البیع: ۱۳۳/۵، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس)

(۲) إعلاء السنن، کتاب الحظر والإباحة: ۲۹۵/۱۷، مکتبة إمدادیة، انیس

(۳) ولابأس بأن یتخذ خاتم حدید قد لوی علیه فضة أو لبس بفضة حتٰی لایریٰ. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الکراهة، الباب العاشر: ۳۳۵/۵، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

وفی الفتاویٰ: ولابأس بأن یتخذ خاتم حدید قد سوی علیه فضة وألبس بفضة حتی لایری، ==

کیا نماز میں دائیں پاؤں کا انگوٹھا دبا کر رکھنا ضروری ہے:

سوال: کیا نماز پڑھتے وقت دائیں پاؤں کا انگوٹھا اتنی مظبوطی سے دبا کر رکھنا چاہیے کہ اگر پانی پاؤں کے پاس سے گزرے تو انگوٹھے کی جگہ سوکھی رہے؟

الجواب ـــ

یہ کوئی مسئلہ نہیں۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۵۵۸/۳)

== لأن التـزين يقع بالفضة دون الحديد،لأن الحديد ليس بظاهر ذكر في الجامع الصغير: وينبغي أن يكون قدر فـضـة الـخـاتـم الـمثـقـال ولا يزاد عليه وقيل: لايبلغ به المثقال. (المحيط البرهاني،الفصل الحادي عشر في استعمال الذهب والفضة: ۳٤۹/٥، دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

نماز وتر کے مسائل

وتر کا ثبوت:

سوال : باری تعالیٰ نے اپنے نبی کریم کی معرفت عوام الناس کو ارشاد فرمایا ہے:

﴿فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾(۱)

سو اس آیت کے تحت میں ہم پوچھتے ہیں اہل الذکر سے کہ وہ کون سی احادیث مرفوعہ، یا آثار مقبولہ ہیں، جن سے یہ پتہ چلے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ تین وتر پڑھے، دوسری رکعت میں تشہد کے لیے آپ بیٹھتے ہوں اور تیسری رکعت میں قبل دعائے قنوت کے رفع یدین کی ہو، اس کے متعلق اگر کوئی روایت ہے تو عنایت فرمائی جائے کہ کس کتاب کے کون سے صفحہ پر ہے، یا فعل صحابہ سے ثابت ہو؛ کیوں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے میرا اور میرے صحابہ کا طریقہ اختیار کرلیا، وہ لوگ فرقہ ناجیہ میں سے ہیں۔(۲)

(المستفتی: ۲۵۸۷، مستری عبدالعزیز جامع مسجد دہلی، ۸/ربیع الاول ۱۳۵۹ھ، ۱۷/اپریل ۱۹۴۰ء)

الجواب

صحیح مسلم شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک طویل روایت جلد: ۱/ص: ۱۹۴، میں ہے، جس کا ایک جملہ یہ ہے:

وكان يقول فى كل ركعتين التحية وكان يفرش رجله اليسرى وينصب رجله اليمنى،إلخ.(۳)

---

(۱) سورة النحل: ۴۳، انیس

(۲) عن عبدالله بن عمرو فى حديث طويل قال النبى صلى الله عليه وسلم:ما أنا عليه وأصحابى.(سنن الترمذى،باب ماجاء فى افتراق هذه الأمة،رقم الحديث: ۲۶۴۱،انیس)

(۳) صحيح لمسلم،باب ما يجمع صفة الصلاة وما يفتتح به: ۱/ ۱۹۴، رقم الحديث: ۱۱۳۸، ط:قديمى

عن عائشة مرفوعاً فى حديث طويل وكان يقول:فى كل ركعتين التحية.{رواه مسلم}(إعلاء السنن: ۶/ ۵۰، ۵۱، رقم الحديث: ۱۶۸۰،انیس)

عن عائشة رضى الله عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يشفع الصلاة بالكتبير والقراءة بالحمد لله رب العلمين وكان إذا ركع لم يشخص رأسه ولم يصوبه ولكن بين ذلك وكانا إذا رفع رأسه ==

یعنی: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ہر وہ رکعتوں پر تحیۃ یعنی تشہد ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بایاں پاؤں بچھاتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے تھے۔

اور ترمذی شریف جلد:۱رص:۵۰،مطبوعہ مجتبائی میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: الصلاۃ مثنٰی مثنٰی تشهد فی کل رکعتین، إلخ. (۱)

یعنی: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نماز دو رکعت ہے (یعنی نوافل) ہر دو رکعت پر تشہد ہے۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ ہر دو رکعتوں پر تشہد پڑھنا نماز کا عام قاعدہ ہے اور حضور نے یہی ہم کو تعلیم فرمایا ہے اور بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ تہجد و وتر کی گیارہ رکعتیں اس تفصیل سے بیان فرمائی گئی ہیں کہ پہلے چار پڑھتے تھے، آخری تین رکعتیں وتر کی ہوتی تھیں، (۲) اور مسلم شریف کی حدیث کے بموجب اس میں دو مرتبہ تشہد ہوتا تھا، دوسری پر اور پھر تیسری پر بعض روایات میں جو یہ آیا ہے کہ نہیں بیٹھتے تھے؛ مگر آخر میں اس کی تفسیر حضرت عائشہؓ کی وہ روایت کرتی ہے جو نسائی اور مستدرک حاکم میں ان الفاظ سے آئی ہے:

عن سعد بن هشام کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم لا یسلم فی رکعتی الوتر. (کذا فی آثار السنن)(۳)

یعنی: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

== من الرکوع لم یسجد حتٰی یستوی قائماً وکان إذا رفع رأسه من السجدة لم یسجد حتٰی یستوی جالساً وکان یقول فی کل رکعتین التحیة وکان یفرش رجله الیسرٰی وینصب رجله الیمنٰی وکان ینهٰی عن عقبة الشیطان وینهٰی أن یفترش الرجل ذراعیه افتراش السبع وکان یختم الصلاة بالتسلیم. (الصحیح لمسلم، باب ما یجمع صفة الصلاة وما یفتتح به: ۱/۱۹۴، رقم الحدیث: ۴۹۸، انیس)

(۱) سنن الترمذی، باب ما جاء فی التخشع فی الصلاة: ۱/۸۷-۳۸۶، ط: سعید (عن الفضل بن عباس قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الصلاة مثنٰی مثنٰی تشهد فی کل رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن وتقنع یدیک، یقول: ترفعهما إلٰی ربک مستقبلا ببطونهما وجهک، وتقول: یارب یارب، ومن لم یفعل ذلک فهو کذا وکذا". (سنن الترمذی، باب ماجاء فی التخشع فی الصلاة: ۱/۸۷، رقم الحدیث: ۳۸۵، انیس)

(۲) باب قیام النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی رمضان وغیره: ۱/۱۵۴، ط: قدیمی (عن أبی سلمة بن عبدالرحمن أنه أخبره أنه سأل عائشة کیف کانت صلاة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی رمضان فقالت ما کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیره علٰی إحدٰی عشرة رکعة یصلی أربعاً فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی أربعاً فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلاثاً، قالت عائشة: فقلت یارسول اللّٰه: أتنام قبل أن توتر؟ فقال: یاعائشة إن عینی تنامان ولا ینام قلبی". (صحیح البخاری، باب کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم تنام عینی ولا تنام قلبی، رقم الحدیث: ۳۵۶۹، انیس)

(۳) سنن النسائی، باب کیف الوتر بثلاث: ۱/۱۹۱، سعید/آثار السنن، باب الوتر بثلاث رکعات: ۱۶۹، إمدادیة ملتان ==

مطلب یہ کہ جن حدیثوں میں دو رکعتوں پر بیٹھنے کی نفی ہے، اس میں بیٹھنے سے سلام پھیرنے کے لیے بیٹھنا مراد ہے اور یہ مطلب اس لیے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے خلاف نہ ہو، جو مسلم کی روایت میں ''**فی کل رکعتین التحية**'' (۱) کے الفاظ سے موجود ہے اور ترمذی میں ''**تشهد فی کل رکعتین**'' (۲) کے الفاظ سے مروی ہے، باقی تیسری رکعت میں قنوت سے پہلے رفع یدین کرنا تو یہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔

عن عبدالله أنه أن يقرأ فی آخر ركعة من الوتر ﴿قل هو الله أحد﴾ ثم يرفع يديه فيقنت قبل الركعة. {رواه البخاری فی جزء رفع اليدين وإسناده صحيح}(۳)

بخاری نے جزء رفع یدین میں حضرت عمرؓ سے بھی قنوت سے پہلے رفع یدین کرنا روایت کیا ہے اور بیہقی نے معرفہ میں حضرت ابن مسعود اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے قنوت وتر میں رفع یدین کرنا روایت کیا ہے۔ (کذا فی آثار السنن، جلد :۲/ص: ۱۸، مطبوعہ احسن المطابع پٹنہ) (۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۳/۳۹۱-۳۹۲)

== 　(عن سعد بن هشام أن عائشة رضی الله عنها حدثته أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان لا يسلم فی ركعتی الوتر. {رواه النسائی وآخرون وإسناده صحيح}(آثار السنن، رقم الحديث: ٦١٣، ص: ١٦٣٠/ سنن النسائی، باب كيف الوتر بثلٰث: ١٩١/١، رقم الحديث: ١٦٩٨/ شرح معانی الآثار، باب الوتر، رقم الحديث: ١٦٧٠/ المعجم الصغير، من اسمه محمد، رقم الحديث: ٩٩٠، انيس)

(۱) 　عن عائشة قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يستفتح الصلاة بالتكبير والقراءة بـ﴿الحمد لله رب العالمين﴾ وكان إذا ركع لم يشخص رأسه ولم يصوبه ولكن بين لک، وكان إذا رفع رأسه من الركوع لم يسجد حتى يستوی قائما وكان إذا رفع رأسه من السجدة لم يسجد حتى يستوی جالسا، وكان يقول فی كل ركعة التحية وكان يفرش رجله اليسرىٰ وينصب رجله اليمنىٰ وكان ينهى عن عقبة الشيطان وينهى أن يفرش الرجل ذراعيه افتراش السبع وكان يختم الصلاة بالتسليم. (صحيح لمسلم، باب ما يجمع صفة الصلاة وما يفتتح به، رقم الحديث: ٤٩٨، انيس)

(۲) 　عن الفضل بن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الصلاة مثنیٰ مثنیٰ تشهد فی كل ركعتين وتخشع وتضرع وتمسكن وتقنع يديک، يقول: ترفعهما إلٰی ربک مستقبلا ببطونهما وجهک، وتقول: يارب يارب، ومن لم يفعل ذلک فهو كذا وكذا". (سنن الترمذی، باب ماجاء فی التخشع فی الصلاة: ٨٧/١، رقم الحديث: ٣٨٥، انيس)

(۳) 　آثار السنن (باب رفع اليدين عند قنوت الوتر، ص: ١٦٩، ط: إمدادية ملتان) (كتاب رفع اليدين للإمام البخاری، رقم الحديث: ١٦٣، ص: ١٤٦-١٤٧، انيس)

بلفظه فی آثار السنن، رقم الحديث: ٦٣٥، ص: ١٦٩: عن الأسود عن عبدالله رضی الله عنه أنه كان يقرأ فی آخر ركعة من الوتر قل هو الله أحد ثم يرفع يديه فيقنت قبل الركعة، رواه البخاری فی جزء رفع اليدين وإسناده صحيح".

(۴) 　باب رفع اليدين عند قنوت الوتر، ص: ١٦٩، ط: إمدادية ملتان 　==

فضیلت تاخیر وتر آخر شب:

سوال: افضل وقت وتر راچیست وآنکہ عادت گذاردن وتر را درآخر شب دارد اگر اوقبل ادایش درخواب بمیرد گناہ ترک واجب برولازم آید یانہ؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

تأخير الوتر إلى آخر الليل أفضل لمن يثق بالانتباه ولم لم يثق أن يوتر قبل أن ينام،هكذا في الهندية،ولايلزمه بشئى من الإثم إن مات قبل الصبح؛لأن الوقت في حقه باق والمعتبر في الفوت والقضاء هو آخر الوقت فمن لم يدرك آخره لم يكن فائتا للواجب.

الجواب صحيح: ظفر احمد عفا عنہ،۲/صفر ۱۳۴۷ھ

الجواب صحیح: اشرف علی،۲/صفر ۱۳۴۷ھ۔ (امداد الاحکام:۲/۲۱۲-۲۱۳)

وتر کا وقت اور طریقہ:

سوال: وتر کس طرح اور کب پڑھتے ہیں،اس کی کتنی رکعتیں ہیں اور ان تمام باتوں کے دلائل کیا ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

وتر کا وقت عشا کی نماز کے فوراً بعد شروع ہوجاتا ہے اور فجر سے پہلے کسی بھی وقت پڑھ سکتے ہیں۔(۱)اس کی تین رکعتیں ہیں،دو رکعتوں پر قعدہ کرکے التحیات پڑھیں اور کھڑے ہوجائیں،پھر تیسری رکعت میں بھی سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورت ملائیں،(۲)اس کے بعد کانوں تک ہاتھ اٹھا کر دعائے قنوت پڑھیں۔(۳)

== وقال ابن قدامة في المغني روى عن عمر أنه كان إذا فرغ من القراءة في الوتر كبر قلت وقد روى ذلك عن عبد الله بن مسعود أيضاً،قال الطبراني في معجمه الكبير:حدثنا على حدثنا أبونعيم حدثنا عبد السلام بن حرب عن ليث عبد الرحمن بن الأسود عن أبيه أن عبد الله كان يكبر حين يفرغ من القراءة ثم إذا فرغ من القنوت كبرور كع، انتهى.قلت: رجال إسناده كلهم ثقات.(حاشية آثار السنن،باب رفع اليدين عند قنوت الوتر،ص:۱٦٩،انيس)

(۱) وفي الدر المختار،كتاب الصلاة: ۱/۳٥۹،طبع:سعيد:(و)وقت(العشاء والوتر منه إلى الصبح) ولكن(لا) يصح أن(يقدم عليها الوتر).

(۲) وفي التنوير مع شرحه:۱/٤۹،باب الوتر ،طبع:سعيد:"وهو ثلاث ركعات بتسليمة ويقرأ في كل ركعة منه فاتحة الكتاب وسورة،إلخ".

(۳) وفي آثار السنن باب رفع اليدين عند قنوت الوتر ،ص:۱٦٩،ط:إمدادية ملتان(عن عبد الله أنه كان يقرأ في آخر ركعة من الوتر قل هو الله أحد ثم يرفع يديه فيقنت قبل الركعة.(رواه البخاری)(قرة العينين برفع اليدين،رقم الحديث:٩٦/المعجم الكبير للطبراني:٩/٢٨٣،رقم الحديث:٩٤٢٥،انيس) ==

اور وتر سے پہلے عشاء کی دو رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں،(۱) اور بعد میں دو رکعات نفل ہیں اور جو شخص تہجد میں اٹھنے کا عادی ہو، اس کے لیے افضل یہ ہے کہ وتر تہجد کے بعد پڑھے،(۲) اور ان تمام باتوں کے دلائل مفصل کتابوں میں موجود ہیں، یہ فتویٰ میں پوچھنے کی بات نہیں۔ واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ (فتویٰ نمبر: ۲۸/۱۵۶-الف) (فتاویٰ عثمانی: ۱/۵۱۶-۵۱۷)

تہجد گزار فرض کے ساتھ وتر ادا کر سکتے ہیں، یا نہیں:

سوال: جو نمازی تہجد گزار ہیں، وہ تہجد کے وقت وتر ادا کرتے ہیں، اگر وتر پہلے ہی نماز عشا کے وقت پڑھ لیں تو اس میں کچھ حرج ہے، یا نہیں؟ اکثر آدمی کہتے ہیں کہ وتر کے بعد صبح تک کوئی نماز نہیں ہوتی؟

== عن الأسود عن عبدالله (هو ابن مسعود) أنه كان يقرأ في آخر ركعة من الوتر قل هو الله أحد ثم يرفع يديه فيقنت قبل الركعة. (رواه البخاري) (إعلاء السنن، رقم الحديث: ١٦٩٩، ج: ٦/ص: ٨٤، مطبوعة: ديوبند/هكذا في آثار السنن، رقم الحديث: ٦٣٥، ص: ١٦٩، باب رفع اليدين عند قنوت الوتر، انيس)

و في الدرالمختار: ٩٤/١، باب الوتر والنوافل (ط: ايچ ايم سعيد): ويكبر قبل ركوع ثالثة رافعاً يديه، كما مر... وقنت فيه.

(١) وفي الدرالمختار، باب الوتر والنوافل: ٩٥/١ (طبع: سعيد): (وسن) مؤكدًا أربع قبل الظهر وأربع قبل الجمعة وأربع بعدها بتسليمة ... وركعتان قبل الصبح وبعد الظهر المغرب والعشاء. (الدر المختار: ٩٥/١، انيس)

(٢) والمستحب) ... تأخير إلى آخر الليل لواثق بالانتباه و إلا فقبل النوم. (الدرالمختار، كتاب الصلاة: ٣٦٩/١، ط: سعيد)

وفي الشامية تحته: أي يستحب تأخيره، لقوله صلى الله عليه وسلم من خاف أن لا يوتر من آخر الليل فليوتر أوله و من طمع أن يقوم آخره فليوتر آخر الليل فإن صلاة آخر الليل مشهودة، رواه مسلم والترمذي وغيرهما وتمامه في الحلية وفي الصحيحين "اجعلوا آخر صلاتكم وترًا" والأمر للندب بدليل ماقبله، بحر. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة،: ٢٤٧/١، انيس)

عن جابر رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من خاف أن لا يقوم من آخر الليل فليؤتر أوله. (صحيح لمسلم: رقم الحديث: ١٨٠٢، انيس)

عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من خاف أن لا يقوم من آخر الليل فليؤتر أوله ومن طمع أن يقوم آخره فليؤتر آخر الليل فإن صلاة آخر الليل مشهودة وذلك أفضل. {رواه مسلم} (إعلاء السنن، رقم الحديث: ١٦٤٣، ج: ٦/ص: ١٦، مكتبة أشرفية ديوبند/ كذا في المصنف لأبي بكر بن أبي شيبة: ٤٦٥/٤، رقم الحديث: ٦٧٧١/ بلفظه في آثار السنن، رقم الحديث: ٥٨٢، ص: ١٥٦، انيس)

عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: من خشي منكم أن لا يستيقظ من آخر الليل فليوتر من أوله ومن طمع منكم أن يقوم من آخر الليل فليوتر في آخر الليل فإن قراءة القرآن في آخر الليل محضورة وهي أفضل ". (جامع الترمذي: ١٠٣/١، باب ماجاء في كراهية النوم قبل الوتر، انيس)

الجواب

اس میں کچھ حرج نہیں ہے کہ جو لوگ تہجد گزار ہیں، وہ بھی وتر کو بعد عشا پڑھ لیویں؛ بلکہ یہ احوط ہے، پھر اگر اٹھیں تو تہجد پڑھ لیں، یہ بات غلط ہے کہ وتر کے بعد پھر نفلیں نہ پڑھی جاویں۔(۱) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند)

تراویح سے پہلے وتر پڑھنے کا حکم:

سوال: جماعت سے کچھ رکعت تراویح کی ادا کیں اور کچھ باقی رہ گئیں کہ امام نے وتر پڑھائے تو امام کے ساتھ وتروں میں شامل ہو جانا چاہیے، یا پہلے تراویح پوری کرنی چاہیے، بعد میں وتر پڑھنے چاہئیں۔

(المستفتی: مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی)

الجواب

وتر میں شامل ہو جائے، بقیہ رکعات تراویح کی بعد میں پڑھ لے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۳۸۸/۳)

تراویح سے پہلے وتر:

سوال: نماز عشا کے بعد دو سنت کے ساتھ ہی تین رکعت وتر پڑھ سکتے ہیں، یا تراویح کے بعد امام کے ساتھ ہی وتر پڑھنا ضروری ہے؟ (بی عبد العزیز منتظر، مشیر آباد)

الجواب

تراویح سے پہلے ہی وتر پڑھ لی جائے، تب بھی تراویح اور وتر کی نمازیں ادا ہو جائیں گی۔

"والصحيح أن وقتها ما بعد العشاء إلیٰ طلوع الفجر قبل الوتر وبعده". (۳)

لیکن بہتر ہے کہ وتر کی نماز تراویح کے بعد جماعت کے ساتھ ادا کی جائے۔

"والصحيح أن الجماعة فيها أفضل". (۴) (کتاب الفتاویٰ: ۳۳۳/۲-۳۳۴)

---

(۱) وتأخير الوتر إلیٰ آخر الليل لواثق بالانتباه وإلا فقبل النوم فإن أفاق وصلیٰ نوافل والحال أنه صلى الوتر أول الليل فإنه الأفضل، إلخ. (الدر المختار: ۶۱/۱، ط: سعيد، انيس)

أى إذا أوتر قبل النوم ثم استيقظ يصلى ما كتب له ولا كراهة فيه بل هو مندوب ولا يعيد الوتر، إلخ. (رد المحتار، كتاب الصلاة: ۲۴۷/۱، ظفير)

(۲) ووقتها بعد صلاة العشاء إلى الفجر قبل الوتر وبعده فى الأصح فلو فاته بعضها وقام الإمام إلى الوتر أوتر معه ثم صلیٰ مافاته، إلخ. (التنوير وشرحه، باب الوتر والنوافل: ۹۸/۱)

(۳) الفتاوىٰ الهندية، فصل فى التراويح: ۱۱۵/۱، البحر الرائق: ۱۱۹/۲، الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۴۳/۲، انيس

(۴) البحر الرائق: ۱۲۲/۲، قبيل باب إدراك الجماعة، انيس

نماز تراویح سے قبل وتر پڑھ سکتا ہے:

سوال: تراویح سے پہلے وتر پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

وتر تراویح کے بعد پڑھنا افضل ہے؛ لیکن اگر پہلے پڑھ لے، تب بھی درست ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۴/۱۹۶)

رمضان میں وتروں کا تہجد کے ساتھ پڑھنا افضل ہے، یا جماعت کے ساتھ تراویح کے بعد:

سوال: جو شخص نماز تہجد میں وتر ہمیشہ پڑھتا تھا، وہ رمضان شریف میں وتروں کو بجماعت ادا کرے، یا بوقت تہجد ادا کیا کرے؟

الجواب

جماعت کے ساتھ بہتر ہے کہ جماعت کی رعایت اولویت وقت کی رعایت سے مقدم ہے و نیز اعراض عن الجماعت کی صورت سے تحرز ضروری ہے۔

۲۲/رمضان ۱۳۲۹ھ (تتمہ اول، ص:۳۸) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۴۵۳-۴۵۴) ☆

(۱) ثم یوتربهم ... والأصح أن وقتها بعد العشاء إلٰی آخر الليل قبل الوتروبعده ... إلخ.(الجوهرة النيرة: ١/ ١٢٠، ط:حقانية ملتان/الدرالمختارمع ردالمحتار: ٢/ ٤٤، باب الوتروالنوافل، مبحث صلاة التراويح)

(قوله:ويوتر بجماعة فی رمضان فقط)أی علی وجه الاستحباب وعليه إجماع المسلمين.(البحر الرائق، قبيل باب إدراک الجماعة: ٢/ ٧٥، دارالكتاب الإسلامی بيروت، انيس)

☆ سوال: ایک امر دریافت طلب ہے کہ بعد نماز عشا بیس رکعت تراویح پڑھنے کے بعد وتر پڑھ لیے جاویں اور پھر سحر کے وقت تہجد پڑھا جاوے، یا نہیں؟

الجواب

ہاں یہی افضل ہے۔(یعنی افضل یہی ہے کہ تراویح کے بعد وتر پڑھ لیے جائیں اور سحر کے وقت صرف تہجد پڑھا جائے۔سعید)

۲۸/شعبان ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ، ص:۹۰) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۴۵۴)

سوال: ایک شخص تہجد کے وقت وتر کو ادا کرتا ہے اور رمضان شریف میں وتر کی جماعت ہوتی ہے، سو وہ جماعت کو ترک کر کے پچھلے کے وقت اس کے لیے وتر کا ادا کرنا افضل ہے، یا اس کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہیے اور جماعت کا ثواب ترک نہ کرنا چاہیے؟

الجواب

ہاں ایسا ہی چاہیے؛ یعنی جماعت ترک نہ کرے، اگرچہ تنہا بھی جائز ہے۔

فی الدرالمختار: وفيه أی رمضان يصلی الوتروقيامه بها وهل الأفضل فی الوترالجماعة أم المنزل؟تصحيحان. ==

رمضان میں وتر با جماعت افضل ہے، یا بغیر جماعت بعد تہجد:

سوال: تہجد گزار کے لیے غیر رمضان میں افضل ہے کہ وتر بعد تہجد کے پڑھے، بشرطیکہ جاگنے پر اعتماد ہو؛ مگر رمضان میں وتر باجماعت افضل ہے، یا بعد تہجد، جواب مع نقل عبارات وحوالہ کتب معتبرہ ارقام فرما کر عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ من بعض العلماء

تہجد گزار کو رمضان میں بھی افضل ہے کہ وتر تہجد کے بعد پڑھے، جب کہ جاگنے پر اعتماد ہو، وتر اخیر شب میں پڑھنے کے متعلق حدیث میں فضیلت آئی ہے۔

عن جابر عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: أیکم خاف أن لایقوم من آخر اللیل فلیؤتر ثم لیرقد ومن وثق بقیام من آخر اللیل فلیوتر من آخرہ فإن قرأۃ آخر اللیل محضورۃ وذٰلک أفضل.
(رواہ أحمد ومسلم والترمذی و ابن ماجۃ)(۱)

یہ حکم عام ہے رمضان اور غیر رمضان دونوں کو شامل ہے اور یہ عمومیت درج ذیل اقوال سے مستفاد ہے۔

فلعل من تأخرہ عن الجماعۃ فیہ وأحب أن یصلی آخر اللیل فإنہ أفضل کما قال عمر: والتی ینامون عنہا أفضل وعلم من قولہ علیہ السلام: اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وترًا فأخرہ لذلک

== فی ردالمحتار: رجح الکمال الجماعۃ إلٰی قولہ وفی شرح المنیۃ والصحیح أن الجماعۃ فیہا أفضل إلا أن سنیتہا لیست کسنیۃ جماعۃ التراویح. (۷۴۲/۱، قبیل أدراک الفریضۃ. (الدر المختار مع ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، بحث التراویح: ۵۰۱/۲-۵۰۲)

۶ر شوال ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۹۵) (امداد الفتاویٰ جدید: ۴۵۴/۱)

وتر بعد تہجد، یا بعد تراویح:

سوال: اگر تہجد پڑھا جاوے گا تو وتروں کا بعد تراویح پڑھنا اچھا ہے، یا بعد تہجد؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

بعد تراویح؛ کیوں کہ جماعت کی افضلیت زیادہ مہتم بالشان ہے، وقت کی فضیلت سے۔ (امداد الفتاویٰ جدید: ۴۵۵/۱)

(۱) بلفظہ. رواہ مسلم فی الصحیح، باب من خاف أن لا یقوم من آخر اللیل، رقم الحدیث: ۷۵۶، وبلفظ آخر فی المسند للإمام أحمد بن حنبل، رقم الحدیث: ۱۴۶۲۴، انیس

وعن جابر رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من خاف أن لایقوم من آخر اللیل فلیوتر أولہ ومن طمع أن یقوم آخرہ فلیوتر آخر اللیل فإن صلاۃ آخر اللیل مشہودۃ وذلک أفضل. (الصحیح لمسلم، باب من خاف أن لا یقوم من آخر اللیل، رقم الحدیث: ۷۵۵، ص: ۱۵۶/(سنن الترمذی، باب ما جاء فی کراہیۃ النوم قبل الوتر: ۱۰۳/۱/سنن ابن ماجۃ، باب ماجاء فی الوتر آخر اللیل، رقم الحدیث: ۱۱۸۷ انیس)

فلایدل ذلک علٰی أن الأفضل فیه ترک الجماعة لمن أحب أن یوتر اول اللیل کما یعطیه اطلاق جواب هؤلاء،انتهٰی.(الکبیری شرح منیة المصلی: ۴۰۱/۱)(۱)

وأیضاجاء فی شرح المنیة أنه بناء علٰی استحباب تاخیره مطلقًا لمن یأمن فواته واستحباب جعله آخر صلٰوة اللیل،إلخ.(ص:۳۸۵/ج:۱)

وأن من تأخرعن الجماعة فیه واجب أن یصلی آخر اللیل فإنه أفضل کما قال:والتی ینامون عنها أفضل وعلم من قوله علیه السلام: اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وتراً. (۲)فأخره لذلک والجماعة إذ ذاک متعذرة فلایدل ذلک علٰی أن الأفضل فیه ترک الجماعة لمن أحب أن یوترأول اللیل کما یفهم من اطلاق اختیارهم.(شرح مختصر الوقایة للعلامة القاری: ۱۹۶/۱)

البتہ جوشخص وتر اول شب میں پڑھنا چاہے،اس کے لیے رمضان المبارک میں جماعت سے پڑھنا افضل ہے،اگر تہجد گذار رمضان میں وتر بعد تہجد کے پڑھنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ اپنے مقام پر چلا جاوے،وتر کی جماعت کے پیچھے الگ بیٹھے رہنا مذموم ہے،بوجہ مشابہ ہونے اعراض عن الجماعۃ کے۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ سید الرحیم،۲۳؍رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ

الجواب ـــــــــــــ من جامع إمداد الأحکام

جواب مذکور ایک روایت کے موافق صحیح ہے؛مگر دوسری روایت یہ ہے کہ رمضان میں وتر جماعت سے مسجد میں پڑھنا افضل ہے،تنہا گھر میں پڑھنا افضل نہیں،خواہ اول لیل میں پڑھے،یا آخر لیل میں۔

قال الشامی:رجح الکمال الجماعة بأنه صلی اللّٰه علیه وسلم کان أوتربهم ثم بین العذرفی تأخسره مثل ما صنع فی التراویح فالوتر کالتراویح فکما أن الجماعة فیها سنته فکذلک الوتر، بحروفی شرح المنیة والصحیح أن الجماعة فیها أفضل إلاأن سنیتها لیست کسنیة جماعة التراویح،آه،،قال الخیرالرملی:وهٰذاالذی علیه عمل عامة الناس الیوم،آه،وقواه المحشی أیضًا

(۱-۲) الکبیری شرح المنیة: ۴۲۱/۱،سهیل پاکستان،انیس

(عن عبداللّٰه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال:اجعلوا آخر صلا تکم باللیل وتراً.(صحیح البخاری، باب الوتر،رقم الحدیث: ۱۰۰۶/کذا فی المسلم،رقم الحدیث: ۱۷۹۱/وکذا فی أبی داؤد،رقم الحدیث: ۱۴۴۰/ وفی المصنف لابن أبی شیبة :عن نافع عن ابن عمرقال:قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وتراً".رقم الحدیث:۶۷۶۵،ج:۴۶۳/۴،انیس)

عن عبداللّٰه بن عمررضی اللّٰه عنهماعن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال:اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وتراً".(رواه الشیخان)(آثارالسنن،باب مااستدل به علٰی وجوب صلاة الوتر،رقم الحدیث:۵۷۹،ص:۱۵۵/صحیح البخاری،باب لیجعل آخر صلاته الوتر: ۱۳۶/۱،انیس)

بأنه مقتضى مامر أن كل ماشرع بجماعة فالمسجد أفضل فيه،آه.(۷٤۲/۱)(۱)والله أعلم

اور دلیل سے بظاہر یہی دوسری روایت قوی ہے،اور اسی پر امت کا عمل ہے۔فقط

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ،۱۲/ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ (امداد الاحکام:۲/۲۱۱-۲۱۲)

مسجد میں دو جگہ تراویح ہونے کی بناء پر وتر کی دو جماعتوں کا حکم:

سوال: مسجد میں دو جگہ تراویح،اندر اور چھت پر ہوتی ہیں،سب نمازی اندر والے امام کی اقتدا میں فرض پڑھتے ہیں،البتہ وتر کی جماعتیں اندر اور چھت پر علاحدہ علاحدہ ہوتی ہیں؛ کیوں کہ تراویح کی دونوں جماعتیں الگ الگ وقت پر ختم ہوتی ہیں،کیا اس طرح وتر کی دو جماعتیں کرانا جائز ہے؟

الجواب

صورت مسئولہ میں الگ الگ وتر کی جماعتیں جائز ہیں۔واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ،۱۹/۱۰/۱۳۹۰ھ (فتوی نمبر:۳۲/۱۶۴۷،ج) (فتاویٰ عثمانی:۱/۵۲۰)

رمضان میں وتر بغیر جماعت کے ادا کرنا:

سوال: اگر ہم جلدی میں ہوں تو کیا تراویح پڑھنے کے بعد وتر بغیر جماعت کے پڑھے جا سکتے ہیں؟اس سے بقیہ نماز پر تو کچھ اثر وغیرہ نہیں پڑے گا،یا وتر با جماعت پڑھنا لازم ہے؟

الجواب

رمضان المبارک میں وتر جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے،تنہا پڑھ لینا جائز ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۴/۱۹۶)

تہجد پڑھنے والا رمضان میں وتر کی نماز کب پڑھے:

سوال: زید ایک مسجد کے مستقل امام ہیں،حسب معمول وہ رمضان شریف میں بھی سورۂ تراویح پڑھایا کرتے ہیں؛لیکن تراویح ختم ہونے کے بعد وتر کی نماز جماعت سے نہیں پڑھاتے ہیں؛ بلکہ وتر کی نماز میں جماعت سے الگ ہو کر اپنی امامت کی جگہ مقتدی میں سے عمر،یا بکر کو وتر واجب پڑھانے کے لیے امام مقرر کر دیا کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ نہ جماعت سے پڑھتے ہیں اور نہ ہی پڑھاتے ہیں،دریافت کرنے سے پتہ چلا کہ زید کا کہنا ہے کہ تہجد

---

(۱) رد المحتار،باب الوتر والنوافل:۲/۵۰۱-۵۰۲،دار الكتب العلمية بيروت،انيس

(۲) وأما في رمضان فهي بجماعة أفضل من أدائها في منزله ... إلخ.(الجوهرة النيرة:۱/۱۲۰،وأيضا في الدر المختار مع ردالمحتار:۲/٤۹،وأيضا في الإختيار لتعليل المختار:۱/٦۹)

گذار شخص ہوں، اس لئے تہجد سے قبل وتر کی نماز نہیں پڑھ سکتا ہوں، بلکہ تہجد کے بعد وتر واجب پڑھوں گا تو کیا رمضان شریف کے اندر بھی جب کہ وتر کی نماز جماعت سے ادا کرنے کا حکم ہے، وتر واجب تہجد کے بعد ادا کیا جائے گا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

رمضان المبارک میں افضل یہی ہے کہ وتر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر لی جائے اور خدا توفیق دے تو تہجد بعد میں پڑھا جائے؛ لیکن اگر کوئی آدمی جماعت کے ساتھ وتر نہ پڑھے؛ بلکہ تہجد کے بعد پڑھے تو نماز ادا ہو جائے گی اور اس میں کوئی خرابی نہیں ہوگی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد صدر عالم، ۴/۹/۱۳۹۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۳۶/۲-۴۳۷)

غیر رمضان میں باجماعت وتر پڑھنے اور ماہ رمضان میں چند شرطوں کے ساتھ مخصوص ہونے کا حکم:

سوال: نماز وتر بجماعت و جہر در ہر رکعت مخصوص و در رمضان است، یا نہ؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

جماعت وتر بتداعی مخصوص برمضان است وخارج آں مکروہ اگر تداعی نباشد احیانا خارج رمضان ہم مکروہ نیست وزیادہ از سہ مقتدی داخل تداعی است اگر جماعت کند جہر برامام واجب است ومنفرد مخیّر است، خواہ رمضان باشد، یا غیر رمضان۔(۱)

۱۶/ رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص: ۷۰) (امداد الفتاویٰ جدید: ۴۵۵/۱)

ماہ رمضان میں نماز وتر میں جہر وعدم جہر کا جائز ہونا:

سوال: وتر جب اکیلا رمضان شریف میں پڑھتا ہو، قرأت جہر سے پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

دونوں جائز ہیں یعنی جہر (زور) سے بھی اور اخفا (آہستہ) بھی؛ کیوں کہ وتر رمضان میں جہریات میں سے ہے اور جہریات میں منفرد جہر وعدم جہر میں مخیّر ہوتا ہے۔

---

(۱) الوتر فی رمضان بالجماعة أفضل من أدائها فی منزله وهو الصحيح، هكذا فی السراج الوهاج. (الفتاوى الهندية، فصل فی التراويح: ۱۱۶/۱)

(۲) ترجمۂ سوال: وتر باجماعت جہری قرأت سے رمضان کے ساتھ خاص ہے، یا نہیں؟

ترجمۂ جواب: تداعی کے ساتھ وتر کی جماعت رمضان کے ساتھ مخصوص ہے، رمضان کے علاوہ دنوں میں مکروہ ہے، البتہ رمضان کے علاوہ دنوں میں بلا تداعی کبھی کبھار باجماعت پڑھ لی جاوے تو یہ بھی مکروہ نہیں ہے اور تین سے زیادہ مقتدی تداعی کی حد میں داخل ہے، اگر جماعت کرے..... خواہ رمضان میں یا غیر رمضان میں۔ تو امام پر جہراً قرأت کرنا واجب ہے اور منفرد کو اختیار ہے کہ چاہے جہراً قرأت کرے، یا سراً کرے۔ (سعید)

دلیل المقدمة الأولیٰ ما فی ردالمحتار:

أن الجهر یجب علی الإمام فیما یجهر فیه وهو صلاة الصبح والأولیان من المغرب والعشاء و صلاة العیدین والجمعة والتراویح والوتر فی رمضان،إلخ.(٤٨٨/١)(۱)

ودلیل المقدمة الثانیة ما فی الهندیة:وإن کان منفردًا إن کانت صلوة یخافت فیها یخافت حتمًا هو الصحیح وإن کانت صلوٰة یجهر فیها فهو بالخیار والجهر أفضل.(٧٠/١)

قلت:هٰذا هو المشهور وإن اختلف بعضهم فی التقیید بقوله فی رمضان،کما فی رد المحتار؛ لٰکن یرد علیه أنه یقتضی أنه لو صلی الوتر جماعة فی غیر رمضان؛لایجهر به وإن لم یکن علیٰ سبیل التداعی ویحتاج إلیٰ نقل صریح وإطلاق الزیلعی یخالفه وکذا مایأتی من أن المتنفل باللیل لو أم جهر،فتأمل.(٥٥٦/١)(۲)

لکنه لایضر الحکم بجهر المنفرد فی رمضان وإنما یفید عدم تخصیص هٰذا الحکم برمضان. والله أعلم

۶/رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمہ خامسہ،ص:۹۴)(امداد الفتاویٰ جدید:۴۵۴/۱-۴۵۵)

تراویح کی جماعت چھوڑنے والوں کے لیے وتر میں تنہا ہونے کا حکم:

سوال: رمضان شریف میں اگر عشا کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی اور تراویح کو بالکل تمام آدمیوں نے ترک کر دیا تو اس صورت میں وتر با جماعت جائز ہیں، یا نہ؟

الجواب

فی الدرالمختار: بقی لو ترکها(أی جماعة التراویح) الکل هل یصلون الوتربجماعة؟ فلیراجع.

فی ردالمحتارتحت(قوله بقی)الذی یظهر أن جماعة الوترتبع لجماعة التراویح وإن کان الوترنفسه أصلاً فی ذاته؛لأن سنة الجماعة وفی الوترإنما عرفت بالأثرتابعة للتراویح علیٰ أنهم اختلفوا فی أفضلیة صلاتها بالجماعة بعد التراویح کمایأتی،آه.(٤٧١/١)(۳)

اس سے معلوم ہوا کہ قواعد سے اسی کو ترجیح ہے کہ اس صورت میں یہ جماعت وتر بھی فرادیٰ پڑھیں۔(۴)

یکم محرم ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ:۵)(امداد الفتاویٰ جدید:۴۵۶/۱)

(۱) ردالمحتار،واجبات الصلاة: ١٦٣/٢،تحت قول الدرالمختار:والجهر للإمام،دار الکتب العلمیة بیروت،انیس

(۲) رد المحتار،باب فی صفة الصلاة:٢٥٠/٢،انیس

(۳) الدرالمختارمع ردالمحتار،باب الوتر والنوافل بحث التراویح :٥٠٠/٢،دار الکتب العلمیة،بیروت،انیس

(۴) یعنی لوگوں کا یہ گروہ وتر بھی علحدہ علحدہ پڑھے۔سعید

جس کو فرض کی نماز نہ ملے، وہ وتر کیسے پڑھے:

سوال: جس شخص کو نماز جماعت فرضوں کی نہ ملے، وہ نماز وتر جماعت سے پڑھے، یا علاحدہ؟ زید کہتا ہے کہ وتر جماعت سے نہ پڑھے، صحیح کس طرح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

وتر جماعت سے پڑھ لے۔ فقط (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۲۸)

عشا کی جماعت میں شریک نہ ہوسکا تو بھی وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے:

سوال: ایک شخص نے عشا کے فرض علاحدہ پڑھے، تراویح سب، یا اکثر امام کے ساتھ ادا کی، یا بالکل نہ پڑھی، ہر سہ صورت میں وتر کی جماعت میں شریک ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

اشتہار مدرسہ دیوبند ۱۳۴۲ھ میں ہے:

''جس کو عشا کے فرض یا جماعت نہیں ملے، وہ وتر کو امام کے ساتھ باجماعت پڑھ سکتا ہے''۔

اور علامہ شامیؒ ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

''إذا لم يصل الفرض معه لايتبعه فى الوتر''. (۱)

دونوں تحریروں میں تطبیق کیوں کر ہوگی؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

ہر سہ صورت میں وتر کی جماعت میں شریک ہوسکتا ہے، تراویح امام کے ساتھ کل، یا بعض نہ پڑھنے کی صورت میں جماعت وتر میں شریک ہونے کا جواز تو درمختار کی عبارت میں مذکور ہے:

''ولو لم يصلها أى التراويح بالإمام أو صلاها مع غيره له أن يصلى الوتر معه''إلخ. (۲)

اور فرض عشا جماعت سے نہ پڑھنے کی صورت میں وتر کی جماعت میں شریک ہونے کا جواز تعلیل علامہ طحطاویؒ سے معلوم ہوتا ہے:

حيث قال فى شرح قول صاحب الدرالمختار: ''بقى لو تركها أى الكل،هل يصلون الوتر بجماعة،فليراجع''.

---

(۱) رد المحتار،مبحث التراويح:۲/ ۵۰۰،دار الكتب العلمية،انيس

(۲) الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار،مبحث التراويح:۱/ ٦٦٣،ظفير

(قوله فليراجع): قضية التعليل فی المسئلة السابقة بقولهم؛لأنها تبع أن يصلی الوتربجماعة فی هٰذه الصورة؛لأنه ليس بتبع للتراويح ولا للعشاء عند الإمام،انتهٰی. (الحلبی،الطحطاوی)(۱)

پس معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شامیؒ نے جو فرع قہستانیؒ سے نقل کی ہے:"**ثم قال:لكنه إذا لم يصل الفرض معه لايتبعه في الوتر**" (۲) یہ ضعیف ہے، صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ وتر مستقل نماز ہے، نہ عشا کے تابع ہے اور نہ تراویح کے۔ علامہ شامیؒ کی رائے **فليراجع** کے جواب میں بھی یہی ہے کہ اس صورت میں بھی وتر جماعت کے ساتھ جائز نہ ہونا چاہیے اور علامہ طحطاویؒ کی رائے صاف حسب قواعد یہ ہے کہ اس صورت میں وتر جماعت جائز ہے اور شامیؒ کی آخری عبارت "**لا كراهة**" سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مراد قہستانیؒ کی "**لايتبعه في الوتر**" سے کراہت ہے، اصل جواز میں اختلاف نہیں ہے اور ظاہر تعلیل منقول عن العلامۃ الطحطاوی سے یہ ہے کہ کراہت بھی نہیں ہے؛ کیوں کہ عشا اور وتر ہر ایک نماز مستقل ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۱۵۴-۱۵۵)

جو شخص جماعت سے عشا نہ پڑھے، کیا وہ وتر امام کے ساتھ پڑھ سکتا ہے:

سوال: جس شخص نے فرض عشا جماعت سے نہیں پڑھی، وہ وتروں میں امام کے ساتھ شریک ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

روایات فقہیہ اس مسئلہ میں متعارض ہیں، بعض میں تو عدم جواز مصرح ہے:

"**وإن وجد هم فی الوتروهولم يصل العشاء فصلی الوتر معهم لايجوزوتره فی قولهم**". (فتاویٰ قاضی خان،ص:۱۱۳)

"**لكنه إذا لم يصل الفرض معه لايتبعه فی الوتر، كما فی المنية**". (جامع الرموز،ص:۹۷)

لٰكن فی التتارخانية من التتمة:أنه سئل علٰی بن أحمد عمن صلی الفرض والتراويح وحده أوالتراويح فقط هل يصلی الوترمع الإمام؟ فقال:لا،ثم رأيت القهستانی ذكرتصحيح ماذكره المصنف،ثم قال:لكنه إذا لم يصل الفرض معه لايتبعه فی الوتر. (۳)

اور بعض روایات میں جواز محرر ہے:

"**وإذا لم يصل الفرض مع الإمام قيل:لايتبعه فی التراويح ولا فی الوتروكذا إذا لم يصل معه التراويح لايتبعه فی الوتروالصحيح أنه يجوزأن يتبعه فی ذلک كله**". (الصغيری شرح منية المصلی،ص:۲۱۰)

---

(۱) حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار،باب الوتروالنوافل، مبحث التراويح: ۲۹۷/۱،ظفير

(۲) رد المحتار،مبحث التراويح:۵۰۰/۲،ظفير

(۳) رد المحتار: ۴۹۹/۲-۵۰۰،دارالفكربيروت لبنان،انيس

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ عندالاحناف مرجح کون سی روایت ہے اور علت ترجیح کیا ہے؟ اور اگر ان روایات میں تطبیق ہوسکتی ہے، تو کس طور پر؟ اور برائے تحصیل ثواب جماعت تو روایت جواز کو ترجیح معلوم ہوتی ہے اور جماعت وتر تابع جماعت تراویح ہے، یا تابع جماعت عشا؟

بنابرشق اول ترک جماعت عشا سے وتروں کا امام کے ساتھ ادا نہ کرنا ظاہراً کوئی وجہ وجیہ نہیں رکھتا اور بنابرشق ثانی خصوصیت رمضان لغو، غیر رمضان میں بھی وتر جماعت سے ادا کرنی چاہیے؟

الجواب

صحیح وراجح روایت صغیریؔ معلوم ہوتی ہے۔ طحاویؔ کی تحقیق سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

(قوله: بقي، إلخ): قضية التعليل في المسئلة السابقة بقولهم؛ لأنها تبع أن يصلي الوتر بجماعة في هٰذه الصورة؛ لأنه ليس بتبع للتراويح ولا للعشاء عند الإمام رحمه اللّٰه. (الطحطاوي)(۱)

اور شاید کہ روایت عدم جواز مبنی صاحبین رحمہما اللہ کے مذہب پر ہو کہ وہ وتر کو عشا کے تابع فرماتے ہیں، بخلاف قول امام اعظمؒ کے کہ ان کے نزدیک وتر تابع عشا کے نہیں ہیں، پس امام صاحب کے قول پر جواز ظاہر ہے۔ فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۶۶/۴، ۱۶۷) ☆

بعد نماز فرض آنے والے جماعت وتر میں شریک ہوسکتے ہیں:

سوال: دوسہ مرد بعد اداء نماز فرض کہ امام بجماعت تراویح مشغول است دراں مسجد حاضر شدند آں اشخاص نماز فرض بجماعت ادا نمایند یا علاحدہ علاحدہ خواندہ شامل بجماعت شوند و بازش نماز وتر را با جماعت خوانند، یا تنہا؟(۲)

(۱) حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب الوتر والنوافل، مبحث التراويح: ۲۹۷/۱، ظفير

☆ **فرض جماعت سے نہ پڑھے، تو کیا وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے:**

سوال: رمضان میں زید نے عشا کے فرض جماعت سے نہیں پڑھے تو وتر جماعت سے پڑھے، یا تنہا؟

الجواب

جماعت وتر میں شریک ہوسکتا ہے۔ (كذا صرح به في الطحطاوي)

اور علامہ شامیؔ نے بیشک عدم جواز نقل کیا ہے؛ لیکن طحاوی کی عبارت میں جواز کی تصریح ہے۔ (بقي، إلخ، قضية التعليل في المسئلة السابقة بقولهم؛ لأنها تبع أن يصلي الوتر بجماعة في هٰذه الصورة؛ لأنه ليس بتبع للتراويح ولا للعشاء عند الإمام. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب الوتر والنوافل، مبحث التراويح: ۲۹۷/۱، ظفير)

اور قاعدہ بھی مقتضی جواز کو ہے؛ اس لیے ہمارے اکابر اساتذہؒ وتر کی جماعت میں شرکت کے جواز کے قائل ہیں؛ کیوں کہ وجہ عدم جواز کی کچھ نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۵۲/۴)

(۲) ترجمۂ سوال: فرض نماز کی ادائیگی کے امام تراویح کی جماعت میں مشغول ہے اس وقت دو تین آدمی اس مسجد میں حاضر ہوں تو وہ لوگ فرض نماز جماعت سے ادا کریں، یا تنہا تنہا ادا کر کے جماعت تراویح میں شامل ہوں اور پھر نماز وتر کو جماعت سے پڑھیں، یا تنہا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

تکرار جماعت در مسجد محلّہ مکروہ است، پس آں کساں کہ بعد جماعت فرائض آمدند نماز فرض علاحدہ خواندہ،(۲) شامل جماعت تراویح شوند ووتر بجماعت ادانمایند۔(۳) الغرض شریک شدن اوشاں را بجماعت وتر جائز است، کما صرح بہ فی الطحطاوی۔(۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۸۲/۴-۲۸۳)

فرض نماز تنہا پڑھنے والا وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے، یا نہیں:

سوال: میں نے فرض نماز عشا کی جماعت سے نہ پڑھی اور تراویح جماعت سے پڑھی تو وتر کی نماز باجماعت پڑھ سکتا ہوں، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جب آپ نے تراویح جماعت سے پڑھی تو آپ کا جماعت سے وتر پڑھنا بھی درست ہوا۔(۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالصمد رحمانی (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲۹۸/۲)

---

(۱) ترجمہ جواب: محلّہ کی مسجد میں تکرار جماعت مکروہ ہے، لہٰذا وہ لوگ جو فرض نماز کی ادائیگی کے بعد آئیں فرض نماز تنہا پڑھ کر تراویح کی جماعت میں شامل ہو جائیں اور وتر جماعت سے پڑھیں۔ الغرض ان کا وتر کی جماعت میں شریک ہونا جائز ہے۔

(۲) وروی عن أنس رضی اللّٰہ عنہ.أن أصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کانوا إذا فاتتھم الجماعة فی المسجد صلوا فی المسجد فرادیٰ.(رد المحتار،باب الأذان،مطلب فی کراھة تکرار الجماعة فی المسجد:۳۶۷/۱،ظفیر)

عن أنس رضی اللّٰہ عنہ أن رجلاً جاء وصلی النبی-صلی اللّٰہ علیہ وسلم-فقام یصلی وحدہ، فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من یتجر علیٰ ھٰذا فیصلی معہ. أخرجہ الدارقطنی وإسنادہ صحیح".(آثار السنن،باب ماجاء فی جواز تکرار الجماعة فی مسجد،رقم الحدیث: ۵۲۸،ص:۱۳۸،انیس)

(۳) وکان رجل قد صلی الفرض وحدہ فلہ أن یصلیھا مع ذلک الإمام؛لأن جماعتھم مشروعة فلہ الدخول فیھا معھم".(رد المحتار،باب الوتر والنوافل،مبحث التراویح:۴۹۹/۲،دار الکتب العلمیة بیروت،انیس)

(۴) قولہ فلیراجع الخ:قضیة التعلیل فی المسئلة السابقة بقولھم لأنھا تبع أن یصلی الوتر بجماعة فی ھٰذہ الصورة ؛ لأنہ لیس بتبع للتراویح ولا للعشاء عند الإمام رحمہ اللّٰہ تعالیٰ انتھیٰ،حلبی. (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، مبحث التراویح:۲۹۷/۱،ظفیر)

(۵) "صلی العشاء وحدہ فلہ أن یصلی التراویح مع الإمام ولو ترکوا الجماعة فی الفرض لیس لھم ان یصلوا التراویح بجماعة وإذا صلّی معہ شیئًا من التراویح أولم یدرک شیئًا منھا أوصلاھا مع غیرہ لہ أن یصلّی الوتر معہ، ھو الصحیح کذافی القنیة".(الفتاویٰ الھندیة،فصل فی التراویح: ۱۱۷/۱)/وکذا فی درر الحکام شرح غرر الحکام، قبیل باب إدراک الفریضة: ۱۲۰/۱،دار إحیاء الکتب العربیة/البحر الرائق،قبیل باب إدراک الفریضة: ۷۵/۲، دار الکتاب الإسلامی بیروت،انیس)

عشا کی نماز بغیر جماعت کے اور وتر جماعت سے پڑھنا:

سوال: ایام رمضان میں عشا کی نماز کے وقت اگر کوئی فرض میں امام کے ساتھ شامل نہ ہوسکا تو اس کو وتر واجب امام کے ساتھ پڑھنے ہونگے یا الگ؟

(المستفتی: ۲۰۷، شاہ محمد (ڈونگر پور) ۱۱رشوال ۱۳۵۴ھ، مطابق ۷رجنوری ۱۹۳۶ء)

الجواب

اگر تراویح کی نماز جماعت سے پڑھے تو وتر کی جماعت میں شرکت جائز ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۳۸۸)

جس نے عشا کی نماز تنہا ادا کی ہو، وتر جماعت سے ادا کرے، یا تنہا:

سوال: کل بعد عشاء وتراویح مسئلہ بیان کیا گیا کہ جس شخص نے فرض نماز عشا جماعت سے نہ پڑھی ہو، (یعنی منفرداً پڑھی ہو) وہ وتر بھی منفرداً پڑھے اور جماعت کی شرکت سلام سے پہلے امام سے مشارکت ہوجانے سے ثابت ہوجاوے گی، اس کے بعد بعض لوگوں نے بیان کیا کہ بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ اگر چہ جماعت سے فرض عشا نہ پڑھے ہوں، تب بھی جماعت وتر میں شامل ہو اور وتر جماعت سے ادا کرے، اس کے بعد بہشتی زیور دیکھا گیا تو اس میں اس کے حصہ بہشتی گوہر میں مسئلہ بہ عبارت ذیل درج ہے:

تراویح کا بیان، مسئلہ: اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچے کہ عشاء کی نماز ہوچکی ہو تو اسے چاہیے کہ پہلے عشا کی نماز پڑھے پھر تراویح میں شریک ہو، اور اگر اس درمیان میں تراویح کی کچھ رکعتیں ہوجاویں تو ان کے بعد وتر پڑھنے کے پڑھے اور یہ شخص وتر جماعت سے پڑھے۔ {شامی: ۱/۳۷۷} (مکمل ومدلل بہشتی گوہر، ص: ۱۴۰)

اس مسئلہ سے معلوم ہوا کہ منفرداً فرض عشا پڑھنے پر بھی وتر جماعت سے پڑھے، بہشتی زیور میں حوالۂ مذکور شامی مطبوعہ سندھ ۱۳۹۲ھ سے ہے، مگر یہاں وہ شامی نہیں؛ بلکہ مطبوعہ مصر ہے، اس میں جب (مبحث صلوٰۃ التراویح) ص ۵۲۳، ۵۲۴ میں دیکھا گیا تو مندرجہ ذیل عبارت ملی:

(ولو تركوا الجماعة فى الفرض لم يصلوا التراويح جماعة)لأنها تبع فمصليه وحده يصليها معه.(الدرالمختار)

(۱) بقى لو تركها الكل هل يصلون الوتر بجماعة فليراجع،فقضية التعليل فى المسئلة السابقة بقولهم؛لأنها تبع أن يصلى الوتربجماعة فى هٰذه الصورة؛ لأنه ليس بتبع للتراويح ولا للعشاء عند الإمام.(حاشية الطحطاوى على الدرالمختار،باب الوتروالنوافل،بحث فى التراويح: ۱/ ۲۹۷،بيروت لبنان)

(قوله: لأنها تبع) أى لأن جماعتها تبع لجماعة الفرض فإنها لم تقم إلا بجماعة الفرض فلو اقيمت بجماعة وحدها كانت مخالفة للوارد فيها فلم تكن مشروعة أما لو صلّيت بجماعة الفرض وكان رجل قد صلى الفرض وحده فله أن يصليها مع ذلک الإمام لأن جماعتهم مشروعة فله الدخول فيها معهم لعدم المحذور هٰذا ماظهر لى فى وجهه وبه ظهر أن التعليل المذكور لايشمل المصلى وحده فظهر صحة التفريع بقوله فمصيله وحده إلخ فافهم. (رد المحتار: ۵۲۳/۱، مصری) (۱)

عبارتِ محررہ سے واضح ہوا کہ اگر فرض باجماعت نہ پڑھے ہوں، تب بھی تراویح کی جماعت میں شرکت کرے، جیسا کہ خط کشیدہ عبارت اس کو واضح کررہی ہے۔

اب آگے یہ عبارت ہے:

(ولو لم يصلها) أى التراويح (بالإمام) أو صلاها مع غيره (له أن يصلى الوتر معه). (الدر المختار) (۲)

(وقوله: لو لم يصلها، إلخ) ذكر هٰذا الفرع والذى قبله فى البحر عن القنية وكذا فى متن الدرر لٰكن فى التتارخانية عن التتمة أنه سئل على بن أحمد عمن صلى الفرض والتراويح وحده أو التراويح فقط هل يصلى الوتر مع الإمام فقال: لا، آه، ثم رأيت القهستانى ذكر تصحيح ماذكره المصنف، ثم قال: لكنه إذا لم يصلى الفرض معه لايتبعه فى الوتر، آه، فقوله: ولو لم يصلها أى وقد صلى الفرض معه لكن ينبغى أن يكون قول القهستانى معه احترازًا عن صلاتها منفردًا أما لو صلاها جماعة مع غيره ثم صلى الوتر معه لا كراهة، تأمل. (ردالمحتار: ۵۲۴/۱، مصری) (۳)

اس عبارت مسطورہ سے صاف صاف واضح ہے کہ تراویح چاہے منفرداً پڑھی ہو، چاہے اس امام (جس کے پیچھے وتر پڑھنا ہے) کے سوا دوسرے امام کے ساتھ پڑھی ہو، وتر اس امام کے پیچھے پڑھے، ہاں اگر فرض عشا منفرداً پڑھے ہوں تو البتہ وتر امام کے ساتھ نہ پڑھے؛ یعنی جماعت سے نہ پڑھے۔

باقی رہا یہ کہ "بقى لو تركها الكل هل يصلون الوتر بجماعة؟ فليراجع" إلخ. (۴)

(قوله بقى: إلخ) الذى يظهر أن جماعة الوتر تبع لجماعة التراويح، إلخ. (ردالمحتار: ۵۲۴/۱، مطبوعة مصر) (۵) اس کو اس جزئیہ سے تعلق نہیں۔

---

(۱)　ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، دارالفكر بيروت لبنان، انيس
(۲)　الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۹۵/۱، دارالفكر بيروت، انيس
(۳)　رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۴۹۹/۲-۵۰۰، دارالفكر بيروت، انيس
(۴)　الدرالمختار: ۹۵/۱، دارالفكر بيروت، انيس
(۵)　رد المحتار: ۵۰۰/۲، انيس

اب معروض یہ ہے کہ اگر اس وضاحت میں بھی احقر سے غلط فہمی ہوئی ہے اور مسئلہ اس طرح صحیح ہے، جس طرح بہشتی گوہر (بحوالۂ مذکور) میں ہے کہ اگر نماز عشاء منفرداً پڑھی، تب بھی وتر جماعت سے پڑھے تو نہایت ادب سے عرض ہے کہ اس کی تصریح اور وضاحت فرمادی جاوے کہ احقر کے لیے شرح صدر کا باعث ہو اور اس سے رجوع کر کے مصلیوں کو مسئلہ سنا دیا جاوے، یہ جو کچھ عرض کیا گیا محض رفعِ اشتباہ اور تحقیقِ حق کے لیے ہے، نہ حضور والا کے انتباہ کے لیے، پس سوال یہ ہے کہ اگر فرضِ عشا اور تراویح دونوں گھر پڑھے ہوں، یا اکیلے کہیں اور پڑھے ہوں اور وہ شخص ایسی جگہ (مسجد، یا اور کسی مقام پر) حاضر ہوا کہ وہاں وتر جماعت سے شروع ہوئی تو یہ شخص وتر جماعت سے پڑھے، یا نہیں؟

الجواب

شامی، ص: ۳۷۷/ج: ۱، مطبوعہ سندھ میں اس مسئلہ کا جز واوّل؛ یعنی ''ان کو بعد وتر پڑھے'' تک ہے اور جز ودوم؛ یعنی ''یہ شخص وتر جماعت سے پڑھے'' اس جگہ اس کا ذکر نہیں؛ بلکہ اس کا ذکر اسی عبارت میں ہے، جو سوال میں درج ہے اور مطبوعہ سندھ کے ص: ۴۱۷ پر درج ہے؛ مگر شامی میں صفحہ مذکور پر جو عبارت مندرجہ فی السوال ہے، اسی سے بہشتی گوہر کی تائید نہیں ہوسکتی، **ولو لم یصلها**، الخ کا خلاف ہونا تو ظاہر ہے ہی؛ لیکن **لأنه تبع فمصلیه**، الخ سے بھی تائید نہیں ہوتی؛ کیوں کہ اس سے فاقد الفرض کے لیے جماعت تراویح میں جوازِ شرکت ثابت ہوتی ہے، نہ کہ جماعت وتر میں، **کما یظهر بأدنی التأمل.**

پس سائل کا استدلال صحیح ہے؛ مگر یہ ضروری نہیں کہ شامی اور درمختار میں عدم جواز شرکت ہو تو مسئلۂ بہشتی زیور؛ یعنی جواز شرکت فی الوتر صحیح نہ ہو۔ اب رہی یہ بات کہ جواز شرکت کہاں سے ثابت ہے، سو اس کے متعلق عرض ہے کہ فتاویٰ عبدالحیٔ میں بعد نقلِ روایات عدم جواز لکھا ہے؛ لیکن کدامے وجہ قوی معتد بہ عدم جواز معلوم نمی شود حق جواز معلوم یشود واللہ اعلم

حررہ الراجی عفور بہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

بعد ازاں مولوی محمد صاحب کی تصدیق اس طرح درج ہے:

فی غنیة المستملی فی شرح منیة المصلی: وإذا لم یصل الفرض مع الإمام فعن عین الأئمة الکرابیسی: أنه لایتبعه فی الوتر ولا فی التراویح وکذا إذا لم یتابعه فی التراویح لایتابعه فی الوتر وقال أبو یوسف البانی: إذا صلی مع الإمام شیئاً من التراویح یصلی معه الوتر وکذا إذا لم یدرک معه شیئاً منها وکذا إذا صلی التراویح مع غیره له أن یصلی الوتر معه وهو الصحیح، ذکره أبو اللیث، آه.(۱)

(۱) غنیة المستملی، ص: ۳۵۵، دار الکتاب دیوبند، انیس

وذکر فی مختصر البحر عن الکرابیسی: إذا لم یصل الفرض معه لا یتبعه فی التراویح ولا فی الوتر وکذا إذا لم یتبعه فی التراویح لا یتبعه فی الوتر مع الإمام. (البنایة شرح الهدایة، صلاة الوتر جماعة فی غیر رمضان: ۵۶۰/۲، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس)

==

وفی مختصره(أی الصغيری): وإذا لم يصلی الفرض مع الإمام قيل لايتبعه فی التراويح ولافی الوتر وكذاإذا لم يصل معه التراويح لايتبعه فی الوتر والصحيح أنه يجوزأن يتبعه فی ذلک كله،آه والله عليم بالصواب وعنده علم الكتاب

کتبہ ابوالاحیاء محمد نعیم، عفی عنہ ذنبہ العظیم

اب ایک خلجان اور باقی رہا، وہ یہ کہ پھر بہشتی گوہر میں اس کو درمختار کی طرف کیوں منسوب کیا گیا، جس میں بجائے موافقت کے مخالفت موجود ہے، سواصل واقعہ بعد کاوش بسیار یوں معلوم ہوا کہ علم الفقہ جو اصل ماخذ ہے گوہر کا، اس میں جزو اول کا حوالہ درمختار موجود ہے اور گوہر میں جزو دوم کا اضافہ کر کے صغیری کا حوالہ بڑھا دیا گیا تھا، جو مطبوعۂ قدیم میں موجود ہے اور مکمل مدلل میں صغیری کا نام غلطی کاتب کے باعث رہ گیا۔ واللہ اعلم

کتبہ عبدالکریم عفی عنہ، ۲۰ر رمضان ۱۳۴۸ھ۔ الجواب صحیح: ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ (امداد الاحکام: ۲/۲۱۴-۲۱۷) ☆

== ثم ذكر بعده أنه لو صلى التراويح مع غيره له أن يصلی الوتر معه هو الصحيح. (البحر الرائق، قبيل مطلب إدراک الفريضة: ۲/۷۵، دار الكتاب الإسلامی بيروت، انيس)

☆ عشا کی نماز جماعت سے نہیں پڑھی تو وتر جماعت سے پڑھے یا تنہا:

سوال: ایک مسئلہ میں اشکال پیدا ہوگیا، امید ہے کہ جواب باصواب ارشاد فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے، وہ یہ ہے کہ بہشتی گوہر میں ہے، صفحہ: ۴۰ر مسئلہ: ۵ ''اگر کوئی شخص مسجد میں اس وقت پہونچے کہ عشا کی نماز ہو چکے تو اسے چاہیے کہ پہلے عشا کی نماز پڑھے، پھر تراویح میں شریک ہو اور اگر اس درمیان میں تراویح کی کچھ رکعتیں ہو جاویں تو ان کو بعد وتر پڑھنے کے پڑھے اور یہ شخص وتر جماعت سے پڑھے۔ (شامی: ۱/۴۷۳)

اور غایۃ الاوطار میں ہے: ولو لم يصلها أی التراويح بالإمام أو صلها مع غيرها له أن يصلی الوتر معه، بعد ترجمہ کے تحریر فرماتے ہیں: مراد اس سے یہ ہے کہ فرض کو جماعت کے ساتھ پڑھا اور تراویح کو جماعت کے ساتھ نہیں پڑھا تو وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے؛ لیکن اگر فرض تنہا پڑھے ہوں تو وتر کو جماعت سے نہ پڑھے۔ (کذا فی الشامی)

موجب اشکال یہ ہے کہ شامی اور غایۃ الاوطار کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے جماعت سے فرض نہ پڑھے ہوں، وہ وتر جماعت سے نہ پڑھے اور بہشتی گوہر سے معلوم ہوتا ہے کہ پڑھ سکتا ہے، اگر شامی میں کسی جگہ یہ مسئلہ ہو تو تحریر فرمایئے، بہت بڑا اشکال ہو رہا ہے اور اکثر معمول بھی ہے کہ اکثر نمازی دیر میں آتے ہیں اور فرض جماعت سے نہیں پڑھتے ہیں اور وتر پڑھ لیتے ہیں؛ لیکن شامی اور غایۃ الاوطار کی عبارت کچھ اور کہہ رہی ہے، ضرورتاً محض بغرض تحقیق تکلیف دی گئی ہے، امید کہ از راہ کرم جواب جلد مرحمت ہوگا۔

دیگر امر ضروری العرض یہ بھی ہے کہ احقر کو یہ مسئلہ اسی طرح معلوم ہوتا تھا، جو بہشتی گوہر میں ہے، اسی طرح لوگوں کو بتلا دیتا تھا؛ مگر مولوی حبیب اللہ صاحب مدرس مدرسہ قومیہ میرٹھ جو بریلوی خیال کے ہیں، انہوں نے آج میرے پاس شامی بھیجی ہے اور کہلا کر بھیجا ہے کہ یہ مسئلہ اس طرح نہیں ہے، لہذا مکرر عرض ہے کہ بہشتی گوہر کے مطابق عبارت شامی کی ہو تو ضرور ارشاد فرمائی جائے؟ ==

وتر کی نماز کتنی رکعتیں ہیں:

سوال: وتر کی نماز کتنی رکعتیں پڑھنی چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

وتر کی نماز تین رکعتیں پڑھنی چاہیے ایک سلام سے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سہیل احمد قاسمی، ۲۹/ذیقعدہ ۱۴۰۴ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۴۳۶/۲)

==

الجواب ــــــــــــــــــــ

بہشتی گوہر کا مسئلہ اس صورت میں ہے، جب کہ مسجد میں فرض نماز اور تراویح کی جماعت محلّہ والوں نے کی؛ مگر کسی ایک دو آدمی کو جماعت نہ ملی ہو تو ان بعد میں آنے والوں کے لیے وہی حکم ہے جو بہشتی گوہر میں ہے اور عامۂ کتب فقہ میں اس کے موافق ہی ذکر ہے۔ درمختار میں ہے:

ووقتها أى وقت التراويح بعد صلاة العشاء إلى الفجر قبل الوتر وبعده فى الأصح فلو فاته بعضها وقام الامام الى الوتر اوتر معه ثم صلىٰ مافاته،آه.

قال الشامى بعد ذكره قولين مقابل الأصح الثالث،مشى عليه المصنف تبعا للكنز عزاه فى الكافى إلى الجمهور و صححه فى الهداية والخانية والمحيط والبحر،آه.(۷۳۷/۱)(الدر المختار مع ردالمحتار: ۴۹۴/۱۔ ۴۹۵،دارالفكر بيروت،انيس)

اس سے معلوم ہوا کہ بہشتی گوہر میں جس طرح مسئلہ مذکور ہے وہ ہی جمہور کا قول ہے اور وہی اصح ہے، اسی کو ہدایہ، خانیہ، مراقی وغیرہ میں صحیح کہا ہے اور غایۃ الاوطار کی جس عبارت سے سائل کو دھوکہ ہوا ہے، وہ اس صورت میں ہے جب کہ مسجد میں کسی نے بھی فرض نماز، یا تراویح کی نماز جماعت سے نہ پڑھی ہو تو اس صورت میں اگر وتر جماعت سے پڑھنا چاہیں تو بے شک ایک صورت میں مکروہ ہے، جب کہ فرض میں جماعت ترک کی گئی ہو) اور دوسری صورت میں محل تامل ہے، جب کہ فرض تو سب نے جماعت سے پڑھے ہوں؛ مگر تراویح کی جماعت کسی نے مسجد میں نہ کی ہو۔ درمختار میں ہے:

ولو تركوا الجماعة فى الفرض لم يصلوا التراويح جماعة؛لأنها تبع فمصليه وحده يصليها معه ولو لم يصلها أى التراويح مع الإمام أوصلاها مع غيره له أن يصلى الوتر معه بقى لو تركها الكل هل يصلون الوتر بجماعة فليراجع، آه.(الدر المختار: ۹۴/۱۔۹۵،دارالفكر بيروت،انيس)

اور گو شامی نے اس مقام پر دوسرے الفاظ بھی نقل کئے ہیں؛ مگر صاحب درمختار اور اکثر اہل متون کا مختار وہ ہی ہے، جو مسئلہ جماعت ومنفرد کے بارے میں درمختار میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم

۲۵/رمضان ۱۳۴۷ھ (امداد الاحکام:۲۱۳/۲۔۲۱۴)

(۱) **(وهو ثلاث ركعات بتسليمة).(الدر المختار علىٰ رد المحتار،باب الوتر والنوافل:۵/۲،دارالفكر،انيس)**

عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه أنه قال:ما أحب أنى تركت الوتر بثلاث وإن لى حمر النعم.(الآثار لمحمد بن الحسن،باب الوتر،رقم الحديث:۱۲۳،انيس)

عن عبد الله بن مسعود رضى الله عنه، قال:الوتر ثلاث كصلاة المغرب.(موطأ الإمام محمد،باب الوتر، رقم الحديث:۲۶۲،انيس)

وتر کی تین رکعتیں ایک سلام سے:

سوال: زید کہتا ہے کہ بعد نماز عشا تین رکعت نماز وتر ایک سلام سے کوئی چیز نہیں اور جماعت کے ساتھ شرع شریف میں اس کی کہیں اصل نہیں اور اس کے منکر اور تارک کو عند اللہ کچھ مواخذہ نہیں؟

الجواب

زید کا قول غلط ہے، وتر کی تین رکعت ایک سلام سے احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔(۱)

اور جماعت وتر کی رمضان شریف میں مستحب اور افضل ہے۔شامی میں ہے:

رجح الكمال الجماعة بأنه صلى الله عليه وسلم كان أوتربهم ثم بين العذرفى تأخره مثل ما صنع فى التراويح فالوتر كالتراويح فكما أن الجماعة فيها سنة فكذ لک الوتر،الخ.(۲)

دیکھئے اس عبارت میں کس وضاحت سے سنیت جماعت وتر کی ثابت فرمائی ہے،فویل للمنکر.فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۶۶/۴)

صلوٰۃ وتر سے قبل آیت ﴿ربّنا ماخلقت هٰذاباطلاً﴾ کا پڑھنا ثابت ہے، یا نہیں:

سوال: صلوٰۃ الوتر سے قبل اکثر مصلّین آیت ﴿ربنا ماخلقت هذا باطلا﴾ پڑھا کرتے ہیں؟

الجواب

اس کی کوئی اصل ہماری نظر سے نہیں گزری۔

۱۱/رمضان ۱۳۴۸ھ (امدادالاحکام:۲۱۴/۲)

وتر کی نیت:

سوال: وتر کی نیت کا کیا حکم ہے؟ کیوں کہ درمختار میں ہے:

”لذا ينوى الوتر لا الوترالواجب، كما فى العيدين للاختلاف“.(۳)

اور شامی نے بھی یہی اختیار کیا ہے،بعض کہتے ہیں کہ اگر واجب کی نیت نہ کرے تو نماز جائز نہیں ہے۔

---

(۱) **عن عائشة رضى الله عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتربثلاث لايسلم إلا فى آخرهن وهذا وتر أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضى الله عنه وعنه أخذ أهل المدينة. (المستدرک للحاكم،رقم الحديث: ۱۱٤۰)/(إعلاء السنن:۳۰/٦،رقم الحديث:١٦٥٣،انيس)**

(۲) **رد المحتار،باب الوترسوالنوافل:۵۰۱/۲-۵۰۲،دارالفكربيروت،ظفير**

(۳) **الدر المختار مع ردالمحتار:٤٤٥/٢،دارالفكربيروت،انيس**

الجواب

علامہ شامی نے اس موقعہ میں یہ لکھا ہے:

''أی أنه لایلزمه تعیین الوجوب لامنعه من ذلک''.(۱)

پس معلوم ہوا کہ نیت وجوب منع نہیں ہے اور حنفی کا اعتقاد وجوب کا ہے، لہٰذا اس کو نیت وجوب کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے اور اگر نیت مطلق وتر کی کرے، تب بھی نماز میں کچھ خلل نہ ہوگا اور عبارت درمختار توسیع پر محمول ہے؛ یعنی مطلق وتر کی نیت بھی درست ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۱۵۵-۱۵۶)

وتر کی نیت میں واجب اللیل کہنے کا حکم:

سوال: وتر کی نیت میں واجب اللیل کہنا کیسا ہے؟

الجواب

وتر کی نیت میں یہ کہنا چاہیے کہ نیت کرتا ہوں میں نماز وتر کی اور اگر واجب اللیل بھی کہہ دیوے تو کچھ حرج نہیں۔ (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۱۶۰)

وتر کی نیت میں لفظ واجب کہنے کا، یا نہ کہنے کا حکم:

سوال: عالمگیری میں لکھا ہے:

''وفی الوتر ینوی صلاة الوتر، کذا فی الزاهدی وفی الغایة: أنه لاینوی فیه واجبًا للاختلاف فیه، کذا فی التبیین''.

مولوی کرامت علی جونپوری ومولوی امانت اللہ غازیپوری نے اپنے رسالہ میں عربی نیت کے بیچ ''واجب للہ تعالیٰ'' لکھا، اب میں کیا کروں؟ بندہ کے پاس کتابیں بھی زیادہ نہیں ہیں اور بنگالہ میں مولوی کرامت علی کا غلبہ زور وشور سے ہے، سب ''واجب للہ تعالیٰ'' کہتے ہیں، فی الحال عرض فدوی کی یہ ہے کہ واجب کہنے سے نماز ہوگی، یا نہ؟ اور واجب کہنا افضل ہے، یا نہ؟ اور واجب کہنے سے نماز میں خلل ہوگا، یا نہ؟ حضور از روئے مہربانی تحریر فرماویں؟

---

(۱) رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۴۵، دارالفکر بیروت، ظفیر

(۲) وکفٰی مطلق نیة الصلاة وإن لم یقل لله لنفل وسنة راتبة وتراویح ،إلخ، ولابد من التعیین عند النیة ،إلخ، لفرض،إلخ، و واجب أنه وتر. (الدرالمختار: ۱/۵۹-۶۰، دارالفکربیروت، انیس)

أشار إلٰی أنه لاینوی فیه أنه واجب للاختلاف فیه، زیلعی، أی لایلزمه تعیین الوجوب ولیس المراد منعه من أن ینوی وجوبه لأنه إن کان حنفیاً ینبغی أن ینویه لیطابق اعتقاده،إلخ. (رد المحتار، باب شروط الصلاة: ۱/۳۸۹، ظفیر)

الجواب

فقہانے تصریح کی ہے کہ ایک مذہب کے مقلد کو دوسرے مذہب کی رعایت خلافیات میں اولیٰ ہے، واجب نہیں، پس ''غایۃ'' میں جو علت لکھی ہے، اس کا حاصل (۱) یہی رعایت مذہب نفاۃ وجوب ہے، پس اس کی رعایت واجب نہیں؛ اس لیے واجب کہنے سے بھی نماز ہو جاوے گی اور نماز میں کچھ خلل نہ ہوگا۔

۱۶/ جمادی الاول ۱۳۲۲ھ (امداد: ۱/۵۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۴۵۶-۴۵۷) ☆

بوقت ادائیگی وتر کو واجب کہنا کیسا ہے:

سوال: وتر ادا کرتے وقت وتر کو واجب کہنا چاہیے، یا نہیں؟ بعض مولوی منع کرتے ہیں؛ یعنی واجب نہ کہنا چاہیے؟

الجواب

وتر کو واجب کہنا چاہیے، وتر امام اعظمؒ کے نزدیک واجب ہے، لہذا ادائے وتر کے وقت واجب کا لفظ کہنے میں کچھ حرج نہیں ہے اور اگر نہ کہا جاوے، تب بھی واجب ہے، وتر ادا ہو جاوے گی۔ (۲) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۱۶۳)

(۱) غایۃ البیان شرح الہدایہ (لقوام الدین امیر کاتب اتقانی متوفی ۷۵۸ھ) کی عبارت مذکورہ فی السوال کا حاصل یہ ہے کہ وتر کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، صاحبین سنت کہتے ہیں اور امام صاحب واجب، لہذا صاحبین کے مذہب کی رعایت کرتے ہوئے نیت میں لفظ ''واجب'' نہ کہا جائے۔ (سعید)

☆ سوال: نماز وتر کی نیت میں لفظ واجب کہا جاوے، یا نہیں؟

الجواب

فی الدرالمختار، بحث النية: ولابد من التعيين عندالنية لفرض وواجب أنه وتر، إلخ. (۱/۶، فی بحث النية، دارالفكر بيروت، انيس)

وفی ردالمحتار: أی لايلزمه تعيين الوجوب (إلىٰ قوله) ثم اعلم أن ما فی شرح العينی من قوله وأما الوترفالأصح أنه يكفيه مطلق النية مشكل؛ لأن ظاهره أنه يكفيه نية مطلق الصلاة كالنفل إلا أن يحمل علىٰ ماذكرناه عن الزيلعی من اطلاق نية الوتر.. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۲/۹۷، مطلب فی حضور القلب والخشوع، دارالفكر، انيس)

اس سے معلوم ہوا کہ نیت وتر میں اگر تعیین بعنوان واجب نہ ہو، تاہم (حنفی کے لیے وتر کی نیت میں لفظ ''واجب'' کہنا مناسب ہے لیطابق اعتقادہ (شامی عن البحر) لیکن ضروری نہیں ہے، البتہ یہ تعیین ضروری ہے کہ یہ وتر ہے، الخ۔ سعید) یہ تعیین ضرور ہے کہ یہ وتر ہے اور مطلق صلوٰۃ کی نیت کافی نہیں۔ فقط

۲۰/ صفر ۱۳۲۵ھ (امداد: ۱/۸۶) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۴۵۷)

(۲) وكفىٰ مطلق النية لنفل وسنة راتبة و تراويح، إلخ، ولابد من التعيين عند النية، إلخ، لفرض، إلخ، وواجب أنه وتر. (الدرالمختار: ۱/۵۹-۶۰، دارالفكر بيروت، انيس)

أشارإلىٰ أنه لاينوی فيه أنه واجب للاختلاف فيه، زيلعی، أی لايلزمه تعيين الواجب وليس المراد منعه من أن ينوی وجوبه؛ لأنه إن كان حنفياً ينبغی أن ينويه ليطابق اعتقاده وإن كان غيره لاتضره تلك، ذكره فی البحرفی باب الوتر. (ردالمحتار، باب شروط الصلاة، بحث النية: ۱/۳۸۸-۳۸۹، ظفير)

نماز وتر کے لیے مطلقِ وتر کی نیت چاہیے، یا وتر واجب کہنا ضروری ہے؟

سوال: صلوٰۃ وتر میں مطلق وتر کی نیت کرنا چاہیے، یا واجب وتر کی؟ عالمگیریہ فتاویٰ ہندیہ میں باب نیت میں مطلق وتر کی نیت کو لکھا ہے، وجوب کی بنا پر اختلافِ روایت کے اور علامہ شامیؒ نے خلاف اس کے اور باب وتر والنوافل میں لکھا ہے:

(قوله لاالوتر)الواجب الذی ينبغي أن يفهم من قولهم أنه لاينوی أنه واجب لايلزم تعيين الوجوب لامنعه من ذلک؛لأنه إن کان حنفياً ينبغي أن ينويه ليطابق اعتقاده وإن کان غيره فلا تضره تلک النية.(۱)

لکھا ہے کہ اب قول فیصل در باب نیت اور علامہ شامیؒ کی اس عبارت کا مطلب بیان فرما کر ہدایت فرماویں؛ کیوں کہ یہاں کے علما میں بہت اختلاف ہو رہا ہے؟

الجواب

علامہ شامی کی یہ عبارت اقتداء وتر خلف الشافعی کے متعلق ہے؛ کیوں کہ درمختار کی عبارت بھی اس کے متعلق ہے کہ اقتداء بالشافعی کے وقت وتر واجب کی نیت نہ کرے؛ بلکہ صرف وتر کی نیت کرے؛ تا کہ دونوں کی نیت؛ یعنی امام اور مقتدی کی متحدر ہے، اختلاف نہ ہو۔ علامہ شامیؒ کہتے ہیں کہ اگر اس وقت بھی وتر واجب کی نیت کرے تو مضر نہیں، جائز ہے، باقی منفرد کے لیے اداءِ وتر کے واسطے مطلقِ نیت وتر بھی کافی ہے اور نیت وتر واجب بھی کافی ہے، اس میں یہی قول فیصل ہے کہ ہر دو طرح نیت وتر درست ہے، اس میں اختلاف کرنا محض ایک لایعنی ولا طائل امر ہے۔ واللہ اعلم

۲۲ر ربیع ۱۳۴۳ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۰۴-۲۰۵)

وتر اور واجب سے متعلق چند سوالات:

سوال (۱) واجب کا تارک گنہگار رہے، یا نہیں؟

(۲) نماز وتر واجب ہے، یا نہیں؟

(۳) وتر کا تارک گنہگار رہے، یا نہیں؟

(۴) عیدین کی نماز واجب ہے، یا فرض؟

(۵) عیدین کی نمازوں کا تارک گنہگار رہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۶۱۶، محمد ولی اللہ صاحب (پٹنہ سٹی) ۱۱ر جمادی الاول ۱۳۵۶ء مطابق ۲۰ر جولائی ۱۹۳۷ء)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار: ۲/٤٤٥، دار الفکر بیروت، انیس

الجواب

(۱) واجب کا تارک اس شخص کے نزدیک گنہگار ہے، جو اس فعل کو واجب قرار دیتا ہے۔(۲)

(۲) نماز وتر میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے تین روایتیں ہیں: یوسف بن خالد نے امام ابوحنیفہ سے یہ روایت کی کہ وتر واجب ہیں، اور نوح بن ابی مریم نے یہ روایت کی کہ وتر سنت ہیں اور حماد بن زید نے یہ روایت کی کہ وتر فرض ہیں، اور امام محمد اور امام ابویوسف کے نزدیک وتر سنت ہیں۔(۲)

(۳) ہاں امام ابوحنیفہؒ کے مذہب راجح، یعنی وجوب وتر کے لحاظ سے تارک وتر گنہگار ہے؛(۳) مگر دوسری روایت سنیت اور قول صاحبین پر گنہگار نہیں، اگرچہ مستحق ملامت ان کے نزدیک بھی ہے۔

(۴) عیدین کی نماز میں بھی امام ابوحنیفہؒ سے وجوب اور سنیت کی دونوں روایتیں ہیں اور امام محمدؒ نے بھی اس کے متعلق سنت کا لفظ استعمال کیا ہے۔(۴)

(۵) عیدین کی نماز کا تارک وجوب کی روایت کی بنا پر گنہگار ہوگا اور سنیت کی روایت کی بنا پر گنہگار نہ ہوگا (اگر ترک بر بنائے استخفاف نہ ہو)؛ مگر مستحق ملامت ہوگا۔(۵) خلاصہ یہ کہ جس چیز کے واجب اور سنت ہونے میں اختلاف ہو، اس میں تارک پر گنہگار ہونے کا حکم بھی مختلف فیہ ہوگا اور جس کے واجب ہونے پر اتفاق ہوگا، اس کے تارک پر گنہگار ہونے کا حکم بھی متفق علیہ ہوگا، یہ سب کلام مذہب حنفی کے ماتحت ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۳/۳۸۹-۳۹۰)

فرض واجب مسنون کی تعریف اور ان کا حکم:

سوال (۱) واجب کا تارک گنہگار ہے، یا نہیں؟ فرض اور واجب و مسنون کی کیا تعریف ہے؟ ان تینوں کا تارک گنہگار ہوگا، یا نہیں؟ اور ان تینوں کے گناہ میں فرق ہے، یا نہیں؟ اس کا جواب قرآن وحدیث سے مدلل چاہیے۔

(۲) ایک شخص وتر کی نماز ادا نہ کرے تو وہ گنہگار ہوگا، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۶۳۴، عبدالمجید صاحب ضلع پٹنہ (بہار) ۱۶/ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ ۲۵/ جولائی ۱۹۳۷ء)

---

(۱) أن السنة المؤكدة والواجب متساويان رتبة في استحقاق الإثم بالترك. (رد المحتار، باب العيدين: ۲/۱۷۷، ط: سعيد)

(۲) عن أبي حنيفة في الوتر ثلاث روايات: في رواية: فريضة، وفي رواية: سنة مؤكدة وفي رواية: واجبة. (الفتاویٰ الهندية، الباب الثامن في صلاة الوتر: ۱/۱۱۰، ط: ماجدية)

(۳) أن السنة المؤكدة والواجب متساويان رتبة في استحقاق الإثم بالترك. (رد المحتار، باب العيدين: ۲/۱۷۷، ط: سعيد)

(۴) قال في التنوير: "تجب صلاتها علىٰ من تجب عليه الجمعة بشرائط". (باب العيدين: ۲/۱۶۶، ط: سعيد)

(۵) أن السنة المؤكدة والواجب متساويان، إلخ. (رد المحتار، باب العيدين: ۲/۱۷۷، ط، سعيد)

الجواب

واجب کا تارک اس شخص کے نزدیک گنہگار ہے، جو اسے واجب قرار دیتا ہے، اگر واجب ہونے میں ہی اختلاف ہو تو گنہگار ہونے کا حکم لگانے میں اختلاف کو پیش نظر رکھتے ہوئے محتاط طریقہ اختیار کرنا لازم ہے۔

فرض اعتقادی اس کو کہتے ہیں، جس کا ثبوت دلیل قطعی سے ہو، واجب اس کو کہتے ہیں، جس کی قطعیت کے خلاف کوئی شبہ پیدا ہو جائے، مسنون ان افعال کو کہتے ہیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل، یا ترغیب، یا تقریر سے مستحسن قرار پاتے ہوں، پھر اگر ان پر مواظبت مع الترک احیانا ثابت ہو تو مؤکد، ورنہ سنن زوائد میں داخل ہیں۔

(۲) وتر کی نماز قصداً ادا نہ کرنے والا امام اعظمؒ کے مسلک راجح (وجوب وتر) کے ماتحت گنہگار ہوگا اور جو ائمہ کہ وتر کو سنت کہتے ہیں اور ان میں حنفیہ کے دو امام؛ یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ بھی شامل ہیں اور خود امام اعظمؒ سے بھی سنیت وتر کی ایک روایت ہے (گو مرجوح ہے)، ان کے نزدیک گنہگار تو نہیں؛ مگر مستحق ملامت ہے۔(۱)

"السنة هی الطريقة المسلوكة فی الدين من غير افتراض ولا وجوب وأيضًا ماصدر عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم من قول أو فعل أو تقرير علٰی وجه التأس ومن السنن سنة هدٰی، هی ما واظب عليها النبی صلی اللّٰه عليه وسلم مع الترک أحيانًا علٰی سبيل العادة وما كانت علٰی سبيل العادة فهی السنه الزوائدة وان واظب عليه النبی صلی اللّٰه عليه وسلم". (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۳۹۰/۳)

وتر واجب ہے، مخالف وموافق دلائل:

سوال: وتر واجب ہیں، یا سنت؟

الجواب

(از جائے دیگر): وتر واجب نہیں؛ بلکہ سنت ہیں، چناں چہ ترمذی اور نسائی شریف میں ہے:

"عن علی بن أبی طالب قال: "ليس الوتر بحتم كهيئة المكتوبة ولكن سنة سنها رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم". (رواه الترمذی والنسائی وحسنه الحاكم)(۳)

---

(۱) الفرض ما ثبت بدليل قطعی لاشبهة فيه كالإيمان والأركان الأربعة، وحكمه اللزوم علماً ...حتٰی يكفر جاحده ويفسق تاركه بلا ...عذر والواجب ما ثبت بدليل فيه شبهه كصدقة الفطر والأضحية لايكفره جاحده ويفسق تاركه بلا تاويل. (رد المحتار، كتاب الأضحية: ۳۱۳/۶، ط: سعيد)

(۲) قواعد الفقه، ص: ۳۲۸، ط: أشرفی بکڈپو دیو بند، انیس

(۳) عن علی بن أبی طالب قال: الوتر ليس بحتم و لكنه سنة سنها رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم. (مصنف ابن أبی شيبة، باب من قال: الوتر سنة: ۵۰۱/۴، رقم الحديث: ۶۹۲۷، انیس)

==

اور سبل السلام شرح بلوغ المرام میں ہے:

"وذهب الجمهور إلٰى أنه ليس بواجب". (۱)

اور ابن ماجۃ میں ہے:

"أن الوتر ليس بحتم ولا كصلاتكم المكتوبة". (۲)

اور تفسیر خازن میں ہے:

"عن عائشة أن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم قال: "ثلاث هن علیَّ فريضة وهن سنة لكم الوتر والسواک وقيام الليل". (۳)

غرض یہ ہے کہ ان احادیث صحیحہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وتر واجب نہیں، چناں چہ یہی مذہب ہے امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کا جو امام ابوحنیفہؒ کے بڑے شاگرد ہیں اور اکثر سلف کا بھی یہی مذہب ہے، ان سب کے برخلاف امام ابوحنیفہؒ کا مذہب قوی نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ جہاں صحیح حدیث ہو، اس کے برخلاف کسی مذہب پر چلنا سراسر غلطی اور محض تعصب ہے۔

مجیب صاحب نے عقبہ بن عامرؓ کی حدیث سے وجوب کا استدلال کیا بالکل غلط ہے؛ کیوں کہ اس حدیث میں وجوب کا کہیں ذکر نہیں، صرف حدیث مذکور سے فضیلت ثابت ہوتی ہے، نہ وجوب۔ اگر فضیلت کی حدیث سے وجوب ثابت کرنا ہو تو صبح کی سنتوں کے بارے میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ركعتا الفجر خير من الدنيا وما فيها". (رواه مسلم) (۴) ان کو بھی واجب کہنا چاہیے، حالاں کہ کسی نے ان کے وجوب کا حکم نہیں

== عن علی قال: الوتر ليس بحتم كهيئة الصلاة المكتوبة ولكن سنة سنها رسول صلی اللّٰه عليه وسلم. (سنن الترمذی، باب ما جاء أن الوتر ليس بحتم: ۱/۱۰۳، سنن النسائی، باب الأمر بالوتر: ۱/۲۴۶، انيس)

(۱) سبل السلام، حجة من قال بوجوب الوتر: ۱/۳۴۲، دار الحديث، انيس

(۲) عن علی رضی اللّٰه عنه قال: أن الوتر ليس بحتم كصلاتكم المكتوبة ولكن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم أوتر، ثم قال: يا أهل القرآن! أوتروا فإن اللّٰه وتر يحب الوتر. (أخرجه الحاكم فی المستدرک) (إعلاء السنن: ۶/۱۳، رقم الحديث: ۱۶۳۸، انيس)

عن عاصم بن ضميرة السلولی قال: قال علی بن أبی طالب أن الوتر ليس بحتم ولا كصلاتكم المكتوبة ولٰكن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم أوتر، ثم قال: يا أهل القرآن أوتروا فإن اللّٰه وتر يحب الوتر". (سنن ابن ماجة، باب ما جاء فی الوتر: ۱/۸۲، انيس)

(۳) تفسير الخازن، قبيل فصل فی الأحاديث الواردة فی قيام الليل: ۳/۱۴۰، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

عن ابن عباس أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم قال: ثلاث هن علی فرائض وهو لكم تطوع النحر والوتر وركعتا الفجر. (سنن الدارقطنی، باب الوتر: ۲/۱۵، مطبوعة سهارنپور، انيس)

(۴) الصحيح لمسلم، باب استحباب ركعتی سنة الفجر والحث عليهما وتخفيفهما والمحافظة عليهما وبيان مايستحب أن يقرأ فيهما: ۱/۲۵۱، انيس) ==

کیا تو معلوم ہوا کہ ایسی حدیثیں صرف فضائل کے واسطے ہیں نہ وجوب کے واسطے، ایسی حدیثوں سے وجوب ثابت کرنا کم فہمی پر دال ہے۔

اور ابوداؤد میں ہے:

"إن رجلاً من بني كنانة سمع رجلاً بالشام يدعى أبا محمد يقول: إن الوتر واجب، قال المخدجي: خرجت إلىٰ عبادة بن الصامت، فأخبرته، فقال عبادة: كذب أبو محمد، سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:" خمس صلوات كتبهن الله على العباد". (مختصرًا)(۱)

مجیب صاحب کی دوسری حدیث" **الوتر واجب علىٰ كل مسلم**" کے معنی ہیں کہ وتر واجب ہیں؛ کیوں کہ واجب بمعنی ثابت ہے۔(۲) دوسری حدیث اس کی تائید کی باب الغسل المسنون میں موجود ہے:

"غسل يوم الجمعة واجب علىٰ كل محتلم". (۳)

اگر ہر جگہ واجب کے معنی واجب کے ہوں تو غسل کی حدیث میں بھی واجب ہی کے معنی کرنے چاہئیں، حالانکہ اس حدیث کے وجوب کے معنی کسی شارح نے نہیں کئے؛ بلکہ ہر ایک نے اس حدیث کے معنی ثابت کے کئے ہیں؛ کیوں کہ غسل جمعہ کسی کے یہاں واجب نہیں، سب کے نزدیک سنت ہے، حتی کہ عندالاحناف بھی مسنون ہے۔

اسی طرح حدیث" **الوتر واجب**" (۴) کے معنی ثابت کے ٹھہرے، نہ کہ واجب کے، جب واجب کے معنی نہ ہوئے تو اس سے استدلال کرنا غلط ٹھہرا اور وتر کا مسنون ہونا ثابت ہوا۔

== عن عائشة رضي الله عنها عن النبي –صلى الله عليه وسلم– قال: ركعتا الفجر خير من الدنيا وما فيها. (رواه مسلم) (آثار السنن، باب التطوع للصلوات الخمس، رقم الحديث: ٦٧٥، ص: ١٧٥، انيس)

(۱) سنن أبي داؤد، باب في من لم يوتر: ٢٠١/١، انيس

أخرجه أبوداؤد والنسائي وابن ماجة عن عبدالله أن رجلاً من بني كنانة يدعى المخدجي سمع رجلاً بالشام يدعى أبامحمد سأله رجل عن الوتر أ واجب هو؟ قال: نعم كوجوب الصلاة، ثم سأل عبادة بن الصامت فقال: كذب سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم خمس صلوات كتبهن الله على العباد". (نصب الرأية، باب صلاة الوتر: ١١٥/٢، مؤسسة الريان، انيس)

(۲) عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه رفعه: الوتر واجب علىٰ كل مسلم. (إعلاء السنن: ١٣/٦، رقم الحديث: ١٦٣٩. انيس.

عن عبدالله رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الوتر واجب علىٰ كل مسلم. (نصب الرأية، باب صلاة الوتر: ١١٣/٢، مؤسسة الريان، انيس)

(۳) سنن أبي داؤد، باب غسل يوم الجمعة: ٤٩/١، رقم الحديث: ٣٤١، انيس

(۴) عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: الوتر حق واجب علىٰ كل مسلم. {أخرجه أحمد وابن حبان وأصحاب السنن} (إعلاء السنن: ١١/٦، رقم الحديث: ١٦٣٦، مطبوعة ديوبند، انيس)

چنانچہ سبل السلام میں ہے:

"والإيجاب قد يطلق على المسنون تاكيدًا كما سلف في غسل الجمعة". (۱)

طالب حق کو اتنا کافی ہے، ورنہ دلائل بہت ہیں، اگر لکھے جاویں تو مستقل کتاب بن جاتی ہے۔

مفتی صاحب نے نمبر:۳ کی حدیث جو ایک وتر کی ممانعت میں پیش کی ہے، وہ بالکل ضعیف ہے اور نہ صحاح ستہ میں موجود ہے، صحاح ستہ کی حدیث جو صحیح اور سب کے نزدیک مسلم ہیں، ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی؛ کیوں کہ جب صحیح حدیث موجود ہو تو اس سے استدلال کیا جاوے گا، چناں چہ نسائی شریف میں ہے:

"عن ابن عمر أن النبى صلى الله عليه وسلم قال:" الوتر ركعة من آخر الليل". (۲)

اور ابوداؤد میں ہے:

عن أبى أيوب الأنصارى قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الوتر حق علىٰ كل مسلم فمن أحب أن يوتر بخمس فليفعل ومن أحب أن يوتر بثلاث فليفعل ومن أحب أن يوتر بواحدة فليفعل. (۳)

اس حدیث سے ان لوگوں کے مذہب کی تردید نکلی، جو لوگ جزماً تین رکعت وتر کا حکم دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر طرح اجازت فرمائی تو تحدید کہاں سے نکالتے ہو، خواہ مخواہ شریعت مطہرہ عام کو محدود کرنا کیسی نادانی ہے، جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جن کے ہم تابعدار ہیں، انہوں نے ایک وتر اور تین وتر اور پانچ وتر پڑھنے کی اجازت ورخصت فرمائی ہے تو بھلا دوسروں کی بات کس طرح تسلیم کی جائے گی؛ بلکہ اس رخصت کو محدود کرنا محض تعصب و مذہبی پابندی ہے، جس طرح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت فرمائی، اس طرح کیوں نہ فتویٰ دیا جاوے، چاہے کوئی ایک پڑھے، چاہے تین، چاہے پانچ۔

اور ابن ماجہ میں ہے:

"سأل ابن عمر رجل فقال: كيف أوتر؟ قال: أوتر بواحدة، قال: إنى أخشى أن يقول الناس البتيراء، فقال: سنة الله وسنة رسوله يريد هذه سنة الله ورسوله. (۴)

---

(۱) سبل السلام، حجة من قال بوجوب الوتر: ۳٤۲/۱، دار الحديث، انيس

(۲) سنن النسائى، باب كم الوتر: ۲٤۷/۱، رقم الحديث: ۱٦۸۹/الصحيح لمسلم، باب صلاة الليل مثنى مثنى والوتر ركعة من آخر الليل، رقم الحديث: ۷٥۲/مشكوة المصابيح، باب الوتر، الفصل الأول، ص: ۱۱۱، انيس)

(۳) سنن أبى داؤد، باب كم الوتر: ۲۰۱/۱، رقم الحديث: ۱٤۲۲، انيس

عن أبى أيوب قال: قال النبى صلى الله عليه وسلم: الوتر حق واجب علىٰ كل مسلم فمن أحب أن يوتر بخمس فليوتر ومن أحب أن يوتر بثلاث فليفعل ومن أحب أن يوتر بواحدة فليوتر. {رواه أحمد فى مسنده، وابن حبان فى صحيحه والحاكم فى المستدرك} (نصب الرأية، باب صلاة الوتر: ۱۱۲/۲، مؤسسة الريان، انيس)

(۴) حدثنا المطلب بن عبد الله قال سأل ابن عمر رجل فقال كيف أوتر؟ قال: أوتر بواحدة، ==

دیکھو! اس حدیث میں صاف بیان ہے کہ اس شخص نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ایک وتر پڑھنے کا اعتراض کیا؛ مگر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کی ایک نہ مانی؛ بلکہ یہی کہا کہ نہیں ایک پڑھنا حضرت کی سنت ہے تو بھلا ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ تین سے کم، یا زیادہ جائز نہیں۔

اور فتح الباری شرح صحیح البخاری میں ہے:

"وصح عن جماعة من الصحابة أنهم أوتروا بواحدة من غير تقدم نفل قبلها، وفي كتاب محمد بن نصير وغيره بإسناد صحيح عن السائب بن يزيد أن عثمان قرأ القرآن ليلة في ركعة لم يصلّ غيرها وفي المغازي أن سعدًا أوتر بركعة وفي المناقب عن معاوية أنه أوتر بركعة وأن ابن عباس استصوبه". (۱)

ان سب اقوال واحادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر طرح رخصت ہے اور بہت دلائل ہیں؛ مگر بسبب عدم گنجائش کے سما نہیں سکتے، اتنے کو ہی کافی سمجھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانبردار ہوجاویں؛ کیوں کہ آپ کی فرمانبرداری نجات ہے۔

مفتی صاحب نے التحیات درمیانی کے ثبوت کے واسطے جو حدیث پیش کی ہے، اس سے التحیات کا ثبوت ہرگز نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ اس میں صرف یہی ہے کہ مثل نماز مغرب کے ہے، اس میں التحیات کا کوئی ذکر نہیں، مماثلت کے احتمال سے التحیات کا ثبوت نکالنے میں یہاں مماثلت سے مماثلت تامہ مراد نہیں، جیسے کوئی شخص کہے زید مثل شیر کے ہے، اب اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ زید شیر ہی ہو؛ بلکہ صرف یہ مراد ہے کہ زید کی بہادری مثل شیر کے ہے، چناں چہ اس حدیث میں بھی یہی ذکر ہے کہ مثل نماز مغرب کے ہے؛ یعنی عدد میں نماز مغرب کی مثل ہے، اگر مماثلت تامہ سمجھتے ہو تو پھر وتروں کو بھی مغرب کی نماز کے مثل فرض عین سمجھنا چاہیے، حالاں کہ ان کو فرض عین کوئی نہیں قرار دیتا تو اس سے معلوم ہوا کہ یہاں مماثلت تامہ نہیں۔

دوسرا یہ ہے کہ اس میں ذکر ہے کہ نماز مغرب دن کی وتر ہیں اور یہ رات کی وتر ہیں، اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ

== قال: إني أخشٰى إن يقول الناس... فقال: سنة اللّٰه ورسوله يريد هٰذه سنة ورسوله صلى اللّٰه عليه وسلم. (سنن ابن ماجة، باب ما جاء في الوتر بركعة: ۸۲/۱، مكتبة البدر ديوبند، انيس)

(۱) وصح عن جماعة من الصحابة أنهم أوتروا بواحدة من غير تقدم نفل قبلها، ففي كتاب محمد بن نصر وغيره بإسناد صحيح عن السائب بن يزيد أن عثمان قرأ القرآن ليلة في ركعة لم يصل غيرها ويسألني في المغازي حديث عبداللّٰه بن ثعلبة أن سعداً أوتر بركعة ويأتي في المناقب عن معاوية أنه أوتر بركعة وأن ابن عباس الصوبة وفي كل ذلك ردعلٰى ابن التين في قوله: إن الفقهاء لم يأخذوا بعمل معاوية في ذلك. (فتح الباري، باب ما جاء في الوتر: ۶۱۱/۲، مكتبة أشرفية ديوبند، انيس)

مماثلت صرف وتر ہونے میں ہے، نہ کہ مماثلت کل۔ ہم خدا کے فضل سے صحاح ستہ وغیرہ میں سے صحیح حدیثیں پیش کرتے ہیں، جن میں صریح لفظ ہیں کہ درمیان میں التحیات نہ پڑھنا چاہیے۔

عن أبی هريرة مرفوعاً وموقوفاً:"لا توتروا بثلاث تشبهوا بصلاة المغرب".وقد صححه الحاكم.(۱)

اور دوسری حدیث:

عن عائشة قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتربثلاث لايقعد إلا فی آخرهن.(۲)

وروى النسائی من حديث أبی بن كعب نحوه،ولفظه: يوتر﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْأَعْلٰى. وقُلْ يٰاأَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وقُلْ هُوَاللّٰهُ أَحَدٌ﴾ولايسلم إلا فی آخرهن".(۳)

ان حدیثوں کے صریح لفظ ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درمیان میں التحیات کو نہیں بیٹھتے تھے، احتمال والی حدیث بھلا کس طرح مقابلہ کرسکتی ہے۔

اصل وتر پڑھنے کی دوصورتیں ہیں: ایک تو وہ جو مذکور ہوئی ہے، بغیر التحیات کے اخیر میں سلام پھیرنا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دو رکعت پڑھ کے سلام پھیر دے اور ایک رکعت علاحدہ پڑھے، یہ صورت بہت بہتر ہے اور اسی کو اکثر لوگوں نے پسند کیا ہے۔

مفتی صاحب نے جو قنوت کے بابت تحریر فرمایا ہے کہ قنوت بعد رکوع مکروہ ہے اور پندرہ دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم پر لعنت کی، اس میں قبل اور بعد کا ذکر نہیں۔

خبر نہیں مولوی صاحب نے فتویٰ دینے کے وقت صم بکم ہو کر فتویٰ لکھا ہے؛ کیوں کہ صریح حدیث میں لفظ بعد مذکور ہے اور مفتی صاحب نے قبل اور بعد دونوں کی نفی تحریر کردی۔

حدیث متفق علیہ تحریر ہے:

"عن أبی هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أراد أن يدعوا علٰى أحد أويدعو لأحد قنت بعد الركوع".(الحديث)(۴)

---

(۱) المستدرک للحاکم: ۱/۴۴٦،رقم الحدیث:۱۱۳۷،۱۱۳۸،دارالکتب العلمیة بیروت،انیس

(۲) السنن الكبرى للبيهقی،باب من أوتر بخمس أو ثلاث لا يجلس ولا يسلم إلا فی آخرهن،رقم الحديث:۴۸۰۳، انیس

(۳) سنن النسائی،ذكراختلاف ألفاظ الناقلين لخبرأبی كعب فی الوتر: ۱/۲۴۹،انیس)

(عن أبی بن كعب رضی الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتربسبح اسم ربک الأعلٰى وقل يا أيها الكافرون وقل هوالله أحد ولا يسلم إلافی آخرهن ويقول بعد التسليم سبحان الملک القدوس ثلاثاً.رواه النسائی إسناده حسن.(آثارالسنن،باب الوترثلاث ركعات،رقم الحديث:۶۱۱،ص:۱۶۳،انیس

(۴) عن أبی هريرة رضی الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا أراد أن يدعوعلٰى أحد أويدعو لأحد قنت بعد الركوع.{رواه البخاری}(إعلاء السنن:۶/۹۹،رقم الحديث:۱۷۱۷،انیس)

اور ابن ماجہ میں ہے:

"عن محمد قال:سألت أنس بن مالک عن القنوت؟فقال:قنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم بعد الرکوع.(۱)

عون المعبود:

"وقد روی محمد بن نصرعن أنس أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم کان یقنت بعد الرکعة وأبوبکروعمرحتٰی کان عثمان قنت قبل الرکعة". (۲)

قال المنذری:وفی روایة قال:هٰذا یقول فی وتر القنوت.

ان حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ قنوت بعد رکوع پڑھنا چاہیے،مکروہ لکھنا بالکل بلا دلیل اورضد ہے، اگر کوئی قبل رکوع قنوت پڑھے تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ جائز نہیں؛ کیوں کہ طرفین کی حدیثیں موجود ہیں، ہر دو جانب کی حدیثوں پر عمل کرنے کے واسطے کبھی قبل رکوع پڑھے اور کبھی بعد رکوع؛ کیوں کہ ایک حدیث پر عمل کرنا اور دوسری پر نہ کرنا امر نا گوار ہے، مناسب یہی ہے کہ ہر دو پر عمل کریں؛ تا کہ دونوں میں تعارض نہ رہے۔

الجواب ــــــــــ ازمولوی مشیت اللّٰہ صاحب دیوبندی

سب سے پہلے عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جواب میں غور وتنقیح کے بعد تین جزو نکلتے ہیں۔

(۱) وتر سنت ہیں، ان کے واجب ہونے پر کوئی دلیل نہیں اور جس نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، بالکل غلط ہے؛ کیوں کہ اس میں وجوب کا کہیں ذکر نہیں ہے، نیز "الوتر واجب علٰی کل مسلم" (۳) سے بھی وجوب پر استدلال کرنا باطل ہے؛ کیوں کہ یہاں واجب بمعنی ثابت ہے، وجوب اصطلاحی نہیں، اور واجب اس معنی میں کثرت سے آتا ہے، کما فی باب الغسل المسنون:"غسل یوم الجمعة واجب علٰی کل محتلم". (۴) یہاں سب کے نزدیک واجب بمعنی ثابت ہے؛ کیوں کہ غسل یوم جمعہ کو کوئی واجب نہیں کہتا۔

---

(۱) سنن ابن ماجة،باب ماجاء فی القنوت قبل الرکوع وبعده: ۸٤/۱،انیس

عن عاصم قال سألت أنس بن مالک رضی اللّٰہ عنه عن القنوت فقال قد کان القنوت فات قبل الرکوع أوبعده قال قبله،قال فإن فلاناً أجرنی عنک إنک قلت بعدالرکوع فقال کذب إنما قنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بعد الرکوع شهراً،الخ.(آثارالسنن،باب قنوت الوترقبل الرکوع،رقم ال حدیث:٦٢٨،ص:١٦٧،انیس)

(۲) وقدروی محمد بن نصرعن أنس أن رسول صلی اللّٰہ علیه وسلم کان یقنت بعد الرکعة وأبوبکروعمرحتٰی کان عثمان فقدت قبل الرکعة لیدرک الناس.قال العراقی: وإسناده جید.(عون المعبود شرح سنن أبی داؤد،باب القنوت فی الوتر: ٢١٢/٤،مکتبة أشرفیة دیوبند، انیس)

(۳) عن عبداللّٰہ بن مسعود رفعه:الوترواجب علٰی کل مسلم.(إعلاء السنن:١٣/٦،رقم الحدیث:١٦٣٩، انیس)

(۴) سنن أبی داؤد،باب غسل یوم الجمعة: ٤٩/١،رقم الحدیث: ٣٤١، انیس

(۲) تین رکعت کی تحدید وتر میں کرنا باطل ہے، وتر کا ایک رکعت ہونا بھی نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے ثابت ہے، چناں چہ نسائی میں ہے:

"عن ابن عمر أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: "الوتر رکعة من آخر اللیل". (۱)

اور ابوداؤد میں ہے:

"عن أبی أیوب الأنصاری قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "الوتر حق علی کل مسلم فمن أحب أن یوتر بخمس فلیفعل ومن أحب أن یوتر بثلاث فلیفعل ومن أحب أن یوتر بواحدة فلیفعل". (۲)

ان دونوں روایتوں سے ان لوگوں کے مذہب کی تردید نکلی، جو جزماً وتر تین رکعت بتلاتے ہیں، اس پر دلیل لانی چاہیے کہ تین رکعت کی تحدید کہاں سے کرتے ہو۔

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے:

"أنه کان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یوتر بثلاث لا یقعد إلا فی آخرهن" سے وتر کو تین رکعت مان کر قعدۂ اولیٰ کی نفی ہوتی ہے، پھر التحیات درمیانی کا ثبوت کس طرح ہوسکتا ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قنوت بعد الرکوع پڑھنا بھی ثابت ہے، بعد الرکوع اور قبل الرکوع دونوں طرح قنوت پڑھنا بلا کراہت جائز ہونا چاہیے، پھر بعد الرکوع قنوت پڑھنا مکروہ کس طرح ہوا۔

یہ تین امور ہیں، جن کا مجیب صاحب نے التزام کیا ہے، اور اپنی کم فہمی کی داد خود دیتے ہوئے لکھا ہے کہ سب روایتوں کے برخلاف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب قوی نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ جہاں صحیح حدیث ہو، اس کے برخلاف کسی مذہب پر چلنا سراسر غلطی اور محض تعصب ہے۔

آپ کو ان شاء اللہ تعالیٰ معلوم ہوجائے گا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب روایات صحیحہ سے کتنا قریب تر ہے، ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہی کا کمال فراست اور تفقہ فی الدین ہے، جس نے صحیح روایات تو کجا، ضعیف روایت کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا، امام صاحب موصوف روایات سے تعامل اور قرائن دیکھ بھال لینے کے بعد ایسا پاکیزہ اور عمدہ محل نکالتے ہیں، جس کے باعث تمام روایات پر اگرچہ متعارض ہی کیوں نہ ہوں، عمل کرنا سہل ہوجاتا ہے، غیر متعصب اس کا اندازہ کرسکتا ہے، متعصب معاند کے کبھی یہ بات خیال میں نہیں آسکتی؛ مگر

گر نہ بیند بروز شپرۂ چشم   چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

---

(۱) سنن النسائی، باب کم الوتر: ۲٤۷/۱، رقم الحدیث: ۱۷۰۰، انیس

(۲) سنن أبی داؤد، باب کم الوتر: ۲۰۱/۱/ کذا فی نصب الرأیة: ۱۱۱/۲، انیس

ہمیں اس سے مقصود کسی پر طعن و تشنیع نہیں، نہ ہمارا یہ شیوہ ہے، نہ ہم ایسے بے باک ہیں کہ تعصب کے پردہ میں نمودار ہوکر جس امام کی چاہیں توہین کرڈالیں، البتہ ہم سے اس جواب فتویٰ کا جواب مانگا گیا ہے؛ اس لیے جو کچھ ہمارے نزدیک حق ہے، اس کو نمبروار تین جزوں پر تقسیم کرتے ہوئے جواب دیتے ہیں۔ واللہ الموفق للصواب

(۱) دربارۂ وتر اگرچہ امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ وتر سنت ہیں؛ لیکن صاحب نہایہ جیسے محققین مذہب نے اصح اورراجح روایت وجوب کو قرار دیا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ صرف امام موصوف نے وتر کو واجب قرار دیا، یا اور حضرات بھی وجوب کے قائل ہیں۔

جناب مجیب صاحب کی خوش فہمی ہے کہ وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ امام ابوحنیفہؒ اس میں منفرد ہیں، کاش کہ شیخ بدرالدین عینیؒ کی اس عبارت سے واقف ہوتے:

"وحكى ابن حزم أن مالكاً قال:"من تركه أدب وكانت جرحة فى الشهادة، إلخ".

"وفى المصنف عن مجاهد بسند صحيح"هو واجب ولم يكتب،إلخ".

"وحكى ابن بطال وجوبه عن أهل القرآن عن ابن مسعود وحذيفة وأبراهيم النخعى وعن يوسف بن خالد السمتى شيخ الشافعى وجوبه،وحكاه ابن أبى شيبة أيضاً عن سعيد بن المسيب وأبى عبيدة بن عبد الله ابن مسعود والضحاك"،انتهٰى. (۲)

پس معلوم ہوا کہ ابوحنیفہؒ ہی وجوب وتر کے قائل نہیں ہوئے؛ بلکہ سلف میں سے ایک جماعت ابوحنیفہؒ کی طرح واجب کہتی ہے، حتی کہ امام مالکؒ کا رجحان خاطر یہی معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ اس قسم کے زوردار الفاظ ترک واجب ہی کی نسبت کہے جاسکتے ہیں اور حافظ علیم الدین السخاویؒ تو معلوم ہوتا ہے کہ فرضیت وتر کے قائل ہوگئے ہیں۔

كما فى حاشية البحر الرائق:"واختار الشيخ علیم الدین السخاوى أنه فرض وعمل فيه جزءً وساق الأحاديث الدالة علٰى فرضيته ثم قال:"فلايرتاب ذوفهم بعد هٰذا أنها ألحقت بالصلوات الخمس فى المحافظة عليها". (۲)

اور عجب نہیں امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی وجوب کی طرف ہو۔

"كما أشار إليه الحافظ فى فتح البارى إفراده بالترجمة عن أبواب التهجد والتطوع يقتضى أنه غير ملحق بها،ثم قال الحافظ:ولولا أنه أورد الحديث الذى فيه إيقاعه على الدابة إلا المكتوبة لكان إشارة إلٰى أنه يقول بوجوبه" انتهٰى. (۳)

---

(۱) عمدة القارى،أبواب الوتر: ۴۱۲/۳،ظفير (ليجعل آخر صلاته وقراً: ۲۲۴/۵،زكريا بكڈپو ديوبند،انيس)

(۲) حاشية البحر الرائق: ۴۰/۲،ظفير

(۳) فتح البارى ،أبواب الوتر: ۳۹۷/۲،ظفير ==

حافظؒ کہنے کوتو کہہ گئے کہ بخاری کا صلوٰۃ وتر اور صلوٰۃ لیل کے لیے علاحدہ تراجم رکھنا اس کو مقتضی ہے کہ بخاری وتر کوصلوٰۃ لیل کے ساتھ لاحق نہیں کرتے؛ لیکن یہ دیکھ کر بخاری ابواب وتر میں وہ حدیث لائے ہیں، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر دابہ پرسوار ہونے کی حالت میں پڑھے ہیں، فرمانے لگے بے شک وشبہ یہ کہہ دیا جاتا کہ بخاری وجوب وتر کے قائل ہوگئے ہیں، اگر بخاری اس قسم کی حدیث نہ لاتے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دابہ پر وتر پڑھنا ثابت ہے۔ اب یہ نسبت ان کی طرف نہیں کی جاسکتی۔

میں کہتا ہوں: باوجود اس کے کہ بخاری اس قسم کی حدیث بھی لائے ہیں کہ جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دابہ پر وتر پڑھنا ثابت ہوتا ہے؛ تاہم یہ بخاری کے اس مقصد کے منافی نہیں، جس کو ترجموں کے علاحدہ علاحدہ لانے میں اشارۃً ذکر کرچکے ہیں؛ کیوں کہ تم زیادہ سے زیادہ یہی کہوگے کہ جب بخاری وجوب وتر کے قائل ہوئے تو ان کو وہ حدیث نہ نکالنی چاہیے تھی، جس میں یہ ہے کہ سوار ہونے کی حالت میں دابہ پر وتر پڑھے گئے ہیں؛ کیوں کہ یہ ممکن نہیں کہ وتر واجب ہوں اور دابہ پر سواری کی حالت میں ادا کیے گئے ہوں۔

اس کے بعد میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اس کی دلیل لائیے کہ بخاری کا بھی مسلک یہی ہے کہ واجب خواہ حالت سفر ہی میں کیوں نہ ہو، دابہ پر پڑھنا جائز نہیں، بخاری شان اجتہاد رکھتے ہیں، عجب نہیں کہ وجوب وتر کے قائل ہوکر دابہ پر ادا کرنے کو جائز رکھتے ہوں اور بہتر بات یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ بخاری اس حدیث کو لاکر جس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دابہ پرسوار ہوکر وتر پڑھے ہیں، اشارہ کررہے ہیں کہ دابہ پر وتر کا پڑھے جانا وجوب کے منافی نہیں؛ کیوں کہ یہ واقعہ حال لاعموم لہا کے طور پر ہے اور جب معتبر روایات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ وتر دابہ سے اتر کر زمین پر پڑھا کرتے تھے، کما فی الطحاوی کہ لامحالہ یہ وتر دابہ کے اوپر کسی عذر شدید کی حالت میں پڑھے گئے ہوں گے اور عذر کی حالت میں واجب تو کیا فرض کا ادا کرنا بھی دابہ پر متفق علیہ ہے، لہذا اس روایت میں وتر کا دابہ پر پڑھا جانا وجوب وتر کے منافی نہیں۔ واللہ اعلم

قائلین بسنیۃ الوتر میں سے ایک جماعت وتر کو بجق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بطور خصوصیت واجب کہتے ہیں اور پھر آپ کا دابہ پر ادا کرنا انہوں نے مضر نہیں سمجھا۔

الغرض بخاری کی شان اور ان کی عادت پر نظر کرتے ہوئے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ بھی امام ابوحنیفہؒ کی طرح وجوب وتر کے قائل ہوگئے ہیں، امام ابوحنیفہؒ کی نسبت تو بعض معاندین اور متعصبین یہ بھی کہہ دیا کرتے ہیں کہ

== (و لم يعترض البخارى لحكمه بترجمة عن أبواب التهجد والتطوع يقضى أنه غير ملحق بها عنده ولولا أنه أورد الحديث الذى فيه إيقاعه على الدابة إلاالمكتوبة لكان فى ذلک إشارة إلٰى أنه يقول بوجوبه،الخ. (فتح البارى، باب ماجاء فى الوتر: ٦١٦/٢ ،مطبوعة دارالسلام رياض،انيس)

ان کو صحیح روایات کا ذخیرہ نہیں پہنچا، امام بخاریؒ کی نسبت کیا کہو گے، جو امیر المومنین فی الحدیث ہیں کہ وہ بھی وجوب کے قائل ہو گئے ہیں۔

اب اس قدر فہرست شمار کرنے کے بعد ہمارے مجیب مجتہد کو یہ حق نہیں رہا کہ وہ سبل السلام کی عبارت " **ذهب الجمهور إلٰى أنه ليس بواجب**"ہمارے سامنے پیش کر کے یہ دعویٰ کریں کہ ابوحنیفہؒ اس مسئلہ میں منفرد ہیں۔

صاحب سبل السلام اگر واقعی ہمارے مجیب صاحب کے ہم خیال ہیں تو ان کی یہ عبارت بلاشبہ مقام تحقیق میں نظر انداز کرنے کے قابل ہوگی اور گر ایسا نہیں بلکہ صاحب سبل السلام کی نفی واجب سے نفی فرضیت مراد ہے اور ہمارے مجیب صاحب کو ظاہری الفاظ سے دھوکہ لگا ہے، تب حنفیہ کے مقابلہ میں یہ عبارت ہرگز پیش کئے جانے کے قابل نہیں، حنفیہ کب فرضیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

وجوب وتر کے دلائل متعدد ہیں، عمدۃ القاریؔ میں شیخ بدرالدین عینیؒ نے سب کو بالاستیعاب بیان کیا ہے، آپ کے اطمینان خاطر کے لئے مختصر طور پر زیادہ نہیں دو چار یہاں بھی ذکر کئے دیتا ہوں۔

"**عن عبد اللّٰه بن عمر رضى الله عنهما عن النبى صلى الله عليه وسلم قال:"اجعلوا آخر صلاتكم بالليل وترًا"**.(رواه مسلم)(۱)

"**وعنه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال:"بادروا الصبح بالوتر"**.(رواه مسلم)(۲)

"**وعن أبى سيعد الخدرى رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال:"أوتروا قبل أن تصبحوا"**.(رواه مسلم والترمذى وابن ماجة)(۳)

---

(۱) مشكٰوة،باب الوتر،ص:۱۱۱

عن عبد اللّٰه بن عمر رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال اجعلوا آخر صلاتكم بالليل وتراً".{رواه البخارى}(آثار السنن،رقم الحديث:۵۷۹،باب ما استدل به علٰى وجوب صلاة الوتر،ص:۱۵۵،مطبوعة ديوبند، انيس

(۲) مشكٰوة،باب الوتر،ص:۱۱۱

الصحيح لمسلم،باب صلاة الليل وعدد ركعات النبى صلى الله عليه وسلم فى الليل وإن الوتر ركعة وإن الركعة صلاة صحيحة:۲۵۷/۱،انيس

عن ابن عمر مرفوعاً:بادروا الصبح بالوتر.(نصب الراية:۱۱۲،انيس)

عن ابن عمر أن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال:بادروا بالصبح بالوتر.(رواه مسلم)(آثار السنن،رقم الحديث:۵۸۰،ص:۱۵۶)

(۳) صحيح لمسلم،باب صلاة الليل مثنى مثنى،رقم الحديث:۷۵۴/سنن الترمذى،باب ماجاء فى مبادرة الصبح بالوتر،رقم الحديث:۴۶۸/سنن ابن ماجة،باب من نام عن وتر أو نسيه،رقم الحديث:۱۱۸۹/فيض القدير:۶۹/۳/ نصب الراية:۱۱۲/۲/آثار السنن،رقم الحديث:۵۸۱،ص:۱۵۶،انيس)

یہ تین روایتیں ہیں، جن میں وتر کی تعلیم بصیغۂ امر مذکور ہے اور اگر چہ بنا بر مذہب اہل تحقیق امر ہمیشہ وجوب کے لیے نہیں ہوتا؛ لیکن یہاں امر بالضرور وجوب کے لیے ماننا پڑے گا، اس پر منجملہ قرائن متعددہ کے سب سے بڑا اور بہتر قرینہ یہ ہے کہ وتر دراصل وہ نماز ہے، جو سورۂ مزمل کے نازل ہونے کے وقت فرض کی گئی تھی اور طبقات ابن سعد کی روایت "لقد أمدكم الله الليلة بصلاة " {الحديث} (طبقات ابن سعد: ۱۸۹/۴، ترجمہ خارجۃ بن حذافۃ) (۱) سے {والله سبحانه وتعالىٰ أعلم} ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز پہلے سے شفعاً شفعاً فرض تھی، ایتار بعد کو فرض کیا گیا، ذکره الخطابی فی معالمه.

غرض کہ اس میں شک نہیں کہ یہ نماز ایک وقت میں یقیناً فرض تھی، اب دیکھنا یہ ہے کہ بعد کو اس نماز کا وجوب ولزوم منسوخ ہوا ہے، یا تطویل قرأت۔

سو ﴿فاقرء وا ما تيسر من القرآن﴾ نے تطویل قرأت منسوخ ہوگئی ہے، اس کا وجوب ولزوم منسوخ نہیں ہوا، بدستور باقی ہے، چناں چہ وجوب اور لزوم کے نسخ پر کوئی دلیل صریح موجود نہیں ہے، ہاں نسخ فرضیت محتمل ہے، لہٰذا ان تمام وجوہ کی رعایت کرتے ہوئے حنفیہ فرضیت کا دعویٰ نہیں کرتے، وجوب اور لزوم کے مدعی ہیں، حتی ہماری اس تقریر سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ وتر کا وجوب سورۂ مزمل کے وقت نزول سے اب تک چلا آ رہا ہے، منسوخ نہیں ہوا اور کیوں کر کوئی نسخ کا دعویٰ کر سکتا ہے، جب کہ نسخ وجوب پر کوئی دلیل موجود نہیں، آپ کے پاس اگر کوئی دلیل ہو تو بسم اللہ، ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے، پیش کیجئے۔

ہاں! شرط یہ ہے کہ انصاف ملحوظ رہے اور اگر ان تمام روایات کے پیش کرنے سے آپ کی تسکین نہ ہوسکی اور یہ معنوی نظر کہ امر وجوب کے لیے ہے، ہمارے مجیب مجتہد کے سمجھ میں نہ آئے تو اور سنئے۔ ابوداؤد میں ہے:

"عن عبد الله بن بريدة عن أبيه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "الوتر حق فمن لم يوتر فليس منا، الوتر حق فمن لم يوتر فليس منا، الوتر حق فمن لم يوتر فليس منا". (۲)

قال العيني: وهٰذا حديث صحيح وفيه أبو المنيب وثقه ابن معين وقال ابن أبی حاتم: هو صالح الحديث وقال: يحول". (۳)

---

(۱) عن خارجة بن حذافة العدوى قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم لصلة الغداة فقال: لقد أمدكم الله الليلة بصلاة لهی خير لكم من حمر النعم، قلنا: وماهي يا رسول الله ! قال: الوتر فيما بين صلاة العشاء إلى طلوع الفجر. (الطبقات الكبرىٰ، عبدالله بن حذافة: ١٤٣/٤، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(۲) مشكٰوة، باب الوتر، الفصل الثانی، ص: ١١٣/ إعلاء السنن: ٣/٦، رقم الحديث: ١٦٣١/ آثار السنن، رقم الحديث: ٥٨٣، ص: ١٥٦، مطبوعة ديوبند، انيس)

(۳) عمدة القاری، أبواب الوتر: ٤١٢/٣، ظفير

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کو سنتوں کی طرح نہیں رکھا؛ بلکہ تارک کے حق میں وعید شدید فرما کر مادون الفرائض اور مافوق السنن اس کے لیے رتبہ مقرر فرمایا، و **ليس هذا إلا الوجوب**، امام ابوحنیفہؒ اسی کو واجب کہتے ہیں۔ فرض اور واجب میں امام صاحبؒ کے یہاں بین فرق ہے، کمافی البحر۔

وذكر في البدائع حكاية هي أن يوسف بن خالد السمي كان من أعيان فقهاء البصرة، فسأل أباحنيفة عنه، فقال: إنه واجب، فقال له: كفرت ياأباحنيفة ظنا منه أنه يقول: إنه فريضة، فقال أبوحنيفة: أيهولني إكفارك إياي وأنا أعرف الفرق بين الفرض والواجب كفرق مابين السماء و الأرض ثم بين له الفرق بينهما فاعتذر إليه وجلس عنده للتعلم، آه. (۱)

باقی عمرو بن سعد اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما کی روایت: "**إن اللّٰه زادكم صلاة وهي خير لكم من حمر النعم**". (**الحديث**) (۲) سے بھی وجوب پر استدلال کیا گیا ہے اور طریق استدلال یہ ہے کہ ان روایتوں میں مشروعیت وتر کی نسبت خدا تعالیٰ کی جانب کی گئی ہے، نیز چونکہ مزید علیہ کی جنس سے زیادتی ہونی چاہئے اور ظاہر ہے کہ فرائض کی جنس سے واجب ہے؛ اس لیے ان روایتوں سے وجوب کی طرف اشارہ سمجھا گیا ہے، چناں چہ تعیین اور تحدید اوقات بھی اس روایت میں اس پر دلالت کرتی ہے کہ وتر واجب ہیں۔

یہاں پہنچ کر شاید کسی کو بار بار یہ خیال ستائے کہ اگر ان روایات سے وجوب ثابت ہوتا ہے تو چاہیے کہ سنت فجر کو بھی واجب کہہ دیا جائے؛ کیوں کہ سنت فجر کے متعلق بھی انہیں الفاظ کے ساتھ اس قسم کی روایت مروی ہے، حالاں کہ اس کے وجوب کا قائل کوئی نہیں۔

بے شک شبہ کے درجہ میں اگر کوئی بات جاندار ہے تو یہ ہے؛ لیکن بایں ہمہ ابوحنیفہؒ کی وسعت نظر دیکھئے کہ امام موصوف نے جب یہ دیکھا کہ سنت فجر اور وتر میں بالنسبت سائر سنن اور نوافل کے اگر چہ الفاظ زوردار استعمال کئے گئے ہیں؛ مگر باوجود اس کے تعامل میں وتر کا سنت فجر سے زیادہ اہتمام کیا گیا ہے۔

صحابہ میں سے کسی سے سفر وحضر میں احیاناً بھی ترک وتر ثابت نہیں، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باوجود مواظبت کے ترک وتر ثابت ہونا مشکل ہے اور جس درجہ آپ نے تارک وتر کے بارے میں وعید شدید فرمائی ہے،

---

(۱) **البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۳۸/۲، ظفير**

(۲) **عن عمرو بن العاص وعقبة بن عامر عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إن اللّٰه عزوجل زادكم صلاة هي لكم خير من حمر النعم الوتر، وهي لكم فيما بين صلاة العشاء إلى طلوع الفجر. {رواه الطبراني في معجمه} (نصب الرأية: ۱۰۹/۲/ سنن أبي داؤد، باب استحبات الوتر: ۲۰۱/۱/ سنن ابن ماجة، باب ماجاء في الوتر، ص: ۸۳/ سنن الترمذي، باب ما جاء في فضل الوتر: ۱۰۳/۱/ سنن دارقطني، باب فضيلة الوتر: ۲۱/۲، انيس)**

تارک سنت فجر کے بارے میں نہیں فرمائی،اس بنا پر امام الائمہ نے دونوں میں یہ فرق کیا کہ وتر کو واجب اور سنت فجر کو سنت مؤکدہ قرار دیا۔

وجوب وتر کے دلائل اور بھی ہیں؛مگراس وقت اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہوئے مجیب صاحب کی خدمت میں باادب عرض کرتا ہوں کہ:

حضرت! بلاشبہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ''**الوتر واجب علٰی کل مسلم**'' سے وجوب اصطلاحی مراد نہیں، یہ اصطلاح امر مستحدث ہے، حدیث میں کاہے کو ہونے لگی، یہ سب کچھ سہی؛مگر حضرت یہ تو فرمائیے کہ ''**لیس الوتر بحتم کهيئة المكتوبة ولكن سنة سنها رسول الله صلى الله عليه وسلم**''.{رواه الترمذی}(۱) سے وجوب کی نفی اور سنیت وتر پر کیسے استدلال قائم ہوسکتا ہے، یہاں آپ نے کس طرح پہچانا کہ سنت سے خاص سنت اصطلاحی مراد ہے، جو واجب سے مغایر اور اس سے نیچے کا مرتبہ ہے، یہاں یہ کیوں نہیں کہتے کہ سنت سے طریقۂ مرضیہ مراد ہے، جو واجب اور سنت سب کو شامل ہے، چناں چہ سیاق اور سباق روایت بھی اسی امر کی تائید کرتا ہے، اس میں اس وجوب کی نفی ہے، جو فرض کی طرح ہو، مطلق وجوب کی نفی نہیں، ہمیں دکھلایا جائے کہ اس کے کون سے لفظ سے وجوب کی نفی ہوتی ہے، یہ تو ہم بھی مانتے ہیں کہ حدیث میں فرضیت وتر کی نفی کی گئی ہے؛لیکن یہ کہ سنت سے خاص سنت اصطلاحی مراد ہے، جو کہ واجب کو شامل نہیں اور حدیث سے وجوب کی نفی ہوتی ہے، یہ کیوں کر اور کس قاعدہ سے آپ نے سمجھا، معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مجیب مجتہد اپنی قرارداد قاعدہ (حدیث میں الفاظ اصطلاحی مراد لینا باطل ہے اصطلاح امر مستحدث ہے) سے یہاں پہنچ کر ضرور غفلت ہوئی؛اس لیے مصداق ہوئے:''**حفظت شيئًا وغابت عنك أشياء**'' اور اگر ہمارے مجیب صاحب یہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں الفاظ اصطلاحی ہونا ضروری تو نہیں؛مگر یہاں سیاق وسباق روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سنیت سنیت اصطلاحی مراد ہے، عام نہیں جو واجب کو بھی شامل ہے۔

جناب والا! اولاً تو یہ سیاق وسباق سے نکلتا نہیں؛ بلکہ برعکس یہ معلوم ہوتا ہے کہ وجوب اصطلاحی کی نفی مقصود نہیں ہے اور اگر ایسا ہی ہے جیسا آپ فرماتے ہیں تو میں بھی کہتا ہوں کہ ''**الوتر واجب**'' میں وجوب اصطلاحی مراد ہے، یہاں واجب سے مسنون مراد نہیں، مانتا ہوں کہ ''**الإيجاب قد يطلق على المسنون تأكيدًا**'' ؛مگر یہ کیا ضروری ہے کہ

---

(۱)　سنن الترمذی،باب ماجاء أن الوتر ليس بحتم:۱/۶۰،'' **ليس الوتر بحتم**'' نہیں ہے؛ بلکہ ''**الوتر ليس بحتم**'' ہے۔ظفیر

عن عاصم عن علي قال:الوتر ليس بحتم ولكنه سنة سنهارسول الله صلى الله عليه وسلم.(مصنف ابن أبي شيبة،باب من قال الوتر سنة:۴/۵۰۱،رقم الحديث: ۶۹۲۷)

عن علي قال: الوتر ليس بحتم كهيئة الصلاة المكتوبة، ولكن سنة سنها رسول الله صلى الله عليه وسلم.(سنن الترمذی،باب ماجاء أن الوتر ليس بحتم: ۱/۱۰۳،ط:دیوبند،انیس)

یہاں بھی واجب سے مسنون مراد ہو،اس کی آپ دلیل پیش کیجئے، ورنہ میں کہتا ہوں اگر آپ کا ویسا ہی سیاق وسباق ہے تو یہاں پر بھی سمجھئے کہ حدیث میں "من لم یوتر فلیس منا". (رواہ أحمد) (۱)اس کو مقتضی ہے کہ "الوتر واجب" میں واجب سے مسنون مراد نہیں ہے؛ بلکہ وہی مراد ہے، جس کے ابوحنیفہؒ قائل ہوئے ہیں؛ کیوں کہ عرفاً وجوب بمعنی لزوم مستعمل ہوتا ہے، نیز یہ وعید شدید جو امام محمدؒ کی روایت میں ہے ترک واجب ہی پر ہوسکتی ہے۔

غرضیکہ یہ حدیث "لیس الوتر بحتم کھیئة المکتوبة" (الحدیث) سنیت وتر کے استدلال میں کسی طرح پیش کئے جانے کے لائق نہیں، رہی ابن ماجہ اور خازن کی روایت، سو ہمیں سخت تعجب ہے کہ آپ نے اپنے استدلال میں ایسی ضعیف روایتوں کو کیوں پیش کیا؟ جس میں سے خازن کی روایت تو ساقط الاسناد ہے اور ابن ماجہ کی روایت صحیح طور پر یوں ہے: "إن الوتر لیس بحتم کصلوٰتکم المکتوبة" (۲) اور یہ حنفیہ کے کسی طرح معارض نہیں ہوسکتی؛ کیوں کہ حنفیہ ایسے وجوب کا انکار کرتے ہیں، جو فرضیت کی طرح ہو۔

اور ابوداؤد کی وہ روایت، جس میں یہ ہے:

"إن رجلاً من بنی کنانة سمع رجلاً بالشام یدعی أبا محمد...:یقول إن الوتر واجب،قال المخدجي:فرحت إلٰی عبادة بن الصامت فأخبرته فقال عبادة: کذب أبو محمد،سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول:"خمس صلوات کتبهن اللّٰہ علی العباد"انتهٰی مختصرًا. (۳)

---

(۱) مشکٰوة،عن أبی داؤد،باب الوتر،ص:۱۱۳،ظفیر(سنن أبی داؤد،باب فی من لم یوتر: ۲۰۱/۱،انیس)

عن بریدة رضی اللّٰہ عنه قال:سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول: الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا، الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا،الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا. {رواہ أبوداؤد وإسنادہ حسن}(آثار السنن،باب ما استدل به علٰی وجوب صلاة الوتر،ص:۱۵٦،رقم الحدیث:۵۸۳،انیس)

(۲) یہ حدیث ترمذی میں انہیں الفاظ کے ساتھ حضرت علیؓ سے مروی ہے، دیکھئے: سنن الترمذی،باب ماجاء أن الوتر لیس بحتم: ٦۰/۱؛ لیکن ابن ماجہ میں اُن الفاظ کے ساتھ ہے، جو مجیب اول نے نقل کیا ہے، دیکھئے:سنن ابن ماجة،باب ماجاء فی الوتر: ۸۳/۱،ظفیر)

عن علی قال: الوتر لیس بحتم کھیئة الصلاة المکتوبة ولکن سنة سنها رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم. (سنن الترمذی،باب ماجاء أن الوتر لیس بحتم: ۱۰۳/۱،انیس)

عن عاصم بن ضمرة السلونی قال:قال علی بن أبی طالب إن الوتر لیس بحتم ولا کصلاتکم المکتوبة ولکن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم أوتر ثم قال یا أهل القرآن أوتروا فإن اللّٰہ وتر یحب الوتر .(سنن ابن ماجة،باب ماجاء فی الوتر : ۸۳/۱،انیس)

عن عاصم بن ضمرة قال:قال علی:الوتر لیس بحتم کالصلاة المکتوبة.(مصنف ابن أبی شیبة، باب من قال الوتر سنة: ٤۹۸/٤،رقم الحدیث: ٦۹۱۹،انیس)

(۳) عن ابن محیریز أن رجلاً من بنی کنانة یدعٰی المخدجی، سمع رجلاً بالشام یدعٰی أبامحمد یقول: ==

اس میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرضیت کی نفی کی ہے، واجب اصطلاحی کی نہیں۔ صحابہ کرامؓ کے عہد میں واجب کا اطلاق فرض پر کیا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ یوسف بن خالد سمسی نے محض واجب کہنے پر حضرت امام ابوحنیفہؒ کو کافر کہہ دیا، جب حضرت امام ابوحنیفہؒ نے واجب کی حقیقت ان کے سامنے منکشف فرمائی، واجب اور فرض میں فرق دکھلایا، تب انہوں نے معذرت کی اور تعلیم کی غرض سے بیٹھ گئے، ٹھیک اسی طرح سے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بھی حضرت ابومحمدؒ کے واجب کہنے سے یہ سمجھے کہ ابومحمد فرضیت وتر کا قائل ہوگیا ہے، چناں چہ یہ سن کر فرمانے لگے کہ ابومحمد نے جھوٹ بولا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ کل پانچ نمازیں فرض ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کیا ہے (چھٹی کوئی نماز نہیں)۔

یہ تھی اصل حقیقت، ہمارے مجیب صاحب اپنی خوش فہمی سے یہ سمجھ بیٹھے کہ حضرت عبادہؓ وجوب اصطلاحی کی نفی فرمارہے ہیں، جزو ثانی کو نہیں دیکھا کہ اس سے واجب بمعنی فرض کی نفی مقصود ہے، مطلقاً واجب کی نفی نہیں۔

اس روایت اور موطا مالکؒ کی اس روایت سے جس میں یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ کیا وتر واجب ہیں تو انہوں نے فرمایا: "أوتر النبی والمسلمون". (۱) صاف یہ نہ فرمایا کہ واجب ہیں، یا واجب نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کے قلوب میں یہ بات راسخ تھی کہ وتر اگر چہ فرض نہیں ہیں، سنت بھی نہیں ہیں؛ کیوں کہ سنت سے اس میں زیادہ تاکید آتی ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے "أوتر النبی والمسلمون" جواب میں فرمایا، یہ نہ فرمایا کہ مسنون ہیں۔ مسنون کہنے سے رک گئے، حضرت امام ابوحنیفہؒ اس منشا کو خوب سمجھے، وجوب کے قائل ہوگئے، نہ وتر کو سنت قرار دیا، نہ فرض۔

وذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء واللّٰہ ذوالفضل العظیم

(۲)　اس جزو میں حنفیہ کے دو مسئلے ہیں:

(۱)　وتر تین رکعت ہیں، ایک رکعت ہرگز ہرگز وتر نہیں ہوسکتی۔

== 　إن الوتر واجب، قال المخدجي: فرحت إلٰى عبادة بن الصامت فأخبرته، فقال عبادة: كذب أبومحمد، سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم يقول: خمس صلوات كتبهن اللّٰه على العباد فمن جاء بهن لم يضع منهن شيئاً استخفافاً بحقهن كان له عنداللّٰه عهدا أن يدخله الجنة ومن لم يأت بهن فليس له عنداللّٰه عهد إن شاء عذبه وإن شاء أدخله الجنة. (سنن أبی داؤد، باب فی من لم يوتر: ۱/ ۲۰۱، رقم الحديث: ۱۴۲۰، انیس)

(۱)　مشكٰوة، باب الوتر، ص: ۱۱۳، الفاظ یہ ہیں: "أوتر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وأوتر المسلمون.

عن مسلم مولٰى لعبد القيس قال: قال رجل لابن عمر: أرأيت الوتر سنة هو قال: فقال: ماسنة أوتر رسول اللّٰه صلى عليه وسلم وأوتر المسلمون، قال: لا، أسنة هو؟ فقال له: أتعقل، أوتر رسول صلى اللّٰه عليه وسلم وأوتر المسلمون. (مصنف ابن أبی شيبة، باب من قال الوتر سنة: ۴/ ۴۹۸، رقم الحديث: ۶۹۲۱، انیس)

(۲) اور یہ تین رکعت وتر دو قعدوں اور ایک سلام سے ہیں، دو سلام، یا ایک قعدہ سے نہیں ہیں۔

یہ دو مسئلہ ہیں، جن کا مجیب مجتہد حنفیہ پر الزام رکھتے ہوئے انکار کرتے ہیں، حالاں کہ اقرب الی الروایات بلاشبہ حنفیہ کا مذہب ہے، اس میں شک نہیں کہ بعض روایات ایسی بھی ہیں، جن سے بادی النظر میں وتر کا ایک رکعت ہونا بھی ثابت ہوتا ہے، چناں چہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک روایت: **"أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: "الوتر رکعة من اٰخر اللیل".** (رواہ النسائی)(۱)

اور ابوایوب انصاریؓ کی روایت: **"الوتر حق علٰی کل مسلم فمن أحب أن یوتر بخمس فلیفعل ومن أحب أن یوتر بثلاث فلیفعل ومن أحب أن یوتر بواحدة فلیفعل".** (۲)

اور ابن ماجہ کی روایت: **"سئل ابن عمر رجل فقال: "کیف أوتر؟ قال: "أوتر بواحدة، قال أخشی أن یقول الناس البتیراء، فقال: سنة اللّٰہ ورسوله یرید هٰذہ سنة اللّٰہ ورسوله".** (۳)

یہ تین روایتیں ہیں، جن کو مجیب صاحب نے وتر کی کم ازکم ایک رکعت ہونے کے استدلال میں پیش کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ وتر کی ایک رکعت بھی ہو سکتے ہیں، حالاں کہ ان میں سے ابوایوب انصاریؓ کی روایت تو موقوف ہے، **کما صرح به الحافظ فی التلخیص وصحح أبوحاتم والزیلعی والدارقطنی فی العلل والبیهقی وغیر واحد وهو الصواب.**

غرض کہ اس حدیث کا رفع معلول ہے، موقوف ہونا صواب ہے۔ رہی ابن ماجہ اور نسائی کی روایت، ان کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ ایک رکعت بلا تقدیم شفعہ کے وتر ہے؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صلوٰۃ لیل اور تہجد پڑھتا ہو،

---

(۱) مشکوۃ عن مسلم، باب الوتر، ص: ۱۱۱

عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: الوتر رکعة من آخر اللیل. (سنن النسائی، باب کم الوتر: ۲۴۷/۱، رقم الحدیث: ۱۶۸۹/الصحیح لمسلم، باب صلاۃ اللیل مثنی مثنی والوتر رکعة من آخر اللیل ،رقم الحدیث: ۷۵۲، انیس)

(۲) مشکوۃ، باب الوتر، فصل ثانی: ص۱۱۲، ظفیر)

عن أبی أیوب الأنصاری رضی اللّٰہ عنه قال: قال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم: الوتر حق واجب علٰی کل مسلم فمن أحب أن یوتر بخمس فلیفعل ومن أحب أن یوتر بثلاث فلیفعل ومن أحب أن یوتر بواحدة فلیفعل. {رواہ الأربعة وآخرون}(آثار السنن، ص: ۱۶۰، رقم الحدیث: ۵۹۹/سنن أبی داؤد، باب کم الوتر: ۲۰۱/۱، انیس)

(۳) سنن ابن ماجة، باب ماجاء فی الوتر برکعة: ۸۳/۱، ظفیر (حدثنا المطلب بن عبداللّٰہ قال: سأل ابن عمر رجل فقال: کیف أوتر؟ قال: أوتر بواحدة، قال: أخشٰی أن یقول الناس البتیراء، فقال: سنة اللّٰہ ورسوله یرید هٰذہ سنة اللّٰہ ورسوله. (سنن ابن ماجة، باب ماجاء فی الوتر برکعة، رقم الحدیث: ۱۱۷۶، انیس)

اس کے حق میں وتر اخیر کی رکعت ہے؛ کیوں کہ اس ایک رکعت کے ملانے سے اس کا آخری شفعہ وتر بن گیا، یہ نہیں ہوا کہ صرف ایک رکعت وتر بن گئی، چناں چہ اس مقصد کی تائید ابن عمرؓ کی دوسری روایت سے جو بخاری میں ہے:

”قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم:” فإذا خشی أحدکم الصبح صلی رکعة واحدة توتر لہ ما قد صلّٰی“. انتھٰی مختصرًا. (۱) سے ہوتی ہے اور خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی یہ مذہب نہ تھا کہ صرف ایک رکعت وتر ہے؛ بلکہ ان کے نزدیک تین رکعت وتر کو مفصولاً بدو قعدہ وبدو سلام پڑھنا جائز تھا، چناں چہ طحاویؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ وتر تین رکعت پڑھا کرتے تھے، ان روایتوں کا تو یہ حال تھا۔

باقی بکثرت روایات صحیحہ ایسی ہیں، جن سے وتر کا تین ہی رکعت ہونا ثابت ہے۔

وفی الطحاوی روایات کثیرة تدل علٰی أن إجماع المسلمین علٰی أن الوتر ثلٰث.

اور تراویح عہد عمرؓ سے یہی ثابت ہوتا ہے، آپ کے اطمینان کے لیے ایسی روایتیں ذکر کرتا ہوں، جن سے بالتصریح وتر کا تین رکعت ہونا معلوم ہوتا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے:

عن أبی سلمة بن عبدالرحمن أخبرہ أنہ سئل عائشة کیف کانت صلوٰة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی رمضان؟فقالت:ماکان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولافی غیرہ علٰی إحدٰی عشرة رکعة یصلی أربعاً فلا تسئل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی أربعاً فلا تسئل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی ثلاثاً،قالت عائشة:فقلت یارسول اللّٰہ!أتنام قبل أن توتر؟ فقال: یاعائشة! إن عینی تنامان ولاینام قلبی. (۲)

اور صحیح مسلم میں ہے:

عن ابن عباس أنہ رقد عند رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاستیقظ فتسوک وتوضأ

---

(۱) عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما أن رجلاً سأل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال:صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلاة اللیل مثنٰی مثنٰی فإذا خشی أحدکم الصبح صلی رکعة واحدة توتر لہ ما قد صلٰی .{رواہ الجماعة}(آثار السنن، باب الوتر برکعة،ص:۱۵۹،رقم الحدیث:۵۹۵،انیس)

عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما أن رجلاًسأل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن صلاة اللیل فقال رسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم: صلاة اللیل مثنٰی مثنٰی فإذا خشی أحدکم الصبح صلٰی رکعة واحدة توتر لہ ما قد صلٰی.(صحیح البخاری،باب ما جاء فی الوتر:۱/ ۱۳۵،انیس)

(۲) صحیح البخاری،باب قیام النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ:۱/۱۵۴/(ھٰکذا فی الصحیح لمسلم،باب صلاة اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی اللیل: ۱/ ۲۵۴/وبلفظہ فی آثارالسنن، باب الوتر بثلاث رکعات،ص:۱۶۲،رقم الحدیث۶۰۷،ط:دیوبند،انیس

وھو یقول:" إن فی خلق السمٰوات والأرض واختلاف اللیل والنهار لأیات لأولی الألباب... حتٰی ختم السورة ثم قام فصلی رکعتین فأطال فیهما القیام والرکوع و السجود ثم انصرف فنام حتی نفخ ثم فعل ذلک ثلٰث مرات ست رکعات کل ذلک یستاک ویتوضأویقرأ هؤلاء الأیات ثم أوتربثلاث.(۱)

اورابوداؤد کےسواسنن کی تمام کتابوں میں ہے:

عن سعید بن جبیرعن ابن عباس أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم کان یوتربسبح اسم ربک الأعلٰی وقل یا أیها الکافرون و قل هواللّٰہ أحد.{إسناده حسن}(۲)

اورترمذی کےسواسنن کی تمام کتابوں میں ہے:

وعن أبی بن کعب قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یوتربسبح اسم ربک الأعلٰی وقل یا أیها الکافرون وقل هواللّٰہ أحد.{إسناده صحیح}(۳)

وعن عبدالرحمن بن أبزٰی أنه صلی مع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم الوترفقرأ فی الأولٰی بسبح اسم ربک الأعلٰی وفی الثانیة قل یا أیها الکافرون وفی الثالثة قل هواللّٰہ أحد فلما فرغ قال سبحان الملک القدوس ثلٰثاً یمد صوته بالثالثة. {رواه الطحاوی وأحمد والنسائی وإسناده حسن، کما صرح به الحافظ فی التلخیص}(۴)

---

(۱) الصحیح لمسلم،باب صلاة النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ودعائه باللیل: ۲۶۱/۱/مشکٰوة،باب صلاة اللیل، ص:۱۰۶/ وبلفظه فی آثارالسنن،باب الوتربثلاث رکعات،ص:۱۶۲،رقم الحدیث:۶۰۸،ط:دیوبند،انیس)

(۲) عمدة القاری،أبواب الوتر:۴۰۵/۳،ظفیر)(سنن النسائی،باب ذکر الاختلاف علٰی أبی إسحاق فی حدیث سعید بن جبیر عن ابن عباس فی الوتر:۲۴۹/۱،انیس)

عن سعید بن جبیرعن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم کان یوتربسبح اسم ربک الأعلٰی وقل یا أیها الکافرون وقل هواللّٰہ أحد. {رواه الخمسة إلا أباداؤد،إسناده حسن}(آثارالسنن،ص:۱۶۲، رقم الحدیث:۶۰۹،ط:دیوبند،انیس

(۳) عمدة القاری،أبواب الوتر:۴۰۵/۳/وبلفظه فی آثارالسنن،باب الوتربثلاث رکعات،ص:۱۶۲،رقم الحدیث:۶۱۰،ط:دیوبند/سنن النسائی،باب ذکر اختلاف ألفاظ الناقلین لخبر أبی کعب فی الوتر: ۲۴۸/۱/سنن أبی داؤد،باب ما یقرأ فی الوتر:۲۰۱/۱،انیس)

(۴) سنن النسائی،کیف الوتربثلٰث: ۲۴۸/۱/ونصب الرأیة: ۱۱۹/۲،ظفیر/وبلفظه فی آثارالسنن، باب الوتربثلاث رکعات،ص:۱۶۳،رقم الحدیث:۶۱۲،ط:دیوبند،انیس

عن عبد الرحمن بن أبزٰی عن أبیه:أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم کان یوتر بسبح اسم ربک الأعلٰی وقل یاأیها الکافرون وقل هواللّٰہ أحد ویقول فی آخرصلاته إذا جلس سبحان الملک القدوس ثلاثاً یمد بها صوته فی الآخرة.(مصنف ابن أبی شیبة،باب فی الوتر ما یقرأفیه:۵۱۰/۴،رقم الحدیث:۶۹۴۴،انیس) ==

ان روایات کے علاوہ اور بھی کثرت سے روایتیں ہیں، جن کو بخوف تطویل ترک کرتا ہوں اگر ضرورت سمجھی گئی تو آئندہ ان شاء اللہ تعالیٰ ذکر کروں گا۔

کے بعد میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ ان روایات صحیحہ کے برخلاف ابن ماجہ اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روایت کو جو دراصل ان کا فتویٰ معلوم ہوتا ہے مرفوع روایت نہیں، معمول بہا بنانا اور جزماً یہ کہنا کہ ایک رکعت بھی وتر ہے، کیا یہ تعجب نہیں ہے۔ روایات صحیحہ کو چھوڑ کر ایک موقوف روایت کے باعث جو درحقیقت حضرت ابوایوب انصاریؓ کا فتویٰ ہے کوئی جری ناعاقبت اندیش ہی ایسا کہہ سکتا ہے کہ ایک رکعت بھی وتر ہے، مجتہد کوئی کبھی ایسا نہیں کہہ سکتا۔

الحاصل وتر کے ایک رکعت نہ ہونے اور تین رکعت ہونے میں تو کچھ شبہ ہی نہیں، اگر گنجائش ہے تو اس میں ہے کہ یہ تین رکعت وتر دو قعدوں اور دو سلام سے ہیں، یا صرف ایک قعدہ اور ایک سلام سے۔

حنفیہ ان دونوں صورتوں کے سوا تیسری صورت اختیار کرتے ہیں، دو قعدوں اور ایک سلام سے وتر پڑھنے کا حکم دیتے ہیں اور یہ نہیں کہ محض تعصب سے ایسا کیا جا رہا ہے؛ بلکہ ہمارے پاس اس پر دلائل موجود ہیں۔

صحیح مسلم، صفحہ: ۲۵۶، میں ہے:

ولفظه مختصرًا: ويصلي تسع ركعات لايجلس فيها إلا في الثامنة فيذكر الله ويحمده ويدعوه ثم ينهض ولايسلم فيصلي التاسعة ثم يقعد فيذكر الله ويحمده و يدعوه ثم يسلم تسليماً يسمعنا. (الحديث)(۱)

شیخ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں: اگر چہ اس روایت سے یہ ایہام ہوتا ہے کہ نو رکعت دو قعدوں اور ایک سلام سے

== وعن عبدالرحمن بن أبزیٰ عن أبيه عن أبی بن كعب أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يوتر بثلاث ركعات كان يقرأ في الأولىٰ بسبح اسم ربك الأعلىٰ وفي الثانية بقل يا أيها الكافرون وفي الثالثة بقل هو الله أحد ويقنت قبل الركوع فإذا فرغ قال عند فراغه سبحان الملك القدوس ثلٰث مرات يطيل في آخرهن. سنن نسائی، باب كيف الوتر بثلاث، ذكر اختلاف ألفاظ الناقلين لخبر أبی بن كعب في الوتر: ۲۴۸/۱، انیس)

(۱) الصحيح لمسلم، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي صلى الله عليه وسلم في الليل وإن الوتر ركعة وإن الركعة صلاة صحيحة: ۲۵۶/۱، انیس

عن سعد بن هشام قال: انطلقت إلىٰ عائشة رضي الله عنها فقلت: يا أم المؤمنين أنبئني عن وتر رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فقالت: كنا نعدله سواكه وطهوره فيبعثه الله ما شاء أن يبعثه من الليل فيتسوك ويتوضأ ويصلي تسع ركعات لايجلس فيها إلا في الثامنة فيذكر الله ويحمده ويدعوه ثم يسلم تسليماً ...لم يصلي ركعتين بعد ما سلم وهو قاعد فتلك إحدىٰ عشرة ركعة يا بني فلما أمن النبي صلى الله عليه وسلم وأخذه ...أوتر بسبع وضع في الركعتين مثل صيغه الأول فتلك تسع يا بني. {رواه مسلم}(آثار السنن، باب الوتر بخمس أو أكثر من ذلك، ص: ۱۵۸، رقم الحديث: ۵۹۰، انیس)

پڑھی گئی، شروع کی سات رکعت میں آپ نے کہیں قعدہ نہیں کیا؛ مگر درحقیقت یہ بات نہیں، حضرت عائشہؓ نے صلوٰۃ لیل کے قعدوں کا ذکر نہیں فرمایا؛ بلکہ وتر کے پہلے قعدے کا ذکر فرماتے ہوئے تین رکعت وتر کا بدوقعدہ اور ایک سلام ثبوت دیتی ہیں، (۱) اتنا فرما کر شیخ بدرالدین عینیؒ ساکت ہوگئے، اس کا ثبوت نہیں دیا کہ فی الواقع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہی مطلب ہے کہ نبی علیہ السلام نے وتر کی دوسری رکعت میں جو مجموعۂ رکعات کے اعتبار سے آٹھویں ہوتی ہے، قعدہ کیا اور سلام نہ دینے پائے تھے کہ کھڑے ہوکر تیسری رکعت ملاکر قعدہ اخیرہ کے بعد سلام دیا، اس کی دلیل نسائی میں ہے، یہی روایت متناً وسنداً نسائی لائے ہیں:

حدثنا سعید عن قتادة عن زرارة بن أوفٰی عن سعد بن هشام أن عائشة حدثته أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان لایسلم فی رکعتی الوتر. (سنن النسائی، باب کیف الوتر بثلٰث: ۲٤۸/۱) (۲)

پس معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ مطمح نظر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھتے وقت دو رکعت پر قعدہ فرماتے تھے اور سلام تیسری رکعت پوری کرنے کے بعد دیتے تھے، یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور حنفیہ کی حجت ہے؛ لیکن حافظ مجدالدین ابوالبرکات ابن تیمیہؒ نے منتقیٰ میں اسی روایت کے نقل کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ امام احمدؒ نے اس کی تضعیف کی ہے؛ حالاں کہ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ یہ روایت دوسندوں سے مروی ہے، امام موصوف جس سند کے ساتھ مسند احمد میں لائے ہیں، بلاشبہ وہ سند ضعیف ہے، امام احمدؒ نے حدیث کی تضعیف نہیں کی، سند کی کی ہے؛ کیوں کہ تخریج زیلعی میں جہر بالتسمیہ کے موقع میں خود امام احمدؒ سے رکعات وتر میں جواز وصل مروی ہے، پس لامحالہ امام احمدؒ نے مسند احمد کے طریق کی تضعیف کی ہے؛ کیوں کہ اس میں یزید بن یعفر ہے: **وهو ضعیف.**

غرض کہ سنن نسائی کی روایت میں کوئی کلام نہیں، وہ صحیح الاسناد ہے۔ مستدرک حاکم میں ایک روایت ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"أن عائشة أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یوتر بثلاث لایقعد إلا فی اٰخرهن". (۳)

حافظؒ نے اور تقلیداً ہمارے مجیب صاحب نے اس روایت سے قعدۂ اولیٰ کی نفی کی ہے، حالاں کہ حافظ جمال الدین

---

(۱) عمدة القاری، ابواب الوتر: ٤٠٤/۳، ظفیر

(۲) عن سعد بن هشام أن عائشة رضی اللّٰه عنها حدثته أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان لایسلم فی رکعتی الوتر. {رواه النسائی وآخرون وإسناده صحیح} (آثار السنن، رقم الحدیث: ٦١۳، ص: ١٦۳، انیس)

(۳) عمدة القاری، أبواب الوتر: ٤٠٤/۳، ظفیر

عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یوتر بثلاث لایقعد إلا فی آخرهن وهٰذا وتر أمیر المؤمنین عمر بن الخطاب وعنه أخذه أهل المدینة. {رواه الحاکم فی المستدرک وهو غیر محفوظ} (آثار السنن، باب من قال أن الوتر بثلاث إنما یصلی بتشهد واحد، ص: ١٦٦، رقم الحدیث: ٦٢٦، ط: دیوبند، انیس)

زیلعیؒ نے تخریج میں تصریح کی ہے کہ مستدرک حاکم میں یہ روایت بایں الفاظ وارد ہے:

"یوتر بثلاث لایسلم إلا فی آخرهن". (۱)

زیلعی اپنی نقل میں ثقہ ہیں، مستدرک کے نسخہ میں یہ لفظ ضرور ہوں گے اور مسند احمد کی روایت ضعیف ہی سہی؛ مگر اس کے لفظ یہ ہیں: "یوتر بثلاث لایفصل بینهن". (۲)

اور نسائی میں ہے:

عن أبی بن کعب نحوه ولفظه یوتر بسبح اسم ربک الأعلٰی وقل یا أیها الکافرون وقل هو اللّٰه أحد ولایسلم إلا فی اٰخرهن. (۳)

یہ روایتیں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت: "**أن عائشة أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یوتر بثلاث لایقعد إلا فی آخرهن**" (۴) کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم وتر تین رکعت پڑھتے تھے اور ایسا قعدہ جس میں سلام دیا جاوے، اخیر میں کرتے تھے۔ اب تم ہی انصاف سے کہو کہ اس سے قعدۂ اولیٰ کی نفی کس طرح نکلی۔

اس روایت کے سوا ایک اور روایت ہے:

کما فی الطحاوی، ص: ۱۷۲: عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه

(۱) عمدة القاری، أبواب الوتر: ۴۰۴/۳، ظفیر (المستدرک للحاکم، عن سعد بن هشام عن عائشة: ۴۴۷/۱، رقم الحدیث: ۱۱۴۰، دار الکتب العلمیة بیروت میں مذکورہ حدیث اسی طرح ہے۔ انیس)

(۲) عن عائشة رضی اللّٰه عنها أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان إذا صلی العشاء ودخل المنزل ثم صلٰی رکعتین ثم صلٰی بعدهما رکعتین أطول منهما ثم أوتر بثلاث لایفصل بینهن. {رواه احمد لإسناد یعتبر به} (آثار السنن، باب الوتر بثلاث رکعات، ص: ۱۶۳، رقم الحدیث: ۶۱۴، دیوبند، انیس)

(۳) عمدة القاری، أبواب الوتر: ۴۰۵/۳، ظفیر

عن أبی بن کعب رضی اللّٰه عنه قال کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یوتر بسبح اسم ربک الأعلٰی وقل یا أیها الکافرون وقل هو اللّٰه أحد ولایسلم إلا فی آخرهن ویقول بعد التسلیم سبحان الملک القدوس ثلاثاً. {رواه النسائی وإسناده حسن} (آثار السنن، باب الوتر بثلاث رکعات، ص: ۱۶۳، رقم الحدیث: ۶۱۱/سنن النسائی، باب کیف الوتر بثلاث: ۲۴۸/۱، انیس)

(۴) عمدة القاری، أبواب الوتر: ۴۰۴/۳، ظفیر

عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یوتر بثلاث لایقعد إلا فی آخرهن وهٰذا وتر أمیر المؤمنین عمر بن الخطاب وعنه أخذه أهل المدینة. {رواه الحاکم فی المستدرک وهو غیر محفوظ} (آثار السنن، باب من قال أن الوتر بثلاث إنما یصلی بتشهد واحد، ص: ۱۶۶، رقم الحدیث: ۶۲۶، ط: دیوبند، انیس)

وسلم قال: ''لاتوتروا بثلٰث وأوتروا بخمس أوبسبع أوبتسع ولاتشبهوا بصلاة المغرب''. (۱)

حافظؒ اس روایت سے قعدۂ اولیٰ کی نفی پر استدلال کرتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ تین رکعت وتر ایسی طرح پڑھنے سے جس میں صلوٰۃ مغرب سے مشابہت ہوجائے، مثلاً دوقعدوں اور ایک سلام سے پڑھنے کی ممانعت کی گئی ہے، ایک قعدہ اور ایک سلام سے یہ مشابہت نہیں رہتی؛ اس لیے حدیث سے قعدۂ اولیٰ کی نفی اور قعدۂ ثانیہ کا ثبوت ہوتا ہے، ہمیں سخت تعجب ہے کہ قعدۂ اولیٰ کی نفی پر ایسا استدلال کیوں کیا گیا ہے، حدیث کے جملہ ثانیہ کو کیوں نہیں دیکھا، جس سے بالتصریح معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مجرد تین رکعت مت پڑھو، جس سے صلوٰۃ مغرب سے مشابہت ہوجائے؛ بلکہ پانچ، یا سات، یا نو رکعت پڑھا کرو اور وتر کے ساتھ شفع اس سے پہلے ملالیا کرو؛ تاکہ صلوٰۃ مغرب سے مشابہت نہ رہے۔

ترمذی میں ہے:

''عن ثابت البناني قال: قال أنس: يا أبا محمد! خذ عني، فإني أخذت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وأخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الله ولن تأخذ عن أحد أوثق مني قال: ثم صلى بي العشاء ثم صلى ست ركعات يسلم بين الركعتين، ثم أوتربثلاث، يسلم في آخرهن''. {رواه الترمذي سنده وترك متنه. وهذا المتن بعينه بهٰذا اللفظ في كنز العمال، المجلد الرابع، ص: ۱۹۶، في الأفعال لا في الأقوال وأحال على الروباني وابن عساكر وقال: رجاله ثقات} (۲)

یہ روایت بھی حنفیہ کی حجت ہے، اس سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ وتر تین رکعت ہیں اور یہ تین رکعت دوقعدوں اور ایک سلام سے پڑھی جاتی تھیں، روایت مرفوعہ اور بھی بہت ہیں جن سے تین رکعت ہونا وتر کا بدوقاعدہ اور ایک سلام معلوم ہوتا ہے، اس وقت اتنے ہی حصہ پر اکتفا کرتا ہوں اور آثار میں بکثرت ایسے ہیں، جن سے وتر کا تین رکعت بدوسلام ثابت ہوتا ہے اور ایسے بھی جن سے وتر کا تین رکعت ہونا بدوقعدہ ایک سلام معلوم ہوتا ہے۔ حنفیہ کے

---

(۱) شرح معاني الآثار، باب الوتر، رقم الحديث: ۱۷۳۸، انيس

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لاتوتروا بثلاث أوتروا بخمس أو بسبع ولا تشبهو لصلاة المغرب. {رواه الدارقطني والحاكم والبيهقي وقال الحافظ إسناده علىٰ شرط الشيخين} (آثار السنن، رقم الحديث: ۵۹۱، ص: ۱۵۸، ط: ديوبند، انيس)

(۲) عن ثابت عن أنس قال: قال أنس: ياأبامحمد، خذ مني فإني أخذت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وأخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الله ولن تأخذ أن أحد أوثق مني قال: ثم صلىٰ بي العشاء ثم صلىٰ ست ركعات يسلم بين الركعتين ثم أوتربثلاث يسلم في آخرهن. {رواه الروياني وابن عساكرورجاله ثقات} (إعلاء السنن، ۶/۴۹-۵۰، رقم الحديث: ۱۶۷۸ ط: ديوبند، انيس)

یہاں روایات مذکورہ بالا کی بنا پر ثانی رجح ہے اور ایک رکعت وتر ہونا سوائے سعد بن ابی وقاص ومعاویہ بن ابوسفیان اور ذوالنورین کے اور کسی صحابی سے ثابت نہیں ہے، اگر حافظ اس کو جماعت قرار دیتے ہیں تو حافظ کا فرمانا: ''**وصح عن جماعة من الصحابة أنهم أوتروا بواحدة من غير تقدم نفل قبلها**'' درست ہے، تین پر جماعت کا اطلاق کیا جا سکتا ہے؛ لیکن یہ حنفیہ کو مضر نہیں؛ کیوں کہ حنفیہ جس امر کے قائل ہیں، اس کی تائید میں جم غفیر صحابہ سے آثار مروی ہیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

'' **حدثنا حفص بن عمرو عن الحسن أنه قال: أجمع المسلمون علىٰ أن الوتر ثلٰثة لا يسلم إلا في آخرهن. وفيه عمرو بن عبيد وهو معتزلي**''.(۱)

عینی میں ہے:

''**ولمن قال يوتر بثلٰث لا يفصل بينهن عمر وعلي وابن مسعود و حذيفة وأبي بن كعب وابن عباس وأنس وأبو أمامة وعمر بن عبدالعزيز والفقهاء السبعة وأهل الكوفة وقال الترمذي: ذهب جماعة من الصحابة وغيرهم إليه**''، آه.(۲)

جب ترمذی کی تصریح سے صحابہؓ کا ایک عدد(۳) حنفیہ کے موافق معلوم ہوتا ہے تو اب حافظ کی تصریح سے ہمارے مجیب صاحب کو خوش نہ ہونا چاہیے، حافظ صاحب جس کو جماعت کہہ رہے ہیں، اس سے دس گنا حنفیہ کی طرف صحابہؓ کا عدد موافق ہے اور طرفہ یہ کہ اجلہ صحابہ حنفیہ کے موافق ہیں۔

''**قيل للحسن أن ابن عمر كان يسلم في الركعتين الأوليين من الوتر، فقال: كان عمر أفقه منه وكان ينهض في الثانية بالتكبير**''.(۴)

ان اشیا کی نگہداشت کے بعد کوئی متعصب معاند ہی کہہ سکتا ہے کہ ابوحنیفہؒ کا مذہب روایات کے خلاف ہے،

---

(۱) عمدة القاري، أبواب الوتر: ۴۰۵/۳، ظفیر

عن حفص عن عمرو عن الحسن قال: أجمع المسلمون علىٰ أن الوتر بثلاث لا يسلم إلا في آخرهن. {أخرجه ابن أبي شيبة}(إعلاء السنن: ۵۰/۶، رقم الحديث: ۱۶۷۹، انيس)

عن الحسن قال: أجمع المسلمون علىٰ أن الوتر ثلاث لا يسلم إلا في آخرهن. (مصنف ابن أبي شيبة، باب من كان يوتر بثلاث أو أكثر: ۴۹۲/۴، رقم الحديث: ۶۹۰۴، انيس)

(۲) عمدة القاري، أبواب الوتر: ۳۵۴/۱۰، دار إحياء التراث العربي بيروت، انيس

(۳) مراد ایک بڑی جماعت ہے۔ ظفیر

(۴) نصب الرأية، باب صلاة الوتر: ۱۱۵/۲، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت، انيس

غیر متعصب فہیم کبھی ایسا نہیں کہہ سکتا؛ بلکہ جتنی بھی تحقیق وتفتیش کی جائے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب اقرب الی الروایات معلوم ہوتا ہے۔

(۳)　یہ جزو مجمل رکھا گیا ہے، تشریح طلب ہے، معلوم نہیں قنوت سے کیا مراد لیا ہے، اگر قنوت نازلہ ہے تو حنفیہ بھی کہتے ہیں کہ بعد الرکوع پڑھنا چاہئے اور اگر قنوت وتر مراد ہے تب یہ کہنا صحیح نہیں کہ بعد الرکوع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وتر میں قنوت پڑھنا ثابت ہے، کیونکہ جن روایتوں میں قنوت بعد الرکوع پڑھنا ثابت ہوتا ہے ان کا صحیح محمل یہ ہے کہ وہ قنوت نازلہ کا حکم ہے۔

البحر الرائق (۱) میں ہے:

”وقنت فی ثالثة قبل الركوع أبدًا، لما أخرجه النسائی عن أبی بن كعب أنه عليه السلام كان يقنت قبل الركوع“. (۲) وما فی حديث أنس أنه عليه السلام قنت بعد الركوع، (۳) فالمراد منه أن ذلک كان منه شهرًا فقط بدليل ما فی الصحيح عن عاصم الأحول سألت أنسًا عن القنوت فی الصلاة؟ قال: نعم، قلت: أكان قبل الركوع أو بعده؟ قال: قبله، قلت: فإن فلاناً أخبرنی عنک أنک قلت بعده؟ قال: كذب إنما قنت رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم بعد الركوع شهرًا. (۴)

پس معلوم ہوا کہ وتر میں قنوت قبل الرکوع پڑھنا چاہیے، باقی قنوت نازلہ اس میں قبل الرکوع اور بعد الرکوع دونوں طرح کے اقوال ہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

”وهو صريح فی أن قنوت النازلة عندنا مختص بصلاة الفجر دون غيرها من الصلوات الجهرية والسرية ... وهل القنوت هنا قبل الركوع أو بعده لم أره والذی يظهر لی ... أنه يقنت

---

(۱)　البحر الرائق: ۲/ ۷۰-۷۱، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

(۲)　سنن نسائی، باب كيف الوتر بثلاث: ۱/ ۲۴۸، انيس

عن أبی بن كعب رضی اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم كان يوتر فيقنت قبل الركوع. {رواه ابن ماجة و النسائی وإسناده صحيح} (آثار السنن، باب قنوت الوتر قبل الركوع، ص: ۱۶۸، رقم الحديث: ۶۳۰، انيس)

(۳)　عن محمد بن سيرين قال سئل أنس بن مالک أقنت النبی صلی اللّٰه عليه وسلم فی الصبح قال: نعم، فقيل: أوقنت قبل الركوع؟ قال: بعد الركوع يسيراً. (صحيح البخاری، باب القنوت قبل الركوع وبعده: ۱/ ۱۳۶، انيس)

عن عبد العزيز قال: سأل رجل أنسا رضی اللّٰه عنه عن القنوت بعد الركوع أو عند فراغه من القراءة قال: بل عند فراغ من القراءة. {رواه البخاری} (آثار السنن، باب قنوت الوتر قبل الركوع، ص: ۱۶۸، رقم الحديث: ۶۲۹، انيس)

(۴)　صحيح البخاری، باب القنوت قبل الركوع وبعده: ۱/ ۱۳۶/ وبلفظه فی آثار السنن، باب قنوت الوتر قبل الركوع، ص: ۱۶۷، رقم الحديث: ۶۲۸، انيس

بعد الركوع لا قبله بدليل أن ما استدل به الشافعي علىٰ قنوت الفجر ،وفيه التصريح بالقنوت بعد الركوع حمله علمائنا على القنوت للنازلة ثم رأيت الشرنبلالي في مراقي الفلاح صرح بأنه بعده واستظهر الحموي أنه قبله والأظهر ما قلناه والله أعلم". (۱)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اس کے کہ قنوت نازلہ میں دو قول ہیں قبل الرکوع اور بعد الرکوع دونوں طرح پڑھنے کا مشائخ حنفیہ حکم لگاتے ہیں؛ مگر راجح یہ ہے کہ قنوت نازلہ بعد الرکوع پڑھی جائے۔ فقط

محمد مشیت اللہ الدیوبندی۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۶۸/۴-۱۶۹)

وتر پڑھی؛ مگر نیت سنت کی کی تو کیا حکم ہے:

سوال: بعد تراویح جب وتر پڑھنے کھڑے ہوئے تو ایک شخص نے بھول کر سنت کی نیت کر کے وتر پڑھی؛ مگر دعاء قنوت کے وقت اس کو وتر کا خیال آیا، اس صورت میں وتر ہوگئی، یا نہیں؟

الجواب

اس کی وتر ہوگئی۔ (۲) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۵۲/۴)

وتر کے لیے ایک رکعت کی نیت ہوگی، یا تین رکعت کی:

سوال: وتر کی ایک رکعت کی نیت کی جائے، یا تین کی؟

الجواب

شریعت میں تین وتر ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ صرف ایک رکعت پڑھنا جائز نہیں ہے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ (۳) واللہ اعلم (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:: ۱۵۹/۴-۱۶۰)

سنت عشا کی نیت سے وتر:

سوال: عشا کی دو رکعت سنت کی نیت کی؛ مگر روانی میں تین رکعت واجب الوتر ادا کر دی تو اس صورت میں کیا کرنا ہوگا؟ (سید فاطمہ، ناندیڑ)

---

(۱) رد المحتار: ۴۴۹/۲، دار الكتب العلمية، بيروت، انيس

(۲) ولاعبرة بنية متأخرة عنها على المذهب، وجوزه الكرخي أي الركوع وكفى مطلق نية الصلاة وإن لم يقل لله لنفل وسنة راتبة. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب شروط الصلوٰة، مطلب في النية: ۳۸۷/۱-۳۸۸، ظفير)

(۳) وهو أي الوتر ثلاث ركعات بتسليمة كالمغرب حتىٰ لونسي القعود لا يعود ولوعاد ينبغي الفساد. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۶۲۲/۱، ظفير)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

جب سلام پھیرنے کے بعد اس صورت حال پر متنبہ ہوا اور سجدۂ سہو نہیں کر سکا تو عشا کی سنت ادا نہ ہوئی اور نیت نہ ہونے کی وجہ سے وتر بھی ادا نہ ہوئی، دوبارہ سنتِ عشا اور وتر کی نماز ادا کرنی چاہیے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۳۴۲)

وتر کی نماز میں مخصوص سورتوں کی تعیین کا حکم:

سوال (۱) نماز وتر میں سورۂ قدر و کافرون و اخلاص واسطے مرض بواسیر کے مجرب بتلاتے ہیں، اگر اس کو التزام کے ساتھ پڑھا جاوے تو کوئی قباحت تو نہیں؟

(۲)　دانتوں کی پائیداری کے واسطے وتروں میں: سورۂ نصر و لھب و اخلاص کا پڑھنا مجرب بتلاتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

(عن کلا السوالین)

اس میں منشاء سوال یہ ہے کہ طاعت مقصودہ کو ذریعہ بنایا گیا، غرض دنیوی کا، سو، اس میں تفصیل یہ ہے کہ یہ ذریعہ بنانا دو قسم ہے: ایک بلا واسطہ، جیسے عاملوں کا طریقہ ہے کہ ادعیۂ و کلمات سے خاص اغراض مقاصد دنیویہ ہی ہوتے ہیں اور دوسری قسم بواسطہ برکت دینیہ کے کہ طاعات سے اولا برکت دینیہ مقصود ہوتی ہے، پھر اس برکت دینیہ کو مؤثر اغراض دنیویہ میں سمجھا جاتا ہے، احادیث میں جو قربات اور طاعات خاصہ کی بعض خاصیتیں از قبیل اغراض دنیویہ وارد ہیں، وہ اس دوسری قسم سے ہیں، جیسے سورۂ واقعہ کی خاصیت آئی ہے کہ لم تصبہ فاقة اور یہ دنیوی خاصیتیں جس طرح وحی سے معلوم ہوتی ہیں، کبھی الہام سے بھی معلوم ہوتی ہیں، پس عمل مذکورہ فی السوال بطریق (۱) اول نماز کی وضع کے خلاف ہے او بطریق ثانی کچھ حرج نہیں۔

۱۶/رمضان المبارک ۱۳۴۵ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۵۱۸) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۴۵۳)

وتر میں سورتوں کی تعیین:

سوال: بعض حفاظ وتر میں ہمیشہ ''إنا أنزلنا'' اور ''سورۃ کافرون'' اور آخری رکعت میں ''سورۃ اخلاص'' پڑھتے ہیں، حالانکہ ہمیشہ ایک صورت پڑھنے کو فقہا نے منع کیا ہے، کہاں تک درست ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

فقہا نے جو منع کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کہیں یہ خیال نہ ہو جائے کہ اس مخصوص سورت کے علاوہ دوسری سورت

---

(۱)　یعنی بطریق قسم اول۔ سعید

پڑھنے سے نماز درست نہیں ہوتی، یا اس کے عمل سے دوسروں کو اس کا خیال نہ ہو جائے؛ لیکن جس سورتوں کا کثرت سے پڑھنا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے ان کثرت سے پڑھنا اتباع سنت کی نیت سے درست ہے؛ بلکہ ثواب ہے، (۱) البتہ کبھی کبھی مصلحت بالا کی وجہ سے دوسری سورت بھی پڑھ لے۔

وتر میں ﴿سبح اسم ربک الاعلیٰ﴾، ﴿قل یأیها الکافرون﴾، ﴿قل هو اللّٰه﴾ کا پڑھنا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کتب احادیث میں مذکور ہے؛ مگر اس پر مداومت ثابت نہیں، لہٰذا اکثر ان سورتوں کا پڑھنا بہتر ہے، کذا فی الطحطاوی۔ (۲)

"إنا انزلنا" کا پڑھنا میں نے کسی روایت میں نہیں دیکھا۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۱/۱۱/۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ذی قعدہ/۱۳۶۱ھ۔

صحیح عبد اللطیف: مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ذی قعدہ/۱۳۶۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۶۰/۷)

وتر کی دوسری رکعت میں ﴿اذا جاء﴾ پڑھنا اور تیسری میں ﴿قل هو اللّٰه﴾:

سوال: اگر امام وتر کی نماز پڑھائے اور اس میں پہلی رکعت میں ﴿انا انزلنا﴾، دوسری میں ﴿اذا جاء﴾، تیسری میں ﴿قل هو اللّٰه أحد﴾ پڑھتا ہے تو نماز میں کسی قسم کی کراہت تو واقع نہیں ہوئی؟

(المستفتی: مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی)

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما قال: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: "یقرأ فی الوتر "بسبح اسم ربک الاعلیٰ" و "وقل یا أیها الکافرون" و "قل هو اللّٰه أحد" فی رکعة رکعة". (سنن الترمذی، أبواب صلاة الوتر، باب ماجاء ما یقرأ فی الوتر: ۱۰۶/۱، سعید)

عن ابن عباس رضی اللّٰه عنه قال: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقرأ فی الوتر بسبح اسم ربک الأعلیٰ و قل یا أیها الکافرون وقل هو اللّٰه أحد فی رکعة رکعة. {رواه الترمذی، وقال النووی فی الخلاصة: إسناده صحیح} (إعلاء السنن: ۴۱/۶، رقم الحدیث: ۱۶۵۹، انیس)

(۲) وفی مراقی الفلاح: "(ویقرأ) وجوباً (فی کل رکعة منه الفاتحة وسورة) لما روی انه علیه الصلاة و السلام قرأ فی الأولیٰ منه: أی بعد الفاتحة "بسبح اسم ربک الأعلیٰ" وفی الثانیة: "بقل یا أیها الکافرون" وفی الثالثة: " بقل هو اللّٰه أحد" وقنت قبل الرکوع". (حاشیة الطحطاوی، باب الوتر و أحکامه، ص: ۳۷۵، قدیمی)

(۳) قال العلامة الشامی: "والسنة السورة الثلاث: أی الأعلیٰ، والکافرون والأخلاص؛ لٰکن فی النهایة: أن التعیین یفضی إلیٰ اعتقاد بعض الناس أنه واجب، وهو لایجوز، فلو قرأ بما ورد به الآثار أحیاناً بلامواظبةٍ، یکون حسناً، بحر". (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ۶/۲، سعید)

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

درمیان میں صرف ﴿تبت﴾ چھوڑنا بہتر نہیں، خلاف اولیٰ ہے، دوسری میں ﴿تبت﴾ پڑھے اور تیسری میں ﴿قل هو الله احد﴾. (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۳/۳۸۸-۳۸۹)

رمضان کی وتر میں سورۂ قدر:

سوال: سورۂ ''انا انزلنا'' رمضان میں وتروں میں پڑھنا سنت ہے، یا نہیں؟ ایک صاحب کہتے ہیں کہ سنت ہے ، دوسرے صاحب کہتے ہیں کہ میں سنت اس کو نہیں مانتا، کیا حکم ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

سورۂ ''انا انزلنا'' کا وتر میں پڑھنا متعین طور پر احادیث سے ثابت نہیں، اور سورتوں کی طرح یہ بھی ایک سورت ہے، وتر میں پڑھنا بھی درست ہے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۱۶۱)

وتر کی دو رکعت پڑھ کر قعود کرے گا، یا نہیں:

سوال: وتر کی دو رکعت پڑھ کر التحیات کے واسطے بیٹھنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

بیٹھنا چاہیے، جیسا کہ کتب فقہ واحادیث سے ثابت ہے۔

درمختار میں ہے:

''وهو ثلٰث ركعات كالمغرب. (قوله كالمغرب): أفاد أنه أن القعدة الأولٰى واجبة إلخ. (رد المحتار، باب الوتر والنوافل) (۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۱۵۸)

---

(۱) ويكره تنزيهاً اجماعاً بثلاث آيات أن تتقارب طولاً وقصرًا والا اعتبر الحروف والكلمات ... ويكره الفصل سورة قصيرة وأن يقرأ منكوسًا، إلخ. (التنوير وشرحه، في القراءة: ۲/۵۴۴، ط: سعيد)

(۲) قال الله تعالٰى: ﴿فاقرؤوا ما تيسر من القرآن﴾ (سورة المزمل: ۲۰)

(قوله: ويكره التعيين، الخ) هٰذاه المسألة مفرعة علٰى ما قبلها؛ لأن الشارع إذا لم يعين عليه شيئاً تيسيراً عليه، كره له أن يعين وعلله في الهداية بقوله: لما فيه من هجر الباقي وإيهام التفصيل... وأيضاً في وتر البحر عن النهاية: أنه لاينبغي إن قرأ سورة متعينة علٰى الدوام لئلا يظن بعض الناس أنه واجب. (ردالمحتار، فصل في القراءة: ۱/۵۴۴، سعيد)

(۳) معلوم ہوا کہ دو رکعت کے بعد بیٹھنا واجب ہے۔ (ردالمحتار: ۱/۶۲۳، ظفیر)

دو قعدہ سے نمازِ وتر:

سوال: ہمارے یہاں نماز وتر مغرب کی نماز کی طرح ادا کی جاتی ہے، چوں کہ دونوں میں تین رکعتیں پڑھی جاتی ہیں؛ لیکن حال ہی میں میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ اگر وتر میں تین رکعتین ادا کی جائیں تو یہ مغرب کی طرح نہیں ہونا چاہیے، وتر میں دوسری رکعت کے بعد تشہد کے لیے بیٹھے بغیر تین رکعتیں مسلسل ادا کرنا چاہیے، براہ کرم وتر پڑھنے کا صحیح طریقہ بتائیں اور یہ بھی کہ کیا وتر میں دعاء قنوت پڑھنا ضروری ہے؟

(نظیر سہروردی، نانڈیر)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

حنفیہ کے نزدیک وتر کی نماز دو قعدوں کے ساتھ مغرب ہی کی طرح ادا کی جائے گی؛ چنانچہ ابوالعالیہؒ نماز وتر کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے ہمیں تعلیم دی کہ نماز وتر نماز مغرب کی طرح ہے، وتر رات کی وتر ہے، اور مغرب دن کی وتر ہے۔ (۱)

البتہ بعض فقہا کے نزدیک تین رکعت وتر اگر ایک سلام سے پڑھی جائے تو ایک ہی قعدہ کیا جائے گا، یہی رائے فقہاء حنابلہ کی ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳۳۲/۲۔۳۳۳)

وتر کا قعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے:

سوال: قعدۂ اولیٰ وتر کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے ثابت ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

قعدۂ اولیٰ وتر کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے ثابت ہے، جیسا کہ روایت نسائی میں ہے:

"عن سعد بن هشام أن عائشة رضی الله عنها حدثته أن رسول الله صلی الله علیه وسلم کان لایسلم فی رکعتی الوتر". (۲)

اور صحیح مسلم میں ہے:

"ویصلی تسع رکعات لایجلس فیها إلا فی الثامنة". (۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۵۹/۴)

---

(۱) فتح القدیر بحواله الطحطاوی: ۴۲۷/۱

(۲) سنن نسائی، باب کیف الوتر بثلاث: ۲۴۸/۱ وبلفظه فی آثار السنن، باب الوتر بثلاث رکعات، ص: ۱۶۳، رقم الحدیث: ۶۱۳، انیس

(۳) مسلم: ۲۲۶/۱، ظفیر (الصحیح لمسلم، باب صلاة اللیل وعدد رکعات النبی صلی الله علیه وسلم فی اللیل وإن الوتر رکعة وإن الرکعة صلاة صحیحة: ۲۵۶/۱، انیس)

وتر کا قعدۂ اُولی فرض ہے، یا واجب اور اس کے ترک سے نماز ہوسکتی ہے، یا نہیں:

سوال: وتر کا قعدۂ اُولیٰ فرض ہے، یا واجب؟ اس کے ترک سے نماز ہوسکتی ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

قعدۂ اُولیٰ واجب ہے، اگر سہواً ترک ہوجائے تو سجدۂ سہو سے نماز وتر درست ہوجائے گی۔

قال في الدر: وهو ثلٰث ركعات بتسليمة كالمغرب حتٰى لو نسي القعود لايعود ولو عاد ينبغي الفساد، كما سيجئ، آه.

ورجح هناك عدم الفساد ونقل عن البحر أنه الحق. (ردالمحتار)(۱) فقط

۲۷؍ربیع الاوّل ۱۳۴۵ھ (امدادالاحکام: ۲/۲۰۵)

وتر میں قعدۂ اولی:

سوال: رمضان میں وتر کی جماعت میں امام صاحب جو کسی عرب ملک کے تھے، تین رکعت ایک ہی قعدہ سے پڑھائی، میرے پوچھنے پر کہا کہ ایسا پڑھنا بھی سنت ہے، جہاں تک مجھے معلوم تھا کہ وتر دو سلام سے، یا ایک سلام سے پڑھ سکتے ہیں؛ یعنی دو رکعت پڑھیں اور سلام پھیریں، پھر ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیریں، (یہ امام شافعی کا طریقہ ہے) امام اعظم کا جو مسلک ہے، وہ یہ ہے کہ تین رکعت ایک سلام سے پڑھیں؛ لیکن دو رکعت کے بعد قعدہ کریں، پھر اٹھیں اور تیسری رکعت پوری کریں، اس سے متعلق میں آپ سے معلوم کرنا چاہتا ہوں، جواب حوالہ کے ساتھ لکھیں؟

(مبین احمد فلاحی، ہریانہ)

الجواب ــــــــــــــــــــ

وتر میں صرف ایک ہی تشہد پر اکتفا کرنا ائمہ اربعہ میں سے کسی کا بھی مذہب نہیں ہے، صحاح ستہ میں مسلم، ابوداؤد، اور نسائی نے سعد بن ہشام کے واسطے سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر اور نماز تہجد کی جو تفصیل نقل کی ہے، اس میں صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دو رکعتوں کے اختتام پر بھی قعدہ کیا ہے؛ (۲) لیکن بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وتر کی دوسری رکعت میں قعدہ نہیں کیا؛ بلکہ تیسری ہی رکعت میں بیٹھے، جیسا کہ مستدرک حاکم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر

---

(۱) ردالمحتار ۲/۴۴۱، دار الكتب العلمية بيروت، انیس

(۲) مشكوة المصابيح بحوالة مسلم، حدیث نمبر: ۱۲۵۷

پڑھتے تھے اور آخر میں قعدہ کرتے تھے؛(۱) لیکن محدثین اور اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ آخر میں قعدہ کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے لیے، قعدہ آخری رکعت میں ہوتا تھا، دوسری رکعت کے اختتام پر محض قعدہ ہوتا تھا، سلام والا قعدہ نہیں ہوتا تھا۔(۲) (کتاب الفتاویٰ:۲/۳۳۴-۳۳۵)

وتر میں رفع یدین کا ثبوت:

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وتروں میں رفع یدین کرنا، یا کرنے کی اجازت دینا (ثابت ہے، یا نہیں؟)

الجواب

قال ابن قدامة في المغني:وقد روى عن ابن عمررضى الله عنهما أنه كان إذا فرغ من القراء ة كبر.(۳)

---

(۱) ''عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت:كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى من الليل ثلاث عشرة ركعة يوتر من ذلك بخمس، لا يجلس في شيي إلا في آخرها ''.{متفق عليه}(مشكوة المصابيح، رقم الحديث:١٢٥٦) (الصحيح لمسلم،باب صلاة الليل وعدد ركعات النبى صلى الله عليه وسلم فى الليل وإن الوتر ركعة وإن الركعة صلاة صحيحة:١/٢٥٤،انيس)

(۲) عن سعد بن هشام أن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها حدثته أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان لايسلم في ركعتي الوتر''.(سنن النسائى/وبلفظه فى آثار السنن،باب الوتربثلاث ركعات،ص:١٦٣،رقم الحديث: ٦١٣، ط:ديوبند،انيس)

عن عائشة رضى الله عنها قالت:كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لايسلم فى ركعتي الوتر.(مصنف ابن أبى شيبة،باب من كان يوتربثلاث ركعات أو أكثر:٤/٤٩٤،رقم الحديث:٦٩١٢/سنن نسائى،باب كيف الوتر بثلاث :١/٢٤٨،انيس)

اور صحیح مسلم میں ہے:

''يصلى تسع ركعات لايجلس فيها إلا في الثانية''.(الصحيح لمسلم،باب صلاة الليل وعدد ركعات النبى صلى الله عليه و سلم فى الليل وإن الوترركعة وإن الركعة صلاة صحيحة:١/١٥٦،انيس)

عن سعدبن هشام قال انطلقت إلىٰ عائشة رضى الله عنها فقلت يا أم المؤمنين أنبئنى عن وتررسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت كنا نعدله سواكه وطهوره فيبعثه الله ما شاء أن يبعثه من الليل فيتسوك ويتوضأ ويصلى تسع ركعات كان لايجلس فيها إلا فى الثامنة فيذكرالله ويحمده ويدعوه ثم يسلم تسليماًيسمعنا.(آثارالسنن،باب الوتر بخمس أو أكثرذلك،ص:١٥٨،رقم الحديث:٥٩٠،انيس)

''وهوثلث ركعات كالمغرب''.(الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار:١/٤٤٧)

''كالمغرب أفاد أنه إن القعدة الأولىٰ واجبة''(ردالمحتار:١/٤٤٧،باب الوتروالنوافل)

(۳) عن عبدالله رضى الله عنه أنه كان يقرأ فى آخر ركعة من الوتر قل هوالله أحد، ثم يرفع يديه، فيقنت قبل الركعة.{رواه البخارى}(آثارالسنن،باب رفع اليدين عند قنوت الوتر،ص:١٦٩،رقم الحديث:٦٣٥،انيس)

وفي الذخيرة:و رفع يديه حذاء أذنيه وهومروى عن ابن مسعود وابن عمر وابن عباس وأبى عبيدة رضى الله عنهم،الخ،وقال قبله: فإن ذلک مروى عن على وابن عمروبراء بن عازب رضى الله عنهم والقياس يدل عليه، فإن التكبير للفصل والانتقال من حال إلٰى حال،إلخ.(۱)

پس معلوم ہوا کہ وتر کی تیسری رکعت میں بعد قرأت کے تکبیر کہنا اور رفع یدین کرنا عبداللہ بن مسعود اور ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہم سے ثابت ہے۔ پس لامحالہ ان حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر ایسا کیا ہوگا۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۸۶/۲-۱۸۷)☆

رفع یدین در قنوتِ وتر:

سوال: ایک غیر مقلد صاحب نے مذہبِ احناف پر اعتراض کیا،جس کی وجہ سے عوام میں فتنہ بپا ہے کہ وتر میں

(۱) غنية المستملى:۳۹۷، بحث الوتر،ظفير

☆ **قبل قنوت رفع یدین کا ثبوت:**

سوال: رفع یدین قبل قنوت دررکعت ثالثہ وتر از کجا آمد وسببش چیست؟(ترجمہ سوال:وتر کی تیسری رکعت میں قنوت سے پہلے رفع یدین کا ثبوت کہاں سے ہے اور اس کی وجہ کیا ہے؟)

الجواب

از حدیث ”لاترفع الأيدى إلا فى سبع مواطن،الخ“ رفع یدین بوقت خواندن دعائے قنوت ثابت است،وتحقیق آں در کتب فقہ وحدیث مذکور است۔(عن إبراهيم النخعى قال:ترفع الأيدى فى سبع مواطن فى افتتاح الصلاة وفى التكبير للقنوت فى الوتروفى العيدين وعند استلام الحجروعلٰى الصفا والمروة وبجمع وعرفات وعند المقامين عند الجمرتين. {رواه الطحاوى وإسناده صحيح}(آثارالسنن،باب رفع اليدين عند قنوت الوتر،ص: ۱۷۰،رقم الحديث:٦٣٧،انيس)

عن نافع عن ابن عمروعن ابن أبى ليلٰى عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس عن النبى صلى الله عليه وسلم قال:لا ترفع الأيدى إلا فى سبعة مواطن فى افتتاح الصلاة واستقبال الكعبة وعلٰى الصفا والمروة وبعرفات وبجمع وفى المقامين وعند الجمرتين.(كتاب رفع اليدين،رقم الحديث:١٤٣،ص:١٣٤،انيس)

ولايسن مؤكدًا رفع يديه إلا فى سبع مواطن كما ورد بناءً علٰى أن الصفا والمروة واحد نظرًا للسعى:ثلاثة فى الصلاة تكبيرة افتتاح وقنوت وعيد.(الدرالمختار: ٧٠/١،مكتبة دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

والوارد هوقوله صلى الله عليه وسلم:”لاترفع الأيدى إلا فى سبع مواطن تكبيرة الافتتاح و تكبيرة القنوت الخ“.(ردالمحتار،باب صفة الصلوٰة، فصل:٤٧٣/١،ظفير)

(ترجمہ جواب: رفع یدین کا ثبوت حدیث ”لاترفع الأيدى إلا فى سبع مواطن،الخ“ سے ہے،دعائے قنوت پڑھتے وقت رفع یدین ثابت ہے اور اس کی تحقیق حدیث وفقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔)فقط(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۶۳/۴)

قبل دعاءِ قنوت جو رفع یدین وتکبیر مروّج ہے، یہ حدیث سے ثابت نہیں، لہذا بدعتِ سیّئہ ہے اور ہم نے ہر چند بموافق استطاعت کتبِ حدیث وفقہ میں تتبع وتلاش کی؛ لیکن در بارۂ رفع یدین اثر ابن مسعود وابراہیم نخعیؒ کچھ نہ ملا اور در بارۂ تکبیر حدیث علیؓ جس کو صاحبِ بدائع نے مرفوعاً نکالا ہے؛ لیکن اس کی تخریج معلوم نہیں، لہذا اگر کوئی حدیث صحیح در بارۂ رفع یدین وتکبیر ہو تو عبارت مع حوالہ کتاب وصفحات تحریر فرماویں، اور کوئی حدیث صحیح نہ ہو تو عوام کے سمجھانے کی کوئی بہتر صورت تحریر فرماویں، امید کہ جلد جواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

فی حاشیة آثار السنن (۱) قلت: وقد ثبت رفع الیدین فی مطلق القنوت عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه أخرج البخاری فی جزء رفع الیدین بإسناد صحیح عن أبی عثمان قال: کنا وعمر یؤم الناس ثم یقنت بنا عند الرکوع یرفع یدیه حتّٰی یبدو کفاه ویخرج ضبعیه وعنه قال: کان عمر یرفع یدیه فی القنوت. {رواه البخاری فی جزء ه بإسنادحسن }وقال البیهقی فی المعرفة: وروی فی رفع الیدین فی قنوت الوتر عن ابن مسعود رضی اللّٰه عنه وأبی هریرة رضی اللّٰه، آه. (۲)

وفیه أیضًا(ص: ۱۹)وعن طارق بن شهاب قال: صلیت خلف عمر صلاة الصبح فلما فرغ من القرأة فی الراکعة الثانیة کبر ثم قنت ثم کبر فرکع. {رواه الطحاوی واسناده صحیح}(۳)

پس حضرت عمرؓ سے مطلق قنوت میں رفع یدین صحیح سند سے ثابت ہوا اور موقوف مالا یدرک بالرائی میں حکماً مرفوعاً ہوتا ہے اور نماز میں ہر رفع یدین میں تکبیر ہے؛ اس لیے تکبیر بھی ضمنا ثابت ہوگئی اور دوسری روایت میں تکبیر کی تصریح ہے، باقی رہی یہ بات کہ وہ قنوت فجر کے بارے میں ہے، سو قنوت فجر وغیر فجر میں فرق ہونے کی دلیل کیا ہے اور اثر ابن مسعود ونخعی کی آثار السنن میں تصریح کی ہے۔

وقال ابن قدامة فی المغنی: روی عن عمر أنه کان إذا فرغ من القرأة فی الوتر، آه، وروی

---

(۱) باب رفع الیدین عند قنوت الوتر، ص: ۱۶۹، انیس

(۲) عن أبی عثمان کان عمر رضی اللّٰه عنه یرفع یدیه فی القنوت أخرجه البخاری. أیضاً فی الجزء المذکور وصححه وعنه أیضاً بإسناد صحیح قال: کنا وعمر یؤم الناس ثم یقنت بنا عند الرکوع یرفع یدیه حتّٰی یبد وکفاه ویخرج ضبعیه. أخرجه البخاری فی الجزء المذکور. (إعلاء السنن: ۸۵/۶، رقم الحدیث: ۱۷۰۰، انیس)

حدثنی أبوعثمان قال: کنا بجئ وعمر یؤم الناس ثم یقنت بنا بعد الرکوع یرفع یدیه حتّٰی یبدو کفاه ویخرج ضبعاه. (کتاب رفع الیدین للإمام البخاری، ص: ۱۴۵-۱۴۶، رقم الحدیث: ۱۶۱، ط: بیروت لبنان، انیس)

(۳) معانی الآثار للطحاوی، باب القنوت فی صلاة الفجر وغیرها، ص: ۱۷۷-۱۷۸/ آثار السنن، رقم الحدیث: ۶۳۸، ص: ۱۷۰، باب القنوت فی صلاة الصبح/ وکذا فی إعلاء السنن: ۸۶/۶، رقم الحدیث: ۱۷۰۳، انیس)

الطبرانی فی معجمة الکبیر حدثنا علی أبونعیم ثنا عبدالسلام بن حرب عن لیث عن عبدالرحمن بن الأسود عن أبیه أن عبداللّٰه (بن مسعود) کان یکبر حین یفرغ من القراء ة ثم إذا فرغ من القنوت کبرورکع،آه،قال النیمری:رجال إسناده کلهم ثقات الالیثا وهوابن أبی سلیم.آه. (من التعلیق الحسن:۲/۱۷)(۱)

قلت:لیث وثقة ابن معین واخرج له مسلم واستشهد به البخاری فالحدیث حسن وفی آثار السنن عن الأسود عبد اللّٰه أنه کان یقرأ فی آخر رکعة من الوتر قل هو اللّٰه ثم یرفع یدیه فیقنت قبل الرکعة.{رواه البخاری فی جزء رفع الیدین وإسناده صحیح}(۲)

پس عبداللہ بن مسعودؓ سے وتر کی قنوت میں رفع یدین اور تکبیر کا ثبوت سند صحیح وحسن سے ہوگیا ہے اور صحابی کا فعل وقول حجت ہے،خصوصا ابن مسعود وعمر رضی اللہ عنہما کا کہ ایک خلفائے راشدین میں سے ہے،جن کے اقتدا کا ہم کو حکم ہے اور دوسرے صحابی کی بابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"رضیت لامتی ما رضیه ابن أم عبد وقال: اقتدوا بالذین من بعدی أبی بکروعمر".

اب جو اس تکبیر ورفع کو بدعت کہتا ہو،وہ خود مبتدع ضال ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت کے متعلق تحقیق نہ ہوسکی۔فقط

عبدالکریم عفی عنہ۔الجواب صحیح:ظفر احمد عفا اللہ عنہ،۳۰رشعبان المعظم ۱۳۴۲ھ۔(امدادالاحکام:۲/۹۳-۹۵)

قنوت کے وقت رفع یدین:

سوال: وتر کی نماز میں قبل قنوت رفع یدین کا کیا سبب ہے؟

الجواب

رفع یدین قنوت کا سبب شرعی؛یعنی دلیل نقلی دریافت کرنا مقصود ہے تو جواب یہ ہے کہ بخاری نے جزء رفع الیدین میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے یہ روایت کی ہے۔

---

(۱) کذا فی حاشیة آثارالسنن،تحت باب رفع الیدین عند قنوت الوتر،ص:۱۶۹،ط:دیوبند،انیس)

عن عبداللّٰه (هوابن مسعود رضی اللّٰه عنه) أنه کان یکبر حین یفرغ من القراء ة وإذا فرغ من القنوت کبرفرکع.{رواه البطرانی فی الکبیر}(إعلاء السنن:۶/۸۵،رقم الحدیث:۱۷۰۳،انیس)

(۲) عن الأسود عن عبداللّٰه رضی اللّٰه عنه أنه کان یقرأ فی آخر رکعة من الوترقل هو اللّٰه أحد ثم یرفع یدیه فیقنت قبل الرکعة. {رواه البخاری فی جزء رفع الیدین }(آثارالسنن،باب رفع الیدین عند قنوت الوتر،ص: ۱۶۹،رقم الحدیث:۶۳۵/کتاب رفع الیدین للإمام البخاری،ص:۱۴۶-۱۴۷،رقم الحدیث:۱۶۳،ط:بیروت،انیس)

عن الأسود عن عبداللّٰہ أنه كان يقرأ فی آخر ركعة من الوتر قل هو اللّٰه ثم يرفع يديه فيقنت قبل الركعة. (آثار السنن)(۱)

اور بخاری نے اسی جزء رفع الیدین میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی قنوت میں ہاتھ اٹھانا روایت کیا ہے:

عن أبی عثمان قال كنا وعمر يؤم الناس ثم يقنت بنا عند الركوع يرفع يديه حتى يبدا كفاه ويخرج اصبعيه. (آثار السنن)(۲)

اور اگر رفع یدین کی حکمت یعنی وجہ عقلی دریافت کرنا مقصود ہے تو جواب یہ ہے کہ رفع یدین سے مقصود تبری عما سوی اللہ ہے اور قنوت کے معنی دعا کے ہیں اور دعا سے مراد عرض حاجت علی المولی ہے، پس قنوت؛ یعنی عرض حاجت سے پہلے ما سوی المولی تبری کر لینا اخلاص عبودیت کی علامت اور مفضی الی الاجابۃ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

محمد کفایت اللہ لہ، مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (کفایت المفتی:۳/۳۸۷)

دعائے قنوت کے لیے تکبیر اور رفع یدین:

سوال: رفع الیدین مع التکبیر عند القنوت سنت ہے، یا نہیں؟

الجواب

شرح منیہ میں علامہ حلبیؒ نے احادیث وآثار دربارہ تکبیر ورفع الیدین عند القنوت نقل کئے ہیں، ان سے سنیت اس کی ثابت ہے۔ **من شاء التفصيل فليراجع إليه.** (۳)

---

(۱) باب رفع اليدين عند قنوت الوتر: ص: ۱۶۹، مكتبة إمدادية ملتان/وكذا فی إعلاء السنن: ۸٤/٦، رقم الحديث: ۱٦۹۹، انيس

(۲) باب رفع اليدين عند قنوت الوتر، ص: ۱٦۸، مكتبة إمدادية ملتان

وقد ثبت رفع اليدين فی مطلق القنوت عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه، أخرج البخاری فی جزء رفع اليدين بإسناد صحيح عن أبی عثمان قال كنا وعمر يؤم الناس ثم يقنت بنا عند الركوع يرفع يديه حتٰى يبدو كفاه ويخرج ضبعيه. (آثار السنن، ص: ۱٦۹، ط: ديوبند، انيس)

عن أبی عثمان، كان عمر رضی اللّٰه عنه يرفع يديه فی القنوت. {أخرجه البخاری أيضاً فی الجزء المذكور وصححه}

وعنه أيضاً بإسناد صحيح قال: كنا وعمر يؤم الناس ثم يقنت بنا عند الركوع يرفع يديه حتٰى يبدو كفاه ويخرج ضبعيه. {أخرجه البخاری أيضاً فی الجزء المذكور} (إعلاء السنن: ۸٥/٦، رقم الحديث: ۱۷۰۰، انيس)

(۳) ثم إذا أراد القنوت كبر ورفع يديه عندنا، إلخ، قال أحمد: إذا قنت قبل الركوع كبر، قال ابن قدامة فی المغنی وقد روی عن ابن عمر أنه كان إذا فرغ من القراءة كبر. وفی الذخيرة: رفع يديه حذاء أذنيه. وهو مروی عن ابن مسعود وابن عمر وابن عباس وأبی عبيدة وإسحٰق وقد تقدم. (غنية المستملی، باب الوتر، ص: ۳۹۷، ظفير)

واجبات صلوٰۃ میں مذکور ہے:

وقراء ۃ قنوت الوتر ،الخ، وكذا تكبير قنوته. (الدرالمختار)

أی الـوتر ،الخ، وجزم الزيلعي بوجوب السجود بتركه ... وينبغي ترجيح عدم الوجوب؛ لأنه الأصل ولادليل عليه. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۱۶۵)

وتر میں رفع یدین کے سلسلہ میں ایک غلط شہرت:

سوال: نماز وتر کب سے واجب ہوئی ؟ وجہ رفع یدین فی الرکعۃ الثالثۃ کیا ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ معراج میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیسری رکعت پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو تعذیب والدین کو معائنہ کر کے رفع یدین کیا، یہ صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۱۵۳)

دعائے قنوت سے پہلے ہاتھ اٹھانے کی کیا وجہ ہے:

سوال: وتر کی نماز میں جب قنوت پڑھتے ہیں، تو ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہنے کی کیا وجہ ہے؟

الجواب

وتر کی تیسری رکعت میں تکبیر کہہ کر ہاتھ اٹھانے کی یہ وجہ ہے کہ مصنف ابوبکر بن شیبہ میں ایسا ہی وارد ہوا ہے۔

بـاب تـكبيـر الـقنوت ورفع اليدين: حدثنا عبد السلام بن حرب عن ليث عن عبد الرحمٰن بن

---

(۱) ردالمحتار، باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة: ۱/۴۳۷، ظفير

(۲) یہ تو صراحت نہیں مل سکی کہ وتر کی نماز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس سنہ سے شروع کی، البتہ حدیث سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ شروع سے برابر پڑھتے رہے اور تاکید فرمائی:

"الوتر حق فمن لم يوتر فليس منا". (أبوداؤد) (باب في ... يوتر: ۱/۲۰۱، انيس)

عـن بـريـدة رضـى الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: الوتر حق فمن لم يوتر فليس مـنـا الـوتـر حق فـمـن لـم يوتر فليس منا الوتر حق فمن لم يوتر فليس منا. {رواه أبـوداؤد، وإسناده حسن} (آثار السنن، ص: ۱۵۶، رقم الحديث: ۵۸۳، مطبوعة: ديوبند، انيس)

قنوت میں ہاتھ اس لیے اٹھاتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں ہی ثابت ہے، اس کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ قرأت پر قیام ختم ہو جاتا ہے، اب چوں کہ حالت قیام میں ہی دعا پڑھی جارہی ہے؛ اس لیے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا جاتا ہے کہ قرأت الگ چیز ہے اور دعا الگ چیز۔ سائل نے معراج کا حوالہ دیا ہے، اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔ واللہ اعلم (ظفیر)

الأسود عن أبيه أن عبد اللّٰه بن مسعود كان إذا فرغ من القراءة كبر ثم قنت فإذا فرغ من القنوت كبر ثم ركع.(۱)

ومثله عن البراء: حدثنا عبد الرحمٰن بن محمد المحاربی عن ليث عن الأسود عن أبيه عبد اللّٰه أنه كان يرفع يديه إذا قنت فی الوتر. (مصنف أبی بكر بن أبی شيبة)(۲) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۱۶۲)

قنوت کے لیے ہاتھ اٹھانا اور وتر کے بعد ''سبحان الملک القدوس'' کہنا:

سوال: وتر میں ہاتھ اٹھانے کی کیا وجہ ہے؟ اور ''سبوح قدوس'' بلند آواز سے کیوں کہتے ہیں، یا آہستہ کہے؟

الجواب ________________ حامدًا ومصلياً

وتر میں ایک واجب سے دوسرے واجب کی طرف انتقال ہے؛ اس لیے قنوت کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں،(۳) وتر کے بعد ''سبحان الملک القدوس'' کہنا تین دفعہ اور تیسری دفعہ آواز بلند کرنا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔(۴) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۱/۱۱/۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح عبد اللطیف: مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۷/۱۶۴)

---

(۱) حدثنا عبد السلام بن حرب عن ليث عن عبد الرحمن بن الأسود عن أبيه أن عبد اللّٰه بن مسعود كان إذا فرغ من القراءة كبر ثم قنت فإذا فرغ من القنوت، كبر ثم ركع. (مصنف ابن أبی شيبة، فی التكبير للقنوت، رقم الحديث:۶۹۴۸/حاشية آثار السنن، ص:۱۶۹، انيس)

(۲) مصنف ابن أبی شيبة، فی رفع اليدين فی قنوت الوتر، رقم الحديث:۶۹۵۵، انيس

(۳) ''عن الأسود عن عبد اللّٰه (ابن مسعود رضی اللّٰه تعالیٰ عنه) أنه كان يقرأ فی آخر ركعة من الوتر ''قل هو اللّٰه أحد''، ثم يرفع يديه فيقنت قبل الركعة''. {رواه الإمام البخاری فی ''جزء رفع اليدين'' له، وقال: صحيح }(إعلاء السنن، باب وجوب القنوت فی جميع السنة كلها وسنية رفع اليدين، إلخ:۶/۷۰، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)(كتاب رفع اليدين للإمام البخاری، ص:۱۴۶-۱۴۷، رقم الحديث:۱۶۳، ط: بيروت)

عن الأسود عن عبد اللّٰه رضی اللّٰه عنه أنه كان يقرأ فی آخر ركعة من الوتر قل هو اللّٰه أحد ثم يرفع يديه فيقنت قبل الركعة. {رواه البخاری فی جزء رفع اليدين وإسناده صحيح }(آثار السنن، باب رفع اليدين عند قنوت الوتر، ص:۱۶۹، رقم الحديث:۶۳۵، ط: ديوبند، انيس)

إذا فرغ من القرآءة الثالثة، كبر، ورفع يديه حذاء أذنيه، ويقنت قبل الركوع فی جميع السنة، ومقدار القيام فی القنوت قدر ﴿إذا السماء انشقت﴾، هٰكذا فی المحيط. (الفتاویٰ الهندية، الباب الثامن فی صلاة الوتر:۱/۱۱۱، رشيدية)

(۴) عن سعيد بن عبد الرحمٰن ابن أبزیٰ أبيه رضی اللّٰه تعالیٰ عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم: ''كان يوتر بسبح اسم ربك الأعلیٰ، وقل يأيها الكافرون، وقل هو اللّٰه أحد وإذا سلم قال: سبحان الملك القدوس، ==

وتر کی تیسری رکعت میں تکبیر کے ساتھ قنوت پڑھنا:

سوال: وتر کی نماز کی تیسری رکعت میں بھی سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ پڑھ کر پھر تکبیر کہہ کر دعائے قنوت پڑھنے کا کیا سبب ہے؟

(المستفتی : ۱۵۲۲،خواجہ عبدالمجید شاہ صاحب (بنگال) ۱۲/ربیع الاول ۱۳۵۶ھ،مطابق:۲۲/جون ۱۹۳۷ء)

الجواب

وتر کی نماز میں تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ وسورت کے بعد تکبیر کہہ کر دعائے قنوت پڑھنا ثابت ہے،اسی طرح پڑھنی چاہیے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی:۳۸۸/۳)

قنوت کے لیے کانوں تک رفعِ یدین:

سوال: وتر نماز میں قنوت سے قبل ہاتھ کاندھوں تک اٹھانے چاہیے، یا کانوں تک؟ کون سا طریقہ صحیح ہے؟

الجواب حامدًا ومصلیاً

کانوں تک۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۹/۱۰/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ احمد سید علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند:۱۱/۱۰/۱۳۸۵ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۶۳/۷)

== ثلٰث مرات،یمد صوته فی الثالثة،ثم یرفع".(سنن النسائی،کتاب قیام اللیل ویطوع النهار: ۲۵۳/۱، قدیمی)(باب کیف الوتر إحدیٰ عشرة رکعة: ۲۵۳/۱،ذکر الاختلاف علی تبعه عن قتادة فی هٰذاالحدیث،انیس)

عن عبدالرحمن بن أبزیٰ أنه صلیٰ مع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم الوتر فقرأ فی الأولیٰ بسبح اسم ربک الأعلیٰ و فی الثانیة قل یا أیها الکافرون وفی الثالثة قل هواللّٰه أحد فلما فرغ قال سبحان الملک القدوس ثلاثاً یمدصوته بالثالثة.{رواه الطحاوی وأحمد وعبد بن حمید والنسائی وإسناده صحیح}(آثار السنن،باب الوتر بثلاث رکعات،ص:۲۶۳،رقم الحدیث:۶۱۲،ط:دیوبند،انیس)

(۱) عن أبی بن کعب رضی اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یوتر فیقنت قبل الرکوع.{رواه ابن ماجة والنسائی وإسناده صحیح}(آثار السنن:۱۶۸،رقم الحدیث: ۶۳۰/سنن ابن ماجة،باب ماجاء فی القنوت قبل الرکوع وبعده: ۸٤/۱،انیس)

عن أبی بن کعب أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یوتر فیقنت قبل الرکوع.(آثار السنن:۱۲۷،ط:إمدادیة)

ویکبر قبل رکوعه ثالثارافعًا یدیه وقنت فیه،إلخ.(تنویر الأبصار،باب الوتر والنوافل:۱/۲،ط:سعید)

(۲) "ویکبر قبل الرکوع الثالثة رافعاً یدیه الیٰ حذاء اذنیه کتکبیرة الاحرام".(الدرالمختار مع رد المحتار،باب الوتر والنوافل:٤٤٢/۲،سعید) ==

وتر میں قنوت کے لیے رفعِ یدین:

سوال: ایک شخص رمضان المبارک میں وتر کی نماز میں دوسری رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوا تو وہ مسبوق رفعِ یدین کرے گا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

امام وتر میں جب دعائے قنوت پڑھنے کے لئے رفعِ یدین کرے، تکبیر کہے تو ہر مقتدی مسبوق وغیرہ کو بھی اسی طرح کرنا چاہیے، یہ رفع یدین فرض، یا واجب نہیں، سنت ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند (فتاویٰ محمودیہ: ۱۶۳/۷)

وتر میں رکوع سے پہلے رفع یدین اور دعاء قنوت کا ثبوت حدیث سے:

سوال: ہمارے یہاں چند اشخاص مذہب غیر مقلد ہیں، وتر کی وہ رکعت تو تین ہی پڑھتے ہیں؛ مگر قنوت بعد رکوع پڑھتے ہیں، ایک ان میں معمولی علم والا ہے، وہ کہتا ہے کہ اگر حدیث سے یہ ثابت کردو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبل از رکوع ہاتھ اٹھا کر کانوں سے لگا کر پھر قنوت پڑھتے تھے تو ہم ماننے کو تیار ہیں، حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے۔ آپ ایک حدیث اس امر کے ثبوت میں تحریر فرما دیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

أخرج أبو نعيم فى الحلية عن عطاء بن مسلم ثنا العلاء بن المسيب عن حبيب بن أبى ثابت عن ابن عباس قال:" أوتر النبى صلى الله عليه وسلم بثلٰث قنت فيها قبل الركوع".(۲)

عن ابن عمر أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يوتر بثلٰث ركعات ويجعل القنوت قبل الركوع.(۳)

== إذا فرغ من القرآءة الثالثة، كبر، ورفع يديه حذاء أذنيه، ويقنت قبل الركوع فى جميع السنة ومقدار القيام فى القنوت قدر ﴿إذا السماء انشقت﴾ هٰكذا فى المحيط. (الفتاوٰى الهندية، الباب الثامن فى صلاة الوتر: ۱۱۱/۱، رشيدية)

(۱) إذا فرغ من القرآءة الثالثة، كبر، ورفع يديه حذاء أذنيه، ويقنت قبل الركوع فى جميع السنة، ومقدار القيام فى القنوت قدر ﴿إذا السماء انشقت﴾ هٰكذا فى المحيط. (الفتاوٰى الهندية، الباب الثامن فى صلاة الوتر: ۱۱۱/۱، رشيدية)

(۲) عن ابن عباس قال: أوتر النبى صلى الله عليه وسلم بثلاث فقنت فيما قبل الركوع. (إعلاء السنن، باب وجوب القنوت فى جميع السنة كلها: ۸۴۰/۶، رقم الحديث: ۱۶۹۷، ديوبند، انيس)

(۳) عن ابن عمر رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يوتر بثلاث ركعات ويجعل القنوت قبل الركوع. {رواه الطبرانى فى الأوسط} (إعلاء السنن، باب وجوب القنوت فى جميع السنة كلها: ۸۴/۶، رقم الحديث: ۱۶۹۸، ط: مكتبة أشرفية ديوبند، انيس)

وقد روی عن ابن عمر کان إذا فرغ من القراءة کبر.(۱)

وفی الذخیرة: رفع یدیه حذاء أذنیه وهو مروی عن ابن مسعود وابن عمر وابن عباس وأبی عبیدة وإسحٰق وقد تقدم.(الکبیری شرح المنیة)(۲)

ان روایات سے صراحةً وتر کا تین ہونا اور قنوت وتر کا قبل رکوع ہونا اور حضرت عبداللہ بن مسعود وعبداللہ بن عمر وعبد اللہ بن عباس وغیرہ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم سے تکبیر قنوت کے وقت ہاتھ اٹھانا ثابت ہوگیا۔

اور ظاہر ہے کہ ان صحابہ کبارؓ نے قنوت قبل رکوع اور تکبیر مع رفع الیدین آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر ہی کیا ہے، لہٰذا یہ حجت کافی ہے۔

اور اگر لا مذہب لوگ اس کو نہ مانیں تو ان سے کہو کہ جو مذہب عبداللہ بن مسعود وعبداللہ بن عمر وعبداللہ بن عباس وغیرہ صحابہؓ کا تھا، وہی ہمارا ہے، جس دلیل سے یہ حضرات رفع یدین فی تکبیر القنوت کرتے تھے، وہی ہماری دلیل ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۵۶/۴-۱۵۷) ☆

دعائے قنوت احادیث سے ثابت ہے، یا نہیں:

سوال: دعائے قنوتِ وتر "اللّٰهم إنا نستعینک، إلخ" بسندِ صحیح کس کی کتاب میں منقول ہے؟

حصن حصین میں نؤمن بک ونتوکل علیک ونشکرک منقول نہیں، یہ الفاظ کس حدیث میں منقول ہیں؟ فقط

---

(۱) قال الطبرانی فی معجمه الکبیر: حدثنا علی حدثنا أبو نعیم حدثنا عبد السلام بن حرب عن لیث عن عبد الرحمن بن الأسود عن أبیه أن عبد اللّٰه کان یکبر حین یفرغ من القراءة ثم إذا فرغ من القنوت کبر ورکع .(حاشیة إعلاء السنن، ص: ۱۶۹، ط: دیوبند، انیس)

(۲) غنیة المستملی، باب الوتر، ص: ۳۹۶، ظفیر

☆ **حدیث سے دعائے قنوت ثابت ہے، یا نہیں:**

سوال: ایک شخص کہتا ہے کہ دعائے قنوت حدیث سے ثابت نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر میں دعائے قنوت نہیں پڑھی، یہ صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس شخص کا قول غلط ہے، دعائے قنوت مروجہ حدیث سے ثابت ہے اور وتر میں دعائے قنوت پڑھنا احادیث میں وارد ہے۔("وقنت فیه ویسن الدعاء المشهور ویصلی علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، به یفتیٰ.(الدر المختار: ۹۰/۱، دار الکتب العلمیة، بیروت، انیس)

ومنه ما أخرجه الأربعة وحسنه الترمذی أنه علیه الصلاة والسلام کان یقول فی آخر وتره: "اللّٰهم إنی أعوذ برضاک الخ". رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۶۲۴/۱، ظفیر) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۶۲/۴)

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

دعائے قنوت کے الفاظِ مشہورہ ایسے حتمی نہیں کہ ان کے ترک، یا تبدل سے فاسد ہو جائے، جیسا کہ کتبِ فقہ زیلعی، شامی، طحطاوی(۱) وغیرہ میں صراحةً مذکور ہے۔

دعا ''اللّٰھم إنا نستعینک، إلخ'' ابوداؤد(۲) کے حوالہ سے رسائل الارکان اور فتح القدیر(۳) میں منقول ہے، اس میں لفظ ''نؤمن بک'' بھی مذکور ہے، شرح سفر العادۃ اور إعلاء السنن (۴) میں طبرانی، مدونہ، بیہقی، ابن ابی

(۱) ولیس فی القنوت دعاء مؤقت؛لأنه یذهب برقة القلب،هٰکذا ذکره محمد''.(تبیین الحقائق،کتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل: ۱/۴۲۵،دارالکتب العلمیة،بیروت)

''(قوله:ویسن الدعاء المشهور) ... وذکر فی البحرعن الکرخی أن القنوت لیس فیه دعاء مؤقت؛لأنه روی عن الصحابة أدعیة مختلفة،ولأن المؤقت من الدعاء یذهب برقة القلب''. (ردالمحتار،باب الوتر والنوافل: ۲/۶،سعید)

'' قوله:(أنه لاتوقیت فیه) الأفضل أن یکون الدعاء مؤقتاً؛ لأن الداعی ربما یکون جاهلاً فیدعو بما یقطع الصلاة، ولایعلمه،کذا فی غایة البیان،وقول محمد: لیس فی القنوت دعاء مؤقت، یعنی غیر''اللّٰهم إنا نستعینک'' إلخ.(حاشیة الطحطاوی،کتاب الصلاة،باب الوترواحکامه، ص: ۳۸۲، قدیمی)

(۲) عن خالد بن عمرإن قال:بینارسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم:''یدعوعلٰی مضرإذ جاء ه جبرئیل علیه السلام،فاومأ إلیه إن أسکت فسکت...قال:ثم علمه هٰذاالقنوت:''اللّٰهم إنا نستعینک ونستغفرک ونؤمن بک ونخضع لک،ونخلع ونترک من یکفرک،اللّٰهم إیاک نعبد ولک نصلی ونسجد وإلیک نسعٰی ونحدف ونرجو رحمتک ونخاف عذابک،إن عذابک الجد بالکافرین ملحق''.(مراسیل أبی داؤد،ص:۸،سعید)

(۳) فتح القدیر، کتاب الصلاة،باب صلاة الوتر: ۱/۴۳۰،مطبعة المصطفٰی البابی الحلبی

(۴) ''عن ابن وهب...عن خالدبن أبی عمران قال(إلٰی آخرالحدیث،کمامر آنفاً فی الحاشیة الماضیة أخرجه سحنون فی''المدونة الکبریٰ''...وقال الحازمی فی الاعتبار:أخرجه أبوداؤد فی المراسیل وهوحسن فی المتابعات.

عن خالد بن أبی عمران قال: بینما رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یدعوعلٰی مضرإذا جاء ه فأومأ إلیه أن أسکت فسکت فقال یامحمد إن اللّٰه لم یبعثک سباباً ولا لعانا وإنما بعثک رحمة ولم یبعثک عذاباً لیس لک من الأمرشیئ أویتوب علیهم أویعذبهم فإنهم ظالمون قال:ثم علمه هٰذاالقنوت:أللّٰهم إنا نستعینک ونستغفرک ونؤمن بک ونخنع لک ونخلع ونترک ومن یکفرک اللّٰهم إیاک نعبد ولک نصلی ونسجد وإلیک نسعٰی و نحفد ونرجورحمتک ونخشٰی عذابک إن عذابک بالکافرین محلق.أخرجه سحنون فی المدونة الکبریٰ.. {أخرجه أبوداؤد فی المراسیل وهوحسن فی المتابعات } (إعلاء السنن، باب إخفاء القنوت فی الوتر وذکر ألفاظه: ۶/۱۰۶-۱۰۷، رقم الحدیث: ۱۷۳۷،انیس)

عن خالد بن عمران قال بینا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یدعوعلی مضرإن جاء ه جبرئیل علیه السلام فأومأ إلیه أن أسکت فسکت فقال یا محمد إن اللّٰه لم یبعثک سباباًولالعاناً وإنما بعثک رحمة ولم یبعثک عذاباً لیس لک من الأمرشیئ أویتوب علیهم أویعذبهم فإنهم ظالمون ثم علمه هٰذا القنوت: ==

شیبہ وغیرہ سے بھی اس دعاء کو نقل کیا ہے،(۱) اور اس کے اور الفاظ میں بھی کچھ فرق ہے۔شرح حصن حصین میں لکھا ہے کہ لفظ ''نشکرک'' اس دعا میں روایۃً ثابت نہیں، لفظ ''نتوکل علیک'' بھی کسی روایت میں نہیں ملا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۸/ جمادی الاولیٰ/ ۱۳۶۹ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۷/ ۱۶۵-۱۶۶)

دعاء قنوت رکوع سے پہلے پڑھی جائے، یا بعد میں:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۲/ اکتوبر ۱۹۲۷ء)

سوال: نماز وتر میں اہل حدیث بعد تسمیع کے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعائے قنوت پڑھتے ہیں اور احناف تیسری رکعت میں تکبیر اور رفع یدین کے بعد باندھ کر دعائے قنوت پڑھتے ہیں، ان دونوں میں کون سا فعل مدلل ہے؟

الجواب

قنوت رکوع سے پہلے پڑھنی چاہیے، نہ کہ بعد تسمیع۔

لما روی عن أنس أنه سئل عن القنوت؟ فقال: قبل الركوع. (رواہ البخاری)(۲)

== ألـلٰهم إنا نستعينک ونستغفرک و نؤمن بک ونخنع لک ونخلع ونترک من يكفرک اللٰهم إياک نعبد ولک نصلی ونسجد وإليک نسعٰی ونحفد و نرجو رحمتک ونخاف عذابک إن عذابک بالكفٰرين محلق.(مراسيل أبی داؤد،ص:۸،باب ماجاء فی من نام من الصلاة ،انيس)

عن ابن عبدالرحمن قال علمنا ابن مسعود أن نقرأ فی القنوت:اللٰهم إنا نستعينک ونستغفرک ونثنی عليک الخير ولانكفرک ونخلع ونترک من يفجرک اللٰهم إياک نعبد ولک نصلی وإليک نسعٰی ونحفد نرجو رحمتک ونخشٰی عذابک إن عذابک بالكفار ملحق.(مصنف ابن أبی شيبة،باب فی قنوت الوتر من الدعاء: ٤/٥١٨، رقم الحديث: ٦٩٦٥)

''وعن عبد الرحمٰن بن أبزٰی قال:''صليت خلف عمر بن خطاب الصبح،فلما فرغ من السورة فی الركعة الثانية، قال قبل الركوع-وفی رواية الطحاوی بعد الركوع-:''اللٰهم إنا نستعينک ونستغفرک ونثنی عليک الخير كله،ولا نكفرک،ونخلع ونترک من يفجرک''.ثم ذكرنحو سواء غير أنه لم يذكر الجد''.رواه ابن أبی شيبة فی مصنفه''وا بن الضريس فی فضائل القرآن ورواه البيهقی فی''سننه''وصححه.كنز العمال''.(إعلاء السنن،باب إخفاء القنوت فی الوتر و ذكر ألفاظه وأن القنوت فی الفجر لم يكن إلا للنازلة:٦/١٠٨،رقم الحديث:١٧٣٨،انيس)

(۱) المدونة الكبرٰی، كتاب الصلاة،القنوت فی الصبح والدعاء فی الصلاة: ١/٢٢٧،مكتبة نزاد مصطفٰی الباز

(۲) صحيح البخاری، باب القنوت قبل الركوع وبعده: ١/١٣٦، ط،قديمی (آثار السنن،باب قنوت الوتر قبل الركوع،ص:١٦٦،ط:إمدادية ملتان)

ہاتھ اٹھا کر پڑھنا صراحۃً کسی حدیث سے ثابت نہیں، حنفیہ نے ہر ایسے قیام میں جس میں ذکر مسنون طویل ہو، ہاتھ باندھنے کو مستحب کہا ہے، من جملہ اس کے قنوت وتر بھی ہے اور امام ابو یوسف سے ایک روایت ہاتھ اٹھا کر بھی قنوت پڑھنے کی مروی ہے؛ لیکن ہاتھ باندھنا ہی راجح اور اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ غفرلہ، مدرسہ امینیہ دہلی (کفایت المفتی: ۳۹۲/۳)

دعائے قنوت صرف وتر کے لیے ہے:

سوال: سوائے نماز وتر اور فجر کے اور کسی نماز فرض میں بھی قنوت پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟ اور قنوت کے بعد درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ

حنفیہ کے نزدیک سوائے وتر کے اور کسی نماز میں دعائے قنوت پڑھنا درست نہیں ہے، صبح کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چند روز دعائے قنوت پڑھی ہے، وہ حکم منسوخ ہو گیا۔(۱)

البتہ اگر کوئی حادثہ پیش آوے تو صبح کی نماز میں قنوت پڑھنا درست ہے، سوائے صبح کے اور نمازوں میں مختلف فیہ ہے،(۲) اور دعائے قنوت کے بعد درود شریف پڑھنا بھی درست ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۵۹/۴)

دعاء قنوت سے پہلے بسم اللہ:

سوال: نماز وتر میں دعاء قنوت سے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہیے، یا نہیں؟ (سید خالد علی، شادنگر)

الجواب ــــــــــــــــ

دعاء قنوت، یا کسی اور دعا سے پہلے بسم اللہ پڑھنا ثابت نہیں، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اذکار میں سے صرف قرآن مجید کے شروع میں پڑھا جاتا ہے، خاص طور پر نماز میں اسی قدر پڑھنا چاہیے، جو ثابت ہو؛ کیوں کہ نماز عبادت ہے اور عبادت میں قیاس ورائے کو دخل نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳۳۴/۲)

---

(۱) ویأتی المأموم بقنوت الوتر الخ لا الفجر،لأنه منسوخ.(الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار،باب الوتر والنوافل: ۶۲۶/۱،ظفير)

(۲) ولايقنت لغيره إلا لنازلة فيقنت الإمام فى الجهرية وقيل فى الكل.(الدرالمختار)

(قوله:لايقنت لغيره):أى غيرالوتر الخ(قوله:فيقنت الإمام فى الجهرية):لكن فى الأشباه عن الغاية:قنت فى صلاة الفجر الخ قال الحافظ أبوجعفر الطحاوى:إنما لايقنت عندنا فى صلوٰة الفجر من غير بلية،الخ.(رد المحتار،باب الوتر والنوافل: ۶۲۸/۱،ظفير)

سورۂ اخلاص دعاء قنوت کے قائم مقام ہوگی، یا نہیں:

سوال: در وتر سورۂ اخلاص سہ بار قائم مقام دعائے قنوت می شود، یا نہ؟(۱)

الجواب ————————

در شامی آوردہ:

"ومن لایحسن القنوت یقول "رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً " الأیة.وقال أبو اللیث : یقول " اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ "یکررھا ثلاثاً،وقیل یقول "یَارَبِّ "ثلاثاً،ذکرہ فی الذخیرة،إلخ.(۲)

پس معلوم شد کہ سورۂ اخلاص بجائے دعائے قنوت منقول نیست۔(۳)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۱۵۸)

وتر میں بجائے دعاء قنوت کے کوئی اور دعا پڑھنا:

سوال: وتر میں بجائے دعاء قنوت کے اور کوئی دعا، یا سورت پڑھ لی جائے تو نماز ہوگی، یا نہیں؟

الجواب ————————

جو دعا کلام ناس کے مشابہ نہ ہو،اس کے پڑھنے سے نماز ہوجاتی ہے۔

قال الشامی:ومن لایحسن القنوت یقول:﴿ربنا آتنا فی الدنیا حسنة﴾(الآیة)وقال أبو اللیث:یقول:اللھم اغفرلی یکررھا ثلاثاً وقیل یقول:یارب ثلاثاً،ذکرہ فی الذخیرة، آہ.واللّٰہ تعالیٰ أعلم(۴)(فتاویٰ دارالعلوم مسمی بہ امداد المفتین:۲/۳۰۹)

دعائے قنوت یاد رہتے ہوئے دوسری دعا پڑھ سکتا ہے، یا نہیں:

سوال: اگر دعائے قنوت یاد ہو تو دوسری دعا،مثلاً "رَبَّنَا اٰتِنَا،إلخ" پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ————————

دعائے قنوت یاد ہو تو﴿رَبَّنَا اٰتِنَا،إلخ﴾وغیرہ نہیں پڑھ سکتا،دعائے قنوت ہی پڑھنا چاہیے۔(۵)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۱۶۲)

---

(۱) ترجمۂ سوال: وتر کی نماز میں تین بار سورۂ اخلاص پڑھنا دعاء قنوت کے قائم مقام ہے، یا نہیں؟

(۲) رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۱/۶۲٤،ظفیر

(۳) ترجمۂ جواب: شامی میں بحوالہ ذخیرہ یہ لکھا ہے کہ "جو شخص قنوت نہ پڑھ سکتا ہو،وہ "رَبَّنَا اٰتِنَا إلخ" پڑھے" اور ابو اللیثؒ کہتے ہیں کہ " اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ " تین بار پڑھے،اور بعضوں نے کہا ہے کہ "یَا رَبِّ"تین بار کہے،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ اخلاص دعاء قنوت کی جگہ منقول نہیں ہے۔انیس

(۴) رد المحتار، کتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل:۲/٤٤٣،مکتبة دار الکتب العلمیة بیروت،انیس

(۵) ومن لایحسن القنوت یقول﴿رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً﴾(الأیة)(رد المحتار،باب الوتر والنوافل: ۱/۶۲٤،ظفیر)

دعاء قنوت یاد نہ ہوتو کیا پڑھے:

سوال: عوام میں مشہور ہے کہ جس کو دعاء قنوت یاد نہ ہوتو اس کا نکاح حرام ہے، اگراولاد ہوگی تو حرام کی ہوگی۔ اس کی کہاں تک اصل ہے، یانہیں؟

الجواب

یہ قول کہ نکاح حرام اوراولاد حرام کی ہوگی غلط اور بے اصل ہے۔شامی باب الوتر میں ہے کہ جس شخص کو دعاء قنوت یاد نہ ہوتو وہ یہ دعا پڑھے:

''ربنا آتنا فی الدنیا حسنةً وفی الآخرة حسنةً وقنا عذاب النار''إلخ.(۱)

البتہ دعاء قنوت مخصوصہ کا پڑھنا چونکہ سنت ہے؛اس لیے دعاء قنوت یاد کر لینی چاہیے۔

اورشامی واجبات صلوٰۃ میں ہے:

(قوله:وهو مطلق الدعاء) أی القنوت الواجب يحصل بأیّ دعاء كان،وفی النهر:وأما خصوص اللّٰهم إنّا نستعيک فسنة فقط ولو أتی بغيره جاز إجماعاً.(۲)واللّٰه تعالٰی أعلم

(فتاویٰ دارالعلوم مسمّی بہ امداد المفتین:۳۰۹/۲)

دعائے قنوت یاد نہ ہوتو کیا پڑھے:

سوال: جس شخص کو دعائے قنوت یاد نہ ہو، اس کو بجائے دعائے قنوت کے سورۂ اخلاص پڑھنا جائز ہے، یانہیں، اورنماز ہوجاتی ہے، یانہیں؟

الجواب

شامؔی میں ہے کہ جس کو دعائے قنوت نہ آتی ہو،تووہ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾(الآیة) پڑھےاورفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں:'' اللّٰهم اغفرلی'' تین بار پڑھےاوربعض علمانے فرمایاہے کہ ''یارب'' تین بار کہے، كذا فی الذخيرة. (ردالمحتار)(۳)اورچونکہ یہ محل دعا کاہے،لہٰذا سورۂ اخلاص اس کے قائم مقام نہ ہوگی؛ مگر نماز ہوجاتی ہے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۶۴/۴)

---

(۱) ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل:۴۴۳/۲،انیس

(۲) ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة:۱۶۳/۲،انیس

(۳) ومن لايحسن القنوت يقول: ﴿رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾(الاٰية)وقال أبو الليث:يقول'' اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ'' يكررها ثلاثاً،وقيل يقول ''يَارَبِّ'' ثلاثاً،ذكره فی الذخيرة.(رد المحتار، باب الوتر والنوافل:۶۲۴/۱،ظفیر)

جس کو دعا قنوت یاد نہ ہو وہ کیا پڑھے:

سوال: وتر کی نماز میں بجائے دعا قنوت کے ''ربنا آتنا فی الدنیا،إلخ'' یا ''قل هو الله'' پڑھا جائے تو درست ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

وتر کی نماز میں دعا قنوت یاد ہو تو دعا قنوت پڑھے اور نہ یاد ہو تو پھر ''ربنا آتنا فی الدنیا حسنة،إلخ'' یا اور کوئی دعا ''اللّٰهم اغفرلی'' وغیرہ پڑھے، تین بار ''قل هو اللّٰه'' نہ پڑھے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۲۴/۳/۱۳۷۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱۹۹/۲)

وتر کے قنوت میں ''نخلع و نترک من یفجرک'' کے معنی کی تحقیق:

سوال: ہم لوگ ہر روز قنوت میں پڑھتے ہیں: ''نخلع و نترک من یفجر''، اب فرمائیے! اگر بیٹا فاجر ہے تو باپ کیا کرے اور اگر باپ فاجر ہے تو بیٹا کیا کرے؟(۲)

الجواب ــــــــــــــ

یہ جملہ خبریہ نہیں؛ بلکہ انشائیہ ہے، پس اس میں کذب نہیں، دوسرے فجور سے مراد کفر ہے اور ترک سے مراد مخالفت اعتقادی۔وهو حاصل

۱۲/ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص: ۹۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۴۵۷/۱-۴۵۸)

''ملحق'' کی حاء کو زیر و زبر دونوں پڑھ سکتے ہیں:

سوال: دعاء قنوت میں جو لفظ ''ملحق'' ہے، اس کی حاء کو زبر ہے، یا زیر ہے؟

---

(۱) قنوت دعا ہے، اگر دعا قنوت کے معروف الفاظ یاد نہیں ہوں تو کوئی دعائیہ کلام پڑھے جیسے ربنا آتنا فی الدنیا الخ اوریا ربّ وغیرہ، سورۂ اخلاص کا پڑھنا ثابت نہیں۔ [مجاہد]

ومن لا يحسن القنوت يقول:﴿ربنا آتنا فی الدنیا حسنة﴾(الآیة)وقال أبو اللیث یقول: اللّٰهم اغفرلی، یکررها ثلاثاً،و قیل یقول: یا رب ثلاثاً، ذکره فی الذخیرة (ردالمحتار: ۴۴۳/۲)

(۲) قنوت کے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ''ہم علاحدہ کرتے ہیں اور چھوڑ دیتے ہیں، اس شخص کو جو تیری نافرمانی کرے'' حالانکہ باپ کا فاجر بیٹے سے کچھ نہ کچھ تعلق ہوتا ہی ہے، اسی طرح بیٹے کا بھی فاجر باپ سے تعلق ہوتا ہے، لہٰذا نخلع و نترک من یفجرک غلط دعویٰ ہوا؛ بلکہ جھوٹ بولنا لازم آیا، پس کیا کیا جائے؟ قنوت میں یہ جملہ پڑھا جائے، یا نہ؟ (سعید)

الجواب

دعاء قنوت میں ''ملحق'' کی حاء کو کسرہ اور فتحہ دونوں پڑھا گیا ہے اور دونوں جائز ہیں، اگرچہ معروف تر کسرہ ہے۔
شامی میں ہے:

(قوله: وملحق بمعنى لاحق): مبتدأ وخبره وبكسر الحاء، هٰذا هو المشهور ونص غير واحد علىٰ أنه الأصح ويقال: بفتحها، ذكره ابن قتيبة وغيره، ونص الجوهري علىٰ أنه صواب، كذا في الحلية، قلت: بل في القاموس الفتح أحسن، إلخ. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۵۳/۴)

دعا قنوت کے بعد درود شریف کا پڑھنا:

سوال: وتروں میں دعائے قنوت کے بعد درود شریف پڑھنا، جیسے کہ شرح درمختار میں لکھا ہے، کیسا ہے؟ زید کہتا ہے کہ دعائے قنوت کے بعد درود شریف پڑھنا اچھا ہے؟

الجواب

دعائے قنوت کے بعد درود شریف مستحب ہے۔ فقط (۲) (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۲۹)

بسلسلۂ وتر ایک عبارت کا مطلب (دعا قنوت میں درود پڑھنے کا حکم):

سوال: درمختار باب الوتر والنوافل میں ہے:

''ويسن الدعاء المشهور ويصلي على النبي صلى الله عليه وسلم، وبه يفتىٰ''. (۳)
تو حنفی مذہب میں کیا پڑھے؟

---

(۱) (رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۱/ ۶۲۴، ظفير)

☆ دعائے قنوت میں ''ملحق'' بکسر حاء:

سوال: لفظ ملحق جو دعائے قنوت میں ہے، بکسر حاء بہتر ہے، یا بفتح حاء؟

الجواب

ملحق بکسر حاء بہتر ہے اور اکثر ہے اور بفتح حاء بھی درست ہے۔ (وصح ملحق بالكسر ... بمعنى لاحق. (الدر المختار) أي أنه من ألحق المزيد بمعنى لحق المجرد، في الشرنبلالية أن المطرزي صح أن المراد ملحق الفساق بالكفار و الأول أولىٰ، إلخ. (رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۱/ ۶۲۴، ظفير) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۶۳/۴)

(۲-۳) (وقنت فيه) ويسن الدعاء المشهور ويصلي على النبي صلى الله عليه وسلم وبه يفتىٰ. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/ ۶-۷، دارالفكر بيروت، انيس)

الجواب

دعاء مشہور سے مراد دعاء قنوت ''اللّٰهم إنا نستعينك، إلخ''، (۱) اور دعا ''اللّٰهم اهدني فيمن هديت، إلخ'' (۲) ہے، اس دوسری دعا کے اخیر میں ''وصلى الله على النبي'' (۳) بھی ہے، حنفیوں کو بھی یہ دونوں دعائیں پڑھنا اور جمع کرنا افضل ہے اور اگر صرف ''اللّٰهم إنا نستعينك، إلخ'' پڑھے تو یہ بھی درست ہے۔ (۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۵۵/۴)

---

(۱) عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ خَلْفَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ الْغَدَاةَ، فَقَالَ فِي قُنُوتِهِ: ''اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِينُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ، وَنُثْنِي عَلَيْكَ الْخَيْرَ، وَلَا نَكْفُرُكَ، وَنَخْلَعُ، وَنَتْرُكُ مَنْ يَفْجُرُكَ، اللَّهُمَّ إِيَّاكَ نَعْبُدُ، وَلَكَ نُصَلِّي، وَنَسْجُدُ وَإِلَيْكَ نَسْعَى وَنَحْفِدُ، وَنَرْجُو رَحْمَتَكَ، وَنَخْشَى عَذَابَكَ، إِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ''. (أخرجه ابن أبي شيبة، مايدعو به في قنوت الوتر (٧٠٢٧)، وكذا أخرجه أبو عُبيد في فضائل القرآن (٣١٨)، ومحمد بن نصر في كتاب الوتر (١٣٩) أنهما سورتان في مصحف ابن مسعود وأبي بن كعب (اللّٰهم إنا نستعينك) و(اللّٰهم إياك نعبد وعند أبي عُبيد أن ابن مسعود تركها كما تركها عثمان فلم يكتبها في المصحف، وأخرجه مرفوعا من حيث خالد بن أبي عمران مرسلا أبو داود في المراسيل، رقم (٨٩) وكان يقنت بهما علي وابن مسعود وأبي بن كعب. أخرجه عبد الرزاق الصنعاني في المصنف (١١١/٣-١١٢)، وابن أبي شيبة في المصنف (٣١٤/٢)، وابن خزيمة في الصحيح (١١٠٠)، والبيهقي في السنن (٢١٠/٢)، ومحمد بن نصر في كتاب الوتر (١٣٩)، والطبراني في الدعاء، رقم (٧٥٠) انيس)

(۲-۳) عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ: عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فِي الْوِتْرِ قَالَ: قُلْ: ''اللَّهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ، فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ، وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ، وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ''. (أخرجه أبو داود في السنن، رقم (١٤٢٥-١٤٢٦)، والترمذي في الجامع، رقم (٤٦٤) وقال: وفي الباب عن علي، هذا حديث حسن لا نعرفه إلا من هذا الوجه من حديث أبي الحوراء السعده واسمه ربيعة بن شيبان ولا نعرف عن النبي – صلى الله عليه وسلم – في القنوت شيئا أحسن من هذا، والنسائي في المجتبى (٢٤٨/٣)، وابن ماجة في السنن، رقم (١١٧٨)، وأحمد في المسند (١٩٩/١-٢٠٠)، وابن أبي شيبة في المصنف (٣٠٠/٣-٣٨٤/١٠)، وأبو يعلى في المسند، رقم (٦٧٦٥، ٦٧٨٦)، وابن حبان في الصحيح، رقم (٥١٢، ٥١٣)، والطبراني في الكبير (٧٢/٣-٧٧) والدعاء، الأرقام (٧٣٥-٧٤٩)، والحاكم في المستدرك (١٧٢/٣، ٤٧٢) وصححه، وصححه ابن المنذر في الأوسط (٢١٤/٥)، والنووي في الأذكار (١١٧)، وابن حجر في نتائج الأفكار (١٣٩/٢)، وله شاهد من حديث ابن عباس، أخرجه محمد بن نصر في كتاب الوتر (١١٤، ١٣٥، ١٣٨) انيس)

(۴) (قوله: يسن الدعاء المشهور) قدمنا في بحث الواجبات التصريح بذلك عن النهر، وذكر في البحر عن الكرخي: ''أن القنوت ليس فيه دعاء مؤقت؛ لأنه روى عن الصحابة أدعية مختلفة ولأن المؤقت من الدعاء يذهب برقة القلب''. وذكر الإسبيجابي أنه ظاهر الرواية، وقال بعضهم: المراد ليس فيه دعاء مؤقت ماسوى ''اللّٰهم إنا نستعينك''، وقال بعضهم: الأفضل التوقيت، ورجحه في المنية تبركاً بالمأثور، آه. (رد المحتار، باب الوتر: ٦٢٣/١، ظفير)

وتر کی جماعت میں جب تیسری رکعت میں ملے تو دعاء قنوت کب پڑھے:

سوال: رمضان میں وتر کی تیسری رکعت میں شامل ہوا، تو دو رکعت جو باقی رہیں، ان میں دعاء قنوت پڑھی جائے گی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

دعاء قنوت پڑھی جاوے گی۔ فقط (۱) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۵۷/۴)

وتر کی تیسری رکعت کے رکوع میں ملنے والا جس نے قنوت نہیں پائی، وہ کیا کرے:

سوال: زید وتر کی آخری رکعت میں ملا اور امام کے ساتھ دعاء قنوت پڑھی، بعد میں جو دو رکعت پڑھے گا، ان میں قنوت پڑھے، یا نہیں؟

دوسری صورت یہ ہے کہ امام کو اخیر رکوع میں پایا اور قنوت نہیں پڑھا، باقی دو رکعت میں قنوت پڑھے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

پہلی صورت میں پھر قنوت نہ پڑھے۔

"وأما المسبوق فيقنت مع إمامه". (۲)

اور دوسری صورت میں پچھلی رکعت میں قنوت پڑھے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۶۰/۴)

---

(۱) ولها واجبات لاتفسد... بتركها وتعاد وجوبًا في العمد والسهو إلخ وهي علىٰ ماذكره أربعة عشر: قراءة فاتحة الكتاب إلخ وقراءة قنوت الوتر وهو مطلق الدعاء (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب واجبات الصلاة: ۴۲۴/۱)

اس سے معلوم ہوا کہ دعاء قنوت کا پڑھنا ضروری ہے؛ مگر مسبوق کب پڑھے؟

اس سلسلے میں فقہا لکھتے ہیں:

"وأما المسبوق فيقنت مع إمامه فقط ويصير مدركاً بإدراك ركوع الثالثة. (الدر المختار)

(قوله: فيقنت مع إمامه فقط): لأنه آخر صلاته وما يقضيه أولها حكماً في حق القراءة وما أشبهها وهو القنوت وإذا وقع قنوته في موضعه بيقين لايكرر؛ لأن تكراره غير مشروع. شرح المنية. (الدر المختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۴۴۸/۱)

یعنی تیسری رکعت اگر اس نے پوری پالی ہے تو امام کے ساتھ قنوت پڑھے، بعد میں پڑھنے کی ضرورت نہیں، البتہ اگر تیسری رکعت میں اس وقت ملا جب امام قنوت سے فارغ ہو چکا تھا تو بعد میں پڑھے گا۔ ظفیر)

(۲) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۶۲۸/۱، ظفير

وتر کی ایک رکعت پانے والا بقیہ رکعتیں کس طرح ادا کرے:

سوال: ایک شخص وتر کی جماعت میں تیسری رکعت میں مسبوق ہو کر ملا تو اپنی متروکہ دو رکعتیں بعد سلام امام کے کس طرح ادا کرے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

رمضان المبارک کے وتر کی جماعت میں جس مسبوق کو صرف ایک رکعت امام کے ساتھ ملی ہے، اگر اس امام کے ساتھ قنوت پڑھا ہے تو پھر نہیں پڑھے گا اور بقیہ دو رکعتوں کے درمیان میں قعدہ کرے گا۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد نور الحسن غفرلہ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۳۰۹/۲)

وتر میں مسبوق کا امام کے ساتھ دعا پڑھ لینا کافی ہے:

سوال: رمضان شریف میں جب وتر باجماعت پڑھے جاتے ہیں، اگر کوئی شخص وتروں کی دوسری رکعت میں شامل ہوا تو یہ شخص دعائے قنوت امام کے ساتھ پڑھے، یا جو رکعت اس کی جماعت سے رہی ہوئی ہے، اس میں دعائے قنوت پڑھے، جس وقت امام دعائے قنوت کے واسطے ہاتھ اٹھاوے، یہ اس وقت دعائے قنوت ہی پڑھے، یا اور کچھ پڑھے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

مسبوق صرف امام کے ساتھ دعائے قنوت پڑھے، پھر قضا رکعت اخیر کے وقت نہ پڑھے۔

"وأما المسبوق فيقنت مع إمامه". (الدر المختار) (۲) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۶۷/۴-۱۶۸)

امام نے قنوت ختم کر کے رکوع کیا اور مقتدی کی دعاء قنوت پوری نہ ہوئی تو کیا کرے:

سوال: جماعت وتر میں امام دعاء قنوت ختم کر کے رکوع میں چلا گیا، مقتدی کی قنوت ختم نہیں ہوئی، کیا وہ متابعت امام کی غرض سے بلا ختم قنوت رکوع میں چلا جائے؟

---

(۱) امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہو کر جو رکعت ادا کرے، وہ اس کے لیے دوسری رکعت کے حکم میں ہے، لہٰذا وہ قعدہ اولیٰ کرے گا اور پھر جو اس مسبوق نے دوسری رکعت پڑھی، یہ اس کی آخری رکعت ہے؛ اس لیے وہ قعدۂ اخیرہ کرے گا، اس طرح دو رکعتوں کے درمیان قعدۂ اولیٰ اور قعدۂ اخیرہ ادا کرے گا۔ [مجاہد]

"ومنها أنه يقضي أول صلاته في حق القراءة وآخرها في حق التشهد حتٰى لو أدرك ركعة من المغرب قضٰى ركعتين وفصل بقعده فيكون بثلاث قعدات وقرأ في كل فاتحة وسورة". (الفتاوىٰ الهندية، الفصل السابع في المسبوق واللاحق: ۹۱/۱)

(۲) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الوتر والنوافل، قبيل مطلب في القنوت للنازلة: ۶۲۸/۱، ظفير

الجواب ــ

اگر قلیل باقی ہے کہ پورا کر کے رکوع میں امام کے شریک ہوسکتا ہے تو پورا کر کے رکوع کرے، ورنہ چھوڑ دے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۱۵۳-۱۵۴)

دعائے قنوت کے ترک پر لقمہ دینا:

سوال: عشا میں نماز تراویح کے بعد جو وتر جماعت سے پڑھے جاتے ہیں، ان میں اگر امام دعائے قنوت پڑھنا بھول جائے تو ان کو اشارہ دینا چاہیے، یا نہیں؟ کیوں کہ اگر اشارہ نہیں دیا گیا تو ممکن ہے وہ سجدۂ سہو کرنا بھول جائے اور پھر نماز نہیں ہوگی؛ کیوں کہ واجب ترک ہوجاتا ہے اور پھر اشارہ نہیں دیا جاتا تو بہت مقتدی رکوع میں نہیں جاتے ہیں اور ان کا رکوع ترک ہوجاتا ہے اور فرض ترک ہونے سے نماز نہیں ہوتی ہے؟ جواب جلد دیں۔

الجواب ــ حامدًا و مصلیاً

اگر امام بجائے دعائے قنوت پڑھنے کے رکوع میں جانے کے لیے تیاری کررہا ہو تو اس کو یاد دلایا جائے؛ لیکن اگر امام رکوع میں پہونچ گیا ہے تو پھر قنوت کے لیے کھڑا نہ ہو، اخیر میں سجدۂ سہو کرے، اسی طرح نماز وتر صحیح ہوجائے گی۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۱۳۸۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۷/۱۶۸)

وتر ختم کر کے ''سبحان الملک القدوس'' کب پڑھے:

سوال: بعد سلام وتر جو '' سبحان الملک القدوس ثلثاً '' وارد ہے، یہ سجدہ کر کے پھر پڑھے، یا قعدہ میں؟ اور عندالاحناف یہ جائز ہے، یا نہیں؟

---

(۱) للمقتدی يتابع الإمام فی القنوت فلو ركع الإمام فی الوتر قبل أن يفرغ المقتدی من القنوت فإنه يتابع الإمام،إلخ .(الفتاوى الهندية،مصری،فی صلاة الوتر: ۱/۱۰٤،ظفير)

(۲) ولو نسيه:أی القنوت ،ثم تذكره فی الركوع،لايقنت فيه،لفواته محله،ولايعود إلٰی القيام ... وسجد للسهو،اهـ''.(الدر المختار،باب الوتر والنوافل:۲/۹،سعيد)

''ولوترک القنوت فذكر فی القعدة الأخيرة أوبعد ما قام عن الركوع،لايقنت،وعليه السهو''.(الفتاوى الخانية، فصل فيما يوجب السهو ومالايوجب السهو: ۱/۱۲۱،رشيدية)

وأما السهو فی القنوت:إن ترک القنوت ساهيا ثم يتذكر بعد ما يركع أو يسجد وفی هذه الصورة لا يعود إلی القيام ولا يقنت بل يمضی فی صلاته ويسجد للسهو فی آخره.(المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی،الفصل السابع عشر فی سجود السهو: ۱/۵۰٤،دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

الجواب

وتر کا سلام جب پھیر کر بیٹھے، اس وقت پڑھے اور یہ عندالاحناف بھی جائز و مستحب ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۱۵۷)

وتر کے بعد ''سبحان الملک القدوس'' اور عیدالاضحیٰ میں جاتے ہوئے تکبیر بلند آواز سے نہ کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص بعد وتروں کے بلند آواز سے ''سبحان الملک القدوس'' تین بار نہیں کہتا اور نہ عیدالاضحیٰ کی نماز کو جاتے ہوئے راستہ میں بلند آواز سے تکبیر کہتا ہے۔ یہ متبع سنت ہے، یا نہیں؟

الجواب

وتر کے بعد بلند آواز سے ''سبحان الملک القدوس'' تین بار پڑھنا مستحب ہے اور بعض روایات میں تیسری مرتبہ بلند آواز سے پڑھنا آیا ہے۔ پس اس سے تیسری مرتبہ ''سبحان الملک القدوس'' کو بلند آواز سے پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ بہر حال ایسا کرنا مستحب اور بہتر ہے اور تارک پر کچھ طعن و ملامت نہ کرنی چاہیے؛ کیوں کہ مستحب فعل کو اگر کوئی نہ کرے تو اس پر کچھ طعن نہیں ہے۔

البتہ اتباع سنت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے، ویسا کرے؛ یعنی خواہ تینوں مرتبہ، یا ایک مرتبہ اخیر میں ''سبحان الملک القدوس'' کو وتر کے بعد بلند آواز سے کہہ لیا کرے۔ (۲)

(۱-۲) عن أبی بن کعب رضی اللّٰہ عنہ قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم إذا سلم فی الوتر قال: ''سبحان الملک القدوس''. (رواہ أبوداؤد والنسائی و زاد: ثلٰث مرات یطیل، وفی روایۃ للنسائی عن عبد الرحمٰن بن أبزیٰ عن أبیہ قال: کان یقول إذا سلم: '' سبحان الملک القدوس'' ثلٰثاً ویرفع صوتہ بالثالثۃ. (مشکاۃ المصابیح، باب الوتر، الفصل الثانی، ص: ۱۱۲، ظفیر)

عن أبی بن کعب أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یوتر بثلاث رکعات کان یقرأ فی الأولٰی بسبح اسم ربک الأعلٰی وفی الثانیۃ بقل یا أیہا الکافرون وفی الثالثۃ بقل ھو اللّٰہ أحد ویقنت قبل الرکوع فإذا فرغ قال عند فراغہ سبحان الملک القدوس ثلاث مرات یطیل فی آخرھن. (سنن النسائی، باب ذکر اختلاف ألفاظ الناقلین: ۱/۱۹۱، انیس)

عن أبی بن کعب رضی اللّٰہ عنہ قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقرأ فی الوتر ''بسبح اسم ربک الأعلٰی وفی الرکعۃ الثانیۃ بقل یا أیہا الکافرون وفی الثالثۃ بقل ھو اللّٰہ أحد ولا یسلم إلا فی آخرھن ویقول یعنی بعد التسلیم: سبحان الملک القدوس ثلاثاً. {أخرجہ النسائی}(إعلاء السنن: ۶/۴۲، رقم الحدیث: ۱۶۶۱، انیس)

عن عبد الرحمٰن بن أبزیٰ أنہ صلٰی مع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم الوتر فقرأ فی الأولٰی بسبح اسم ربک الأعلٰی وفی الثانیۃ قل یا أیہا الکٰفرون وفی الثالثۃ قل ھو اللّٰہ أحد فلما فرغ قال: ''سبحان الملک القدوس'' ثلٰثاً ویمد صوتہ بالثالثۃ. {رواہ الطحاوی وأحمد وعبد بن حمید والنسائی وإسنادہ صحیح '(إعلاء السنن: ۶/۴۱-۴۲، رقم الحدیث: ۱۶۶۰، انیس)

اسی طرح عیدالاضحیٰ میں تکبیر بالجہر راستہ میں مشروع ومسنون ہے،اس کا ترک کرنا بھی خلاف سنت ہے۔(۱)فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۱٦٤)

وتر کے بعد دعا:

سوال: تراویح میں وتر کے بعد امام کا بلند آواز سے اجتماعی دعا کرنا سنت ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

یہاں بھی آہستہ مستحب ہے۔(۲)فقط واللہ سبحانہ تعالی اعلم

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۲/۱۰/۱۳۸۵ھ (فتاویٰ محمودیہ:۷/۱٦۹)

وتر کی امامت فرض نماز کے امام کے علاوہ شخص کرسکتا ہے، یا نہیں:

سوال: کیا وتر کی نماز کا امام غیر امام فرض بن سکتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ

وتر کی جماعت کا امام فرض کے امام کا غیر ہوسکتا ہے۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۱۵۸)

فرض پڑھانے والے کے سوا وتر کوئی اور پڑھا سکتا ہے، یا نہیں:

سوال: یہ جو مشہور ہے کہ جو شخص فرض نماز پڑھاوے، وہی وتر پڑھاوے،اگر دوسرا شخص پڑھاوے تو جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

درست ہے کہ دوسرا شخص وتر پڑھاوے اور جو مشہور ہے، غلط ہے۔(۳)(تالیفات رشیدیہ،ص:۳۲۸)

---

(۱) وقالا: الجهر به سنة كالأضحى الخ ويكبر جهرًا اتفاقاً فى الطريق،قيل: وفى المصلّٰى وعليه عمل الناس اليوم لافى البيت (الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار، باب العيدين: ۱/۷۷۸-۷۸٤،ظفير)

(۲) قال اللّٰه تعالىٰ:﴿أدعوا ربكم تضرعًاو خفية،إنه لايحب المعتدين﴾ (سورة الأعراف:۵۵،انيس)

"قيل:معناه تذللاً واستكانةً وخفيةً كقوله:﴿واذكرربك فى نفسك﴾الآية.وفى الصحيحين عن أبى،موسىٰ الأشعرى رضى اللّٰه تعالىٰ عنه قال:رفع الناس أصواتهم بالدعاء،فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم:"أيها الناس"!إربعوا علىٰ أنفسكم،فإنكم لاتدعون أصم ولا غائباً،إن الذى تدعون سميع قريب". الحديث.(تفسيرابن كثير ،الجزء الثامن (سورة الأعراف):۲/۲۹٦،مكتبة دارالسلام الرياض)

(۳) قد كان عمر رضى اللّٰه عنه يأمهم فى الفريضة والوتر،وكان أبى رضى اللّٰه تعالىٰ عنه يؤمهم فى التراويح، كذا فى السراج الوهاج.(الفتاوىٰ الهندية،الباب التاسع فى النوافل،فصل فى التراويح:۱/۱۱٦،دارالفكر،انيس)

وتر وہی شخص پڑھائے، جس نے فرض عشا پڑھائی ہو، یا دوسرا شخص بھی پڑھا سکتا ہے:

سوال: اگر فرض نماز عشا ایک شخص نے پڑھائی تو کیا وتر بھی وہی شخص ضرور پڑھائے، کیا دوسرے شخص کے وتر کا امام بننے میں کچھ کراہت ہے، یا خلاف اولیٰ؟

الجواب

بظاہر ہر قواعد سے اس میں کچھ حرج نہیں معلوم ہوتا؛ لیکن کوئی جزئیہ نظر سے نہیں گزرا، البتہ عالمگیریہ میں سراج وہاج سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ فرض اور وتر خود پڑھاتے تھے اور تراویح حضرت اُبیؓ سے پڑھواتے تھے، اھ۔(۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امامِ فرض کو امامِ وتر بنانا بہتر ہے، ہاں اگر امام فرض وتر کی جماعت میں شریک ہی نہ ہو، (خواہ کسی عذر کے باعث، یا خود قرآن شریف دوسری جگہ پڑھنے وغیرہ کے سبب) تو پھر کسی دوسرے کو امام وتر بنا نا خلافِ اَولیٰ بھی نہیں ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ عبدالکریم عفی عنہ، الجواب صحیح: ظفر احمد عفا اللہ عنہ (امداد الاحکام: ۲/۲۱۷-۲۱۸)

وتر میں امامت امام کرائے، یا حافظ صاحب:

سوال: ہماری مسجد میں مقیم امام فاضل دار العلوم دیوبند ہیں، فرض نماز عشا پڑھانے کے بعد تراویح حافظ صاحب جن کو رمضان شریف میں تراویح پڑھا کے لیے رکھا گیا، پڑھاتے ہیں، وتر جماعت کے لیے امامت کا مستحق امام مقیم ہے، یا حافظ صاحب؟

الجواب

جس امام نے عشا کی فرض پڑھائی، وتر بھی وہی پڑھائے؛ لیکن تراویح پڑھانے والا وتر پڑھائے گا، تب بھی درست ہے، کوئی کراہت نہیں، اس میں تنازع نہ کرے۔(۲) واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۹۲/۹/۱۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۱۶۹، ۱۷۰)

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۶، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) بظاہر قواعد سے اس میں کچھ حرج نہیں معلوم ہوتا، البتہ عالمگیریہ میں ''السراج الوہاج'' سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ فرض اور وتر خود پڑھاتے تھے اور تراویح حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھواتے تھے'' تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام فرض کو امامِ وتر بنانا بہتر ہے، ہاں اگر امامِ فرض وتر کی جماعت میں شریک ہی نہ ہو (خواہ کسی عذر کے باعث، یا خود قرآن شریف دوسری جگہ پڑھنے وغیرہ کے سبب) تو پھر کسی دوسرے کو امامِ وتر بنانا خلافِ اولیٰ بھی نہیں ہے''۔ (امداد الاحکام، فصل فی الوتر ودعاء القنوت: ۱/۶۰۳-۶۰۴، مکتبہ دار العلوم کراچی)

قد كان عمر رضي الله تعالىٰ عنه يأمهم في الفريضة والوتر، وكان أبي رضي الله تعالىٰ عنه يؤمهم في التراويح، كذا في السراج الوهاج. (الفتاویٰ الهندية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۶، رشيدية)

حکم اقتداءِ حنفی باشافعی در وتر وشرائطِ آں:

سوال: ماہ رمضان میں بعد تراویح کے وتر کی نماز باجماعت ادا کرتے ہیں، اس وتر میں دو جماعت ہوتی ہیں، ایک امام حنفی، دوسرے شافعی۔۔۔، الگ الگ اپنے اپنے امام سے پڑھتے ہیں، دوسری صف میں ایک ہی ساتھ ہوتے ہیں اور اسی وتر میں الگ پڑھنا میرے خیال میں نہیں آتا، غرضکہ ہمارے مرشد نے بھی تاکید کی کہ ایک ہی جماعت سے پڑھ لیا کریں، ہمارے پیر بھائی تو پڑھتے ہیں، آئندہ بھی پڑھیں گے، کتاب شہابیہ مذہب شافعی کی اور شرائط المذہب میں بھی پڑھنے کا طریقہ لکھا ہوا ہے، ان کتابوں کو دکھانے سے بھی نہ حنفی، نہ شافعی کوئی نہیں مانتا؛ اس لیے اس وتر کی نماز کو ایک ہی جماعت سے پڑھیں، یا نہ پڑھیں؟ حکم شرعی صادر فرماویں۔

الجواب

حنفی کو وتر میں شافعی المذہب کی اقتدا قول اصح کی بنا پر جائز ہے، بشرطیکہ وہ تین رکعت بدون فصل بالسلام کے پڑھے اور بشرطیکہ امام نیت مطلقِ وتر کی کرے، وتر تطوع، یا وتر مسنون کی نیت نہ کرے۔

قال في الدرالمختار: وصح الاقتداء فيه بشافعي لم يفصله بسلام لأن فصله على الأصح فيهما للاتحاد وإن اختلف الاعتقاد، آه.

قال الشامي: خلافًا لما في الارشاد من أنه لايجوز أصلاً باجماع أصحابنا، لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل، آه.

ثم قال تحت قوله للاتحاد: واستشكله في الفتح بأنه اقتداء المفترض بالمتنفل وإن لم يخطر بخاطره عند النية صفة السنية أوغيرها بل مجرد الوتر لتقرر النفلية في اعتقاده وردّه في البحر بما صرح في التجنيس أيضا من أن الإمام إن نوٰى الوتر وهو يراه سنة جاز الاقتداء كمن صلى الظهر خلف من يرى أن الركوع سنة وإن نواه بنية التطوع لايصح الاقتداء؛ لأنه يصير اقتداء المفترض بالمتنفل، آه. (٦٩٩/١)(١)

ہر چند کہ حنفی کی اقتدا شافعی کے ساتھ وتر میں قول اصح پر جائز ہے؛ مگر مشائخ کا اس میں اختلاف ہے، بعض مشائخ نے اجازت نہیں دی اور جو جائز کرتے ہیں، وہ بھی اس شرط سے جائز کرتے ہیں کہ کہ شافعی امام وتر مطلق کی نیت کرے، وتر تطوّع، یا مسنون کی نیت نہ کرے اور اس کی رعایت کا علم قدرے دشوار ہے؛ اس لیے جو حنفی جماعتِ وتر حنفی امام کے ساتھ شافعیہ سے الگ کرتے ہیں، ان پر ملامت نہیں کی جاسکتی۔

۶ رشعبان ۱۳۴۳ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۰۵، ۲۰۶)

---

(۱) ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ۸/۲، دارالفکر بیروت، انیس

وتر میں شافعیہ کی اقتدا درست ہے، یا نہیں:

سوال: یہاں زمانۂ دراز سے حنفی شافعی رہتے ہیں، تقریبا پچیس تیس سال کے آگے حنفی امام مقرر تھے، کل حنفی وشافعی اس امام کی اتباع میں نماز پنجگانہ ووتر وتراویح وجمعہ وعیدین وغیرہ ادا کرتے تھے، اب تقریبا پچیس سال سے دوسرے شہر کے حافظ شافعی امام مقرر ہیں، کل حنفی وشافعی ایک ہی امام کے پیچھے ایک ہی جماعت سے نماز پنجگاہ ووتر وتراویح وجمعہ وعیدین باتفاق تمام ادا کرتے آئے ہیں، وقت عصر وعشاوصبح میں شافعی امام حنفی مسئلہ کی رعایت سے تاخیر سے ادا کرتے آئے ہیں، رمضان شریف میں وتر بھی حسب عادت قدیم شافعی وحنفی علماء کی صلاح پر ایک ہی سلام سے شافعی امام پڑھاتے ہیں، یک بیک ایک صاحب کہیں سے آکر شافعی وحنفی میں پھوٹ ڈالنے کے قصد سے کہا کہ نماز وتر بہ مذہب شافعی ایک سلام سے جائز نہیں، حنفی وشافعی جدا جدا دو جماعت سے ہی پڑھنا جائز ہوگا، اہل جماعت سے ایک دو صاحب ان کی بات کا اتباع کرکے وتر دو سلام سے پڑھنا چاہتے ہیں؛ مگر باقی اہل جماعت حسبِ عادتِ قدیم ایک ہی سلام سے پڑھنا چاہتے ہیں؛ کیوں کہ دو سلام کے پڑھنے سے حنفیوں کی دوسری جماعت کرنی ہوگی، یہی افتراق آئندہ دوسرے اوقات میں بھی دو جماعت کا باعث ہوگا، پس ایک ہی مسجد میں دو جماعت ہونے سے ضرور فتنہ وفساد کا اندیشہ ہے؛ اسی لیے اتفاق کو بحال رکھنے کے لیے اکثروں کا ارادہ مصمم ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق شرائط المذاہب اردو باب الوتر والنوافل میں ہے: ''یعنی اور افضل ہے نزدیک ائمہ ثلاثہ کے وتر فصل سے پڑھنا؛ لیکن مقتدی حنفی ہوں تو وصل سے پڑھے، نہیں تو اقتدا حنفی کی درست نہ ہوگی، انتہی''۔ چوں کہ یہ عبارت اردو ہے، اس کی اصل عبارت کس کتاب میں ہے، معلوم نہیں اور کتاب الاوطار ترجمہ درمختار میں ہے:

وصح الاقتداء فيه ففى غيره أولٰى إن لم يتحقق منه مايفسد ها فى اعتقاده فى الأصح كما بسط فى البحر بشافعى مثلاً لم يفصله بسلام لا أن فصله على الأصح فيهما للاتحاد وإن اختلف الاعتقاد. (۱)

اور درست ہے وتر میں اقتداء حنفی کا پیچھے شافعی کے مثلا جو وتر کو سلام سے جدا نہ کردے، یعنی دو رکعت پر سلام نہ پھیر دے تو وتر کے غیر میں اقتداء بطریق اولی درست ہے، بشرطیکہ امام سے کوئی ایسا امر متحقق نہ ہو، جو نماز کا مفسد ہو، انتہی، باقی کتاب میں دیکھ لیں۔

اور عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ (۲) مؤلفہ حضرت مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی مرحوم میں ہے:

قوله خلافًا للشافعى أى فى أحدًا قوله الثلٰثة أحدها كقولنا وثانيها يوتر ثلثا بتسليمتين بأن

---

(۱) الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۹٤/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱۷۰/۱، انيس

يشهد علىٰ رأس الركعتين ويسلم ثم يصلي ركعة واحدة وثالثها أنه مخير بين أن يوتر بثلث بتسلمية، انتهىٰ.

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بمذہب امام شافعی وتر کے بارے میں تین روایت ہیں، جن میں ایک روایت موافق حنفیہ ایک ہی سلام سے تین رکعت اور ایک روایت میں تخییر ایک رکعت، یا تین رکعت بیک سلام، ان روایات کی تفصیل سے اطلاع فرمادیں؟ اس مسئلہ کے متعلق مقام واقعہ؛ یعنی کذمور، اولز، نون کے مذکورہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے قول فیصل کیا ہوسکتا ہے، بحوالہ کتب مع عبارت عربی تحریر فرما کر اہل جماعت کو ممنون فرماویں؟ کیوں کہ افتراق کا سخت اندیشہ ہے، مذکور نماز وتر شافعی کے پیچھے حنفی کو، حنفی کے پیچھے شافعی کو جائز نہ ہوتو کتنے سال کی نماز قضا کرنی چاہیے؟ صاف صاف مع حوالہ کتب ومزین مہر ودستخط سرفراز فرماویں؟

الجواب

قال في رحمة الأمة في باب صلاة النفل، ص: ٤٧: وأقل الوتر ركعة وأكثره أحدىٰ عشرة ركعة وأدنىٰ الكمال ثلٰث ركعات عند الشافعي وأحمد وقال أبو حنيفة الوتر ثلٰث ركعات بتسليمة واحدة لايزاد عليها ولاينقص منها وقال مالك الوتر ركعة قبلها شفع منفصل عنها، آه.

اس سے معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک وتر کی ایک رکعت جائز ہے، مگر کامل نہیں، وتر کامل ان کے نزدیک بھی تین رکعات ایک سلام کے ساتھ ہیں، **كما هو مفهوم قوله وأدنىٰ الكمال ثلٰث ركعات، إلخ، وليس محمله ثلث بالفصل بالسلام بينهن لذكره ذلك فيما بعد مذهبا لمالك والله أعلم**

اور زیادہ تحقیق مذہب شافعی کی علماء شافعیہ سے کی جاوے۔ رہا یہ کہ حنفی کو شافعی کی اقتدا وتر میں جائز ہے، یا نہیں؟ تو اصح قول حنفیہ یہ ہے کہ چند شرائط سے جائز ہے۔

(۱) یہ کہ وہ تین رکعات بدون فصل بالسلام کے پڑھے اور درمیان دو رکعت پر قعدہ کرے۔(۱)

(۲) یہ کہ وہ مطلق وتر کی نیت کرے، وتر کی نیت کرے، وتر تطوع، یا وتر مسنون کی نیت نہ کرے۔(صرح به في الشامية: ٦٩٩/١)(۲) واللہ اعلم

۲۱ رشعبان ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام: ۲۰۹/۲-۲۱۱) ☆

---

(۱) صح الاقتداء فيه يعني الوتر ففي غيره أولىٰ ان لم يتحقق منه ما يفسد ها في اعتقاد في الأصح كما بسطه في البحر بشافعي مثلاً لم يفصله بسلام لا ان فصله على الأصح فيهما للاتحاد وان اختلف الاعتقاد.(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل: ٩٤/١، انيس)

(۲) ولذا ينوى الوتر لا الوتر الواجب الذى ينبغي أن يفهم من قولهم أنه لا ينوى أنه واجب، أنه يلزمه ==

شافعی کے پیچھے حنفی کا وتر پڑھنا:

جناب مولانا تقی صاحب! ایک مسئلہ معلوم کرنا ہے، افریقہ میں اکثر شافعی مسجدیں ہیں، وہاں حنفی مسلک کے لوگ بھی نماز پڑھتے ہیں، جب وتر کا مسئلہ آتا ہے تو حنفی اگر شافعی مسلک کے امام کے پیچھے تراویح کے بغیر وتر پڑھیں تو صحیح ہے، یا علاحدہ جماعت کرنا ضروری ہے؟ مہربانی فرما کر اس مسئلہ کا جواب مندرجہ ذیل پتہ پر دیں، ٹکٹ کے پیسے لفافہ کے اندر نہیں بھیجے، چوں کہ یہ قانونا جرم ہے۔

احمد رحمت اللہ (دارالسلام، تنزانیہ)

الجواب

شافعی حضرات چونکہ وتر دوسلاموں کے پڑھتے ہیں اور حنفی مسلک میں اس طرح نماز نہیں ہوتی (۱) اس لئے حنفی حضرات کو چاہئے کہ وہ وتر میں ان کے ساتھ شامل نہ ہوں بلکہ اپنی نماز علیحدہ ادا کریں، تراویح ان ہی کے ساتھ ادا کرلیا کریں اور وتر کے وقت علیحدہ ہوجائیں۔ واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ، ۱۳۹۹/۹/۱۵ھ (فتویٰ نمبر ۱۳۰۹ھ ۳۱، ج) (فتاویٰ عثمانی: ۱/۵۱۷)

== تعيين الوجوب لا منعه من ذلك ؛لأنه ان كان حنيفاً ينبغي أن ينويه ليطابق اعتقاده و ان كان غيره فلا تضره تلك النية. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل: ۲/۴۴۵، انيس)

☆ نمازِ وتر میں شوافع کی اقتدا کا حکم:

سوال: شافعی مذہب کے امام رمضان میں وتر دوسلام سے ادا کرتے ہیں، پہلے دو رکعت کی نیت کرکے سلام پھیرتے ہیں، اس کے بعد ایک رکعت کی نیت کرکے سلام پھیرتے ہیں، اکثر مقتدی حنفی المذہب بھی شریک تراویح ہوتے ہیں، امام صاحب شافعی کا یہ کہنا ہے کہ تم لوگ بھی شریکِ وتر ہوجاؤ، جب ہم دو رکعت پر سلام پھیریں تم فوراً کھڑے ہوجاؤ، اور اپنی ایک رکعت پوری کرلو، حنفی المذہب مقتدی ایسا نہیں کرتے بلکہ اپنا دوسرا امام مقرر کرکے بہ جماعت وتر تین رکعت ادا کرلیتے ہیں؟

الجواب

ایسی حالت میں اس کی اقتداء جائز نہیں ہے، اس طریقہ سے وتر صحیح نہیں ہوسکتے۔

كما في الدرالمختار (كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل: ۱/۹۴، انيس) (وصح الاقتداء فيه بشافعي لم يفصله بسلام) لأن فصله (على الأصح) فيهما.

وقال الشامي: قوله على الأصح فيهما أي في جواز أصل الاقتداء فيه بشافعي وفي اشتراط عدم فصله، إلخ. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل: ۲/۴۴۴، انيس) فقط و الله أعلم

احقر عبد الکریم عفی عنہ، ۸/شوال ۱۳۴۸ھ۔ الجواب صحیح: ظفر احمد عفا عنہ ۱۰/شوال ۱۳۴۸ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۱۸)

(۱) في البحر الرائق: ۲/۳۹-۴۰ (كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل: ۲/۷۰، مكتبة زكريا ديوبند، انيس): فظهر بهذا أن المذهب الصحيح صحة الاقتداء بالشافعي في الوتر إن لم يسلم على رأس الركعتين و عدمها إن سلم. والله الموفق للصواب ==

شافعی امام کے پیچھے حنفی کے وتر پڑھنے کا حکم:

سوال: شافعی امام کے پیچھے وتر پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟ جائز ہے تو کن شرائط کے تحت؟ براہ کرم تفصیلی طور پر آگاہ فرمائیں؟

الجواب

شافعی کے پیچھے حنفی کی اقتدا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

(۱) حنفی کے مذہب کے مطابق شافعی کی نماز میں کوئی مفسد نماز فعل نہ ہو۔

(۲) حنفی مقتدی کو یقین ہو کہ شافعی امام جائز و ناجائز کے اہم مختلف فیہ مسائل میں احتیاط سے کام لیتا ہے، مثلا بہتے ہوئے خون کے نکلنے سے وضو کر لیتا ہے اور اگر اسے اس کا یقین ہو کہ امام احتیاط نہیں کرتا تو نماز صحیح نہ ہوگی اور اگر اسے اس سلسلہ میں کچھ معلوم نہیں کہ احتیاط کرتا ہے، یا نہیں؟ تو نماز مکروہ ہوگی۔

(۳) وتر میں اقتدا کرنے کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ تین رکعتوں کو دو سلاموں کے ساتھ نہ پڑھے (جیسا کہ ان کا مذہب ہے) اور اس میں مقتدی کو اپنا قنوت ''اللھم إنا نستعینک، الخ'' رکوع کے بعد پڑھنا چاہیے، پہلے نہیں؛ کیوں کہ شافعی امام بھی رکوع کے بعد پڑھے گا اور اس مسئلہ میں اس کی متابعت کرنا ضروری ہے۔

ان تمام مسائل کے دلائل کتب فقہ سے حسب ذیل ہیں:

{ا} درمختار میں ہے:

ومخالف كشافعي (يعني يكره الاقتداء به) لكن في وتر البحر: إن تيقن المراعاة لم يكره، أوعدمها لم يصح وإن شك كره. (۱)

اور علامہ شامی اس کے تحت فرماتے ہیں:

هٰذا هو المعتمد؛ لأن المحققين جنحوا إليه، وقواعد المذهب شاهدة عليه، وقال كثير من المشايخ: إن كان عادته مراعاة مواضع الخلاف جاز وإلا فلا، ذكره السندي. (ردالمحتار: ۵۲۶/۱)(۲)

(مثله في شرح الكنز للعيني: ۴۶/۱)(۳)

== وفي ردالمحتار (كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۴۴۴/۲، انيس) (قوله: على الأصح فيهما) أي في جواز أصل الاقتداء فيه بشافعي، وفي اشتراط عدم فصله خلافًا لما في الارشاد من أنه لايجوز أصلاً بإجماع أصحابنا، إلخ.

(۱) الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الامامة: ۸۳/۱، انيس

(۲) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الامامة: ۵۶۲/۱-۵۶۳ (طبع: ایچ ایم سعید)

(۳) رمز الحقائق، شرح العيني على كنز الدقائق، باب الوتر والنوافل: ۴۵/۱، طبع إدارة القرآن، كراچی

{۲}　درمختار میں ہے:

(وصح الاقتداء فيه)(يعني الوتر)،ففي غيرهأولٰى إن لم يتحقق منه مايفسدها في اعتقاده في الأصح كمابسطه في البحر (بشافعي)مثلاً(لم يفصله بسلام)لا إن فصله (على الأصح)فيهما للاتحاد وإن اختلف الاعتقاد. (۱)

{۳}　"يأتي المأموم يقنوت الوترولوبشافعي يقنت بعد الركوع؛لأنه مجتهد فيه،وقال الشامي تحت قوله:(ولوبشافعي،إلخ)أي ويقنت بدعاء الاستعانة لا دعاء الهداية". (۲)

وقال تحت قوله(لأنه مجتهد فيه،إلخ):..."والظاهرأن المراد من وجوب المتابعة في قنوت الوتربعد الركوع المتابعة في القيام فيه لا في الدعاء.(ردالمحتار: ٦٢٦/١)(۳)

تنبیہ:　جوشرط ہمارے یہاں شافعی کے پیچھے اقتدا میں ہے کہ کوئی مفسد نماز لازم نہ آئے، وہی شرط شافعی حضرات کے یہاں حنفی کے پیچھے نماز پڑھنے میں ہے، جیسا کہ علامہ عینی نے شرح کنز میں لکھا ہے:

الشافعي أيضًا يقول بمثله في حق الحنفي فيقول:لايجوزاقتداء الشافعي الحنفي إلا إذا كان يحتاط في موضع الخلاف.

پھر چند سطروں کے بعد ہے:

يجوزاقتداء الحنفي بالشافعي والشافعي بالحنفي وكذا بالمالكي والحنبلي مالم يتحقق من إمامه مايفسد صلاته في اعتقاده.(عيني: ٤٦/١)(۴)واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ، ۱۳۹۹/۹/۱۵ھ (فتویٰ نمبر:۱۶۰۹/۳۱، ج) (فتاویٰ عثمانی:۱/۵۱۷-۵۱۹)

شافعیہ کا وتر الگ پڑھنا:

سوال:　ہمارے یہاں رمضان کی تراویح میں کچھ شافعی بھی رہتے ہیں، تراویح ختم پر شافعی لوگ الگ اپنی وتر کی نماز الگ پڑھتے ہیں، یہ فعل شریعت کی رو سے درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــ حامدًا ومصلياً

آپ ان کو کچھ نہ کہیں، وہ اپنے امام کے مذہب کے مطابق عمل کریں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۸/۲۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۷/۱۶۸-۱۶۹)

---

(۱)　الدرالمختارباب الوتر والنوافل: ٧/١-٨،طبع: سعيد

(۲)　الدرالمختار مع رد المحتار،باب الوتروالنوافل: ٤٤/٢،انيس

(۳)　ردالمحتار: ٨/٢-٩ (طبع :سعيد)

(۴)　شرح العيني على الكنزالمسمى رمزالحقائق،باب الوتر و النوافل: ٤٥/١ (طبع ادارة القرآن كراچی)

نماز وتر اور دعاء قنوت سے چند سوالات:

سوال (۱) کیا رمضان المبارک میں شافعی المسلک والے وتر کی نماز الگ با جماعت امام کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں؟ جب کہ بیس رکعت حنفی امام کے پیچھے نماز پڑھی جاتی ہے، پھر شافعی مسلک والے وتر الگ کیوں پڑھتے ہیں؟

(۲) رمضان المبارک میں شافعی مسلک والے وتر کی نماز میں سولہویں رات سے دعائے قنوت پڑھتے ہیں، کیا یہ دعائے قنوت پہلی رات سے پڑھنی شروع کریں تو کچھ حرج ہے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعائے قنوت کب پڑھا کرتے تھے، وتر کی نماز میں، یا صبح کی نماز میں؟

هو المصوب

(۱) شافعی حضرات وتر با جماعت پڑھ سکتے ہیں، اگر دوسری جگہ ہو، البتہ بہتر یہی ہے کہ ساتھ ہی پڑھیں، ان کے یہاں وتر تین رکعت ایک سلام بھی جائز ہے۔(۱)

قرآن مجید میں اور حدیث شریف میں اتفاق اور ایک جماعت کو بہت اہمیت دی گئی ہے اور نماز کی اہمیت اتحاد کا مظہر ہے؛ اسی لیے علما بھی اتحاد و اتفاق کو مستحباب وغیرہ پر ترجیح دی ہے، اس کی بھی صراحت کی ہے کہ مستحبات کو ائتلاف واتفاق کو مستحبات وغیرہ پر ترجیح دی ہے، اس کی بھی صراحت کی ہے کہ مستحبات کو ائتلاف واتفاق کے لیے ترک کر دینا مستحب ہوتا ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یستحب الرجل أن یقصد إلیٰ تألیف القلوب بترک هٰذه المستحبات؛ لأن مصلحة التألیف

(۱) تسن الجماعة فی التراویح للإتباع فیها کما مر، وفی الوتر معه، أی: مع فعل التراویح جماعة أو فرادیٰ لنقل الخلف له عن السلف. (فتح الرحمن بشرح زید بن رسلان، باب صلاة الجماعة: ۳۴۵/۱، دار المنهاج بیروت، انیس)

الوتر سنة عندنا بلاخلاف وأقله: رکعة بلا خلاف وأدنیٰ کماله: ثلاث رکعات وأکمل منه: خمس، ثم سبع، ثم تسع، ثم احدیٰ عشرة، وهی أکثره علی المشهور فی المذهب وبه قطع المصنف و الأکثرون. (المجموع شرح المهذب: ۳۵۰/۳) (باب صلاة التطوع: ۳۵۰/۳، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس)

ومن أهم ما یذکر فی الوتر أن الأفضل فی عدة رکعاتها ماذا؟ فذهب بعض أصحابنا إلیٰ أن الاتیان بثلاث موصولة أفضل فإن ذلک صحیح وفاقاً والإیتار برکعة واحدة مختلف فیه وارتیاد ما یصح وفاقا أولیٰ فإن الصلاة خطیرة عظیمة الموقع وهذا اختیار أبی زید المروزی، ومن أصحابنا من قال: الأفضل الإ یتار برکعة فردة وغلا هذا القائل بها، فقال: لو أوتر بإحدی عشرة وأوتر برکعة فردة فالرکعة الفردة أفضل من إحدی عشرة. (نهایة المطلب فی درایة المذهب، باب فی صلاة التطوع: ۳۶۰/۲، دار المنهاج بیروت، انیس)

فی الدین أعظم من مصلحة فعل مثل هٰذا كما ترك النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم تغییر بناء البیت لما فی إبقائه من تألیف القلوب وكما أنكر ابن مسعود علی عثمان إتمام الصلاة فی السفر ثم صلّٰی خلفه متماو قال: الخلاف شر. (۱)

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”والذی یمیل إلیه القلب عدم كراهة الاقتداء بالمخالف مالم یكن غیر مراع فی الفرائض؛ لأن كثیراً من الصحابة والتابعین كانوا أئمة مجتهدین وهم یصلون خلف إمام واحدٍ مع تباین مذاهبهم“. (۲)

لكن فی وتر البحر: إن تیقن المراعاة لم یكره. (۳)

قوله: إن تیقن المراعاة فی الفرائض من شروط وأركان فی تلك الصلاة، وإن لم یراع فی الواجبات والسنن كما هو ظاهر سیاق كلام البحر. (۴)

(۲) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فجر میں بھی قنوت پڑھا ہے اور وتر میں بھی؛ لیکن فجر میں خاص موقع سے قنوت نازلہ پڑھا تھا، وتر میں پابندی سے پڑھا۔ (۵)

---

(۱) مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام، باب ترك المستحبات جائز لتألیف القلوب: ۴۰۷/۲۲، مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشریف، انیس

(۲) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الامامة، مطلب إذا صلی الشافعی قبل الحنفی هل الأفضل الصلاة مع الشافعی أم لا؟: ۵۶۴/۱، دارالفكر بیروت، انیس

(۳-۴) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الامامة: ۵۶۳/۱، دارالفكر بیروت، انیس

(۵) عن محمد بن سیرین قال: سئل أنس بن مالك: أقنت النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه فی الصبح؟ قال: نعم، فقیل أو قنت قبل الركوع؟ قال قنت بعد ركوع یسیراً. (صحیح البخاری، أبواب الوتر، باب القنوت قبل الركوع، رقم الحدیث:: ۱۰۰۱)(۱۳۶/۱، ط: سهارنپور، انیس)

عن أنس بن مالك قال: قنت النبی صلی اللّٰه علیه وسلم شهراً، یدعوا علٰی رعل وذكوان. (صحیح البخاری، أبواب الوتر، باب القنوت قبل الركوع، رقم الحدیث: ۱۰۰۳)(۱۳۶/۱، ط: سهارنپور، انیس)

قال الحسن بن علی رضی اللّٰه تعالٰی عنه: علمنی رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم كلمات أقولهن فی الوتر: اللّٰهم اهدنی فیمن هدیت. (سنن الترمذی، أبواب الوتر، باب ماجاء فی قنوت الوتر، رقم الحدیث: ۴۶۴، قال الترمذی: هٰذا حدیث حسن لایعرفه إلا من هٰذا الوجه)

والحدیث بتمامه:

عَنُ الْحَسَنِ بُنِ عَلِيٍّ قَالَ: عَلَّمَنِی رَسُولُ اللَّهِ صَلَّی اللهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمَ هَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فِی الْوِتُرِ قَالَ: قُلُ: ”اللَّهُمَّ اهُدِنِی فِیمَنُ هَدَیُتَ، وَبَارِكُ لِی فِیمَا أَعُطَیُتَ، وَتَوَلَّنِی فِیمَنُ تَوَلَّیُتَ، وَقِنِی شَرَّ مَا قَضَیُتَ، فَإِنَّكَ تَقُضِی ==

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کہنا یہ ہے کہ فجر کا قنوت مستقل سنت ہے، وتر میں صرف رمضان کے نصف اخیر میں مسنون ہے۔(۱) یہ امام شافعی علیہ الرحمہ کا اجتہاد ہے، جو قرآن وحدیث پر ہی مبنی ہے اور وہ مجتہد تھے۔شریعت نے مجتہد کے اجتہاد کو تسلیم کیا ہے، ان کی تقلید جائز ہے اور شوافع اسی کو صحیح سمجھتے ہیں۔

تحریر: محمد علی لکھنوی ندوی، تصویب: ناصر علی ندوی۔ (ندوۃ العلماء: ۴۲/۳۔۴۴)

☆ ☆ ☆

== وَلَا يُقْضَى عَلَيْکَ، وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ ". (أخرجه أبو داؤد في السنن، رقم (١٤٢٥-١٤٢٦)، والترمذى فى الجامع، رقم (٤٦٤) وقال: وفى الباب عن على، هذاحديث حسن لا نعرفه إلا من هذا الوجه من حديث أبى الحوراء السعدة واسمه ربيعة بن شيبان ولا نعرف عن النبى – صلى اللّٰه عليه وسلم – فى القنوت شيئا أحسن من هذا، والنسائى فى المجتبى (٣٤٨/٣)، وابن ماجة فى السنن، رقم(١١٧٨)، وأحمد فى المسند (١٩٩/١-٢٠٠)، وابن أبى شيبة فى المصنف (٣٠٠/٣-٣٨٤/١٠)، وأبو يعلى فى المسند، رقم (٦٧٦٥، ٦٧٨٦)، وابن حبان فى الصحيح، رقم (٥١٢، ٥١٣)، والطبرانى فى الكبير (٧٢/٣-٧٧) والدعاء، الأرقام (٧٣٥- ٧٤٩)، والحاكم فى المستدرك (١٧٢/٣، ٤٧٢)وصححه، وصححه ابن المنذر فى الأوسط (٢١٤/٥)، والنووى فى الأذكار (١١٧)، وابن حجر فى نتائج الأفكار (١٣٩/٢)، وله شاهد من حديث ابن عباس، أخرجه محمد بن نصر فى كتاب الوتر (١١٤، ١٣٥، ١٣٨)انيس)

(۱) أن المشهورمن مذهبنا أنه يستحب القنوت فيه فى النصف الأخيرمن شهر رمضان خاصة. (المجموع شرح المهذب، باب صفة الصلاة فى فرع فى مذاهبهم فى القنوت فى الوتر: ٣٥٩/٣، مزید دیکھئے: نہایۃ المطلب: ۳۶۲/۲)

مذهبنا أنه يستحب القنوت فيها(صلاة الصبح)سواء نزلت نازلة أولم ينزل وبهٰذا قال أكثر السلف ومن بعده. (المجموع شرح المهذب للنووى، باب صفة الصلاة ، فى فرع فى مذاهب العلماء فى اثبات القنوت فى الصبح: ٣٣٥/٣) (دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

مسائل سنن ونوافل- سنن مؤکدہ

فرائض کی کمی سنن سے پوری ہوتی ہے:

سوال: فرضوں سے پہلے، ابعد جو سنتیں پڑھی جاتی ہیں، یہ کس لیے قرار دی گئیں؟

(المستفتی: ۶۹۹، حکیم مولوی سید عبداللہ شاہ، ۹ رشوال ۱۳۵۴ھ، مطابق ۵ رجنوری ۱۹۳۶ء)

الجواب

ان سنن مؤکدہ کا حکم ہمارے لیے تو اتنا کافی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہیں اور پڑھنے کی ہم کو بھی تعلیم اور تاکید فرمائی ہے، اس کے علاوہ ایک حکمت بھی حدیث سے ہمیں معلوم ہوگئی ہے کہ فرائض میں اگر کچھ نقصان رہ جائے گا تو اللہ تعالی کے فضل وکرم سے وہ ہماری سنن ونوافل سے پورا کر دیا جائے گا، (۱) اور یہ بہت بڑا فائدہ اور بڑی اہم مصلحت ہے۔ (۲) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۳۱۷)

---

(۱) عن أنس بن حكيم الضبى قال: خاف من زياد أو ابن زياد فأتى المدينة فلقى أباهريرة فنسبنى فانسبت له فقال: يا فئ ألا أحدثك حديثاً؟ قال قلت: بلىٰ رحمك الله، قال يونس: أحسبه ذكره عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: إن أول ما يحاسب الناس به يوم القيامة من أعمالهم الصلاة قال: يقول ربنا جل وعز لملا ئكته وهو أعلم انظروا فى صلاتى عبدى أتمها أم نقصها فان كانت تامة كتبت له تامة وان كان انتقص منها شيئا، قال: انظروا هل لعبد من تطوع؟ فإن له تطوع، قال: أتموا لعبدى فريضته من تطوعه ثم تؤخذ الأعمال علىٰ ذلك. (سنن أبى داؤد، كتاب الصلاة، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم كل صلاة لايتمها صاحبها تتم من تطوعه: ۱۳۳/۱، مكتبة حقانية، انيس)

(۲) عن عبد الله بن شقيق قال: "سألت عائشة رضى الله عنها عن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم عن تطوعه فقالت: "كا ن يصلى فى بيتى قبل الظهر أربعًا ثم يخرج فيصلى بالناس ثم يدخل فيصلى ركعتين وكان يصلى بالناس المغرب ثم يدخل فيصلى ركعتين ويصلى بالناس العشاء ويدخل بيتى فيصلى ركعتين، وكان يصلى من الليل تسعة ركعات فيهن الوتر، وكان يصلى ليلا طويلا قائما، وليلا طويلا قاعدا، وكان إذا قرأ وهو قائم ركع وسجد وهو قائم، وإذا قرأ قاعدا ركع وسجد وهو قاعد وكان إذا طلع الفجر صلى ركعتين. (صحيح لمسلم، باب جوازالنافلة قائمًا وقاعدًا وفعل بعض الركعة قاعداً وبعضها قائماً: ۲۵۲/۱، ط: قديمى كتب خانة كراچى)

سنت کے لیے اذان کا ہونا ضروری نہیں:

سوال: سنت پڑھنے کے واسطے اذان کا انتظار ضروری ہے، یا نہیں؟ جیسا کہ جمعہ، عشا وظہر کے وقت چار رکعت سنت پہلے پڑھی جاتی ہیں، بغیر اذان ہوئے پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟

(المستفتی:۵۲۴، شیخ شفیق احمد (ضلع مونگیر) ۷ر ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ، مطابق ۹ر جولائی ۱۹۳۵ء)

الجواب

سنت پڑھنے کے واسطے اذان کا انتظار ضروری نہیں، جمعہ، ظہر اور فجر کی سنتیں اذان سے پہلے پڑھی جاسکتی ہیں، (۱) (بشرطیکہ وقت ہو چکا ہو)۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۳۱۶)

سنتوں اور نفلوں میں وقت کا ذکر کرنا ضروری نہیں:

سوال: سنن ونوافل میں نیت کرتے وقت، اس وقت کا بھی نام لے، یا نہیں؟

الجواب

ذکرِ وقت کی حاجت نہیں۔(۲)

(بدست خاص، ص:۳۷) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ، ص:۱۸۲)

سنت اور نفل کی نیت میں وقت کی تعیین:

سوال: سنتوں اور نفلوں میں وقت کی پابندی ہے، یا نہیں ہے؟ مثلا دو رکعت سنت، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وقت ظہر کہنا چاہیے، یا نہیں؟ یا صرف دو رکعت سنت سنت رسول اللہ کی، منہ طرف کعبہ شریف کے کہنے چاہیے؟

(المستفتی:۲۲۴، شہباز خاں سب انسپکٹر پولیس کرنال، ۱۶ر ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ، ۳ر مارچ ۱۹۳۴ء)

---

(۱) الأذان سنة لأداء المكتوبات بالجماعة ... وليس لغير الصلوات الخمس والجمعة نحو السنن والوترو التطوعات و التراويح والعيدين أذان. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثانی فی الأذان، الفصل الأول: ۱/۵۳، دارالفكر بيروت، انيس)

(۲) ويكفيه مطلق النية للنفل والسنة والتراويح وهو الصحيح. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثالث فی شروط الصلاة، الفصل الرابع فی النية: ۱/۶۵، انيس)

ثم إن كانت الصلاة نفلا يكفيه مطلق النية وكذا إن كانت سنة فی الصحيح وإن كانت فرضا فلا بد من تعيين الفرض كالظهر لاختلاف الفروض. (الهداية، باب شروط الصلاة التی تتقدمها: ۱/۴۶، دارإحياء التراث العربی بيروت، انيس)

الجواب

سنتوں اورنفلوں میں وقت کا نام لینے کی ضرورت نہیں اورسنت رسول اللہ کی یہ لفظ کہنے کی بھی ضرورت نہیں ،صرف یہ کہنا چاہیے نیت کی ،میں نے دورکعت نماز سنت واسطے خدا کے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ(کفایت المفتی:۳/۳۱۵،۳۱۶)

سنتوں کی نیت میں سنت رسول اللہ کہنا کیسا ہے:

سوال: سنن میں سنت رسول اللہ کہنا کیسا ہے؟

الجواب

(وکفیٰ مطلق نیة الصلاة) وإن لم یقل للّٰہ (لنفل وسنة)راتبة"،الخ.(۲)

یعنی سنت ونفل میں مطلق نیت نماز کی بھی کافی ہے اوریقین کرنا کہ سنت فجر ہے یاظہر احوط ہے،اگرسنت رسول اللہ کہے تب بھی کچھ حرج نہیں ہے۔(۳) واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۰۶)

سنت ونوافل میں فرق:

سوال: کیانفل وسنت نماز ایک ہی نماز ہیں، یاجداجدا؟ تہجد کی نماز سنت ہے، یانفل؟

ھو المصوب

سنت نماز کونفل کہاجاتا ہے؛لیکن ہرنفل کوسنت نہیں کہاجاسکتا،(۴)اس سے یہ معلوم ہوا کہ بعض صورتوں میں فرق ہے اورتہجد کی نماز کونفل وسنت دونوں کہہ سکتے ہیں۔(۵)

تحریر:محمد ظفر عالم ندوی،تصویب ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۳/۴۱)

---

(۱) (وکفیٰ مطلق نیة الصلاة)وإن لم یقل للّٰہ (لنفل وسنة)راتبة،إلخ.(الدرالمختارعلیٰ ھامش رد المحتار،کتاب الصلاة،باب شروط الصلاة،بحث فی النیة:۲/۹٤،دارالکتب العلمیة بیروت،انیس)

(۲) الدرالمختارعلیٰ ھامش رد المحتار،باب شروط الصلٰاة،بحث فی النیة:۲/۹٤،دار الکتب العلمیة بیروت،ظفیر

(۳) والاحتیاط فی السنن أن ینوی الصلاة متابعاً لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم،کذا فی الذخیرة.(الفتاویٰ الھندیة،کتاب الصلاة،الباب الثالث فی شروط الصلاة،الفصل الرابع فی النیة:۱/٦٥، انیس)

(۴) کل سنة نافلةً ولاعکس.(الدرالمختار)والکل یسمیٰ نافلة؛لأنہ زیادة علیٰ الفرض لتکمیلہ.(الدر المختار مع ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب الوتر و النوافل:۲/٤۳۸)

(۵) أقم الصلٰوة لدلوک الشمس الیٰ غسق اللیل قرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشھوداً ومن اللیل فتھجد بہ نافلة لک عسیٰ أن یبعثک مقاما محموداً.(سورة الاسراء:۷۸،۷۹،انیس)

اگر بھول سے سنت کی نیت میں فرض کا نام لے لے تو کیا حکم ہے:

سوال: اگر کوئی شخص بوقت ظہر، یا فجر بھول کر بجائے سنت مؤکدہ کی نیت کے فرضوں کی نیت باندھ لے تو سنتیں کیوں کر ادا کرے؟ نیت توڑ کر پھر سنتوں کی نیت باندھے، یا دل ہی دل میں نیت کرے اور فرض بعد کو پڑھے، یا کیا کرے؟

الجواب

نیت توڑ کر پھر سے نیت سنتوں کی باندھے اور دوبارہ تکبیر بہ نیت سنت کہے۔(۱) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲۰۸/۴)

سنن مؤکدہ کا ثبوت:

سوال: ہر پنج وقتی نماز فرض کے بعد جو نفل، یا سنت زوائد پڑھی جاتی ہیں، خاص کر ظہر میں دو رکعت اور مغرب اور عشا میں دو رکعت سنت کے بعد، یہ سب کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے، یا نہیں؟

الجواب

نماز فرائض کے قبل و بعد جو سنن زوائد ہیں، امام ابوحنیفہؒ نے ان کو سنت فرمایا ہے اور سنت وہی ہے جو حدیث سے ثابت ہو، امام صاحبؒ ہم سے زیادہ حدیث کو جانتے تھے، انھوں نے کسی حدیث سے ان کا سنت ہونا معلوم کیا ہوگا، ہم کو حدیث ڈھونڈھنے کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ ہم مقلد ہیں؛ لیکن اس وقت محض تبرعاً حدیث صحیح لکھے دیتا ہوں، آئندہ ایسے سوالات کا جواب وہی ہوگا، جو اوپر لکھا گیا ہے۔

أخرج البخاری عن نافع عن ابن عمر قال: حفظت من النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم عشر رکعات رکعتین قبل الظهر ورکعتین بعدها ورکعتین بعدالمغرب فی بیته ورکعتین بعد العشاء فی بیته ورکعتین قبل صلٰوة الصبح وکانت ساعة لایدخل علی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فیها حدثتنی حفصة أنه کان إذا أذن المؤذن وطلع الفجر صلّٰی رکعتین وأخرج عن عائشة رضی اللّٰہ عنهاأن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلّم کان لایدع أربعًا قبل الظهر ورکعتین قبل الغداة.(۲)

---

(۱) رجل افتتح الکمتوبة فظن أنها تطوع فصلّٰی علٰی نیة التطوع حتّٰی فرغ فالصلاة هی المکتوبة ولو کان الأمربالعکس فالجواب بالعکس ولوافتتح الظهرثم نوٰی التطوع أو العصر أو الفائتة أو الجنازة،وکبر یخرج عن الأول ویشرع فی الثانی والنیة بدون التکبیرلیس بمخرج.(الفتاوٰی الهندیة، کتاب الصلاة،الباب الثالث فی شروط الصلاة،الفصل الرابع فی النیة : ۶۶/۱)

(۲) صحیح البخاری، کتاب الصلاة،أبواب التهجد،باب الرکعتین قبل الظهر : ۱۵۷/۱ ،قدیمی،انیس ==

ان حدیثوں سے بارہ سننِ مؤکدہ کا ثبوت کافی طور پر ہو رہا ہے اور اگر سنن زوائد سے سننِ مؤکدہ کے علاوہ مراد ہیں تو دوبارہ سوال کیا جاوے۔ (امدادالاحکام:۲/۲۱۸-۲۱۹)

مختلف اوقات کی سنتوں سے متعلق احکام:

سوال: سنن رواتب کہ جن کا نماز پنجگانہ میں معمول ہے کہ عوام کے ذہن میں اس قدر مستحکم ہیں کہ عوام سمجھتے ہیں کہ مجموعہ رکعات سنت وفرض، اصل نماز میں داخل ہیں، حالاں کہ سنت فجر کے سواء اور باقی جو نماز سنت ہے، اس کی اس قدر تاکید حدیث میں نہیں اور اکثر مسلمان مرد اور عورت بسبب زیادتی رکعت نماز پابندی کی دشوار جانتے ہیں تو رات دن میں جو سترہ رکعت فرض ہے، اگر صرف وہی ادا کرنے کے لیے حکم دیا جائے تو لوگ آسانی سے نماز کی پابندی کرسکیں گے؟

الجواب

جو نماز سنت ہے، اس کے بارے میں علماء ماوراء النہر نے نہایت سختی کی ہے، حتی کہ جہال عوام نے سنتوں کو قریب فرض کے سمجھ لیا ہے اور اس قدر تاکید حدیث سے ثابت نہیں اور یہی تحقیق ہمارے حضرت والد مرحوم کی ہے اور احادیث اور آثار صحیحہ سے یہی ثابت ہے، تشدد کنندگان علماء ماروا ءالنہر نے اس قدر تاکید نماز سنت کی ثابت فرمائی ہے کہ یہ نمازیں جو سنتیں ہیں، عوام کے عقیدہ میں فرض کے مانند قرار پائی ہیں اور ہمارے حضرت والد مرحوم فرماتے تھے کہ یہ ایک طرح کی شریعت میں تحریف ہے؛ یعنی سنت کے بارے میں یہ عقیدہ کرادینا کہ یہ فرض ہے، شریعت میں ایک طرح کی تحریف ہے۔(۱) (فتاویٰ عزیزی،ص:۴۹۳-۴۹۴)

== وعن عائشة رضى الله عنها قالت: ما صلى النبى صلى الله عليه وسلم العشاء فدخل الا صلى أربع ركعات أو ست ركعات. {رواه أحمد وأبو داؤد}(آثار السنن، كتاب الصلاة، باب التطوع للصلاة، ص: ٢٠١، مكتبة البشرىٰ پاكستان، انيس)

(۱) وَمن أَسبَاب التحريف التعمق، وَحَقِيقَته أَن يَأْمر الشَّارِع بِأَمْر وَيَنْهى عَن شَيْء فيسمعه رجل من أمته، ويفهمه حَسْبَمَا يَلِيق بذهنه، فيعدى الحكم إِلَى مَا يشاكل الشَّيْء بِحَسب بعض الْوُجُوه أَو بعض أَجزَاء الْعلَّة أَو إِلَى أَجزَاء الشَّيْء ومظانه ودواعيه، وَكلما اشْتبهَ عَلَيْهِ الْأَمر لتعارض الرِّوَايَات الْتزم الأشد، ويجعله وَاجِبا، وَيحمل كل مَا فعله النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ على الْعِبَادَة، وَالْحق أَنه فعل أَشْيَاء على الْعَادة، فيظن أَن الْأَمر وَالنَّهْي شملا فِي هَذِه الْأُمُور، فيجهر بِأَن الله تَعَالَى أَمر بِكَذَا، وَنهى عَن كَذَا، كَمَا أَن الشَّارِع لما شرع الصَّوْم لقهر النَّفس وَمنع عَن الْجِمَاع فِيهِ ظن قوم أَن السّحُور خلاف الْمَشْرُوع؛ لِأَنَّهُ يُنَاقض قهر النَّفس، وَأَنه يحرم على الصَّائِم قبلَة امْرَأَته لِأَنَّهَا من دواعي الْجِمَاع، وَلِأَنَّهَا تشاكل الْجِمَاع فِي قَضَاء الشَّهْوَة، فكشف رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَن فَسَاد هَذِه المقاملة وَبَين أَنه تَحْرِيف. ==

سنت مؤکدہ کا ترک درست نہیں:

سوال: سنت مؤکدہ کو بعض علما کہتے ہیں کہ اگر فرصت ہے تو پڑھ لی جاویں، اگر فرصت نہ ہوتو نہ پڑھے، کچھ حرج نہیں ہے، یہ صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب

سنن مؤکدہ کو ترک نہ کرنا چاہیے، حتی الوسع پڑھنا چاہیے، (۱) البتہ اگر وقت تنگ ہوگیا ہو کہ صرف فرض پڑھنے کی مقدار وقت باقی ہو تو اس وقت سنتوں کو چھوڑ دے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۰۶/۴)

سننِ رواتب کے ترک کرنے والے کا حکم:

سوال: سوال اول این کہ شخصے در اوقات خمسہ سنن رواتب علی سبیل التہاون والتکاسل نمی خواند فقط برخواندن نماز ہائے فریضہ اکتفا می کند درحق آنکس شرعاً چہ حکم است، ودر آخرت بوجہ ترکِ سنن رواتب معذب و ماخوذ خواہد شد، یا نہ؟ وبایں سبب درزمرۂ بے نمازاں محشور شود یہ، یا نہ؟

سوال دوم اینکہ شخصے نماز ہائے پنجگانہ بجماعت میخواند بدیں طور کہ ہرگاہ بجماعت شریک شود اقتدیت بهٰذا الإمام اللّٰہ أکبر گفتہ بامام اقتداء کند، وپستر دعاء ثناء وتسبیحات رکوع وسجود وتکبیرات انتقالات وتشہد وغیرہ ہیچ نمی خواند و بعد تکبیر تحریمہ تا آخر نماز بالکل ساکت می ماند امادر افعال دیگر یعنی قیام وقعود ورکوع وسجود وقومہ وجلسہ باامام متابعت کردو چوں نماز تمام شد باامام لفظ السلام علیکم ورحمۃ اللہ بہر دو جانب گفتہ از نماز بیروں شد، پس نماز ایں شخص کہ بطور مذکور فرائض بجماعت میگذارد صحیح شود، یا نہ واز فرائض بری الذمہ گردد یا نہ۔

== وَمِنْهَا التشدد وَحَقِيقَته اختِيَار عبادات شاقة لم يَأْمر بهَا الشَّارِع كدوام الصّيام وَالْقِيَام التبتل وَترك التَّزَوُّج، وَأَن يلْتَزم السّنَن والآداب كالتزام الْوَاجِبَات وَهُوَ حَدِيث نهي النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عبد الله بن عَمْرو وَعُثْمَان ابْن مَظْعُون عَمَّا قصدا من الْعِبَادَات الشاقة وَهُوَ قَوْله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ '' لن يشاد الدّين أحد إِلَّا غَلبه '' فَإِذا صَار هَذَا المتعمق أَو المتشدد معلم قوم وَرَئِيسهمْ ظنُّوا أَن هَذَا أَمر الشَّرْع وَرضَاهُ، وَهَذَا دَاء رُهْبَان الْيَهُود وَالنَّصَارَى. (حجة اللّٰه البالغة، باب أحكام الدين من التحريف: ۲۱۱/۱، دار الجيل بيروت، انيس)

(۱) عن عائشة قالت قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم من ثابر علىٰ ثنتى عشرة ركعة من السنة بنى اللّٰه له بيتاً فى الجنة، أربع ركعات قبل الظهر و ركعتين بعدها و ركعتين بعد المغرب و ركعتين بعد العشاء و ركعتين قبل الفجر. (الجامع للترمذى، كتاب الصلاة، باب ماجاء فى من صلىٰ فى يوم وليلة ... : ۹۴/۱، قديمى، انيس)

ولِهٰذا كانت السنة المؤكدة قريبة من الواجب فى لحوق الإثم كما فى البحر ويستوجب تاركها التضليل واللوم كما فى التحرير أى علىٰ سبيل الإصرار بلا عذر. (رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب فى السنن و النوافل: ۶۳۰/۱، ظفير)

الجواب

(۱) ترک سنن مؤکدہ بلاعذر بطریق اصرار واستمرار موجبِ عتاب وقدرے گناہ ہے؛ لیکن تارکِ سنن بے نمازی شمار نہ ہوگا۔

قال الشامی عن الکشف الکبیر معزیًا إلٰی أصول أبی الیسر: حکم السنة أن یندب الی تحصیلها ویلام علٰی ترکها مع لحوق إثم یسیر، آه، وعن هٰذا قال فی البحر: أن الظاهر من کلامهم أن الإثم منوط بترک الواجب أو السنة المؤکدة لتصریحهم بإثم من ترک سنن الصلوات الخمس علی الصحیح وتصریحهم بإثم من ترک الجماعة مع أنها سنة علی الصحیح ولاشک أن الإثم وبعضه أشد من بعض فالإثم لتارک السنة المؤکدة أخف منه لتارک الواجب، آه. وظاهره حصول الإثم بالترک مرة ویخالفه ما فی شرح التحریر أن المراد الترک بلاعذر علٰی سبیل الاصرار ... وقال محمد فی المصرین علٰی ترک السنة بالقتال وأبویوسف بالتادیب، آه، فیتعین حمل الترک فیما مر عن البحر علی الترک علٰی سبیل الاصرار توفیقًا بین کلامهم، آه. (۱)

اور اگر احیاناً ترک ہوجائے، یا عذر سے ترک ہو مثلاً سفر، یا مرض، یا تعب شدید کی وجہ سے تو موجب عتاب وملامت وگناہ نہیں۔

(۲) اس شخص کے ذمہ سے فرض تو ساقط ہوجائے گا؛ لیکن ترک واجبات وترک سنن مؤکدہ کا گناہ ہوگا۔ وہوظاہر۔

۲۴/ذی قعدہ ۱۳۴۴ھ (امدادالاحکام: ۲/۲۲۳-۲۲۴)

---

(۱) رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب فی قولهم الاساءة دون الکراهة: ۲/۱۷۰، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

☆ **سننِ مؤکدہ کے تارک کا حکم:**

سوال: اکثر لوگ جمعہ کی فرض نماز کے بعد بغیر سنت پڑھے ... چلے جاتے ہیں نہ اپنے مکانوں میں جاکر پڑھتے ہیں، بازاروں میں جاکر بیٹھ جاتے ہیں، کتنا بھی تاکید کرو نہیں سنتے ہیں، نہ پند ونصیحت قبول کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے کیا وعید آئی ہے، اور مذکورہ لوگوں کے لئے کیا عذاب ہے، شرعاً بالتفصیل بیان فرماکر عنداللہ ماجور ہوں؟

الجواب

یہ لوگ تارکِ سنت مؤکدہ ہیں، اور ترکِ سنت مؤکدہ گاہے بلاعذر ہوجائے تو صغیرہ ہے اور اس پر مداومت کرنا کبیرہ ہے، جس سے علاوہ سخت گناہ کے حرمانِ شفاعتِ نبوی کا اندیشہ ہے۔

رجل ترک سنن الصلاة ان لم یر السنن حقًّا فقد کفر؛ لأنه ترکها استخفافًا وإن رآها حقًّا فالصحیح أنه یأثم؛ لأنه جاء الوعید بالترک. (الفتاویٰ الهندیة، الباب السابع فی النوافل: ۱/۱۱۲، دار الفکر بیروت، انیس) **واللّٰه أعلم**

قلت: ومخافة حرمان الشفاعة رأیته فی مقام لااحفظ الآن موضوعه. (ذکره فی اللآلی المصنوعة للسیوطی) ==

طالب علم، قاضی یا مفتی کو درس،

فتویٰ اور قضا میں مشغول رہنے کی وجہ سے ترکِ سنن رواتب جائز ہے، یا نہیں:

سوال: طالب علمے بوجہ قلتِ فرصت بسبب کثرتِ اشتغال بمطالعۂ کتبِ دینیہ اگر برخواندن فرائض فقط اکتفا کند وسنن رواتب ترک سازد، ایں چنیں عمل کردن بعلتِ مذکور درحق او شرعاً روا باشد، یا نہ؟

الجواب

طالب، یا قاضی، یا مفتی کو سنت فجر کے سوا دیگر سنن رواتب کا ترک وقت اشتغال (یعنی عندالدرس کما سیأتی) بالعلم، یا بالقضاء والفتویٰ جائز ہے؛ لیکن اگر وقتِ صلوٰۃ میں درس وفتویٰ وقضا سے فارغ ہو جائے تو سنن کا بجالانا ضروری ہے۔

ولایجوز ترکها: أی سنة الفجر لعالم صار مرجعاً فی الفتوٰی (بخلاف باقی السنن) فله ترکها لحاجة الناس إلٰی فتواه، آه.

وفی الرد تحت قوله (فلها ترکها) الظاهر أن صلاة معناه أنه یترکها وقت اشتغاله بالافتاء لأجل حاجة الناس المجتمعین علیه وینبغی أنه یصلیها إذا فرغ فی الوقت وظاهر التفرقة بین سنة الفجر وغیرها أنه لیس له ترک صلاة الجماعة؛ لأنها من الشعائر فهی آکد من سنة الفجر ولذا جاز ترکها لو خاف فوت الجماعة وأفاد أنه ینبغی أن یکون القاضی و طالب العلم کذلک لاسیما المدرس أقول فی المدرس نظر بخلاف طالب العلم إذا خاف فوت الدرس أو بعضه، آه. (۱)

میں کہتا ہوں کہ شامی نے جو مدرس وطالب علم میں فرق کیا ہے، اس کا مقتضا یہ ہے کہ طالب علم کو خوف فوت درس کے وقت تو ترکِ سنن غیر سنتِ فجر و جماعت جائز ہو؛ لیکن مطالعہ کی وجہ سے ان کا ترک جائز نہ ہو؛ کیوں کہ درس کے فوت کا تو بدل نہیں اور وہ دوسرے کے قبضہ میں ہے اور مطالعہ اپنی قبضہ میں ہے، دوسرے وقت بھی کر سکتا ہے؛ لیکن اگر ان لوگوں کے ترک سنن سے عوام الناس کو دینی ضرر ہو تو پھر اس کی اجازت نہیں۔ واللہ اعلم

۲۴ر ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ (امدادالاحکام: ۲/۲۲۴-۲۲۵)

== (عن علقمة عن عبدالله مرفوعا: لله ثلاث أملاک: ملک موکل بالکعبة وملک موکل بمسجدی هذا وملک موکل بالمسجد الأقصی، فأما الموکل بالکعبة فینادی فی کل یوم من ترک فرائض الله خرج من أمان الله، وأما الموکل بمسجدی هذا فینادی کل یوم من ترک سنة محمد لم یرد الحوض ولم تدرکه شفاعة محمد، وأما الموکل بالمسجد الأقصی فینادی کل یوم من کانت طعمته حراما کان عمله مضروبا به حر وجهه. (الآلیء المصنوعة فی الأحادیث الموضوعة، کتاب المبتدأ: ۱/۸۵، دارالکتب العلمیة بیروت، انیس) والله أعلم

۲۵ر شعبان ۱۳۴۲ھ (امدادالاحکام: ۲/۲۲۰)

(۱) الدرالمختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل بحث فی السنة: ۲/۴۵۴، دارالکتب العلمیة بیروت، انیس

سنن مؤکدہ تارک گناہ گار ہوگا:

سوال: امام مسجد لوگوں کو بتلاتا ہے کہ سنت مؤکدہ کا ادا کرنا یا بجالانا کوئی ضروری نہیں ہے، پڑھنا نہ پڑھنا مساوی ہے، اس کا حکم شرعی فرما کر مسئلہ کو روشن فرمادیں؟

(المستفتی: ۱۵۲۱، سراج الدین صاحب ملتانی، ۱۲/ربیع الاول ۱۳۵۶ھ، ۲۲/جون ۱۹۳۷ء)

الجواب

سنن مؤکدہ کا تارک علی الدوام گنہگار اور تارک علی الاستخفاف کافر ہے، (۱) اور اگر ترک احیانا ضرورۃ یا کسی عذر سے ہو تو جائز ہے۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۳۱۹)

مسافر سنن مؤکدہ پڑھے گا، یا نہیں:

سوال: قصر نماز کے ساتھ سنت نماز پڑھنی ضروری ہے، یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق

قصر نمازوں میں سنن مؤکدہ نہیں رہتیں، پڑھی جائیں، یا نہیں پڑھی جائیں، دونوں کا اختیار ہے؛ لیکن فجر کی سنت پڑھنے کی تاکید ہے؛ اس لیے وہ پڑھی جائے گی۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۹/۸/۱۳۷۳ھ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۰۰-۲۰۱)

---

(۱) رجل ترک سنن الصلوٰۃ ان لم یر السنن حقاً فقد کفر؛ لأنہ ترکھا استحساناً، وان رآھا حقا فالصحیح أنه يأثم؛ لأنه جاء الوعيد بالترك. (الفتاویٰ الھندیة، الباب التاسع فی النوافل: ۱/۱۱۲، انیس)

(۲) الذی یظھر من کلام اھل المذھب أن الإثم منوط بترک الواجب أو السنة المؤکدة علی الصحیح لتصریحھم بأن من ترک سنن الصلوٰۃ الخمس قیل لا یأثم والصحیح أنه یأثم، ذکرہ فی فتح القدیر. (کذا فی رد المحتار) (کتاب الطھارة، مطلب فی السنه وتعریفھا: ۱/۱۰٤، ط: سعید)

(۳) بعض فقہانے فجر کی سنت کی تاکید اور اہمیت کے پیش نظر یہ کہا ہے کہ حالت سفر میں بھی فجر کی سنت پڑھی جائے گی اور بعض نے مغرب کی سنت کے سلسلہ میں بھی یہی بات کہی ہے۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ اگر مسافر اطمینان وقرار کی حالت میں ہو تو تمام سنن مؤکدہ پڑھے اور اگر خوف وسیر کی حالت میں ہو تو سنن مؤکدہ نہ پڑھے، خواہ فجر کی سنت ہو، یا مغرب کی، یہی افضل وبہتر ہے۔ [مجاہد]

(ویأتی) المسافر (بالسنن) إن کان (فی حال أمن وقرار وإلا) بأن کان فی خوف وفرار (لا) یأتی بھا ھو المختار، لأنه ترک لعذر- تجنیس- قیل إلا سنة الفجر. (الدر المختار) وفی الرد تحت (قوله ھو المختار): وقیل الأفضل الترک ترخیصًا، وقیل الفعل تقربًا، وقال الھندوانی: الفعل حال النزول، والترک حال السیر، وقیل یصلی سنة الفجر خاصةً، وقیل سنة المغرب أیضًا، بحر، قال فی شرح المنیة: والأعدل ما قاله الھندوانی، آھ. (الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/٦١٣، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس)

بغیر سنت پڑھے فرض نماز پڑھنا درست ہے:

سوال: ایک امام صاحب بوقت ظہر ٹھیک جماعت کے مقررہ ٹائم پر تشریف لائے، مقتدی دوسرے صاحب کو نماز پڑھانے کے لیے کھڑا کرنے لگے، اتنے میں امام صاحب آگئے اور بغیر سنت مؤکدہ پڑھے امام نے فرض پڑھا دیئے، عمرو کہتا ہے کہ اس طرح بغیر سنت پڑھے فرض نماز پڑھانا جائز نہیں اور نماز نہیں ہوتی، عمرو کا یہ کہنا صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

بغیر سنت پڑھے فرض پڑھا دینے سے نماز ہو جاتی ہے، یہ کہنا کہ نماز جائز نہیں ہوئی، غلط ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۳۲۱-۳۲۲)

سنتوں کی قضا کا حکم:

سوال: ایک شخص کی نماز، ظہر سے مغرب تک کی قضا ہو گئی تو وہ شخص صرف فرض نمازوں کی قضا پڑھے گا، یا سنتوں کی بھی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

فرض نمازیں اگر قضا ہو جائیں تو صرف فجر کی قضا اگر اسی دن دوپہر کے پہلے پڑھی جائے تو سنت کی بھی قضا پڑھنی چاہیے، دوسری نمازیں جو قضا ہوں تو ان کی سنت کی قضا نہیں ہے، صرف فرض نمازوں کی قضا کی جائے گی، عشا کی قضا میں وتر کی قضا بھی پڑھی جائے گی۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۸/۷/۱۳۶۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۰۱-۲۰۲)

فرائض کے بعد کی سنتیں فوراً پڑھنا چاہیے، یا دیر بھی کر سکتا ہے:

سوال: فرضوں کے بعد جو نفل ہیں، فرضوں کے بعد فوراً پڑھے، یا جب تک وقت باقی ہے، پڑھ سکتا ہے؟

---

(۱) لحديث عائشة رضى الله عنها أن النبى صلى الله عليه وسلم كان إذا فاتته الأربع قبل الظهر قضاهن بعده.(رد المحتار، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۲/۵۸، ط:سعيد)

(۲) ولم تقض إلا تبعًا)أى تقض سنة الفجر إلا تبعًا للفرض إذا فاتت مع الفرض و قضاها مع الجماعة أووحده؛لأن القياس فى السنة أن لاتقضى لاختصاص القضاء بالواجب لكن ورد الخبر بقضائها قبل الزوال تبعًا للفرض وهو ما روى أنه عليه الصلاة والسلام قضاها مع الفرض غداة ليلة التعريس بعد ارتفاع الشمس فيبقى ما رواه على الأصل وفيما بعد الزوال اختلاف المشائخ وأما إذا فاتت بلا فرض فلا تقضى عندهما وقال محمد أحب إلىّ أن يقضيها إلى الزوال لماروينا ولاتقضى قبل طلوع الشمس بالاجماع لكراهية النفل بعد الصبح وأما غيرها من السنن فلا تقضى وحدها بعد الوقت (تبيين الحقائق للزيلعى،باب إدراك الفريضة: ۱/۱۸۳،مكتبة امدادية ملتان)

الجواب

جب تک وقت اس نماز کا ہے، ان نوافل کا وقت ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۰۷/۴) ☆

سنتیں کس وقت تک مؤخر کرسکتا ہے:

سوال: بعد فرضوں کے سنتوں کی تاخیر کس مقدار تک اچھا ہے اور کس مقدار سے زائد تاخیر مکروہ؟

الجواب

زیادہ تاخیر کو حنفیہ نے مکروہ فرمایا ہے اور زیادہ تاخیر سے مراد یہ ہے کہ اذکار ماثورہ کی مقدار سے زائد ہو۔(۲)
والتفصیل فی رسالتنا النفائس المرغوبة واللّٰہ اعلم

محمد کفایت اللّٰہ کان اللّٰہ لہ (کفایت المفتی: ۳۲۲/۳)

---

(۱) مگر اچھا یہ ہے کہ متصلاً پڑھ لے؛ کیوں کہ فقہا لکھتے ہیں:
”ویکره تأخیر السنة إلا بقدر ”اللّٰهم أنت السلام، إلخ“. قال الحلوانی: لابأس بالفصل بالأوراد واختاره الکمال، قال الحلبی: إن أرید بالکراهة التنزیهیة ارتفع الخلاف قلت و فی حفظی حمله علی القلیلة. (الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۴۹۴/۱، ظفیر)

☆ **بعد فرض سنت میں تاخیر کس حد تک درست ہے:**

سوال: بعد فرض کے سنتوں کی تاخیر کس مقدار تک مستحب ہے اور کس مقدار سے زائد مکروہ ہے؟ حنفیہ کا مفتی بہ قول مع دلائل بیان فرمایئے؟

الجواب

درمختار میں ہے:
”ویکره تأخیر السنة إلا بقدر ”اللّٰهم أنت السلام إلخ“. (الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۴۹۴/۱، ظفیر)
لیکن مطلب اس کا یہ ہے کہ یہ تقریبی امر ہے، اگر کچھ اس سے زیادہ بھی دعا وغیرہ ہو تو کچھ حرج نہیں ہے اور صحیح یہ ہے کہ فصل بالاوراد میں کچھ مضائقہ نہیں، کما هو معمول مشائخنا،
قال الحلوانی: ”لابأس بالفصل بالأوراد واختاره الکمال“. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲۴۷/۲، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۱۱/۴)

(۲) ویکره تأخیر السنة إلا بقدر اللّٰهم انت السلام، إلخ، قال الحلوانی: ”لابأس بالفصل بالأوراد واختار الکمال. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲۴۶/۲-۲۴۷، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس)

☆ **فرض کے بعد اور سنت مؤکدہ سے پہلے تسبیح:**

سوال: ایک شخص بعد نماز فرائض قبل سنت تسبیح وآیۃ الکرسی پڑھتا ہے اور سنت مؤکدہ اس کے بعد ادا کرتا ہے ==

بعد فرض سنت گھر میں پڑھے، یا مسجد میں:

سوال: فرضوں کی سنتیں اپنے اپنے گھروں میں جا کر پڑھنی چاہیے، یا مسجد میں؟

الجواب

فی الشامی:"لاتفاق کلمة المشایخ علیٰ أن الأفضل فی السنن حتیٰ سنة المغرب المنزل أی فلایکره الفصل مسافة الطریق". (۱)

اس اخیر عبارت سے واضح ہوا کہ جو اخشع واخلص ہو، وہی افضل ہے، اگر مسجد میں پڑھنے میں خشوع زیادہ ہے اور اخلاص زیادہ ہے اور گھر جا کر پڑھنے میں خوف تاخیر وغیرہ ہے تو پھر مسجد میں پڑھنا ہی افضل ہے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۱۱/۴)

سنن ونوافل کہاں پڑھنا افضل ہے:

سوال: سنن ونوافل مسجد ہی میں، یا مکان میں پڑھنا چاہیے، قول وعمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وخلفاء مہدیین کیا ہے؟

== اور میں نے سنا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان نماز فرائض کے بعد دعا سلام پڑھتے تھے اور سنت مؤکدہ بہت جلد ادا کرتے تھے؛ کیوں کہ فرشتہ فرض اور سنت دونوں کو بدرگاہِ الٰہی لے جا کر پیش کرتے ہیں؟

الجواب

آیۃ الکرسی وتسبیحات کا پڑھنا قبل سنن بھی جائز ہے اور معمول بہ اکابر کا ہے۔ اور احادیث سے دونوں امر ثابت ہیں۔ (عن المغیرة بن شعبة أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان یقول فی دبر کل صلوٰة مکتوبة "لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لاشریک له له الملک وله الحمد وهو علیٰ کل شئ قدیر اللّٰهم لا مانع لما أعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذالجد منک الجد. متفق علیه. (صحیح البخاری، کتاب الصلاة، قبیل باب الجمعة، باب الذکر بعد الصلاة: ۱۱۷/۱، قدیمی، انیس)

"وعن علی قال: سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علیٰ أعواد هذا المنبریقول:"من قرأ اٰیة الکرسی فی دبر کل صلٰوة لم یمنعه من دخول الجنة إلا الموت الخ". قال إسناده ضعیف. (مشکٰوة المصابیح، کتاب الصلاة، باب الذکر بعد الصلاة، ص: ۸۹، قدیمی، انیس)

قال الحلوانی: لابأس بالفصل بالأوراد واختاره الکمال. (الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۴۹۴/۱، ظفیر) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۰۹/۴)

(۱) رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب هل یفارقه الملکان؟ تحت (قوله: واختاره الکمال): ۲۴۷/۲، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس)

اور دوسرے موقعہ میں مذکور ہے:

"والأفضل فی النفل غیر التراویح المنزل، إلا لخوف شغل عنها والأصح أفضلیة ماکان أخشع وأخلص". (الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۴۶۴/۲، دارالکتب العلمیة، ظفیر)

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

تحیۃ المسجد، تراویح، معتکف کے سنن ونوافل، نماز کسوف، سنت احرام اور واجب الطّواف کی دو رکعتیں اور قدوم مسافر، سنت قبل جمعہ اور وہ سنن جن کو مسجد میں نہ پڑھنے سے ان کے فوت ہونے کا خوف ہو، یہ سنن ونوافل مسجد ہی میں ادا کرنا چاہیے، باقی اپنی منزل میں ادا کرنا افضل ہے۔ (درمختار،ص:۸۵۴)(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۲؍۷؍۱۳۵۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲؍۲۰۳) ☆

---

(۱) والأفضل فی النفل غیرالتراویح المنزل إلالخوف شغل عنها'' (الدرالمختار)

(قوله غیرالتراویح)أی لأنها تقام بالجماعة ومحلها المسجد،واستثنی فی شرح المنیة أیضًا تحیة المسجد،وهو ظاهر،أقول:ویستثنی أیضًا رکعتا الاحرام والطواف،فإن الأولیٰ تصلّی فی مسجد عند المیقات إن کان،کما فی اللباب والثانیة عند المقام،وکذا رکعتا القدوم من السفربخلاف إنشائه فإنها تصلی فی البیت کما یأتی،وکذا نفل المعتکف،وکذا ما یخاف فوتها بالتأخیر،وکذا صلاة الکسوف؛لأنها تصلی بجماعة''.(الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاة،باب الوتر و النوافل،مطلب سنة الوضوء: ۲/ ٤٦٤،دار الکتب العلمیة بیروت،انیس)

☆ سنتیں مکان پر پڑھنا:

سوال: سنتیں مکان پر پڑھنے کی فضیلت ہے، یہ سنت قبلیہ اور بعد یہ دونوں ک لیے ہے، یا کیا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

یہ حکم ہر دو سنن کے لیے ہے؛(عن زیدبن ثابت عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال:أفضل صلا تکم فی بیوتکم إلا المکتوبة.(الجامع للترمذی،باب ماجاء فی فضل صلاة التطوع فی البیت: ۱/ ۱۰۲،قدیمی،انیس) لیکن اگر بعد فرض کے مکان پر جانے میں راستہ میں یا مکان میں جا کر کچھ حرج واقع ہونے کا احتمال ہے اور امور دنیاوی میں مشغول ہو جانے کا اندیشہ ہے تو پھر مسجد ہی میں سنتیں پڑھ لیوے؛ کیوں کہ ایسا بھی ثابت ہے۔(عن زیدبن ثابت عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال:أفضل صلا تکم فی بیوتکم إلا المکتوبة.(الجامع للترمذی،باب ماجاء فی فضل صلاة التطوع فی البیت: ۱/ ۱۰۲،انیس)

(الأفضل فی النفل غیرالتراویح المنزل إلا لخوف شغل منها والأصح أفضلیة ماکان أخشع وأخلص. (الدر المختارعلیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل:۲/ ٤٦٤،دار الکتب العلمیة،ظفیر) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴؍۲۰۷)

سنت گھر پر پڑھنا ہی افضل ہے:

سوال: میں سنت فجر گھر پر پڑھ لیتا ہوں اور مطابق روایت درمختار وغیرہ اسی کو افضل سمجھتا ہوں۔ مولوی اشرف علی کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ جمیع سنن مؤکدہ کا مسجد میں پڑھنا افضل ہے؛ تاکہ ایہام یا تشبہ اہل بدعت سے نہ ہو، چوں کہ اس دیار میں تارکین سنت نہیں ہیں تو کیا یہاں بھی تشبہ اہل بدعت سے ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

احادیث میں سنن ونوافل کے مکان میں ادا کرنے کی جو کچھ فضیلت وارد ہوئی ہے وہ مشہور ومعروف ہے ==

سنتوں کا گھر میں پڑھنا افضل ہے:

سوال: بعد فرضوں کے سنتیں اپنے گھروں میں جا کر پڑھنی چاہئیں، یا مسجد میں؟

الجواب______________

سنن ونوافل کا گھر میں ادا کرنا افضل ہے، یہی اصل حکم ہے، احادیث صحیحہ سے اور فقہ حنفی سے ثابت ہے۔

الأفضل فی السنن والنوافل المنزل، لقوله علیه السلام: صلاة الرجل فی المنزل أفضل إلاالمكتوبة،إلخ. (۱)

عموم حدیث میں فرضوں سے پہلے اور بعد کی سنتیں داخل ہیں، ہاں تراویح بوجہ سنیت جماعت مستثنیٰ ہے۔

ذکر الحلوانی الأفضل أن یؤدی كله فی البیت إلاالتراویح. (۲)**والله أعلم**

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۳۲۲-۳۲۳)

سنن ونوافل گھر میں افضل ہیں اور عذر کی وجہ سے مسجد میں بھی:

سوال: بعد فرض کے سنن اپنے اپنے گھروں میں جا کر پڑھنی چاہیے؛ یا مسجد ہی میں؛ کیوں کہ مسجد سے کسی مصلی کا مکان پچاس گز، کسی کا سوگز اور کسی کا نصف فرلانگ اور ایک فرلانگ دور ہے اور ظاہر ہے کہ برما و گجرات وغیرہ میں ہر قوم کی عورتیں بے پردہ پھرا کرتی ہیں (سوائے مسلمان عورتوں کے) مسجد سے فرض پڑھ کر گھر کو جاتے ہوئے کسی دوست مسلمان، یا مشرک یا مشرکہ سے ملیں گے، کچھ نہ کچھ دنیا کی باتیں کریں گے، غرض کہ مسجد سے گھر تک پہنچتے پہنچتے کئی ایک فساد ہیں، کیا اس صورت میں سنن کا گھروں میں جا کر پڑھنا افضل ہے، یا مسجد ہی میں؟

الجواب______________ حامدًا ومصلیًا

قال فی الدرالمختار: والأفضل فی النفل غیرالتراویح المنزل إلا لخوف شغل عنها،إلخ.

== اور فقہا نے بھی سوائے تراویح کے دیگر سنن ونوافل کے مکان میں پڑھنے کو افضل فرمایا ہے۔(عن عبدالله بن شقیق قال: سألت عائشة عن صلاة رسول الله صلی الله علیه وسلم عن تطوعه فقالت كان یصلی فی بیتی قبل الظهر أربعاً... (الصحیح لمسلم،كتاب الصلاة،باب جواز النافلة قائماً وقاعداً: ۱/۲۵۲،قدیمی،انیس) /(والأفضل فی النفل غیرالتراویح المنزل إلا لخوف شغل عنها والأصح أفضلیة ما كان أخشع وأخلص. (الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل: ۲/٤٦٤، دار الكتب العلمیة بیروت،ظفیر)

اور حضرات اکابر حنفیہ مثل حضرت محدث وفقیہ گنگوہیؒ کا عمل اسی پر دیکھا گیا اور آپ کے اطراف میں جب کہ کوئی فرقہ اہل بدعت کا ایسا بھی نہیں ہے جو تارک سنن ہو تو پھر اس فضیلت میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۰۸-۲۰۹)

(۱-۲) الفتاویٰ الهندیة،كتاب الصلاة،الباب التاسع فی النوافل: ۱/۱۱۳،ط:ماجدیة

اور شامی میں ہے:

وحيث كان هٰذا أفضل يراعى مالم يلزم منه خوف شغل عنها لو ذهب لبيته أو كان فى بيته ما يشغل باله ويقلل خشوعه فيصليها حينئذ فى المسجد؛ لأن اعتبار الخشوع أرجح، إلخ. (۱)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ سنن ونوافل کے لئے گھر افضل ہے؛ (۲) لیکن اگر راستہ میں یا گھر میں یہ خوف ہو کہ دل پریشان ہوجاوے گا اور خشوع حاصل نہ ہوگا، یا تکلم بکلام غیر ضروری کی وجہ سے نقصان ثواب میں ہوگا تو ایسی صورت میں مسجد میں پڑھنا افضل ہے؛ اس لیے کہ زیادہ تر لحاظ خشوع وخضوع کا ہے، جس جگہ یہ حاصل ہو، وہ افضل ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۲۲۷)

مسجد میں سنت ادا کرنا:

سوال: گھروں میں جو مسجد بنانے اور نماز پڑھنے کا حکم حدیث شریف میں آیا ہے، اس میں نماز اوابین وتہجد وغیرہ پڑھی جائے، یا پنجگانہ سنن مؤکدہ، یا غیر مؤکدہ اور نفل بھی پڑھنی چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلياً

اعلیٰ بات تو یہی ہے کہ سنن مؤکدہ خاص کر قبلیہ بھی مکان پر پڑھیں؛ لیکن اگر فوت ہونے کا احتمال ہو تو مسجد میں پڑھیں۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۷/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۷/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۲۰۱-۲۰۲)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/٤١٤، دار الكتب العلمية بيروت، ظفير

(۲) عن زيد بن ثابت عن النبى صلى الله عليه و سلم قال: أفضل صلاتكم فى بيوتكم إلا المكتوبة. (الجامع للترمذى، كتاب الصلاة، باب ماجاء فى أفضل الصلاة التطوع فى البيت: ١/١٠٢، قديمى، انيس)

(۳) عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "اجعلوا فى بيوتكم من صلاتكم، ولا تتخذوها قبورًا". (صحيح البخارى، كتاب التهجد، باب التطوع فى البيت: ١/١٥٨، قديمى)

"عن زيد بن ثابت رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أفضل صلا تكم فى بيوتكم إلا المكتوبة". (سنن الترمذى، أبواب الصلاة، باب ما جاء فى فضل صلاة التطوع فى البيت: ١/١٠٢، سعيد)

"(قوله: والأفضل فى النفل) ... وأخرج أبوداؤد: "صلاة المرء فى بيته أفضل من صلا ته فى مسجدى هٰذا، إلا المكتوبة". (وتمامه فى شرح المنية، وحيث كان هٰذا أفضل يراعى ما لم يلزم منه خوف شغل عنها لو ذهب لبيته، أو كان فى بيته مايشغل باله ويقلل خشوعه، فيصلها حينئذٍ فى المسجد؛ لأن اعتبار الخشوع أرجح". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ٢/٢٢، سعيد)

سنن ونوافل گھر میں پڑھنا مسنون ہے:

سوال: ما قولكم رحمكم الله کہ یہاں دوفرقہ ہوگیا ہے،ایک یہ فرقہ کہتا ہے کہ فرضوں کے بعد سنتوں کی تاخیر اللّٰهم أنت السلام ومنك السلام،الخ، یا اس کے برابر کوئی دعا سے زائد مکروہ ہے۔دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ حدیث سے جو دعائیں اوراذکار ثابت ہیں،ان کا بعد فرضوں کے پڑھنا سنت ہے،چاہے طویل ہواور بعد دعا کے سنت اور نفل گھر میں جا کر پڑھنا افضل ہے،اگر چہ گھر دور ہو۔غرضکہ اس مقدار سے زائد تاخیر کو کوئی مکروہ کہتا ہے اور کوئی سنت،سوال یہ ہے کہ شامی کی عبارت ''إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة كان ترك السنة راجحًا علىٰ فعل البدعة'' (۱) کے مطابق یہ مقدار سے زائد تاخیر بدعت ہوگا،یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

إذا تردد الحكم،إلخ، سے مراد یہ ہے کہ کسی فعل کے سنت،یا بدعت ہونے میں ایسا تردد ہو کہ کسی جہت کو ترجیح نہ ہوسکے تو ایسی حالت میں احتیاطاً ترک سنت راجح ہوگا فعل بدعت سے؛لیکن اگر دلیل سے کسی جانب کی ترجیح ثابت ہوجائے تو اس راجح امر کو اختیار کرنا متعین ہے اور صورت مذکورہ فی السوال میں روایات صحیحہ کثیرہ سے صراحت ثابت ہے کہ فرائض کے بعد اللّٰهم أنت السلام،الخ، سے زائد مقدار کی دعائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہیں،اسی طرح نوافل کو گھر میں پڑھنے کا استحباب احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور اس خصوص میں کوئی حدیث اس کے معارض بھی نہیں ہے تو یقیناً راجح یہی ہے کہ بعد فرائض اذکار وادعیہ ماثورہ پڑھ کر گھر جا کر سنن ونوافل پڑھنا مسنون ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۳۱۳،۳۱۴)

سنت وفرض کے درمیان دنیاوی باتیں اوراس کا حکم:

سوال: زید سنت فجر اور سنت ظہر اور فرضوں کے درمیان کلام دنیاوی کرتا ہے تو سنتوں کا اعادہ ہوگا،یا نہیں؟

الجواب

اس میں ثواب کم ہوجاتا ہے،سنتوں کے اعادہ کی ضرورت نہیں،وفیہ اختلاف۔(۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۰۱) ☆

---

(۱) رد المحتار،باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها،مطلب،مطلب اذا تردد الحكم بين سنة وبدعة: ۱/۶۴۲، ط:سعيد

(۲) عن جابر قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:إذا قضى أحدكم الصلاة فى مسجده فليجعل لبيته نصيبًا من صلاته فإن الله جاعل فى بيته من صلاته خيرًا.(الصحيح لمسلم،كتاب الصلاة،باب استحباب النافلة فى بيته: ۱/۲۶۵،قديمى كتب خانة)

(۳) ولو تكلم بين السنة و الفرض لايسقطها ولكن ينقص ثوابها) وقيل تسقط.(الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل : ۲/۴۶۱،دار الكتب العلمية بيروت، انيس)　==

فرض جہاں پڑھے وہاں سے الگ ہوکر نفل پڑھنا کیسا ہے:

سوال: احادیث سے فرضوں کے بعد جگہ بدل کر سنت نفل پڑھنا مسجد میں ثابت ہوتا ہے، یا نہ؟ بعد فرضوں کے جگہ بدل کر سنت نفل پڑھنا جو مسنون ہے، یہ صرف مسجد کے لیے ہے، یا گھر میں نماز پڑھنے والوں کے لیے بھی مسنون ہے؟

الجواب

قال فی الدرالمختاروفی الجوهرة: ویكره للإمام التنفل فی مكانه لاللمؤتم، وقيل يستحب كسر الصفوف. وفی الخانية: يستحب للإمام التحول ليمين القبلة يعنی يسار المصلی، إلخ.

وفی ردالمحتار: تحت (قوله: لاللمؤتم): ومثله المنفرد لما فی المنية وشرحها، أما المقتدی والمنفرد فإنهما إن لبثا أوقاما إلی التطوع فی مكانهما الذی صليا فيه المكتوبة جازوالأحسن أن يتطوعا فی مكان اٰخر (قوله: وقيل يستحب كسر الصفوف): ليزول الاشتباه عن الداخل المعاين للكل فی الصلاة البعيد عن الإمام. وذكره فی البدائع والذخيرة عن محمد ونص فی المحيط علٰی أنه السنة، كما فی الحلية، إلخ. (۱)

ان عبارات سے واضح ہے کہ عندالحنفیہ بھی کسر صفوف اور آگے پیچھے ہٹ کر سنت ونفل پڑھنا مستحب ہے اور شامی کی عبارت سے جو منفرد کے بارے میں ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکان میں نماز پڑھنے والے کے لیے بھی تطوع فی مکان آخر بہتر ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۲۹/۴-۲۳۰)

☆ سنت وفرض کے درمیان دنیاوی باتیں موجب نقص ثواب ہیں:

السوال: هل الكلام الدنيوی بين السنة التی قبل الظهروالتی قبل الفجروبين فرضيهما مفسد للسنة أم موجب لإنحطاط ثواب السنة؟ وأيضاً الأكل والشرب؟ (خلاصۂ سوال: کیا فجر وظہر سے پہلے والی سنتوں اور ان کے فرضوں کے درمیان دنیاوی باتیں کرنا سنت کو فاسد کردیتا ہے یا سنت کے ثواب کو کم کردیتا ہے؟ اسی طرح کھانے پینے کا کیا حکم ہے؟)

الجواب

موجب لنقص الثواب لامفسد لها. قال فی الدرالمختار: "ولوتكلم بين السنة والفرض لايسقطها ولكن ينقص ثوابها". (الدرالمختارعلٰی هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوترو النوافل: ۴۶۱/۲، دارالكتب العلمية بيروت، انيس) فقط (خلاصہ: اس سے ثواب کم ہوتا ہے سنت فاسد نہیں ہوتی۔ جیسا کہ درمختار میں فرمایا ہے۔) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۱۳/۴)

(۱) الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل فی القراءة: ۴۹۵/۱، ظفير

(۲) أن نافع بن جبير أرسله الی السائب بن أخت نمر عن شيئ رآه منه معاوية فی الصلاة؟ فقال: نعم، صليت معه الجمعة فی القصورة فلما سلم الامام قمت فی مقامی فصليت فلما دخل أرسل فقال: لا تعد لما فعلت إذا صليت الجمعة فلا تصلها بصلٰوة حتٰی تكلم أوتخرج فان رسول الله صلی الله عليه وسلم أمرنا بذلك أن لا توصل صلٰوة بصلٰوة حتٰی نتكلم أونخرج. (الصحيح لمسلم، كتاب الجمعة، فصل فی النهی عن أيصال صلاة بصلاة: ۲۸۸/۱، قديمی، انيس)

فرض نماز کے بعد بلا جگہ بدلے سنت پڑھنا کیسا ہے:

سوال: امام فرض نماز پڑھا دینے کے بعد مصلّٰی ہی پر نماز سنت مؤکدہ، یا غیر مؤکدہ پڑھ سکتا ہے، یانہیں؟
مغرب کی فرض نماز پڑھا دینے کے بعد امام ضروری تسبیح وتہلیل پڑھنے میں (جس کی فضیلت آئی ہے) مشغول ہوجاتے ہیں اور مقتدی لوگ صف اول میں اپنی سنت وغیرہ پڑھنا شروع کردیتے ہیں، بایں وجہ امام کا ہٹنا مانع ہوجاتا ہے، ایسی صورت میں امام اپنی جگہ پر سنت مؤکدہ وغیرہ پڑھ سکتا ہے، یانہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

جن فرض نمازوں کے بعد سنت ہے، ان فرضوں کے بعد متصلاً ہی سنت پڑھنا اولیٰ ہے، تسبیح اور تہلیل بعد میں پڑھنا بہتر ہے، اور سنت پڑھنے میں جگہ بدل دینا بھی بہتر ہے اور صورت مذکورہ میں امام صاحب کے لئے بہتر ہے کہ نماز کے بعد متصلاً جگہ بدل کر سنت پڑھیں، اگر انہوں نے جگہ تبدیل کئے بغیر اور تسبیح وتہلیل کے بعد سنت پڑھی تو بھی جائز ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد نعمت اللہ قاسمی، ۱۱/۹/۱۴۰۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۴۳۸)

فرض اور سنت علاحدہ جگہ پر پڑھنا مستحب ہے:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
منقول از الجواب المتین مصنفہ مولانا سید اصغر حسین صاحب مطبوعہ احمدی پریس، ص: ۱۹
حدیث اول: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ جب فرض کے بعد سنت ونفل پڑھو تو ذرا آگے پیچھے، یا دائیں بائیں کو ہٹ جاؤ۔ (ابوداؤدوابن ماجہ)
حدیث دوم: حضرت علی نے فرمایا ہے کہ مسنون یہ ہے کہ امام نفل وسنت نہ پڑھے جب تک کہ اپنی جگہ سے ہٹ نہ جائے۔ (ابن ابی شیبہ وابوداؤد از مغیرۃ منقطعًا)
سوال یہ ہے کہ کیا احادیث مذکورہ سے بعد فرضوں کے جگہ بدل کر سنت ونفل پڑھنا مسنون ہے اور یہ مسجد کے لیے ہے، یا گھر میں نماز پڑھنے والوں کے لیے بھی ہے؟

---

(۱) فإن كان بعدها)أى بعد المكتوبة(تطوع يقوم إلى التطوع)بلا فصل إلا مقدار مايقول اللهم أنت السلام ومنك السلام تباركت ياذاالجلال والاكرام(ويكره تأخير السنة عن حال أداء الفريضة)بأكثر من نحو ذلك القدر..."(فإذا قام) الإمام (إلى التطوع لايتطوع فى مكانه) الذى صلى فيه الفريضة (بل يتقدم أوينحرف يمينا أوشمالا).(غنية المستملى ،ص: ٣٤١-٣٤٢)

الجواب

فرض کی جگہ سے علاحدہ ہوکر سنن ونوافل پڑھنے کا استحباب اس بنا پر ہے کہ نماز پڑھنے والے کے لیے دو مقام گواہ بن جائیں، یا فرائض ونوافل میں امتیاز ہوجائے اور اس بنا پر یہ استحباب مسجد کے ساتھ خاص نہیں؛ بلکہ مکان ومسجد دونوں میں پایا جائے گا۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۱۳/۳)

فرض اور سنت الگ الگ جگہوں میں پڑھنا ضروری نہیں:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۸/فروری ۱۹۳۵ء)

سوال: جس جگہ نماز سنت پڑھی جاتی ہے، اس جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ فرض نماز پڑھنا کیا شرعی حکم ہے، یا نہیں؟

الجواب

جس جگہ سنت نماز پڑھی جائے، فرض کے لیے اس جگہ سے ہٹنا ضروری نہیں ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۲۳/۳)

امام کے محراب سے ہٹ کر سنت پڑھنے کی وجہ کیا ہے:

سوال: امام کا مصلّٰی جماعت سے علاحدہ ہوکر سنت ونوافل ادا کرنے کی اصل علت کیا ہے؟ اگر اس مصلی پر سنت ونوافل ادا کرے تو کیسا ہے؟

الجواب

اب اصل علت ارتفاع اشتباہ ہے اور یہ بہتر ہے کہ بصورت اشتباہ علاحدہ ہوکر سنن ونوافل پڑھے؛(۳) لیکن اگر اس

---

(۱) ویکره الإمام التنفل فی مکانه لا للمؤتم. (الدرالمختار)

وفی الشامية: "أما المقتدی والمنفرد فإنهما إن لبثا أوفأما إلی التطوع فی مکانهما الذی صلیا فیه المکتوبة جازو الأحسن أن یتطوعا فی مکان آخر، إلخ. (الدرالمختارمع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبیل فصل فی القراءة: ۲۴۸/۲، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس)

(۲) أمـا الـمقتدی والمنفرد فإنهما إن لبثا أوقاما إلی التطوع فی مکأنهما الذی صلیا فیه المکتوبة جاز، إلخ. (رد الـمـحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب فیما ... علی العدو فی التسبیح عقب الصلاة: ۲۴۸/۲، دار الکتب العلمیة بیروت/ ۲۴۸/۲، دار الفکر بیروت، انیس)

جہاں فرض پڑھے ہیں وہاں سنت پڑھ سکتا ہے، تو سنت والی جگہ پر بطریق اولی فرض پڑھنا جائز ہے۔

(۳) عن معاویة أن رسول الله صلی الله علیه وسلم أمرنا بذلک أن لا نوصل صلاة بصلاة ==

مصلّی پر پڑھےتو یہ بھی درست ہے؛لأن بالسلام یحصل الفصل اورجواصل علت احادیث(۱) میں مذکور ہے کہ ”خلط فرائض بالنوافل و احتمال زیادة فریضة“ وہ اب باقی نہیں ہے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۱۲/۴-۲۱۳)

امام کا مصلی پر ہی سنن ونوافل پڑھنا:

سوال: ایک صاحب کہتے ہیں کہ امام کو مصلّی پر جماعت کی نماز پڑھانے کے بعد خود کی سنت ونوافل پڑھنا مکروہ فعل ہے، یہ درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

ایک قول یہ بھی ہے؛مگر غیر مفتیٰ بہ ہے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالی اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ:۲۰۱/۷)

دوشفعہ والی سنتوں میں قرأت:

سوال: سنن مؤکدہ ذی شفعین کے ہر شفعہ میں قرأت واجب ہے، یا ہر شفعہ اولیٰ میں؟

== حتٰی نتکلم أو نخرج.(مشکٰوة،باب السنن،وفضائلها،الفصل الثالث)(الصحیح لمسلم،کتاب الجمعة، فصل فی النهی عن إیصال صلاة بصلاة:۲۸۸/۱،رقم الحدیث:۸۸۳،انیس)

ویکره للإمام التنفل فی مکانه لا للمؤتم، وقیل یستحب کسر الصفوف.وفی الخانیة: یستحب للإمام التحول لیمین القبلة یعنی یسار المصلی لتنفل أوورد.وخیره فی المنیة بین تحویله یمیناً وشمالاً وأماماً وخلفاً وذهابه لبیته،الخ. (الدرالمختار)

(قوله ویکره للامام التنفل فی مکانه بل یتحول،الخ):وکذا یکره مکثه قاعدًا فی مکانه مستقبل القبلة فی صلاة لاتطوع بعدها ... و الکراهة تنزیهیة،کما دلت علیه عبارة الخانیة ... وقال: لأن المقصود من الانحراف هو زوال الاشتباه أی اشتباه أنه فی الصلٰوة.(الدرالمختارمع رد المحتار،کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،قبیل فصل فی القراء ة:۲۴۸/۲،دارالکتب العلمیة بیروت،انیس)

(۱) الصحیح لمسلم،کتاب الجمعة،فصل فی النهی عن إیصال صلاة بصلاة،رقم الحدیث:۸۸۳،انیس

(۲) اصل علت ارتفاع اشتباہ ہے اور بہتر یہ ہے کہ بصورتِ اشتباہ علاحدہ ہوکر سنن ونوافل پڑھے؛لیکن اگر اس مصلی پر پڑھے تو یہ بھی درست ہے۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند،کتاب الصلاۃ،باب مسائل سنن مؤکدہ:۲۱۲/۴،مکتبہ امدادیہ)

”ویکره للإمام التنفل فی مکانه لا للمؤتم“.(الدرالمختار)

”(قوله:ویکره،إلخ)،بل یتحول مخیراً کما یأتی وکذا یکره مکثه قاعداً فی مکانه مستقبل القبلة فی صلاة لا تطوع بعدها کما فی شرح المنیة عن الخلاصة،والکراهة تنزیهیة کما دلت علیه عبارة الخانیة ... وقال:لأن المقصود من الانحراف وهوزوال الاشتباه:أی اشتباه أنه فی الصلاة“.(الدر المختارمع ردالمحتار،کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة:۵۳۱/۱،سعید)

الجواب

چاروں رکعت میں قرأت واجب ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۱۲/۴)

فجر ومغرب کی سنتوں میں سورۂ کافرون اوراخلاص پر مداومت:

سوال: کیا جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نماز فجر ومغرب میں؛ یعنی سنتوں میں رکعت اولیٰ میں ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ﴾ اور رکعت ثانیہ میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ پڑھا کرتے تھے؟ اگر کوئی اس پر مداومت کرے تو نماز مکروہ ہوگی، یا نہیں؟

الجواب

ہمیشہ ایسا نہیں ہوا؛ کیوں کہ حدیث شریف میں یہ آیا ہے کہ سنتوں میں کبھی آپ نے سورۂ کافرون اور ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھی ہے،(۱) اور کبھی ﴿قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ (الآیۃ) اور ﴿قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا﴾ (الآیۃ) پڑھی

---

(۱) (وتفرض القراءة) عملاً (فی رکعتی الفرض)...(وکل النفل) للمنفرد ولأن کل شفع صلاۃ...وکل (الوتر) احتیاطًا .(الدرالمختارعلٰی هامش رد المحتار، کتاب الصلاۃ،باب الوتر والنوافل: ۴۷۴/۲،دار الکتب العلمیة بیروت،ظفیر)

☆ **شفعہ کسے کہتے ہیں:**

سوال: ہر شفعہ کے بعد دو رکعت علاحدہ علاحدہ پڑھنا بدعت ہے تو جواب طلب امور یہ کہ شفعہ کسے کہتے ہیں؟

الجواب ــــــــ حامدًا ومصلیاً

دو رکعت کو (فی المنجد: ”الشفعة من الضحٰی“ چاشت کی دو رکعتیں‘‘۔(المنجد عربی اردو، مادہ ”شفع“،ص:۵۳۴، دارالاشاعت کراچی)

وفی القاموس الوحید: ”الشفعة“ چاشت کی دو رکعتیں‘‘۔(القاموس الوحید، مادہ ”شفع“،ص:۸۷۴،ادارہ اسلامیات) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۲۲۱/۷)

(۲) عن عبد اللّٰه بن مسعود أنه قال: ما أحصٰی من رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقرأ فی الرکعتین قبل صلاۃ الفجر بـ﴿قل یأیها الکافرون ﴾و﴿قل هو اللّٰه أحد﴾.(الجامع للترمذی، کتاب الصلاۃ،باب ماجاء فی الرکعتین بعد المغرب والقراء فیهما: ۹۸/۱،قدیمی،أنیس)

عن ابن عباس قال: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقرأ فی رکعتی الفجرقولوا آمنا باللّٰه وما أنزل إلینا والتی فی آل عمران تعالوا إلٰی کلمة سواء بیننا وبینکم الآیة. (الصحیح لمسلم، کتاب صلاۃ المسافرین،باب استحباب رکعتی سنة الفجر ... وبیان ما یستحب أنه یقرأ فیهما: ۲۵۱/۱،قدیمی،انیس)

عن قتادة عن أنس بن مالک رضی اللّٰه عنه قال: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقرأ فی رکعتی الفجر بـ﴿قل یا أیها الکفٰرون ﴾و﴿قل هو اللّٰه أحد﴾ .(شرح معانی الآثار للطحاوی،باب القراء ة فی رکعتی الفجر: ۲۰۹/۱،ثاقب بکڈپو دیوبند،انیس)

ہے، **كما ورد فی الحصن الحصين.** اور اگر کوئی شخص یہی دونوں سورتیں صبح کی سنتوں میں مستحب سمجھ کر پڑھے تو کراہت نہیں ہے؛ لیکن بہتر ہے کہ کبھی اور کوئی سورہ، یا ﴿قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ (الآية) وغیرہ پڑھ لیا کرے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۲۱۴)

سنتوں میں قرأت جہری بہتر ہے، یا سرّی:

سوال: نوافل وسنن خاموشی سے پڑھنا بہتر ہے، یا گنگنا کر؛ تا کہ خیالات سے نجات ملے؟

الجواب

دن کی نفلوں اور سنتوں میں آہستہ پڑھنا چاہیے، جہر نہ کرے اور نہ گنگناوے، البتہ رات کی نفلوں میں اختیار ہے کہ خواہ جہر کرے، یا آہستہ پڑھے۔

درمختار میں ہے:

(كمتنفل بالنهار) فإنه يسرّ (ويخير المنفرد فی الجهر) ... (إن أدیّ) ... (كمتنفل بالليل منفردًا، إلخ. (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۲۳۹-۲۴۰)

☆ ☆ ☆

(۱) وكره عندنا وعند مالک تعيين سورة : أی غير الفاتحة لصلاة من الصلوات ،الخ، وقيد الطحاوی والإسبيجابی الكراهة فيما اعتقد أن الصلاة لاتجوز بغيرها وأما إذا لم يعتقد ذلک ولازمها بسهولتها عليه أوتبركا بقراءة النبی صلی الله عليه وسلم إياها كقراءة ﴿سَبِّحِ اسْمَ﴾ و﴿قُلْ يٰأَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ﴾ والإخلاص فی الوتر وقراءة الكافرون والإخلاص فی سنة الفجر والمغرب ،الخ، فلايكره بل يكون حسناً فتركه مطلقاً غير مستحسن ،إلخ. (شرح نقاية، فصل فی القراءة: ۱/۸۳)

(۲) الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة: ۱/۴۹۸، ظفير

سنت فجر کے مسائل

طلوعِ فجر کے بعد ادائے فرض سے پہلے نفل پڑھنا:

سوال: کیا فجر کا وقت شروع ہو جانے کے بعد فجر کی نماز ادا کرنے سے پہلے بھی کوئی نوافل نہیں پڑھی جا سکتیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

اس وقت کوئی نماز نفل نہ پڑھی جائے، فجر کی سنتیں پڑھنا منع نہیں: بلکہ ان کی تائید آئی ہے۔ (ردالمحتار)(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۲۳۹/۷-۲۴۰)

اذان فجر سے قبل سنت فجر پڑھنے کا حکم:

سوال: زید نے غلط فہمی سے اذان فجر سے قبل سنت پڑھ لی، بعد میں معلوم ہوا کہ اذان نہیں ہوئی ہے تو کیا زید کو دوبارہ سنت پڑھنی پڑے گی، یا سنت ادا ہوگئی؟ ایک شخص کہتا ہے کہ پھر سے سنت پڑھنی پڑے گی؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللہ التوفيق

اگر نماز کا وقت یعنی طلوع صبح صادق کے بعد سنت پڑھی ہو تو ادا ہوگئی اور اگر اس سے قبل ہی پڑھ لی ہو تو ادائیگی نہیں ہوئی، وقت ہونے پر لوٹانا چاہیے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری، ۱۴۰۱/۹/۴ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۳۹/۲-۴۴۰)

---

(۱) (كذا) الحكم من كراهة نفل وواجب لغيره لا فرض وواجب لعينه (بعد طلوع فجر سوىٰ سنته) لشغل الوقت به تقديراً، حتىٰ لو نوىٰ تطوعاً، كان سنة الفجر بلا تعيين". (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة: ۳۷۵/۱، سعيد)

عن ابن عمر عن حفصة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا طلع الفجر لا يصلي إلا ركعتين خفيفتين. (الصحيح لمسلم، باب استحباب ركعتى الفجر والحث عليهما وتخفيفهما والمحافظة عليها وبيان ما يستحب أن يقرأ فيها: ۱/ ۲۵۰، انيس)

(۲) فلو تهجد بركعتين بظن بقاء الليل فتبين أنهما بعد الفجر كانتا عن السنة على الصحيح فلا يصليها بعده للكراهة، أشباه. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، قبيل مطلب فى تكرار الجماعة والاقتداء بالمخالف: ۳۷/۲، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

فجر کی سنت پڑھ کر لیٹنا:

سوال: میں کبھی کبھی کھانا کھا کر اور کبھی قبل فجر تھوڑی دیر جب جماعت میں دیر ہوتی ہے تو بوجۂ کمزوری لیٹ جاتا ہوں، مسجد میں اعتکاف کی نیت سے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جماعت کی انتظار میں سنتیں پڑھ کر، یا پہلے مسجد میں جب کہ کمزوری کی وجہ سے بیٹھنا دشور ہو، کچھ دیر کے لیے لیٹ جانے میں مضائقہ نہیں، خاص کر اعتکاف کی نیت کر کے؛ مگر اسی طرح ہو کر کہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۶۴۸/۵۔۶۴۹)

اقامت کے بعد فجر کی سنت کب تک پڑھ سکتا ہے:

سوال: اقامت کے بعد سنتیں فجر کی کب تک پڑھ سکتا ہے؟ اگر سنت نہ پڑھی اور شریک جماعت ہو گیا تو پھر کس وقت سنت پڑھنا چاہیے اور بعد اقامت کے کس جگہ سنت پڑھے؟

الجوابــــــــــــــــــــ

صبح کے فرضوں کی تکبیر ہونے کے بعد بھی سنتیں صبح کی پڑھنی چاہئیں؛ لیکن اس جگہ نہ پڑھے، جس جگہ فرض ہو رہے ہیں؛ بلکہ اگر جماعت اندر مسجد کے ہے تو باہر فرش پر؛ بلکہ علاحدہ فرش سے اگر کوئی جگہ ہو تو وہاں سنتیں پڑھ کر شامل جماعت فرض میں ہو جاوے، اگر ایک رکعت فرض کے ملنے کی بھی امید ہے، تب بھی سنتیں پڑھ لے اور بعض نے فرمایا التحیات مل جاوے، تب بھی پڑھے۔ (۱)

بہر حال چونکہ تاکید صبح کی سنتوں کی زیادہ ہے؛ اس لیے ان کو نہ چھوڑے؛ لیکن اس جگہ نہ پڑھے، جس جگہ جماعت فرض کی ہو رہی ہے۔ (۲) اور اس بارے میں آثار صحابہؓ موجود ہیں اور تحقیق اس کی شرح منیہ میں ہے اور اگر سنتیں نہ

(۱) وإذا خاف فوت) ركعتي (الفجر لاشتغاله بسنتها تركها) ... (وإلا) بأن رجا إدراك ركعة في ظاهر المذهب وقيل التشهد واعتمده المصنف والشرنبلالي تبعاً للبحر. (الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۵۱۰/۲، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(۲) لايتركها بل يصليها عند باب المسجد إن وجد مكاناً وإلا تركها لأن ترك المكروه مقدم علیٰ فعل السنة. (الدرالمختار)

(قوله: باب المسجد) أي خارج المسجد ... فإن لم يكن علیٰ باب المسجد موضع للصلاة يصليها في المسجد خلف سارية من سواري المسجد وأشدها كراهة أن يصليها مخالطاً للصف مخالفاً للجماعة. (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۵۱۰/۲۔۵۱۱، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

پڑھے اور امام کے ساتھ شریک ہوگیا تو بعد فرض کے قبل طلوع شمس سنتیں نہ پڑھے، بعد آفتاب نکلنے اور بلند ہونے کے اگر پڑھے اختیار ہے؛(۱) کیوں کہ اب وہ نفل ہے، چاہے پڑھے، چاہے نہ پڑھے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۱۹/۴)

اقامت کے بعد فجر کی سنتوں کا حکم:

سوال: فجر کی جماعت شروع ہوچکی ہے اب فجر کی سنت پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟ ایک صاحب کہتے ہیں: ایسے وقت میں سنت پڑھنا حدیث سے ثابت ہے، حنفی لوگ جو ایسا کرتے ہیں، وہ غلط کرتے ہیں، حدیث کے خلاف ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح معانی الآثار میں ایک جلیل القدر صحابی کا اثر نقل کیا ہے کہ وہ ایسے وقت مسجد پہونچے کہ نماز فجر شروع ہوچکی تھی، انہوں نے دروازہ مسجد پر سنتیں پڑھیں، پھر جا کر جماعت میں شریک ہوگئے،(۳) جو

---

(۱) وعن ابن مسعود أنه دخل المسجد وقد أقيمت صلاة الصبح فركع ركعتي الفجر الیٰ أسطوانة بمحضر حذيفة وأبی موسٰی قال ابن بطال وروی مثله عن عمربن الخطاب وأبی موسٰی قال ابن بطال وروی مثله عن عمر بن الخطاب وأبی الدرداء وابن عباس رضی اللّٰه عنه وعن ابن عمر أنه الی المسجد لصلاة الصبح فوجد الامام يصلی فدكل بيت حفصة فصليی ركعتين ثم دخل فی صلاة الامام.(عمدة القاری،كتاب الصلاة،باب أقيمت الصلاة فلا صلاة الا المكتوبة:۲۸۹/۸،شاملة،انيس)

والوعيد علٰی ترک الجمعة أشد منه علٰی ترک ركعتی الفجر علٰی ما يعرف فی موضعه إذا تركها فعندهما لا تقضی أصلا لا قبل طلوع الشمس لكراهة النفل فيه ولا بعده الاختصاص القضاء خارج الوقت بالواجبات الا ماورد به شرع والشرع انما ورد فی قضاء ركعتی الفجر عند فوتها مع الفرض قبل الزوال كما فی غداة ليلة التعريس ولم يرد عن قضائها اذا فاتت وحدها ولا اذا فاتت مع الفرض بع الزوال وقال محمد أحب الی أن أقضيها اذا فاتت وحدها بعد طلوع الشمس قبل الزوال.(غنية المستملی،كتاب الصلاة،فصل فی النوافل تحت فروع،ص:۳۹۷، انيس))

(۲) وأما لوفاتت وحدها فلا تقضٰی قبل طلوع الشمس ...و قال أحب الی أن يقضيها الی الزوال ... لأن قوله أحب قوله أحبّ إلی:دليل علٰی أنه لم يفعل لا لوم عليه إلخ وقال:الخلاف فی أنه لوقضٰی كان نفلاً مبتدأً أوسنة. (رد المحتار،باب ادراک الفريضة،مطلب هل الاساء ة دون الكراهة أو أفحش:۵۱۲/۲،دارالكتب العلمية بيروت،ظفير)

(۳) حدثی عبد اللّٰه بن أبی موسٰی عن أبيه أنه حين دعا هم سعيد بن العاص:دعا أبا موسٰی وحذيفة وعبد اللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه تعالٰی عنهم قبل أن يصلی الغداة،ثم خرجوا من عنده وقد أقيمت الصلاة،فجلس عبد اللّٰه إلٰی أسطوانة من المسجد فصلی الركعتين،ثم دخل فی الصلاة،فهٰذا عبد اللّٰه قد فعل هٰذا ومعه حذيفة أبوموسٰی لاينكرأن ذلک عليه،فدل ذلک علٰی موافقتهما إياه".(شرح معانی الآثار للطحاوی،باب الرجل يدخل المسجد والإمام فی صلاة الفجر ولم يكن ركع أيركع أولايركع:۲۵۵/۱،انيس)

حدثنا يزيد بن النحوی عن أبی مجلزقال:دخلت المسجد فی صلاة الغداة مع ابن عمررضی اللّٰه عنهما ==

صاحب اس کو غلط کہتے ہیں، شاید ان کی نظر سے یہ چیز نہ گزری ہو، اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ ہے، جس میں حنفیہ کی تائید میں حدیث اور اس کے معارض سے پوری بحث کر کے مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹۴/۷)

اگر جماعت ہورہی ہو تو فجر کی سنت کب پڑھے:

سوال: اگر جماعت فجر کی ہورہی ہے تو سنت پڑھے، یا جماعت میں شریک ہو جاوے اور اگر شریکِ جماعت ہو گیا تو وقت ضرورت کے سنت بعد نماز ادا کرے، یا بعد طلوعِ آفتاب؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

سنت فجر بعد شروع ہونے جماعت کے، اگر کوئی جگہ علاحدہ مسجد کے ہو، پڑھ لے؛ کیوں کہ ان کی تاکید بہت وارد ہے، بشرطیکہ جماعت میں شرکت کی توقع ہو اور اگر سنت فجر نہ پڑھ سکا تو بعد طلوع آفتاب کے پڑھے، فرض کے بعد متصل نہ پڑھے؛ بلکہ بعد طلوع آفتاب کے پڑھے اور اپنے وقت سے ٹل کر سنت مؤکدہ مؤکدہ نہیں رہتی؛ مگر بعد طلوع آفتاب کے پڑھ لینا بہتر ہے۔ (هٰكذا فى كتب الفقة) فقط

کتبہ رشید احمد عفی عنہ (مندرجہ فتاویٰ دار العلوم (دیوبند) ص: ۳۲۶/ ج: ۴ (دیوبند: ۱۳۸۴ھ) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۸۱) ☆

ـــــــــــــــــــــــــــــ

== وابن عباس رضى الله عنهما والإمام يصلى فأما ابن عمر رضى الله عنهما فدخل فى الصف وأما ابن عباس رضى الله عنهما فصلىٰ ركعتين ثم دخل مع الإمام فلما سلم الإمام قعد ابن عمر مكانه حتىٰ طلعت الشمس فقام فركع ركعتين، فهٰذا ابن عباس قد صلىٰ الركعتين فى المسجد والإمام فى صلاة الصبح. (شرح معانى الآثار للطحاوى، كتاب الصلاة، باب الرجل يدخل المسجد والإمام فى صلاة الفجر ولم يكن ركع أيركع أولا يركع: ۲۵۵/۱-۲۵۶، انيس)

(۱) لم أجد الرسالة المشار إليها

☆ **ملفوظ**: جب تکبیر فجر کے فرض کی ہو تو سنت چھوڑ کر فرض میں شریک ہو جاوے؛ مگر جو سنت کو ایسی جگہ پڑھ سکے کہ سب کی نظر سے غائب ہو اور جماعت کی ایک رکعت بھی مل جائے تو سنت پڑھ کر شریک ہو، مسجد میں سنت ہرگز نہ پڑھے اور سنت رہ جاویں تو بعد آفتاب چڑھنے کے چاہے پڑھ لیوے، ورنہ ضرورت نہیں۔ (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۰۶)

ایک رکعت ملنے کی امید پر جماعت فجر کے وقت سنت فجر درست ہے، یا نہیں:

سوال: شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ اگر فجر کے فرض کی ایک رکعت امام کے ساتھ مل جانے کی امید ہو تو سنتیں ترک نہ کرے، یہ صحیح ہے، یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ جب امام قرأت شروع کر دیتا ہے تو سنت فجر کا پڑھنا حرام ہے، جہاں تک امام کی آواز جاتی ہے۔ یہ صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

یہ صحیح ہے کہ اگر فرض با جماعت فجر کی ایک رکعت؛ بلکہ عند المحققین تشہد بھی مل سکے تو علاحدہ ہو کر سنتیں ادا کر کے ==

فرض ایک رکعت مل جائے تو فجر کی سنت ادا کرے:

سوال: ایک شخص بوقت فجر مسجد میں آتا ہے اورآگے جماعت ہورہی ہے،اب وہ پہلے سنتیں ادا کرے، یا جماعت میں شریک ہوجائے؟

(المستفتی:۴۱۱،سید محبوب حسن (نرائن گڈھ ضلع انبالہ)۲۶/جمادی الثانیہ۱۳۵۳ھ،۶/اکتوبر۱۹۳۴ء)

الجواب

فجر کی جماعت شروع ہوجانے کے بعد کسی علاحدہ جگہ میں سنتیں ادا کرنے کا اتنا موقع مل جائے کہ سنت ادا کرکے فرض کی ایک رکعت مل سکے گی تو سنتیں ادا کرکے جماعت میں شریک ہواور اگر کوئی علاحدہ جگہ میسر نہ ہو، یا ایک رکعت فرض ملنے کی امید نہ ہوتو جماعت میں شریک ہوجائے اور جماعت کے بعد سورج نکلنے سے پہلے سنتیں نہ پڑھے،سورج نکلنے کے بعد چاہے تو پڑھ لے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳۱۱/۳)

== پھر شامل جماعت ہوجاوے۔(کذا فی الدر المختار و الشامی)(وإذا خاف فوت) ركعتي (الفجر لاشتغاله بسنتها تركها) لكون الجماعة أكمل (وإلا) بأن رجا إدراک ركعة في ظاهر المذهب وقيل التشهد واعتمده المصنف والشرنبلالي تبعاً للبحر لٰكن ضعفه في النهر ،(لا)يتركها بل يصليها عند باب المسجد إن وجد مكاناً وإلا تركها.(الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار،كتاب الصلاة،باب إدراک الفريضة:۵۱۰/۲-۵۱۱،دار الكتب العلميه بيروت)

اور جولوگ ایسا کہتے ہیں کہ فجر کے فرضوں کی جماعت شروع ہونے کے بعد مطلقاً سنتیں صبح کی پڑھنی حرام ہیں،وہ حنفی نہیں ہیں اوران کو مذہب حنفی کی خبر نہیں ہے،حنفیہ کا یہی مذہب ہے کہ سنتیں پڑھ کر شامل جماعت ہو؛ مگر حتی الوسع جماعت سے علاحدہ ہوکر پڑھے۔والتفصیل فی کتب الفقہ۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۰۵/۴-۲۰۶)

(۱) بل يصليها عند باب المسجد إن وجد مكاناًوإلا تركها؛لأن ترک المكروه مقدم علیٰ فعل السنة.(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار،كتاب الصلاة،باب ادراک الفريضة:۵۱۱/۲،دار الكتب العلمية بيروت،انيس)

وكره نفل ...ولو سنة الفجر بعد صلاة فجر إلخ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار،كتاب الصلاة،باب ادراک الفريضة:۳۶/۲-۳۷،دار الكتب العلمية بيروت،انيس)

☆ فجر کی نماز شروع ہونے کے بعد سنتیں پڑھنے کا حکم:

سوال: جس وقت صبح کی جماعت کی تکبیر ہوگئی ہو،اس وقت میں سنتیں پڑھنی جائز ہیں، یا جماعت میں شریک ہونا جائز ہےاور یہ سنتیں واجب ہیں، یا سنت مؤکدہ؟

الجواب

اگر جماعت کی تکبیر ہوجاوے تو اگر ایسی جگہ ہوکہ سب لوگوں کی نظر سے پردہ ہوتو جلدی جلدی ادا کرکے فرضوں میں شریک ہوجاوے،جو ایسی جگہ نہ ہوتو ترک کردے،پھر اگر ہوسکے تو دن چڑھے پڑھ لیوے،ورنہ سنت کی قضاء نہیں ہے۔ ==

فرض کی اقامت کے بعد سنت فجر کی ادائیگی کا حکم:

سوال: ایک شخص وضو کر کے آیا تو دیکھا کہ جماعت صبح کی کھڑی ہوگئی ہے اور مسجد اتنی بڑی نہیں ہے کہ اگر ایک گوشہ میں سنتیں پڑھی جاویں تو قرأت امام کی آواز نہ سنائی دے؛ تا کہ تعمیل آیت ﴿وإذا قرأ القرآن﴾ الآیة کی ہو، اب اس آدمی کو کیا کرنا چاہیے، ایک شخص کہتا ہے کہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ طریقہ بیان فرمایا ہے کہ اگر فجر کی سنتوں سے کسی کو بوجہ فضائل کثیرہ کے شوق ہو تو اسے چاہیے کہ حالت مذکورہ میں سنت کی نیت کر کے توڑ دے، بعدہ جماعت میں داخل ہو جاوے، بعد ادائے فرض فی الفور وہ سنتیں بوجہ فرض ہو جانے کے پڑھ لیوے، آیا یہ کہنا ان کا غلط ہے، یا صحیح؟ اور حالت مذکورہ میں شخص مذکور کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب

ایسی حالت میں اگر مسجد کے دو درجے ہوں تو امام جس درجہ میں ہو تو یہ شخص دوسرے درجہ میں ادا کرے اور اگر ایسا موقع بھی نہ ہو تو کسی علاحدہ جگہ میں جس قدر دوری صف سے ممکن ہو، وہاں پڑھ لے اور طریقہ جو سوال میں مذکور ہے، بالکل ناجائز ہے اور امام محمد علیہ الرحمۃ پر تہمت ہے۔

فی رد المحتار باب إدراک الفریضة: والحاصل أن السنة فی سنة الفجر أن یأتی بها فی بیته وإلا فإن کان عند باب المسجد مکان صلاها فیه وإلا صلاها فی الشتوی أو الصیفی إن کان للمسجد موضعان وإلا فخلف الصفوف عن ساریة، آہ. (۱)

== دو رکعت قبل فرض فجر سنت مؤکدہ ہیں، واجب نہیں۔

(فیوض رشیدیہ، ص:۲۴) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ۔ ص:۱۸۱-۱۸۲)

فجر کی سنتیں اس وقت پڑھنا، جب جماعت شروع ہو چکی ہو:

سوال: اگر جماعت صبح کی نماز کی [شروع] ہوگئی ہے تو بہتر یہ ہے کہ جماعت میں مل جاوے، یا کہ یہ بہتر ہے کہ سنت فجر کی پڑھ کر جماعت میں شامل ہو، اگر یہ جانتا ہو کہ ایک رکعت فرض کی ضرور جماعت میں مل جاوے گی؟

الجواب

مذہب حنفیہ یہ ہے کہ سنت پڑھ کر شریک جماعت ہو بشرطیکہ سنت کو پردہ میں پڑھے۔ جماعت کے روبرو پڑھنا ہرگز درست نہیں، مگر اس وقت میں ایسا کرنے سے عوام جماعت کے پاس سنت پڑھنے لگتے ہیں، لہٰذا حسب مذہب شافعی اور محدثین علیہم الرحمہ کے، بالکل سنت سے منع کرنا مناسب وقت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص:۲۱) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ، ص:۱۸۱)

(۱) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب ادراک الفریضة، مطلب هل الاساءة دون الکراهة أو أفحش: ۵۱۱/۲، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

وفی الدرالمختار الباب المذکور: ثم ماقیل یشرع فیها ثم یکبر للفریضة أوثم یقطعها و یقضیها مردود بأن درء المفسدة مقدم علٰی جلب المصلحة.

وفی ردالمحتار تحت هٰذا القول: أن ما وجب بالشروع لیس أقوٰی مما وجب بالنذر ونص محمد أن المنذور لایؤدی بعد الفجر قبل الطلوع، آہ. (۱)

۱۱ رجب ۱۳۲۲ھ (امداد، ص: ۵۳) (امدادالفتاویٰ جدید: ۴۶۱/۱)

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب إدراک الفریضة: ۵۷/۲

☆ سوال: خالد مسجد میں نماز صبح پڑھنے آیا ہے، آگے مسجد میں جماعت ہورہی ہے، خالد سنت پڑھ کر جماعت میں شامل ہوئے، یا امام کو جس رکن میں پاوے، شامل ہوجاوے، مفتی بہ مسئلہ بحوالہ فقہ ثقہ ومزین بمہر خود ابلاغ فرماویں؟

الجواب

ہم حنفیہ کا مذہب یہی ہے کہ اگر فرض ملنے کی توقع ہوتو سنت نہ چھوڑے۔ **کذا فی الکتب المذهبیة.**

۲۶/ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص: ۳۷)

سوال: سوال اول غرض یہ ہے کہ مندرجہ ذیل کتابوں کی عبارت کی وجہ سے مجھے تردد ہے کہ حضرت کے بہشتی گوہر مطبوعہ بلالی واقع ساڈھورہ میں جو مسئلہ موجود ہے، وہ صحیح ہے، یا ان مندرجہ ذیل کتابوں سے ظاہراً جو مسئلہ سمجھ میں آتا ہے، وہ صحیح ہے اور وہ مسئلہ آپ کی کتاب بہشتی گوہر مطبوعہ مذکور کے (عنوان جماعت میں شامل ہونے نہ ہونے کے مسائل صفحہ: ۱۷) میں درج ہے۔

مسئلہ: فرض ہونے کی حالت میں جو سنتیں پڑھی جائیں، خواہ فجر کی ہوں، یا اور کسی وقت کی وہ ایسے مقام پر پڑھی جائیں، جو مسجد سے علاحدہ ہو؛ اس لیے کہ جہاں فرض نماز ہوتی ہو، پھر کوئی دوسری نماز وہاں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور اگر کوئی ایسی جگہ نہ ملے تو صف سے علاحدہ مسجد کے کسی گوشہ میں پڑھ لے۔ (درمختار وغیرہ)

لفظ (خواہ فجر کی ہوں، یا کسی اور وقت کی) اس سے تعمیم معلوم ہوتی ہے اور مندرجہ ذیل کتب کی عبارتوں سے تخصیص بالفجر معلوم ہوتی ہے، اس لیے آپ سے نہایت مؤدبانہ طور سے التجا ہے کہ آپ مجھے کافی شافی جواب سے اس ظلمت سے نکالیں، جس میں اس وقت میں ہوں اور وہ عبارت موعودہ یہ ہے:

فی حاشیة الطحطاوی، ص: ۳۴، مطبوعة مصر، فصل فی الأوقات المکروهة: "ویکره (أی التنفل) عند الاقامة لکل فریضة (إلاسنة الفجر) إذا أمن فوت الجماعة". (حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاة، فصل فی الأوقات المکروهة، ص: ۷۵، انیس)

وفی الکتاب المذکور فی ص: ۸۶، فی باب إدراک الفریضة: "ومن حضر وکان الإمام فی صلاة الفرض اقتدٰی به ولایشتغل عنه بالسنة فی المسجد ولولم یفته شئ وإن کان خارج المسجد وخاف فوت رکعة اقتدٰی والأصلی السنة ثم اقتدٰی لامکان جمعه بین الفضیلتین إلا فی الفجر فإنه یصلی سنته ولوفی المسجد بعیداً عن الصف وإن أمن فوته ولوبادراکه فی التشهد وقوله صلی الله علیه وسلم إذاأقیمت الصلاة فلاصلاة إلاالمکتوبة محمول علٰی غیر صلاة الفجر لما قدمناه فی سنة الفجر". (مراقی الفلاح علٰی حاشیة الحطاوی، کتاب الصلاة، باب إدراک الفریضة، ص: ۱۲۱-۱۵۲، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس)

==

فجر کی جماعت شروع ہونے کے بعد سنتیں پڑھ سکتا ہے:

سوال: صبح کی جماعت کھڑی ہونے کے بعد ایک شخص مسجد میں داخل ہوا، جس نے صبح کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں۔اب یہ شخص جماعت میں بغیر سنت پڑھے، شریک ہوجائے، یا سنت پڑھ کر؟

(المستفتی: ۹۶۱، رحمت علی (دہلی) ۸/ربیع الاول ۱۳۵۵ھ، ۳۰/مئی ۱۹۳۶ء)

الجواب

فجر کی سنتیں فرض نماز شروع ہوجانے کے بعد ان شرائط کے ساتھ ادا کی جاسکتی ہیں:

(۱) سنتیں ادا کرنے کے بعد جماعت میں شریک ہوکر ایک رکعت ملنے کی قومی امید ہو۔

(۲) مسجد میں جماعت کے مقام پر سنتیں نہ پڑھی جائیں۔

(۳) مسجد سے خارج کسی دالان میں، یا حجرہ میں، یا دروازے کے باہر کسی جگہ میں ادا کی جائیں۔

(۴) مسجد میں ادا کی جائیں تو جماعت سے آڑ کی جگہ ہو، اگر ان شرطوں میں سے کوئی ایک شرط بھی پوری نہ ہو تو پھر سنتیں چھوڑ کر فرضوں میں شریک ہوجانا چاہیے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۳۲۱)

== عن أبی هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة إلا المكتوبة. (جامع الترمذی، کتاب الصلاة، باب ما جاء إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة إلا المكتوبة: ۹۶/۱، قدیمی، انیس)

وفی الهداية: ومن انتهى إلى الإمام فی صلاة الفجر وهو لم يصل ركعتی الفجر إن خشی أن تفوته ركعة ويدرك الأخرى يصلی ركعتی عند باب المسجد ثم يدخل؛ لأنه أمكنه الجمع بين الفضيلتين وإن خشی فوتها دخل مع الإمام؛ لأن ثواب الجماعة أعظم والوعيد بالترك ألزم بخلاف سنة الظهر حيث يتركها فی الحالين؛ لأنه يمكنه أداء ها فی الوقت بعد الفرض هو الصحيح. (الهداية، کتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۱۵۹/۱، مكتبة رحمانية لاهور، انیس)

اور اسی طرح درمختار میں بھی موجود ہے، عبارت کی طوالت کی وجہ سے انہیں دو کتابوں کی عبارت کو نقل کیا، ورنہ اور بہت سی کتابوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

الجواب

اور کتابوں سے جو مفہوم ہوتا ہے، وہی صحیح ہے، معلوم نہیں علم الفقہ میں جو کہ بہشتی گوہر کی اصل ہے، تعمیم کیسے لکھدی، بہشتی گوہر اس سے اس طرح منتخب کیا گیا ہے کہ سرسری نظر سے مضامین کے اول وآخر پر نشان بنادیا، کاتب نے نقل کرلیا، ایک ایک لفظ نہیں دیکھا گیا بوجہ اعتماد کے۔

(ترجیح خامس، ص: ۱۴۲) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۴۶۱-۴۶۴)

(۱) (وإذا خاف فوت) ركعتی (الفجر لاشتغاله بسنتها تركها) لكون الجماعة أكمل (وإلا) بأن رجا أدرك ركعة فی ظاهر المذهب ... (لا) يتركها بل يصليها عند باب المسجد إن وجد مكاناً وإلا تركها؛ لأن ترك المكروه مقدم على فعل السنة، إلخ. (الدر المختار) ==

جماعت شروع ہونے کے بعد سنتوں کا حکم:

سوال: حسب ذیل احادیث کا کیا مطلب ہے؟

(۱) ”إذاأقيمت الصلاة فلاصلاة إلاالمكتوبة“.(۱)

(۲) عن ابن عمر أنه أبصر رجلاً يصلي الركعتين والمؤذن يقيم فحصبه وقال: أتصلي الصبح أربعًا.(۲)

(۳) وروينا عن عمربن الخطاب رضي الله عنه أنه كان إذا رأى رجلاًيصلي وهوسمع الإجابة ضربه.

(۴) ووقع نحوهذه القصة أيضًا لابن عباس رضي الله عنهما قال:كنت أصلي وأخذ المؤذن في الاقامة؟النبي صلى الله عليه وسلم وقال أتصلي الصبح أربعًا. (أخرجه ابن خزيمة وابن حبان والبزازية والحاكم وغيرهم)

(ب) اورمسجد کے دالان میں جس میں جماعت ہورہی ہو، یاصف کے پیچھے ستون کی آڑ کافی ہوگی، یاجماعت میں شریک ہوجائیں اور جماعت ہونے کی حالت میں اسی دالان میں سنت پڑھنا مکروہ ہے، یانہیں؟

(المستفتی:۲۵۵۳،عبدالحق صاحب دہلی،۱۹/ذی قعدہ۱۳۵۸ھ،مطابق۳۱/دسمبر۱۹۳۹ء)

الجواب

حدیث نمبر:۱،کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب (فرض) نماز کی تکبیر ہوجائے تو سوائے فرض کے اورکوئی نماز نہیں۔

حدیث نمبر:۲،کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مؤذن تکبیر کہہ رہاہے اورایک آدمی سنتیں پڑھتاہے؛(یعنی پڑھنا چاہتاہے) توانہوں نے اس آدمی پر کنکری پھینکی اورفرمایا کہ کیا فجر کی چاررکعتیں پڑھے گا۔

== (وفي الشامية:(عند باب المسجد) أي خارج المسجد كما صرح به القهستاني ... فإن لم يكن علىٰ باب المسجد موضع للصلاة يصليها في المسجدخلف سارية من سواري المسجد وأشدها كراهة أن يصليها مخالطًا للصف مخالفًا للجماعة,إلخ. (الدرالمختارمع رد المحتار، كتاب الصلاة،باب إدراك الفريضة:۵٦/۲،ط:سعيد)

(۱) صحيح البخاري،باب إذا أقيمت الصلاة فلاصلاة إلا المكتوبة :۹۱/۱،ط:قديمي كتب خانة،كراچي

(۲) عن حفص بن عاصم عن ابن جحينة قال أقيمت صلاة الصبح فرأى رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلاً يصلي والمؤذن يقيم فقال:أتصلي الصبح أربعاً.(الصحيح لمسلم،باب كراهة الشروع في نافلة بعد شروع المؤذن في اقامة الصلاة إلخ:۲٤۷/۱،انيس)

حدیث نمبر:۳، کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب دیکھتے کہ کوئی آدمی تکبیر سن رہا ہے اور پھر (اپنی علاحدہ) نماز پڑھتا ہے تو اسے مارتے۔

اور حدیث نمبر:۴، کا مطلب یہ ہے کہ ایسا واقعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بھی پیش آیا کہ وہ نماز پڑھنے لگے اور مؤذن نے تکبیر شروع کی تو آنحضرتؐ نے انہیں کھینچ لیا اور فرمایا کہ کیا تم صبح کی چار رکعتیں پڑھوگے۔

ان روایتوں کا مطلب یہ ہے کہ فرض نماز کی تکبیر ہونے کے بعد اس جگہ سنتیں پڑھنے کی ممانعت ہے؛ کیوں کہ اس جگہ سنتیں پڑھنے سے صورۃ جماعت کی مخالفت لازم آتی ہے، نیز صبح کی چار رکعتیں اکٹھی ہوجانے کی شکل پیدا ہوجاتی ہے؛ لیکن اگر مسجد سے خارج، یا آڑ کی جگہ میں سنتیں ادا کی جائیں تو بشرطیکہ ایک رکعت فرض مل جانے کا ظن غالب ہو تو یہ جائز ہے؛ کیوں کہ صحابہ کرام سے یہ عمل مروی ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل کہ اقامت ہوجانے پر سنتیں پڑھنے والے کے کنکری ماری اور فرمایا کہ کیا فجر کی چار رکعتیں پڑھے گا۔ حدیث نمبر:۲، میں مذکور ہے اور انہیں سے یہ عمل بھی ثابت ہے کہ اقامت ہوجانے کے بعد انہوں نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جاکر سنتیں پڑھیں اور پھر آکر جماعت میں شامل ہوئے۔

وصح عنه (أی ابن عمر) أنه قصد المسجد فسمع الاقامة فصلٰی رکعتی الفجر فی بیت حفصة ثم دخل المسجد فصلٰی مع الإمام. (فتح الباری:۳۶۹/۳)(۱)

اسی طرح حضرت ابن عباس اور حضرت ابوالدرداء اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرض کی اقامت ہوجانے کے بعد مسجد سے باہر، یا مسجد میں جماعت کی جگہ سے آڑ میں ہوکر سنتیں پڑھ لیں، پھر جماعت میں شامل ہوئے۔ ان روایات سے ثابت ہوا کہ یہ اولوالعزم فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم ممانعت کو اسی صورت پر محمول سمجھتے تھے کہ سنتیں جماعت فرض کی جگہ پڑھی جائیں اور مسجد سے خارج، یا آڑ کی جگہ میں اقامت ہوجانے کے بعد بھی پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے اور پڑھ لیتے تھے۔(۲)

---

(۱)　فتح الباری، کتاب الصلاة، باب إذا أقیمت الصلاة فلاصلاة إلا المکتوبة: ۲۷/۲، ط: مصر

(۲)　ولما روی الطحاوی وغیره عن ابن مسعود أنه دخل المسجد وأقیمت الصلاة فصلٰی رکعتی الفجر فی المسجد إلی الأسطوانة وذلک بمحضر حذیفة وأبی موسٰی ومثله عن أبی الدرداء وابن عباس وابن عمر کما عمرو سنده الحافظ الطحاوی فی شرح الآثار ومثله عن الحسن ومسروق والشعبی، شرح المنیة. (رد المحتار، کتاب الصلاة، مطلب فی تکرار الجماعة والاقتداء بالمخالف: ۳۷۸/۱، ط: سعید)

حدثنی عبد اللّٰه بن أبی موسٰی عن أبیه أنه حین دعاهم سعید بن العاص دعا أباموسٰی وحذیفة وعبد اللّٰه بن مسعود قبل أن یصلی الغداة ثم خرجوا من عنده وقد أقیمت الصلاة فجلس عبد اللّٰه إلٰی أسطوانة من المسجد فصلٰی الرکعتین ثم دخل فی الصلاة، فهٰذا عبد اللّٰه قد فعل هٰذا ومعه حذیفة رضی اللّٰه عنه وأبوموسٰی لا ینکر أن ذلک علیه فدل ذلک علٰی موافقتهما إیاه. (شرح معانی الآثار للطحاوی، باب الرجل یدخل المسجد والإمام فی صلاة الفجر ولم یکن رکع أیرکع أولا یرکع: ۲۵۵/۱، انیس)

(۲) جس جگہ جماعت ہورہی ہو اسی جگہ سنتیں پڑھنا ناجائز ہے، یا تو خارج مسجد پڑھی جائیں، یا جماعت کی جگہ سے علاحدہ کسی آڑ کی جگہ میں پڑھے اور ایک رکعت فرض کی مل جانے کا پورا بھروسہ ہو، ورنہ جماعت میں شامل ہوجائے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۳۱۹-۳۲۱)

جماعت کے وقت سنت پڑھنے کا حکم:

سوال: ظہر کی فرض نماز جماعت کے ساتھ شروع ہوگئی تو ایک صاحب آئے اور سنت ظہر میں مشغول ہوگئے، ایسی صورت میں سنت پڑھنی چاہیے، یا جماعت میں شریک ہوجانا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

جب فرض نماز جماعت سے ہونے لگے تو سنت شروع نہیں کرنا چاہیے؛(۱) بلکہ یہاں تک حکم ہے کہ اگر کوئی شخص پہلے سے سنت پڑھ رہا ہو اور جماعت کھڑی ہوجائے تو دو ہی رکعت پر سلام پھیر کر جماعت میں شامل ہوجائے۔(۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری، ۱۴۰۱/۹/۲۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۴۳۸-۴۳۹)

دوران سنت تکبیر ہونے کا حکم:

سوال: مردے نیت چہار رکعت سنت خواہ نفل نمودہ یک رکعت باتمام رسانیدہ باد ائے رکعت دوم برخاست دریں ضمن کسے تکبیر نماز فرض گفت ادا کنندہ نفل وسنت ہر چہار رکعت تمام نماید، یا بر دو رکعت اکتفا ساز دو دو رکعت باقی را قضا کند، یا نہ؟(۳)

---

(۱) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أقيمت الصلٰوة فلا صلاة إلا المكتوبة. (الجامع للترمذي، كتاب الصلاة، باب ما جاء إذا أقيمت الصلاة فلاصلاة إلا المكتوبة: ۹۶/۱، انیس)

(۲) بشرطیکہ پہلی رکعت فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور بلا حائل صف سے ملا ہوا نہ ہو، اگر پہلی رکعت فوت ہونے کا اندیشہ ہو یا بلا حائل صف سے ملا ہو تو ان دونوں صورتوں میں سنت چھوڑ کر جماعت میں شریک ہوجانا چاہئے [مجاہد]

''(بخلاف سنة الظهر) وكذا الجمعة (فإنه) إن خاف فوت ركعة (يتركها) ويقتدي''. (الدر المختار)

''(قوله فإنه إن خاف فوت ركعة) بيان لوجه المخالفة بين سنة الظهر وسنة الفجر، ومفهومه أنه يأتي بها وإن أقيمت الصلاة إذا علم أنه يدرك معه الركعة الأولىٰ بعد أن يكون مخالطًا للصف بلاحائل''. (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۵۱۲/۲-۵۱۳)

(۳) ایک شخص نے چار رکعت سنت، یا نفل کی نیت کرکے نماز شروع کی جب دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہوا تو فرض نماز کی اقامت کہی گئی، پس یہ شخص چار رکعتیں پوری کرے، یا دو پر سلام پھیر کر نماز میں شامل ہوجائے؟ اور جو دو رکعتیں باقی رہ گئی ہیں، ان کی قضا کرے، یا نہ؟ (سعید)

الجواب

اگر دراثنائے سنت یا نفل تکبیر شد بر دورکعت سلام دادہ در جماعت داخل شود راجح واشہر ہمیں ست۔(۱)

(والشارع فی نفل لایقطع مطلقًا) ویتمه رکعتین (وکذا سنة الظهر و)سنة (الجمعة إذا أقیمت أوخطب الإمام) یتمها أربعًا (علی) القول (الراجح)؛لأنها صلاة واحدة ولیس القطع للاکمال بل للابطال خلافًا لمارجحه الکمال.(الدرالمختار)

(قوله:خلافا لمارجحه الکمال)حیث قال وقیل یقطع علیٰ رأس الرکعتین وهوالراجح؛لأنه یتمکن من قضائها بعدالفرض ولاابطال فی التسلیم علی الرکعتین فلایفوت فرض الاستماع و الأداء علی الوجه الأکمل بلاسبب،آه.

أقول:وظاهرالهدایة اختیاره وعلیه مشٰی فی الملتقی ونورالإیضاح والمواهب وجمعة الدرروالفیض وعزاه فی الشرنبلا لیة إلی البرهان وذکرفی الفتح أنه حکی عن السعدی أنه رجع إلیه لمارأه فی النوادرعن أبی حنیفة وأنه مال إلیه السرخسی والبقالی وفی البزازیة: أنه رجع إلیه القاضی النسفی وظاهرکلام المقدسی المیل إلیه ونقل فی الحلیة کلام شیخه الکمال،ثم قال: وهوکما قال:هٰذا ومارجحه المصنف صرح بتصحیحه الولوالجی وصاحب المبتغی والمحیط ثم الشمنی وفی جمعة الشرنبلا لیة وعلیه الفتویٰ.(۲)

پس بعد نماز فرض اگر سنت بود ہر چہار قضا کند واگر نفل بود ہیچ لازم نیاید.(۳)

وقضٰی رکعتین لونویٰ أربعًا غیرمؤکدة علیٰ اختیار الحلبی وغیره ونقض فی خلال الشفع الأول أوالثانی أی وتشهد للأول وإلایفسد الکل اتفاقًا.(الدرالمختاربالطحطاوی،مصری،ص:۲۹۰/ج:۱)واللّٰه أعلم

(امداد:۱/۱۸)(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۴۶۴-۴۶۵)

بوقت جماعت سنت فجر پڑھنے کا حکم:

سوال: میں صبح کی نماز میں مسجد پہونچا،سنت، وضواور استنجا میں اتنی دیر ہوئی کہ تشہد میں جماعت کے ساتھ شریک ہوسکا،بعض لوگ کہتے ہیں کہ میری نماز باطل ہوگئی، مجھے سنت نہیں پڑھنی چاہیے،شرعاً کیا حکم ہے؟

(۱) لیکن اگر کسے بر قول دیگر کہ اتمام اربع است در سنن عمل کند گنجائش دارد۔(منہ)

ترجمہ:لیکن اگر کوئی شخص دوسرے قول کے مطابق کہ ’’سنت کی چار رکعتیں پوری کرے(دو پر سلام نہ پھیرے)‘‘عمل کرے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔(سعید احمد)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار،باب إدراک الفریضة:۲/۵۰۶-۵۰۷،دار الکتب العلمیة بیروت،انیس

(۳) اگر سنت یا نفل کے درمیان اقامت ہو تو دو رکعت پر سلام پھیر کر جماعت میں شامل ہو جاوے راجح اور مشہور یہی ہے، پھر اگر وہ سنت تھیں تو فرض ادا کرنے کے بعد چاروں کی قضاء کرے اور اگر نفل تھیں تو کچھ بھی لازم نہیں۔(سعید)

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

فجر کی نماز میں جب آدمی اس وقت پہونچے کہ جماعت ہورہی ہواور سنت نہیں پڑھی ہے تو اگراس کو جماعت کے ختم ہوجانے کا خطرہ نہ ہوتو وہ مسجد کے باہر یامسجد کے راستے کے حصہ میں جہاں امام کی قرآت کی آواز نہ آتی ہو،سنت پڑھ لےاور جماعت میں شریک ہوجائے اوراگر جماعت کے ختم ہوجانے کا اندیشہ ہو یامسجد میں ایسی جگہ نہ ہو کہ امام کی آواز وہاں نہ پہنچتی ہوتو وہ جماعت میں شریک ہوجائے اورآفتاب نکلنے کے بعد سنت پڑھ لے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی،۱۳۷۰/۱۲/۶ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲۰۰-۱۹۹/۲)

فجر کی اقامت کے بعد بھی سنت فجر پڑھنا بہتر ہے:

سوال: سنت فجر بعد اقامت فرض اسی مقام پرادا کرنا کیسا ہے؟ صف کی برابر پڑھنا، یا صف کے پیچھے؛ مگر بغیر

(۱) فجر کی جماعت کھڑی ہوتو مسجد میں سنت پڑھنے کی ممانعت کی وجہ ظاہراً فرض نماز کی مخالفت ہے،اگرسنت ایسی جگہ پڑھی جائے ،جہاں سے ظاہراً فرض کی مخالفت نہ سمجھی جاتی ہوتو وہاں پرسنت پڑھنا بلاکراہت جائز ودرست ہے،خواہ وہاں تک امام کی قرأت کی آواز پہونچے،یا نہ پہونچے،لہذا اگر فجر کی ایک رکعت یا کم ازکم تشہد ملنے کی امید ہوتو فجر کی سنت اپنے کمرہ میں،یا مسجد کے باہر دروازہ پر،یاکسی دیوار،یاستون کے پیچھے پڑھ سکتے ہیں،بلاکراہت جائزودرست ہے۔صفوں میں مل کر،یامسجد میں ایسی جگہ سنت پڑھنا مکروہ ہے،جہاں سنت پڑھنے والےاورصفوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔

نماز بہر دوصورت صحیح ودرست ہوگی،لوگوں کا یہ کہنا کہ سنت پڑھ کر تشہد میں شریک ہونے کی صورت میں نماز باطل ہوگئی،صحیح نہیں ہے۔[مجاہد]

(وإذاخاف فوت)ركعتي(الفجر لاشتغاله بسنتها تركها)لكون الجماعة أكمل(والا)بأن رجا ادراک ركعة فی ظاهر المذهب،وقيل التشهد،واعتمده المصنف والشرنبلالي تبعًا للبحر،لكن ضعفه فی النهر(لا)يتركها بل يصليها عند باب المسجد إن وجد مكانًا وإلاتركها؛لأن ترک المكروه مقدم علىٰ فعل السنة.(الدرالمختارعلىٰ هامش ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب ادراک الفريضة:۲/ ۵۱۰-۵۱۱،دار الكتب العلمية بيروت،انيس)

(قوله لكن ضعفه في النهر)... وقد ا تفقوا علىٰ ادراكه بادراک التشهد فيأتي بالسنة اتفاقًا كما أوضحه فی الشرنبلا لية أيضًا وأقره فی شرح المنية،إلخ.(ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب ادراک الفريضة،مطلب هل الاساء ة دون الكراهة أو أفحش:۲/ ۵۱۱،دار الكتب العلمية بيروت،انيس)

(قوله عند باب المسجد) ... فان لم يكن علىٰ باب المسجد موضع للصلاة يصليها فی المسجد خلف سارية من سواری المسجد وأشدها كراهة أن يصليها مخالطًا للصف مخالفًا للجماعة والذی يلي ذلک خلف الصف من غير حائل اهـ... قوله (وإلا تركها) ... والحاصل أن السنة فی سنة الفجرأن يأتي بها فی بيته،وإلافإن كان عند باب المسجد مكان صلاها فيه وإلاصلاها فی الشتوی أوالصيفی إن كان للمسجد موضعان،وإلافخلف الصفوف عند سارية.(ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب إداراک الفريضة،مطلب هل الاساء ة دون الكراهة أو أفحش : ۲/ ۵۱۱، دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

کسی حاجز وحائل کے پڑھنا یکساں ہے، یا متفاوت الحکم؟ اور درصورت حاجز نہ ہونے کے اس مقام پر پڑھ لینا بہتر ہے، یا چھوڑ دینا؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ واللّٰہ الملهم للحقّ والصواب

عن النبی علیه الصلاة والسلام: "إذا أقیمت الصلاة فلاصلاة إلاالمکتوبة". (۱)

(ترجمہ) "حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جب نماز کی تکبیر کہی جائے، تو پھر کوئی نماز سوائے فرض کے نہیں (پڑھنا چاہیے) ہے"۔

اس عموم سے سنت فجر کی ممانعت بھی ثابت ہوتی تھی؛ مگر چوں کہ اس حدیث کو ابن عیینہ وحماد بن زید وحماد بن سلمہ نے ابو ہریرہؓ سے موقوفاً روایت کیا ہے اور سنت فجر آکد السنن ہے اور صحابہ سے سنت فجر کا بعد اقامت فرض پڑھ لینا بھی ثابت ہے۔

روی الطحاوی عن ابن مسعود رضی اللّٰہ تعالٰی عنه أنه دخل المسجد وقد أقیمت الصلاة فصلٰی رکعتی الفجر فی المسجد إلٰی أسطوانة وذلک بمحضر حذیفة وأبی موسٰی. (۲)

وروی أمثله عن عمر بن الخطاب وأبی الدرداء وابن عباس ذکره ابن بطال فی شرح البخاری عن الطحاوی وعن محمد بن کعب قال: خرج عبد اللّٰہ بن عمر من بیته فأقیمت صلوٰة الصبح فرکع رکعتین قبل أن یدخل المسجد ثم دخل فیصلی مع الناس وذلک مع علمه باقامة الصلوٰة، ومثله عن الحسن ومسروق والشعبی، انتهٰی. (کذا فی غنیة المستملی) (۳)

پس ان وجوہ ثلاثہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت فجر عموم حدیث سے مستثنٰی ہے؛ اسی لیے فقہاء حنفیہ اس کے پڑھ لینے کی اجازت بعد اقامت فرض دیتے ہیں؛ لیکن اسی مقام پر بغیر کسی حائل کے پڑھنا مکروہ ہے اور مخالط صف ادا کرنا سخت مکروہ

---

(۱) عن أبی هریرة قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: إذا أقیمت الصلاة فلا صلاة إلا المکتوبة. (الجامع للترمذی، کتاب الصلاة، باب ماجاء إذا أقیمت الصلاة فلا صلاة إلا المکتوبة: ۹۶/۱، قدیمی، انیس)

(۲) حدثنی عبد اللّٰہ بن أبی موسٰی أن أبیه أنه حین دعاهم سعید بن العاص دعا أبا موسٰی وحذیفة وعبد اللّٰہ بن مسعود قبل أن یصلی الغداة ثم خرجوا من عنده وقد أقیمت الصلاة فجلس عبد اللّٰہ إلٰی أسطوانة من المسجد فصلٰی رکعتین ثم دخل فی الصلاة. (شرح معانی الآثار، کتاب الصلاة، باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلاة الفجر ولم یکن رکع أویرکع أو لا یرکع، ص: ۲۲۹، مکتبة رحمانیة، لاهور، انیس)

(۳) حدثنی ابن الهاد عن محمد بن کعب قال: خرج عبد اللّٰہ بن عمر من بیته فأقیمت صلاة الصبح، فرکع رکعتین قبل أن یدخل المسجد وهو فی الطریق ثم دخل المسجد فصلٰی الصبح مع الناس فهذا وإن کان لم یصلهما فی المسجد فقد صلاهما بعد علمه باقامة الصلاة فی المسجد. (شرح معانی الآثار للطحاوی، کتاب الصلاة، باب الرجل یدخل المسجد والإمام فی صلاة الفجرولم یکن رکع أیرکع أولایرکع: ۲۵۶/۱، انیس)

ہے؛اس لیے کہ ان صورتوں میں مخالفت جماعت لازم آتی ہے اور صحابۂ کرام جن سے سنتوں کا پڑھنا ثابت ہے، وہ اسی صورت سے ثابت ہے کہ یا تو خارج مسجد، یا اسطوانہ، یا ساریہ کے پیچھے، پس ان ہی صورتوں سے جائز ہوگا۔

فی غنية المستملی: (ثم السنة) المؤكدة التی يكره خلافها (فی سنة الفجر) وكذا فی سائر السنن (هو أن لايأتی بها مخالطًا للصف) بعد شروع القوم فی الفريضة ولاخلف الصف من غير حائل و(أن يأتی بها أما فی بيته) وهو الأفضل (أوعند باب المسجد) إن أمكنه ذلک بأن كان ثمة موضع يليق للصلوٰة (وإن لم يمكنه) ذلک (ففی المسجد الخارج) إن كانوا يصلون فی الداخل أوفی الداخل إن كانوا فی الخارج إن كان هناک مسجد أن صيفی وشتوی (وإن كان المسجد واحداً فخلف أسطوانة ونحوذلک) كالعمود والشجرة وما أشبهها فی كونها حائلاً والاتيان بها خلف الصف من غير حائل مكروه ومخالطًا للصف كما يفعله كثيرمن الجهال أشد كراهة كما فيه من مخالفة الجماعة.(۱)

خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ جب نماز فرض شروع ہوجاوے تو سنت یہ ہے کہ سنت فجر کو مکان میں پڑھے اور افضل یہی ہے، یا دروازہ مسجد پر پڑھے؛ (یعنی مسجد کے باہر) (**كما صرح به القهستانی وسأذكره**) اگر وہاں پر کوئی جگہ نماز کے لائق ہو اور اگر دروازہ مسجد پر ممکن نہ ہو تو باہر والے درجہ میں پڑھے، اگر جماعت فرض اندر ہو، یا اندر پڑھے، اگر جماعت باہر ہو اور اگر مسجد کا ایک ہی درجہ ہو تو ستون کے پیچھے، یا اور کسی آڑ والی چیز کے پیچھے پڑھے اور صف کے پیچھے بغیر حائل کے پڑھنا مکروہ ہے اور صف کی برابر مخالط صف ہوکر پڑھنا جیسا کہ اکثر جاہل کرتے ہیں، سخت مکروہ ہے، اس عبارت سے خوب معلوم ہوگیا کہ افضل مکان میں پڑھنا ہے، پھر مسجد کے باہر دروازہ مسجد پر اگر جگہ ہو، پھر باہر والے درجہ میں اگر جماعت اندر ہو، یا اندر والے اور درجہ میں اگر جماعت باہر ہو، پھر کسی ستون، یا آڑ کے پیچھے پڑھنا چاہیے۔ رہا یہ کہ اگر درجہ بھی ایک ہو اور کوئی آڑ بھی نہ ہو تو کیا کرے؟ اس کا حکم یہ ہے کہ سنت کو چھوڑ دے، فرض میں شریک ہوجائے۔

فی الدرالمختار: بل يصليها عند باب المسجد إن وجد مكانًا وإلا تركها؛لأن ترک المكروه مقدم علىٰ فعل السنة.

وفی رد المحتار (تحت قوله عند باب المسجد): أی خارج المسجد كما صرح به القهستانی وقال فی العناية: لأنه لو صلاها فی المسجد كان متنفلاً فيه عند اشتغال الإمام بالفريضة وهومكروه فإن لم يكن علىٰ باب المسجد موضع للصلاة يصليها فی المسجد خلف

---

(۱) غنية المستملی، كتاب الصلاة،فصل فی النوافل،ص:۳۹٦،انیس

سارية من سوارى لمسجد وأشدها كراهة أن يصليها مخالطًا للصف مخالفًا للجماعة والذى يلى ذلك خلف الصف من غير حائل ومثله فى النهاية والمعراج (قوله وإلا تركها) قال فى الفتح وعلٰى هٰذا أى علٰى كراهة صلاتها فى المسجد ينبغى أن لايصلى فيه إذا لم يكن عند بابه مكان؛لأن ترك المكروه مقدم علٰى فعل السنة غيرأن الكراهة تتفاوت فإن كان الإمام فى الصيفى فصلاته إياها فى الشتوى أخف من صلاتها فى الصيفى وعكسه وأشد ما يكون كراهة أن يصليهامخالطًا للصف كما يفعله كثيرمن الجهلة،انتهٰى.(۱)

پس ان عبارتوں سے صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ اگر مسجد کے دروازے پر جگہ نہیں اور مسجد میں کوئی موقع آڑ کا نہ ہو تو ایسی صورت میں سنتوں کو چھوڑ دینا چاہیے؛ کیوں کہ آڑ نہ ہونے کی صورت میں یا تو مخالط صف ہوکر پڑھے گا اور یہ سخت مکروہ ہے، یا صف کے پیچھے بغیر حائل کے پڑھے گا اور یہ بھی مکروہ ہے اور کراہت کے ساتھ ادا کرنے سے چھوڑ دینا اچھا ہے؛لأن ترك المكروه مقدم علٰى فعل السنة.والله أعلم وبالصواب

كتبه العبد الضعيف الراجى رحمة مولاه محمد كفايت الله وصله الله غاية ما يتمناه

حررلأربع خلون من شوال المكرم ١٣١٩ھ

جواب بہت درست ہے،سنت فجر مؤکدہ ہے،حتی الامکان مطابق سنت ادا کرے۔

فى النهاية أما أنه يصلى فى المسجد وإن قامت الجماعة فلان سنة الفجرأكدها قال النبى صلى الله عليه وسلم صلوهما وإن طردتكم الخيل (۲)وأما عند باب المسجد فلأن الاشتغال بالنفل عند اشتغال الإمام مكروه انتهى.والله أعلم وحكمه أحكم وصدقه

محمد اعظم غفراللہ مااجرم،۴؍شوال المعظم ۱۳۱۹ھ فی بلدہ شاہجہاں ۔الجواب صواب:عبیدالحق عفی عنہ (کفایۃ المفتی:۳۹۳/۵-۳۹۵)

صرف فجر کی جماعت شروع ہونے کے بعد سنت پڑھ سکتا ہے:

سوال: جماعت شروع ہوجانے کے بعد سنتوں کی نیت باندھنا کیسا ہے؟

الجواب

جب فرض نماز کی جماعت شروع ہوجائے،اس کے بعد سنتوں کی نیت نہ باندھی جائے،صرف فجر کی سنتیں جماعت کی جگہ سے علاحدہ کسی جگہ میں پڑھ کر جماعت میں شریک ہوجائے،ایک رکعت ملنے کا یقین ہوتو ایسا کرے،

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار،باب ادراك الفريضة:٥١١/٢،دارالكتب العلمية بيروت،انيس

(۲) عن أبى هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تدعوهما وان طردتكم الخيل.(سنن أبى داؤد،كتاب الصلاة،باب فى تخفيفهما أى ركعتى الفجر:١٨٦/١،مكتبة رحمانية ملتان،انيس)

ورنہ فرض نماز میں شریک ہوجائے۔(۱)

الجواب

ظہر کی سنتیں جو فرض شروع ہونے سے پہلے پڑھ رہا تھا، اگر درمیان میں فرض شروع ہوجائیں تو سنتیں پوری کر کے سلام پھیرے اور فرض میں شامل ہوجائے؛ لیکن اگر دو رکعت پر سلام پھیر کر فرض میں شریک ہوجائے اور پھر چاروں رکعتیں فرض کے بعد ادا کرلے تو یہ بھی جائز ہے، پہلی صورت بہتر ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۲۱/۳)

فجر کی جماعت کے وقت سنت کہاں پڑھی جائے:

سوال: صبح کی سنتوں کو امام کی قرأت سے اس قدر دور پڑھنا چاہیے کہ امام کی آواز نہ آئے، حالاں کہ مساجد بکثرت چھوٹی ہیں، سنت پڑھنے والا کہاں تک نہ سننے کی احتیاط کرے، اس کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب

آواز آنے نہ آنے کی قید نہیں ہے، صرف مکان علاحدہ ہونا چاہیے۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۰۰/۴)

نمازِ فجر کی صفوں میں سنت کی اجازت نہیں:

سوال: فجر کی نماز قائم ہونے کے بعد سنت فجر صف اول یا ثانی میں پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اگر جائز نہ ہو، تو علت عدم جواز تحریر فرمایئے؟

---

(۱) (وكذا يكره التطوع عند اقامة صلاة مكتوبة) ... لحديث إذا أقيمت الصلاة فلاصلاة إلا المكتوبة (إلا سنة فجرإن لم يخف فوت جماعتها،إلخ.(الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة: ۳۷۸/۱،ط:سعيد)

وقوله صلى الله عليه وسلم:"إذا أقيمت الصلاة فلاصلاة إلا المكتوبة"محمول على غير صلاة الفجر،لما قدمناه في سنة الفجر.(مراقي الفلاح،باب إدارك الفريضة،ص:۱۷۵،المكتبة العصرية،انيس)

(۲) (وإذا خاف فوت) ركعتي (الفجرلاشتغاله بسنتها تركها) لكون الجماعة أكمل وإلا بأن رجا إدراك ركعة في ظاهر المذهب ... لايتركها بل يصليها عند باب المسجد إن وجد مكاناً وإلا تركها؛لأن ترك المكروه مقدم علىٰ فعل السنة".(الدرالمختار)

(قوله عند باب المسجد):أي خارج المسجد، كما صرح به القهستاني،وقال في العناية:لأنه لوصلاها في المسجد كان متنفلا فيه عند اشتغال الإمام بالفريضة وهومكروه فإن لم يكن علىٰ باب المسجد موضع للصلاة يصليها في المسجد خلف سارية من سواري المسجد،وأشدها كراهة أن يصليهامخالطاً للصف مخالفاً للجماعة والذي يلي ذلك خلف الصف من غيرحائل ،آه.(الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة،باب إدراك الفريضة:۵۱۰/۲-۵۱۱، دار الكتب العلمية بيروت،انيس)

الجواب

علت عدم جواز صورۃً مخالفت جماعت اور حدیث ’’إذا أقیمت الصلاۃ فلاصلاۃ إلا المکتوبۃ‘‘.(۱)

اور درمختار میں ہے:

’’بل یصلیھا عند باب المسجد إن وجد مکاناً وإلا ترکھا؛لأن ترک المکروہ مقدم علیٰ فعل السنۃ‘‘.(۲)

اور شامی میں ہے:

’’فإن کان عند باب المسجد مکان صلاھا فیہ وإلاصلاھا فی الشتوی أو الصیفی إن کان للمسجد موضعان‘‘.(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۰۰-۲۰۱)

(۱) مشکوۃ المصابیح،باب الجماعۃ وفضلھا،فصل أول عن أبی ھریرۃ،ص:۹۶،ظفیر(عن أبی ھریرۃ قال:قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم: إذا أقمیت الصلاۃ فلاصلاۃ إلا المکتوبۃ.(الجامع للترمذی، کتاب الصلاۃ،باب ما جاء إذا أقمیت الصلاۃ فلاصلاۃ إلا المکتوبۃ: ۱/۹۶/وکذا فی الصحیح لمسلم،باب کراھۃ الشروع فی نافلۃ بعد الشروع المؤذن فی اقامۃ الصلاۃ،الخ: ۱/۲۴۷، قدیمی،انیس)

(۲) الدرالمختار علیٰ ھامش ردالمحتار،باب إدراک الفریضۃ: ۲/۵۱۱،دارالکتب العلمیۃ بیروت،انیس

(۳) رد المحتار،باب إدراک الفریضۃ،مطلب ھل الاساء ۃ دون الکراھۃ أو أفحش:۲/۵۱۱،دار الکتب العلمیۃ،انیس

☆ فجر کی سنت علاحدہ مقام پر پڑھنی چاہیے:

سوال: فجر کی سنت اگر جماعت ہو رہی ہو تو الگ ہو کر پڑھنی چاہیے، یا جماعت میں شامل ہو جانا چاہیے، اگر رہ جائیں تو جماعت کے بعد ہی پڑھ لی جائیں، یا سورج نکلنے پر پڑھی جائیں، یا بالکل نہ پڑھی جائیں؟

(المستفتی:۲۴۹،شہباز خاں سب انسپکٹر پولیس ۴/ذی الحجہ۱۳۵۲ھ،۲۰/مارچ ۱۹۳۴ء)

الجواب

فجر کی سنتیں جماعت کھڑی ہو جانے کے بعد علاحدہ مقام میں جاکر پڑھی جائیں اور علاحدہ کوئی جگہ نہ ہو تو جماعت میں شریک ہو جانا چاہیے۔(بل یصلیھا عند باب المسجد إن وجد مکانًا وإلاترکھا،لأن ترک المکروہ مقدم علیٰ فعل السنۃ،إلخ.(الدرالمختار)

وفی الشامیۃ:(عند باب المسجد) أی خارج المسجد کما صرح بہ القھستانی وقال فی العنایۃ؛لأنہ لوصلاھا فی المسجد کان متنفلاً فیہ عند اشتغال الامام بالفریضۃ وھو مکروہ،الخ.(الدرالمختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب ادراک الفریضۃ: ۲/۵۶،ط: سعید)اور جماعت کے بعد آفتاب نکلنے سے پہلے نہیں پڑھنا چاہیے،آفتاب نکلنے کے بعد پڑھ لی جائیں تو بہتر ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۳۱۰-۳۱۱)

مسجد کے اندرونی حصہ میں جماعت کی حالت میں باہر سنت:

سوال: مسجد کے اندر کے درجہ میں جماعت فجر کی ہوتی ہوتو سنتیں باہر کے درجہ میں کس دلیل سے درست ہوں گی، جب کہ قرأت کی آواز سنائی دیتی ہوتو ﴿فَاسْتَمِعُوْا﴾ پر کس طرح عمل ہوگا؟

الجواب

آثارِ صحابہؓ سے ایسا ثابت ہے کہ فرض صبح کی قرأت کی آواز آتی تھی اور وہ ایک طرف ہوکر صبح کی سنتیں پڑھتے تھے؛ اس لیے امام صاحب نے ایسا حکم دیا کہ علاحدہ ہوکر صبح کی سنتیں پڑھ لے، پھر شریک جماعت ہوجاوے؛ تاکہ دونوں فضیلتیں حاصل ہوجائیں۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۰۱/۴)

مسجد میں اگر پردہ پڑا ہوا ہے تو بیرونی حصے میں فجر کی سنتیں پڑھنے کا حکم:

سوال: مسجد میں پردہ پڑا ہوا ہے اور جماعت ہورہی ہے تو فجر کی سنت باہر کے فرش پر پڑھ کر، جماعت میں ملے، یا بدون پڑھے؛ کیوں کہ پردہ تو ہے؛ مگر آواز قرأت کی آتی ہے؟

الجواب

جائز ہے، سنت پڑھ کر شریک ہوجاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص: ٦٧) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ، ص:۱۸۲)

---

(۱) وإنما خالفناه فی سنة الفجر لشدة تأكدها علٰی مامر علٰی أنها لاتقضٰی والحديث المذكور قد أوقفه ابن عيينة وحماد بن زيد وحماد بن سلمة علٰی أبی هريرة،ولما روی الطحاوی عن ابن مسعود أنه دخل المسجد وقد أقيمت الصلاة فصلی ركعتی الفجر فی المسجد إلٰی أسطوانة وذلک بمحضر حذيفة وأبی موسٰی،وقد مرتمامه فی أوقات الكراهة فكانت سنة الفجر مستثناة بأدلة أخرٰی عارضت حديث أبی هريرة و رجحت عليه.(غنية المستملی، كتاب الصلاة،فصل فی النوافل،ص:٣٩٦-٣٩٧،ظفير)

حدثنی عبد اللّٰه بن أبی موسٰی عن أبيه أنه حين دعاهم سعيد بن العاص دعا أبا موسٰی وحذيفة وعبد اللّٰه بن مسعود قبل أن يصلی الغداة ثم خرجوا من عنده وقد أقيمت الصلاة فجلس عبد اللّٰه إلٰی أسطوانة من المسجد فصلی الركعتين ثم دخل فی الصلاة.فهٰذا عبد اللّٰه قد فعل هٰذا ومعه حذيفة وأبوموسٰی لاينكران ذلک عليه فدل ذلک علٰی موافقتهما إياه.(شرح معانی الآثار للطحاوی، كتاب الصلاة،باب الرجل يدخل المسجد والإمام فی صلاة الفجرولم يكن ركع أيركع أولايركع: ٢٥٥/١،رقم الحديث: ٢١٩٨/شرح مشكل الآثار: ٣١٨/١٠،مؤسسة الرسالة، رقم الحديث: ٤١٣٢،انيس)

نافع يقول:أيقظت ابن عمر رضی اللّٰه عنهما لصلاة الفجر وقد أقيمت الصلاة،فقام فصلی الركعتين.(شرح معانی الآثار،اب الرجل يدخل المسجد والإمام فی صلاة الفجرولم يكن ركع أيركع أولايركع،رقم الحديث:٢٢٠٣،انيس)

ایک مکان پر مشتمل مسجد میں جماعتِ فجر کھڑی ہونے کے بعد سنتِ فجر ادا کرے، یا ترک کردے:

سوال: جو چھوٹی مسجد ایک مکانیت پر مشتمل ہو، اس میں نہ صحن، نہ حجرہ، نہ برآمدہ، نہ ستون، نہ جگہ، نہ صیفی، نہ شتوی تو قیام جماعت مکتوبہ کی حالت میں سنتوں کا خصوصاً فجر کی سنت کا ترک کرنا ضروری ہے اور جماعت میں ملنا چاہیے اور اولی وافضل سنن کے لیے مکان ہی ہے، گھر سے سنت پڑھ کر آنا افضل ہے؛ کیوں کہ مسجد صلوٰۃ مکتوبہ کے لیے ہے، نہ کہ سنت کے واسطے اور افضلیت سنن ونوافل پڑھنے کی مکان میں مسجد سے حدیث سے ثابت ہے، خواہ سنت فجر ہو، یا غیر ''فعليكم بالصلاة فى بيوتكم فان خير صلاة المرء فى بيته إلا الصلاة المكتوبة''(۱) اور ترک کرنا اس وجہ سے بھی چاہیے کہ جب جماعتِ مکتوبہ قائم ہو جاوے تو اس وقت دوسری نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، چوں کہ یہ مسجد ایک ہی مکانیت پر مشتمل ہے، اس میں کوئی گوشہ، یا دوسری جگہ نہیں ہے، لہٰذا بر بناء عباراتِ فقہیہ کے بھی ترک سنتِ فجر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، چنانچہ مجمع الانہر میں ہے:'' دكره خلف الصف بلاحائل'' اور فتاویٰ امدادیہ، جلد اول، صفحہ:۵۳ کی اس عبارت سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے:

فى ردالمحتار، باب إدرك الفريضة: الحاصل أن السنة فى سنة الفجر أن يأتى بها فى بيته وإلا فإن كان عند باب المسجد مكان صلاها فيه وإلا صلاها فى الشتوى أو الصيفى إن كان للمسجد موضعان وإلا فخلف الصف عند سارية، إلخ. (۲) یہ قول زید کا ہے۔

عمر کہتا ہے کہ سنت فجر کی قیام جماعت مکتوبہ کی حالت میں پڑھے، جب کہ تیقن ہو کہ رکعت ثانیہ قطعی فوت نہ ہوگی اور وقت میں بھی گنجائش ہو، البتہ صفوف سے ہٹ کر بُعد اختیار کرے، جس قدر ممکن ہو **وإلا فخلف الصف عند سارية، عند سارية** سے مسجد کی جگہوں میں خواہ گوشہ ہو، خواہ محاذی صف، یا خلفِ صف ہو، بُعد ہی مطلوب ہے، بحالتِ قیام جماعتِ فجر کی سنت کا ادا کرنا تعامل سے ہے اور سنت فجر اشرف سنت مؤکدہ ہے اور جماعت سنت مؤکدہ ہے، سنن کا ادا کرنا مکان میں مخصوص خواص کو ہے، عوام کے واسطے مسجد ہی افضل ہے، بر بناء فضل حدیث ثواب کے مکان سے مسجد میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سنت پڑھنا مسجد میں وارد و ثابت ہے ترمذی شریف کی حدیثوں سے، اب حضرت والا ہم لوگوں کو کیا حکم فرماتے ہیں کہ کس کا قول صحیح اور کس پر عمل کیا جاوے، بالدلیل جواب کلی عطا فرمایا جاوے؟ بینوا بالکتاب وتوجروا یوم الحساب۔

---

(۱) صحيح البخارى، باب مايجوز من الغضب والشدة لأمر الله، رقم الحديث: ٦١١٣/صحيح لمسلم، باب استحباب صلاة النافلة فى بيته، رقم الحديث: ٧٨١/سنن أبى داؤد، باب فى فضل التطوع فى البيت، رقم الحديث: ١٤٤٧، انيس

(۲) رد المحتار، مطلب هل الاساءة دون الكراهة أو أفحش: ٥١١/٢، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

الجواب

قال الشامی بعد العبارة المذکورة فی الفتاوٰی الإمدادیة التی نقلها السائل مانصه:

لٰکن فیما إذاکان للمسجد موضعان والإمام فی أحدهما ذکرفی المحیط أنه قیل: لایکره لعدم مخالفة القوم، وقیل: یکره؛لأنها کمکان واحد، قال:فإذا اختلف المشایخ فیه فالأفضل أن لایفعل،قال فی النهر:وفیه إفادة أنها تنزیهیة،آه.(۱)

قلت: هٰذا فیما إذا کان للمسجد موضعان وإذا لم یکن سوی موضع واحد فالظاهر کراهة الاشتغال بالسنة هناک تحریما إلا إذاصلاها بعیداً عن الصفوف منعزلا عن القوم فی جانب منه.واللّٰه أعلم

صورتِ مذکورہ میں کہ مسجد میں بجز مکان واحد کے کچھ نہیں ہے، اقامت للمکتوبہ کے بعد مسجد کے اندر سنتیں فجر کی پڑھنا مکروہ ہے؛ بلکہ مسجد سے باہر دروازہ کے متصل پڑھنا چاہیے، یا اگر مسجد بڑی ہو اور جماعت قائم ہونے کے بعد ایک جانب گوشے میں سنتیں پڑھتے ہوئے صفوف سے بُعد کافی ہوجاتا ہو تو یہ بُعد بھی قائم مقام حائل کے ہوجائے گا۔

کما یظهرمن قول الطحاوی وغیره من مشائخ الحنفیة وقد ذکرته فی إعلاء السنن بالبسط من ذلک.واللّٰه أعلم

اورنوافل وسنن مؤکدہ کا گھر میں پڑھنا فی نفسہ افضل ہے؛ مگر چوں کہ عوام نے اس فضیلت کو ترک سنن کا وسیلہ بنالیا ہے، اب سنن مؤکدہ کا مسجد میں پڑھنا افضل ہے، ورنہ ترک سنن کے ساتھ متہم ہوگا اور تہمت سے بچنا لازم ہے۔

لما فی الحدیث من قوله صلی اللّٰه علیه وسلم:اتقوا مواضع التهم،(۲)والأمر للوجوب.واللّٰه تعالٰی أعلم

۱۸/رجب ۱۳۴۶ھ (امدادالاحکام:۲/۲۲۶-۲۲۷) ☆

(۱) رد المحتار،کتاب الصلاة،باب إدراک الفریضة،مطلب هل الاساءة دون الکراهة أو أفحش:۲/۵۱۱،دار الکتب العلمیة بیروت،انیس

(۲) وروی:من کان یؤمن باللّٰه والیوم الآخر فلا یقفن مواقف التهم. {رواه أبوداؤد وصححه الحاکم وقال:إنه علی شرط الشیخین}(مرقاة المفاتیح،باب مالایجوز من العمل فی الصلاة: ۲/۷۹۵،دارالفکر بیروت،انیس)

عن عبداللّٰه بن حنین یقول:سمعت زید بن ثابت یقول:إنی لأکره أن أری فی مکان یساء بی الظن.(شعب الإیمان،فصل فیمن أبعد نفسه عن مواضع التهم،رقم الحدیث:۶۳۸۳،انیس)

☆ سنت فجر کی قضا کا حکم:

سوال: فجر کی نماز اگر قضا ہوجائے تو اس کی دو رکعت سنت پڑھی جائے، یا نہیں؟ ==

فجر کی سنت رہ جائے تو کب پڑھی جائے:

سوال: فجر کی نماز کی سنت فرضوں میں شامل ہونے کی وجہ سے فوت ہو جاویں تو ان کو کس وقت ادا کریں؟

الجواب

درمختار میں ہے:

”ولا یقضیھا إلا بطریق التبعیة“ إلخ. (۱)

یعنی فجر کی سنتوں کی قضا نہیں ہے، مگر جب کہ فرض کے ساتھ ہو۔ اس صورت میں زوال سے پہلے پہلے قضا کرے اور اگر تنہا سنت فوت ہوں تو اس کی قضا نہیں، حضرت امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تو کسی وقت بھی قضا کے قائل نہیں، نہ قبل طلوع شمس، نہ بعد طلوع شمس اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعد طلوع شمس زوال سے پہلے پہلے پڑھنا بہتر ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۰۳/۴) ☆

==

الجواب وباللّٰہ التوفیق

اگر فجر کی قضا نماز دوپہر سے پہلے قضا کی جائے تو سنت بھی پڑھی جائے اور اگر ظہر کے وقت قضا کی جائے تو سنت نہیں پڑھی جائے۔ (ولا یقضیھا إلا بطریق التبعیة لـ) قضاء (فرضھا قبل الزوال لا بعده فی الأصح) (الدرالمختار علیٰ هامش ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب ادراک الفریضة: ۵۱۲/۲، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۲۳/۸/۹ ۱۳۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۰۰/۲-۲۰۱)

(۱) الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، باب إدراک الفریضة: ۵۱۲/۲، دار الکتب العلمیة بیروت، ظفیر

(۲) وإذا فاتته رکعتا الفجر لا یقضیهما قبل طلوع الشمس؛ لأنه یبقی نفلاً مطلقاً وهو مکروه بعد الصبح ولا بعد ارتفاعها عند أبی حنیفة وأبی یوسف و قال محمد: أحبّ إلی أن یقضیهما إلیٰ وقت الزوال. (الهدایة، باب إدراک الفریضة: ۱۳٦/۱، ظفیر)

☆ فجر کی سنت کب تک پڑھ سکتے ہیں:

سوال: سنت فجر کس وقت تک پڑھنا چاہیے، ان کی قضا کا کیا حکم ہے؟

الجواب

اگر صبح کی جماعت ہو رہی ہے تو اگر ایک رکعت کے ملنے کی امید ہے تو سنتیں صبح کی علاحدہ ہو کر پڑھ لے، پھر جماعت میں شریک ہو جاوے۔ (وإذا خاف فوت) رکعتی (الفجر لاشتغاله بسنتها ترکها) لکون الجماعة أکمل (وإلا) بأن رجا إدراک رکعة فی ظاهر المذهب ... (لا) یترکها، بل یصلیها عند باب المسجد إن وجد مکاناً“. (الدرالمختار علیٰ هامش ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب إدراک الفریضة: ٦٧٠/١ - ٦٧١) اور اگر پہلے نہ پڑھے تو پھر بعد فرضوں کے قبل طلوع آفتاب نہ پڑھے، اگر پڑھے تو بعد آفتاب نکلنے کے پڑھے۔ (”ولا یقضیها إلا بطریق التبعیة لقضاء فرضها قبل الزوال لا بعده فی الأصح. (الدرالمختار)

==

سنت فجر چھوٹ جائے تو کب پڑھی جائے:

سوال: یہاں پر فجر کی سنت قضا پڑھنے کے متعلق اس بات پر جھگڑا چل رہا ہے کہ فجر کی سنت قضا ہو جائے تو بعد فرض کے وقت رہنے پر فوراً سنت پڑھ لے اور طلوع آفتاب کا انتظار نہ کرے، اس کے متعلق یہ ثبوت پیش کرتے ہیں کہ چوں کہ پرچہ اہل حدیث دہلی، یکم جون ۱۹۵۷ء میں صفحہ بارہ پر ''رفع اختلاف وقت قضائے سنت فجر اس کے علاوہ

== وفی الرد تحت قوله (ولا يقضيها): وأما إذا فاتت وحدها فلا تقضٰى قبل طلوع الشمس بالإجماع لكراهة النفل بعد الصبح وأما بعد طلوع الشمس فكذلك عندهما وقال محمد: أحبّ إلى أن يقضيها إلى الزوال. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ٦٧٢/١، ظفير) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۰۳/۴-۲۰۴)

فجر کی سنت جو رہ گئی بعد فرض کب پڑھے:

سوال: جس نے صبح کی سنت نہیں پڑھی اور فرضوں میں شریک ہو گیا، اب وہ سنت کس طرح پڑھے؟

الجواب

اب وہ سنتیں بعد نماز فرض کے قضا نہ کی جاویں گی، اگر پڑھے تو بعد آفتاب نکلنے کے، یہ نفل ہو جاویں گی۔ (وإذا خاف فوت) ركعتي (الفجر لاشتغاله بسنتها تركها) ... (وإلا) ... (لا) ... (ولا يقضيها إلا بطريق التبعية لقضاء فرضها قبل الزوال لا بعده). (الدرالمختار) أما إذا فاتت وحدها فلا تقضٰى قبل طلوع الشمس بالإجماع لكراهة النفل بعد الصبح وأما بعد طلوع الشمس فكذلك عند هما وقال محمد: أحبّ إلى أن يقضيها إلى الزوال إلخ وقالا: لا يقضٰى وإن قضا فلا بأس ... وقال: الخلاف فى أنه لو قضٰى كان نفلاً مبتدأً أو سنة كذا فى العناية يعنى نفلاً عندهما سنة عنده كما ذكره فى الكافى إسماعيل. (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ٥١٠/٢، ٥١١، دار الكتب العلمية بيروت، انيس) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۱۳/۴-۲۱۴)

سنت فجر رہ جائیں تو کب پڑھی جائے:

سوال: زید کہتا ہے کہ اگر فجر کی سنتیں قضا ہو جائیں تو بعد ادائے فرض سنتیں پڑھ لے کوئی حرج نہیں، بکر کہتا ہے کہ طلوع آفتاب سے قبل ہرگز سنتیں ادا نہیں کر سکتا، اگر پڑھے گا تو گنہ گار ہوگا۔ کس کا قول صحیح ہے؟

(المستفتی: ۵۴۴، فقیر احمد (سنگرور) ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ/۲۲ جولائی ۱۹۳۵ء)

الجواب

فرض فجر ادا کرنے کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے سنتیں پڑھنا ممنوع ہے، طلوع آفتاب کے بعد پڑھی جائیں۔ (أما إذا فاتت وحدها فلا تقضى قبل طلوع الشمس بالاجماع. (رد المحتار، باب ادراک الفريضة: ٥٧/٢، ط، سعيد)

عن ابن عباس قال: شهد عندى رجال مرضيون فيهم عمر بن الخطاب وأرضاهم عندى عمر أن نبى الله صلى الله عليه وسلم قال: لا صلاة بعد صلاة الصبح حتى تطلع الشمس ولا صلاة بعد صلاة العصر حتى تغرب الشمس. (سنن أبى داؤد، باب من رخص فيهما إذا كانت الشمس مرتفعة، رقم الحديث: ١٢٧٦، انيس)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۱۱/۳)

جماعت ہوتے ہوئے فجر کی سنتوں'' کے متعلق مولانا عبد الجلیل صاحب سامروری پرچہ اہل حدیث دہلی یکم مئی ۱۹۵۷ء، ۲۲۰/۷/۰۸ میں لکھا ہے کہ اس کے علاوہ امام اعظمؒ کی تحریر کو ثابت کرتے ہیں کہ جماعت کی حالت میں سنت ونوافل پڑھنا حرام ہے، فجر کی جماعت کی حالت میں سنت پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟ دوم: اگر مجبوری میں فجر کی سنت قضا ہو جائے تو بعد فرض کے وقت رہتے ہوئے پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

اہل حدیث کے پرچے جن کا سوال میں ذکر ہے، میرے پاس نہیں آتا، حنفی مسلک یہی ہے کہ فجر کی سنت پڑھنے کا موقع نہ ملے تو فجر کی نماز کے بعد نہ پڑھیں؛ بلکہ طلوع آفتاب کے بعد پڑھیں، اس کی دلیل حدیث، نیز فقہ کی کتابوں میں بیان کردی گئی ہے۔(۱)

اس طرح حنفی مسلک یہ بھی ہے کہ جماعت شروع ہو چکی ہے اور اس کو امید ہے کہ اگر ہم سنت پڑھ لیں گے تو ایک رکعت جماعت کے ساتھ ہم کو مل جائے گی تو سنت پڑھ لے، ورنہ نہ پڑھے۔ دلیل اس کی بھی فقہ کی کتابوں میں بیان کردی گئی ہے۔(۲)

لہٰذا حنفی مسلک والوں کو اس پر عمل کرنا چاہیے، عوام کو بحث میں نہ پڑنا چاہیے۔ علماء اہل حدیث کو چاہیے کہ بحث کا دروازہ نہ کھولیں؛ بلکہ علماء حنفیہ کی طرف رجوع کریں؛ تاکہ وہ ان کو مطمئن کردیں کہ اس باب میں حنفی مسلک کا جو خیال ہے، وہی محتاط مسلک ہے اور بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالصمد رحمانی (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۹۹-۳۰۰)

فجر کی سنتیں آفتاب نکلنے کے بعد پڑھ سکتے ہیں:

سوال: عن ابن عباس قال سمعت غير واحد من أصحاب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم منهم عمر بن الخطاب وكان من أحبهم إلى أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم نهىٰ عن الصلاة بعد

(۱) وأما إذا فاتت وحدها فلا تقضى قبل طلوع الشمس بالاجماع،لكراهة النفل بعد الصبح،وأما بعد طلوع الشمس فكذلك عندهما،وقال محمد:أحب إليّ أن يقضيها إلى الزوال كما في الدرر،قيل هٰذاقريب من الاتفاق،لأن قوله''أحبّ إليّ دليل علىٰ أنه لولم يفعل لالوم عليه،وقالا:لايقضى وإن قضىٰ فلابأس به.(رد المحتار، كتاب الصلاة،باب إدراك الفريضة: ۲/۵۱۲،دار الكتب العلمية،بيروت،انيس)

(۲) (وإذا خاف فوت)ركعتي (الفجر لاشتغاله بسنتها تركها)لكون الجماعة أكمل (وإلا) بأن رجا ادراك ركعة في ظاهر المذهب وقيل التشهد (الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة،باب إدراك الفريضة: ۲/۵۱۰،دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

الفجر حتٰی تطلع الشمس وعن الصلٰوۃ بعدالعصر حتٰی تغرب الشمس. (سنن الترمذی، ص:۲۵، مجتبائی دھلی)(۱)

صبح کی سنتیں اگر رہ جائیں تو کیا فرض سے فارغ ہو کر سورج نکلنے سے پہلے پڑھی جاسکتی ہیں، بعض لوگ روزانہ اس میں جھگڑتے ہیں، حالاں کہ یہ بالکل واضح حدیث موجود ہے، یہ بھی جناب ہی واضح فرمادیں؟

(المستفتی: مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی)

الجواب

صبح کی سنتیں اگر فرض سے پہلے نہ پڑھی جائیں تو پھر آفتاب نکلنے کے بعد پڑھی جائیں، فرض کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے پڑھنا حنفیہ کے نزدیک اسی حدیث کی وجہ سے جو آپ نے نقل کی ہے منع ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۳۱۲)

فجر کی سنت بعد فرض قبل طلوع آفتاب پڑھنا جائز ہے، یا نہیں:

سوال: صبح کی سنت قبل طلوع آفتاب بعد جماعت کے پڑھنا کیسا ہے؟ اگر ناجائز ہے تو ظہر کی سنت قبلیہ بھی نہ پڑھنی چاہیے؟

الجواب

بعد فرض صبح کے قبل طلوع آفتاب سنتیں پڑھنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ اس کی ممانعت حدیث شریف میں آ گئی ہے۔ بخاری و مسلم میں بروایت حضرت ابوسعید خدریؓ مروی ہے:

"قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: "لاصلاۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس ولاصلاۃ بعد العصر حتٰی تغیب الشمس". (۲)

اس حدیث سے بعد صبح اور بعد عصر نوافل وسنن کی ممانعت معلوم ہوئی اور ظہر کے بعد ممانعت نہیں آئی لہٰذا ظہر کی سنتیں پہلے اگر رہ جائیں تو بعد فرضوں کے ان کو پڑھ لیوے اور فقہاء حنفیہ لکھتے ہیں:

(ولایقضیھا إلابطریق التبعیۃ لقضاء فرضھا قبل الزوال لابعدہ فی الأصح) ... (بخلاف سنۃ الظھر). (الدر المختار)

---

(۱) باب ما جاء فی کراھۃ الصلاۃ بعد العصر وبعد الفجر: ۱/۴۵، ط:سعید، رقم الحدیث:۱۸۳، انیس

(۲) مشکوۃ المصابیح، باب أوقات النھی، ص:۹۴، ظفیر) (حدثنی عطاء بن یزید الجندعی أنہ سمع أبا سعید الخدری یقول: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: لا صلاۃ بعد الصبح حتٰی ترتفع الشمس، ولاصلاۃ بعد العصر حتٰی تغیب الشمس. (صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب لا تتحری الصلاۃ قبل غروب الشمس: ۱/۸۲-۸۳، قدیمی، انیس)

اور شامی میں ہے:

وأما إذا فاتت وحدها فلا تقضٰی قبل طلوع الشمس بالإجماع لكراهة النفل بعد الصبح و أما بعد طلوع الشمس فكذلك عند هما وقال محمد: أحبّ إلى أن يقضيها إلى الزوال إلخ. (۱)

فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۲۰۴-۲۰۵) ☆

فجر کی سنتیں قبل طلوع آفتاب پڑھنا:

سوال: صبح کو بعد فرائض کے اگر دو سنتیں اول کی رہ گئی ہوں تو قبل طلوع آفتاب پڑھ لے، یا نہیں؟ اس میں آپ کی رائے شریف کیا ہے اور سوائے قول امام صاحبؒ کے آپ کو حدیث سے کیا ثابت ہوا، آیا پڑھنا، یا نہ پڑھنا؟

الجواب

بندہ کے نزدیک سب احادیث جمع کر کے راجح نہ پڑھنا ہے کہ حجت اس کی قوی ہے۔ (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۰۳)

فجر کی سنتیں بعد طلوع آفتاب پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں:

سوال: فجر کی سنت اگر قبل از فرض ادا نہ ہوئی ہوں تو بعد طلوع آفتاب کے ان کا ادا کرنا ضروری ہے، یا نہیں؟

الجواب

بعد طلوع آفتاب اگر سنن ادا کرے تو اولیٰ ہے کوئی ضروری نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۰۴)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۱/۶۷۲، ظفير

☆ **اگر سنت فجر بعد فرض پڑھ لے، تو کیا حرج ہے:**

سوال: سنت فجر اگر جماعت ترک ہونے کی وجہ سے نہ پڑھ سکا تو قبل طلوع آفتاب بعد جماعت کے پڑھنا کیسا ہے؟ بعض لوگ بعد طلوع پڑھنے کو بہتر بتلاتے ہیں؟

الجواب

فرض پڑھنے کے بعد سنن فجر کا طلوع شمس سے پہلے پڑھنا مکروہ ہے، اگر قضا ہی کرنی ہے تو طلوع شمس کے بعد کرنی چاہیے، ورنہ ضرورت تو اس کی بھی نہیں ہے؛ کیوں کہ مستقلاً سنتوں کی قضا نہیں ہے، البتہ اگر فرض بھی قضا ہو گئے ہیں تو پھر ان کے ساتھ زوال سے پہلے پہلے سنتوں کی بھی قضا کرے۔ شامی نے قول درمختار "ولا يقضيها إلا بطريق التبعية" کے تحت میں لکھا ہے:

أى لا يقضى سنة الفجر إلا إذا فاتت مع الفجر فيقضيها تبعاً لقضائه لو قبل الزوال و أما إذا فاتت وحدها فلا تقضٰى قبل طلوع الشمس بالإجماع لكراهة النفل بعد الصبح و أما بعد طلوع الشمس فكذلك عند هما وقال محمد: أحب إلى أن يقضيها إلى الزوال كما فى الدرر. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۱/۶۷۲، ظفير) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۲۱۵)

سنت ظہر کے مسائل

ظہر کی سنتیں پڑھے بغیر فرض کی امامت کرنا:

سوال: آیا امام نماز ظہر کی سنتیں پڑھنے سے پہلے پڑھا سکتا ہے؟ کیا نماز ہو جائے گی؟ نماز میں تو کوئی حرج واقع نہ ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

اس صورت میں فرضِ ظہر ادا ہو جائے گا؛ لیکن بلا عذر ایسا کرنا خلاف سنت ہے؛ کیوں کہ ظہر کی چار سنتیں مؤکدہ ہیں اور ان کا وقت فرض سے پہلے ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالی اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور۔

الجواب صحیح: بندہ سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، یکم ربیع الاول/۱۳۵۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۱۹۷)

ظہر کی جماعت کے وقت آنے والا پہلی سنت کب پڑھے گا:

سوال: اگر کوئی شخص ظہر کی نماز کو ایسے وقت آیا کہ جماعت ہو رہی تھی، بغیر سنت پڑھے ہوئے جماعت میں شریک ہوا تو چار سنت کس وقت پڑھے اور کیا نیت کرے قضا، یا ادا؟

---

(۱) عن عبد اللّٰه بن شفيق قال: سألت عائشة عن صلاة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن تطوعه؟ فقالت: كان يصلي في بيتي قبل الظهر أربعاً ثم يخرج فيصلي بالناس ثم يدخل فيصلي ركعتين وكان يصلي بالناس المغرب ثم يدخل فيصلي ركعتين ويصلي بالناس العشاء ويدخل بيتي فيصلي ركعتين وكان يصلي من الليل تسع ركعات فيهن الوتر وكان يصلي ليلاً طويلاً قائماً وليلاً طويلاً قاعداً وكان إذا قرأ وهو قائم ركع وسجد وهو قائم وإذا قرأ قاعداً ركع وسجد وهو قاعد وكان إذا طلع الفجر صلىٰ ركعتين. (الصحيح لمسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب جواز النافلة قائماً وقاعداً: ۱/۲۵۲، قديمي. كذا في سنن أبي داؤد، باب تفريع أبواب التطوع وركعات السنة: ۱/۱۷۸، انيس)

(وسن) مؤكداً (أربع قبل الظهر و) أربع قبل (الجمعة) الخ. (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۲، سعيد)

عن إبراهيم أنه قال: ما اجتمع أصحاب محمد صلى اللّٰه عليه وسلم على شيء من الصلاة كما اجتمعوا على التنوير بالفجر والتكبير بالمغرب ولم يكونوا على شيء من التطوع أشد مثابرة منهم على أربع قبل الظهر وركعتين قبل الفجر. (الآثار لأبي يوسف، باب الأذان، رقم الحديث: ۹۸، انيس)

الجواب

بعد فرض کے چار سنت پڑھے، دو سنت سے پہلے، یا پیچھے اور نیت سنت ظہر کی کرے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم:۲۰۲/۴)

ظہر کی سنتیں پڑھتے وقت جماعت کھڑی ہو جائے تو کیا کرے:

سوال: ظہر کی سنتیں پڑھتے وقت جماعت کھڑی ہو جائے تو کیا کرے؟

الجواب

ظہر کی سنتیں جو فرض شروع ہونے سے پہلے پڑھ رہا تھا، اگر در میں فرض شروع ہو جائیں تو سنتیں پوری کر کے سلام پھیر دے اور فرض میں شامل ہو جائے؛ لیکن اگر دو رکعت پر سلام پھیر کر فرض میں شریک ہو جائے اور پھر چاروں رکعتیں فرض کے بعد ادا کریں تو یہ بھی جائز ہے، پہلی صورت بہتر ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳۲۱/۳)

ظہر کی سنت جو فرض کی وجہ سے دو رکعت پر ختم کر دی گئیں، بعد فرض چار پڑھی جائیں گی:

سوال: زید ظہر کی سنت پڑھ رہا تھا، ابھی ایک رکعت پڑھی تھی کی جماعت کھڑی ہوگئی، اس نے دو رکعت پوری پڑھ کر سلام پھیر دیا تو اس کو فرضوں کے بعد دو رکعت پڑھنی چاہیے، یا چار؟

الجواب

اس کو بعد فرض کے چار رکعت سنت ظہر پڑھنی چاہیے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم:۲۰۲/۴)

(۱) (بخلاف سنة الظهر) وكذا الجمعة (فإنه) إن خاف فوت ركعة (يتركها) ويقتدى (ثم يأتي بها) علىٰ أنها سنة (فى وقته) أى الظهر قبل شفعه عند محمد وبه يفتىٰ. (الدر المختار)

أقول: وعليه المتون لكن رجح فى الفتح تقديم الركعتين، قال فى الإمداد وفى فتاوىٰ العتابى: إنه المختار، وفى مبسوط شيخ الإسلام: أنه الأصح لحديث عائشة أنه عليه الصلاة والسلام كان إذا فاتته الأربع قبل الظهر يصليهن بعد الركعتين وهو قول أبى حنيفة وكذا فى جامع قاضى خان، آه، والحديث قال الترمذى: حسن غريب، فتح. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۵۱۲/۲-۵۱۴، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

عن عائشة أن النبى صلى الله عليه وسلم كان إذا لم يصل أربعاً قبل الظهر صلاهن بعدها. قال أبو عيسىٰ: هٰذا حديث حسن غريب إنما نعرفه من حديث ابن المبارك ومن هٰذا الوجه. (الجامع للترمذى، كتاب الصلاة، باب آخر: ۹۷/۱، قديمى، انيس)

(۲) قال فى الدر المختار: والشارع فى نفل لايقطع مطلقاً ويتمه ركعتين (وكذا سنة الظهر و) سنة (الجمعة إذا أقيمت أو خطب الإمام) يتمها أربعًا (على) القول (الراجح)؛ لأنها صلاة واحدة. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۵۸/۲، ط: سعيد)

==

چار رکعت نفل کی نیت کر کے دو رکعت پر سلام پھیرنے سے کیا دو رکعت کی قضا لازم ہے:

سوال: اگر ایک شخص نے چار رکعت نفل کی نیت باندھی تو وہ دو ہی رکعت پر سلام پھیر کر جماعت میں شامل ہو گیا تو دو رکعت کی قضا لازم ہوگی؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

چار رکعت نفل کی نیت کرنے سے چاروں لازم نہیں ہوئی، صرف دو لازم ہوئی، لہٰذا دو پر سلام پھیرنے سے دوسری دو کی قضا لازم نہیں، بغیر لازم سمجھے، اگر پڑھے گا تو اجر ملے گا۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۲۱۹/۷)

== (بـخلاف سنة الظهر) وكذا الجمعة (فإنه) إن خاف فوت ركعة (يتركها) ويقتدى (ثم يأتي بها) علىٰ أنها سنة (فى وقته) أى الظهر قبل شفعه عند محمد وبه يفتىٰ. (الدر المختار)

وفى الرد تحت قوله (وبه يفتىٰ) أقول: وعليه المتون لكن رجح فى الفتح تقديم الركعتين، قال فى الإمداد وفى فتاوىٰ العتابى: إنه المختار، وفى مبسوط شيخ الإسلام: أنه الأصح لحديث عائشة أنه عليه الصلاة والسلام كان إذا فاتته الأربع قبل الظهر يصليهن بعد الركعتين وهو قول أبى حنيفة وكذا فى جامع قاضى خان، اُه، والحديث قال الترمذى: حسن غريب، فتح. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ١/ ٦٧٣، ظفير غفر له)

عن عائشة أن النبى صلى الله عليه وسلم كان إذا لم يصل أربعاً قبل الظهر صلاهن بعدها. قال أبو عيسىٰ: هٰذا حديث حسن غريب. (سنن الترمذى، باب آخر: ٩٧/١، انيس)

☆ اگر کسی نے چار رکعت کی نیت توڑ دی تو پھر اس پر کتنے رکعت واجب ہوں گی:

سوال: سنت مؤکدہ مثل ظہر چار رکعت کی نیت توڑ دی تو اس کو دو رکعت واجب ہیں، یا چار؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

چار۔ ’’(وسن) مؤكدًا (أربع قبل الظهر و) أربع قبل (الجمعة و) أربع (بعد ها بتسليمة) فلو بتسليمتين لم تنب عن السنة و لذا لو نذرها لايخرج عنه بتسليمتين‘‘. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ٢/ ٤٥١، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(ولا يصلى على النبى صلى الله عليه وسلم فى القعدة الأولىٰ فى الأربع قبل الظهر والجمعة وبعدها). (الدر المختار) وفى الرد تحت (قوله: ولا يصلى): أقول: قال فى البحر فى باب صفة الصلاة: إن ما ذكر مسلم فيما قبل الظهر لما صرحوا به من أنه لاتبطل شفعة الشفيع بالانتقال إلى الشفع الثانى منها ولو أفسدها قضىٰ أربعاً‘‘. (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل ٢/ ٤٥٦، دار الكتب العلمية بيروت ملتان، انيس) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۰۲/۴)

(۱) نعم اعتبروا كون كل شفع علىٰ حدة فى حق القراءة احتياطاً وكذا فى عدم لزوم الشفع الثانى قبل القيام إليه، لتردده بين اللزوم وعدمه، فلا يلزم بالشك ولذا يقطع علىٰ رأس الشفع إذا أقيمت الصلاة أو خرج الخطيب‘‘. (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب: قولهم: كل شفع من النفل صلاة ليس مطرداً: ١٧/٢، سعيد) ==

ظہر سے پہلے چار سنت میں دو پر سلام پھیرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے سنتِ مؤکدہ ظہر کے لیے چار رکعت کی نیت باندھی کہ فرض شروع ہوگیا، وہ شخص دو رکعت پر سلام پھیر کر جماعت میں شامل ہوگیا۔ اب اسے جماعت کے بعد باقی دو رکعت پڑھنا چاہیے، یا دو رکعتیں تو پڑھی ہوئی نفل بن گئیں، دوبارہ چار رکعت پڑھے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

ایسی حالت میں چار رکعت پڑھے، جو نیت باندھی تھی، وہ دو رکعت پر سلام پھیرنے کی وجہ سے نفل بن گئی۔ (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹۸/۷)

== "قوله: (قضى ركعتين لو نوىٰ أربعاً وافسده بعد القعود الأول أو قبله) يعنى فيلزمه الشفع الثانى إن أفسده بعد القعود الأول والشروع فى الثانى والشفع الأول فقط إن أفسده قبل القعود، بناءً علىٰ أنه لايلزمه بتحريمة النفل أكثر من الركعتين وإن نوىٰ أكثر منهما، وهو ظاهر الرواية عن أصحابنا، إلابعارض الاقتدا". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱۰٤/۲، رشيدية)

(۱) "(كذا سنة الظهر و) سنة (الجمعة إذا أقيمت أو خطب الإمام) يتمها أربعاً (علىٰ) القول (الراجح)؛ لأنها صلاة واحدة، ليس القطع للإكمال بل للابطال، خلافاً لما رجحه الكمال". (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ادراک الفريضة: ٥٣/٢، سعيد)

(وإن كان) قد شرع (فى سنة الجمعة فخرج الخطيب أو) شرع (فى سنة الظهر، فأقيمت) الجماعة (سلم) بعد الجلوس (علىٰ رأس ركعتين)، كذا روى عن أبى يوسف والإمام، (وهو الأوجه) ... (ثم قضى السنة) أربعاً لتمكنه منه (بعد) أداء (الفرض) مع ما بعده فلا يفوت فرض الاستماع والأداء علىٰ وجه أكمل، ولا إبطال. صحح جماعة من المشائخ أنه يتمها أربعاً؛ لأنها كصلاة واحدة. (مراقى الفلاح، كتاب الصلاة)

فى حاشية الطحطاوى تحت قوله: (لأنها كصلاة واحدة) وليس القطع للإكمال بل للابطال صورة ومعنىٰ؛ إذا فيه ابطال وصف السنة لا اكمالها". (مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوى، باب ادراک الفريضة، ص: ٤٥١، قديمى)

☆ ظہر کی پہلی سنتیں دو سلام سے پڑھنا:

سوال: چار رکعت سنتِ مؤکدہ ظہر دو دو رکعت علاحدہ خواندن جائز است، یا نہ؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

نہ۔ ("(و) السنة (قبل فرض الظهر) ... (و) قبل (الجمعة) ... (وبعدها أربع) بتسليمة، فلو صلىٰ بتسليمتين لم يعد من السنة، آه. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱۹٤/۱، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

عن القرثع عن أبى أيوب الأنصارى رضى الله عنه قال أدمن رسول الله صلى الله عليه وسلم أربع ركعات بعد زوال الشمس فقلت يارسول الله صلى الله عليه وسلم تدمن هؤلاء الأربع ركعات فقال يا أبا أيوب إذا زالت الشمس فتحت أبواب السماء قلن تريح حتىٰ يصلى الظهر فأحب أن يصعد لى فيهن عمل صالح قبل أن تريح ==

فرض نماز کے بعد ظہر کی چار رکعت سنت مؤکدہ کی حیثیت:

سوال: ایک عالم کا کہنا ہے کہ ظہر کی سنت مؤکدہ جو فرض سے پہلے ہے، اگر اس کو فرض سے قبل نہیں پڑھا گیا تو اس کی حیثیت نفل کی ہوگئی، اگر کوئی شخص اس کو نہ پڑھے تو گنہگار نہ ہوگا، نیز وہ سنت بعد میں قضا کی نیت سے پڑھی جائے گی، ادا کی نیت سے نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

وقت کے اندر اندر اس کی حیثیت سنت ہی کی ہے، نفل کی نہیں اور سنت ہی کی نیت سے پڑھی جائے گی، اگر چہ اس کے اپنے اصلی وقت سے ہٹنے کے سبب اس پر قضا کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔(۱) فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

محمد نعمت اللہ قاسمی، ۱۶/۵/۱۴۱۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۴۴۱-۴۴۲)

== فقلت یارسول اللّٰہ أو فی کلهن قراء ة قال: نعم، قلت: بينهن تسليم فاصل، قال: لا إلا التشهد. (شرح معانی الآثار للطحاوی، باب التطوع بالليل والنهار كيف هو: ۲۳۳/۱، ط: ثاقب بک ڈپو، دیوبند، انیس) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور

الجواب صحیح: بندہ سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور، ۱۲/ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹۹/۷)

ظہر کی چار سنتوں کی حیثیت بعد ادائیگی فرض:

سوال: ظہر کے فرض پہلے پڑھ لیے تو اب چار سنت قبلیہ نفل ہوگئی، یا سنت مؤکدہ ہی رہی؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

جب تک وقت باقی ہے، ادا کرنا چار رکعات قبل ظہر کا سنت مؤکدہ ہے، اگر قبل از فرض ظہر چار رکعت سنت قبل ظہر والی ادا نہ کی تو بعد فرض کے ادا کرنی چاہیے۔(بخلاف سنة الظهر) وكذا الجمعة (فإنه) إن خاف فوت ركعة (يتركها) و يقتدى (ثم يأتى بها) علىٰ أنها سنة (فى وقته) أى الظهر. (الدر المختار)

(علىٰ أنها سنة): أى اتفاقاً، وما فى الخانية وغيرها من أنها نفل عنده سنة عندهما فهو من تصرف المصنفين؛ لأن المذكور فى المسئلة الاختلاف فى تقديمها أو تأخيرها والاتفاق علىٰ قضائها وهو اتفاق علىٰ وقوعها سنة كما حققه فى الفتح وتبعه فى البحر والنهر وشرح المنية. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب إدراک الفريضة: ۵۱۲/۲-۵۱۳، دار الكتب العلمية بيروت، ظفير) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۰۸/۴)

(۱) (بخلاف سنة الظهر) وكذا الجمعه (فإنه) إن خاف فوت ركعة (يتركها) ويقتدى (ثم يأتى بها) علىٰ أنها سنة (فى وقته) أى الظهر. (الدر المختار)

وفى الرد تحت (قوله علىٰ أنها سنة) (أى اتفاقا، وما فى الخانية وغيرها من أنها نفل عنده، سنة عندهما فهو من تصرف المصنفين؛ لأن المذكور فى المسئلة الاختلاف فى تقديمها أو تأخيرها، والاتفاق علىٰ قضائها، وهو اتفاق علىٰ وقوعها سنة. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ادراک الفريضة: ۵۱۲/۲-۵۱۳، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

ظہر کی پہلی والی سنت چھوٹنے کے بعد، بعد کی سنت سے پہلے پڑھے، یا بعد میں:

(الجمعیۃ، مورخہ ۱۰/اپریل ۱۹۲۷ء)

سوال: ظہر کی نماز جماعت سے پڑھی جائے اور پہلی چار سنتیں رہ گئی ہوں تو پہلے دوسنت پڑھے، یا چار؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

ظہر کے فرضوں سے پہلے کی سنتیں اگر جماعت میں شریک ہوجانے کی وجہ سے رہ جائیں تو فرضوں کے بعد اختیار ہے، چاہے پہلے چار سنتیں پڑھے اور پھر دو، یا پہلے دو پڑھے، پھر چار، دونوں طرح جائز ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۳۲۳)

سنت ظہر اگر چھوٹ جائے تو فرض کے بعد کس طرح ادا کیا جائے:

سوال: ایک شخص ظہر کی نماز کے وقت مسجد اس وقت پہونچا، جب فرض کی جماعت ہورہی تھی، وہ بغیر سنت پڑھے جماعت میں شامل ہوگیا تو فرض نماز کے بعد سنتوں کو کس ترتیب سے پڑھے، گذارش ہے کہ فقہاء احناف کے اقوال میں اختلاف کی صورت میں راجح قول کی نشاندہی کتاب کے حوالہ کے ساتھ فرمادیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

دونوں طرح پڑھنا جائز ہے، جس ترتیب سے چاہیں، پڑھ لیں، دونوں منقول ہے اور ترجیح میں بھی دونوں قول ہیں۔ درمختار میں ہے:

(بخلاف سنة الظهر) ...(فأنه) ... (يتركها) ...(ثم يأتي بها) ... (في وقته)أي الظهر(قبل شفعه) عند محمد، وبه يفتى .

اورشامی میں ہے:

(وبه يفتى) أقول وعليه المتون،لكن رجح في الفتح تقديم الركعتين، قال في الإمداد وفي فتاوى العتابي: أنه المختار،وفي مبسوط شيخ الإسلام: أنه الأصح.(۲)

---

(۱) (بخلاف سنة الظهر)وكذا الجمعة (فإنه) إن خاف فوت ركعة (يتركها) ويقتدى (ثم يأتي بها)علىٰ أنها سنة (في وقته) أي الظهر(قبل شفعه)عند محمد،وبه يفتىٰ.(الدرالمختار)

وفي الرد تحت قوله (به يفتىٰ) أقول:وعليه المتون لكن رجح في الفتح تقديم الركعتين، قال في الإمداد وفي فتاوىٰ العتابي: أنه المختاروفي مبسوط شيخ الإسلام: أنه الأصح،لحديث عائشة رضي الله عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا فاتته الأربع قبل الظهريصليهن بعد الركعتين وهو قول أبي حنيفه وكذا في جامع قاضي خان.(الدر المختارمع رد المحتار، كتاب الصلاة،باب ادراك الفريضة:۲/۵۸،ط:سعيد)

(۲) الدرالمختار مع رد المحتار،باب ادراك الفريضة:۲/۵۱۲-۵۱۴،دار الكتب العلمية بيروت لبنان،انيس

اور ہمارے علماء اسلاف کا عمل بھی دونوں طریقوں پر رہا ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری، ۱۹/۹/۱۴۰۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۴۴۲-۴۴۳)

ظہر کے بعد چار رکعت کا معمول کیسا ہے:

سوال: ایک شخص فرض ظہر سے پہلے چار رکعت سنت ظہر پڑھتا ہے، اس کے بعد فرض ظہر ادا کرتا ہے، جماعت سے فرض ظہر ادا کرنے کے بعد دو رکعت سنت نہیں پڑھتا؛ بلکہ بجائے دو کے چار رکعت سنت اکٹھی پڑھتا ہے اور ہمیشہ ایسا ہی کرتا ہے، اس میں کچھ حرج ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

قال ابن الهمام: وصرح جماعة من المشائخ أنه يستحب أربع بعد الظهر لحديث رووه وهو أنه صلى الله عليه وسلم قال: "من صلىٰ أربعاً قبل الظهر وأربعاً بعدها حرمه الله على النار". {رواه أبوداؤد والترمذى والنسائى}(۲)

ثم اختلف أهل هٰذا العصر فى أنها تعتبر غير ركعتى الراتبة أو بهما وعلى التقدير الثانى هل تؤدى معها بتسليمة واحدة أو لا؟ فقال جماعة: لا؛ لأنه إن نوىٰ عند التحريمة السنة لم يصدق فى الشفع الثانى أو المستحب لم يصدق فى السنة ... ووقع عندى أنه إذا صلى أربعاً بعد الظهر بتسليمة أو ثنتين وقع عن السنة المندوب سواء احتسب هو الراتبة منها أو لا.(۳)

---

(۱) البتہ زیادہ راجح یہی ہے کہ پہلے ظہر کی دو رکعت سنت پڑھی جائے، اس کے بعد ظہر سے پہلے والی چار رکعت سنت ادا کی جائے، علامہ ابن ہمام نے شرح فتح القدیر میں اسی کو اولیٰ قرار دیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔[مجاہد]

والأولىٰ تقديم الركعتين؛ لأن الأربع فاتت عن الموضع المسنون فلا تفوت الركعتان أيضا عن موضعهما قصدًا بلا ضرورة ... وقد روى عن عائشة أنه صلى الله عليه وسلم إذا فاتته الأربع قبل الظهر قضاها بعد الركعتين. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ادراك الفريضة: ١/٤٩٣، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(۲) فتح القدير، كتاب الصلاة، باب النوافل: ١/٤٦٠، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

عن أم حبيبة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلىٰ قبل الظهر أربعاً وبعدها أربعاً حرمه الله تعالىٰ على النار. (الجامع للترمذى. باب ما جاء فى الأربع قبل الظهر، باب آخر: ١/ ٩٨، قديمى، انيس)

عن عنبسة بن أبى سفيان قال: قالت أم حبيبة زوج النبى صلى الله عليه وسلم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من حافظ علىٰ أربع ركعات قبل الظهر وأربع بعدها حرم على النار. (سنن أبى داؤد، كتاب الصلاة، باب الأربع قبل الظهر وبعدها، ص: ١٨٠، انيس)

(۳) فتح القدير، كتاب الصلاة، باب النوافل: ١/٤٦٠، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

پس معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص استحباب پر عمل کرے فرض ظہر کے بعد صرف چار رکعت پڑھ لیا کرے دو رکعت سنت علیحدہ نہ پڑھے، بنابر تحقیق شیخ ابن ہمام کوئی حرج نہیں۔

ان چار رکعت میں دو رکعت سنت ہی محسوب ہو جائیں گی، خواہ ان کی نیت کرے، یا نہ کرے، البتہ مختار یہ ہے کہ چار رکعت کو بعد فرض ظہر دو سلام سے پڑھ لیا کرے؛ تاکہ کسی کا اختلاف ہی نہ رہے اور اس حدیث پر بھی عمل ہو جائے، جس میں یہ ہے:

عن علی قال کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصلی قبل الظھر أربعاً وبعدھا رکعتین". (الحدیث)(۱)

اس روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مستمرہ یہ تھی کہ دو رکعت سنت بعد فرض ظہر کے پڑھا کرتے تھے؛ اس لیے کمال اتباع سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس میں ہے کہ دو رکعت سنت فرض ظہر کے بعد علاحدہ پڑھنے کا اہتمام کرے، چار رکعت پر دوام کرنا دو رکعت سنت علاحدہ نہ پڑھنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر عمل کرنے سے مانع ہے، آئندہ اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/ ۲۱۰-۲۱۱)

ظہر و مغرب کی نوافل کا ثبوت:

سوال: نماز نفل دو رکعت جو فرضوں کے بعد وقت ظہر اور وقت مغرب پڑھے جاتے ہیں، اس کا ثبوت کس کتاب حدیث، یا فقہ سے ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

بعد فرض ظہر و مغرب کے دو رکعت سنت موکدہ ہیں، جملہ احادیث سے ثابت ہیں، جو کتب فقہ میں مذکور ہیں اور ماسوائے اس کے جو نوافل ہیں، وہ مشروع ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۰۴)

☆ ☆ ☆

---

(۱) سنن الترمذی، باب ماجاء فی الأربع قبل الظھر، رقم الحدیث: ٤٢٤، انیس

عن عبد اللّٰہ شقیق قال سألت عائشة عن صلوٰة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن تطوعه فقالت کان یصلی فی بیتی قبل الظھر أربعاً ثم یخرج فیصلی بالناس ثم یدخل فیصلی رکعتین وکان یصلی بالناس المغرب ثم یدخل فیصلی رکعتین ویصلی بالناس العشاء ویدخل بیتی فیصلی رکعتین وکان یصلی من اللیل تسع رکعات فیھن الوتر وکان یصلی لیلاً طویلاً قائماً ولیلاً طویلاً قاعداً وکان إذا قرأ وھو قائم رکع وسجد وھو قائم وإذا قرأ قاعداً رکع وسجد وھو قاعد وکان إذا طلع الفجر صلیٰ رکعتین. (الصحیح لمسلم، کتاب الصلاة، باب جواز النافلة قائماً وقاعداً الخ: ١/ ٢٥٢، قدیمی. کذا فی سنن أبی داؤد، باب تفریع أبواب التطوع ورکعات السنة، ص: ١٧٨، انیس)

سنت جمعہ کے مسائل

جمعہ کی سنتوں کی نیت کس طرح کرے:

سوال: جمعہ میں اول کی چار رکعت اور بعد جمعہ چھ رکعت کی نیت کس طرح کرے؟

الجواب

چار رکعت سنت پڑھتا ہوں۔ فقط

(بدست خاص، ص:۳۷) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ، ص:۱۸۲)

خطبۂ جمعہ شروع ہونے کے بعد آنے والا پہلی چار سنتیں ادا کرے، یا نہ کرے:

سوال: مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص ایسے وقت آ کر کے شریک ہوا کہ خطبہ جمعہ کا ہو رہا ہے تو فرضوں سے پہلی جو چار سنتیں ہیں، ان کو کب ادا کرے، یا نہ کرے؟ یہاں پر لوگ اصرار کرتے ہیں کہ وہ سنت خطبہ ہونے سے پہلے پڑھے تو پڑھ لے اور بعد جمعہ کے وہ نہیں پڑھی جاتی ہیں، وہ معاف ہو جاتی ہیں؟

الجواب

جمعہ کے بعد والی سنتِ مؤکدہ ادا کرنے کے بعد ان سنتوں کو پڑھے، جو جمعہ سے قبل والی فوت ہو گئی ہیں۔(۱)

كما فى الدر المختار: (بخلاف سنة الظهر) وكذا الجمعة (فإنه) إن خاف فوت ركعة (يتركها) ويقتدىٰ (ثم يأتى بها) علىٰ أنها سنة (فى وقته) أى الظهر (قبل شفعه) عند محمد وبه يفتىٰ.

وقال الشامى تحت (قوله وبه يفتى): أقول وعليه المتون لكن رجحع فى الفتح تقديم الركعتين، قال فى الإمداد وفى فتاوى العتابى: أنه المختار وفى مبسوط شيخ الإسلام: أنه الأصح لحديث عائشة أنه عليه السلام: كان إذا فاتته الأربع قبل الظهر يصليهن بعد الركعتين، وهو قول أبى حنيفة وكذا فى جامع قاضى خان، آه، والحديث قال الترمذى: حسن غريب، فتح. (۲)

---

(۱) عن عائشة رضى الله عنها أن النبى صلى الله عليه وسلم كان إذا لم يصل أربعاً قبل الظهر صلاهن بعدها. قال أبو عيسىٰ: هٰذا حديث حسن غريب. (سنن الترمذى، باب آخر بعد باب ماجاء فى الركعتين بعد الظهر: ۹۷/۱، قديمى)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ادراك الفريضة: ۵۸/۲-۵۹، دار الفكر بيروت، انيس

اور بعض کتابوں میں ان سنتوں کا ساقط ہو جانا لکھا ہے؛ مگر شامی نے ان کے ایک استدلال (۱) کا جواب دے دیا ہے اور دوسرے استدلال کے بعد فتأمل فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی پہلی سنتوں کا ظہر کی پہلی سنتوں کے (۲) برابر ہونا راجح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اور اگر بالفرض اُن کے سقوط کو راجح کہا جاوے، تب بھی قضا سے اصرار کے ساتھ منع کرنا ٹھیک نہیں، کوئی شخص احتیاط کی بنا پر پڑھے تو اس کے روکنے کے کیا معنی، سنت نہ ہوں گی تو نفل کا ثواب مل جاوے گا۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، ۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۵ھ۔

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ، ۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۵ھ۔ (امداد الاحکام: ۲۲۹/۲)

سنت پڑھنے کے دوران خطبہ شروع ہو جائے تو کیا کیا جائے:

سوال: خطبۂ جمعہ کے شروع ہونے سے پہلے کسی نے سنت شروع کر دی تو اب وہ کیا کرے، جب کہ خطبہ شروع ہو گیا؟

الجواب ــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

سنت شروع کرنے کے بعد اگر خطبۂ جمعہ شروع ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ ہلکی ہلکی رکعتیں پوری کر کے سلام پھیر دے، ایسے ہی نماز نہ توڑے۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفر لہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹۷/۷)

---

(۱) وفی ھٰذا الاستدلال نظر؛لأنه انما يدل علٰى أنها لا تصلى بعد خروجه لا علٰى أنها تسقط بالكلية ولا تفضى بعد الفروغ من المكتوبة ولا لزم أن لا تفضى سنة الظهر أيضاً فانه ورد فى حديث مسلم وغيره"اذا أقيمت الصلاة فلا صلٰوة إلا المكتوبة"،نعم قد يستدل للفرق بينهما بشئ آخر وهو أن القياس فى السنن عدم القضاء كما مر وقد استدل قاضى خان لقضاء سنة الظهر بما عن عائشة رضى الله عنها أن النبى صلى الله عليه وسلم كان اذا فاتته الأربع قبل الظهر قضاهن بعده،فيكون قضاء ها ثابت بالحديث علٰى خلاف القياس كمافى سنة الفجر كما صرح به فى الفتح،فالقول بقضاء سنة الجمعة يحتاج الٰى دليل خاص،وعليه تنصيص المتون علٰى سنة الظر دليل علٰى أن سنة الجمعة ليست كذلک فتأمل.(ردالمحتار،باب إدراک الفريضة،مطلب هل الاساء ة دون الكراهة: ۵۸/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) وقد صرح به ابن نجيم فى البحر:النظر.(البحر الرائق،باب الجمعة)

(۳) (كذا سنة الظهرو) سنة (سالجمعة إذا أقيمت أوخطب الإمام)يتمها أربعاً(على)القول (الراجح)؛لأنها صلاة واحدة،ليس القطع للإكمال بل للابطال،خلافاً لما رجحه الكمال.(الدرالمختارعلٰى هامش رد المحتار،باب إدراک الفريضة:۵۳/۲،سعيد)

☆ سنت قبل الجمعہ نہ پڑھ سکے تو کیا کرے:

سوال: چار رکعت سنت قبل جمعہ اگر رہ جائیں تو بعد جمعہ ان کو پڑھے، یا نہیں؟ ==

فرض نماز سے قبل والی سنت فرض کے بعد کب پڑھی جائے گی:

سوال (۱) جمعہ کی چار رکعت سنت اگر کسی کو نہیں ملی تو فرض کے بعد اس کو ادا کرے، یا اس سنت کو پہلے ادا کرے، جو فرض کے بعد پڑھی جاتی ہے؟

(۲) ظہر کی سنتوں کا کیا حکم ہے؟

(۳) فجر کی سنت اگر کسی نے نہیں پڑھی اور فرض پڑھ چکا ہے تو سنت کس وقت ادا کرے اور نیت کس طرح کرے؟ سنت کی قضا پڑھے، یا نہ پڑھے؟

(المستفتی: ۹۷۷، محمد رفیع سوداگر چرم، ضلع میدنی پور، یکم ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ، مطابق ۲۵ر فروری ۱۹۳۶)

الجواب

(۱) جمعہ سے پہلے کی چار رکعتیں نماز کے بعد پڑھ لے اور چاہے انہیں پہلے پڑھ لے، یا بعد والی پہلے پڑھے، دونوں جائز ہیں۔(۱)

(۲) یہ بھی دونوں طرح جائز ہے۔(۲)

==

الجواب

بعد ادائے جمعہ سنت قبل جمعہ کو ادا کرنا چاہیے۔(" (ولا یقضیها إلا بطریق التبعیة) لقضاء (فرضها قبل الزوال لا بعده فی الأصح) ... (بخلاف سنة الظهر) وکذا الجمعة (فإنه) إن خاف فوت رکعة (یترکها) ویقتدی (ثم یأتی بها) علیٰ أنها سنة (فی وقته) أی الظهر (قبل شفعه) عند محمد وبه یفتیٰ". (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب إدراک الفریضة: ۶۷۲/۱، ظفیر) (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲۱۳/۴)

جمعہ کے پہلے کی سنت بعد جمعہ:

سوال: جو سنتیں جمعہ کے اول پڑھی جاتی ہیں، وہ رہ جائیں تو قضا کرے، یا نہیں؟

الجواب

جو سنتیں جمعہ کے اول پڑھی جاتی ہیں، اگر ان کو نہ پڑھ سکا تو بعد جمعہ کے پڑھے۔

کما قال فی الدر المختار: (بخلاف سنة الظهر) وکذا الجمعة ... (ثم یأتی بها) علیٰ أنها سنة (فی وقته)، إلخ. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب إدراک الفریضة: ۵۸/۲، ظفیر) واللہ اعلم (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲۰۳/۴)

(۱-۲) (بخلاف سنة الظهر)، وکذا الجمعة، (فانه) ان خاف فوت رکعة (یترکها) ویقتدی، (ثم یأتی بها) علیٰ أنها سنة (فی وقته)، إلخ. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب إدراک الفریضة: ۵۸/۲، ط: سعید)

(۳) بعد طلوع آفتاب پڑھ سکتا ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۳۱۷-۳۱۸)

جمعہ کے بعد کی رکعات سنت کتنی ہیں:

سوال: بعد جمعہ کے رکعت مسنون ہیں؟

الجواب

چھ رکعت، چار ایک سلام اور دو ایک سلام سے۔(۲) فقط (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۰۴)

☆ ☆ ☆

(۱) إذا فالت(سنة الفجر) وحدها فلا تقضى قبل طلوع الشمس بالاجماع ...وقال محمد رحمه اللّٰه"أحب إلٰى أن يقضيها إلى الزوال،كما فى الدرر،قبل هٰذا قريب من الاتفاق؛لأن قوله:" أحب إلٰى"دليل علٰى أنه لولم يفعل لالوم عليه وقالا:"لايقضٰى وإن قضٰى فلا بأس به.(ردالمحتار،كتاب الصلاة ،باب إدراک الفريضة : ۲/۵۷،ط:سعيد)

(۲) عن نافع قال:كان ابن عمر رضى اللّٰه عنهما يطيل الصلاة قبل الجمعة ويصلى بعدها ركعتين فى بيته ويحدث أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يفعل ذلک.(سنن أبى داؤد،باب الصلاة بعد الجمعة،رقم الحديث: ۱۱۲۸،انيس)

عن إبراهيم أن عبداللّٰه بن مسعود رضى اللّٰه عنه كان يصلى قبل الجمعة أربعا وبعدها أربعا لايفصل بينهن بتسليم.(شرح معانى الآثار،باب التطوع بالليل والنهار كيف هو؟،رقم الحديث: ۱۹۷۰،انيس)

عشا کی سنت کے مسائل

عشا کے فرض کے بعد سنتوں اور وتر کا افضل وقت:

سوال: عشا کے فرض کے بعد سنتوں اور واجب ادا کرنے کے لیے افضل وقت کون سا ہوگا؟

الجواب

سنتوں کو عشا کے فرضوں کے متصل ادا کیا جائے،(۱) وتر میں افضل یہ ہے کہ اگر تہجد میں اٹھنے کا بھروسہ ہو تو تہجد کی نماز کے بعد وتر پڑھے اور اگر بھروسہ نہ ہو تو عشا کی سنتوں کے ساتھ ہی پڑھ لینا ضروری ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۲۱۳/۳)

(۱) عن عبد اللّٰہ بن شفیق قال:سألت عائشة عن صلاة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن تطوعه فقالت:کان یصلی فی بیتی قبل الظھرأربعاً ثم یخرج فیصلی بالناس ثم یدخل فیصلی رکعتین وکان یصلی بالناس المغرب ثم یدخل فیصلی رکعتین ویصلی بالناس العشاء ویدخل بیتی فیصلی رکعتین وکان یصلی من اللیل تسع رکعات فیھن الوتر وکان یصلی لیلاً طویلاً قائماً ولیلاً طویلاً قاعداً وکان إذا قرأ وھو قائم رکع وسجد وھو قائم وإذا قرأ قاعداً رکع وسجد وھو قاعد وکان إذا طلع الفجر صلٰی رکعتین.(الصحیح لمسلم،کتاب صلاة المسافرین،باب جواز النافلة قائماً وقاعداً : ۲۵۲/۱،قدیمی.کذا فی سنن أبی داؤد، باب تفریع أبواب التطوع ورکعات السنة:۱۷۸/۱،انیس)

عن کریب مولٰی ابن عباس رضی اللّٰہ عنھما أن عبداللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ عنھما حدثه قال:فصلی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رکعتین بعد العشاء ثم رکعتین ثم رکعتین ثم أوتر بثلاث.(شرح معانی الآثار،باب الوتر : ۲۸۸/۱، عالم الکتب،رقم الحدیث:۱۷۱۳،انیس))

عن عبد اللّٰہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال:اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وتراً.(صحیح البخاری،کتاب الوتر،باب لیجعل آخر صلاته وتراً: ۱۹۹/۱،رقم الحدیث:۹۹۸ ،بیت الأفکار الدولیة،انیس)

(۲) عن جابر قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من خاف أن لایقوم من آخر اللیل فلیؤتر أوله ومن طمع أن یقوم آخره فلیؤتر آخر اللیل فإن صلاة آخر اللیل مشھودة و ذلک أفضل.(الصحیح لمسلم،کتاب الصلاة،باب من خاف أن لایقوم من آخر: ۲۹۷/۱ ،رقم الحدیث: ۷۵۵،بیت الأفکار الدولیة/مصنف ابن أی شیبة،من قال:یجعل الرجل آخر صلاته باللیل وترا،رقم الحدیث:۶۷۰۷،/مسند الإمام أحمد،مسند جابر بن عبداللّٰہ رضی اللّٰہ عنه، رقم الحدیث:۱۴۲۰۷،انیس)

(ویستحب...تأخیر...الوتر إلٰی آخر اللیل لمن یثق بالإنتباہ،ومن لم یثق بالإنتباہ أوتر قبل النوم،ھٰکذا فی التبیین.(الفتاوٰی الھندیة: ۵۲/۱،کتاب الصلاة،الباب الأوّل،الفصل الثانی فی بیان فضیلة الأوقات)

مسائل سنن ونوافل- سنن غیر مؤکدہ

سنت مؤکدہ اور فرض کے درمیان نوافل:

سوال: سنت مؤکدہ اور فرض کے درمیان نوافل پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟ جماعت میں دیر ہو تو نوافل میں مشغول ہونا کیسا ہے؟

الجواب

سنن مؤکدہ پڑھنے کے بعد اگر جماعت میں دیر ہو، تو نوافل پڑھنے میں کچھ حرج نہیں، سوائے سنت فجر کے، اس کے بعد نوافل تا طلوع وارتفاع آفتاب درست نہیں ہیں۔

درمختار میں ہے:

"وكذا الحكم من كراهة نفل ... بعد طلوع فجر سوٰى سنته". (١)

پس دیگر اوقات میں مثلاً ظہر کی نماز میں سنن مؤکدہ پڑھنے کے بعد اگر بوجہ تاخیر جماعت کوئی شخص نوافل میں مشغول ہوجاوے تو کچھ حرج نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ وقت نوافل کی کراہت کا نہیں ہے۔ (٢) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ٢٣٨/٤)

(١) الدرالمختار علٰی هامش ردالمختار، كتاب الصلاة: ٣٤٩/١، ظفير

(٢) تسعة أوقات يكره فيها النوافل وفى معناها لا الفرائض، هكذا فى النهاية والكفاية فيجوز فيها قضاء الفائتة وصلاة الجنازة وسجدة التلاوة، كذا فى فتاوٰى قاضى خان، منها ما بعد طلوع الفجر قبل صلاة الفجر ... ويكره فيه التطوع بأكثر من سنة الفجر ... وعنها ما بعد صلاة الفجر قبل طلوع الشمس ... ومنها ما بعد صلاة العصر قبل التغير ... ومنها ما بعد غروب الشمس قبل صلاة المغرب. وعند الاقامة يوم الجمعة وعند خطبة الجمعة والعيدين و الكسوف والاستسقاء ... يكره التنفل عند خطبة الحج وخطبة النكاح ... ويكره التطوع اذا خرج الامام للخطبة يوم الجمعة ... ويكره التنفل اذا أقيمت الصلاة الا سنة الفجر ان لم يخف فوت الجماعة، وقبل صلوٰة العيدين مطلقاً وبعدها فى المسجد لا فى البيت وبين صلوٰتى الجمع بعرفة ومزدلفة، هٰكذا فى البحر، ويكره جميع الصلوات سوى الوقتية اذا ضاق المكتوبة ... ويكره الصلاة وقت مدافعة البول أو الغائط، ووقت حضور الطعام اذا كانت النفس ... والوقت الذى يوجد فيه ما يشغل البال من أفعال الصلاة ويخل بالخشوع كائناً ما كان الشاغل ويكره أداء العشاء ما بعد نصف الليل، هٰكذا فى البحر. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الأول فى المواقيت وما يتصل بها، الفصل الثالث: ٥٢/١-٥٣، دارالفكر بيروت)

نوافل بہ نیت جبر نقصان فرائض:

سوال: ایک شخص نوافل اس نیت سے پڑھتا ہے کہ اس سے فرائض کا جبر نقصان ہو جائے، لہٰذا یہ نیت اس کی صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب

یہ مضمون حدیث شریف میں ہے کہ نوافل سے فرائض کا جبر نقصان ہوتا ہے، لہٰذا یہ نیت اس کی صحیح ہے۔ (۱) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲۲۵/۴)

نفل لازم کرنے سے لازم نہیں ہوتا:

سوال: کوئی شخص گناہ کرے اور پھر اپنے ذمہ یہ واجب کر لے کہ نماز کے بعد جو نوافل پڑھی جاتی ہیں، میں ان کو ضرور پڑھا کروں گا؛ تاکہ نفس گناہ کا ارادہ نہ کرے تو نفل کا پڑھنا اس کے ذمہ واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب

واجب نہیں، واجب یہ ہے کہ توبہ واستغفار کرے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲۲۵/۴)

---

(۱) عن أنس بن حكيم الضبى قال خاف من زياد أوابن زياد فأتى المدينة فلقى أبا هريرة قال فنسبنى فانتسبت له فقال يا فتى ألا أحدثك حديثاً؟قال قلت بلىٰ رحمك الله قال يونس وأحسبه ذكره عن النبى صلى الله عليه وسلم:إن أول مايحاسب الناس به يوم القيامة من أعمالهم الصلاة قال:يقول ربنا عزوجل لملائكته وهو أعلم: انظروا فى صلاة عبدى أتمها أم نقصها ؟ فإن كانت تامة كتبت له تامة وإن كان انتقص منها شيئاً قال: انظروا هل لعبدى من تطوع؟ فإن كان له تطوع قال:أتموا لعبدى فريضته من تطوعه ثم توخذ الأعمال علىٰ ذاك.(سنن أبى داؤد،كتاب الصلاة،باب قول النبى صلى الله عليه وسلم :كل صلاة لايتمها صاحبها تتم من تطوعه،ص: ١٦٨،رقم الحديث: ٨٦٤، دارالفكر بيروت، انيس)

(ويأتى بالسنة) مطلقاً ... لكونها مكملات وأما فى حقه عليه الصلاة والسلام فلزيادة الدرجات.(الدر المختارعلىٰ هامش رد المحتار،كتاب الصلاة،باب إدراك الفريضة: ٦٠/٢،دار الفكر بيروت،ظفير)

وفى المنافع:النوافل لجبرنقصان يمكن فى الفرائض؛لأن العبد وإن علت رتبته لايخلوعن تقصير.(الفتاوىٰ التاتارخانية،كتاب الصلاة،الفصل الحادى عشرفى التطوع قبل الفرض و بعده: ٢٩٨/٢،مكتبة زكرياديوبند،انيس)

(۲) وقد قال القاضى قياض:ما فى الحديث من تكفير الصغائر فقط هو مذهب أهل السنة فإن الكبائر لا يكفرها إلا التوبة أو رحمةالله تعالىٰ أو فهى لا تكفر بعمل.(مرقاة المفاتيح،كتاب الصلاة: ٥٠٧/٢،دارالفكربيروت،انيس)

عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِى قَلْبِهِ، فَإِنْ تَابَ وَنَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ، صُقِلَ قَلْبُهُ، فَإِنْ زَادَ، زَادَتْ، فَذَلِكَ الرَّانُ الَّذِى ذَكَرَهُ اللَّهُ فِى كِتَابِهِ:﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾(المطففين: ١٤)(سنن ابن ماجة،باب ذكر الذنوب،رقم الحديث: ٤٢٤٤،انيس)

نفل نماز شروع کرنے سے واجب ہوجاتی ہے، اگر شروع صحیح ہو:

سوال: اگر کسی نے نفل نماز شروع کی جب ایک رکعت پڑھ لی تو معلوم ہوا کہ کپڑا ناپاک ہے، نماز شروع کرنے کے بعد توڑ دی، کیا اس نماز کا اعادہ واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

مسئلہ یہ ہے کہ نفل شروع کرنے سے واجب ہوجاتی ہے، پس جبکہ کسی نے نفل نماز شروع کرنے کے بعد کسی وجہ سے نماز توڑ دی تو اس پر اعادہ اس نماز کا واجب ہے، **هكذا فى كتب الفقه**.

لیکن درمختار میں ہے کہ اگر شروع ہی صحیح نہ ہو تو اعادہ واجب نہیں ہوتا۔ عبارتہ: **(ولزم نفل شرع فيه) بتكبيرة الاحرام أوبقيام الثالثة شروعًا صحيحًا، إلخ"**.(۱)

چوں کہ اس صورت میں شروع ہی صحیح نہیں ہوا؛ اس لیے کہ مصلی کے کپڑے اول ہی سے ناپاک تھے، لہٰذا اعادہ اس نماز کا واجب نہ ہوگا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۳۵/۴)

دو دو رکعت نفل کی قضا چار رکعت سے:

سوال (الف) اگر کسی شخص نے بہت رکعت نماز، دو رکعت کر کے پڑھنا شروع کیں؛ مگر توڑ دی تو اگر ایک دفعہ چار چار، یا آٹھ کی نیت سے قضا کر لیوے تو درست ہے، یا نہیں؟

(ب) اسی طرح اگر چار نفل، یا سنن غیر مؤکدہ اکھٹے پڑھے؛ مگر بعد میں فساد ظاہر ہوا، یا چار رکعت نماز کی نذر کی؛ مگر ادا دو دو کی تو یہ صحیح ہے، یا نہیں؟

(ج) تراویح کی نیت کر کے توڑ دی، یا سنن مؤکدہ کی نیت کر کے توڑ دی تو بعد گزرنے وقت کے قضا لازم ہے، یا نہیں؟ اور اگر وقت میں پڑھے تو نیت واجب کی کرے، یا کس کی؟

(د) متصلاً ظہر کے بعد دو نفلوں کی نیت کی؛ مگر نیت کر کے توڑ دی، پھر اسی وقت نفل اسی نیت سے پڑھ لیے کہ جو ظہر کے بعد کے پڑھے جاتے ہیں، پڑھتا ہوں؛ مگر واجب کی نیت نہ کی تو شروع فی النفل کی وجہ سے نفل لازم ہوئے تھے، ادا ہوئے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

(الف) بہتر یہ ہے کہ دو دو کی قضا کرے، چار چار کی بھی درست ہے، رات میں چھ چھ، آٹھ آٹھ کی بھی درست ہے۔

---

(۱) الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الوتر و النوافل:۲۹/۲، دار الفكر بيروت، ظفير

(ب)　اس میں چار چار پڑھنا بہتر ہے، دودو بھی صحیح ہے۔(۱)

(ج)　سنن مؤکدہ کی صورتِ مسئولہ میں قضا نہیں، (۲) تراویح کو بغیر جماعت کے قضا پڑھے، (۳) وقت میں نیت اعادہ کرے، بعد وقت نیت قضا فاسدہ کرے۔

(د)　ادا ہوجائے گی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۴/۹/۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۳۶۴/۹/۲ھ، الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (فتاویٰ محمودیہ: ۲۱۹/۷-۲۱)

جمعہ کے دن دوپہر میں نفل پڑھنا کیسا ہے:

سوال:　نماز نفل ٹھیک دوپہر میں خصوصاً جمعہ کے دن پڑھنا امام ابویوسفؒ کے قول سے ثابت ہوتا ہے۔

درمختار میں لکھا ہے:

(كره) تحريماً... واستواء) إلا يوم الجمعة علىٰ قول الثانى المصحح المعتمد. كذا فى الأشباه. ونقل الحلبى عن الحاوى أن عليه الفتوىٰ". (۴)

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

"وعن أبى يوسف قال يجوز التطوع عند انتصاف يوم الجمعة".

---

(۱)　والإعادة فعل مثله): أى مثل الواجب، ويدخل فيه النفل بعد الشروع به كما مر". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب فى تعريف الاعادة: ٦٣/٢، سعيد)

(۲)　قال العلامة ابن عابدين: "(قوله: فى وقته) فلا تقضىٰ بعده لا تبعاً ولا مقصوداً، بخلاف سنة الفجر (لاختصاص القضاء خارج الوقت بالواجبات، إلا ما ورد به الشرع). (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ٥٨/٢، سعيد) (كتاب الصلاة، مطلب هل الإساءة دون الكراهة أو أفحش، انيس)

"والشرع إنما ورد فى قضاء ركعتى الفجر عند فوتها مع الفرض قبل الزوال كما فى غداة ليلة التعريس". (الحلبى الكبير، فصل فى النوافل، فروع لوترك آه، ص: ٣٩٨، سهيل اكيڈمى لاهور)

"ولا خلاف فى سائر السنن سوىٰ سنة الفجر أنها لا تقضىٰ بعد الوقت إن فاتت وحدها، واختلف فيما إذا فاتت مع الفرض، والأصح أنها لا تقضى أيضاً لعدم ورود الشرع به، إلخ". (الحلبى الكبير، المصدر السابق، ص: ٣٩٨، سهيل اكيدمى لاهور)

(۳)　إذا فاتت التراويح، لاتقضى بجماعة، وهل تقضى بلاجماعة؟ فقيل: نعم، ما لم يدخل وقت تراويح أخرىٰ، وقيل: ما لم يمض رمضان، وقيل: لاتقضى، وهو الصحيح، آه". (الحلبى الكبير، فصل فى النوافل، فروع: لوترك، آه، ص: ٣٩٨-٣٩٩، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۴)　الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة: ١٤٨/٢، دارالفكر بيروت، انيس

چوں کہ علامہ شامی نے ردالمحتار(۱) میں بہت کچھ اختلاف کیا ہے، اس وجہ سے بعض منع فرماتے ہیں، شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب

منع کرنا ہی احوط ہے، جیسا کہ شامی میں مذکور ہے۔(۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۴/۲۳۱-۲۳۲)

نفل پڑھنے والا کسی دوسرے کے قرآن بآواز بلند پڑھنے کی وجہ سے نماز ترک نہ کرے گا:

سوال: ایک شخص مسجد میں نفل پڑھ رہا ہے، دوسرا شخص بلند آواز سے دعا مانگنے لگا اور آیاتِ قرآن شریف پڑھنے لگا تو نفل پڑھنے والا نماز توڑ کر آیتیں سنیں، یا نفل پڑھتا رہے اور جس نے نفل کی پرواہ نہ کی اس کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب

نفل نماز پڑھنے والا نماز نہ توڑے اور جس نے بلند آواز سے دعاء مانگنی شروع کی اس نے بیجا کیا اس کو آہستہ دعا مانگنی چاہیے اور قرآن شریف آہستہ پڑھنا چاہیے، نفل نماز پڑھنے والے کو قرآن شریف سننے کی وجہ سے نماز توڑنا نہ چاہیے اور اس میں وہ گنہگار نہ ہوگا، گنہگار وہ ہوگا جو ایسے موقعہ پر بلند آواز سے پڑھتا ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۴/۲۳۴)

---

(۱) وقد وقع فى عبارات الفقهاء أن الوقت المكروه هو انتصاف النهار الٰى أن تزول الشمس ... أو المراد بالنهار وهو النهار الشرعى وهو من أول طلوع الصبح الٰى غروب الشمس علٰى هٰذا يكون نصف النهار قبل الزوال بزمان يعتد به،آه، وفى القنية:اختلف فى وقت الكراهة عند الزوال،فقيل من نصف النهار الى الزوال لرواية أبى سعيد عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم نهى عن الصلاة نصف النهار حتٰى تزول الشمس قال ركن الدين الصباعى وما أحسن هٰذا؛لأن النهى عن الصلاة فيه يعتمد تصورها فيه اهـ وعزا فى القهستانى فى القول بأن المراد انتصاف النهار العرفى الٰى أئمة ما رواه النهروبأن المراد انتصاف النهارالشرعى وهو الضحوة الكبرىٰ الى الزوال الٰى أئمة خوارزم (قوله الا يوم الجمعة)لما رواه الشافعى فى مسنده نهٰى عن الصلاة نصف النهارحتٰى تزول الشمس الا يوم الجمعة،قال حافظ ابن حجر:فى اسناده انقطاع،وذكر البيهقى له شواهد ضعيفة إذا ضمت قوى ... لكن شراح الهداية انتصروا لقول الامام،وأجابوا عن الحديث المذكور بأحاديث النهى عن الصلاة وقت الاستواء فانها محرمة،وأجاب فى الفتح بحمل المطلق على المقيد،وظاهره ترجيح قول أبى يوسف،ووافقه فى الحلية كما فى البحر،لكن لم يعول عليه فى شرح المنية والامداد،علٰى أن هٰذا ليس من المواضع التى يحمل فيها المطلق على المقيد كما يعلم من كتب الأصول، وأيضاً فان حديث النهى صحيح رواه مسلم وغيره فيقدم بصحته،واتقان الأئمة على العمل به وكونه حاظرا،ولذا علماؤنا عن سنة الوضوء وتحية المسجد وركعتى الطواف ونحو ذلک فان الحاظر مقدم على المبيح.(رد المحتار، كتاب الصلاة،مطلب يشترط العلم بخول الوقت:۳۷۱/۱-۳۷۲،دار الفكر بيروت،انيس)

(۲) لٰكن شراح الهداية انتصروا لقول الإمام وأجابوا عن الحديث المذكوربأحاديث النهى عن الصلاة وقت الإستواء فإنها محرمة.(ردالمحتار،كتاب الصلاة: ۳٤٥/۱، ظفير)(مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ۲۳/۲، دارالكتب العلمية،انيس)

(۳) إلاّ أنه يجب على القارى احترامه بأن لايقرأفى الأسواق ومواضع الاشتغال فإذا قرأه فيهماكان ==

نوافل میں لمبی قرأت:

سوال: نوافل بقرأت طویل پڑھنا بہتر ہے، یا تلاوت قرآن مجید بہتر ہے؟

الجواب

نوافل بقرأت طویلہ افضل ہیں۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۲۳۴/۴)

عصر کے پہلے چار مستحب:

سوال: عصر کے چار مستحب ہمیشہ چار رکعت سنت مؤکدہ کی طرح پڑھا کرتے تھے، ایک صاحب بزرگ فرماتے ہیں کہ خاص کر عصر کے چار مستحب اور نفلوں میں بیچ کے تشہد کے بعد درود شریف اور دعا ضرور پڑھ کر اٹھ کر دو رکعت باقی پڑھے؟

الجواب

درمختار میں ہے کہ سوائے چار سنت قبل ظہر وقبل جمعہ باقی سنن ونوافل درمیان کے تشہد کے بعد درود شریف پڑھے اور شفعہ ثانیہ میں ثنا اور اعوذ بھی پڑھے، اس کو شامی نے راجح واقویٰ کہا ہے اور دوسرا قول درمختار میں یہ لکھا ہے کہ درمیان کے قعدہ میں درود شریف وغیرہ نہ پڑھے؛ مگر اس کو شامی نے ضعیف کہا ہے؛ مگر صاحب قنیہ نے اس کی تصحیح فرمائی ہے، پس اس بنا پر بے شک عصر کے قبل چار سنتوں میں درمیان کے تشہد کے بعد درود شریف اور شفعہ ثانیہ میں ثنا وغیرہ پڑھنا چاہیے، باقی اگر کوئی نہ پڑھے تو کچھ حرج نہیں ہے کہ یہ بھی ایک قول ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۲۳۸/۴-۲۳۹)

== هو المضيع لحرمته فيكون الإثم عليه دون أهل الاشتغال دفعاً للحرج في إلزامهم ترك أسبابهم المحتاج إليها وكذا لو قرأ عند من يشتغل بالتدريس أو بتكرار الفقه؛ لأنه إذا أبيح ترك الاستماع لضرورة المعاش الدنيوي فلأن يباح لضرورة الأمر الديني أولىٰ فيكون الإثم على القاري هٰذا إذا سبق الدرس على القراءة.(غنية المستملي فصل في بيان أحكام زلة القاري،فوائد تتمات،ص:٤٢٨،ظفير)

(۱) وكثرة الركوع والسجود أحب من طول القيام) كما في المجتبىٰ ورجحه في البحر لكن نظر فيه في النهر من ثلاثة أوجه ونقل عن المعراج أن هٰذا قول محمد وأن مذهب الإمام أفضلية القيام و صححه في البدائع.قلت:و هٰكذا رأيته بنسختي المجتبىٰ معزياً لمحمد فقط فتنبه.(الدرالمختار)

وفي الرد تحت قوله (من ثلاثة أوجه) ... وأقوىٰ دليل أيضاً علىٰ أفضلية طول القيام أنه صلى الله عليه وسلم كان يقوم الليل إلا قليلاً وكان لا يزيد علىٰ إحدىٰ عشرة ركعة إلخ.(الدر المختار مع رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل:١/ ٦٣٤،ظفير)

(۲) (ولايصلي على النبي صلى الله عليه وسلم في القعدة الأولىٰ في الأربع قبل الظهر والجمعة وبعدها)==

عصر کے وقت سنت ونفل:

سوال: عصر کی سنتیں پڑھنے کے بعد نوافل پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصلیًا

یہ سنتیں بھی نوافل ہی ہیں؛ کیوں کہ غیر مؤکدہ ہیں، جس قدر دل چاہے پڑھے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ محمودیہ: ۲۱۵/۷)

عصر وعشا کے فرض سے پہلے والی سنتوں کے قعدہ اولیٰ میں درود ودعا پڑھے، یا صرف التحیات:

سوال(۱) عصر وعشا کے قبل کی چار سنتوں میں بیچ کے قعدہ میں صرف التحیات پڑھ کر کھڑا ہونا چاہیے، یا درود شریف بھی پڑھے؟

(۲) اگر چار رکعت نفل کی نیت کی جاوے تو ایسی حالت میں اس کے بیچ کے قعدہ میں صرف التحیات پڑھ کر باقی رکعات پوری کرے، یا درود ودعا بھی پڑھے؟

الجواب ــــــــــــــــ

(۱-۲) درمختار میں ہے کہ سوائے سنت ظہر وجمعہ کے باقی سنن ونوافل ذات اربع رکعات میں قعدۂ اولیٰ میں

== ولو صلٰی ناسيًا فعليه السهو وقيل لا،شمنی (ولا يستفتح إذا قام إلى الثالثة منها)؛لأنها لتأكدها أشبهت الفريضة، وفی البواقی من ذوات الأربع يصلی على النبی صلی اللّٰه عليه وسلم ويستفتح) ويتعوذ ولو نذرًا؛لأن كل شفع صلاة،وقيل لا يأتی فی الكل وصححه فی القنية.(الدرالمختار علٰى هامش رد المحتار، كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل: ۹۵/۱، مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(قوله:لأن كل شفع صلاة):قدمنا بيان ذلک فی أول بحث الواجبات والمراد من بعض الأوجه كما يأتی قريباً. (قوله قيل لا إلخ قال فی البحر:ولا يخفٰى ما فيه والظاهر الأول،زاد فی المنح ومن ثم عوّلنا عليه وحكينا ما فی القنية بقيل.(رد المحتار، كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل،مطلب فی لفظ ثمان: ۱۶/۲،دار الفكر بيروت،ظفير)

(۱) عن ابن عمر رضی اللّٰه تعالٰى عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰى عليه وسلم:”رحم اللّٰه امرءً صلٰى قبل العصر أربعاً“.(أبو داؤد، كتاب الصلاة،باب الصلاة قبل العصر رقم الحديث: ۱۲۷۱،انيس)

وعن علی رضی اللّٰه تعالٰى عنه أن النبی صلی اللّٰه تعالٰى عليه وسلم كان يصلی قبل العصر ركعتين“.(سنن أبی داؤد، كتاب الصلاة،باب الصلاة قبل العصر: ۱۸۷/۱،إمدادية)(رقم الحديث: ۱۲۷۲،ص ۲۴۱،دارالفكر،بيروت، انيس)

”(قوله:ويستحب أربع قبل العصر)لم يجعل للعصر سنة راتبة؛لأنه لم يذكر فی حديث عائشة المار، بحر. قال فی الإمداد:وخير محمد بن الحسن والقدوری المصلی بين أن يصلی أربعاً أو ركعتين قبل العصر لاختلاف الآثار“. (ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل: ۱۲/۲،سعيد)

درود شریف اور تیسری رکعت میں ثنا وتعوذ پڑھے۔

وفی البواقی من ذوات الأربع یصلی علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ویستفتح ویتعوذ،إلخ.(۱)

(فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۴/۲۳۱)

عشا وعصر کی چار سنت میں قعدۂ اولیٰ پر درود شریف اور تیسری رکعت میں ثنا وتعوذ پڑھنا جائز ہے:

سوال: عشا اور عصر کی چار سنت میں دو رکعت کے بعد التحیات کے ساتھ درود شریف اور دعا اور تیسری رکعت سبحانک اللہ سے شروع کرنی چاہیے؟

الجواب

فی الدر المختار:(ولایزید)فی الفرض(علی التشهد فی القعده الأولٰی)إجماعًا.(۲)

وقال الشامی:(قوله ولا یزید فی الفرض)أی وما ألحق به کالوتر والسنن الرواتب وإن نظر صاحب البحر فیها.(۱/۵۳۲)(۳)

اس سے معلوم ہوا کہ اس حکم میں عشا وعصر کی چار سنتیں نوافل مطلقہ میں داخل ہیں۔

عبدالکریم عفی عنہ،۵رمحرم ۱۳۴۵ھ، الجواب صحیح: ظفر احمد عفی عنہ،۶رمحرم ۱۳۴۵ھ۔(امدادالاحکام:۲/۲۲۵-۲۲۶)☆

(۱)　الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار، کتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل:۱/۶۳۳،ظفیر

(۲)　الدرالمختار، کتاب الصلاة:۱/۵۰۰،دارالفکر،انیس

(۳)　ردالمحتار، کتاب الصلاة،فروع قرأ بالفارسیة أو التوراة والإنجیل:۴/۹۸،دارالفکر،انیس

☆　**قبل عشا چار رکعت کے قعدۂ اُولیٰ میں درود شریف اور تیسری رکعت میں ثنا وتعوذ پڑھنا جائز:**

سوال: عشا کی چار رکعت سنت میں جب دو رکعت پڑھ کر قعدۂ اُولیٰ سے قیام میں کھڑا ہو، تب ثنا وتعوذ پڑھ کر قرأت شروع کرے، نیز قعدۂ اولیٰ میں درود شریف ودعا پڑھے، آیا یہ درست ہے؟

الجواب

قبل عشاء چار رکعت کے قعدۂ اُولیٰ میں درود شریف اور تیسری میں ثنا وتعوذ پڑھنا جائز ہے۔

فی الهندیة:وفی الأربع قبل الظهر والجمعة وبعدها لایصلی علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی القعدة الأولٰی ولا یستفتح إذا قام إلی الثالثة بخلاف سائر ذوات الأربع من النوافل.(الفتاوی الهندیة،کتاب الصلاة،الباب التاسع فی النوافل من المندوبات صلاة الضحی:۳/۴۷۷،دارالفکر،انیس)

شامی میں ہے:(ولایصلی علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی القعدة الأولٰی فی الأربع قبل الظهر والجمعة بعدها)... (ولایستفتح إذا قام إلی الثالثة منها)...(وفی البواقی من ذوات الأربع یصلی علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم.(الدر المختار علٰی هامش ردالمحتار، کتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل:۵/۱۰۱،دارالفکر،انیس)

کتبہ عبدالکریم عفی عنہ ۱۴رصفر ۱۳۴۴ھ۔(امدادالاحکام:۲/۲۲۵)

عصر کی فرض نماز کے بعد نوافل، یا قضا نمازوں کا پڑھنا کیسا ہے:

سوال: عصر کی فرض پڑھ لینے کے بعد عصر کی سنت، یا کوئی قضا نماز پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

عصر کی فرض نماز پڑھ لینے کے بعد کوئی نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی،۲۳/۱۰/۱۳۷۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲۰۸/۲)

مغرب کی اذان واقامت کے درمیان دو رکعت نفل پڑھنا:

سوال: بعد غروب آفتاب قبل نماز مغرب حدیث صحیح سے دو رکعت نماز نفل پڑھنا ثابت ہے؛ مگر حنفیہ کے نزدیک مکروہ لکھا ہے، لہٰذا اس کے مکروہ ہونے کی کیا دلیل ہے؟

(المستفتی: ممتاز علی کلانور ضلع رہتک)

الجواب ـــــــــــــــ

بے شک صحیح حدیث سے بعض صحابہ کا اذان مغرب کے وقت دو رکعت نماز پڑھنا ثابت ہے؛ مگر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے کبھی نہیں پڑھی ہیں۔

عن منصور عن أبيه قال: ماصلّٰى أبوبكر ولاعمر ولاعثمان الركعتين قبل المغرب (عن مسدد) كذا في كنز العمال.(۲)

یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے مغرب سے پہلے دو رکعتیں نہیں پڑھی ہیں اور فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ نے تسلیم کیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نہیں پڑھی ہیں۔

أما كونه صلى اللّٰه عليه وسلم لم يصلهما فلاينفي الاستحباب، إلخ.(۳)

---

(۱) عصر کی فرض نماز پڑھ لینے کے بعد نوافل وسنن کا پڑھنا مکروہ ہے، قضا نماز پڑھ سکتے ہیں۔ بلا کراہت درست ہے۔[مجاہد]

(عن علي أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم نهى عن الصلاة بعد العصر إلا والشمس مرتفعة.(أبوداؤد، كتاب الصلاة، باب من رخص فيهما إذا كانت الشمس مرتفعة، رقم الحديث: ١٢٧٤، انيس)

عن علي قال كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم يصلي في أثر كل صلاة مكتوبة ركعتين إلا الفجر والعصر. (أبوداؤد، كتاب الصلاة، باب من رخص فيهما إذا كانت الشمس مرتفعة رقم الحديث: ١٢٧٥، انيس)

(وكره نفل)...(بعد صلاة فجر و) صلاة (عصر)...(لا) يكره (قضاء فائتة و) لو وترًا أو (سجدة تلاوة وصلاة جنازة).(ردالمحتار، كتاب الصلاة: ١٥٧/٣، دار الفكر، انيس)

(۲) باب المغرب وما يتعلق به: ٥٠/٨، ط: بيروت لبنان

(۳) فتح الباري، كتاب الأذان، باب كم بين الأذان والاقامة: ٩٠/٢، ط: مصر

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں یہ بھی لکھا ہے:

وروی عن ابن عمر قال: مارأیت أحدًا یصلیھما علٰی عھد النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وعن الخلفاء الأربعة وجماعة من الصحابة أنھم کانوا لایصلونھما. (۱)

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کسی کو یہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا اور خلفائے اربعہ اور صحابۂ کرام کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ یہ سب یہ دو رکعتیں نہیں پڑھتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

عن أنس بن مالک کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یخرج علینا بعد غروب الشمس وقبل صلاة المغرب فیرانا نصلی فلایأمرنا ولاینھانا. (کنزالعمال عن ابن النجا)(۲)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ سے باہر تشریف لاتے تھے تو ہم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے، نہ تو ہم کو منع فرماتے تھے اور نہ نماز پڑھنے کے لیے حکم دیتے تھے۔

حنفیہ اس خیال سے کہ اس وقت نوافل کی اجازت سے فرض مغرب میں تاخیر ہوگی، خلاف اولیٰ، یا مکروہ تنزیہی کہتے ہیں۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۳۱۴-۳۱۵)

مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا کیسا ہے:

سوال: مولانا محمد عاصم صاحب اپنی تالیف ''فقہ السنۃ'' کے صفحہ: ۱۵۰ پر ''مغرب سے پہلے دو رکعتیں'' کے عنوان سے یوں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مغرب سے پہلے نماز پڑھو'' مغرب سے پہلے نماز پڑھو اور تیسری مرتبہ اس اندیشہ سے کہ لوگ اسے سنت ہی نہ بنالیں، آپ نے فرمایا: یہ اس شخص کے لیے ہے، جو ایسا کرنا چاہے۔ (بخاری)(۳)

(۱) امام مالک کے نزدیک وقت تنگ ہونے کی وجہ سے مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے نفل پڑھنا مکروہ ہے، امام شافعی، امام احمد بن حنبل کے نزدیک ان کا پڑھنا مستحب ہے، حنفی علما کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے؛

---

(۱) فتح الباری، کتاب الأذان، باب کم بین الأذان والاقامة: ۲/۹۰، ط: مصر

(۲) کنزالعمال، باب المغرب وما یتعلق بہ: ۸/۵۳، ط بیروت، لبنان

(۳) عن عبداللّٰہ المزنی عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: صلوا قبل صلاة المغرب، قال فی الثالثة: لمن شاء کراھیة أن یتخذھا الناس سنة. (صحیح البخاری، باب الصلاة قبل المغرب، رقم الحدیث: ۱۱۸۳، انیس)

لیکن صحیح یہ ہے کہ اگران سے تکبیر تحریمہ کے چھوٹ جانے کا اندیشہ نہ ہوتو ان کا پڑھنا مستحب ہے۔

مذکورہ بالا حدیث اور فقہی تصریحات کی روشنی میں حنفی علما کے اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انفرادی طور پر مغرب سے قبل دورکعت سنت غیر مؤکدہ کا پڑھنا باعث ثواب ہے، یانہیں؟ اجتماعی طور پر اس سنت پر عمل متروک کیوں ہے؟ اس سلسلہ میں صحیح قول کیا ہے؟

(۲)　اگر کسی مسجد کے تمام مصلیان باہمی رضامندی سے مغرب کی اذان اور جماعت کے درمیان پانچ منٹ کا وقفہ رکھ کر اس نفل کو ادا کرنا چاہیں تو اس کی شرعاً اجازت ہے، یانہیں؟ اگر کچھ مسلمان اس سنت پر عمل کررہے ہوں تو ان کو جبراً اس عمل سے باز رکھنا کیسا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مغرب سے قبل دورکعت نفل پڑھنے کے سلسلے میں روایات مختلف ہیں، اس وجہ سے صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین اورفقہا کرام میں بھی اختلاف ہے، ایک جماعت کا کہنا ہے کہ مغرب سے پہلے دورکعت نماز پڑھنا جائز ہے اور ایک بہت بڑی جماعت کا کہنا یہ ہے کہ مغرب سے پہلے دورکعت نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے، بڑے بڑے صحابہ مثلاً حضرت ابوبکر اور حضرت عمر، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم اسی کے قائل ہیں۔ اوران حضرات کا عمل بھی مغرب سے پہلے دورکعت نماز نہ پڑھنے کا رہا ہے:

قال النخعي: لم يصلهما أبو بكر ولا عمر ولا عثمان. (۱)

امام ابوحنیفہ اورفقہا کی ایک جماعت کا مسلک بھی یہی ہے، جہاں تک ان روایات کا تعلق ہے جن سے مغرب سے پہلے دورکعت نماز پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے، وہ یا تو ابتداء اسلام پر محمول ہیں، یا فوت شدہ نمازوں پر۔

وقيل: حديث عبد الله المزني محمول على أنه في أول الإسلام، كذا في العيني. (۲)

ما أرسله النخعي من أنه صلى الله عليه وسلم لم يصلهما، لجواز كون ما صلاه قضاء عن فائته. (بذل المجهود: ۲۷۰/۲)

پھر یہ کہ جب لوگ نفل پڑھنے میں مشغول ہوں گے تو وقفہ وقفہ سے آتے جائیں گے اور پڑھتے جائیں گے اگر امام ان کا انتظار کرے تو مغرب میں تاخیر ہوگی جب کہ مغرب کا وقت مختصر رہتا ہے اور اگر امام انتظار نہیں کرتا ہے تو پھر تکبیر اولیٰ فوت ہوتی ہے اور اگر اذان کے وقت نماز پڑھتے ہیں تو پھر اذان کا جواب نہیں دے سکیں گے، جو صحیح احادیث سے ثابت ہے، لہٰذا ان خرابیوں کی وجہ سے افضل وبہتر یہ ہے کہ اس وقت میں نفل نماز نہ پڑھی جائے۔

---

(۱)　حاشية السنن لأبي داؤد، باب الصلاة قبل المغرب: ۱۸۹/۱، مكتبة حقانية ملتان، انيس

(۲)　حاشية السنن لأبي داؤد: ۱۸۹/۱، مكتبة حقانية ملتان، انيس

واضح رہے کہ اس مسئلہ کو اختلاف وانتشار کا ذریعہ نہ بنائیں، جہاں جس طرح عمل ہو رہا ہے، ہونے دیا جائے۔(۱)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم
محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۴۱۴/۶/۱۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۵۲/۲-۴۵۴)

---

(۱) مغرب کے وقت اذان واقامت کے درمیان دو رکعت نفل پڑھنا، اس سلسلہ میں امام ابوداؤد نے عبداللہ المزنی، انس بن مالک، عبد اللہ بن مغفل اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی روایات نقل کی ہیں، جو ذیل میں درج ہیں:

عن عبدالله المزنی قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: صلوا قبل المغرب رکعتین ثم قال: صلوا قبل المغرب رکعتین لمن شاء خشیة أن یتخذ هاالناس سنة. (أبو داؤد، کتاب الصلاة، باب الصلاة قبل المغرب، رقم الحدیث: ۱۲۱۸، ص: ۲۴۲، ۲۴۳، دار الفکر، بیروت، انیس)

عن أنس بن مالک قال: صلیت الرکعتین قبل المغرب علیٰ عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم قال قلت؛ لأنس أراکم رسول الله صلی الله علیه وسلم؟ قال نعم، رآنا فلم یأمرنا، ولم ینهنا. (أبو داؤد، کتاب الصلاة، باب الصلاة قبل المغرب، رقم الحدیث: ۱۲۸۲، ص: ۲۴۳، دار الفکر بیروت، انیس)

عن عبد اللّٰه بن مغفل قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم بین کل أذانین صلاة بین کل أذانین صلاة لمن شاء. (أبو داؤد، باب الصلاة قبل المغرب، رقم الحدیث: ۱۲۸۳، ص: ۲۴۳، دار الفکر بیروت، انیس)

عن طاؤس قال: سئل ابن عمر عن الرکعتین قبل المغرب؟ فقال: ما رأیت أحدًا علیٰ عهد رسول الله صلی اللّٰه علیه وسلم یصلیهما ورخص فی الرکعتین بعد العصر. (أبو داؤد: ۱۸۶/۲، ۱۸۷) (أبو داؤد، کتاب الصلاة، باب الصلاة قبل المغرب، رقم الحدیث: ۱۲۸۴، ص: ۲۴۳، دار الفکر، بیروت، انیس)

عن عبد الله بن مغفل عن البنی صلی الله علیه وسلم قال بین کل أذانین صلاة لمن شاء وفی الباب عن عبد اللّٰه بن الزبیر، قال أبو عیسیٰ: حدیث عبد الله بن مغفل حدیث حسن صحیح، وقد اختلف أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم فی الصلاة قبل المغرب: فلم یر بعضهم الصلاة قبل المغرب. وقد روی من غیر واحد من أصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أنهم کانوا یصلون قبل صلاة المغرب رکعتین بین الأذان والاقامة. (جامع الترمذی، أبواب الصلاة، باب ماجاء فی الصلاة قبل المغرب: ۳۵۱/۱-۳۵۲)

امام ترمذی اور دیگر ائمہ حدیث نے بھی اس مضمون کی روایات نقل کی ہیں، حدیث قولی میں جو چاہے اسے یہ دو رکعت پڑھنے کا اختیار دیا گیا ہے، البتہ عام طور پر صحابہ میں یہ معمولی نہیں تھا۔ تمام احادیث اور معمولات صحابہ کو دیکھتے ہوئے کہا جانا چاہیے کہ ان دو رکعات نفل کے پڑھنے پر اصرار کہ جو نہ پڑھے اسے خاطی تصور کیا جائے، یا جو پڑھے، اس پر نکیر کی جائے، دونوں طریقے صحیح نہیں ہیں، اکثر اکابر صحابہ کا عمل اس کے ترک کا ہے اور اذان مغرب کے فوراً بعد اقامت فریضہ کی طرف مبادرت معمول بہ رہا ہے؛ لیکن اگر کوئی چاہے اور موقع ہو اور دو رکعت نفل پڑھ لے تو اس پر نکیر بھی نہیں کی جانی چاہیے۔ [مجاہد]

أما تلک الرکعتان اللتان قبل المغرب فلیستا من السنن فی شئ قال النخعی لم یصل أبوبکر ولا عمر ولا عثمان الرکعتین قبل المغرب. (عبدالرزای: ۴۳۵/۲) بل کان النخعی یعتبرها بدعة (نیل الأوطار: ۸/۲)

قال حماد! سألت إبراهیم عن الصلاة قبل المغرب فنهانی عنها. (کتاب الآثار للإمام محمد: ۳۷۴/۱) ==

ظہر، مغرب اور عشا کے بعد نوافل:

سوال: نفل پڑھنا بعد ظہر ومغرب وعشا سنت سے ثابت ہے، یا نہیں؟

الجواب

سنت سے ثابت ہے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند: ۲۰۴/۴)

== ولعل الذی حدًا بالنخعی؛لأن یأخذ بکراهة الرکعتین قبل المغرب هوما صح عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم من الحث علٰی تعجیل صلٰوۃ المغرب،وصلا تهما تؤدی إلٰی تأخیرها،وعدم استحباب الخلفاء الراشیدین الأربعة (نیل الأوطار: ۸/۲)(موسوعة فقه إبراهیم النخعی عصره وحیاته: ۶۷۲/۲)

أما الرکعتان قبل المغرب فلیستا من الرواتب فقد روی عبد الرازق عن عمرأنه لم یصل الرکعتین قبل المغرب.(عبدالرازق: ۴۳۵/۲)(موسوعة فقه عمر بن الخطاب عصره وحیاته :ص: ۵۸۴)

التنفل قبل المغرب: کان أبوبکرالصدیق رضی اللّٰه عنه یبتدرصلاة الفریضة فورأذان المغرب،لایصلی قبلها شیئا من النوافل فقد أثرعنه أنه لم یصل الرکعتین قبل المغرب.(عبد الرازق: ۴۳۵/۲، المحلی: ۲۵۳/۲، کنزالعمال: ۵۰/۸) (موسوعة فقه أبی بکر الصدیق،ص: ۱۷۱)

لقد ورد النص عن عثمان بن عفان رضی اللّٰه تعالٰی عنه أنه لم یصل الرکعتین قبل صلاة المغرب.(عبد الرازق: ۴۳۵/۲،کنز العمال: ۷۱۱/۱۵)(موسوعة فقه عثمان بن عفان،ص: ۲۰۴)

(۱) عن عائشة قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من ثابر علٰی ثنتی عشرة رکعة من السنة بنی اللّٰه له بیتا فی الجنة أربع رکعات قبل الظهرورکعتین بعدها ورکعتین بعد المغرب ورکعتین بعد العشاء ورکعتین قبل الظهر.(جامع الترمذی،باب ماجاء فیمن صلٰی فی یوم ولیلة ثنتی عشرة رکعة من السنة،رقم الحدیث: ۴۱۴،انیس)

عن أم حبیبة قالت:"قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:"من صلٰی فی یوم ولیلة ثنتی عشرة رکعة بنی له بیت فی الجنة، أربعاً قبل الظهرو رکعتین بعدها ورکعتین بعد المغرب ورکعتین بعد العشاء ورکعتین قبل صلاة الفجر". {رواه الترمذی}(مشکٰوة،باب السنن وفضائلها: ۱۰۳/۱)(جامع الترمذی، کتاب الصلاة،باب من جاء فیمن صلٰی فی یوم ولیلة ثنتی عشرة رکعة من السنة،رقم الحدیث: ۴۱۵،ص: ۹۰،بیت الأفکارالدولیة،انیس)

(ویستحب أربع قبل العصروقبل العشاء وبعدها بتسلیمة) وإن شاء رکعتین وکذا بعد الظهر لحدیث الترمذی: "من حافظ علٰی أربع قبل الظهروأربع بعدها حرم اللّٰه علی النار" (وست بعد المغرب)لیکتب من الأوابین (بتسلیمة)أوثنتین أو ثلاث".(الدرالمختارعلٰی هامش رد المحتار،باب الوترو النوافل،مطلب فی السنن: ۶۳۰/۱،ظفیر)

عن عنبسة بن أبی سفیان قال: قالت أم حبیبة زوج النبی صلی اللّٰه علیه وسلم: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:"من حافظ علٰی أربع رکعات قبل الظهروأربع بعد الظهرحرم اللّٰه علی النار".(أبوداؤد،کتاب الصلاة،باب الأربع قبل الظهروبعدها،رقم الحدیث: ۱۲۶۹،انیس)

عن أبی هریرة قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من صلٰی بعد المغرب ست رکعات لم یتکلم فیما بینهن بسوء عدلن له بعبادة ثنتی عشرة سنة.(جامع الترمذی، کتاب الصلاة،باب من جاء فی فضل التطوع وست رکعات بعد المغرب،رقم الحدیث: ۴۳۵،انیس)

ظہر، مغرب اور عشا کے بعد دو نفلیں:

سوال: بعض لوگ دو رکعت نفل بعد سنتِ ظہر اور دو نفل بعد سنتِ مغرب اور دو نفل بعد سنتِ عشا کے پڑھتے ہیں، جو نہیں پڑھتے ان پر اعتراض کرتے ہیں، نہ پڑھنے والے کہتے ہیں کہ ان نوافل کا ثبوت حدیث وفقہ میں نہیں ہے، لہٰذا ان کا ثبوت مدلل تحریر فرماویں؟　　(سائل: رشید احمد، سہارنپور)

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

نوافل مذکورہ کا ثبوت کتب معتبرہ سے ہے۔

فی المراقی الفلاح: (و) منها (ركعتان بعد الظهر) ويندب أن يضم إليهما ركعتين فتصير أربعاً".

قال الطحطاوی: "وهو مخير إن شاء جعلها بسلام واحد، وإن شاء جعلها بسلامين، آه. (۱)

بعد مغرب روایات میں دو نفلیں بھی ہیں، چار بھی چھ بھی حتیٰ کہ بیس بھی وارد ہیں۔

"عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه أنه عليه السلام قال: "من صلیٰ أربعاً بعد المغرب قبل أن يكلم أحداً، رفعت له عليين، وكان كمن أدرك ليلة القدر فی المسجد الأقصیٰ، وهی خير من قيام نصف ليلة". (الحديث) (الكبيری، ص: ۳۳٤) (۲)

وفی المبسوط: "وإن تطوع بعد المغرب بست ركعات، فهو أفضل". (۳)

وفی الطحطاوی: "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أنه عليه السلام قال: "من صلیٰ بعد المغرب عشرين ركعةً بنیٰ الله له بيتاً فی الجنة". (۴)

درمختار میں ہے:

(ويستحب أربع قبل العصر وقبل العشاء وبعدها بتسليمة)، وإن شاء ركعتين، وكذا بعد

---

(۱) مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی، فصل فی بيان النوافل، ص: ۳۸۸-۳۸۹، قديمی

(۲) الحلبی الكبير، فصل فی النوافل، ص: ۳۸۵، سهيل اكيڈمی، لاهور / المبسوط للسرخسی، كتاب الصلاة، باب مواقيت الصلاة: ۱/۱٤۵، مكتبة حبيبية، كوئٹة

(۳) المبسوط للسرخسی، باب مواقيت الصلاة: ۱/۱۵۷، دار المعرفة بيروت، انيس

عن عائشة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: من صلیٰ بعد المغرب عشرين ركعة بنی الله بيتاً فی الجنة. (جامع الترمذی، كتاب الصلاة، باب ما جاء فی فضل التطوع ست ركعات بعد المغرب: ۱/۹۸، انيس)

(۴) مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی، كتاب الصلاة، فصل فی بيان النوافل، ص: ۳۸۸-۳۹۰، قديمی

الظهر لحديث الترمذي: ”من حافظ علیٰ أربع قبل الظهر وأربع بعدها حرمه الله علیٰ النار“ (وست بعد المغرب) ليكتب من الأوابين (بتسليمة) أوثنتين أوثلاث، والأول أدوم وأشق. وهل تحسب المؤكدة من المستحب، ويؤدى الكل بتسليمة واحدة؟ اختار الكمال: نعم“. (۱)

قال الشامي تحت: ”(قوله: وإن شاء ركعتين): كذا عبر في منية المصلي وفي الإمداد عن الاختيار، يستحب أن يصلي قبل العشاء أربعاً، وقيل: ركعتين وبعدها أربعاً، وقيل: ركعتين آه، و الظاهر أن الركعتين المذكورتين غير المؤكدتين... وقال تحت: ”(قوله: اختار الكمال: نعم) ذكر الكمال في فتح القدير أنه وقع اختلاف بين أهل عصره في أن الأربع المستحبة هل هي أربع مستقلة غير ركعتي الراتبة أو أربع بهما؟ وعلى الثاني هل تؤدى معهما بتسليمة واحدة أو لا؟ فقال جماعة: لا واختار هو أنه إذا صلیٰ أربعاً بتسليمة أو تسليمتين، وقع عن السنة والمندوب“، إلخ. (۲)

لہٰذا نوافل مذکورہ کا انکار واقفیت پر مبنی ہے، البتہ نوافل و مستحبات کے ساتھ واجبات کا سا معاملہ کرنا ناجائز اور برا ہے، اس سے اجتناب چاہیے اور ایسی حالت میں کبھی کبھی ترک بھی کر دینا چاہیے اور ان نوافل کے نہ پڑھنے والوں پر اعتراض نہ کرنا چاہیے؛ کیوں کہ ان کے پڑھنے سے ثواب ہوتا ہے اور نہ پڑھنے سے کوئی عذاب نہیں ہوتا۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱/۱۳۵۳ھ۔
صحیح: عبد اللطیف، ۱۶/محرم الحرام/۱۳۵۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۲۰۴-۲۰۵) ☆

(۱) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۹۵/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس
(۲) ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ۱۳/۲-۱٤، سعيد (كتاب الصلاة، مطلب في السنن و النوافل، انيس)
(۳) قال الملا علی القاري: ”قال الطيبي: وفيه أن من أصر علیٰ أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الاضلال، فكيف من أصر علیٰ بدعة أو منكر، وجاء في حديث ابن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه: ”إن الله عزوجل يحب أن تؤتیٰ رُخَصُة“ كما يحب أن تؤتیٰ عزائمه“. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول: ۳۱/۳، رشيدية)

☆ مغرب، عشا، ظہر کے بعد کی نفلیں:

سوال: مغرب، عشا اور ظہر کے بعد عوام دو دو رکعت نماز نفل پڑھتے ہیں، کیا اس کی بھی اصل ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلياً

دو رکعت بھی ثابت ہیں، چار بھی ثابت ہیں، چھ بھی اور مغرب میں بیس تک بھی ثابت ہیں۔ (عن علي رضي الله تعالیٰ عنه قال: كان رسول الله تعالیٰ عليه وسلم: ”يصلي في اثر كل صلاة مكتوبة ركعتين، إلا الفجر والعصر“. (سنن أبي داؤد، باب من رخص فيهما إذا كانت الشمس مرتفعةً: ۱۸/۱، مكتبة إمدادية) (رقم الحديث: ۱۲۷۵، انيس) ==

عشا کے پہلے چار سنتیں:

سوال: عشا سے پہلے چار سنتیں پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب

عشا سے پہلے چار سنت پڑھنا مستحب اور افضل ہے، سنت مؤکدہ نہیں ہے؛(۱) کیوں کہ سننِ مؤکدہ دن رات میں

== عن عنبسة بن أبی سفیان قال:قالت أم حبیبة رضی اللّٰه تعالٰی عنها زوج النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم:قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم:"من حافظ علٰی أربع رکعات قبل الظهروأربع بعدها،حرم علٰی النار".(سنن أبی داؤد،کتاب الصلاة،باب الأربع قبل الظهر وبعدها: ۱۸۷/۱،مکتبة إمدادیة،ملتان)(رقم الحدیث: ۱۲۶۹،انیس)

عن شریح بن هانی عن عائشة رضی اللّٰه تعالٰی عنها قال:سألتها عن صلاة رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فقالت: ماصلٰی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم العشاء قط، فدخل علّی إلاصلٰی أربع رکعات أوست رکعات".(سنن أبی داؤد،کتاب الصلاة،باب الصلاة بعد العشاء: ۱۹۲/۱،رقم الحدیث: ۱۳۰۳، دارالفکر،انیس)

وعن أبی هریرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال:قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم:"من صلٰی بعد المغرب ست رکعات لم یتکلم فیها بینهن بسوءٍ،عُدلن له بعبادة ثنتیی عشرة سنة".(سنن الترمذی،أبواب الصلاة، باب ماجاء فی فضل التطوع ست رکعات بعد المغرب: ۹۸/۱،اشرفی بکڈپو،انیس)

وعن عائشة رضی اللّٰه تعالٰی عنها عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم:قال"من صلٰی بعد المغرب عشرین رکعةً، بنٰی اللّٰه له بیتاً فی الجنة".(سنن الترمذی،أبواب الصلاة،باب ما جاء فی فضل التطوع ست رکعات بعد المغرب: ۹۸/۱،سعید) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۷/۱۳۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۷/۱۳۹۲ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۲۰۳/۷)

ظہر ومغرب اور عشا کے بعد کے نوافل پابندی سے پڑھنا ضروری ہے، یا کبھی کبھی ترک بھی کرے:

سوال: ظہر، مغرب اور عشا میں دو رکعت سنت کے بعد دو رکعت نفل پڑھتے ہیں، یہ نوافل ہمیشہ پڑھنا اور کبھی نہ ترک کرنا اچھا ہے یا کبھی کبھی ترک کرنا مناسب ہے؟

الجواب

نوافل میں اختیار ہے، خواہ کبھی ترک کردے، یا ہمیشہ نفل سمجھ کر پڑھتا رہے کہ اس میں یہ اندیشہ نہیں ہے کہ ان کو کوئی فرض سمجھ لے گا اور پھر بھی بہتر ہے کہ گاہ گاہ ترک کردے۔(وبه یظهرأن کون ترک المستحب راجعاً إلٰی خلاف الأولٰی لایلزم منه أن یکون مکروهاً إلا بنهی خاص.(رد المحتار،کتاب الصلاة،باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها،مطلب فی بیان السنة والمستحب و المندوب والمکروه وخلاف الأولٰی: ۵۶۳/۱،دار الفکر بیروت،ظفیر)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۴۰/۴)

(۱) (ویستحب أربع قبل العصروقبل العشاء وبعدها بتسلیمة).(الدرالمختارعلٰی هامش رد المحتار،کتاب الصلاة،باب الوتروالنوافل: ۶۳۰/۱،ظفیر)

بارہ ہیں، چار رکعت قبل ظہر اور دو رکعت بعد ظہر اور دو رکعت بعد مغرب اور دو رکعت بعد عشا اور دو رکعت قبل فرض صبح۔ یہ کل بارہ رکعت سنت مؤکدہ ہیں، (۱) اور قبل عصر چار رکعت یا دو رکعت اور قبل عشا چار رکعت یا دو رکعت یہ مستحب ہیں، لقوله عليه الصلاة والسلام: ”بين كل أذانين صلوٰة“. (الحديث) (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۳۵/۴) ☆

تحقیق چار رکعت قبل العشاء:

سوال: قبل از عشا چار رکعت سنت کس حدیث سے ثابت ہیں، شیخ دہلویؒ نے لمعات میں لکھا ہے کہ میں نے کوئی حدیث اس مضمون کی نہیں دیکھی، فقہا نے اس کو کہاں سے ثابت کیا؟

الجواب

شاید ظہر، یا عصر پر قیاس کیا ہو۔ فقط واللہ اعلم (۳)

۱۵/ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد: ۸۸/۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۴۶۹/۱)

(۱) (وسن) مؤكدًا (أربع قبل الظهر) أربع قبل (الجمعة) وأربع (بعدها بتسليمة) ،إلخ...(وركعتان قبل الصبح وبعد الظهر والمغرب والعشاء). (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ٩٥/١، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) مشكاة المصابيح، باب فضل الأذان، فصل أول، ص: ٦٥، ظفير

عن عبد الله بن مغفل قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: بين كل أذانين صلاة بين كل أذانين صلاة، ثم قال في الثالثة: لمن شاء. (صحيح البخاري، باب كم بين كل أذانين صلاة من شاء: ٨٧/١، قديمي، انيس)

☆ عشا سے پہلے چار سنتیں اور اس کا ثبوت:

سوال: زید کا دعویٰ ہے کہ نماز عشا سے پہلے چار رکعت سنت کا ثبوت کسی صحیح حدیث سے نہیں ملتا، آیا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب

درمختار میں ہے:

(ويستحب أربع قبل العصر وقبل العشاء وبعدها بتسليمة) وإن شاء ركعتين. (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ٦٣٠/١، ظفير)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبل العصر وقبل العشاء دو یا چار رکعت پڑھنے میں اختیار ہے اور یہ سنن مؤکدہ نہیں ہیں۔ مستحب ہیں، چاہے پڑھے، چاہے نہ پڑھے؛ مگر پڑھنے میں ثواب ہے۔

اور حدیث: ”بين كل أذانين صلاة“. (الحديث) (عن عبد الله بن مغفل قال النبي صلى الله عليه وسلم: بين كل أذانين صلاة بين كل أذانين صلاة، ثم قال في الثالثة: لمن شاء. (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب بين كل أذانين صلاة لمن شاء: ٨٧/١، قديمي، انيس) استحباب نوافل قبل العشاء بھی ثابت ہیں۔ (البتہ مغرب کے پہلے کوئی نفل عند الاحناف نہیں ہے اور اس کی تائید بریدۃ الاسلمی کی حدیث سے ہوتی ہے۔ ظفیر) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۳۷/۴)

(۳) اس تحریر کے بعد صغیری دیکھنے سے اس مسئلہ کا جواب جو عبارت ذیل منقولہ عن الصغیری سے ظاہر ہوتا ہے، معلوم ہوا، وہ عبارت یہ ہے: ==

عشا سے قبل چار رکعات کا حکم:

سوال: محلّہ کی مسجد میں پیش امام صاحب برابر عشا کی فرض نماز کے قبل والی سنت غیر مؤکدہ کو وقت رہنے پر بھی ترک کر دیتے ہیں اور ہمیشہ ترک کر دیتے ہیں، وقت رہنے پر ادا کرنے کی طرف توجہ دلاتے ہیں تو اس پر جواباً کہتے ہیں کہ اس کو نہ پڑھنے سے گناہ نہیں ہوتا، میں نے کہا آپ برابر ترک کرتے ہیں، وقت رہنے پر برابر ترک کرنا گناہ ہے؛ لیکن وہ نہیں مانتے اور نہیں پڑھتے، حالاں کہ مقتدی پڑھتے ہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

عشا کے قبل چار رکعت سنت غیر مؤکدہ ہے، اس کو ادا کرنے سے فضیلت اور ثواب کا مستحق ہوگا اور ترک کرنے سے گنہگار نہیں ہوگا۔(۱)

البحر الرائق میں ہے:

وأما الأربع قبل العشاء فذكروا في بيانه أنه لم يثبت أن التطوع بها من السنن الراتبة فكان حسنًا.

قال المحشي: وذكر في المحيط إن تطوع قبل العصر بأربع وقبل العشاء بأربع فحسن؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم لم يواظب عليها. (۵٤/۲)(۲) فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم

محمد بشیر احمد، ۲۰ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۴۴۰-۴۴۱)

عشا کے فرض سے پہلے چار رکعت سنتِ مؤکدہ ہے، یا غیر مؤکدہ:

سوال: عشا سے پہلے جو چار رکعت سنت سمجھ کر لوگ پڑھتے ہیں، یہ سنتِ مؤکدہ ہے، یا غیر مؤکدہ؟ ان کا ثبوت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، یا نہیں؟ میں نے سنا ہے کہ ان کا ثبوت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے، کیا یہ بات درست ہے؟

== قال الحلبي في الغنية أما الأربع قبل العشاء فلم يذكر في خصوصها حديث لكن يستدل له بعموم مارواه الجماعة من حديث عبد الله بن مغفل أنه صلى الله عليه وسلم قال بين كل أذانين صلٰوة، بين كل أذانين صلٰوة ثم قال في الثالثة لمن شاء فهٰذا مع عدم المانع من التنفل قبلها يفيد الاستحباب لكن كونها أربعًا يتمشى علىٰ قول أبي حنيفة؛ لأنها الأفضل عنده، (حلبي كبيري، كتاب الصلاة، فصل في النوافل، ص: ۳۸۵، انيس)

(۱) (ويستحب أربع قبل العصر، وقبل العشاء وبعدها بتسليمة). (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۹۵/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) البحر الرائق شرح كنز الدقائق مع منحة الخالق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۸۸/۲-۸۹، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

صراحۃً اس کا ثبوت حدیث سے نہیں ملتا، اس کو سنتِ مؤکدہ کہنا صحیح نہیں، ایک روایت عمومی ہے کہ ہر دو اذان واقامت کے درمیان نماز ہے، اس عام روایت کے ذیل میں یہ سنتیں بھی داخل ہیں۔ (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳؍۱؍۱۳۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴؍۱؍۱۳۹۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷؍۲۰۷)

عشا سے قبل اور بعد سنت:

سوال: عشا کی فرض سے قبل عام طور سے لوگ ۴؍رکعت بہ نیتِ سنت ادا کرتے ہیں، کتبِ احادیث میں اس کا ثبوت ہے، یا نہیں؟ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عمل ثابت ہے، یا نہیں؟

کبیری کی عبارت سے تو اس کی سند نہیں ملتی، ملاحظہ ہو:

”وذكر في المحيط: ان تطوع قبل العصر بأربع، وقبل العشاء فحسن؛ لأن النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم لم یواظب علیهما، أما عدم مواظبته علیه الصلاة والسلام ما قبل العشاء فمقرر، بل لم یروأنه صلاها فضلا عن المواظبة“. (الكبيرى، ص: ۳۸۸) (۲)

”أما الأربع قبلها، فلم یذکر فی خصوصها“. (وأيضاً، ص: ٤٣٤) (۳)

اور اسی پر میرا عمل ہے، لہٰذا اگر اس کی کوئی اور سند ہو تو تحریر فرمائیں؟

(۲) وتر کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھنا بہتر ہے، یا کھڑا ہو کر پڑھنا سنت ہے، مشکوٰۃ شریف کی حسب ذیل عبارت پر میرا عمل ہے۔ اب حضرت والا مستند حدیث تحریر فرمائیں؟

---

(۱) **عن عبد اللّٰه بن مغفل رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال: قال النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم: ”بین کل أذانین صلاة، بین کل أذانین صلاة، ثم قال فی الثالثة: لمن شاء“ رواه البخاری“. (صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب بین کل أذانین صلاة لمن شاء: ۸۷/۱، رقم الحدیث: ٦١٨، انیس)**

”قوله: عن عبد اللّٰه بن مغفل رضی اللّٰه تعالٰی عنه“ وقوله عن عبد اللّٰه بن الزبیر، الخ، قال المؤلف: ”الأول: یفسره الثانی: أی بین قدر رکعات الصلاة، فثبت بمجموعهما الترغیب فی الرکعتین قبل کل صلاة مفروضة، فتستحب الرکعتان قبل العشاء، وفی ”غنیة المستملی“: وأما الأربع قبلها (أی قبل صلاة العشاء) فلم یذکر فی خصوصها حدیث لکن یستدل له بعموم ما رواه الجماعة من حدیث عبد اللّٰه بن مغفل إلخ فهٰذا مع عدم المانع من التنفل قبلها یفید الاستحباب، لٰکن لکونها أربعاً یتمشٰی علٰی قول أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالٰی؛ لأنها الأفضل عنده“. (إعلاء السنن، کتاب الصلاة، باب النوافل والسنن: ١٦/٧، رقم الحدیث: ١٧٦٩، إدارة القرآن کراچی)

(۲) **الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، ص: ۳۸۵، سهیل اکیڈمی لاهور**

(۳) **الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، ص: ۳۸۸، سهیل اکیڈمی لاهور**

(۱) ”عن أبی أمامة رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ أن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کان یصلیھما بعد الوتر،وھوجالس یقرأ فیھما:﴿إذا زلزلت﴾و﴿قل یأیھا الکافرون﴾“.(۱)

(۲) ”عن أم سلمة رضی اللّٰہ تعالٰی عنھا أن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کان یصلی بعد الوتر رکعتین“.رواہ الترمذی،وزاد ابن ماجة:”خفیفتین وھو جالس“.(۲)

(۳) ”وعن عائشة رضی اللّٰہ تعالٰی عنھا قالت کان رسول صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم یوتر بواحدة،ثم یرکع رکعتین یقرأ فیھما وھو جالس“.(۳)

حضور والا! آپس میں بہت اختلاف ہو رہا ہے،فتنہ وفساد کا خوف ہے؛اس لیے مذکورہ بالا سوالوں کا جواب بحوالہ کتب مستند اور ٹھوس تحریر فرمائیں؛تاکہ مصلحت ہو جائے؟

الجواب ________ حامدًا و مصلیًا

(۱) عشا سے قبل چار رکعت کا ثبوت تلاش کے باوجود حدیث شریف میں نہیں ملا،درایۂ ہدایہ کے بعض نسخوں پر حاشیہ پر مطبوع ہے،اس میں روایت موجود ہے؛مگر اس میں وہم ہے کہ اصلی روایت ظہر سے قبل کے متعلق ہے؛مگر اس میں عشا سے قبل بھی بیان کر دیا گیا ہے یہ اضافہ ”عشــائھم“ہے،اس وجہ سے یہ اضافہ نصب الرایہ،فتح القدیر وغیرہ میں موجود نہیں،صاحب کبیر تلمیذ ہیں صاحب فتح القدیر کے،سنن و جوامع ومعاجم میں بھی کہیں نہیں ملا،اس کی وجہ سے عموماً”بین کل اذانین صلاة“ سے استدلال کرتے ہیں۔

(۲) عادتِ مبارکہ عام طور پر یہ تھی کہ شب کا ایک حصہ گزرنے کے بعد بیدار ہو کر طویل تہجد پڑھتے،مثلاً سورہ بقرہ،آل عمران،سورہ نسا،سورہ مائدہ چار رکعت میں پڑھتے ہیں،کبھی ان چاروں سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھتے،حتیٰ کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا،پھٹن ظاہر ہو جاتی،پھر وتر ادا فرماتے،اس کے بعد دو رکعت جالساً پڑھتے،کبھی یہ دو رکعت بحالتِ قیام شروع کی اور قدرے قرأت کر کے بیٹھ گئے،پھر بقیہ قرأت طویلہ پڑھ کر کھڑے ہو کر رکوع کیا۔

اس سب سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل داعیہ تو کھڑے ہو کر ہی پڑھنے کا تھا؛لیکن تعب وضعف کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھتے تھے،اس طریقہ کو اختیار کرنے میں پورا اتباع ہے،علاوہ ازیں صلاۃ قائماً کا اجر دوچند ہونا احادیث میں موجود

---

(۱) مشکٰوة المصابیح،باب الوتر،الفصل الثالث،ص:۱۱۳،قدیمی،رقم الحدیث:۱۲۹۵/شرح معانی الآثار،باب التطوع بعد الوتر،رقم الحدیث:۲۰۱۰،انیس

(۲) مشکاة المصابیح،باب الوتر،الفصل الثالث،ص:۱۱۳،قدیمی،رقم الحدیث:۱۲۹۲/سنن ابن ماجة،باب ماجاء فی الرکعتین بعد الوتر،رقم الحدیث:۱۱۹۵/سنن الترمذی،باب ماجاء لا وتران فی لیلة،رقم الحدیث:۴۷۱،انیس

(۳) مشکٰوة المصابیح،باب الوتر،الفصل الثالث،ص:۱۱۳،قدیمی،رقم الحدیث:۱۲۹۳/سنن ابن ماجة،باب ماجاء فی الرکعتین بعد الوتر،رقم الحدیث:۱۱۹۶،انیس

ہے اور بعد وتر کی دونفلوں کا استثنا نہیں ہے، نیز حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بیٹھ کر ادا فرمانے میں بھی وہی اجر ہے، جو کھڑے ہوکر پڑھنے میں ہے۔ یہ خصوصیت ہے:

عن عبد اللّٰه بن عمرو قال:"حدثت أنَّ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال:"صلاة الرجل قاعداً نصف الصلاة، قال: فأتيته فوجدته يصلي جالساً فوضعت يدى علىٰ رأسه، فقال: مالک يا عبد اللّٰه بن عمرو؟ قلت: حدثت يا رسول اللّٰه أنک قلت:صلاة الرجل قاعداً علىٰ نصف الصلاة وأنت تصلى قاعداً،قال أجل ولكنى لست كأحد منكم".{رواه مسلم والنسائى وأبوداؤد بلفظهما}(۱)

عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنهاسئلت،كيف كان يصنع رسول اللّٰه فى الركعتين وهو جالس؟ قالت:كان يقرأ فيهما،فإذا أراد يركع قام فركع". (۲)

وفى أخرىٰ:"كان يصلى جالساً فيقرأجالساً، فإذا بقى نحوثلاثين أوأربعين آيةً،قام فقرأ هن قائماً،ثم ركع،ثم سجد،ففعل فى الركعة الثانية مثل ذلک،فإذا قضىٰ صلا ته،فإن كنتُ يقظى تحدث معى،وإن كنت نائمةً اضطجع". (جمع الفوائد: ۱/ ۷٤)(۳)

بایں ہمہ اگر کوئی شخص محض اتباع کی نیت سے بیٹھ کر ہی پڑھے اور دو چند ثواب سے قطع نظر کرے تو کیا بعید ہے کہ اتباع کا ثواب بھی زیادہ ہوجائے، **"إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرئ ما نوىٰ".** (۴) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/ ۲۱۲-۲۱۵)

---

(۱)　صحيح لمسلم،كتاب صلاة المسافرين،باب جوازالنافلة وقاعداً: ۱/ ۲۵۳،قديمى،رقم الحديث: ۷۳۵/ سنن النسائى،كتاب قيام الليل وتطوع النهار،فصل صلاة القائم علىٰ صلاة القاعد: ۱/ ۲٤۵،قديمى،رقم الحديث: ۱٦٥۹/ سنن أبى داؤد،كتاب الصلاة،باب فى صلاة القاعد: ۱/ ۱٥٥،إمدادية ملتان،رقم الحديث: ۹٥۰،انيس

(۲)　جمع الفوائد،كتاب الصلاة،كيفية الصلاة وأركانها : ۱/ ۱۹۳،(رقم الحديث: ۱۳٥٤، ۱۳٥٥)إدارة القرآن كراچى/صحيح لمسلم،كتاب صلاة المسافرين،باب جوازالنافلة وقاعدارقم الحديث: ۷۳۱/سنن ابن ماجة،باب ماجاء فى الركعتين بعد الوتر،رقم الحديث: ۱۱۹٦/سنن أبى داؤد،باب صلاة الليل،رقم الحديث: ۱۳٤۰/سنن النسائى،باب إباحة الصلاة بين الوتر وبين الركعتين،رقم الحديث: ۱۷٥٦،انيس

(۳)　جمع الفوائد،كتاب الصلاة،كيفية الصلاة وأركانها : ۱/ ۱۹۳،(رقم الحديث: ۱۳٥٤، ۱۳٥٥)إدارة القرآن كراچى/صحيح البخارى،باب إذا صلى قاعدا ثم صح أو وجد خفة تمم،رقم الحديث: ۱۱۱۹،صحيح لمسلم، باب جواز النافلة قائما أو قاعدا،رقم الحديث: ۷۳۱/سنن أبى داؤد،باب فى صلاة القاعد،رقم الحديث: ۹٥٤/سنن الترمذى،باب فيمن يتطوع جالسا،رقم الحديث: ۳۷٤،انيس

(۴)　صحيح البخارى،كيف كان بدء الوحى إلىٰ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ۱/ ۲،رقم الحديث : ۱/سنن ابن ماجة،باب النية،رقم الحديث: ٤۲۲۷/سنن أبى داؤد،باب فيما عنى به الطلاق والنيات،رقم الحديث: ۲۲۰۱/ شرح معانى الآثار،باب طلاق المكره،رقم الحديث: ٤٦٥۰،انيس

عشا سے پہلے چار رکعت:

سوال: قبل العشاء چار رکعت سنت کے بارے میں حضور والا کی رائے معلوم ہوئی، حضور والا سے مراجعت کے بعد ہدایہ کے حاشیہ پر مندرجہ ذیل عبارت نظر آئی، ارسال خدمت کر رہا ہوں کہ صحیح اور سقم کا حق حضور والا ہی کو حاصل ہے، اگرچہ مراراً حضرت کی نظر پڑی ہوگی:

فی سنن سعید بن منصور من حدیث البراء رفعه: "من صلّٰی قبل العشاء أربعاً، کان کأنما تهجد من لیلة، ومن صلاهن بعد العشاء کمثلهن من لیلة القدر". وأخرجه البیهقی من حدیث عائشة رضی اللّٰه تعالٰی عنها موقوفاً، وأخرجه الدارقطنی والنسائی موقوفاً علٰی کعب". (حاشیة الدارية، مکتبة رشیدیة)(۱)

البتہ نصب الرایہ میں قبل العشاء کے بجائے قبل الظہر ہے۔ (دیکھئے: نصب الرایہ: ۱۳۹/۲)(۲)

حضرت والا! نسائی میں روایت نظر نہیں آئی، دیگر کتابیں نصیب ہی نہیں کہ تلاش کروں، اب ۸/ شعبان کو فرصت ہو رہی ہے؛ اس لیے گھر کا پتہ جوابی پوسٹ کارڈ پر درج ہے، امید ہے بے ادبی معاف فرمائیں گے۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

عشا سے قبل چار رکعت پڑھنے کی روایت کتبِ حدیث میں مجھے نہیں ملی، آپ کے فرستادہ حوالہ کو میں نے تلاش کیا، متونِ حدیث میں کہیں نہیں پایا، فقہا و محدثین نے لکھا ہے:

"وأما الأربع قبل العشاء، فذکروا فی بیانه أنه لم یثبت أن التطوع بها من السنن الراتبة، فکان حسناً؛ لأن العشاء نظیر الظهر فی أنه یجوز التطوع قبلها وبعدها، کذا فی البدائع. ولم ینقلوا حدیثاً فیه بخصوصه لاستحبابه". (البحر الرائق)(۳)

البتہ حاشیۃ البحر میں بحوالہ الاختیار حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے:

"أنه علیه الصلاة والسلام کان یصلی قبل العشاء أربعاً، آه". (ص: ۳۱۵)(۴)

ایک نقل کردہ عبارت میں قبل العشاء کے بجائے قبل الظہر ہے، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے:

"وهو ما عزی إلٰی سنن سعید بن منصر من حدیث براء بن عازب رضی اللّٰه تعالٰی عنه

---

(۱) الدراية فی تخریج أحادیث الهداية، باب النوافل، فصل فی القراءة: ۱۲۹/۱، مکتبة شرکة علمیة/المعجم الأوسط، من اسمه محمد، رقم الحدیث: ۶۳۳۲، انیس

(۲) نصب الرأية، باب النوافل: ۱۲۹/۲، مؤسسة الریان، انیس

(۳) البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۸۸/۲، رشیدیة

(۴) منحة الخالق حاشیة البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۸۸/۲، رشیدیة

قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم: "من صلّی قبل الظہر أربعاً کان کأنما تہجد من لیلتہ، ومن صلاہن بعد العشاء کمن صلاہن لیلۃ القدر". رواہ البیہقی من قول عائشۃ. والنسائی والدار قطنی من قول کعب". (۱)

الحاصل قبل العشاء چار رکعت سنت کا ذکر کتبِ حدیث میں نہیں۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۷/۱۳۹۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۱۰-۲۱۲)

عشا سے پہلے سنت کی رکعات کی تعداد:

سوال: عشا کی نماز میں جو چار رکعت سنت پہلے پڑھی جاتی ہے، وقت کم ہونے کی بنا پر چار کے بجائے صرف دو رکعت پڑھ لی جائیں تو درست ہیں، یا نہیں؟ اگر حوالہ دے دیا جائے تو بہتر ہے؛ کیوں کہ یہاں پر جاہلوں کی آبادی ہے؛ تاکہ ان کو سمجھا سکوں۔ (ڈاکٹر عقیل احمد مشک آباد)

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

عشا سے پہلے چار رکعت سنتِ مؤکدہ نہیں؛ بلکہ یہ مستحب ہیں، دو پڑھ لے تو یہ بھی کافی ہے۔

"ویستحب أن یصلی قبل العشاء أربعاً، وقیل: رکعتین". (۳)

مگر چار میں زیادہ ثواب ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۲۰۸)

عشا کی بعد والی سنت کے بعد نفل:

سوال: بعد نماز عشا؛ یعنی بعد فرض دو سنت کے جو دو رکعت نفل پڑھتے ہیں، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، یا نہیں؟

---

(۱) فتح القدیر، کتاب الصلاۃ، باب النوافل: ۱/۴۴۲، مصطفٰی البابی الحلبی

(۲) البتہ کتب فقہ میں ہے جیسا کہ طحطاوی نے درج ذیل روایت نقل کی ہے:

"عن عائشۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا أنہ علیہ الصلاۃ والسلام کان یصلی قبل العشاء أربعاً، ثم یصلی بعدہا أربعاً، ثم یضطجع". (حاشیۃ الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، فصل فی بیان النوافل، ص: ۳۹۰، قدیمی)

(۳) رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل، مطلب فی السنن والنوافل: ۲/۱۳، سعید

"قولہ: (ولم ینقلوا حدیثاً فیہ بخصوصہ) نقل فی الاختیار "عن عائشۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا أنہ علیہ السلام؛ کان یصلی قبل العشاء أربعاً، ثم یصلی بعدہا أربعاً، ثم یضطجع". ونقلہ عنہ أیضاً فی إمدادالفتاح ثم قال: وذکر فی المحیط إن تطوع قبل العصر بأربع وقبل العشاء بأربع فحسن؛ لأن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم لم یواظب علیہا". (منحۃ الخالق ہامش البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل: ۲/۸۸-۸۹، رشیدیۃ)

الجواب

دو (رکعت) سنت مؤکدہ عشا کے بعد دو، یا چار (رکعت) نفل پڑھنا قبل الوتر مستحب ہیں، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے:

عن شريح بن هانی عن عائشة رضی الله تعالٰی عنها قال: سألتها عن صلاة رسول الله صلی اللّٰه عليه وسلم؟ فقالت: ما صلّٰی رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم العشاء قطّ فدخل عليّ إلا صلّٰی أربع ركعات أوست ركعات". (رواه أبو داؤد)(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۳۱/۴)

عشا کے فرض کے بعد دو رکعت سنت متواترۃ کے علاوہ دو رکعت نفل کا ثبوت:

سوال: ہمارے علاقۂ پنجاب میں عشا کی دو سنتوں کے بعد جو مؤکدہ ہیں، دو رکعت نماز نفل اکثر لوگ بیٹھ کر پڑھتے ہیں، اس دو رکعت نماز نفل کا کسی حدیث صحیح، حسن، یا ضعیف سے کچھ ثبوت ہے، یا کہ بدعت ہے؟

الجواب

عن شريح بن هانی عن عائشة رضی الله تعالٰی عنها قال سألتها عن صلاة رسول الله صلی اللّٰه عليه وسلم فقالت ما صلّٰی رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم العشاء قطّ فدخل عليّ إلا صلّٰی أربع ركعات أوست ركعات". (رواه أبوداؤد ورواه أحمد و أبوداؤد وإسناده صحيح، كذا في آثار السنن: ۲۳/۲)(۲)

۲۲/صفر ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص: ۲۰) (امداد الفتاویٰ جدید: ۴۶۷/۱)

وتر سے قبل کی دو رکعت نفل ثابت ہے:

سوال: وتر کے قبل جو دو رکعت نفل لوگ پڑھتے ہیں، ان کا کہیں ثبوت ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۰۴۱، مولوی عبدالقدوس صاحب امام مسجد (ترکمان دروازہ دہلی) ۱۶/ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ ۷/جولائی ۱۹۳۶ء)

الجواب

عشا کے بعد دو رکعتیں تو سنت مؤکدہ اور دو نفل ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا ثبوت ہے۔

(۱) أبو داؤد، كتاب الصلاة، باب الصلاة بعد العشاء: ۱۹۲/۱، مكتبة حقانية ملتان، رقم الحديث: ۱۳۰۳، انيس

(۲) (ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم عشا کی نماز پڑھ کر جب بھی میرے گھر میں تشریف لاتے تو چار یا چھ رکعت پڑھتے (اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسئولہ دو رکعتیں سنت ہیں بدعت نہیں ہیں۔ (سنن ابی داؤد، باب الصلاة بعد العشاء، رقم الحديث: ۱۳۰۳/ مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب السنن، الفصل الثانی، ص: ۱۰۴، انيس)

بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

”صلّٰی رسول اللّٰہ صلی علیه وسلم العشاء ثم جاء فصلّٰی أربع رکعات ثم نام ثم قام،إلخ“.(۱)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عشا کی نماز پڑھی، پھر گھر میں آئے اور چار رکعتیں پڑھیں، پھر سو گئے، پھر (تہجد کے لیے) اٹھے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳۱۸/۳) ☆

وتر کے بعد کوئی نماز پڑھنا کیسا ہے:

سوال: وتر کی نماز کس کو کہتے ہیں؟ میری دانست میں وتر کی نماز سب سے آخری نماز ہے، جب کہ مسجدوں میں دیکھتا ہوں کہ لوگ وتر کے بعد دو رکعت نماز بیٹھ کر پڑھتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

عشا کی فرض نماز کے بعد وتر کی تین رکعت نماز ہے، جو واجب ہے اور دو رکعت سنت کے بعد ادا کی جاتی ہے، اگر کوئی تہجد کی نماز کا پابند ہے تو چاہیے کہ آخر شب میں تہجد کے بعد ادا کرے۔

وتر کو آخری نماز بنانے کی ہدایت جو حدیث میں ہے، وہ نماز تہجد کے اعتبار سے ہے، ویسے کوئی اگر تہجد کا پابند نہیں ہے، یا رات کو اٹھنے کا یقین نہیں رکھتا، اس کو چاہیے کہ وتر وقت پر پڑھ لے، اس کے بعد بھی وہ تہجد کی نماز، یا نفلی نماز پڑھ سکتا ہے۔

وتر کی نماز کے بعد نفلی نماز پڑھنا درست ہے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(سید) نظام الدین (امیر شریعت سادس)، ۱۱/شوال المکرّم ۱۴۰۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۴۳۷/۲)

---

(۱) عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما قال: بت في بيت خالتي ميمونة فصلّٰی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم العشاء ثم جاء فصلّٰی أربع رکعات ثم نام، ثم قام، فجئت فقمت عن يساره فجعلني عن يمينه فصلّٰی خمس رکعات ثم صلّٰی رکعتین ثم نام حتّٰی سمعت غطیطه أو قال خطیطه ثم خرج الی الصلاة. (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب يقوم عن يمين الإمام، رقم الحديث: ٦٩٧، ص: ١٤٨، بيت الأفكار الدولية، انيس)

☆ وتر کے پہلے اور بعد نوافل:

سوال: نمازِ عشا میں جو چہار نفل قبل و بعد وتر ہیں، ان میں ترجیح کس کو ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ

نمازِ عشا میں بعد فرض عشا کے دو سنت مؤکدہ ہیں، اس کے بعد چار رکعت یا دو رکعت نفل مستحب ہیں، اس کے بعد وتر پڑھے، پھر وتر کے بعد نفل نہیں؛ یعنی جیسا کہ رواج ہے کہ بعد وتر کے دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے ہیں، اس کا حکم نہیں ہے۔

(ضمیمہ: اس جواب میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ ”وتر کے بعد نفل نہیں“ اس کا مطلب یہ ہے کہ سنت، یا مستحب نہیں، جواز کی نفی مقصود نہیں، جیسا کہ آنے والے جوابوں سے جواز ثابت ہے۔ (ضمیمہ: ۵، محمد امین) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲۱۸/۴-۲۱۹)

(۲) (و) تأخير (الوتر إلٰی آخر الليل لواثق بالانتباه) وإلا فقبل النوم، فإن أفاق وصلّٰی نوافل والحال أنه صلی الوتر أول الليل فإنه الأفضل“. (الدر المختار) ==

وتر کے بعد نوافل درست ہیں:

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ وتر کے بعد کوئی سجدہ نہیں اور نفل جو وتر کے بعد پڑھی جاتی ہے، پڑھنا جائز نہیں۔ یہ کہاں تک درست ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ

وتر کے بعد نوافل کا پڑھنا جائز ہے، چناں چہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم جو عشا کے بعد وتر پڑھ لیتے تھے، وہ آخر رات میں تہجد پڑھتے تھے تو معلوم ہوا کہ وتر کے بعد نوافل ممنوع نہیں ہیں، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد وتر کے دو رکعت نفل پڑھی ہیں، البتہ وتر کے بعد یا کسی نماز کے بعد بلا وجہ تنہا سجدہ کرنا ممنوع ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے:

لكنها تكره بعد الصلاة لأن الجهة يعتقدونها سنة أو واجبة. (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم: ۲۲۰/۴)

وتر کے بعد زائد نفلیں پڑھنا:

سوال: چند روز ہوئے ایک مولوی صاحب نے مسئلہ بیان فرمایا کہ بعد نماز وتر سوائے دو رکعت نفل کے دیگر کوئی نوافل نہیں؛ اس لیے جس کو جس قدر نفل پڑھنا ہو، قبل نماز وتر پڑھے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

وتر کے بعد دو سے زائد نفل پڑھنا جائز ہے، (۲) جن کو مولوی صاحب نے یہ فرمایا ہے ان سے دلیل پوچھی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۷/ جمادی الثانیہ ۱۳۵۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۰/ جمادی الثانیہ ۱۳۵۶ھ۔ صحیح: بندہ عبد الرحمٰن غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۲۴/۷)

== "(قوله فإن أفاق) أي إذا أوتر قبل النوم ثم استيقظ يصلي ما كتب له، ولا كراهة فيه، بل هو مندوب، ولا يعيد الوتر" (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة: ۳۶۹/۱، دار الفكر بيروت، انيس)

(۱) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة: ۱۲۰/۲، دار الفكر بيروت، ظفير

(۲) أخبرنا مالك أخبرنا زيد بن أسلم عن أبي مرة أنه سأل أبا هريرة رضي الله تعالىٰ عنه كيف كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوتر؟ قال: فسكت ثم سأله فسكت ثم سأله فقال: إن شئت أخبرتك كيف أصنع أنا، قال: أخبرني قال: إذا صليت العشاء صليتُ بعدها خمس ركعات، ثم أنام، فإن قمتُ من الليل صليت مثنىٰ مثنىٰ، فإن أصبحت أصبحت علىٰ وتر".

"قال محمد: وبقول أبي هريرة نأخذ، لانرىٰ أن يشفع إلى الوتر بعد الفراغ من صلاة الوتر، ولكنه يصلي بعد وتره ما أحب ولا ينقض وتره وهو قول أبي حنيفة". (الموطأ للإمام محمد، كتاب الصلاة، باب الوتر، ص: ۱۴۷-۱۴۸، نور محمد)

تفصیل کے لیے دیکھئے: (مجموعۃ الفتاویٰ اردو، کتاب الصلاۃ، ص: ۳۳۱، سعید) و (احسن الفتاویٰ: ۵۰۴/۳، سعید)

وتر کے بعد دو رکعت نفل ثابت ہے:

سوال: وتر کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۳۲۱، عبدالحمید صاحب (مارواڑ) ۱۸/ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ، یکم فروری ۱۹۳۷ء)

الجواب

وتر کے بعد دو رکعت نفل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیٹھ کر پڑھنا ثابت ہے، ابوداؤد شریف میں یہ روایت کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے تھے، موجود ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۳۱۸) ☆

دو رکعت نفل وتر سے پہلے، یا بعد:

سوال: وتر کے بعد دو رکعت نفل مشکوۃ و مسلم کی حدیث کے موافق نہیں ہے کہ آخری نماز شب وتر تھی؛ اس لیے اس نفل کو بھی وتر کے پہلے ہی کیوں نہ پڑھ لیا جائے؟

الجواب وباللہ التوفیق

ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت نفل وتر کے بعد پڑھا کرتے تھے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۵/۶/۱۳۴۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۰۵)

---

(۱) عن عائشة رضی اللّٰه عنها أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یوتر بتسع رکعات ثم أوتر بسبع رکعات ورکع رکعتین، وهو جالس بعد الوتر یقرأ فیهما فإذا أراد أن یرکع قام فرکع، ثم سجد (أبوداؤد، کتاب الصلاة، باب فی صلاة اللیل: ۱/۲۰۰، رقم الحدیث: ۱۳۵۱، دارالفکر، بیروت، انیس)

☆ **وتر کے بعد دو رکعت نفل کا ثبوت ہے:**

(الجمعیۃ مورخہ یکم دسمبر ۱۹۳۱ء)

سوال: بعد وتر دو رکعت نفل جس کو تحیۃ الوتر کہتے ہیں، اس کا ثبوت ہے، یا نہیں؟

الجواب

وتر کے بعد دو رکعت نفل کا ثبوت ہے، ترمذی شریف میں روایت موجود ہے۔ (عن أم سلمة رضی اللّٰه عنها: "أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان یصلی بعد الوتر رکعتین وقد روی نحو هٰذا عن أبی أمامة وعائشة وغیر واحد عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم (جامع الترمذی، کتاب الصلاة، أبواب صلاة الوتر، باب ما جاء لا وتران فی لیلة: ۱/۱۰۸، ط: سعید)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۳۲۸)

(۲) عن أم سلمة رضی اللّٰه عنها أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان یصلی بعد الوتر رکعتین. (جامع الترمذی، کتاب الصلاة، باب ماجاء لا وتران فی لیلة: ۱/۱۰۸، قدیمی/وزاد ابن ماجة خفیفتین وهو جالس. (ابن ماجة، ص: ۸۵)

وتر کے بعد کے نوافل کس طرح پڑھے:

سوال: وتر کے بعد جو دو نفل پڑھتے ہیں، وہ کھڑے ہوکر پڑھے، یا بیٹھ کر اور ان دونوں صورتوں میں سے ثواب کس میں ہے؟ بحالت بیٹھ کر پڑھنے کی کیا وجہ ہے کہ ان نوافل کے ثواب کو کھڑے ہوکر نفل جو پڑھے جاویں، اُن پر ترجیح ہو؟

الجواب

اگر کھڑے ہوکر پڑھے گا تو پورا ثواب ہوگا اور اگر بیٹھ کر پڑھے گا تو آدھا ثواب ملے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعض مرتبہ بیٹھ کر پڑھے ہیں؛ مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بیٹھ کر پڑھنے میں بھی ثواب پورا ہوتا تھا۔ فقط (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۰۵) ☆

نفل بعد الوتر بیٹھ کر پڑھے، یا کھڑے ہوکر:

سوال: وتر کے بعد بیٹھ کر نوافل پڑھنا افضل ہے، یا کھڑے ہوکر؟ اور ان نوافل کو بیٹھ کر پڑھنے میں ثواب اتنا ہی ہوتا ہے، جتنا کھڑے ہوکر پڑھنے میں ہوتا ہے؟

الجواب

بیٹھ کر نوافل پڑھنے کا ثواب آدھا ہوتا ہے، یہ عموماً اور مطلقاً ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا ہی ثواب ملتا تھا۔ پس وتر کے بعد نوافل بیٹھ کر پڑھنے میں موافق قاعدہ مذکورہ کے آدھا ثواب ہوگا، البتہ بعض علما یہ فرماتے ہیں کہ وتر کے بعد بیٹھ کر دو نوافل پڑھنا مستحب ہے، جیسا کہ قاضی ثناء اللہ صاحب نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے؛ (۱) کیوں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا ہی ثابت ہے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ

☆ **وتر کے بعد نفل کس طرح پڑھے:**

سوال: وتروں کے بعد دو نفل بیٹھ کر پڑھے، یا کھڑے ہوکر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح ثابت ہیں؟

الجواب

دونوں طرح درست ہے مگر کھڑے ہوکر پڑھنے میں دو چند ثواب ہے، بہ نسبت بیٹھ کر پڑھنے کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیٹھ کر پڑھا ہے؛ لیکن آپ کو بیٹھ کر پڑھنے میں پورا ثواب تھا اور دوسروں کو نصف ثواب ملتا ہے، احادیث سے یہ ثابت ہے۔ (ويتنفل مع قدرته على القيام قاعدًا) لا مضطجعاً إلا بعذر (ابتداء و) كذا (بناء) بعد الشروع بلا كراهة في الأصح كعكسه بحر وفيه أجر غير النبي صلى الله عليه وسلم على النصف إلا بعذر. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل ،فروع الاسفار بسنة الفجر أفضل: ۶۵۳/۱ ،ظفير) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۳۱/۴)

(۱) وبعد وتر دو رکعت نشستہ خواندن مستحب است، در رکعت اولیٰ ﴿إذا زلزلت الأرض زلزالها﴾ و در رکعت ثانیہ "قل يا أيها الكافرون" خواند۔ (مالا بد منہ، ص: ۶۷، محمد ظفیر الدین غفرلہ)

نوافل بعد الوتر میں بھی اگر بیٹھ کر پڑھے تو نصف ثواب فرماتے ہیں،(۱) اور یہی راجح معلوم ہوتا ہے۔(۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۲۱۸/۴)

وتر کے بعد نفل کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ہے، یا بیٹھ کر:

سوال: دو رکعت نفل بعد وتر بیٹھ کر پڑھنا چاہیے، یا کھڑے ہوکر، کس میں فضیلت زیادہ ہے؟

الجواب ــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

عام نماز نفل کے متعلق حدیث میں ہے کہ بیٹھ کر پڑھنے میں کھڑے ہوکر پڑھنے سے نصف ثواب ملتا ہے۔(۳) اس نفل کا بیٹھ کر پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؛ اس لیے اگر کوئی شخص اتباع نبوی کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھے گا تو زیادہ ماجور ہوگا۔(۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۴۹/۹/۱۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲۰۴/۲-۲۰۵)

وتر کے بعد نفل کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ہے، یا بیٹھ کر:

سوال: وتر کے بعد نوافل بیٹھ کر پڑھنا موجب زیادہ اجر ہے، یا کھڑے ہوکر؟ چوں کہ اس مسئلہ میں صرف عوام ہی مختلف نہیں ؛ بلکہ اہل علم کا بھی اختلاف پایا جاتا ہے؛ اس لیے ضرورت ہے کہ اس حکم کو مدلل اور بحوالہ کتب احادیث

---

(۱) دیکھئے: فتاویٰ رشیدیہ، باب السنن والنوافل، ص:۳۰۱-۳۰۳

(۲) ويتنفل مع قدرته على القيام قاعداً) لامضطجعاً إلابعذرابتداء وكذا بناء بعد الشروع بلا كراهة في الأصح كعكسه. بحر. وفيه: أجرغيرالنبي صلى الله عليه وسلم على النصف إلابعذر. (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، فروع الاسفاربسنة الفجر أفضل: ۹۷/۱، مكتبة زكريا، ديوبند، انيس)

أما النبي صلى الله عليه وسلم فمن خصائصه أن نافلته قاعدًا مع القدرة على القيام كنافلته قائماً، ففي صحيح مسلم عن عبد الله بن عمرو: قلت حدثت يارسول الله أنک قلت: "صلاة الرجل قاعدًا علىٰ نصف الصلاة" وأنت تصلي قاعدًا؟ قال أجل ولٰكني لست كأحد منكم. بحر. ملخصاً. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث المسائل الستة عشرية: ۶۵۲/۱)

(۳) عن عمران بن حصين قال سألت النبي صلى الله عليه وسلم عن صلوٰة الرجل وهوقاعد فقال من صلّى قائمًا فهوأفضل و من صلّى قاعدًا فله نصف أجرالقائم ومن صلّى نائمًا فله نصف أجرالقاعد. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب صلاة القاعد بالإيماء: ۱۵۰/۱، رقم الحديث: ۱۱۰۵، انيس)

(۴) عن أم سلمة رضي الله عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يصلي بعد الوتر ركعتين خفيفتين وهو جالس. (سنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلاة، باب ماجاء في الركعتين بعد الوتر جالساً، ص: ۱۳۳، رقم الحديث: ۱۱۹۵، بيت الأفكار الدولية، انيس)

شریفہ، یا فتاویٰ سے وضاحت فرمائیں؟ اور اگر خیر القرون وائمہ مجتہدین سے کسی کا قول وعمل بھی ثابت ہو تو تحریر فرما کر مشکور فرمایا جائے، موجب اجر عظیم ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

عن عبدالله ابن عمرو رضى الله تعالىٰ عنهما قال: حدثت أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: صلاة الرجل قاعداً نصف الصلاة، قال: فأتيته، فوجدته يصلى جالساً فوضعت يدى علىٰ رأسه، فقال: مالك يا عبد اللّٰه بن عمرو! قلت: حدثتُ يا رسول الله! إنك قلت: صلاة الرجل قاعدًا علىٰ نصف من صلاة القائم، وأنت تصلى قاعداً؟ قال: أجل! ولٰكنى لست كأحد منكم. (فتح القدير: ۳۲۹/۱)(۱)

(ولا يجوز النفل قاعداً)؛ لأنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يصلى بعد الوتر قاعداً من غير عذر ولٰكن له: أى للمتنفل جالساً نصف أجر القائم لقوله صلى الله عليه وسلم من صلىٰ قائما فهو أفضل ومن صلىٰ قاعداً فله نصف أجر القائم، آه. (۲)

يستثنىٰ منه صاحب الشرع -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- كما ورد عنه، فإن أجر صلاته قاعداً كأجر صلاته قائماً، فهو من خصوصياته، آه. (۳)

عن عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يوتر بتسع ركعات، ثم) لما ضعف (أوتر بسبع ركعات، وركع ركعتين وهو جالس بعد الوتر يقرأ فيهما) القرآن، (فإذا أراد أن يركع قام فركع، ثم سجد) هٰذا الكلام إن تعلق بالركعتين فإذا كان يقرأ فى الركعتين سوراً طوالاً تقرأ قاعداً، ثم إذا أراد أن يركع يقوم فيركع ويسجد وهو قائم. وأما إذا قرأ فيها السور القصار، يقرأ وهو قاعد ويركع ويسجد وهو قاعد، آه. (بذل المجهود: ۲۹۴/۲-۲۹۵)(۴)

هٰذا الحديث أخذ بظاهره الأوزاعى وأحمد فيما حكاه القاضى عنهما، فأباحا ركعتين بعد الوتر جالساً وقال أحمد: لا أفعله ولا أمنع من فعله، قال: وأنكره مالك. قلت: الصواب أن هاتين الركعتين فعلهما صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعد الوتر جالساً لبيان جواز الصلاة بعد الوتر وبيان جواز النفل جالساً ولم يواظب علىٰ ذلك بل فعله مرة أومرتين أو مرات قليلة، آه. (شرح النووى لمسلم: ۲۵۴/۱)(۵)

---

(۱) الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب جواز النافلة قائماً و قاعداً: ۲۵۳/۱، قديمى

(۲) مراقى الفلاح علىٰ حاشية الطحطاوى، كتاب الصلاة، فصل فى صلاة النفل جالساً، ص: ۴۰۳، قديمى

(۳) حاشية الطحطاوى تحت المراقى، كتاب الصلاة، فصل فى صلاة النفل جالساً، ص: ۴۰۳، قديمى

(۴) بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب فى صلاة الليل: ۲۹۴/۲-۲۹۵، إمدادية ملتان

(۵) شرح الكامل للنووى علىٰ الصحيح للإمام مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، إلخ: ۲۵۴/۱، قديمى

والصواب أن يقال: إن هاتين الركعتين تجرى مجرى السنة وتكيمل الوتر، فإن الوتر عبادة مستقلة ولاسيما إن قيل بوجوبه، فتجرى الركعتان بعده مجرىٰ سنة المغرب فإنها وتر النهار والركعتان بعدها تكميل لها، فكذالك الركعتان بعد وتر الليل والله أعلم، آه. (زادالمعاد: ۸٦/۱) (۱)

وأكثر الصحابة ومن بعدهم من أهل العلم علىٰ تركهما... أوالمحققون من أكابرنا علىٰ أن اتيانهما قياماً أفضل، آه. (۲)

عبارات منقولہ میں نوافل بعد الوتر کے متعلق تمام پہلو اور دلائل آ گئے، حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیٹھ کر ان کو پڑھنا مستحب فرمایا ہے۔ (کذا فی مالا بدمنہ) (۳)

حضرت مولانا انور شاہ صاحب کی رائے بھی یہی ہے۔ (کذا فی فیض الباری) (۴)

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہما اللہ تعالیٰ، حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھنا موجب زیادۂ اجر ہے۔ (۵)

دونوں طرف علمائے محققین ہیں، ائمہ مجتہدین: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ، امام ابو یوسف، امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ سے کوئی تصریح منقول نہیں دیکھی۔

اس میں اختلاف کے رفع کرنے کی سعی بے سود ہے، یہ کچھ اہم اختلاف نہیں، ضوابط کلیہ من الاحادیث کے مطابق قولِ ثانی ہے؛ یعنی کھڑے ہو کر پڑھنا موجبِ زیادۂ اجر ہے اور نفس اتباع فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر پڑھنے میں ہے، گو اس میں بھی دو قسم کی روایتیں ہیں، وأكثر الصحابة ومن بعدهم من أهل العلم (۶) کا مسلک ''إعلاء

(۱) زاد المعاد، فصل فی سیاق صلاته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالليل ووتره وذكر صلاة أول الليل، ص: ۱۲۳، دارالفكر، بيروت

إعلاء السنن، كتاب الصلاة، حكم الركعتين بعد الوتر: ۱۲۷/٦، إدارة القرآن، انيس

(۲) إعلاء السنن، كتاب الصلاة، حكم الركعتين بعد الوتر: ۱۰۹/٦، إدارة القرآن، كراچی

(۳) ''وبعد وتر دو ركعت نشسته خواندن مستحب است، در ركعت أولىٰ ﴿إذا زلزلت الأرض﴾ ودر ركعتِ ثانية ﴿قل يا أيها الكافرون﴾ خواند''۔ (مالا بدمنہ، کتاب الصلاۃ، فصل در نوافل، ص: ۵۴، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

(۴) ''وركعتين جالساً... إن الجلوس فيهما اتفاقي أو قصدي، فاختار النووي رحمه الله تعالىٰ الأول، وعندی المختار هو الثاني؛ لأنهما لم تثبتا عنه قائماً قط، فحمل فعله في جميع عمره علىٰ الاتفاق مما يصادم البداهة''. (فيض الباري علىٰ صحيح البخاري، كتاب اليهجد، باب المداومة علىٰ ركعتي الفجر: ٤٢٦/٢، خضر راہ بک ڈپو دیوبند)

(۵) ''اگر (وتر کے بعد نفل) کھڑے ہو کر پڑھے گا تو پورا ثواب ہوگا اور اگر بیٹھ کر پڑھے گا تو آدھا ثواب ملے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ بیٹھ کر پڑھے ہیں مگر آپ کو بیٹھ کر پڑھنے میں بھی ثواب پورا ہوتا تھا''۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۷۷، قرآن منزل بابو بازار ڈھاکہ)

(۶) وأكثر الصحابة ومن بعدهم من أهل العلم علىٰ تركهما ... ولكن يكون وهو جالس كما جاء في الحديث==

السنن''، کی عبارت میں منقول ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور،۳/۱۱/۷ ۱۳۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ذیقعدہ ۱۳۶۷ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۲۲۵-۲۲۷) ☆

وتر کے بعد بیٹھ کر نفل پڑھنا:

سوال: وتر کے بعد نفل دو رکعتیں بیٹھ کر ادا کرنا افضل اور بہتر ہے، یا کھڑے ہو کر؟ اور ان دونوں میں سنت کیا ہے؟

(المستفتی: ۱۰۶، محمد رفیق صاحب ۲۲/رجب ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۲/نومبر ۱۹۳۳ء)

== دلالة علٰی استحباب الجلوس فی هاتین الرکعتین وعلیه العامة. وبعض أهل العلم فی زماننا والمحققون من أکابرنا علٰی اتیانهما قیاماً أفضل. (اعلاء السنن، کتاب الصلاة، باب حکم الرکعتین بعد الوتر: ۶/۱۲۹-۱۳۰، ادارة القرآن کراچی، انیس)

(۱) إعلاء السنن، کتاب الصلاة، حکم الرکعتین بعد الوتر: ۶/۱۰۹، إدارة القرآن، کراچی

☆ وتر کے بعد کی دو رکعات نفل نماز بیٹھ کر پڑھنے کا حکم:

سوال: رمضان یا رمضان کے علاوہ وتر کے بعد دو رکعت نفل کے متعلق لوگوں کا خیال ہے کہ بیٹھ کر پڑھنا بہتر ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

وتر کے بعد دو رکعت نفل کا بیٹھ کر پڑھنا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ (عن أبی أمامة رضی اللّٰه عنه أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان یصلیهما بعد الوتر وهو جالس یقرأ فیهما إذا زلزلت وقل یا أیها الکافرون رواه أحمد (مشکٰوة المصابیح، کتاب الصلاة، باب الوتر، الفصل الثالث: ۱/۱۱۳) اگر چہ آپ کا یہ فرمان بھی ثابت ہے کہ بیٹھ کر نفل پڑھنے کا ثواب نصف ملتا ہے اور کھڑے ہو کر پڑھنے کا پورا۔ اس لئے کھڑے ہو کر نوافل کا پڑھنا افضل ہے، اس نفل کے لئے رمضان اور غیر رمضان کا کوئی فرق نہیں ہے۔ (عن ابن بریدة قال: حدثنی عمران بن حصین وکان مبسورًا قال: سألت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن صلاة الرجل قاعدًا فقال: ''إن صلّی قائمًا فهو أفضل و من صلّی قاعدًا فله نصف أجر القائم''. (صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب صلٰوة القاعد بالإیماء: ۱/۱۵۰، قدیمی، رقم الحدیث: ۱۱۰۵/سنن أبی داؤد، باب فی صلاة القاعد، رقم الحدیث: ۹۵۱/صحیح ابن خزیمة، باب تفسیر أجر صلاة القاعد عن صلاة القائم، رقم الحدیث: ۱۲۳۶، انیس)

حدیث قولی کھڑے ہو کر پڑھنا اور حدیث عملی اس خاص نماز کو بیٹھ کر پڑھنا بتاتی ہے، اگر کوئی اتباع عمل نبی کی نیت کر کے بیٹھ کر پڑھے تو کیا عجب کہ اس خاص نماز کی حد تک وہ خاص اجر کا مستحق ہو اور اگر حدیث قولی کی اتباع میں کھڑے ہو کر پڑھے تو اصل سنت کھڑے ہو کر پڑھنا ہی ہے۔ [مجاہد] فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۶/۱/۱۳۷۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۰۴)

الجواب

وتر کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؛(۱) مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھ کر پڑھنے میں پوری نماز کا ثواب ملتا تھا اور ہم کو بیٹھ کر پڑھنے میں آدھا ثواب ملتا ہے؛(۲) لیکن اگر کوئی شخص ان نفلوں کو بیٹھ کر ہی پڑھے تاکہ حضور کے فعل کی مطابقت رہے اور آدھے ثواب کو ہی پسند کرے تو اسے اختیار ہے اور جو کھڑے ہو کر پڑھے وہ پورے ثواب کا مستحق ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۳۸۷)

وتر کے بعد کھڑے ہو کر نفل پڑھنا افضل ہے:

سوال: نوافل بعد وتر میں خصوصاً اور دوسرے نوافل میں عموماً کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر پڑھنے میں افضلیت کا کوئی درجہ ہے، یا نہیں؟ قیام کو فضیلت ہے، یا قعود کو؟

(المستفتی: ۵۰۹، حاجی قاسم احمد سورتی ۴/ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ، مطابق ۶/جولائی ۱۹۳۵ء)

الجواب

نوافل کھڑے ہو کر پڑھنے میں پورا ثواب ملتا ہے اور بیٹھ کر پڑھنے میں آدھا ثواب ملتا ہے، اس میں تمام نوافل برابر ہیں، وتر کے بعد کی نفلوں کا اس حکم سے تخصیص کا ثبوت نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھ کر پڑھنے میں بھی پورا ثواب ملتا تھا، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کی نفلیں بیٹھ کر پڑھی ہیں تو ہم اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس نہیں کر سکتے۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۳۱۶) ☆

---

(۱) عن عائشة رضی الله عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتر بواحدة، ثم يركع ركعتين يقرأ فيهما وهو جالس، فإذا أراد أن يركع قام فركع. (الحديث) (آثار السنن، باب الركعتين بعد الوتر، ص: ۷۲، ط: إمدادية ملتان)

وعن أبی أمامة رضی الله عنه أن النبی صلى الله عليه وسلم كان يصليهما بعد الوتر، وهو جالس. (الحديث) (آثار السنن، باب ركعتين بعد الوتر، ص: ۱۷۳، ط: إمدادية)

(۲-۳) ويتنفل مع قدرته على القيام قاعدًا (... أجر غير النبی صلى الله عليه سلم على النصف إلا بعذر. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الوتر والنوافل، فروع الاسفار بسنة الفجر أفضل: ۲/۳۶-۳۷، دار الفكر، انيس)

☆ **وتر کے بعد دو رکعت نفل کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے:**

سوال: وتر کے بعد جو دو رکعت نفل نماز پڑھی جاتی ہے اس کو بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے، یا کھڑے ہو کر؟

(المستفتی: ۱۴۱۷، شمس الدین صاحب مانڈے بر ما ۱۵/صفر ۱۳۵۶ھ، مطابق ۲۷/اپریل ۱۹۳۷ء) ==

وتر کے بعد دو رکعت میں کھڑے ہونے کی افضلیت کی تحقیق:

سوال: امداد الفتاویٰ دیکھتے ہوئے آج کل وتر کے بعد دو رکعتیں جالساً پڑھنے کو خطا قرار دیا ہے اور حدیث ابن

==

الجواب

وتر کے بعد کی دو رکعتیں نفل کی کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے۔(ویتنفل مع قدرته على القيام قاعدًا)، لامضطجعًا إلابعذر ...أجر غير النبي صلى الله عليه وسلم على النصف إلابعذر ،إلخ.(الدر المختار علٰى هامش، كتاب الصلاة،باب الوتر و النوافل، فروع الأسفار بسنة الفجر أفضل: ٣٦/٢-٣٧،دار الفكر بيروت،انيس)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی :۳۱۸/۳)

وتر کے بعد کی نفلیں کھڑے ہو کر پڑھنا بہتر ہے:

(۱) وتر کے بعد جو دو رکعت نفل پڑھی جاتی ہے، اس کو بیٹھ کر پڑھنا چاہیے، یا کھڑے ہو کر؟ بہشتی زیور میں جناب مولانا اشرف علی صاحب نے کھڑے ہو کر پڑھنے کو لکھا ہے اور مفتاح الجنۃ میں لکھا ہوا ہے کہ بیٹھ کر پڑھنا چاہیے۔

(۲) ظہر کی نماز فرض کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ جو پڑھی جاتی ہے، اس کے بعد دو رکعت اور بیٹھ کر جو لوگ پڑھتے ہیں، اس کی سند ہے، یا نہیں؟ نیز مغرب کی دو رکعت سنت مؤکدہ اور عشاء کی دو رکعت سنت مؤکدہ کے بعد بھی لوگ دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔

(المستفتی:۱۲۴، حبیب اللہ ضلع غازیپور، یکم شعبان ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۰/نومبر ۱۹۳۳ء)

الجواب

وتر کے بعد کی نفلیں کھڑے ہو کر پڑھنی بہتر ہیں؛ تاکہ پورا ثواب ملے، بیٹھ کر پڑھنے میں آدھا ثواب ملے گا۔(ويتنفل مع قدرته على القيام قاعداً)لا مضطجعاً الا بعذر(ابتداء و) كذا بناء بعد الشروع بلا كراهة فى الأصح"بحر"وفيه أجر غير النبى صلى الله عليه وسلم على النصف إلابعذر(الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، كتاب الصلاة ،باب الوتر و النوافل،فروع الاسفار بسنة الفجر أفضل: ٣٦/٢،ط:سعيد)

(۲) ہاں ان دو رکعت کی بھی سند ہے اور مغرب وعشا کے بعد دو سنت مؤکدہ ان کے بعد دو رکعت نفل کی بھی سند ہے۔

عن عائشة رضى الله عنها قالت:"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من ثابر علٰى ثنتى عشرة ركعة من السنه بنٰى الله له بيتا فى الجنة.أربع ركعات قبل الظهر و ركعتين بعدها و ركعتين بعدالمغرب و ركعتين بعد العشاء و ركعتين قبل الفجر.(جامع الترمذى، كتاب الصلاة،باب ما جاء فيمن صلٰى فى يوم وليلة ثنتى عشر ركعة من السنة: ٩٤/١،رقم الحديث: ٤١٤، ط:سعيد)

(وسن) مؤكدًا (أربع قبل الظهر)...(وركعتان قبل الصبح وبعد الظهر وبعد المغرب و العشاء).(الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، كتاب الصلاة،باب النوافل و الوتر:١٣/٢،ط:سعيد)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی :۳۱۵/۳)

ملفوظ: بعد وتر نفل کھڑے ہو کر پڑھنا زیادہ ثواب ہے بہ نسبت بیٹھ کر پڑھنے کے اور مالا بد کی اس روایت کا اعتبار نہیں ہے۔(تالیفات رشیدیہ،ص:۳۰۵-۳۰۶)

ماجہ کی جو سنن ابی داؤد میں بھی نقل کی ہے کہ آپ نفس قرأت جالساً کر کے پھر کھڑے ہو جاتے تھے، حالاں کہ سنن ابی داؤد میں دوسری روایت (اگر اس کی ضرورت ہوئی تو نقل کر کے بھیج دوں گا) حضرت عائشہؓ سے ہی یہ ہے کہ قرأت اور رکوع وغیرہ سب جالساً کرتے تھے، یہاں تک کہ اس پر آپ کی وفات ہوگئی، اس سے آخر تک کا عمل تصریحاً معلوم ہوتا ہے اور یہی اپنے اساتذہ سے اب تک سنا ہے اور گو قاعدہ کے اعتبار سے اجر اس میں غیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے نصف ہونا چاہیے؛ لیکن حضرت مولانا محمد قاسم قدس سرہ سے منقول ہے کہ اگر اس نیت سے بیٹھ کر پڑھے گا کہ آپ سے یونہی منقول ہے تو اس نیت سے ان شاء اللہ تعالیٰ عجب نہیں کہ ثواب میں بھی کمی نہ رہے۔ واللہ اعلم

بہر حال مسئلہ کچھ ہو؛ مگر معمول نبوی تو یہی معلوم ہوتا ہے قرأت اور رکوع کی تفریق میں فقط یہی ایک روایت ہے، جس کے معارض دوسری روایت موجود ہے اور سنن کی ان روایات متعارضہ سے علاحدہ ہو کر دیکھا جائے تو صحیحین کی روایات میں مطلق صلی جالساً کا لفظ موجود ہے، جس سے باطلاقہ متبادر یہ ہے کہ رکوع وغیرہ اور قرأت میں کوئی فرق نہ تھا، شاید رواۃ سے اس ابن ماجہ کی روایت میں کچھ اختلاط وغیرہ ہوا ہو اور انہوں نے بعض رکعات تہجد کو جو آپ اس طرح پڑھتے تھے کہ قرأت تو بیٹھ کر اور رکوع کھڑے ہو کر ان دو رکعتوں کے ساتھ لگا دیا ہو، بہر کیف معمول نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بظاہر وہی رائج معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

الجواب ــــــــــــــــــــ

مجھ کو تو تعارض معلوم نہیں ہوتا کہ ترجیح، یا احتمال اختلاط کا قائل ہونا پڑے، روایت ابن ماجہ کو مطلق صلی جالساً کی تفسیر کیوں نہ کہی جاوے اور جس روایت میں رکوع جالسا کی تصریح ہو، اس کو محمول اختلاف اوقات پر کیا جاوے، پھر قول مطلق ہے، فعل کو اس پر منطبق کرنا اچھا ہے، تخصیص کے قائل ہونے سے اور مسئلہ ظنیہ ہے جانبین میں گنجائش ہے۔

۲۳ر رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ، صفحہ: ۳۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۴۵۹/۱-۴۶۰) ☆

☆ سوال: وتر کے بعد نفل دو رکعتیں بیٹھ کر ادا کرنا افضل اور بہتر ہے، یا کھڑے ہو کر؟ اور ان دونوں میں سنت کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

في سنن ابن ماجة، باب ماجاء في الركعتين بعد الوتر جالسًا، عن أبي سلمة قال حدثتني عائشة قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتر بواحدة ثم يركع ركعتين يقرأ فيهما وهو جالس فإذا أراد أن يركع قام فركع. (سنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلاة، باب ماجاء في الركعتين بعد الوتر جالساً: ۸۳/۱، قديمي، رقم الحديث: ۱۱۹۶، انيس)

اس حدیث سے بالتخصیص ان نوافل بعد الوتر میں قیام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثابت ہوا، رہا یہ کہ رکوع کے قبل جلوس فرماتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ قرأت طویل پڑھتے تھے اور آخر عمر میں ضعف بڑھ گیا تھا، یہ جلوس اس عارض کی وجہ سے تھا اور جب قرب رکوع کا ہوتا تھا، چونکہ وہ عارض مرتفع ہو جاتا تھا تو پھر کھڑے ہو جاتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ مقصود اصل میں قیام تھا، ورنہ جو لوگ بیٹھ کر ==

رکعتین بعد الوتر کے متعلق بہشتی زیور کے ایک مسئلہ پر شبہ کا جواب:

سوال: بہشتی زیور دوسرا حصہ بیان نفل پڑھنے میں لکھا ہے کہ نفل کھڑے ہوکر پڑھنا بیٹھ کر پڑھنے سے بہتر ہے، اور اس میں وتر کے بعد کی نفل بھی آ گئی؛ مگر مجموعہ فتاویٰ عبدالحیؒ جلد سوم صفحہ:۵۷ میں ہے کہ وتر کے بعد نفل بیٹھ کر پڑھنا چاہیے، ان دونوں مسائل کو کیسا سمجھنا چاہیے، جواب باصواب سے مشروف فرماویں، دیگر جائے مجموعہ فتاویٰ جلد اوّل صفحہ:۱۵۴ میں بھی بیٹھ کر پڑھنا بتلایا ہے؟ فقط

الجواب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"**فإذا أوتر أحدكم فليركع ركعتين**". (رواه الدارمی عن ثوبان)(۱)

ونیز ارشاد فرمایا ہے:

عن عمران بن حسين وكان مبسوراً قال: سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صلوٰة الرجل قاعداً فقال ان صلىٰ قائماً فهو أفضل من صلّى قاعداً فله نصف أجر القائم ومن صلىٰ نائما فله نصف أجر القاعد. (رواه البخاری)(۲)

== پڑھنے کو افضل کہتے ہیں، وہ اس قیام کے بھی قائل نہیں اور روایت مذکورہ کا اطلاق بھی اس کا مؤید ہے، غرض عوام؛ بلکہ خواص میں جو اس کے خلاف مشہور ہے، اس کی کوئی دلیل نہیں اور بعض رسائل اردو فارسی میں جو لکھ دیا ہے، وہ کسی معتبر جگہ سے نقل نہیں کیا گیا۔ واللہ اعلم

۴ر جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ

سوال: بعد وتر نماز عشا کے نفلوں کا حضور نے بہشتی زیور میں تحریر فرمایا ہے کہ کھڑے ہوکر پڑھنا چاہیے اور ایک وعظ میں ارشاد ہے "وعظ عود العبد ص ۱۴" میں کہ بعض اکابر کا قول ہے، چوں کہ بعد وتر کے دو رکعت حضور سے بیٹھ کر ہی پڑھنا منقول ہے اور قواعد شرعیہ سے بیٹھ کر پڑھنے میں نصف ثواب کا استحقاق ہوتا ہے؛ مگر چوں کہ حضور نے بیٹھ کر پڑھی ہے؛ اس لیے ہم کو بیٹھ کر پسند ہے، خادم کے واسطے جس طرح ارشاد ہو، تعمیل کرے؟

الجواب

یہ قول چوں کہ مشعر اتباع تھا؛ اس لیے نقل کیا، چنانچہ اوپر کے مضمون کے ملانے سے یہ امر واضح ہے؛ لیکن یہ عمل موقوف اس پر ہے کہ یہ ثابت بھی ہو، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کھڑے ہوکر پڑھنا بھی منقول ہے؛ اس لیے اب افضل یہی ہے، آپ کھڑے ہوکر پڑھئے، یہاں تو صرف بعض اکابر کے اس قول کا مبنی بیان کیا تھا۔

۱۵ر محرم ۱۳۴۳ھ (تتمہ خامسہ: ۳۱۷) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۴۵۹-۴۶۱)

(۱) سنن الدارمی، باب فی الرکعتین بعد الوتر، رقم الحديث: ١٦٣٥، انيس

(۲) صحيح البخاری، كتاب الصلاة، باب صلاة القاعد بالإيماء، رقم الحديث: ١٠٦٥، ١٥٠/١، قديمی، انيس

جواپنے عموم کی وجہ سے نوافل بعد الوتر کو بھی شامل ہے اور ابنِ ماجہ اور امام احمد نے "**كان يصليها وهو جالس**" جو روایت کی ہے، ہمارے نزدیک یہ جلوس تعبداً نہ تھا؛ بلکہ بوجہ تکان وغیرہ کے تھا، اور کـانَ ہمیشہ استمرار کے لیے نہیں ہوتا، جو دوام ثابت ہو۔ واللہ اعلم

احقر عبدالکریم عفی عنہ، الجواب صحیح ،ظفر احمد عفا عنہ، ۹ر شوال ۱۳۴۳ھ۔ (امداد الاحکام: ۲۲۲/۲)

ظہر، مغرب اور عشا کی نوافل میں کھڑے ہونے کی افضلیت کا حکم:

سوال: عوام الناس بعد نماز ظہر اور بعد نماز مغرب اور بعد نماز عشا(۱) دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھتے ہیں اور بیٹھ کر ادا کرنے کو بہ نسبت کھڑے ہو کر ادا کرنے کے افضل اور بہتر سمجھتے ہیں، یہ صحیح ہے، یا غلط؟

الجواب

فی الدر المختار عن البحر: أجر غير النبي صلى الله عليه وسلم على النصف إلا بعذر، آه. (۲)

اس روایت کے اطلاق سے سب نوافل کا کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ثابت ہوتا ہے؛ اس لیے عوام الناس کا سمجھنا غلط ہے۔

۴ر جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد: ۵۲/۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۴۵۹/۱)

بیٹھ کر نماز نفل مغرب وعشا کی پڑھنا:

سوال: مغرب اور وتر کے مابعد کی نفلیں کھڑے ہو کر پڑھنی چاہئیں، یا بیٹھ کر؟

الجواب

نفل نماز کھڑے ہو کر پڑھنے میں زائد ثواب ہے اور بیٹھ کر پڑھنا بھی بلا کراہت جائز ہے، البتہ وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھنی چاہیے، کذا جاء فی الحدیث۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۲۱) ☆

(۱) یعنی عشا کے بعد دو سنت مؤکدہ کے بعد جو دو نفل پڑھنے پڑتے ہیں۔ سعید

(۲) الدر المختار علی هامش ردالمختار، باب الوتر والنوافل، فروع الاسفار بسنة الفجر أفضل: ۳۷/۲، انیس

☆ **عشا کے بعد کی نوافل کس طرح پڑھے:**

سوال: ایک شخص دریافت کرتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عشا کے بعد نفل بیٹھ کر پڑھے ہیں، یا کھڑے ہو کر؟

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیٹھ کے نفل ادا فرمائے؛ مگر اور جو شخص بیٹھ کر پڑھے تو اس کو نصف (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ تمہاری نماز بیٹھے ہوئے اس کھڑے ہوئے نماز کے نصف کے برابر ہے، اس کو مؤطا میں امام مالکؒ نے روایت کیا ہے) ثواب ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۰۵)

نفل بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے، یا کھڑے ہوکر:

سوال: جن نمازِ پنجگانہ کے بعد جو نفلیں پڑھی جاتی ہیں، آیا ان کو بالالتزام بیٹھ کر پڑھنا چاہیے، یا کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ہے؟

الجواب

نوافل کو بیٹھ کر پڑھنا اگر کسی عذر کی وجہ سے پایا جاوے تو جائز ہے اور متنفل قائم کے ساتھ فضیلت میں بھی برابر ہوگا۔

كما في جامع الرموز نقلاً عن النهاية: أن أجر صلاة القاعد بعذر يساوي صلاة القائم بالإجماع. (۱)

اگر چہ بعض کا قول یہ بھی ہے کہ صورت مذکورہ میں صرف ازالہ ماثم میں صاحب عذر اور سالم برابر ہیں؛ لیکن اول اشہر ہے اور اگر بلا عذر نوافل کو (باستثناء شفعہ بعد الوتر کے) قاعداً پڑھنا ہے تو اس صورت میں مع الجواز ثواب میں ضرور تنصیف ہوگی۔

قال في الهداية: ويصلي النافلة قاعدًا مع القدرة على القيام لقوله صلى الله عليه وسلم: صلاة القاعد على النصف من صلاة القائم. (۲)

یہ جواز اس صورت میں ہوگا کہ بیٹھ کر پڑھنے میں کوئی ایسا التزام نہ ہو، جس سے دیکھنے والوں کو بیٹھ کر پڑھنے کی سنیت، یا وجوب کا گمان ہوجاوے، جیسا کہ بعض مقامات میں ظہر اور مغرب کے بعد لوگوں میں دو رکعتوں کا بیٹھ کر پڑھنا رائج ہوگیا ہے اور وہاں کے عوام اس قعود کو شرعاً لازم سمجھتے ہیں، ایسے مقامات میں یہ قعود بے شک مکروہ ہے۔

كمافي الخيرية: ۲/۳۳۳: "كل مباح يؤدي إلى زعم الجهال سنية أمر أو وجوبه فهو مكروه، آه، نقلاً عن القنية". (۳)

پس زید کا اصرار اس قاعدہ میں داخل ہوگا اور اس عادت کے مٹانے کی کوشش ضروری ہے، نفل بعد الوتر اس سے مستثنٰی ہے؛ اس لیے کہ وہ بحدیث قاعداً ثابت ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۲۱۵-۲۱۶) ☆

نوافل بیٹھ کر پڑھنے سے ثواب ملتا ہے، یا نہیں:

سوال: نوافل بیٹھ کر پڑھنے سے ثواب ملتا ہے، یا نہ؟ بعد وتر کے نفل کا کیا حکم ہے؟

الجواب

نوافل اگر بیٹھ کر پڑھے گا بروئے احادیث نصف ثواب ہوجاوے گا۔ (۳) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۲۱۷)

---

(۱) قال الشراح هنا ما حاصله إن الإجماع منعقد على أن صلاة القاعد بعذر مساوية لصلاة القائم في حق الأجر. (البناية شرح الهداية، صلاة النافلة على الدابة وفي حال القعود: ۲/۵۴۱، دار الكتب العلمية، انيس)

(۲) الهداية، كتاب الصلاة، باب النوافل، فصل في القراءة: ۱/۱۳۳، ظفير

(۳) ويتنفل مع قدرته على القيام قاعدًا) لا مضطجعاً الا بعذر (ابتداءً و) كذا (بناءً) ... وفيه أجر غير النبي صلى الله عليه وسلم على النصف إلا بعذر. (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، فروع الاسفار بسنة الفجر أفضل: ۱/۹۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

==

== ففی الصحیح لمسلم عن عبد اللّٰہ بن عمرو قال حدثت أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال:صلوٰۃ الرجل قاعداً نصف الصلاۃ، قال: فأتیت فوجدته یصلی جالساً فوضعت یدی علیٰ رأسه، فقال: مالک یا عبد اللّٰہ بن عمرو! قلت: حدثت یارسول اللّٰہ انک قلت صلاۃ الرجل قاعدًا علیٰ نصف الصلاۃ وأنت تصلی قاعدًا قال: أجل ولکنی لست کأحد منکم. (صحیح لمسلم،باب جواز النافلة قائماً وقاعدًا،کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا: ۲۵۳/۱، قدیمی،انیس)(إلیٰ قوله)حدیث البخاری:من صلیٰ قائماً فھو أفضل ومن صلیٰ قاعدًا فله نصف أجر القائم إلخ.(رد المحتار،باب الوتر والنوافل: ۶۵۲/۱)

☆ نوافل کو کھڑے ہوکر پڑھنے میں زیادہ ثواب ملتا ہے:

سوال: نوافل کا کھڑے ہوکر پڑھنا تو یقیناً بیٹھ کر پڑھنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے؛لیکن کسی وقت کی نفل کو بیٹھ کر پڑھنے میں کھڑے ہوکر پڑھنے جیسا ثواب ملتا ہے، یانہیں؟ (المستفتی:۱۵۵۱،حبیب حسین (بہار)۱۹/ربیع الثانی۱۳۵۶ھ،۲۹/جون۱۹۳۷ء)

الجواب

تمام نوافل کا یہی حکم ہے کہ بلاعذر بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے؛مگر آدھا ثواب ملتا ہے اس سے کوئی نفل مستثنیٰ نہیں ہے۔(ویتنفل مع قدرته علی القیام قاعدًا،لامضطجعًا إلا بعذر...أجر غیر النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم علی النصف إلا بعذر،إلخ.(الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار،کتاب الصلاۃ،باب الوتر والنوافل،فروع الاسفار بسنة الفجر أفضل: ۳۶/۲ ،انیس) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳۱۹/۳)

نفل نماز کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ہے:

سوال: وقتی نماز کے نفل عموماً لوگ بیٹھ کر پڑھتے ہیں، یہ طریقہ کیسا ہے؟(المستفتی:مستری حافظ انعام الٰہی محلّہ فراشخانہ،دہلی)

الجواب

نفل بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے،کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ہے۔(ویتنفل مع قدرته علی القیام قاعدًا)...(ابتداء و)کذا (بناء) بعد الشروع بلا کراھة فی الأصح کعکسه بحروفیه أجر غیر النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم علی النصف إلا بعذر. (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار،کتاب الصلاۃ،باب الوتر والنوافل،فروع الاسفار بسنة الفجر أفضل: ۹۷/۱ ،مکتبۃ زکریا دیوبند،انیس) فرض کے بعد کے نفل اور دیگر نوافل سب کا حکم ایک ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی:۴۵۳/۹)

نفل نماز بیٹھ کر پڑھنے کا حکم:

سوال: زید نفل نماز بیٹھ کر پڑھتا ہے، جب کہ نماز میں قیام بھی فرائض میں شامل ہے، اس صورت میں زید کی نماز درست ہوئی، یانہیں؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق

قیام غیر معذور شخص کے لیے فرض نمازوں میں ضروری ہے، نفل میں نہیں۔(ومنھا القیام)...(فی فرض)وملحق به کنذروسنة فجر فی الأصح (لقادر علیه)(الدر المختار علیٰ ھامش ردالمحتار،کتاب الصلاۃ،باب صفة الصلاۃ،ملحق بحث القیام: ۱۳۱/۲-۱۳۲)ویجوز أن ینتقل القادر علی القیام قاعدًا بلا کراھة فی الأصح کذا فی شرح مجمع البحرین لابن الملک (الفتاویٰ الھندیة، کتاب الصلاۃ،الباب التاسع فی النوافل: ۱۱۴/۱)

عبداللہ خالد مظاہری ۲۰/۱۱/۱۴۰۳ھ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۴۵۱/۲-۴۵۲)

دن اور رات کے نوافل کے احکام

دن اور رات کے نوافل میں ایک سلام کے ساتھ، کتنی رکعتیں درست ہیں:

سوال: نوافل میں دو ہی رکعت ہوتی ہیں، یا زیادہ بھی؟

الجواب

جس قدر چاہے پڑھے، دن کو چار بیک سلام اور رات [کو] آٹھ رکعت بیک سلام بلا کراہت ہوتی ہیں، اس سے زیادہ درست نہیں؛ مگر بکراہت۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص:۱۲) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۸۳)

رات کو آٹھ رکعت نفل ایک سلام سے اور اس کا طریقہ:

سوال: میں نے ایک کتاب رکن دین میں دیکھا ہے کہ شب کو آٹھ رکعت نفل ایک سلام سے پڑھ سکتے ہیں؛ لیکن قعدہ کی نسبت کچھ نہیں لکھا، آیا دو رکعت کے بعد قعدہ کرنا اور اس میں درود و دعا پڑھنا چاہیے، یا نہیں؟

الجواب

قعدہ ہر دو رکعت کے بعد کرنا چاہیے اور درود شریف اور دعا قعدۂ اخیرہ میں پڑھنی چاہیے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۲۴)

سنن غیر مؤکدہ میں چار کی نیت:

سوال: سنن غیر مؤکدہ میں چار کی نیت کی اور قیام جماعت عصر کی بنا پر دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو وہ چار جو اپنے ذمے واجب کر لی تھی، ان کا کس وقت اتمام ضروری ہے، یا مسنون ہے، یا دو پڑھنے سے ساقط ہوگئیں؟

---

(۱) (وتکره الزيادة علىٰ أربع في نفل النهار وعلىٰ ثمان ليلاً بتسليمة)؛لأنه لم يرد والأفضل فيهما الرباع بتسليمة وقالا في الليل المثنىٰ أفضل قيل وبه يفتىٰ ،إلخ... وفي الرد:لأن كل شفع صلاة علىٰ حدة.(الدرالمختارمع رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل: ٦٣٢/١ ،ظفير)

یہ فتویٰ ضعیف قول پر ہے، جیسا کہ عنوان ''عصر کے پہلے چار مستحب'' کے جواب میں وضاحت سے گذرا ہے، لہٰذا اب تعارض نہ رہے گا۔ محمد امین

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

محض چار کی نیت کر کے شروع کرنے سے چار واجب نہیں ہوئیں، دو ہی واجب ہوئیں، جب دو پر سلام پھیر دیا تو واجب ادا ہو گیا اس کے لیے دو اور پڑھنا لازم نہیں۔ (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۲۱۵/۷-۲۱۶)

نوافل میں اگر نیت سے زیادہ پڑھ لیا تو:

سوال: اگر دو رکعت نفل کی نیت کی تھی؛ مگر دو رکعت کے بعد سہو سے قعدہ نہ کیا اور تیسری رکعت پڑھ لی، تب یاد آیا اور ایک رکعت اور ملالی تو نماز ہوگئی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

سجدہ سہو کرنے سے نماز تمام ہو جاتی ہے، امام صاحب علیہ الرحمہ کے نزدیک۔ (۲) فقط وساللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص:۱۱) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ص:۱۸۲)

نوافل میں اگر ایک مرتبہ میں آٹھ رکعت کی نیت کی تو کیا سب کا ادا کرنا ضروری ہے:

سوال: نوافل میں اگر ایک دفعہ چار، یا آٹھ رکعت کی نیت کی تو سب کا ادا کرنا فرض ہوا، یا دو رکعت کا، درصورت فاسد ہونے نماز کے؟

الجواب ــــــــــــــــ

دو رکعت اول واجب ہوگئی، جب دو رکعت پڑھ کر کھڑا ہوا تو دو دیگر واجب ہوگئی علیٰ ہٰذا، اور سلام دے دیا دو پر مثلاً تو کچھ واجب نہ ہوگا۔ فقط (۳)

(بدست خاص، ص:۱۱) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ، ص:۱۸۲-۱۸۳)

---

(۱) قوله: (لأن كل شفع منه صلاة)...فإذا قام إلى شفع آخر، كان بانياً صلاة على تحريمة صلاة، ومن خمسة صرحوا بأنه لو نوى أربعاً، لايجب عليه بتحريمتها سوى الركعتين في المشهور عن أصحابنا وأن القيام الى الثالثة بمنزلة تحريمة مبتدأة. (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، مطلب: كل شفع من النفل صلاة: ۱۵۰/۲، دار الكتب العلمية، انيس)

(۲) لو ترك القعود الأول في النفل سهواً ولم تفسد استحباباً. (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۸۸/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(لأنها) أي لأن سجدة السهو (وجبت لجبراً للنقصان) المتمكن في الصلاة. (البناية شرح الهداية، متى يلزم سجدة السهو: ۶۲۶/۲، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(۳) [نوٹ: ایک ضروری مسئلہ: صحت نماز جمعہ کے لیے ملکِ تام، یا وقف ہونا مسجد کا شرط نہیں۔ ضمیمہ دوم میں ملاحظہ ہو۔ نور]

آٹھ سے زیادہ نفل کی نیت مکروہ تحریمی ہے، یا تنزیہی، عیدگاہ میں نفل نماز کا حکم اور مسجد کے اندر وباہر:

سوال: آٹھ رکعت نفل کی نیت باندھنا، یا اس سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہے، یا تحریمی؟ عیدگاہ کے فرش پر کیوں اور نماز مکروہ ہے؟ مسجد کی فضیلت اندر باہر کی ایک ہے، یا کم وزیادہ؟

الجواب

کتب فقہ میں نوافل کے بارے میں یہ ہے کہ دن کی نفلوں میں چار سے زیادہ اور رات کی نفلوں میں آٹھ سے زیادہ ایک نیت سے مکروہ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ رات کو آٹھ رکعت ایک نیت سے پڑھنا بلا کراہت درست ہے، البتہ اس سے زیادہ مکروہ ہے اور اس مکروہ سے مراد مکروہ تنزیہی ہے؛ کیوں کہ شامی میں کہا کہ بعض مشائخ اس کو مکروہ نہیں کہتے، پس معلوم ہوا کہ مختلف فیہ ہے اور یہ علامت کراہت تنزیہی کی ہے،(۱) اور عیدگاہ کے فرش پر سب نمازیں بلا کراہت جائز ہیں اور مسجد کی فضیلت اندر باہر برابر ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۲۶)

شب عیدین میں نوافل:

سوال: عیدین کی شب نفلیں پڑھنا کیسا ہے؟ عیدین کی شب میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نفل وتہجد پڑھنا ثابت ہے، یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصلیًا

مراقی الفلاح میں لکھا ہے کہ عیدین کی شب تمام رات عبادت کرنا اور نفلیں پڑھنا مستحب ہے،(۳) نبی کریم صلی

---

(۱) (وتكره الزيادة علىٰ أربع في نفل النهار وعلىٰ ثمان ليلاً بتسليمة)؛لأنه لم يرد (والأفضل فيهما الرباع بتسليمة).(الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱/۹۵، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

وفي الرد تحت (قوله لم يرد) ... نعم وقع الاختلاف بين المشائخ المتأخرين في الزيادة على الثمانية ليلاً فقال بعضهم لايكره وإليه ذهب شمس الأئمة السرخسي وصححه في الخلاصة.(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل، مطلب في لفظة ثمان: ۱/ ۶۳۲-۶۳۳، ظفير)

(۲) أما (المتخذ لصلاة جنازة أو عيد) فهو (مسجد في حق جواز الاقتداء) وإن انفصل الصفوف رفقًا للناس.(الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب ما يفسد الصلاة و مايكره فيها، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۷، دار الفكر، انيس)

اس سے معلوم ہوا کہ یوں نماز پڑھنے کی بدرجۂ اولیٰ اجازت ہے۔ظفیر

(۳) (و) ندب (إحياء ليلتي العيدين): الفطر والأضحى لحديث: "من أحياء ليلة العيد، أحياء الله قلبه يوم تموت القلب" ويستحب الاكثار من الاستغفار بالأسحار". (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في تحية المسجد وصلاة الضحى وإحياء الليالي، ص: ۴۰۰، قديمي)

==

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ تہجد پابندی سے ادا فرماتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں لکھا ہے کہ صرف ایک شب ایسی گزری ہے، جس میں آپ نے تہجد ادا نہیں فرمائی اور نہ دن میں اس کی قضا کی، جب کہ آپ مزدلفہ میں تھے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۱/۱۲/۳ھ، وارد حال: مدرسہ انوریہ شاہی مسجد لدھیانہ، پنجاب (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۲۴۰)

شکرانہ کی نماز کا حکم:

سوال: شکرانہ کی نماز فرض ہے، یا واجب، یا نفل؟ اور با جماعت ادا کی جائے تو ہوگی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

شکرانہ کی نماز نفل ہے،(۲) اگر نذر مانی جائے تو واجب ہوجاتی ہے،(۳) یہ نماز جماعت سے نہیں پڑھی جاتی؛ لیکن اگر چند لوگ جمع ہوگئے اور اس نماز کے پڑھنے کا موقع آگیا اور سب نے جماعت سے پڑھ لی تو نماز صحیح ہوئی؛(۴)

== عن أبي أمامة رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من قام لیلتی العیدین محتسبا لم یمت قلبہ یوم تموت القلب. (رواہ ابن ماجۃ)(إعلاء السنن، باب النوافل والسنن، استحباب قیام لیلتی العیدین: ۴۲/۷، رقم الحدیث: ۱۷۹۱، إدارۃ القرآن، انیس)

وعن عبادۃ بن الصامت رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "من أحیٰ لیلۃ الفطر و لیلۃ الأضحی، لم یمت قلبہ یوم تموت القلوب". (رواہ الطبرانی فی الکبیر والأوسط، مجمع الزوائد)(إعلاء السنن، باب النوافل والسنن، استحباب قیام لیلتی العیدین: ۳۵/۷، رقم الحدیث: ۱۷۹۰، إدارۃ القرآن)

(۱) النزول بمزدلفۃ: ثم دفع أتیٰ المزدلفۃ، فصلّٰی بہا المغرب والعشاء بأذان وإقامتین، ولم یسبح بینہما، ثم اضطجع حتیٰ طلع الفجر، فصلّٰی الفجر: أقول: إنما لم یتہجد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فی لیلۃ مزدلفۃ؛ لأنہ کان لایفعل کثیراً من الأشیاء المستحبۃ فی المجامع، لئلا یتخذہا الناس سنۃً". (حجۃ اللّٰہ البالغۃ، باب قصۃ حجۃ الوداع، من أبواب الحج، النزول بمزدلفۃ، آہ: ۱۶۸/۲-۱۶۹، قدیمی)

(۲) وسجدۃ الشکر: مستحبۃ، بہ یفتیٰ. (الدرالمختار، باب سجود التلاوۃ: ۱۱۹/۲، دار الفکر بیروت، انیس)

(قولہ بہ یفتی)... والأظہر أنہا مستحبۃ کما نص علیہ محمد؛ لأنہا قد جاء فیہا غیر ما حدیث وفعلہا أبوبکر وعمر وعلی. (ردالمحتار، باب سجود التلاوۃ، مطلب فی سجدۃ الشکر: ۵۹۷/۲-۵۹۸، دار الکتب العلمیۃ، انیس)

(۳) (ومن نذر نذرًا مطلقًا أو معلقًا بشرط وکان من جنسہ واجب) أی فرض کما سیصرح بہ تبعًا للبحر والدرر (وہو عبادۃ مقصودۃ) خرج الوضوء وتکفین المیت (ووجد الشرط) المعلق بہ (لزم الناذر) لحدیث من نذر وسمی فعلیہ الوفاء بما سمی (کصوم وصلاۃ وصدقۃ). (الدرالمختار علیٰ ہامش ردالمحتار، کتاب الأیمان: ۵۱۵/۵-۵۱۷)

(۴) (ولا یصلی الوتر و) لا (التطوع بجماعۃ خارج رمضان) أی یکرہ ذلک علیٰ سبیل التداعی، بأن یقتدی أربعۃ بواحد کما فی الدر. (الدرالمختار علیٰ ہامش ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل: ۵۰۰/۲، انیس)

لیکن نذر ماننے کی صورت میں نذر ماننے والے کو انفرادی طور سے نماز پڑھنا چاہیے، جماعت سے ان کی نذر ادا نہیں ہوگی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۷/۱۲/۱۳۷۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۰۷/۲)

نوشہ کا دوگانۂ شکر ادا کرنا:

سوال: نکاح سے پہلے نوشہ کو قاضی صاحب دو رکعت شکرانہ ادا کراتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(محمد عبدالواحد، پالونجہ)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

خوشی کے موقع پر نماز شکر ادا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؛(۱) اس لیے اس کے پڑھنے کی گنجائش ہے، البتہ خاص اس موقع پر نماز ادا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یا صحابہ سے ثابت نہیں اور آج کل بعض مقامات پر اس کو رواج بنالیا گیا ہے، پس، جہاں بہ طور رواج کے اس طرح نماز ادا کی جاتی ہو، وہاں نہ پڑھنا بہتر ہے۔

(کتاب الفتاویٰ: ۳۸۶/۲)

نکاح کے بعد شکرانہ کی نماز:

سوال: کیا شادی کے موقع پر نماز شکرانہ ادا کرنا بدعت ہے؟

هو المصوب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

بطور شکرانہ کے دو رکعت نفل پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن ان دو رکعتوں کے پڑھنے کو ضروری سمجھنا اور نہ پڑھنے والے کو لعن وطعن کرنا، اسی طرح صرف سجدہ کرنا اور اس میں بھی بسا اوقات وضو کا بھی اہتمام نہ کرنا شرعاً بے بنیاد ہے۔(۳)

تحریر: محمد طارق ندوی، تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۵۰/۳-۵۱)

---

(۱) (ولا يصح اقتداء رجل بإمرأة)...(و) لا (ناذر) بمتنفل، ولا بمفترض، ولا (بناذر؛ لأن كلامنهما كمفترض فرضًا آخر. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۵۸۰/۱، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲-۳) فإن تمام الشكر في أن يصلي ركعتين كما فعله رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم فتح مكة وقد روى عن إبراهيم النخعي أنه كان يكرهها وهكذا روى ابن سماعة عن أبى يوسف عن أبى حنيفة، لأنه لو فعله من يكون منظورا إليه ربما يظن ظان أن ذلك واجب أو سنة متبعة عند حدوث النعم فيكون مدخلا في الدين ماليس منه وقال عليه السلام: "من أدخل في ديننا ما ليس منه فهو رد" وما من ساعة إلا وفيها نعمة متجددة لله تعالىٰ على كل أحد من صحة أو غير ذلك، فلو اشتغل بالسجود عند كل نعمة لم يتفرغ لشغل آخر، ولما وفق حتى سجد كان ذلك نعمة ينبغي أن يسجد لها ثانيا، الخ. (شرح السير الكبير، باب سجدة الشكر: ۲۲۱/۱، الشركة الشرقية للإعلانات، انيس)

نمازِ عشق:

سوال: کوئی دو رکعت نماز عشق اس طرح پڑھے کہ قیام میں بیس دفعہ اللہ کا ذکر قلب پر جیسا کہ خارج میں کرتے ہیں کر لے، اس کے بعد رکوع میں دس دفعہ اور قومہ میں دس دفعہ اور سجدہ میں دس دفعہ، پھر جلسہ میں دس دفعہ، نماز کے بعد درود "اللّٰھم صلِّ وسلم وبارک علٰی من اسمه سیدنا محمد عدد ما فی علم اللّٰه صلاةً دائمةً بدوام ملک اللّٰه" کثرت سے پڑھے، اس کے بعد دعا مانگے "اللّٰھم اجعلنی محبوس محبتک ومسجون عشقک ومفتون شوقک ومجنون لقائک وأعطنی داء محبتک یا أھل المشتاقین و ارزقنی داء محبتک یا أرحم الراحمین" قلب پر ذکر جیسا کہ بیرون نماز کیا جاتا ہے، نماز میں جائز ہے، یا نہیں؟ اس طرح کی نماز پڑھنا طریقت اور شریعت میں جائز ہے، یا کوئی اور حکم ہے؟ ذرا تحقیق ہو جاوے تو بہت عمدہ ہے، نیز نماز میں تصور شیخ کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ اس جگہ بعض علما ایسے تصور کرنے والوں کو کافر کہنے لگے ہیں، جو کوئی ایسا کرتا ہے کافر ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

نماز عشق جو آپ نے لکھی ہے، بقاعدہ شریعت میں اس کی کچھ اصل نہیں معلوم ہوتی اور طریقت میں بھی وہی عبادت معتبر ہے، جو شریعت میں ثابت ہو اور شرعاً جائز ہو، شرعاً بطریق مذکور شریعت میں ایسی نماز نہیں ہے؛ لیکن اس میں کوئی امر کفر و معصیت کا بھی نہیں ہے، البتہ خلاف طریق سنت ہے اور چوں کہ سوائے ذکر قلبی کے اور کوئی امر زائد اس میں اَوراد و صلوٰۃ سے نہیں ہے؛ اس لیے کفر کی کوئی وجہ نہیں ہے، البتہ تصورِ شیخ نماز میں اس طرح عمداً کرے کہ شیخ کی صورت بالقصد پیش نظر کرے تو یہ ناجائز ہے، اگرچہ کفر نہیں؛ مگر ایسا کرنا نہیں چاہیے؛ کیوں کہ مشائخ رحمہم اللہ جو تصور شیخ کی اجازت دیتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے شیخ سے ایسی محبت ہو جائے کہ بلا ارادہ شیخ کا خیال دل میں رہے اور تعلق قلبی حاصل ہو جائے، نہ یہ کہ بالقصد صورتِ شیخ کو پیش نظر کرے؛ بلکہ مثال تصور شیخ کی جو جائز ہے، ایسی ہونی چاہیے جیسے محبّ عاشق کو اپنے محبوب کا تصور بلا ارادہ رہتا ہے، اس میں کوئی اختیار نہیں ہوتا اور یہی ہے وہ ایک خاص (مرتبہ)، یعنی فنا فی الشیخ۔

پس ضروری ہے کہ نماز میں تصور مذکور سے پرہیز کرے، باقی بے اختیار حالت پر کوئی حکم نہیں ہوسکتا، وہ مجبور و معذور ہے۔ نمازِ عشق میں جو آپ نے لکھی ہے، اگر تصور شیخ (بالاختیار) اور غیر اللہ کی طرف اس میں توجہ نہ ہو تو صرف ذکر قلبی بطریق مذکور علاوہ قرأت و تسبیح وغیرہ ضروریات فرائض و سنن و آداب نماز کے ہوں تو اس میں صرف اتنا ہی تأمل ہے، قیام میں فاتحہ و سورت پڑھنے کے بعد ذکر قلبی کے لیے مزید کھڑا رہنا ہے، رکوع کی طرف جانے میں تاخیر کرنا قواعد

شرعیہ کے خلاف ہے، حکم یہ ہے کہ قرأت فاتحہ وسورت کے بعد فوراً رکوع کرے اور (اسی طرح) رکوع میں تسبیح سے فارغ ہوکر فوراً قومہ کرے، اسی طرح تمام نماز میں حکم ہے، پس یہ تاخیر، جو ہر جگہ ذکر قلبی کے واسطے ہوگی، نماز شرع کے خلاف ہے۔

لہٰذا بندہ کے خیال میں احوط یہ ہے کہ ایسا نہ کرے اور قواعد شرعیہ کے موافق نماز پڑھے، نماز سے خارج بہت وقت ایسا ہے کہ اس میں حسب دلخواہ جس قدر چاہے ذکر کرے اور کسی بزرگ نے کسی مرید سے علاجاً یہ فعل کرایا ہے، تو ضروری نہیں کہ اس کو ہمیشہ کیا کرے۔ فقط والسلام مع الاکرام واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۳۲/۴-۲۳۳)

نماز معکوس کی حقیقت:

سوال: بعض کتابوں میں نماز معکوس کی اصطلاح نظر سے گذری ہے؛ لیکن اس کی تفصیل سمجھ میں نہیں آئی؛ یعنی ایسی حالت میں رکوع وسجود وقعدہ وغیرہ ارکان نماز کیوں کر ممکن ہوں گے؟ دوسرے اس کا ثبوت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کی زندگی سے حدیث وسیر کی عام ومتداول کتابوں میں نظر سے نہیں گزرا، حضرت محبوب الٰہی کے ملفوظات فوائد الفوائد کے شروع میں البتہ یہ تذکرہ موجود ہے کہ سلطان ابوسعید ابوالخیر نے اتباع سنت میں یہ نماز بھی پڑھی تھی اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے القول الجمیل میں اسے اشغال چشتیہ کے ذیل میں درج فرمایا ہے؛ لیکن یہ بھی فرمادیا ہے کہ سنت سے اس کا ثبوت نہیں ملتا، اس باب میں جناب کی تحقیق سے مستفید ہونا چاہتا ہوں؟

الجواب

اس کو صلوٰۃ مجازاً کہہ دیا جاتا ہے، اصل میں یہ ایک مجاہدہ ہے اور مجاہدہ ایک معالجہ ہے اور معالجہ کے لیے منقول وماثور ہونا ضروری نہیں، ہاں منہی عنہ نہ ہونا ضروری ہے، سو یہ منہی عنہ نہیں؛ لیکن اس وقت امزجہ اس کے متحمل نہیں ہوسکتے، لہذا مشائخ نے اس کو ترک فرمادیا ہے۔

تاریخ ۳۰/ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۶۵۸) (امداد الفتاویٰ جدید: ۴۶۸/۱-۴۶۹)

ہدایت الرسول کی نیت سے نماز:

سوال: ماہِ صفر کی آخری چہار شنبہ کو کچھ حضرات بوقت اشراق دو رکعت نفل، ''ہدایت الرسول'' کی نیت سے پڑھتے ہیں، بعدہ اسماء الٰہی پڑھتے ہیں اور پھر قصیدۂ بردہ اور دعائے مستغاث پڑھ کر اور دعا وغیرہ مانگ کر شیرینی تقسیم کرتے ہیں، (دریافت کرنے پر یہ فرماتے ہیں کہ آج کے دن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیماری میں افاقہ ہوا تھا) اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور کیا یہ جائز ہے؟

هو المصوب

بدعت ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔(۱)

تحریر: محمد مستقیم ندوی، تصویب: ناصر علی ندوی۔ (ندوۃ العلماء: ۳/ ۶۰-۶۱)

فرض نہ پڑھے اور نوافل پڑھے تو اس کا ثواب ملے گا، یا نہیں:

سوال: اگر کوئی شخص پنجگانہ نماز کا پابند نہ ہو اور وہ عید میلا د النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روز، یا شب میں نوافل ادا کرے تو کیا ان نوافل دوگانہ سے کوئی فائدہ، یا ثواب حاصل نہ ہوگا؟

(المستفتی: ۲۰۸۵، شیخ عبد اللہ مولا بخش صاحب بمبئی: ۸، ۲۶/ رمضان ۱۳۵۶ھ، یکم ستمبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

نوافل جو ادا کیے جائیں گے، اس کا ثواب خدا تعالیٰ کی طرف سے ملے گا، یہ دوسری بات ہے کہ ترک فرائض کے عقاب کے مقابلے میں وہ کچھ فائدہ بھی پہنچا سکتے ہیں، یا نہیں؟

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۳/ ۳۱۹)

توبہ کے بعد بھی قضا ضروری ہے:

سوال: راقم الحروف (مرتب مکتوبات مولانا نجم الدین اصلاحیؒ) نے حضرت امام العصرؒ سے قضاء عمری کے متعلق یہ شبہ پیش کیا تھا کہ جب توبہ کر کے کوئی نماز کا پابند ہو گیا اور اب قضا نہیں ہوئی، تو پھر توبہ نے ماقبل کو بھی ذمہ سے ساقط کر دیا، اب پھر قضاء عمری کی کیا ضرورت ہے؟

الجواب

نمازوں کے قضا ہونے کی وجہ سے دو باتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک وہ گناہ جو عدول حکمی کی بنا پر ہوتا ہے، دوسری چیز اشتغال ذمہ جو کہ وجوب نماز اور وقت کی بنا پر ہوا تھا، توبہ اور اس کی قبولیت کی بنا پر وہ گناہ جو عدول حکمی اور احترام وقت

---

(۱) أخبرتني عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد. (الصحيح لمسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، رقم الحديث: ۱۷۱۸، ص: ۸٦٦)/ صحيح البخاري، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، رقم الحديث: ۲٦۹۷، انيس)

عن العرباض بن سارية قال: قام فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم فوعظنا موعظة بليغة وجلت منها القلوب وذرفت منها العيون ... وإياكم والأمور المحدثات فإن كل بدعة ضلالة. (سنن ابن ماجة، كتاب المقدمة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين: ۲۸/۱، رقم الحديث: ٤۲۰، انيس)

کے ٹھکرانے سے ہوا ہے زائل ہو جائیگا، مگر امر ثانی یعنی فراغت ذمہ تو جب ہی ہوگی جبکہ ماوجب کو ادا کر دیا جائے، اس لئے قضا ضروری ہے، دنیاوی دیون ناس پر خیال فرمائیے۔

مکتوبات: ۱/۱۴۱۴۔ (فتاویٰ شیخ الاسلام: ص۲۶)

نماز، روزہ کا فدیہ ادا کرنا افضل ہے، یا حج بدل کرانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید کے ماں باپ، روزہ نماز کے پابند نہ تھے، لاپرواہی سے نماز نہ پڑھتے تھے، اللہ جل شانہ نے زید کو مالی وسعت بخشی ہے، ان کا ارادہ ہے کہ وہ اپنے والدین کی طرف سے امسال حج کراویں، حالاں کہ ان کے والدین پر حج فرض نہ تھا، سوال یہ ہے کہ زید کے لیے والدین کے نماز، روزہ کا فدیہ ادا کرنا والدین کے لیے زیادہ مفید ہوگا، یا حج کرنے میں زیادہ ثواب ہوگا؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

قاعدہ عقلیہ بھی ہے اور شرعیہ بھی کہ جلب منفعت پر دفع مضرت مقدم ہے اور ظاہر ہے کہ ترک فرائض علی الخصوص ترک صلوٰۃ پر بے حد تشدید و وعید بالعذاب وارد ہے اور قدر مشترک متواتر المعنی ہے، لہٰذا اداء فدیہ کے ذریعہ اِنقاذ من العذاب والدین کے حق میں ازبس مفید و راجح ہے۔

ناکارہ نے اپنی بضاعت کے مطابق کتب فقہ کا کافی تتبع کیا، اس کے باوجود کوئی جزئیہ صراحتاً نہیں مل سکا، البتہ فقہ کی مجموعی عبارات سے فدیہ ہی کا ادا کرنا بچند وجوہ راجح معلوم ہوتا ہے۔

(۱) فدیہ ادا کرنے کے بعد مطالبہ میت سے ساقط ہو جاتا ہے، البتہ تاخیر کا گناہ باقی رہتا ہے بخلاف حج کے کہ اس سے سقوط مطالبہ کی تصریح نہیں ملتی۔

(وإن) لم يوص و(تبرع وليه به جاز،الخ.(الدر المختار)

وقال العلامة الشامي:أقول لامانع من كون المراد به سقوط المطالبة عن الميت بالصوم فى الآخرة وإن بقي عليه إثم التأخير كما لو كان عليه دين عبد وما طله به أحد حتٰى مات فأوفاه عنه وصيه أو غيره،الخ.(۱)

(۲) فدیہ کا ادا کرنا انفع للفقراء بھی ہے بخلاف حج کے کہ وہ فقرا کے لیے نفع بخش نہیں ہے۔

(۳) صلوٰۃ وصوم متروکہ میں فقہا کرام فدیہ کو ذکر کرتے ہیں؛ لیکن حج کا ذکر باوجود تتبع کثیر کے کہیں نہیں مل سکا، چناں چہ صاحب درمختار لکھتے ہیں:

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار،باب ما يفسد الصوم ومالا يفسد،فصل فى العوارض:۲/۴۲۴-۴۲۵،دار الفكر،انيس

”وأما من أفطر عمدًا فوجوبها عليه بالأولٰى“.(۱) (أی الوصية بإعطاء الفدية)

بلکہ وصیت کی صورت میں فدیہ ہی کو لازم قرار دیتے ہیں اور وصیت نہ کرنے کی صورت میں فدیہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔

(وفدى) لزوماً (عنه) أی عن الميت (وليه) الذی يتصرف فی ماله (كالفطرة) قدرًا،الخ.

وفی الشامی:أی يلزم الولی الفداء عنه من الثلث إذا أوصٰى وإلا فلا يلزم بل يجوز،الخ.(۲)

(۴)　فدیہ ادا کرنے کی صورت میں حقوق العباد کی ادئیگی ہے اور حج کرنے کی صورت میں حقوق اللہ کی ادائیگی ہے اور حقوق العباد مقدم ہے حقوق اللہ پر۔

(۵)　فدیہ بہر حال من جانب میت ہوتا ہے، اگر وصیت کی ہو تو لزوماً، ورنہ جوازاً، چوں کہ ورثا کا دینا گویا کہ میت ہی کا دینا ہے بخلاف حج کے کہ وہ من جانب میت نہیں ہوتا؛ بلکہ اس کا صرف ثواب ہوتا ہے، جیسا کہ علامہ شامی نے تصریح کی ہے۔

”وأما الحج فمقتضىٰ ما سيأتی فی كتاب الحج عن الفتح أنه يقع عن الفاعل وللميت الثواب فقط وأما الكفارة فقد مرت متناً“.(۳)

(۶)　قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ صوم وصلوٰۃ کا فدیہ ہی ادا کیا جائے، چوں کہ حج فرض کے بارے میں تمام فقہا لکھتے ہیں کہ وہ حج ہی کے ذریعہ ذمہ سے ساقط ہوگا، صدقہ وغیرہ سے حج فرض ساقط نہیں ہو سکے گا، اسی طرح صلوٰۃ وصوم کا سقوط بھی ذمہ سے صلوٰۃ وصوم کے ذریعے ہی ہونا چاہیے تھا؛ مگر حدیث پاک میں ممانعت موجود ہونے کی وجہ سے فدیہ کو اس کا بدل قرار دیا گیا ہے۔

”لايصوم أحد عن أحد ولايصلی أحد عن أحد“.(۴)

لہٰذا اگر چہ وصیت نہ کی ہو؛ لیکن صوم وصلوٰۃ کا سقوط ذمہ سے فدیہ ہی سے ہو سکے گا، حج سے نہیں، چوں کہ یہی صوم وصلوٰۃ کا بدل ہے، البتہ فدیہ کی ادائیگی کے بعد حج کر لیں اور ثواب والدین کو پہونچا دیں تو یہ نور علی نور ہے، حدیث پاک میں اس کی فضیلت موجود ہے۔

”إذا حج الرجل عن والديه تقبل منه ومنهما واستبشرت أرواحهما فی السماء وكتب عند الله تعالٰى برًا“.(أخرجه الدارقطنی)(۵)فقط والله تعالٰى أعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی (حبیب الفتاویٰ:۱/۵۴-۵۶)

(۱،۲،۳)　الدر المختار علٰى هامش ردالمحتار،باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد،فصل فی العوارض:۴۲۴/۲،دار الفكر،انيس

(۴)　الهداية،كتاب الصوم:۲۴۰/۱-۲۴۱،مكتبة رحمانية لاهور،انيس

(۵)　رد المحتار،باب الحج عن الغير،مطلب العمل على القياس دون الاستحسان:۶۰۹/۲،دارالفكر ==

نماز کا فدیہ:

سوال: ایام مرض میں تقریباً ایک سال کی نمازیں ذمہ رہ گئیں، بیماری سے پہلے بھی نمازیں پوری نہیں تھیں، اس میں گندم، یا نقد دینا ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

دونوں ہی دے سکتے ہیں، دن میں مع وتر کے چھ نمازیں ہیں، ایک نماز کا فدیہ ۲/۳۲ کلوگرام گندم ہے، گیہوں کی قیمت کے برابر اور کوئی چیز دینا چاہیں تو وہ بھی دے سکتے ہیں؛ مگر نقد دینا افضل ہے۔(۱)

قال فى العلائية: ومالم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة ... (ودفع القيمة) أى الدراهم (أفضل من دفع العين على المذهب) المفتى به، جوهرة وبحرعن الظهيرية. (الدرالمختار)

وقال ابن عابدين (قوله أى الدراهم): ولعلّه اقتصرعلى الدراهم تبعًا للزيلعى لبيان أنها الأفضل عند إرادة دفع القيمة؛ لأنّ العلّة فى أفضلية القيمة كونها أعون علىٰ دفع حاجة الفقير لاحتمال أنه يحتاج غير الحنطة مثلا من ثياب ونحوهابخلاف دفع العروض. (۲)فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم

۱۹/صفر ۱۳۹۱ھ (احسن الفتاویٰ: ۳/۳۳)

میت کی طرف سے اس کا بیٹا نماز کا فدیہ ادا کرسکتا ہے:

سوال: میرے والد کا انتقال ۱۹۶۳ء میں کراچی میں ہوا تھا، مجھے یاد ہے کہ بیماری کے دوران ان کی کچھ نمازیں

== سنن الدار قطنى، باب المواقيت، رقم الحديث: ۲٦۰۷، انيس

(۱) (وَلَوْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صَلَوَاتٌ فَائِتَةٌ وَأَوْصَى بِالْكَفَّارَةِ يُعْطَى لِكُلِّ صَلَاةٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ) كَالْفِطْرَةِ (وَكَذَا حُكْمُ الْوِتْرِ) وَالصَّوْمِ، وَإِنَّمَا يُعْطِي (مِنْ ثُلُثِ مَالِهِ). (الدرالمختار، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۲-۷۳، دارالفكر بيروت، انيس)

فِي التَّتَارْخَانِيَّة عَنْ التَّتِمَّةِ: سُئِلَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ الْفِدْيَةِ عَنْ الصَّلَاةِ فِي مَرَضِ الْمَوْتِ هَلْ تَجُوزُ؟ فَقَالَ: لَا، وَسُئِلَ أَبُو يُوسُفَ عَنْ الشَّيْخِ الْفَانِي هَلْ تَجِبُ عَلَيْهِ الْفِدْيَةُ عَنْ الصَّلَوَاتِ كَمَا تَجِبُ عَلَيْهِ عَنْ الصَّوْمِ وَهُوَ حَيٌّ؟ فَقَالَ: لَا، آه. وَفِي الْقُنْيَةِ: وَلَا فِدْيَةَ فِي الصَّلَاةِ حَالَةَ الْحَيَاةِ بِخِلَافِ الصَّوْمِ، آه. (ردالمحتار، مطلب فى إسقاط الصلاة عن الميت: ۲/۷٤، دارالفكر بيروت، انيس)

قوله: (والصلاة كالصوم) هذا استحسان، والقياس: أن لايجوز الفدية عن الصلاة لأن ماثبت بخلاف القياس فغيره لا يقاس عليه، وجه الاستحسان: أن كلا منهما عبادة بدنية لا تعلق لوجوبها ولا لأدائها والباقى يعرف فى الأصول وقوله: (وكل صلاة كصوم يوم) فى أن يؤدى عن كل صلاة مثل ما يأدى عن كل يوم وهذا هو الصحيح. (منحة السلوك فى شرح تحفة الملوك: ۱/۲۷۲، وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية قطر، انيس)

(۲) الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب صدقة الفقير ۲/۳٦٤-۳٦٥، دارالفكر بيروت، انيس

قضا ہوگئی تھیں، انہوں نے قضا نمازوں کا فدیہ ادا کرنے کا کوئی وصیت نامہ نہیں لکھا تھا، تو کیا ہم لوگ ان کے بیٹے ہونے کی حیثیت سے ان کی قضاں نمازوں کا فدیہ ادا کر سکتے ہیں؟ اور اگر ادا کریں تو پھر کس حساب سے؟ یعنی ۱۹۶۳ء کے صدقہ فطر کے ریٹ سے یا ۱۹۷۸ء کے صدقہ فطر کے ریٹ سے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

آپ اپنے والد کی طرف سے فدیہ ادا کر سکتے ہیں، یومیہ چھ نمازوں کا حساب لگائیں؛ اس لیے کہ وتر کا مستقل فدیہ واجب ہے، جب فدیہ ادا کریں گے اس وقت کا نرخ لگایا جائے گا۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ / محرم ۹۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۴۵/۳)

☆ ☆ ☆

(۱) قوله: (والصلاة كالصوم) هذا استحسان، والقياس: أن لايجوز الفدية عن الصلاة لأن ماثبت بخلاف القياس فغيره لا يقاس عليه،وجه الاستحسان: أن كلا منهما عبادة بدنية لا تعلق لوجوبها ولا لأدائها والباقى يعرف فى الأصول وقوله:(وكل صلاة كصوم يوم) فى أن يؤدى عن كل صلاة مثل ما يأدى عن كل يوم وهذا هو الصحيح. (منحة السلوك فى شرح تحفة الملوك: ۲۷۲/۱ ،وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية قطر،انيس)

تحیۃ الوضوو تحیۃ المسجد کے مسائل

تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد سنت ہے، یا مستحب:

سوال:　تحیۃ الوضو، تحیۃ المسجد یہ سنت ہے، یا مستحب؟ ایک روز میں ان نمازوں کو کتنی باراور کس وقت پڑھنا چاہیے، مسجد کو نماز کے وقت جاتے ہیں، ظہر کے وقت ظہر کو، عصر کے وقت عصر کو، ایسا ہی سب نمازوں کو، کبھی اذان کے قریب اور کبھی اذان کے بعد اور کبھی نماز کے قریب جیسا اتفاق ہو، اب نمازوں کو کیسے ادا کرنا چاہیے اوران میں کونسی سورتیں پڑھنا مناسب ہے؟ ازراہِ مہربانی وبندہ پروری مفصل ترکیب اور اوقات سے مطلع فرما کر ممنون اور مشکور فرماویں؟

الجواب

تحیۃ الوضو مستحب ہے،(۱) اور تحیۃ المسجد سنت ہے؛(۲) مگر مؤکدہ نہیں، تحیۃ الوضو ہر وضو کے بعد مستحب ہے، دن میں جتنی بار بھی وضو کیا جاوے اور تحیۃ المسجد مسجد میں داخل ہونے کے وقت سنت ہے، جتنی بار بھی داخل ہو؛ لیکن جس کی آمد و رفت زیادہ رہتی ہو، اس کو دن رات میں ایک بار تحیۃ المسجد پڑھنا بھی کافی ہے اور تحیۃ المسجد و تحیۃ الوضو سنن مؤکدہ اور فرائض سے بھی ادا ہو جاتی ہے، جب کہ وضو کے بعد فوراً یا مسجد میں جاتے ہی سنت اور فرض میں مشغول

(۱)　وندب ركعتان بعد الوضوء لحديث مسلم.(ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ۱/٤٥٨، انیس)

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: كَانَتْ عَلَيْنَا رِعَايَةُ الْإِبِلِ فَجَائَتْ نَوْبَتِي فَرَوَّحْتُهَا بِعَشِيٍّ فَأَدْرَكْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمًا يُحَدِّثُ النَّاسَ فَأَدْرَكْتُ مِنْ قَوْلِهِ :"مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ وُضُوئَهُ، ثُمَّ يَقُومُ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، مُقْبِلٌ عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهِ وَوَجْهِهِ، إِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ ". قَالَ: فَقُلْتُ: مَا أَجْوَدَ هَذِهِ فَإِذَا قَائِلٌ بَيْنَ يَدَيَّ يَقُولُ: الَّتِي قَبْلَهَا أَجْوَدُ فَنَظَرْتُ فَإِذَا عُمَرُ قَالَ: إِنِّي قَدْ رَأَيْتُكَ جِئْتَ آنِفًا، قَالَ:" مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُبْلِغُ – أَوْ فَيُسْبِغُ – الْوَضُوءَ ثُمَّ يَقُولُ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ إِلَّا فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ". (الصحيح لمسلم، باب الذكر المستحب عقب الوضوء: ۱/۱۲۲، رقم الحديث: ۲۳٤. انیس)

(۲)　عن أبي قتادة السلمي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين قبل أن يجلس. (صحيح البخاري، باب إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين: ۱/٦۳، مكتبة رشيدية/موطأ الإمام محمد، باب مايستحب من التطوع في المسجد، رقم الحديث: ۲۷٦، انیس)

ويسن تحية رب المسجد وهي ركعتان ... وقدحكى الاجماع على سنتهما غيرأن أصحابنا يكرهون في الأوقات المكروهة. (الدرالمختار، باب الوتر والنوافل: ۱/٤٥٦، انیس)

ہوجاوے اور بعد طلوعِ فجر کے طلوعِ آفتاب تک اور بعد عصر کے غروب تک (۱) مستقلاً اور عین طلوع شمس وغروب اور استواء شمس کے وقت مطلقا تحیۃ الوضواور تحیۃ المسجد پڑھنا جائز نہیں، باقی اوقات میں جس طرح چاہے پڑھے، خواہ مستقلاً خواہ سنتِ مؤکدہ وغیرہ کے ضمن میں اوران کے لیے کوئی سورت خاص نہیں، جوسورت چاہے پڑھے۔

۲۶/ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام:۲/۲۲۱-۲۲۲)

کیا مسجد پہنچ کر پہلے بیٹھے، رسنت پڑھے:

سوال: یہاں علی العموم لوگوں کا اعتقاد ہے کہ جب نماز کے لیے مسجد میں جائے تو وضوکر کے پہلے قدرے بیٹھ جائے، پھر اٹھ کر نیت نماز کی کرے اور اس کو مثل فرض واجب کے سمجھتے ہیں۔ یہ احادیث سے ثابت ہے، یا نہیں؟

الجواب

سنت یہی ہے کہ مسجد میں جاتے ہی بدونِ بیٹھ جانے کے تحیۂ مسجد کی دو رکعتیں ادا کرے اور اگر پہلے بیٹھ گیا تو یہ ترک اولیٰ ہوگا۔ حدیث صحیحین کو فقہا نے ترک اولیٰ ہی پر حمل کیا ہے؛ لیکن بیٹھ کر ادا کرنے کو ضروری سمجھنا دو طرح سے خلاف مشروع ہے:

ایک یہ کہ حدیث صحیحین کے خلاف ہے۔

"إذا دخل أحدكم المسجد فلايجلس حتٰى يصلي ركعتين". (۲)

دوم قاعدہ مذکورہ کی رو سے بھی یہ طرز اور یہ طریقہ مکروہ ہوگا۔

كما في الخيرية (۳۳۳/۲): كل مباح يؤدي إلٰى زعم الجهال سنية أمر أووجوبه فهومكروه، آه، نقلاً عن القنية. (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۲۱۵-۲۱۷) ☆

(۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ جو نمازیں اس وقت میں پڑھنا جائز ہیں، ان کے ضمن میں یہ بھی درست ہے۔ حضرت مولاناؒ

(۲) صحيح البخاري، باب ماجاء في التطوع مثنٰى مثنٰى: ۱۵٦/۱، مكتبة رشيدية سهارنپور/الصحيح لمسلم، باب استحباب تحية المسجد ركعتين، رقم الحديث: ۷۱٤، انيس

☆ تحیۃ المسجد، داخل ہوتے وقت پڑھے یا بیٹھنے کے بعد:

سوال: زید جس وقت مسجد میں آتا ہے تو جلسہ کر کے کھڑا ہو کر تحیۃ الوضو ونوافل وغیرہ پڑھتا ہے۔ خالد کہتا ہے کہ اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لایا کرتے تھے اور اکثر صحابہ جس وقت مسجد میں داخل ہوتے تھے تو دو رکعت نماز تحیۃ الوضو پڑھ کر جلسہ کرتے تھے۔ اس صورت میں کس کے قول کو ترجیح ہے؟

الجواب

اولیٰ اور مستحب یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہونے کے وقت اگر وضو ہے اور وقت میں گنجائش ہے، تو پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے پھر بیٹھے۔ (ويسن تحية رب المسجد وهي ركعتان وأداء الفرض وغيره وكذا دخوله بنية فرض أواقتداء==

تحیۃ المسجد بیٹھنے سے پہلے پڑھنا مستحب ہے:

سوال: اکثر نمازی مسجد میں داخل ہوکر دو چار سکنڈ بیٹھنے کے بعد سنت، یا نفل پڑھنی شروع کرتے ہیں اور بعض حضرات بیٹھتے نہیں آتے ہی نماز میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ بہتر طریقہ کون سا ہے؟

الجواب

دو چار سکنڈ بیٹھنے کے بعد نماز شروع کرنا، اس کی کچھ اصل شریعت میں نہیں ہے؛ اس لیے بہتر یہی ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے ہی نوافل میں اور سنن میں مشغول ہوجائے۔ علاوہ ازیں حضرات اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کا عمل اسی پر رہا ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے ہی نماز میں مشغول ہوجاتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ مسعود احمد

جواب صحیح ہے اور خود حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ تحیۃ المسجد بیٹھنے سے سے پہلے پڑھنا چاہیے، ''**قبل أن يجلس**'' (۱) کی تصریح ہے، اس کے خلاف کرنا زیادتی ثواب سے محرومی کا سبب ہے۔ (۲) واللہ تعالی اعلم

کتبہ بندہ محمد شفیع غفرلہ (فتاویٰ دارالعلوم مسمی بہ امداد المفتین: ۳۱۱/۲)

گھر پر فجر کی سنت پڑھنے کے بعد مسجد میں تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو پڑھنے کا حکم:

سوال: نماز سنت فجر مکان میں پڑھ کر مسجد میں نماز فجر کے لیے جاتا ہوں، اس وقت نماز تحیۃ المسجد پڑھ سکتا ہوں، یا نہیں؟

== ينوب عنها بلا نية و تكفيه لكل يوم مرة و لاتسقط بالجلوس عندنا (الدر المختار) (باب الوتر والنوافل: ۹۵/۱، انيس) والحاصل أن المطلوب من داخل المسجد أن يصلي فيه ليكون ذلك تحية لربه الخ وإلا لزم فعلها بعد الجلوس وهو خلاف الأولٰى الخ. أما حديث الصحيحين: "إذا دخل أحدكم المسجد فلايجلس حتٰى يصلي ركعتين". فهو بيان للأولٰى. (رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب في تحية المسجد: ۶۳۵/۱-۶۳۶، ظفير) اور یہ جو مروج ہوگیا ہے کہ مسجد میں داخل ہوکر پہلے بیٹھ کر پھر تحیۃ المسجد وغیرہ پڑھتے ہیں، اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۳۵/۴-۲۳۶)

(۱) عن أبي قتادة السلمي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين قبل أن يجلس. (صحيح البخاري، باب إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين: ۶۳/۱، مكتبة رشيدية/موطأ الإمام محمد، باب مايستحب من التطوع في المسجد، رقم الحديث: ۲۷۶، انيس)

(۲) ولا تسقط بالجلوس عندنا فإنهم قالوا في الحاكم إذا دخل المسجد للحكم: إن شاء صلى التحية عند دخوله أو عند خروجه لحصول المقصود كما في الغاية وأما حديث الصحيحين: إذا دخل أحدكم المسجد فلايجلس حتٰى يصلي ركعتين، فهو بيان للأولٰى لحديث ابن حبان: يا أباذر للمسجد تحية وإن تحيته ركعتان فقم فاركعهما وتمامه في الحلية. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل: ۴۶۰/۲، انيس)

الجواب

اس وقت نہ تحیۃ الوضو ہے، نہ تحیۃ المسجد ہے،(۱) نیز ان سنتوں (۲) کا مسجد میں پڑھنا افضل ہے؛ بلکہ جمیع سنن مؤکدہ کا؛ تاکہ اتہام، یا تشبہ با اہل بدعت سے محفوظ رہے، جو کہ تارکین ان سنن کے ہیں۔

۱۰/رجب ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ: ۱۷) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۴۶۶-۴۶۷)

گھر سے سنت پڑھ کر آنے کے بعد مسجد میں تحیۃ المسجد پڑھنا:

سوال: زید نفل وسنت پڑھ کر گھر سے مسجد آیا تو کیا یہ تحیۃ المسجد بھی پڑھ سکتا ہے؛ یعنی سنتوں اور فرض کے درمیان؟

(المستفتی: ۶۵۸، مجیدی دواخانہ بمبئی، ۲۷/رجب ۱۳۵۴ھ، م ۲۶/اکتوبر ۱۹۳۵ء)

الجواب

نماز کی موکدہ سنتیں گھر سے پڑھ کر آنا اور فرض نماز میں دیر ہے تو مسجد میں آ کر تحیۃ المسجد پڑھ لینا سنت ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۳۱۶-۳۱۷)

---

(۱) اس لیے کہ صبح صادق کے بعد دو رکعت سنت فجر کے علاوہ نوافل پڑھنا مکروہ ہے اور مکروہ وقت میں تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء پڑھنا جائز نہیں ہے۔

وقد حكى الاجماع علىٰ سنيتها، غير أن أصحابنا يكرهونها فى الأوقات المكروهة تقديما لعموم الحاظر علىٰ عموم المبيح، آه. (ردالمحتار، مطلب فى تحية المسجد: ۱/٦٣٥، سعيد احمد)

(۲) یعنی فجر کی سنتوں کا، اصل مذہب یہ ہے کہ سنن مؤکدہ کا گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

والأفضل فى عامة السنن والنوافل المنزل وهو المروى عن النبى صلى الله عليه وسلم، آه. (الهداية، باب إدراك الفريضة: ۱/۱٥٢)

لیکن اب مسجد میں پڑھنا بدرجہ افضل ہے، اول تشبیہ با اہل بدعت، دوم لوگوں میں تہاون وسستی عام ہے اور مشاغل روز افزوں ہیں؛ اس لیے اندیشہ ہے کہ گھر میں نہ پڑھ سکیں۔

قال فى الفتح: وبه أى بأصل المذهب افتىٰ الفقيه أبو جعفر، قال: إلا أن يخشى أن يشتغل عنها إذا رجع، فان لم يخف فالأفضل البيت، آه. (حاشية الهداية: ۱/۱٥٢)

حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ثم أفتىٰ أرباب الفتيا بأن الأفضل الأداء فى المسجد كيلا يلزم التشبه بتركها بالروافض حيث لا يأتون بها ونظراً إلىٰ تهاون أهل عصرنا يمكن أن يفتى بأدائها فى المسجد كى لا يتشاغلوا عنها فى البيوت، آه. (معارف السنن شرح سنن الترمذيللشيخ البنورى: ٤/١١١، سعيد أحمد) (باب ماجاء أنها يصليها فى البيت، انيس)

(۳) ويسن تحية رب المسجد، وهى ركعتان، الخ. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ١/٤٥٦، انيس)

وفى الشامية: "والحاصل أن المطلوب من داخل المسجد أن يصلى فيه الخ (باب الوتروالنوافل، مطلب تحية المسجد: ٢/١٨، ط: سعيد)

تحیۃ الوضوءاورتحیۃ المسجد فجر اور مغرب کی نماز سے قبل پڑھنا مکروہ ہے:

سوال: تحیۃ الوضواورتحیۃ المسجد فجر اور مغرب کی نماز سے قبل پڑھنا کیسا ہے؟

(المستفتی:۵۴۴،محمد مقصوداحمد خاں (تانبوے)۲۹رصفر۱۳۵۵ھ،مطابق۲رمئی۱۹۳۶ء)

الجواب

تحیۃ الوضواورتحیۃ المسجد فجر؛ یعنی صبح صادق ہوجانے کے بعداورغروب شمس کے بعدفرض سے پہلے پڑھنا حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳۲۴/۳)

عین اذان کے وقت تحیۃ الوضو:

سوال: اگرکوئی شخص ایسے وقت جامع مسجد میں پہونچتا ہے کہ اذان ہورہی ہے،اس وقت تحیۃ المسجد کی نیت کر کے نمازشروع کرسکتا ہے،یااذان کے ختم کا انتظارکر کے پڑھے؟اسی طرح اگرکوئی وقتِ ظہر کے شروع ہوجانے کے بعداذان سے پہلے مسجد میں پہونچتاہےتو سنتوں کو پڑھ سکتا ہے،یااذان کے بعدہی پڑھے؟

الجواب حامدًا ومصلیاً

تحیۃ المسجد پڑھنے کے لیے بیٹھ کرختم اذان کاانتظارکرے۔(۲)

---

(۱) وكذا الحكم من كراهة نفل وواجب لغيره لا فرض وواجب لعينه بعد طلوع فجر سوى سنته لشغل الوقت به تقديرًا حتى لو نوى تطوعاً كان سنة الفجر بلا تعيين وقبل صلاة المغرب لكراهة تأخيره إلا يسيرًا.(التنوير وشرحه،كتاب الصلاة: ۶۱/۱-۶۲،ط:سعيد)

عن حماد قال:سألت إبراهيم عن الصلاة قبل المغرب فنهاني عنها وقال:إن النبى صلى الله عليه وسلم وأبابكر وعمر رضى الله عنهما لم يصلوها.قال محمد:وبه نأخذ إذا غابت الشمس فلاصلاة على جنازة ولا غيرها قبل صلاة المغرب وهو قول أبى حنيفة رضى الله عنه.(الآثار لمحمد بن الحسن الشيباني،باب ما يعد من الصلاة ومايكره منها، رقم الحديث:۱۴۵،انيس)

(۲) (ويجب)وجوباً...(من سمع الأذان بأن يقول)بلسانه كمقالته إلا فى الحيعتين فيحوقل أى يقول لاحول ولا قوة إلا الله ".(الدرالمختارمع ردالمحتار:۶۷/۲،باب الأذان،انيس)

وَأَمَّا بَيَانُ مَا يَجِبُ عَلَى السَّامِعِينَ عِنْدَ الْأَذَانِ فَالْوَاجِبُ عَلَيْهِمُ الْإِجَابَةُ، لِمَا رُوِىَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "أَرْبَعٌ مِنَ الْجَفَاءِ: مَنْ بَالَ قَائِمًا، وَمَنْ مَسَحَ جَبْهَتَهُ قَبْلَ الْفَرَاغِ مِنَ الصَّلَاةِ، وَمَنْ سَمِعَ الْأَذَانَ وَلَمْ يُجِبْ، وَمَنْ سَمِعَ ذِكْرِى وَلَمْ يُصَلِّ عَلَىّ"، وَالْإِجَابَةُ: أَنْ يَقُولَ مِثْلَ مَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ، لِقَوْلِ النَّبِى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:==

جب ظہر کا وقت شروع ہو گیا تو سنتوں کا پڑھنا درست ہوگا، اگر چہ اذان نہ ہوئی ہو۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۲۱۶/۷)

تحیۃ الوضو میں مختلف نفل نمازوں کی نیت:

سوال: تحیۃ الوضو میں استغفار، حاجت وغیرہ کا تعدد نیات جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

جائز ہے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۱۷/۷)

☆ ☆ ☆

== "مَنْ قَالَ مِثْلَ مَا يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ غَفَرَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ"، فَيَقُولُ مِثْلَ مَا قَالَهُ إِلَّا فِي قَوْلِهِ: "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" فَإِنَّهُ يَقُولُ مَكَانَهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ؛ لِأَنَّ إِعَادَةَ ذٰلِكَ تُشْبِهُ الْمُحَاكَاةَ وَالِاسْتِهْزَاءَ، وَكَذَا إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ: "الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ" لَا يُعِيدُهُ السَّامِعُ لِمَا قُلْنَا وَلٰكِنَّهُ يَقُولُ: صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ، أَوْ مَا يُؤْجَرُ عَلَيْهِ. وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يَتَكَلَّمَ السَّامِعُ فِي حَالِ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ، وَلَا يَشْتَغِلَ بِقِرَائَةِ الْقُرْآنِ، وَلَا بِشَيْءٍ مِنَ الْأَعْمَالِ سِوَى الْإِجَابَةِ، وَلَوْ كَانَ فِي الْقِرَائَةِ يَنْبَغِي أَنْ يَقْطَعَ وَيَشْتَغِلَ بِالِاسْتِمَاعِ وَالْإِجَابَةِ، كَذَا قَالُوا فِي الْفَتَاوَى وَاللّٰهُ أَعْلَمُ (بدائع الصنائع، فصل بيان ما يجب على السامعين عند الأذان: ۱۵۵/۱، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

"ويسن تحية المسجد". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة: ۱۸/۲، مطلب فى تحية المسجد، باب الوتر والنوافل، سعيد)

(۱) (وهو سنة مؤكدة للفرائض فى وقتها ولو قضاءً، لا) يسن (لغيرها) كعيد. (الدر المختار مع رد المحتار، باب الأذان: ۴۹/۲ـ۵۰، انيس)

"(قوله: لا يسن لغيرها) أى من الصلوات... (وقله: كعيد) أى ووتر وجنازة... وسنن رواتب لأنها اتباع للفرائض". (ردالمحتار: ۳۸۴/۱ـ۳۸۵، باب الأذان، سعيد)

(۲) "قال الحنفية: إما أن يكون الجمع بن العبادتين فى الوسائل أوفى المقاصد، فإن كان فى الوسائل فإن الكل صحيح كما اغتسل الجنب يوم الجمعة للجمعة ولرفع الجناية، ارتفعت جنابته، وحصل له ثواب غسل الجمعة، ومثله لونوىٰ الغسل للجمعة والعيدفإنهما يحصلان. وإن كان فى المقاصد، فإما أن ينوى فرضين أونفلين أوفرضاً أونفلاً... وأما إذا نوىٰ نافلتين، كما إذا نوىٰ بركعتى الفجر التحية والسنة، اجزأت عنهما". (الفقه الإسلامى وأدلته: ۱۸۵/۱، ۱۸۶، مقدمة ضرورية عن الفقه، المطلب الثانى عشر: النية والباعث فى العبادات، رشيدية)

نماز اشراق کے مسائل

بعد فجر اشراق تک ایک جگہ بیٹھنے کا ثواب:

سوال: صبح کی نماز کے بعد اپنی جگہ بیٹھنے سے حج کا ثواب ملتا ہے، بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ اس وقت تک کہ اشراق کا وقت ہو، اگر خاموشی کے ساتھ اپنے گھر آئے اور تلاوت قرآن کرتا رہے، نماز اشراق پڑھ کر اٹھے، آیا اس کو بھی وہی ثواب ملے گا، یا نہیں؟ فقط (محمد الیاس)

الجواب ـــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اس کے لیے یہ ثواب نہیں؛ کیوں کہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہے، جیسا کہ خود بہشتی زیور میں بھی موجود ہے کہ وہیں بیٹھے بیٹھے ذکر وغیرہ میں مشغول رہے اور اس جگہ سے اٹھ کر گھر آ کر ذکر میں مشغول رہنے سے اس قدر ثواب نہیں ملتا ہے؛ بلکہ اس میں کمی آ جاتی ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۳۵۶/۱۲/۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۱/ذی الحجہ/۱۳۵۶ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۶۷/۵-۶۶۸)

---

(۱) عن أبي أمامة رضي اللّٰه تعالٰى عنه قال: قال رسول اللّٰه تعالٰى عليه وسلم: "من صلى صلاة الغداة في جماعة، ثم جلس يذكر اللّٰه حتى تطلع الشمس، ثم قام، فصلى ركعتين، انقلب بأجر حجة و عمرة". {رواه الطبراني وإسناده جيد}(مجمع الزوائد للهيثمي، كتاب الأذكار، باب ما يقول بعد صلاة الصبح والمغرب والعصر: ١٠٤/١٠، دار الفكر بيروت)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: عمل اليوم والليلة لابن السني رحمه اللّٰه تعالٰى، باب فضل الذكر بعد صلاة الفجر، ص: ١٢٦-١٢٧، مكتبة الشيخ

عن سهل بن معاذ عن أبيه رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من صلى صلاة الفجر ثم قعد يذكر اللّٰه عزوجل حتى تطلع الشمس وجبت له الجنة. (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب فضل الذكر بعد صلاة الفجر، رقم الحديث: ١٤٤، انيس)

عن عمرة قالت: سمعت أم المؤمنين تقول: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: من صلى صلاة الفجر أو قال: الغداة، فقعد في مقعده لم يلغ بشيء من أمر الدنيا يذكر اللّٰه عزوجل حتى يصلي الضحى أربع ركعات خرج من ذنوبه كيوم ولدته أمه. (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب فضل الذكر بعد صلاة الفجر، رقم الحديث: ١٤٥، انيس) ==

فجر کے بعد اشراق تک ذکر میں مشغول رہنا:

سوال: فجر کی فرض کے بعد بعض لوگ مصلیٰ پر بیٹھے رہتے ہیں، طلوع آفتاب کے بعد نیت اشراق دوگانہ چار رکعت نماز پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے حج وعمرہ کا ثواب ملتا ہے، اس روایت کی کیا اصل ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق فرض کے بعد مصلی پر بیٹھے رہنا تو ثابت ہے؛ لیکن دوگانہ نماز پڑھنے کا ثبوت نہیں ملتا، مسئلہ کی پوری تحقیق فرمائیں؟ فقط

الجواب ــــــــــــ حامداً و مصلياً

عن أنس رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال: قال رسول اللّٰه تعالٰی علیه وسلم: ''من صلی الفجر فی جماعة، ثم قعد یذکر اللّٰه حتٰی تطلع الشمس، ثم صلی رکعتین، کانت له کأجر حجة وعمرة'' قال: قال رسول اللّٰه تعالٰی علیه وسلم: '' تامة تامة''. {رواه الترمذی}(مشکوۃ الصابیح: ۸۹/۱، باب **الذکر بعد الصلوات**)(۱)

حدیث بالا اس مسئلہ کی اصل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۲/۱۰/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۲/۱۰/۱۳۸۸ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۶۸/۵-۶۶۹)

== عن الحسن بن علی رضی اللّٰه عنه قال: سمعت جدی صلی اللّٰه علیه وسلم یقول: ما من عبد صلی صلاة الصبح ثم جلس یذکر اللّٰه عزوجل حتی تطلع الشمس إلا كان له حجابا من النار أو سترا. (عمل الیوم واللیلة لابن السنی، باب فضل الذکر بعد صلاة الفجر، رقم الحدیث: ۱٤٦، انیس)

(۱) مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ، باب الذکر بعد الصلاۃ: ۸۹/۱، قدیمی)(الفصل الثانی، انیس)/ جامع الترمذی، أبواب السفر، باب ذکر ما یستحب من الجلوس فی المسجد بعد صلاۃ الصبح حتٰی تطلع الشمس، سعید)

عن أبی أمامة رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال: قال رسول اللّٰه تعالٰی علیه وسلم: من صلی صلوٰة الغداة فی جماعة، ثم جلس یذکر اللّٰه حتٰی تطلع الشمس، ثم قام، فصلی رکعتین، انقلب بأجر حجة وعمرة. {رواه الطبرانی وإسناده جید}(مجمع الزوائد للهیثمی، کتاب الأذکار، باب مایقول بعد صلاة الصبح والمغرب: ۱۰٤/۱۰، دار الفکر)

اعلم أن أشرفَ أوقات الذکر فی النهار، الذکرُ بعد صلاة الصبح. روینا عن أنس رضی اللّٰه عنه فی کتاب الترمذی وغیره قال: قال رسولُ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: مَنْ صَلَّی الفَجْرِ فی جَماعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ یَذْکُرُ اللّٰهَ تعالی حتَّی تَطْلُعَ الشَمْسُ، ثُمَّ صَلَّی رَکْعَتَیْنِ کانَتْ کأجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ تامَّةٍ تامةٍ تامةٍ. قال الترمذی: حدیث حسن.

وروینا فی کتاب الترمذی وغیره، عن أبی ذر رضی اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: مَنْ قالَ فِی دُبُرِ صَلاةِ الصُّبْحِ وَهُوَ ثانٍ رِجْلَیهِ قَبْلَ أنْ یَتَکَلَّمَ: لا إلهَ إلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لا شَرِیکَ لَهُ، لَهُ المُلْکُ وَلَهُ الحَمْدُ یُحْیی وَیُمِیتُ وَهُوَ علی کُلّ شَیْءٍ قَدِیرٌ عَشْرَ مرَّاتٍ کُتِبَ لَهُ عَشْرُ حَسَناتٍ، ومُحِیَ عَنْهُ عَشْرُ سَیِّئاتٍ، ==

فجر کے بعد ہواخوری افضل ہے، یا اوراد و وظائف:

سوال: فجر میں دعا کے بعد اگر فجر کا وقت باقی ہے تو اس وقت اوراد و وظائف، حمد، نعت، صلوۃ وسلام، یا تلاوت کلام پاک میں لگ جانا افضل ہے، یا ہواخوری کے لیے نکل جانا افضل وضروری ہے؟

الجواب ــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

ہواخوری کی ضرورت صحت کو برقرار رکھنے کے لیے ہے تو اس سے بھی منع نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ اس کی رعایت بھی قابل اہتمام ہے، ذکر وتلاوت وغیرہ کے افضل ہونے کے متعلق تو مستقل دلائل موجود ہیں (فجر کی نماز کے بعد اشراق تک ذکر واذکار میں مشغول رہنے کے فضائل احادیث میں بکثرت وارد ہوءے ہیں، لہذا فجر کے بعد اشراق تک ذکر واذکار میں مشغول رہے، نماز اشراق پڑھنے کے بعد ہواخوری کرے، نیز عصر کے وقت بھی ہواخوری کے لیے مفید ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۲/۲۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۲۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۶۸/۵-۶۶۹)

== وَرُفِعَ لَهُ عَشْرُ دَرَجاتٍ، وكانَ يَوْمَهُ ذلكَ فِي حِرْزٍ مِنْ كُلِّ مَكْرُوهٍ وَحُرِسَ مِنَ الشَّيْطانِ ولَمْ يَنْبَغِ لِذَنْبٍ أنْ يُدْرِكَهُ في ذلكَ اليَوْمِ إلَّا الشِّرْكَ باللَّهِ تَعالى. قال الترمذى: هذا حديث حسن، وفى بعض النسخ: صحيح.

وروينا فى سنن أبى داود عن مسلم بن الحارث التميمى الصحابى رضى الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه أسرّ إليه فقال: إذَا انْصَرَفْتَ مِنْ صَلاةِ المَغْرِبِ فَقُلْ: اللَّهُمَّ أجِرْنِي مِنَ النَّارِ سَبْعَ مَرَّاتٍ، فإنَّكَ إذَا قُلْتَ ذلكَ ثُمَّ مُتَّ مِنْ لَيْلَتِكَ كُتِبَ لَكَ جِوَارٌ مِنْها وإذَا صَلَّيْتَ الصُّبْحَ فَقُلْ كَذَلِكَ، فإنَّكَ إنْ مُتَّ مِنْ يَوْمِكَ كُتِبَ لَكَ جِوَارٌ مِنْها.

وروينا فى مسند الإمام أحمد وسنن ابن ماجه وكتاب ابن السنىّ، عن أُمّ سلمة رضى الله عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا صلى الصبح قال: اللَّهُمَّ إنى أسألُكَ عِلْمًا نافِعًا، وعَمَلًا مُتَقَبَّلًا، وَرِزْقًا طَيِّبًا.

وروينا فيه، عن صُهيب رضى الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يحرّك شفتيه بعد صلاة الفجر بشىء، فقلت: يارسول الله! ما هذا الذى تقول؟ قال: اللَّهُمَّ بِكَ أُحاوِلُ، وَبِكَ أُصَاوِلُ، وَبِكَ أُقاتِلُ.

والأحاديث بمعنى ما ذكرته كثيرة، وسيأتى فى الباب الآتى من بيان الأذكار التى تقال فى أوّل النهار ما تقرّ به العيون إن شاء الله تعالى. وروينا عن أبى محمد البغوى فى شرح السنّة قال: قال علقمة بن قيس: بلغنا أن الأرض تعجّ إلى الله تعالى من نومة العالِم بعد صلاة الصبح. والله أعلم (الأذكار للنووى، باب الحث على ذكر الله تعالىٰ بعد صلاة الصبح: ١٤٤/١-١٤٦، دارابن كثير دمشق - بيروت، انيس)

(۱) عن أبى أمامة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلىٰ صلوة الغداة فى جماعة، ثم جلس يذكر الله حتىٰ تطلع الشمس ثم قام، فصلى ركعتين، انقلب بأجر حجةوعمرة". {رواه الطبرانى وأسناده جيد}(مجمع الزوائد، باب مايقول بعد صلٰة الصبح والمغرب والعصر: ١٠٤/١٠، دارالفكر بيروت)==

فجر کے بعد یٰسین شریف کا ختم:

سوال: ایک امام صاحب روزانہ بعد فجر کے سلام کے بعد بغیر مناجات زبردستی مقتدیوں کو سورۂ یٰسین پڑھنے پر مجبور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے ختم قرآن شریف کا ثواب ملتا ہے؛ کیوں کہ ذرا سے وقت کے لیے آپ اس سے محروم ہوں؟ اس کے بعد دعا کرتے ہیں (مناجات کرتے ہیں)۔ کیا امام صاحب کا یہ عمل از روئے شرع صحیح ہے، یا ناجائز ہے؟ احکام شرعی بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیں، کرم ہوگا۔

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

ایک مرتبہ سورہ یٰسین پڑھنے سے دس قرآن کا ثواب ملتا ہے، (۱) حدیث شریف میں موجود ہے، اس سے مشکلات میں آسانی ہوتی ہے، (۲) اپنے زیر ترتیب لوگوں کو ورد یکر بھی عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں؛ لیکن سب کو مجبور نہ کیا جائے، جس کا دل چاہے دعا کے بعد چلا جائے، یا تسبیح، نوافل، تلاوت وغیرہ میں مشغول ہو جائے، جس کا دل چاہے تلاوت یٰسین کرے، (۳) ترغیب کو جبر کہنا بھی صحیح نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۷۰/۵-۶۷۱)

== عن أبی أما مة رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال: قال رسول اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم: "من قال دبر کل صلاة الغداة: لاإله إلاالله وحده لاشریک له، له الملک وله الحمد، یحیی ویمیت، بیده الخیر، وهو علٰی کل شیء قدیر مائة مرة قبل أن یثنی رجلیه، کان یومئذ من أفضل أهل الأرض عملاً، إلامن قال مثل ما قال" أو زاد علٰی ما قال رواه الطبرانی فی الکبیر والأوسط، ورجال الأوسط ثقات". (مجمع الزوائد، باب ما یقول بعد صلاة الصبح والمغرب: ۱۰ / ۱۰۷، دارالفکر)

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: (عمل الیوم اللیلة لابن السنی رحمه اللّٰہ تعالٰی، باب فصل الذکر بعد صلاة الفجر، ص: ۱۲۶-۱۲۷، مکتبه الشیخ)

(۱) "عن أنس رضی الله تعالٰی عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم: "إن لکل شیء قلباً، وقلب القرآن یٰسٓ، ومن قرأ یٰسٓ، کتب اللّٰہ له بقراءتها قراءة القرآن عشرمرات". (تفسیر ابن کثیر: ۵۶۳/۴، سورة یٰسٓ، سهیل اکیڈمی لاهور) (والحدیث رواه الترمذی، فی سننه فی أبواب فضائل القرآن عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم، باب ماجاء فی یٰسٓ: ۱۱۶/۲، سعید)

(۲) عن عطاء بن أبی رباح، قال: بلغنی أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: "من قرأ یٰسٓ فی صدر النهار، قضیت حوائجه".

قال ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما: من قرأ یٰسٓ حین یصبح، أعطی یسر یومه حتی یسمی، ومن قرأها فی صدر لیلة، أعطی یسر لیلة حتٰی یصبح". (سنن الدارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فی فضل یٰسٓ: ۵۴۹/۲، قدیمی (رقم الحدیث: ۳۴۱۸-۳۴۱۹)

(۳) الإصرار علی المندوب یبلغه إلٰی حد الکراهة، آه. (السعایة، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبیل فی فصل القرآءة: ۲۶۵/۲، سهیل اکیڈمی لاهور) ==

نماز اشراق وغیرہ کی نیت:

سوال: نماز اشراق ونماز چاشت ونماز اوابین ان سب نمازوں کی نیت اور ترتیب سے بھی مطلع فرمایئے گا؟

الجواب

اوابین واشراق وچاشت سب میں صرف نفل نماز کی نیت کرلینا کافی ہے، کسی خاص نماز اور وقت کا نام لینا کچھ ضروری نہیں، (۱) اور عوام اور ناواقفوں کو لمبی لمبی نیت بتلا کر پریشان کرنا جہالت ہے اور جونسی سورت چاہے پڑھے۔ (۲)

کتبہ اصغر حسین عفی عنہ، الجواب صحیح: مہر۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۰۸/۴-۳۰۹)

اشراق کے ساتھ چاشت کی نماز:

سوال: اشراق کی نماز کے ساتھ ہی دو رکعت چاشت کی نماز ادا کرسکتا ہے؟

هو المصوب

دونوں کا وقت الگ الگ ہے، جب سورج صاف ہو جائے تو اشراق پڑھیں اور جب دھوپ تیز ہو جائے تو چاشت کی نماز پڑھیں۔ (۳)

وندب أربع فصاعداً فی الضحٰی علی الصحیح من بعد الطلوع إلٰی الزوال. (ردالمحتار: ۴٦٥/۲)

تحریر: مسعود حسن حسنی ندوی، تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۵۵/۳-۵٦)

== قال الطیبی: وفیہ: من أصر علٰی أمر مندوب، وجعله عزمًا، ولم یعمل بالرخصة، فقد أصاب من الشیطان من الإضلال، فکیف من أصر علٰی بدعة أو منکر". (مرقاة المفاتیح، کتاب الصلاة، باب فی الدعاء فی التشهد: ۳۱/۳، ط: رشیدیة (تفسیر رقم الحدیث: ۹۴٦)

(۱) وفی الکبیری: المصلی إذا کان متنفلاً سواءٌ کان ذلک النفل سنة مؤکدة أو غیرها یکفیه نیة مطلق الصلوٰة ولا یشترط تعیین ذلک النفل، إلخ. (الکبیری، ص: ۲۴٥، جمیل الرحمن)

(۲) عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت: قام النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بابه من القرون لیلة. (جامع الترمذی، باب ماجاء فی القراء ة باللیل: ۱۰۱/۱، انیس)

(۳) قال العلامة سراج أحمد فی شرح الترمذی له: إن المتعارف فی أول النهار صلاتان الأولی بعد طلوع الشمس وارتفاعها قدر رمحٍ أو رمحین والثانیة عند ارتفاع الشمس قدر رمح النهار إلی ما قبل الزوال ویقال لها صلاة الضحی واسم الضحی فی کثیر من الأحادیث شامل لکلیهما، وقد ورد فی بعضها النظر الإشراق أیضًا. (إعلاء السنن: ۳۰/۷)

السابعة صلاة الضحی فالمواظبة علیها من عزائم الأفعال وفواضلها أما عدد رکعاتها فأکثر ما نقل فیه ثمان رکعات، روت أم هانیء أخت علی بن أبی طالب رضی اللّٰه عنهما أنه صلی اللّٰه علیه وسلم صلی الضحی ثمانی رکعات أطالهن وحسنهن ، ولم ینقل هذا القدر غیرها. ==

اشراق کی نماز گھر پر پڑھ سکتے ہیں:

سوال: بعد فجر اسی جگہ پر بیماری کی وجہ سے؛ یعنی بلغم آنے کی وجہ سے اشراق اسی جگہ نہیں پڑھ پاتا ہوں، گھر پر پڑھتا ہوں، کیا ثواب میں کوئی کمی تو نہیں ہوگی؟

هو المصوب

اشراق کی نماز نفل ہے، لہٰذا ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔(۱)

تحریر: محمد مستقیم ندوی، تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۵۵/۳)

== فأما عائشة رضى الله عنها فإنها ذكرت أنه صلى الله عليه وسلم كان يصلى الضحى أربعاً ويزيد ما شاء الله سبحانه فلم تحد الزيادة إلى أنه كان يواظب على الأربعة ولا ينقص منها وقد يزيد زيادات. وروى فى حديث مفرد أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يصلى الضحى ست ركعات.

وأما وقتها فقد روى على رضى الله عنه أنه صلى الله عليه وسلم كان يصلى الضحى ستاً فى وقتين إذا أشرقت الشمس وارتفعت قام وصلى ركعتين وهو أول الورد الثانى من أوراد النهار كما سيأتى، وإذا انبسطت الشمس وكانت فى ربع السماء من جانب الشرق صلى أربعاً فالأول إنما يكون إذا ارتفعت الشمس قيد نصف رمح والثانى إذا مضى من النهار ربعه بإزاء صلاة العصر فإن وقته أن يبقى من النهار ربعه والظهر على منتصف النهار ويكون الضحى على منتصف ما بين طلوع الشمس إلى الزوال كما أن العصر على منتصف ما بين الزوال إلى الغروب وهذا أفضل الأوقات ومن وقت ارتفاع الشمس إلى ما قبل الزوال وقت للضحى على الجملة. (إحياء علوم الدين، القسم الثانى ما يتكرر بتكرر الأسابيع: ١/١٩٦-١٩٧، دارالمعرفة بيروت، انيس)

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِىَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اجْعَلُوا فِى بُيُوتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ، وَلَا تَتَّخِذُوهَا قُبُورًا. (صحيح البخارى، كتاب التشهد، باب التطوع فى البيت، رقم الحديث: ١١٨٧/الصحيح لمسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب الاستحبات صلا ة النافلة فى بيته وجوازها فى المسجد، رقم الحديث: ٧٧٧)

والأفضل فى النفل غير التراويح المنزل إلا لخوف شغل عنها. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ٢/٤٦٤)

نوٹ: لیکن مذکورہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ثواب میں کمی آجاتی ہے۔ انیس

عن سهل بن معاذ عن أبيه رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى صلاة الفجر ثم قعد يذكر الله عزوجل حتى تطلع الشمس وجبت له الجنة. (عمل اليوم والليلة لابن السنى، باب فضل الذكر بعد صلاة الفجر، رقم الحديث: ١٤٤، انيس)

عن عمرة قالت: سمعت أم المؤمنين تقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من صلى صلاة الفجر أو قال: الغداة، فقعد فى مقعده لم يلغ بشىء من أمر الدنيا يذكر الله عزوجل حتى يصلى الضحى أربع ركعات خرج من ذنوبه كيوم ولدته أمه. (عمل اليوم والليلة لابن السنى، باب فضل الذكر بعد صلاة الفجر، رقم الحديث: ١٤٥، انيس)

عن الحسن بن على رضى الله عنه قال: سمعت جدى صلى الله عليه وسلم يقول: ما من عبد صلى صلاة الصبح ثم جلس يذكر الله عزوجل حتى تطلع الشمس إلا كان له حجابا من النار أو سترا. (عمل اليوم والليلة لابن السنى، باب فضل الذكر بعد صلاة الفجر، رقم الحديث: ١٤٦، انيس)

کیا اشراق کی نماز بدعت ہے:

سوال: بخاری شریف کی ۱۶۶۲ر نمبر کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اشراق کی نماز پڑھنا بدعت ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

هو المصوب

حدیث مذکور میں صلاۃ الضحیٰ سے متعلق حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول جو آیا ہے کہ یہ حدیث بدعت ہے، (۱) یہ دراصل خاص موقع سے متعلق ہے، (۲) ورنہ یہ نماز مشروع اور مستحب ہے، بدعت نہیں ہے۔

(۱) عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: دَخَلْتُ أَنَا وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ الْمَسْجِدَ، فَإِذَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ جَالِسٌ إِلَى حُجْرَةِ عَائِشَةَ، وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ الضُّحَى فِي الْمَسْجِدِ، فَسَأَلْنَاهُ عَنْ صَلَاتِهِمْ؟ فَقَالَ: بِدْعَةٌ، فَقَالَ لَهُ عُرْوَةُ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، كَمِ اعْتَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟، فَقَالَ: أَرْبَعَ عُمَرٍ، إِحْدَاهُنَّ فِي رَجَبٍ، فَكَرِهْنَا أَنْ نُكَذِّبَهُ وَنَرُدَّ عَلَيْهِ، وَسَمِعْنَا اسْتِنَانَ عَائِشَةَ فِي الْحُجْرَةِ، فَقَالَ عُرْوَةُ: أَلَا تَسْمَعِينَ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ إِلَى مَا يَقُولُ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ، فَقَالَتْ: وَمَا يَقُولُ؟ قَالَ: يَقُولُ: اعْتَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعَ عُمَرٍ إِحْدَاهُنَّ فِي رَجَبٍ فَقَالَتْ: يَرْحَمُ اللهُ أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ »مَا اعْتَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِلَّا وَهُوَ مَعَهُ، وَمَا اعْتَمَرَ فِي رَجَبٍ قَطُّ. (الصحيح لمسلم، باب بيان عدد عمر النبى صلى اللّٰه عليه وسلم، رقم الحديث: ۱۲۵۵/فتح البارى، باب صلاة الضحى فى السفر: ۵۳/۳، دار المعرفة، انيس)

(۲) صلوٰۃ الضحیٰ سے متعلق روایات بہت سی ہیں، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے اس قول اور بعض دوسری روایات سے نفی ثابت ہوتی ہے؛ مگر زیادہ تر روایات اثبات میں ہیں، امام بخاری وامام مسلمؒ نے اس عنوان پر مستقل ابواب ذکر کئے ہیں۔ چند روایات اس طرح ہیں:

عن أبى هريرة رضى اللّٰه تعالىٰ عنه قال: أوصانى خليلى بثلاث لا أدعهن حتىٰ أموت: صوم ثلاثة أيام من كل شهر وصلاة الضحى ونوم علىٰ وتر. (صحيح البخارى، كتاب التهجد، باب صلاة الضحى فى الحضر، رقم الحديث: ۱۱۷۸/الصحيح لمسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب صلاة الضحى، رقم الحديث: ۷۲۱)

عن أبى هريرة رضى اللّٰه عنه قال: أوصانى خليلى صلى اللّٰه عليه وسلم بثلاث: بصيام ثلاثة أيام من كل شهر وركعتى الضحى وإن أوتر قبل أن أرقد. (الصحيح لمسلم، باب الوصية بصلاة الصبح، رقم الحديث: ۷۲۱، انيس)

عن معاذة أنها سألت عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها كم كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يصلى صلاة الضحى؟ قالت أربع ركعات ويزيد ما شاء. (الصحيح لمسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب الضحى وأن أقلها ركعتان ... والحث علىٰ المحافظة عليها، رقم الحديث: ۷۱۹)

حافظ ابن حجرؒ علامہ ابن دقیق العیدؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

لعله ذكر الأقل الذى يوجد التأكيد بفعله فى هٰذا دلالة علىٰ استحباب صلاة الضحى وأن أقلها ركعتان وعدم مواظبة النبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم علىٰ فعلها لا ينافى استحبابها؛ لأنه حاصل بدلالة القول وليس من شرط الحكم أن تتضافر عليه أدلة القول والفعل لكن ما واظب النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فعله مرجح علىٰ ما لم يواظب عليه. (فتح البارى، باب صلاة الضحى فى الحضر: ۷۴/۳)

حافظ ابن حجرؒ نے علامہ ابن القیم کے حوالہ سے اس سے متعلق چھ اقوال کا تذکرہ کیا ہے، البتہ کسی ایک قول کو ترجیح نہیں دیا ہے۔ (دیکھئے فتح الباری: ۱۷/۳)

خاص مواقع پر جو بدعت کہی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ اس کو پابندی سے بالالتزام پڑھنا، مسجدوں میں اس کا اظہار کرنا اور جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہے۔(۱)

علامہ ابن حجرؒ نے اس روایت پر لمبی بحث کرنے کے بعد جو حاصل بحث لکھا ہے کہ وہ یہی ہے:

"وفی الجملة: لیس فی أحادیث ابن عمر هٰذه ما یدفع مشروعیة الضحٰی ...لأنها مخالف للسنة". (فتح الباری:۶۹/۳)(۲)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی، تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۵۲/۳-۵۳)

☆ ☆ ☆

---

(۱) الإصرار علی المندوب یبلغه إلٰی حد الکراهة،آه.(السعایة،کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،قبیل فی فصل القرآءة:۲۶۵/۲،سهیل اکیڈمی لاهور،انیس)

الحدیث الثامن عن ابن مسعود، قوله: (لا یجعل) إلی آخره، فیه أن من أصر علی أمر مندوب، وجعله عزماً ولم یعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال، فکیف بمن أصر علی بدعة ومنکر؟(شرح المشکاة للطیبی،باب الدعاء فی التشهد:۱۰۵۱/۳،مکتبة نزار مصطفی الباز مکة المکرمة،انیس)

(۲) وَفِی الْجُمْلَةِ لَیْسَ فِی أَحَادِیث بن عُمَرَ هَذِهِ مَا یَدْفَعُ مَشْرُوعِیَّةَ صَلَاةِ الضُّحَی لِأَنَّ نَفْیَهُ مَحْمُولٌ عَلَی عَدَمِ رُؤْیَتِهِ لَا عَلَی عَدَمِ الْوُقُوعِ فِی نَفْسِ الْأَمْرِ أَوِ الَّذِی نَفَاهُ صِفَةٌ مَخْصُوصَةٌ کَمَا سَیَأْتِی نَحْوُهُ فِی الْکَلَامِ عَلَی حَدِیثِ عَائِشَةَ قَالَ عِیَاضٌ وَغیره إِنَّمَا أنکر بن عُمَرَ مُلَازَمَتَهَا وَإِظْهَارَهَا فِی الْمَسَاجِدِ وَصَلَاتَهَا جَمَاعَةً لَا أَنَّهَا مُخَالِفَةٌ لِلسُّنَّةِ وَیُؤَیِّدُهُ مَا رَوَاهُ بن أبی شیبَة عَن بن مَسْعُودٍ أَنَّهُ رَأَی قَوْمًا یُصَلُّونَهَا فَأَنْکَرَ عَلَیْهِمْ وَقَالَ إِنْ کَانَ وَلَا بُدَّ فَفِی بُیُوتِکُمْ.(فتح الباری،باب صلاة الضحی فی السفر:۵۳/۳،دار المعرفة بیروت،انیس)

نماز اوابین کے مسائل

صلوٰۃ الاوابین اور اس کی تحقیق:

سوال: مشارق الانوار میں صلوٰۃ اوابین کی نسبت لکھا ہے کہ اواب لغت میں اس وقت کو کہتے ہیں کہ جس وقت اونٹ کے بچے کے پیر گرمی سے جلنے لگیں اور وہ گیارہ ساڑھے گیارہ بجے کا ہوتا ہے تو درحقیقت صلوٰۃ اوابین کا وقت بعد مغرب ہے، یا یہ وقت ہے، یا دونوں وقت ہیں؟ برتقدیر ثانی اولویت کس کو ہے؟

الجواب

اوابین کے معنی رجوع الی اللہ کرنے والوں کے ہیں، پس اس اعتبار سے جملہ نمازوں کو اوابین کہہ سکتے ہیں؛ لیکن احادیث سے دووقت کی نوافل پر اطلاق صلوٰۃ اوابین کا آیا ہے، ایک صلوٰۃ ضحیٰ پر جیسا کہ سوال میں درج ہے اور دوسرے نوافل بعد المغرب پر، (۱) جیسا کہ کبیری شرح منیہ میں منقول ہے:

وإن تطوع بعد المغرب بست ركعات فهو أفضل، لحديث ابن عمر أنه عليه السلام قال: "من صلى بعد المغرب ست ركعات كتب من الأوابين، وتلا: ﴿إنه كان للأوابين غفورًا﴾ الآية". (۲)

پس اس حدیث ثانی کی وجہ سے صلوٰۃ اوبین کا اطلاق اکثر نوافل بعد المغرب پر کیا جاتا ہے۔

قال في الدر المختار: "وست بعد المغرب ليكتب من اللأوابين" إلخ. (۳)

اور اس کا انکار نہیں ہے کہ صلوٰۃ ضحیٰ بھی صلوٰۃ اوابین ہے؛ بلکہ اس کو بھی صلوٰۃ اوابین کہہ سکتے ہیں۔ (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۲۳۶-۲۳۷)

---

(۱) عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم فيما بينهن بسوء عدلن بعبادة ثنتي عشرة سنة. (جامع الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في فضل التطوع ست ركعات بعد المغرب: ۱/ ۹۸، انيس)

(۲) غنية المستملي شرح منية المصلي، فصل في النوافل، ص: ۳۶۹

(۳) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب في السنن والنوافل: ۱/ ۶۳۱، ظفير

(۴) أن زيد بن أرقم رأى قوماً يصلون من الضحى فقال: أما لقد علموا أن الصلوٰة في غير هٰذه الساعة أفضل أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: صلاة الأوابين حين ترمض الفصال. (الصحيح لمسلم، باب صلاة الليل وعدد ركعات: ۱/ ۲۵۷، انيس)

صلوۃ الاوّابین:

سوال: صلوۃ الاوّابین کس نماز کو کہا جاتا ہے؟

الجواب

صلوۃ الاوّابین کے متعلق اختلاف مسمّٰی میں نہیں ہے، تسمیہ میں ہے، مشہور یہی ہے کہ نوافل بعد المغرب کو صلوۃ الاوّابین کہا جاتا ہے، (۱) اور ضحوہ کبریٰ کو صلوۃ الضحیٰ اور چاشت کہا جاتا ہے؛ مگر صحاح میں ہے:

"صلاة الأوّابين حين ترمض الفصال". (۲)

اس لیے اقرار کرنا پڑے گا کہ نوافل بعد المغرب کا تسمیہ غلط عوام میں سے ہے۔ (۳)

مکتوبات: ۱/۱۳/۴۱۳ (فتاویٰ شیخ الاسلام: ص۴۶)

صلوٰۃ الاوّابین کی رکعات کتنی ہیں:

سوال: صلوٰۃ اوابین بیس رکعت پڑھنی چاہیے، یا چھ رکعت؟ صحیح کیا بات ہے؟

الجواب

صلوٰۃ اوابین میں دونوں امر صحیح ہیں، چھ رکعت بھی آئی ہیں اور بیس بھی، جو کچھ کرے، بہتر ہے؛ مگر اکثر علما کا مذہب چھ رکعت پر ہے۔ (۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۲۱۷)

---

(۱) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم فيما بينهن بسوء عدلن بعبادة ثنتي عشرة سنة. (جامع الترمذی، کتاب الصلاة، باب ماجاء فی فضل التطوع ست ركعات بعد المغرب: ۹۸/۱، انیس)

(۲) الصحيح لمسلم، باب صلاة الأوابين حين ترمض الفصال، رقم الحديث: ۷۴۸، انیس

(۳) مثله في العرف الشذي: ۱۰۱/۱، من أمالي المحدث أنور شاه الكشميري. دراصل بعض ضعیف احادیث کی بنیاد پر مغرب بعد کی نوافل کو اوّابین کا نام دے دیا گیا ہے۔

تسمى هذه الصلاة بصلاة الأوابين في عرف الناس ولم يصح فيها حديث وحديث الباب أيضاً ضعيف، والعمل به مع ضعفه، وصح الحديث في الأربع بعد العشاء، وفي الأربع قبله ضعيف وفي الأربع قبل الظهر والأربع بعدها صحيح وكذلك في الأربع قبل العصر. (العرف الشذي، باب ماجاء في فضل التطوع ست ركعات بعد المغرب: ۱/۴۰۹، دار التراث العربي بيروت، انیس)

(۴) وإن تطوع بعد المغرب بست ركعات كتب من الأوّابين، إلخ. (غنية المستملي، ص: ۳۶۹)

وبعد مغرب دو رکعت سنت و بعد ازاں شش رکعت دیگر مستحب است آں را صلوٰۃ الاوابین گویند و بروایتی بعد مغرب بست رکعت آمده۔ (مالا بدمنہ، ص: ۶۷)

==

صلوٰۃ الاوابین اور تہجد کی رکعتیں اور تراویح کی نماز:

سوال: صلوٰۃ الاوّابین کی کم ازکم کتنے رکعت ہیں اور تہجد کی کتنی؟ اور تراویح کی جماعت مسجد میں افضل ہے، یا مکان پر؟ اور کسی مسجد میں تراویح کی دوسری جماعت افضل ہے، یا مکان پر؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

صلوٰۃ الاوّابین کی چھ رکعت ہیں، (۱) علاوہ دوسنت مؤکدہ مغرب کے، (۲) اور تہجد کی نماز آٹھ رکعت ہیں، زیادہ بارہ تک ہیں، (۳) اور کم دو رکعت تک۔ (۴) نماز تراویح کی جماعت مسجد میں افضل ہے، (۵) دوسری جماعت تراویح کی مسجد میں نہ ہونی چاہیے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۲۲۷-۲۲۸)

== عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من صلى بعد المغرب عشرين ركعة بنى الله له بيتاً في الجنة". {رواه الترمذي} (مشكوة، باب السنن، ص: ١٠٤، ظفير) (سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في فضل التطوع ست ركعات بعد المغرب: ٩٨/١، انيس)

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم فيما بينهن بسوء عدلن بعبادة ثنتي عشرة سنة. (سنن الترمذي، باب ماجاء في فضل التطوع ست ركعات بعد المغرب: ٩٨/١، انيس)

(١) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم فيما بينهن بسوء عدلن بعبادة ثنتي عشرة سنة. (سنن الترمذي، باب ماجاء في فضل التطوع ست ركعات بعد المغرب: ٩٨/١، انيس)

(٢) وست بعد المغرب ليكتب من الأوابين بتسليمة أوثنتين أوثلاث والأول أدوم وأشق. (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب في السنن والنوافل: ٦٣١/١، ظفير)

(٣) عن عروة عن عائشة رضي الله عنها أخبرته أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي ثلاث عشرة ركعة بركعتي الفجر. (الصحيح لمسلم، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي صلى الله عليه وسلم في الليل، كتاب صلاة المسافرين وقصرها: ٢٥٤/١، انيس)

(٤) عن أبي سعيد وأبي هريرة قالا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أيقظ الرجل أهله من الليل فصليا أوصلىٰ ركعتين جميعاً كتبا في الذاكرين والذاكرات. سنن أبي داؤد، باب قيام الليل. رقم الحديث: ١٣٠٩/سنن ابن ماجة، باب ماجاء فيمن أيقظ أهله من الليل، رقم الحديث: ١٣٣٥، انيس)

وصلاة الليل وأقلها علىٰ ما في الجوهرة ثمان. (الدرالمختار)

قيد بقوله علىٰ ما في الجوهرة لأنه في الحاوي القدسي قال: يصلي ما سهل عليه ولوركعتين والسنة فيها ثمان ركعات بأربع تسليمات. (رد المحتار، مطلب في صلاة الليل: ٦٤٠/١-٦٤١، ظفير)

(٥) والجماعة فيها سنة علىٰ الكفاية، الخ، فالمسجد فيها أفضل قاله الحلبي. (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، مبحث في التراويح: ٦٦١/١)

وظاهر كلامهم هنا أن المسنون كفاية إقامتها بالجماعة في المسجد حتى لو أقاموها جماعة في بيوتهم ولم تقم في المسجد أثم الكل. (رد المحتار: ٦٦١/١، ظفير)

بعد مغرب چھ رکعت سنتیں:

سوال: بعد مغرب جو چھ رکعت کی ترغیب دی ہے، اس کی دو رکعت ادا کرے تو ہوسکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

یہ چھ رکعت جن کی فضیلت بعد مغرب کے آئی ہے، علاوہ مغرب کی دو سنت مؤکدہ کے ہیں اور بعض نے فرمایا کہ دو سنت مؤکدہ بھی اس میں داخل ہیں اور اگر مغرب کی دو سنت کے بعد صرف دو رکعت نفل پڑھ لیوے تو اس میں بھی ثواب ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۲۰۷)

مغرب کی سنتیں اوابین میں شامل نہیں:

صلوٰۃِ اوابین جو نوافل بعد مغرب کا نام ہے، وہ سنت مؤکدہ سے زائد ہیں،(۲) لہٰذا دو سنت علاحدہ پڑھے؛ مگر جو وعدہ اور ثواب وارد ہوا ہے، وہ درصورت داخل کرنے کے بھی ظاہر ہوسکتا ہے اور کوئی قاطع دلیل نہیں ؛مگر یہ کہ سنت مؤکدہ ہیں اور وعدہ نوافل مستحبہ کا ہے اور مستحبات کا ذکر جداگانہ احادیث میں آیا ہے۔

(مجموعہ کلاں،ص:۱۳۴) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ،ص:۱۸۲)

نوافل مغرب میں اوابین کی نیت:

سوال: مغرب کے وقت سنتوں کے بعد دو رکعت نفل کی نیت اگر وقت مغرب کر کے کی جاوے تو ٹھیک ہے، یا اوابین کرنا چاہیے؟

الجواب حامدًا ومصلیاً

وقت مغرب ٹھیک ہے، گو ضروری نہیں۔ ’’وکفی مطلق نية الصلاة كنفل وسنة‘‘. (الدر المختار مع رد المحتار)(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۷/۲۰۶)

---

(۱) ويستحب ،إلخ، وست بعد المغرب ليكتب من الأوّابين بتسليمة أوثنتين أوثلاث والأول أدوم وأشق وهل تحسب المؤكدة من المستحب ويؤدى الكل بتسليمة واحدة اختار الكمال نعم.(الدر المختار علىٰ رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۱/۶۳۱،ظفير)

(۲) عن أبي هريرة قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:من صلى بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم فيما بينهن بسوء عدلن بعبادة ثنتي عشرة سنة.(سنن الترمذي،باب ماجاء في فضل التطوع ست ركعات بعد المغرب: ۱/۹۸،انيس)

(۳) الدر المختار،باب شروط الصلاة: ۱/٤۱۷،سعيد

’’قوله:(ويكفيه النية للنفل والسنة والتراويح)أما في النفل فمتفق عليه؛لأن مطلق الصلاة أوتنصرف إلى النفل؛ لأنه الأدنىٰ،فهو متيقن،والزيادة مشكوك فيها،ولا فرق بين أن ينوى الصلاة أوصلاة لله؛لأن المصلي لايصلي لغير الله‘‘.(البحر الرائق،باب شروط الصلاة: ۱/٤۸٤،رشيدية)

نماز تہجد کے مسائل

نوافل میں سب سے افضل نماز:

سوال: وہ نماز کون سی ہے، جو سب سے افضل ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

نوافل میں تہجد سب سے افضل ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۲۳۳/۷)

نماز تہجد سنتِ مؤکدہ ہے، یا مستحب:

سوال: ایک لڑکا کا نام حبیب اللہ، مالا بدمنہ اردو پڑھتا تھا، ایک جگہ لکھا ہے کہ نماز تہجد سنتِ مؤکدہ ہے، اسی درمیان میں ایک حافظ صاحب تشریف لائے اور کہنے لگے کہ سنت مؤکدہ نہیں؛ بلکہ نفل ہے اور تم کو معلوم نہیں، لڑکے نے کہا: جناب حافظ صاحب ہم نے تنبیہ الغافلین میں بھی یہی پڑھا ہے کہ نمازِ تہجد سنتِ مؤکدہ ہے اور مالا بدمنہ میں بھی موجود ہے، بس جناب حافظ صاحب بہت غصہ ہو کر بولے کہ تم کو کیا معلوم اور کون شخص ہمارے میں اتنا مسئلہ جانتا ہے اس بستی میں تو لڑکے نے کہا کہ ہم کو تو یہی کتاب بس ہے تو فوراً حافظ صاحب نے کہا کہ ہم اس کتاب پدوڑی کو نہیں مانتے؟

الجواب ــــــــــــــــ

نماز تہجد کے بارے میں علما کا اختلاف ہے، بعض کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے، **بدليل مواظبة صلى الله عليه وسلم عليها من غير افتراض عليه.**

قال فی ردالمحتار: ومفاده اعتماد السنية فی حقنا لأنه صلى الله عليه وسلم واظب عليه بعد نسخ فرضيته وكذا قال فی الحلية: الأشبه أنه سنة، آه. (۶۱۶/۱)

(۱) عن أبی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أفضل الصيام بعد رمضان شهر الله الحرام، وأفضل الصلاة بعد الفريضة صلاة الليل". (سنن الترمذی، كتاب الصلاة، باب ماجاء فی فضل صلاة الليل: ۹۹/۱، سعيد)

(۲) ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ۲۴/۲-۲۵، دارالفكر بيروت، انيس

اور بعض کے نزدیک مستحب ہے، وحملوا مواظبته صلی اللّٰہ علیه وسلم علی کونها فریضة مختصة به، اور اکثر علماء کا قول یہی ہے کہ امت کے حق میں صلوٰۃ تہجد مستحب ہے، (۱) سنتِ مؤکدہ نہیں۔

قال فی مراقی الفلاح: وأکثر المتون علیه وندب صلاة اللیل خصوصاً آخره، کما ذکرناه. (۲)

اور اس عبد ضعیف کا خیال یہ ہے کہ ابتداء تو صلوٰۃ تہجد مستحب ہی ہے؛ لیکن بعد شروع کر دینے کے اور عادی ہو جانے کے اس پر مواظبت کرنا سنت مؤکدہ ہے۔

دلیله قوله صلی اللّٰہ علیه وسلم لابن عمر: یاعبد اللّٰہ لاتکن مثل فلان کان یقوم اللیل ثم ترک. (رواه البخاری فی کتاب صلاة التهجد، ج :۱) (۳)

چوں کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے؛ اس لیے قاضی ثناء اللہ صاحب نے جو بہت بڑے محقق ومحدّث وعالم ہیں، سنتِ مؤکدہ ہونے کو اختیار فرمایا، لقوة دلیله عنده، اس بنا پر ان پر اعتراض کرنا ہرگز جائز نہیں اور کتاب مالا بدمنہ کو پدوڑی کتاب کہنا نہایت سخت کلمہ ہے، جس سے سلبِ ایمان کا اندیشہ ہے، جس نے یہ لفظ زبان سے نکالا ہو، اسے فوراً توبہ واستغفار وتجدیدِ ایمان کرنا چاہیے اور احتیاطاً تجدیدِ نکاح کر لینا بھی ضروری ہے۔

قال فی الهندیة: رجل عرض علیه خصمه فتوی الأئمة فردها قال: چه بارنامه فتویٰ آورده؟ قیل: یکفر، لأنه رد حکم الشرع، آه. (۱٦٤/۳) (۴)

۴/ رجب ۱۳۴۱ھ (امداد الاحکام: ۲/ ۲۱۹-۲۲۰)

تہجد واشراق کی قضا کا مسئلہ:

سوال: آج کی تاریخ سے ذکر موافق معمول سابق کرتا ہوں، جب بیمار رہوا تھا، تب سے اکثر اوقات لیٹ کر

---

(۱) عن عائشة أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ذات لیلة فی المسجد فصلیٰ بصلاته ناس ثم صلیٰ من القابلة فکثر الناس ثم اجتمعوا من اللیلة الثالثة أو الرابعة فلم یخرج إلیهم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فلما أصبح قال: قد رأیت الذی صنعتم ولم یمنعنی من الخروج إلیکم إلا إنی خشیت أن تفرض علیکم وذلک فی رمضان. (صحیح البخاری، باب تحریض النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم علیٰ قیام اللیل، رقم الحدیث: ۱۱۲۹/ الصحیح لمسلم، باب الترغیب فی قیام رمضان، رقم الحدیث: ۷٦۱/ سنن أبی داؤد، باب فی قیام شهر رمضان، رقم الحدیث: ۱۳۷۳/ سنن النسائی، باب قیام شهر رمضان، رقم الحدیث: ۱٦۰٤/ موطأ الإمام محمد، باب قیام شهر رمضان، رقم الحدیث: ۲۳۸، انیس)

(۲) مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، فصل فی تحیة المسجد وصلاة الضحی وإحیاء اللیل: ۱٤۹، المکتبة العصریة، انیس

(۳) صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب ما یکره من ترک قیام اللیل لمن کان قومه: ۱/ ۱٥٤، انیس

(۴) الفتاویٰ الهندیة، مطلب فی موجبات الکفر: ۲/ ۲۷۲، دار الفکر بیروت، انیس

ذکر خفی کیا، نہ حضور قلب ہوا، نہ وضور ہتا تھا؛ بلکہ فقط لفظ اللہ زبان سے کہہ دیتا تھا، لہذا ذکر بے وضو میں حصول مقصد میں تو کچھ دیر نہیں ہوتی؟ ایک روز نماز تہجد واشراق بھی قضا ہوئی۔اس کی قضا ہے، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

قضا نہ تہجد کی واجب ہے، نہ چاشت اشراق کی، نہ ذکر کی؛ مگر اس قدر نوافل، یا مقدار ذکر دوسرے وقت پورے کرلیے جاویں تو مستحب اور ثواب سے خالی نہیں ہے۔(۱) فقط (تالیفات رشیدیہ،ص:۳۰۴)☆

تہجد کی قضا:

سوال: اگر تہجد کی نماز قضا ہوجائے تو اس کی قضا پڑھنی بارہ بجے سے پہلے درست ہے، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

تہجد کی نماز کی قضا نہیں ہے؛ لیکن دوپہر سے پہلے پڑھ لینا اچھا ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۱۱/۴)

---

(۱) عن عائشة أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان إذا فاتته الصلاة من الليل من رجع أوغيره صلى من النهار ثنتى عشرة ركعة.(الصحيح لمسلم،كتاب صلاة المسافرين وقصرها،باب صلاة لليل وعددركعات: ٢٥٦/١، انيس)

☆ **اشراق وتہجد کی قضا:**

سوال: کبھی کوئی اشراق وتہجد کی نماز قضا کرسکتا ہے اورادا پڑھ سکتا ہے؟

الجواب ــــــــــ حامدًا و مصلياً

جب بھی توفیق ہو، پڑھ لیا کرے،(عن عائشة أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان إذا فاتته الصلاة من الليل من رجع أوغيره صلى من النهار ثنتى عشرة ركعة.(الصحيح لمسلم،كتاب صلاة المسافرين وقصرها،باب صلاة لليل وعددركعات: ٢٥٦/١،انيس) پابندی کرنا اعلیٰ بات ہے۔(عن عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها زوج النبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم أنها كانت تقول:قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم:"سددوا وقاربوا ويسروا،فإنه لن يدخل الجنة أحداً عمله". قالوا: ولاأنت يارسول اللّٰه؟قال: ولاأنا،إلا أن يتغمدنى اللّٰه عزوجل منه برحمة،واعلموا أن أحب العمل إلى اللّٰه عزوجل أدومه وإن أقل".(مسند الإمام أحمد،حديث السيدة عائشة: ١٨١/٧،رقم الحديث: ٢٤٤٠٢، دارالاحياء التراث العربى) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۲۳۶/۷)

(۲) عن عمر رضى اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:"من نام عن حزبه أوعن شئ منه فقرأه فيما بين صلاة الفجر وصلاة الظهر كتب له كأنما قرأ من الليل" {رواه مسلم}(مشكوة المصابيح،باب القصد فى العمل، ص: ١١٠،رقم الحديث: ١٢٤٧)(الصحيح لمسلم،باب صلاة الليل وعددركعات الوتر: ٢٥٦/١،رقم الحديث:٧٤٧/)(جامع الترمذى،أبواب السفر،باب ماذكر فى من فاته حزبه من الليل فقضاه: ١٢٨/١،انيس)

قضا تہجد اور نفل نماز میں جہر:

سوال: اگر تہجد فوت ہو جائے اور دن میں اس کے بجائے کچھ نفلیں پڑھ لے تو آیا جماعت بھی نفلوں کے لیے کرسکتا ہے، یا نہیں؟ اور جہراً بھی پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

زوال سے پہلے بارہ نفلیں پڑھ لے، ان شاء اللہ تہجد کی مکافات ہو جائے گی، (۱) مثل فرض کے جماعت درست نہیں، (۲) دن میں نفلیں جہر سے پڑھنا مکروہ ہے۔ (کذا فی الکبیری) (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، جامع العلوم کانپور (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۲۳۶-۲۳۷) ☆

ترک تہجد کا نقصان کیا ہے:

سوال: نماز تہجد کو شروع کرنے اور سستی کے سبب سے دو چار روز ترک کرنے سے کوئی نقصان مالی و جسمی ہوگا، یا نہ؟

الجواب ــــــــــــــــ

تہجد شروع کر کے چھوڑنے سے مالی نقصان کچھ نہیں ہوتا اور شرعاً گنہگار بھی نہیں ہوتا؛ لیکن بلا عذر ایسا کرنا مذموم

(۱) عن عبد الرحمٰن بن عبدالقاری قال: سمعتُ عمربن الخطاب رضی اللّٰہ عنه یقول: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: "من نام عن حزبه أو عن شیٔ منه، فقرأ ما بین صلاۃ الفجر وصلاۃ الظهر، کتب له کأنما قراء ة من اللیل". (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب من نام عن حزبه: ۱/۱۸٦، قدیمی/ جامع الترمذی، أبواب السفر، باب ماذکر فی من فاته حزبه من اللیل فقضاه: ۱/۱۲۸، انیس)

(۲) "و اعلم أن النفل بالجماعة علیٰ سبیل التداعی مکروہ". (الحلبی الکبیر، تتمات من النوافل، ص: ٤۳۲، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۳) ویکرہ له الجهر فی نوافل النهار أیضاً. (الحلبی الکبیر، فصل فی مسائل شتیٰ: ٦۱۸، سهیل اکیڈمی لاهور)

☆ **قضائے تہجد:**

سوال: عشا کے وقت دو رکعت نفل کے بجائے تہجد پڑھی اور صبح تہجد کی قضا بھی پڑھ لی، درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

یہ دونوں تہجد نہیں، جو شخص تہجد نہیں پڑھ سکا، وہ زوال سے پہلے بارہ رکعت پڑھ لے، ان شاء اللہ تہجد کا ثواب پا لے گا۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "من نام عن حزبه أو عن شیٔ منه، فقرأ ما بین صلاۃ الفجر وصلاۃ الظهر، کتب له کأنما قراء ة من اللیل". (رواہ أبوداؤد) (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب من نام عن حزبه: ۱/۱۸٦، قدیمی/ جامع الترمذی، أبواب السفر، باب ماذکر فی من فاته حزبه من اللیل فقضاه: ۱/۱۲۸، انیس) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۲۳۵)

ہے،(۱) اور نقصان دینی روحانی اس سے حاصل ہوتا ہے، اور نقصان جسمانی یہ ہے کہ تیزی و چالاکی جاتی رہتی ہے اور سستی بڑھ جاتی ہے۔(۲)

کتبہ اصغر حسین عفی عنہ، الجواب صحیح: مہر (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۳۰۸/۴-۳۰۹)

تہجد میں اٹھنے کی سستی کیسے دور ہوگی:

سوال: بہت عرصے تک نماز تہجد ادا کرتا تھا؛ لیکن بعد میں تہجد چھوٹ گئی ہے، دل کرتا ہے کہ تہجد ادا کرنے کے لیے اٹھوں؛ مگر ہمت نہیں ہوتی، کوئی دعا بتا دیں کہ پھر یہ سلسلہ شروع ہو جائے؟

الجواب

آج سے پرعزم فیصلہ کر لیجئے کہ مجھے بہر حال تہجد کی نماز پڑھنی ہے، سوتے وقت یہ عزم کر کے لیٹئے اور آنکھیں کھلنے کے بعد فوراً اٹھ بیٹھئے، اس کے باوجود اگر کبھی رہ جائے تو اشراق کے وقت بطور قضا کے پڑھئے۔(۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۶۵۰/۳)

تہجد کی نماز کے لیے الارم لگانا:

سوال: اگر کسی شخص کی نیند گہری ہو تو وہ تہجد کی نماز میں بیدار ہونے کے لیے الارم وغیرہ لگا سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

ضرور لگا سکتا ہے؛(۴) بلکہ لگانا ضروری ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۱۹۴/۳)

---

(۱) عن عبد اللہ بن عمرو العاص قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: یاعبد اللّٰہ لاتکن مثل فلان کان یقوم من اللیل فترک القیام. (صحیح البخاری، کتاب التهجد، باب مایکره من ترک قیام اللیل: ۱۵٤/۱، انیس)

(۲) وفی الشامی: ذکرفی الحلیة أیضاً ماحاصله أنه یکره ترک تهجد اعتاده بلاعذر لقوله صلی اللّٰہ علیه وسلم لابن عمر. رضی اللّٰہ عنهما. یاعبد اللّٰہ... لاتکن مثل فلان کان یقوم اللیل ثم ترکه". متفق علیه. (ردالمحتار: ٦٤١/١)

(۳) وفی روایة سعدبن هشام عن أم المؤمنین عائشة رضی اللّٰہ عنها کان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم إذا صلّٰی صلاة أحب أن یداوم علیها وکان إذا غلبه نوم أو وجع عن قیام اللیل صلّٰی من النهار ثنتی عشرة رکعة. (الصحیح لمسلم: ٢٥٦/١، باب صلاة اللیل وعدد رکعات، انیس)

(۴) عن أم سلمة أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم استیقظ لیلة فقال: سبحان اللّٰہ ماذا أنزل اللیلة من الفتنة فإذا أنزل من الخزائن من یوقظ صواحب الحجرات یارب کاسیة فی الدنیا عاریة فی الآخرة. (صحیح البخاری، باب تحریض النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم علی صلاة اللیل والنوافل من غیر إیجاب، رقم الحدیث: ١١٢٦/ سنن الترمذی، باب ماجاء ستکون فتنة کقطع اللیل، رقم الحدیث: ٢١٩٦/ مسند أبی یعلی الموصلی، مسند أم سلمة رضی اللّٰہ عنها زوج النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، رقم الحدیث: ٦٩٨٨، انیس)

وتر کے بعد تہجد پڑھنا:

سوال: ایک شخص نے فرض عشا پڑھنے کے بعد سنت ودو نفل اور وتر پڑھ لئے پھر تہجد میں بھی پڑھ لیے تو اس نے ٹھیک کیا، یا نہیں؟ بہتر طریقہ کون سا ہے؟

الجواب

جس شخص کو یہ پورا بھروسہ ہو کہ آخر شب میں تہجد کے وقت آنکھ ضرور کھل جائے گی، اس کے لیے تہجد اور وتر آخری وقت پڑھنا ہی اولیٰ ہے، (۱) اور جس کو یہ بھروسہ نہ ہو، اس کے لیے یہی اولیٰ اور بہتر ہے کہ عشا کی نماز کے بعد دونوں چیزیں پڑھ لے، (۲) (وکذا فی المنیۃ وشروحھا) لیکن جب عشا کے بعد وتر پڑھ لیے تو پھر تہجد کے وقت نہ پڑھے؛ کیوں کہ وہ نفل ہوگی اور نفل تین رکعات کی نہیں ہوتی۔ (امداد المفتین: ۲/۳۱۰)

وتر کے بعد دو رکعت تہجد کی نیت سے پڑھنا:

سوال: کوئی شخص تہجد آخر شب میں پڑھنے کا عادی ہے لیکن عشا کے وقت وتر کے بعد دو رکعت نفل بھی وہ تہجد کی نیت سے پڑھے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا و مصلیاً

تہجد اصالۃً وہ ہے کہ سو کر اٹھ کر نصف شب گزرنے کے بعد پڑھے، وتر کے بعد دو نفل ہیں تہجد نہیں؛ (۳) مگر ان

(۱) عن جابر سمعت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول:...ومن وثق بقیام من اللیل فلیوتر من آخرہ فإن قراءۃ آخر اللیل محضورۃ وذلک أفضل. (الصحیح لسملم، کتاب الصلاۃ، باب صلوٰۃ اللیل وعدر کعات: ۱/۲۵۸، انیس)

(۲) عن جابر قال: سمعت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: أیکم خاف أن لا یقوم من آخر اللیل فلیوتر ثم یرقد. (الصحیح لمسلم، باب صلوٰۃ اللیل وعدد رکعات: ۱/۲۵۸، انیس)

عن أبی ہریرۃ قال: أمرنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم إن أوتر قبل أن أنام. (جامع الترمذی، باب ماجاء فی کراہیۃ النوم قبل الوتر، رقم الحدیث: ۴۵۵، انیس)

عن ثوبان عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: إن ہٰذا السفر جھد وثقل فإذا أوتر أحدکم فلیرکع رکعتین فإن قام من اللیل وإلا کانتالہ. (سنن الدارمی، باب فی الرکعتین بعد الوتر، رقم الحدیث: ۱۶۳۵/مسند البزار، مسند ثوبان رضی اللّٰہ عنہ، رقم الحدیث: ۴۱۹۳/مسند الرویانی، رقم الحدیث: ۶۴۴، انیس)

(۳) "وروی الطبرانی مرفوعاً": "لابد من صلاۃ بلیل ولو حلب شاۃ. وما کان بعد صلاۃ العشاء فھو من اللیل". وہٰذا یفید ان ہٰذہ السنۃ تحصل بالتنفل بعد صلاۃ العشاء قبل النوم. فی معجم الطبرانی من حدیث الحجاج بن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: "یحسب احدکم إذا قام من اللیل یصلی حتیٰ یصبح انہ قد تھجد، إنما التھجد المرء یصلی الصلاۃ بعد رقدۃ". (ردالمحتار، مطلب فی صلاۃ اللیل: ۲/۲۴، سعید)

دونوں نفلوں میں تہجد کی نیت کرنے سے بھی نماز خراب نہ ہوگی۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۲۳۴/۷)

تہجد بعد عشا قبل از وتر پڑھنا کیسا ہے:

سوال: جو شخص پچھلی رات میں تہجد پڑھنے پر قادر نہ ہو تو وہ بعد عشا قبل از وتر نوافل پڑھ لے، یا بعد از وتر پڑھے؟

الجواب

حدیث طبرانی کے الفاظ یہ ہیں:

"وما كان بعد صلاة العشاء فهو من الليل".(۲)

اس حدیث کو نقل کر کے علامہ شامی نقل کرتے ہیں:

"وهٰذا يفيد أن هٰذه السنة تحصل بالتنفل بعد صلاة العشاء قبل النوم".(۳)

یہ روایت نوافل قبل الوتر اور بعد الوتر دونوں کو شامل ہے؛(۴) لیکن بہتر قبل از وتر ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۳۰۲/۴)

عشا بعد فوراً تہجد پڑھی جاسکتی ہے، یا نہیں:

سوال: اگر کوئی شخص کسی مجبوری کی وجہ سے یہ خیال کر کے کہ میری آنکھ تہجد کے وقت نہیں کھلے گی اور عشا کی نماز کے بعد تہجد کی نماز ادا کر لے تو ادا ہو جائے گی، یا نہیں؟

الجواب

ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عشا کے بعد جو نوافل پڑھے جائیں گے وہ نماز تہجد میں شمار ہوں گے،(۵) اور ثواب تہجد کا اس سے حاصل ہو جاوے گا۔

---

(۱) عن ثوبان عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: إن هٰذا السفر جهد وثقل فإذا أوتر أحدكم فليركع ركعتين فإن قام من الليل وإلا كانتاله.(سنن الدارمی،باب فی الركعتين بعد الوتر،رقم الحديث: ١٦٣٥/مسند البزار،مسند ثوبان رضی اللّٰه عنه،رقم الحديث:٤١٩٣/مسند الرويانی،رقم الحديث:٦٤٤،انيس)

(وكفى مطلق نية الصلاة)وإن لم يقل لله(لنفل وسنة)راتبة.(الدرالمختار)

"(قوله: كفى،إلخ):أى بأن يقصد الصلاة بلا قيد نفل أو سنة أوعدد.(قوله:لنفل)هٰذا بالاتفاق (قوله: وسنة) ولوسنة الفجر،حتٰى لو تهجد بركعتين ثم تبين انها بعد الفجر،نابتا عن السنة".(ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة: ٤٨٥/١،رشيدية)

(۲-۳) رد المحتار،باب الوتر و النوافل،مطلب فی صلاة الليل:٦٤٠/٢،ظفير(المعجم الكبير،اياس بن معاوية المزنی،رقم الحديث:٧٨٧،انيس)

(۴-۵) عن ثوبان عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: إن هٰذا السفر جهد وثقل فإذا أوتر أحدكم فليركع ركعتين فإن قام من الليل وإلا كانتاله.(سنن الدارمی،باب فی الركعتين بعد الوتر،رقم الحديث:١٦٣٥،انيس)

جیسا کہ شامی میں حدیث طبرانی نقل کی ہے:

وروی الطبرانی مرفوعاً: ''لابد من صلاة بليل ولو حلب شاة وما كان بعد صلاة العشاء الآخرة فهو من الليل''، وهٰذا يفيد أن هٰذه السنة تحصل بالتنفل بعد صلاة العشاء قبل النوم، آه. (۱) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۳۰۵/۴)

تہجد کی نماز اندھیرے میں:

سوال: تہجد کی نماز اندھیرے میں ہوسکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

ہوسکتی ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۳۰۵/۴)

اضطجاع بعد قیام اللیل سنت ہے، یا نہیں:

سوال: میرا معمول یہ ہے کہ اگر کبھی تہجد کو اُٹھ بیٹھا تو پھر بغیر نماز فجر پڑھے نہیں لیٹتا، ایک صاحب نے جنھیں میں معتبر نہیں سمجھتا، یہ کہا کہ تہجد کے بعد سورہنا مسنون ہے اور فجر کے لیے پھر اٹھنا مسنون ہے؟

الجواب

اس قائل کا قول صحیح ہے؛ (۳) مگر حنفیہ نے اضطجاع بعد قیام اللیل کی سنت عادت پر محمول کیا ہے، جس کا منشا یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم طول قیام لیل کے تعب رفع کرنے کے لیے اضطجاع فرماتے تھے اور اگر یہ سنت مقصودہ بھی ہو تو اس پر عمل اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ فوت جماعتِ فجر کا اندیشہ نہ ہو، ورنہ واجب وفرض کا اہتمام ایسی سنت کے اہتمام سے مقدم ہے، جس کا سنت مقصودہ ہونا ہی مختلف فیہ ہے۔

۶/ رمضان ۱۳۴۸ھ (امداد الاحکام: ۲۲۸/۲)

---

(۱) رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب فی صلاة الليل: ۲٤٠/١، ظفير

عَنْ إِيَاسِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْمُزَنِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا بُدَّ مِنْ صَلَاةٍ بِلَيْلٍ، وَلَوْ نَاقَةً، وَلَوْ حَلْبَ شَاةٍ، وَمَا كَانَ بَعْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ فَهُوَ مِنَ اللَّيْلِ''. (المعجم الكبير للطبراني، اياس بن معاوية المزني، رقم الحديث: ٢٧١/١، مكتبة ابن تيمية القاهرة، رقم الحديث: ٧٨٧، انيس)

(۲) نماز کے لیے روشنی ضروری نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اندھیرے میں بھی نماز پڑھا کرتے تھے۔ ظفیر

(۳) عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كا يصلي بالليل... فإذا فرغ منها اضطجع علٰى شقه الأيمن حتٰى يأتيه المؤذن فيصلي ركعتين خفيفتين. (الصحيح لمسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة الليل وعدد ركعات: ٢٥٣/١، انيس)

نماز تہجد میں قرأت کے مسائل

تہجد میں چھوٹی اور لمبی سورت کی قرأت:

سوال: تہجد کے نوافل میں جو سورۂ اخلاص پڑھی جاتی ہے، اول رکعت میں ۱۲؍مرتبہ، دوسری میں گیارہ دفعہ سلسلہ وار گھٹتی ہے تو ہر رکعت میں ایک مرتبہ سورۂ مزمل کا پڑھنے والا اعلیٰ رہے گا، یا سورۂ اخلاص ترتیب مذکور کا؟

الجواب

فرضوں میں تکرار سورۃ کو مکروہ لکھتے ہیں اور نوافل میں درست ہے، لہٰذا سورۂ اخلاص کا مکرر پڑھنا تہجد میں درست ہے؛(۱) لیکن اگر بڑی بڑی سورتیں مثل سورہ یٰسین وسورہ مزمل وغیرہ کے پڑھے، تو یہ اولیٰ ہے،(۲) اور اس میں ثواب زیادہ ہوگا۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۰۳/۴-۳۰۴)

قراءۃ فی التہجد کی مقدار صحابہ میں:

سوال: قرأت تہجد صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار سے کس قدر ثابت ہے؟

---

(۱) لابأس أن یقرأ سورة ویعیدها فی الثانیة ،إلخ، ولایکره فی النفل شئ من ذلک.(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار،فصل فی القراء ة:۵۱۰/۱،ظفیر)

(۲) عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، قَالَ: قُلْتُ: لَأَرْمُقَنَّ صَلاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَتَوَسَّدْتُ عَتَبَتَهُ أَوْ فُسْطَاطَهُ، قَالَ: فَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ دُونَهُمَا ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا، ثُمَّ أَوْتَرَ.(موطأ الإمام محمد،باب صلاة اللیل،رقم الحدیث:۱۶۶،انیس)

عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: لَأَرْمُقَنَّ صَلَاةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّيْلَةَ، »فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا، ثُمَّ أَوْتَرَ فَذَلِكَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً.(الصحیح لمسلم،باب الدعاء فی صلاة اللیل وقیامه،رقم الحدیث:۷۶۵،انیس)

(۳) وعن عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص.رضی اللّٰه عنهما.قال:قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:"من قام بعشر آیات لم یکتب من الغافلین ومن قام بمائة آیة کتب من القانتین ومن قام بألف آیة کتب من المقنطرین".{رواه أبو داؤد}(مشکوة،باب صلاة اللیل:۱۰۷،ظفیر(سنن أبی داؤد،باب صلاة اللیل،الفصل الأول:۱۰۱۷/۱،انیس)

الجواب

کچھ تحدید اس میں منقول نہیں ہے۔(۱)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۰۵/۴-۳۰۸)

تہجد کی رکعتیں کس قدر لمبی ہوں:

سوال(۱) حدیث شریف میں ہے:

”ثم صلی رکعتین طویلتین،الخ،ثم صلی رکعتین وهما دون اللتین قبلهما“.(الحدیث)(۲)

دوگانہ اول مابعد سے کس قدر طویل تھا،مثلاً:ایک شخص تہجد میں دو پارہ پڑھنا چاہتا ہے،ہر دوگانہ میں کس قدر پڑھے؟

(۱) وصلاة الليل وأقلها علىٰ مافى الجوهرة ثمان ولوجعله أثلاثا فالأوسط أفضل ولو أنصافا فالأخير أفضل.(الدرالمختار)
لوجعله أثلاثا،إلخ:أى لوأراد أن يقوم ثلثه وينام ثلثيه فالثلث الأوسط أفضل من طرفيه؛لأن الغفلة فيه أتم والعبادة فيه أثقل ولوأراد أن يقوم نصفه وينام نصفه فقيام نصفه الأخير أفضل،إلخ.(ردالمحتار،باب الوتر والنوافل،مطلب فى صلاة الليل:٦٤١/١-٦٤٢)

قرآن پاک میں ہے:

﴿يٰاَيُّها الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلاً نِصْفَهُ اَوِانْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلاً اَوْزِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيْلاً“

پھر اخیر سورہ میں ہے:

﴿اِنَّ رَبَّکَ يَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَىِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ﴾ (سورة المزمل:١-٢)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام نماز تہجد میں لمبا ہوا کرتا تھا،نصف رات، یا دو ثلث، یا ایک ثلث، جو مسلسل نماز میں کھڑا رہے اور یہی اس کا روزانہ کا معمول ہو تو پھر ”حتیٰ تورمت قدماه“ (عن زياد سمعت المغيرة يقول:إن كان النبى صلى الله عليهم وسلم ليقوم أوليصلى حتىٰ ترم قدماه أوساقاه فيقاله له فيقول أفلا أكون عبداً شكوراً.(صحيح البخارى، كتاب التهجد،باب قيام النبى صلى الله عليه وسلم: ١٥٢/١،انيس) پر کیا اشکال باقی رہ جاتا ہے اور جب قیام لمبا ہوتا تھا تو کھلی بات ہے کہ قرأت بھی لمبی ہوتی ہوگی اور یہی بات تھی بھی۔(عن حذيفة أنه رأى النبى صلى الله عليه وسلم يصلى من الليل فكان يقول: الله أكبر ثلثا ذوالملكوت والجبروت والكبرياء والعظمة ثم استفتح فقرأ البقرة ثم ركع فكان ركوعه نحواً من قيامه فكان يقول فى ركوعه: سبحان ربى العظيم ثم رفع رأسه من الركوع فكان قيامه نحواً من ركوعه...(مشكوٰة المصابيح،كتاب الصلاة،باب صلاة الليل،الفصل الثانى:١٠٩/٣،دارالفكر بيروت،انيس) چنانچہ قرآن نے اعلان کیا﴿عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى وَآخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَآخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاقْرَؤُوْا مَاتَيَسَّرَ مِنْهُ﴾ (سورة المزمل: ٢) یعنی اتنی قرأت کی جائے تو سہل ہو۔واللہ اعلم

(۲) عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِىِّ، اَنَّهُ قَالَ: لَأَرْمُقَنَّ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّيْلَةَ، »فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا، ثُمَّ أَوْتَرَ فَذَلِكَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً.(الصحيح لمسلم،باب الدعاء فى صلاة الليل وقيامه،رقم الحديث:٧٦٥،انيس)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم کا تورم:

(۲) حدیث میں ہے کہ قیام کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "حتٰی تورمت قدماہ" (الحدیث) جبکہ تعداد تہجد آٹھ رکعت تھی تو قدر قرأت کس قدر تھی کہ پاؤں مبارک پر ورم ہو جاتا تھا؟

الجواب

(۱-۲) کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی رکعات کو بہت طویل فرماتے تھے، کئی کئی پارے ایک رکعت میں پڑھتے تھے، (۱) یہی وجہ ورم قدمین مبارکین کی تھی۔ اب اگر کسی کو دو پارے آٹھ رکعت میں پڑھنے ہوں تو اختیار ہے، خواہ پاؤ پاؤ ایک ایک رکعت میں پڑھے، یا پہلی رکعتوں میں کچھ زیادہ پڑھے اور پچھلی رکعتوں میں کم پڑھے، سب جائز اور سنت ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند: ۴/۳۰۵-۳۰۷)

تہجد میں قرأت کیسے پڑھیں:

سوال زید تہجد کی نماز کبھی بارہ رکعت کبھی آٹھ رکعت کبھی چار رکعت ادا کرتا ہے؛ مگر اس صورت سے کہ کبھی بارہ میں چار رکعت قرأت جہر کے ساتھ ادا کرتا ہے اور کبھی چھ یا دو جہر کے ساتھ قرأت پڑھتا ہے اور باقی خفیہ۔ بکر کا قول ہے کہ ایسے نہیں چاہیے، یا تو جس قدر نماز تہجد کی پڑھو، سب جہر کے ساتھ پڑھو، یا سب اخفا کے ساتھ پڑھو، اس صورت میں زید کا قول معتبر ہے، یا بکر کا؟

---

(۱) عن حذيفة أنه رأى النبى صلى الله عليه وسلم يصلى من الليل وكان يقول: الله أكبر ثلثاً ذو الملكوت والجبروت والكبرياء والعظمة ثم استفتح فقرأ البقرة ثم ركع فكان ركوعه نحوًا من قيامه فكان يقول فى ركوعه: سبحان ربى العظيم، ثم رفع رأسه من الركوع فكان قيامه نحوًا من ركوعه يقول لربى الحمد فكان سجوده نحوًا من قيامه فكان يقول فى سجوده سبحان ربى الأعلٰى ثم رفع رأسه و كان يقعد فى ما بين السجدتين نحوًا من سجوده و كان يقول رب اغفرلى فصلى أربع ركعات قرأ فيهن البقرة وآل عمران والنساء والمائدة أو الأنعام شك شعبة. {رواه أبوداؤد}(مشكٰوة المصابيح، باب صلاة الليل، الفصل الثانى، ص: ١٠٦، ظفير)/سنن أبى داؤد، باب مايقول الرجل فى ركوعه وسجوده، رقم الحديث: ٨٧٤/شرح مشكل الآثار، باب بيان مشكل ما كان من رسول الله عليه السلام فيما بين سجدتيه فى صلاته هل هو ذكر الله تعالٰى أو سكوت بلاذكر؟، رقم الحديث: ٧١٢/السنن الصغير للبيهقى، باب مايقول فى الركوع والسجود والاعتدال، رقم الحديث: ٤١٥/السنن الكبرىٰ للنسائى، ذكر مايقول فى الركوع والسجود، رقم الحديث: ١٣٨٣، انيس)

اس حدیث سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ تہجد میں قرأت کس قدر لمبی ہوتی تھی کہ ازبقرہ تامائدہ پڑھ جاتے تھے۔ واللہ اعلم محمد ظفیر الدین، جعلہ اللہ من الصالحین)

الجواب

زید کا نماز تہجد میں جہر کرنا(۱) اور خفیہ سب طرح درست ہے(۲) بکر کا خیال درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(تالیفات رشیدیہ:۲۷۰)

تہجد میں قرأت بالجہر کا حکم:

سوال: صلوٰۃ تہجد میں قرأت بالجہر مستحسن ہے، یا نہیں؟

الجواب

جہر خفیف کے ساتھ مستحسن ہے، (۳) بشرطیکہ دوسرے سونے والوں کی نیند میں اس سے خلل نہ آئے، ورنہ اخفا بہتر ہے، کذا ورد فی بعض الأحادیث۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۶/ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ (امداد المفتین:۳۱۱/۲)

تہجد میں قرأت جہری:

سوال: تہجد کی نفلوں میں قرآن شریف پکار کر پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب

جائز و مستحب ہے۔ (۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۳۰۳/۴)

نماز تہجد کس طرح ادا کی جائے:

سوال: نماز تہجد ادا کرنے کی کیا ترکیب ہے؛ یعنی اس کے واسطے کوئی خاص دعا ہے؟ اور کوئی خاص خاص سورت مقرر ہیں؟ ہم کلام مجید میں سے جو سورتیں چاہیں پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب

تہجد کے لیے خصوصیت کسی سورت کی شرعاً نہیں ہے۔ (۱)

---

(۱) عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما قال کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصلی من اللیل فیسمع قراء تہ من دار الحجرات وهو فی بیت. (شرح معانی الآثار، باب القراء ۃ فی صلاۃ اللیل کیف هی: ۲۳۹/۱، انیس)

(۲) عن أبی قتادۃ أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لأبی بکر مرت بک أنت تقرأ وأنت تخفض من صوتک، فقال: إنی أسمعت من ناجیت، قال: ارفع قلیلا وقال لعمر: مررت بک وأنت تقرأ وأنت ترفع صوتک، فقال: إنی أوقظ الوسنان وأطرد الشیطان، قال: اخفض قلیلاً. (سنن الترمذی، باب ما جاء فی القراء ۃ باللیل: ۱۰۰/۱، انیس)

(۳) عن أبی هریرۃ رضی اللّٰہ عنہ یخبر عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم إنہ کان یرفع صوتہ فی قراء تہ باللیل طوراً ویخفض طوراً. (شرح معانی الآثار، باب القراء ۃ فی صلاۃ اللیل کیف هی: ۲۳۹/۱، انیس)

(۴) ویخیر المنفرد فی الجهر، الخ، کمتنفل باللیل منفردًا فلو أم جهر. (الدر المختار، فصل فی القراء ۃ: ۴۹۸/۱، ظفیر)

(۵) عن عائشۃ قالت: قام النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بآیۃ من القرآن لیلۃ. (سنن الترمذی، باب ماجاء فی القراء ۃ باللیل: ۱۰۰/۱، انیس)

بعض بزرگوں نے جو سورتیں بتلائی، یا لکھی ہیں، وہ ہرگز لازمی وضروری نہیں، یاد ہوں تو مضائقہ نہیں۔

کتبہ اصغر حسین عفی عنہ، الجواب صحیح: مہر (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۰۸/۴-۳۰۹) ☆

تہجد میں ہر رکعت میں سورۂ اخلاص ضروری نہیں ہے:

سوال: تہجد کی نماز میں سورۂ اخلاص کا ملانا ہر مرتبہ فرض ہے، یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے؛ مگر کچھ ضروری نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۰۳/۴)

تہجد کی ہر رکعت میں تین بار سورۂ اخلاص:

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ تہجد کی نماز میں ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد تین دفعہ ﴿قل ھو اللّٰہ﴾ پڑھنا چاہئیے، کیا شریعت میں اس کی کوئی اہمیت ہے؟　　(یاسمین، بی بی کا چشمہ)

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پابندی کے ساتھ تہجد کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے، حدیث کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے؛(۲) لیکن اس طرح تین بار "قل ھو اللّٰہ" پڑھنے کا کوئی ذکر نہیں۔ ہاں یہ بات حدیث میں آئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں بہت طویل قرأت فرمایا کرتے تھے اور اسی قدر طویل رکوع وسجدہ بھی کیا کرتے تھے۔(۳)

اس لیے آپ کو جو طویل سورتیں یاد ہوں، انہیں پڑھنے کا اہتمام کیجئے، اگر طویل سورتیں یاد نہ ہوں تو ایک رکعت میں کئی سورتیں بھی ملا کر پڑھ سکتے ہیں۔(۴) (کتاب الفتاویٰ:۱۹۸/۲)

☆ ملفوظ:

تہجد کا کوئی طریق خاص نہیں آپ کی عادت تھی کہ بعد نصف شب کے اٹھتے اور وضو کر کے اول دو رکعت خفیہ پڑھ کر پھر دو رکعت کی نیت کر کے قرآن کثیر اس میں پڑھتے تھے، گاہ آٹھ رکعت یہ اکثر ہوا، گاہ دس رکعت، گاہ چھ رکعت اور بعد رکعات تہجد کے وتر پڑھتے تھے۔ فقط (تالیفات رشیدیہ:۳۰۵-۳۰۶)

(۱) عن عائشة قالت: قام النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بآیة من القرآن لیلة.(سنن الترمذی،باب ماجاء فی القراءة باللیل: ۱۰۰/۱،انیس)

(۳) صحیح البخاری،رقم الحدیث: ۱۱۳۰،باب قیام النبي صلی اللّٰه علیه وسلم اللیل حتٰی ترم قدماه (عن زیاد قال:سمعت المغیرة یقول: إن کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لیقوم لیصلی حتٰی ترم قدماه أوساقاة،فیقال له؟فیقول: أفلا أکون عبداً شکوراً.(صحیح البخاری، کتاب التهجد،: ۱۵۲/۱،رقم الحدیث: ۱۱۳۰،انیس)

(۴) صحیح البخاری،رقم الحدیث: ۱۱۳۰-۱۱۲۳،باب طویل السجود فی قیام اللیل(أن عائشة أخبرته أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یصلی إحدیٰ عشرة رکعة کانت تلک صلاته یسجد السجدة من ذلک قدرما لقراء أحدکم خمسین أیة قبل أن یرفع رأسه.(صحیح البخاری، کتاب التهجد،باب طول السجود فی قیام اللیل: ۱۵۱/۱،انیس)

(۵) عن عبد اللّٰه بن مسعود قال:لقد عرفت النظائر التی کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یقرن بینهن،فذکر عشرین سورة من المفصل ،سورتین فی کل رکعة.(صحیح البخاری،باب الجمع بین السورتین فی الرکعة،رقم الحدیث: ۷۷۵،انیس)

تہجد میں مختلف دعائیں کب پڑھی جائیں:

سوال: احادیث میں ادعیہ مختلفہ تہجد میں وارد ہیں، وہ بعد ثنا ہیں، یا تکبیر تحریمہ سے پیشتر؟

الجواب

وہ ادعیہ تکبیر تحریمہ سے پیشتر پڑھنی چاہیے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۰۲/۴)

بعد تکبیر تحریمہ دعائیں:

سوال (۱) چند ادعیہ احادیث میں منقول ہیں کہ بعد تکبیر تحریمہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے، مثلاً: ”إنی وجهت وجهی، إلخ“ عندالاحناف قبل از تکبیر تحریمہ پڑھیں، یا بعد میں؟

یہ دعا کہاں پڑھی جائے:

(۲) دعا: ” اللّٰهم اجعل فی قلبی نورًا ،الخ“(۲) منقول ہے، یہ دعا بعد تہجد پڑھیں، یا اول، یا بعد سنت فجر؟

یہ دعا کھڑے ہوکر پڑھی جائے، یا بیٹھ کر:

(۳) ”عن ابن عباس. رضی اللّٰه عنهما قال: كان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم إذا قام من اللیل یتهجد قال: ”اللّٰهم لک الحمد، إلخ“ یہ دعا کھڑے ہوکر پڑھے، یا بیٹھ کر؟

الجواب

(۱) قبل از تکبیر تحریمہ۔(۳)

(۲) جس وقت پڑھ لے بہتر ہے۔

(۳) جس وقت اٹھے اس وقت پڑھ لے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۰۶/۴-۳۰۷)

---

(۱) عن ابن عباس. رضی اللّٰه عنهما. قال: كان النبی صلی اللّٰه علیه و سلم إذا قام من اللیل یتهجد قال: ”اللّٰهم لک الحمد أنت قیم السمٰوات‘.‘{متفق علیه}(صحیح البخاری، کتاب التهجد: ۱۵۱/۱، انیس)

عن عائشة قالت: كان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم إذا قام من اللیل افتتح صلاته فقال: اللّٰهم رب جبریل و میكائیل وإسرافیل فاطر السمٰوٰت والأرض عالم الغیب والشهادة أنت تحكم بین عبادک فیما كانوا فیه یختلفون اهدنی لما اختلف فیه من الحق بإذنک أنت تهدی من تشاء إلٰی صراط مستقیم.(مسلم، باب صلاة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ودعائه باللیل: ۲۶۳/۱، انیس)

(۲) اللّٰهم اجعل فی قلبی نورًا وفی لسانی نوراً وفی سمعی نوراً وفی بصری نوراً ومن فوقی نوراً ومن تحتی نوراً وعن یمینی نوراً وعن شمالی نوراً ومن بین یدی نوراً ومن خلفی نوراً واجعل فی نفسی نوراً واعظم لی نوراً.(الصحیح لمسلم، باب صلاة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ودعائه باللیل، انیس)

(۳) ”وعن أبی یوسف أنه یضم إلیه قوله إنی وجهت إلٰی آخره، وما رواه محمول علی التهجد الخ والأولٰی أن یأتی بالتوجه قبل التكبیر“.(الهدایة، باب صفة الصلوٰة: ۹۶/۱، ظفیر)

نماز تہجد کے وقت کا بیان

نماز تہجد کا وقت:

سوال: تہجد کی نماز کا وقت شب بیدار کس وقت نماز تہجد پڑھے؟

الجواب

تہجد کے اول وقت کے بارے میں صحابہ کرامؓ کے زمانے میں اختلاف تھا۔حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عکرمہؓ وغیرہما کے مذہب کی تحقیق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تہجد کا اول وقت عشا کے بعد سو کے اٹھنے کے بعد ہے،اس بارے میں ان صحابہ کرامؓ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن شریف میں موجود ہے۔

﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ﴾(۱)(اپنی رات کو تہجد کی نماز قرآن کے ساتھ ادا کیجئے۔)

لغت میں تہجد کے معنی یہ ہیں کہ سونے کے وقت معمول میں نیند ترک کرنا۔اس قول میں شبہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص تمام رات بیدار رہے تو لازم آتا ہے کہ اس کو تہجد کا وقت نہ ملے،بعض لوگوں نے ان صحابہ کرامؓ کے مذہب کی توجیہ کی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر عشا کے بعد سو رہے تو جب نیند سے اٹھے تو وہی وقت تہجد کا اول وقت ہوگا اور اگر نہ سوئے تو جب اس کے سونے کا معمولا وقت گذر جائے تو تہجد کا اول وقت ہوجائے گا،اس بارے میں بہتر دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے:

”من كل الليل أوتررسول الله صلى الله عليه وسلم وانتهى وتره إلى السحر “.(۲)

(حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رات میں ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کی نماز پڑھی ہے،حتی کہ کبھی آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ اٰلہ واصحابہ وسلم نے وتر کی نماز سحر کے وقت بھی پڑھی ہے۔)

(۱) سورة الإسراء:۷۹

(۲) عن مسروق عن عائشة رضى الله عنها قالت:من كل الليل أوتر رسول الله صلى الله عليه وسلم فانتهى وتره إلى آخر الليل.(السنن الكبرى للبيهقى،باب من كل الليل أوتر رسول الله صلى الله عليه وسلم،رقم الحديث:٤٨٣٤/سنن الترمذى،باب ماجاء فى الوتر من أول الليل وآخره.أبواب الوتر:١٠٣/١/الصحيح لمسلم،باب صلاة الليل وعددركعات النبى صلى الله عليه وسلم:٢٥٥/١،انيس)

اس کا جواب یہ ہے کہ ''اوتر'' کے لفظ سے تہجد کا وقت مراد نہیں ؛ بلکہ وتر کی نماز مراد ہے، اس وقت کا بالا تفاق عشا کے بعد ہے، چنانچہ اکثر صحابہ کرامؓ اور ائمہ عظام کے نزدیک یہی مذہب مختار ہے اور سالکان طریق عبادت کا اسی پر عمل ہے کہ تہجد کا اول وقت آدھی رات کے بعد ہو جاتا ہے، (۱) خواہ اس کے قبل سوئے، یا نہ سوئے اور اکثر احادیث سے اس وقت کی فضیلت معلوم ہوتی ہے تو اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تہجد کا وقت یہی ہے۔ مثلا:

''أی الدعاء أفضل؟ قال: جوف اللیل الآخر''. (۲)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے (دعا کے وقت کے بارے) پوچھا گیا کہ کون (سا وقت) بہتر ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دعا افضل ہے، جو آخری شب میں کی جائے۔

اور یہ بھی بالاتفاق ثابت ہے کہ عشا کی تاخیر بلا کراہت آدھی رات تک جائز ہے اور اس پر بھی علماء کرام کا اتفاق ہے کہ تہجد کی نماز عشا کی توابع سے نہیں تو ضرور ہے کہ عشا کی نماز کے بعد تہجد کا وقت ہو جائے۔ واللہ اعلم (فتاویٰ عزیزی: ۴۷۷)

صلوٰۃ تہجد کا وقت:

سوال: صلوٰۃ تہجد کا وقت بعد نصف شب کے ہے، یا پہلے، جیسا کہ آیت ﴿أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلاً أَوْ زِدْ عَلَيْهِ، الخ﴾ (۳) سے معلوم ہوتا ہے، یا دونوں وقتوں میں جائز ہے؟ بر تقدیر جواز اولیت کس کو ہے؟

الجواب ــ

بعد عشا کے جو نوافل پڑھے، وہ صلوٰۃ اللیل ہے اور تہجد میں داخل ہے۔

کما فی الشامی: وما کان بعد صلاة العشاء فهو من اللیل وهو یفید أن هٰذه السنة تحصل بالتنفل بعد العشاء قبل النوم، إلخ، قلت: قد صرح بذلک فی الحلیة، إلخ. (۴)

---

(۱) عن ابن عباس أخبره أنه بات لیلة عند میمونة أم المؤمنین وهی خالته قال فاضطجعت فی عرض الوسادة واضطجع رسول الله صلی الله علیه وسلم حتٰی انتصف اللیل أوقبله بقلیل أوبعده بقلیل أستیقظ رسول الله صلی الله علیه وسلم... فصلٰی رکعتین. (الصحیح لمسلم، باب صلاة النبی صلی الله علیه وسلم ودعائه باللیل: ۱/ ۲۶۰، انیس)

(۲) عَنْ أَبِی أُمَامَةَ، قَالَ: قِیلَ یَا رَسُولَ اللَّهِ: أَیُّ الدُّعَاءِ أَسْمَعُ؟ قَالَ: جَوْفَ اللَّیْلِ الآخِرِ، وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ. (سنن الترمذی، باب، رقم الحدیث: ۳۴۹۹، انیس)

عَنْ ضَمْرَةَ بْنِ حَبِیبٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ، یَقُولُ: حَدَّثَنِی عَمْرُو بْنُ عَبَسَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، یَقُولُ: »أَقْرَبُ مَا یَكُونُ الرَّبُّ مِنَ العَبْدِ فِی جَوْفِ اللَّیْلِ الآخِرِ، فَإِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَكُونَ مِمَّنْ یَذْكُرُ اللَّهَ فِی تِلْكَ السَّاعَةِ فَكُنْ. (سنن الترمذی، باب، رقم الحدیث: ۳۵۷۹، انیس)

(۳) سورة المزمل: ۲، انیس

(۴) رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب فی صلاة اللیل: ۱/ ۶٤۰، ظفیر　　==

اور افضل وقت تہجد کا اخیر شب ہے، جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۳۱۱/۴) ☆

نماز تہجد کا صحیح وقت کیا ہے:

سوال: صلوٰۃ تہجد کا صحیح وقت کیا ہے؟

== عَنْ إِيَاسِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْمُزَنِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا بُدَّ مِنْ صَلَاةٍ بِلَيْلٍ، وَلَوْ نَاقَةً، وَلَوْ حَلْبَ شَاةٍ، وَمَا كَانَ بَعْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ فَهُوَ مِنَ اللَّيْلِ". (المعجم الكبير للطبرانى، اياس بن معاوية المزنى، رقم الحديث: ۲۷۱/۱، مكتبة ابن تيمية القاهرة، رقم الحديث: ۷۸۷، انيس)

(۱) عن عائشة قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينام أول الليل ويحى آخره ثم إن كانت له حاجة قضٰى حاجته. (شرح معانى الآثار، باب الجنب يريد النوم أو الأكل أو الشرب، رقم الحديث: ۷٦۳، انيس)

عن الأسود قال: سألت عائشة كيف كان صلاة النبى صلى الله عليه وسلم بالليل؟ قالت: كان ينام أوله ويقوم آخره. (صحيح البخارى، باب نام أول الليل أوحى آخره: ۱۵٤/۱، انيس)

☆ **وقت تہجد:**

سوال: تہجد کا وقت کب تک رہتا ہے؟

الجواب

تہجد کا وقت صبح صادق سے پہلے پہلے تک رہتا ہے۔("وصلاة الليل، الخ، لو جعله أثلاثا فالأوسط أفضل ولو أنصافا فالأخير أفضل. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الوتر و النوافل، مطلب فى صلاة الليل: ٦٤٠/٢)

عن عائشة. رضى الله عنها. قالت: كان النبى صلى الله عليه وسلم يصلى فيما بين أن يفرغ من صلاة العشاء إلى الفجر إحدى عشرة ركعة، إلخ". (مشكوٰة، باب صلاة الليل، الفصل الأول، ص: ۱۰۵، ظفير)

عن عائشة زوج النبى صلى الله عليه وسلم قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى فيما بين أن يفرغ من صلاة العشاء أوهى التى يدعو الناس العتمة إلى الفجر إحدىٰ عشرة ركعة سلم بين كل ركعة ويوتر بواحدة فإذا سكت المؤذن من صلاة الفجر. (الصحيح لمسلم، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبى صلى الله عليهم وسلم: ۲۵٤/۱، انيس) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۳۰۴/۴)

وقت تہجد:

سوال: وقت تہجد متوسط کون سا ہے؟

الجواب

آخر شب افضل ہے۔(عن عائشة قالت كان تعنى رسول الله صلى الله عليه وسلم ينام أول الليل ويحى آخره ثم إن كانت له حاجة إلىٰ أهله قضٰى حاجته. (مشكوٰة، باب تحريض علىٰ قيام الليل، رقم الحديث: ۱۲۲٦/شرح معانى الآثار، باب الجنب يريد النوم أو الأكل أو الشرب، رقم الحديث: ۷٦۳، انيس) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۳۰٦/۴-۳۰۷)

الجواب

صلوٰۃ تہجد کا وقت عشاء کے بعد سے صبح صادق تک ہے، حضرت عائشہ سے صحاح(۱) میں روایت موجود ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے شب میں بھی اور وسط شب میں بھی اور آخر شب میں تہجد پڑھی ہے؛ مگر آخری ایام میں اور زیادہ تر اخیر شب میں پڑھنا وارد ہے،(۲) جس قدر بھی رات کا حصہ متاخر ہوتا جاتا ہے، برکات اور رحمتیں زیادہ ہوتی جاتی ہیں اور سدس آخر میں سب حصوں سے زیادہ برکات ہوتی ہیں۔(۳) تہجد ترک ہجود یعنی ترک نوم سے عبارت ہے؛ اس لیے اوقات نوم بعد عشا سب کے سب وقت تہجد ہی ہیں۔

(مکتوبات:۱/۱۸۹)(فتاویٰ شیخ الاسلام:ص۴۲-۴۳)

---

(۱) وہ حدیث عائشہ یہ ہے:

عن عائشة رضى الله عنها قالت: من كل الليل أوتر رسول الله صلى الله عليه وسلم من أول الليل وأوسطه وآخره وانتهى وتره إلى السحر{متفق عليه}(مشكوة،باب الوتر.ص:۱۱۱،رقم الحديث:۱۲۶۱)

وعن عائشة رضى الله عنها قالت:كا ن النبى صلى الله عليه وسلم يصلى فيما بين أن يفرغ من صلاة العشاء إلى الفجر إحدىٰ عشرة يصل من كل ركعتين ويوتر بواحدة.{متفق عليه}(مشكوة،باب صلاة الليل:۱۰۵، رقم الحديث:۱۱۸۸)

عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ:كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِيمَا بَيْنَ أَنْ يَفْرُغَ مِنْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ – وَهِيَ الَّتِي يَدْعُو النَّاسُ الْعَتَمَةَ – إِلَى الْفَجْرِ، إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُسَلِّمُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ، وَيُوتِرُ بِوَاحِدَةٍ، فَإِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ، وَتَبَيَّنَ لَهُ الْفَجْرُ، وَجَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ، قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ، حَتَّى يَأْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلْإِقَامَةِ.(الصحيح لمسلم،باب صلاة الليل وعدد ركعات النبى صلى الله عليهم وسلم: ۱/۲٥٤،رقم الحديث:۷۳٦،انيس)

اور علامہ شامی صفحہ:۱۵۷/ج:۱، میں بحوالہ بحر نقل فرماتے ہیں:"وروى الطبرانى مرفوعاً":"لابد من صلاة بليل ولو حلب شاة.وما كان بعد صلاة العشاء فهو من الليل". وهٰذايفيد ان هٰذه السنة تحصل بالتنفل بعد صلاة العشاء قبل النوم.)

(۲) عَنْ كُرَيْبٍ، مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ بَاتَ لَيْلَةً عِنْدَ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ خَالَتُهُ فَاضْطَجَعْتُ فِي عَرْضِ الوِسَادَةِ وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلُهُ فِي طُولِهَا، فَنَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ اللَّيْلُ، أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيلٍ، اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَلَسَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ بِيَدِهِ، ثُمَّ قَرَأَ العَشْرَ الآيَاتِ الخَوَاتِمَ مِنْ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ، ثُمَّ قَامَ إِلَى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ، فَتَوَضَّأَ مِنْهَا فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ، ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ، فَوَضَعَ يَدَهُ اليُمْنَى عَلَى رَأْسِي، وَأَخَذَ بِأُذُنِي اليُمْنَى يَفْتِلُهَا، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَوْتَرَ، ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى أَتَاهُ المُؤَذِّنُ، فَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ.(صحيح البخارى،باب قراء ة القرآن بعد الحدث وغيره،رقم الحديث: ۱۸۳/سنن ابن ماجة،باب ماجاء فى كم يصلى بالليل،رقم الحديث:۱۳٦۳،انيس)

(۳) قال فى المراقى:وندب صلاة الليل خصوصاً آخره.وفى الطحطاوى:و هوالسدس الخامس من أسداس اليل وهو الوقت الذى وردفيه النزول الإلٰهى.(حاشية الطحطاوى،ص:۲۱۷)

نماز تہجد کا وقت اور اس کی تعداد رکعات:

سوال: تہجد کی نماز پڑھنے کا وقت کیا ہے اور کم از کم کتنی رکعت حدیث سے ثابت ہے، اگر کوئی آدھی رات کو نہیں بیدار ہوسکتا ہے تو عشا اور وتر کی نماز کے بعد پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟ یا وتر کے قبل پڑھے؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

تہجد کی نماز کا وقت آدھی رات گذرنے کے بعد سے (۱) فجر کی نماز ہونے کے وقت سے پہلے تک ہے۔ (۲)

---

(۱) عَنْ كُرَيْبٍ، مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ بَاتَ لَيْلَةً عِنْدَ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ خَالَتُهُ فَاضْطَجَعْتُ فِي عَرْضِ الوِسَادَةِ وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلُهُ فِي طُولِهَا، فَنَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ اللَّيْلُ، أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيلٍ، اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَلَسَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ بِيَدِهِ، ثُمَّ قَرَأَ العَشْرَ الآيَاتِ الخَوَاتِمَ مِنْ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ، ثُمَّ قَامَ إِلَى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ، فَتَوَضَّأَ مِنْهَا فَأَحْسَنَ وُضُوئَهُ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ، ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ، فَوَضَعَ يَدَهُ اليُمْنَى عَلَى رَأْسِي، وَأَخَذَ بِأُذُنِي اليُمْنَى يَفْتِلُهَا، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَوْتَرَ، ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى أَتَاهُ المُؤَذِّنُ، فَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ. (صحيح البخاری، باب قراء ة القرآن بعد الحدث وغيره، رقم الحديث: ۱۸۳/سنن ابن ماجة، باب ماجاء فی كم يصلی بالليل، رقم الحديث: ۱۳٦۳، انيس)

(۲) تہجد کی نماز کا اصل وقت تو عشا کی نماز کے بعد تھوڑی دیر سو کر جاگنے کے بعد سے صبح صادق تک رہتا ہے، جیسا کہ خود لفظ ''تہجد'' سے معلوم ہوتا ہے، علامہ ابن منظور نے لسان العرب میں لکھا ہے: ''ہجود'' کے معنی سو جانے کے ہیں اور ''تهجّد القوم'' کے معنی نماز وغیرہ کے لیے جاگنا۔ (لسان العرب، مادہ: ''ہجد'' ۱۵/۳۱) ۔لیکن عشا کی نماز کے بعد بھی اگر تہجد کی نیت سے نفل نمازیں پڑھ لی جائیں تو تہجد کا ثواب مل جائے گا، (عن ثوبان عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: إن هٰذا السفر جهد وثقل فإذا أوتر أحدكم فليركع ركعتين فإن قام من الليل وإلا كانتاله. (سنن الدارمی، باب فی الركعتين بعد الوتر، رقم الحديث: ۱٦۳۵/مسند البزار، مسند ثوبان رضی اللّٰہ عنه، رقم الحديث: ٤۱۹۳/مسند الرويانی، رقم الحديث: ٦٤٤، انيس)) البتہ چونکہ رات کے اخیر حصہ میں اللہ کی رحمتیں زیادہ نازل ہوتی ہیں، اس لئے رات کے اخیر حصہ میں تہجد کی نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ [مجاہد]

علامہ شامی ''البحر الرائق'' کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

قال فی البحر: فمنها ما فی صحيح مسلم مرفوعًا ''أفضل الصلاة بعد الفريضة صلاة الليل'' وروی الطبرانی مرفوعاً ''لابدّ من صلاة بليل ولو حلب شاة، وما كان بعد صلاة العشاء فهو من الليل''، وهٰذا يفيد أن هٰذه السنة تحصل بالتنفل بعد صلا ة العشاء قبل النوم، آه. (عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، يَرْفَعُهُ، قَالَ: سُئِلَ: أَيُّ الصَّلَاةِ أَفْضَلُ بَعْدَ الْمَكْتُوبَةِ؟ وَأَيُّ الصِّيَامِ أَفْضَلُ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ؟ فَقَالَ: أَفْضَلُ الصَّلَاةِ، بَعْدَ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ، الصَّلَاةُ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ، وَأَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ، صِيَامُ شَهْرِ اللهِ الْمُحَرَّمِ. (الصحيح لمسلم، كتاب الصيام، باب صوم المحرم: ۳٦۸/۱، رقم الحديث: ۱۱٦۳)/ ==

اس نماز کے لیے تہجد کی نماز کی نیت کرنی چاہیے، تہجد کی نماز کم از کم دو رکعت ہے،(۱) آدھی رات سے قبل تہجد کی نماز نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۶۹/۴/۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۰۵-۲۰۷)

☆☆☆

== عَنْ إِيَاسِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْمُزَنِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:لَا بُدَّ مِنْ صَلَاةٍ بِلَيْلٍ، وَلَوْ نَاقَةً، وَلَوْ حَلْبَ شَاةٍ، وَمَا كَانَ بَعْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ فَهُوَ مِنَ اللَّيْلِ".(المعجم الكبير للطبرانى،اياس بن معاوية المزنى،رقم الحديث: ۲۷۱/۱،مكتبة ابن تيمية القاهرة،رقم الحديث:۷۸۷،وذكره الهيثمى فى المجمع:۲/۲۵۲،انيس)

قلت:قد صرّح بذلک فى الحلية –ثم قال فيها بعد كلام–ثم–غير خاف إن صلاة الليل المحثوث عليها هى التهجد–وقد ذكر القاضى حسين من الشافعية أنه فى الاصطلاح التطوع بعد النوم،وأيّد بما فى معجم الطبرانى من حديث الحجاج بن عمرورضى اللّٰه عنه قال: "بحسب أحدكم إذا قام من الليل يصلّى حتى يصبح أنه قد تهجد،إنما التهجد المرء يصلّى الصلاة بعد رقدة"غير أن فى سنده ابن لهيعة وفيه مقال؛لكن الظاهر رجحان حديث الطبرانى الأوّل؛لأنه تشريع قولى من الشارع صلّى اللّٰه عليه وسلّم بخلاف هٰذا،وبه ينتفى ما عن أحمد من قوله:قيام الليل من المغرب إلٰى طلوع الفجر،آه،ملخصًا. (ردالمحتار،باب الوتر والنوافل:۲/۴۶۷)

(۱) أقول: فينبغى القول بأن أقل التهجد ركعتان،وأوسطه أربع،وأكثره ثمان واللّٰه اعلم.(ردالمحتار،باب الوتر والنوافل:۲/۴۶۸)

نماز تہجد کی رکعات کا بیان

تہجد کی رکعتیں اور قرأت:

سوال: زید نماز تہجد بقراءۃ طویل اس طرح سے پڑھتا ہے کہ گاہے ایک پارہ، گاہے دو پارہ، گاہے سہ پارہ ایک رکعت میں پڑھ لیتا ہے، باقی تین رکعات میں مختصر سی سورتیں پڑھ کر ختم کرتا ہے۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب

نماز تہجد آٹھ رکعت افضل ہے اور بہتر یہ ہے کہ قرأت جملہ رکعات میں قریب قریب برابر رکھے اور جائز یہ بھی ہے جو صورت (۱) سوال میں مذکور ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۰۲/۴-۳۰۳)

---

(۱) أنه سأل عائشة كيف كانت صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان؟ قالت: ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره أعلىٰ إحدىٰ عشرة ركعة يصلي أربعاً فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي أربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي ثلاثاً. (الصحيح لمسلم، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي صلى الله عليه وسلم: ۲۵٤/۱، رقم الحديث: ۷۳۸/سنن أبي داؤد، باب في صلاة الليل، رقم الحديث: ۱۳٤۱، انيس)

عائشة... أخبريني عن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم قالت إن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي بالليل صلوٰة العشاء ثم يأوي إلىٰ فراشه فينام فإذا كان جوف الليل قام إلىٰ حاجته وإلىٰ طهوره فتوضأ ثم دخل المسجد فيصلي ثماني ركعات يخيل إلي أنه يسوي بينهن في القراءة والركوع والسجود... (سنن النسائي، كتاب قيام الليل، باب كيف يفعل إذا افتتح الصلاة قائما: ۱۸۷/۱/سنن أبي داؤد. باب في صلاة الليل، رقم الحديث: ۱۳۵۲، انيس)

(۲) وأقلها علىٰ ما في الجوهرة ثمان ولو جعله أثلاثا فالأوسط أفضل ولو أنصافا فالأخير أفضل. (الدر المختار)

قيد بقوله علىٰ ما في الجوهرة؛ لأنه في الحاوي القدسي قال: يصلي ما سهل عليه ولو ركعتين والسنة فيها ثمان ركعات بأربع تسليمات. (رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب في صلاة الليل: ٦٤١/١)

عن ابن عمر قال: أن رجلا سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صلاة الليل؟ قال: مثنىٰ مثنىٰ. (صحيح لمسلم، باب صلاةٰ الليل مثنى مثنى، رقم الحديث: ۷٤۹، انيس)

ومن التعليل أن المنفرد يسوي بين الركعتين في الجميع اتفاقاً، شرح المنية. (رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل في القراءة: ۵۰۵/۱، ظفير)

تہجد کی رکعات:

سوال: تہجد میں کتنی رکعت ہیں کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ؟

الجواب

تہجد میں کم از کم دو رکعت سنت ہے، (۱) اور زیادہ سے زیادہ جس قدر پڑھ لے درست ہیں؛ (۲) مگر حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علاوہ وتر آٹھ رکعت سے زیادہ ثابت نہیں ہیں۔ (۳) فقط (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۰۵) ☆

---

(۱) عن أبی سعید وأبی هريرة قالا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أيقظ رجل أهله من الليل فصليا أوصلى ركعتين جميعا كتبا فی الذاكرين والذاكرات. (سنن أبی داؤد، باب قيام الليل، رقم الحديث: ۱۳۰۹، انيس)

(۲) عن عائشة رضی الله تعالىٰ عنها قالت: النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يصلی من الليل ثلٰث عشر ركعة منها: الوتر وركعتا الفجر".

وعن مسروق قال: سألت عائشة رضی الله تعالىٰ عنها عن صلاة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالليل فقالت: "سبع و تسع وإحدىٰ عشرة سوىٰ ركعتی الفجر". (صحيح البخاری، كتاب التهجد، باب كيف صلاة الليل وكيف كان النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالليل: ۱۵۳/۱، قديمی)

(۳) ماكان رسول الله صلى الله عليه وسلم فی رمضان فقالت: رسول الله صلى الله عليه وسلم يزيد فی رمضان ولا فی غيره علىٰ إحدىٰ عشرة ركعة يصلی أربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهنثم يصلی أربعاًفلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلی ثلاثاً. (صحيح البخاری، باب من نام أول الليل وأحی وآخره: ۱۵٤/۱، الصحيح لمسلم، باب صلاة الليل وعددركعات النبی صلى الله عليه وسلم: ۲۵٤/۱، انيس)

☆ تہجد کی رکعات:

سوال: تہجد میں کتنی رکعات پڑھنی چاہئیں؟

الجواب

تہجد کی رکعتوں میں کوئی تحدید نہیں ہے، حضرت امام زین العابدینؒ روزانہ چھ سو رکعتیں پڑھا کرتے تھے، امام ابوحنیفہؒ نے چالیس برس تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے۔ (عقود الجمان ۲۱۳) تو کیا یہ حضرات فقط بارہ رکعتوں پر ہی اکتفا کرتے رہے؟ (عموماً فقہ کی کتابوں میں رکعات تہجد کی تحدید ۸/ رکعات میں کی گئی ہے۔ (شامی ۲/۲۵ وغیرہ)

مگر بخاری شریف کی ایک روایت سے ۱۲/ رکعات کا ثبوت ملتا ہے روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"ثم صلى ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم أوتر، إلخ". (صحيح البخاری: ۱۳۵/۱) (صحيح البخاری، باب ماجاء فی الوتر، أبواب الوتر، انيس)

وفی حاشيته: فيه دليل علىٰ أن صلاة الليل إثناعشر ركعة.

(مکتوبات: ۱۰۵/۳) (فتاویٰ شیخ الاسلام: ص ۴۳)

==

نمازِ تہجد کی رکعتیں:

سوال: نمازِ تہجد کی رکعتوں کی ابتدائی اور انتہائی حد کہاں تک ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ

کم از کم چار رکعت اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت تہجد میں مسنون ہے، (۱) اور شامی میں لکھا ہے کہ اگر صرف دو رکعت بھی پڑھ لے تو ثواب تہجد کا حاصل ہوجائے گا۔ (۲) فقط

کتبہ اصغر حسین عفی عنہ، الجواب صحیح: مہر (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۰۸/۴) ☆

== تہجد کی رکعات:

سوال: رکعات تہجد کی مختلف روایتیں ہیں، صحیح روایت سے مطلع فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

عامۃً حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ آٹھ رکعات تہجد کی تھی؛ مگر یہ تحدید فرض نماز کی طرح نہیں کہ کمی بیشی جائز نہ ہو۔

(عن عائشة رضى الله عنها قالت: النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يصلى من الليل ثلٰث عشر ركعة منها: الوتر و ركعتا الفجر".

وعن مسروق قال: سألت عائشة رضى الله تعالىٰ عنها عن صلاة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالليل فقالت: "سبع و تسع و إحدىٰ عشرة سوىٰ ركعتى الفجر". (صحيح البخارى، كتاب التهجد، باب كيف صلاة الليل و كيف كان النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالليل: ۱۵۳/۱، قديمى)

و صلاة الليل و أقلها -علىٰ ما فى الجوهرة- ثمان. (الدر المختار) (قوله: و اقلها علىٰ ما فى الجوهرة، ثمان) قيد بقوله علىٰ ما فى الجوهرة؛ لأنه فى الحاوى القدسى قال: يصلى ما سهل عليه و لو ركعتين، و السنة فيها ثمان ركعات بأربع تسليمات". (ردالمحتار، باب الوتر و النوافل: ۲۵/۲، دار الفكر) فقط و الله سبحانه تعالىٰ أعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۸/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۸/۲۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۳۳/۷)

(۱) عَنْ كُرَيْبٍ، مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ بَاتَ لَيْلَةً عِنْدَ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ خَالَتُهُ فَاضْطَجَعْتُ فِي عَرْضِ الوِسَادَةِ وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلُهُ فِي طُولِهَا، فَنَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ اللَّيْلُ، أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيلٍ، اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَلَسَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ بِيَدِهِ، ثُمَّ قَرَأَ العَشْرَ الآيَاتِ الخَوَاتِمَ مِنْ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ، ثُمَّ قَامَ إِلَى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ، فَتَوَضَّأَ مِنْهَا فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ، ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ، فَوَضَعَ يَدَهُ اليُمْنَى عَلَى رَأْسِي، وَأَخَذَ بِأُذُنِي اليُمْنَى يَفْتِلُهَا، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَوْتَرَ، ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى أَتَاهُ المُؤَذِّنُ، فَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ. (صحيح البخارى، باب قراءة القرآن بعد الحدث و غيره، رقم الحديث: ۱۸۳، انيس)

(۲) قال فى الشامى: أقول: فينبغى القول بأن أقل التهجد ركعتان، و أوسطه أربع، و أكثره ثمان و الله اعلم. (ردالمحتار، باب الوتر و النوافل: ۴۶۸/۲) ==

تہجد کی رکعات کتنی ثابت ہیں:

سوال: تہجد کی کس قدر رکعتیں ہیں؟ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی رکعتیں ثابت ہیں؟

الجواب

آخر شب میں (۱) کم سے کم دو رکعت (۲) اور زیادہ سے زیادہ کوئی مقدار مقرر نہیں ہے، البتہ جناب رسول اللہ صلی

== أیضاً فی رسائل الأرکان لبحر العلوم مولانا عبد العلی علیٰ صفحة: ۱۳۵، تحت حدیث لمسلم: أن عبداللّٰہ قال: زعم البعض أن ھٰذا نوع آخر لصلاته علیه السلام إن صلاۃ اللیل إثنا عشر رکعةً والوتر، إلخ)

☆ تہجد کی کتنی رکعتیں ہیں:

سوال: نماز تہجد کی بارہ رکعت ہیں، یا کم؟

الجواب

تہجد کی ادنیٰ دو رکعت، (عن أبی سعید وأبی ہریرۃ قالا قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم إذا أیقظ الرجل أھله من اللیل فصلیا رکعتین جمیعا کتبا فی الذاکرین والذاکرات. (مشکوٰۃ المصابیح، باب تحریض قیام اللیل، الفصل الثالث، انیس) اور اعلیٰ کی کوئی حد نہیں، ہزار رکعت ہوں، یا زیادہ، مگر فعل شارع علیہ السلام سے دس رکعت سے زیادہ ثابت نہیں ہوتی، اکثر اوقات میں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص:۳۴) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۸۳)

تہجد کی کتنی رکعتیں ہیں:

سوال: تہجد کی نماز کے متعلق مختلف روایتیں ہیں، کتنی رکعتیں پڑھنی چاہیے اور دو دو رکعت کی نیت باندھنی چاہیے، یا چار چار کی؟

الجواب

آٹھ رکعتیں مختار ہیں، (عن عائشة قالت أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم کان یصلی باللیل صلاۃ العشاء ثم یأوی إلیٰ فراشه فینام فإذا کان جوف اللیل قام إلیٰ حاجته وإلیٰ طھورہ فتوضأ ثم دخل المسجد فیصلی ثمان رکعات یخیل إلی أنه یسوی بینھن فی القراءۃ والرکوع والسجود. (سنن النسائی، کتاب قیام اللیل، باب کیف یفعل إذا افتتح الصلاۃ قائماً: ۱۸۷/۱، انیس) اور دو دو رکعت پڑھنا افضل ہے۔ (عن طاؤس قال: قال ابن عمر: سأل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم عن صلاۃ اللیل فقال: مثنیٰ مثنیٰ. (الصحیح لمسلم، باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات: ۲۵۷/۱/ سنن النسائی، کتاب قیام اللیل، باب کیف صلاۃ اللیل: ۱۸۹/۱، انیس)

عبدالکریم عفاعنہ، الجواب صحیح، ظفر احمد عفاعنہ، ۱۸/رمضان ۱۳۴۸ھ (امداد الاحکام: ۲۳۰/۲)

(۱) عن الأسود قال: سألت عائشة کیف کان صلاۃ النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم باللیل؟ قالت: کان ینام أوله ویقوم آخرہ. (صحیح البخاری، کتاب التہجد، باب من نام أول اللیل وأحی آخرہ: ۱۵۴/۱، انیس)

(۲) عن أبی سعید وأبی ہریرۃ قالا: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: إذا أیقظ الرجل أھله من اللیل فصلیا أوصلیٰ رکعتین جمیعاً کتبا فی الذاکرین والذاکرات. (سنن أبی داؤد، باب قیام اللیل، رقم الحدیث: ۱۳۰۹، انیس)

اللہ علیہ وسلم سے بارہ رکعت سے زیادہ منقول نہیں ہے۔ (بخاری شریف، باب الوتر: ۱/۱۳۵) (سلاسل طیبہ عکسی، ص ۳۶)
(فتاویٰ شیخ الاسلام: ص ۴۶)

تہجد کی آٹھ رکعتیں ہیں، یا بارہ:

سوال: ایک شخص نے ایک مولوی سے دریافت کیا کہ جناب تہجد کی نماز کی کتنی رکعات ہیں اور ترتیب اس کی کیا ہے؟ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ تہجد کی نماز آٹھ رکعت ہیں۔ اس پر سائل نے کہا کہ بعض کتب میں بارہ رکعات لکھی ہیں اور علما بھی بارہ رکعت کے قائل ہیں۔ اس پر مولوی صاحب نے یہ کہا کہ یہ لوگ جاہل ہیں اور وہ سب کتابیں غلط ہیں اور تم اسلام سے خارج ہو۔ آیا تہجد کی نماز بارہ رکعت حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ بارہ رکعت کے مجوزین کو جہلا کہنا درست ہے یا نہیں اور سائل کو خارج از اسلام کہنا جائز ہے یا نہیں؟ بر تقدیر عدم جواز کلمہ خارج از اسلام (کافر) کا مصداق کون بنے گا اور یہ کلمہ کس پر عائد ہوگا اور اس مولوی کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں اور وتر کی نماز ایک رکعت ثابت ہے یا نہیں اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا "إن النبي صلى الله عليه وسلم لم يكن يوتر ما نقص من سبع ولا بأكثر من ثلٰث عشرة" (رواه أبو داؤد) (۲) سے جو بعض وتر کو ایک سلام اور تہجد کو بارہ رکعت ثابت کرتے ہیں۔ یہ صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب

تہجد کے بارے میں روایات مختلف ہیں، کم سے کم دو، (۳) اور چار اور زیادہ سے زیادہ بارہ تک وارد ہوئی ہیں۔ (۴)

---

(۱) ان ابن عباس أخبره أنه بات ميمونة وهي خالته...ثم صلى ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتينثم ركعتينثم ركعتينثم ركعتين ثم أوتر. (صحيح البخارى، أبواب الوتر، باب ماجاء في الوتر، انيس

(۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَيْسٍ، قَالَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: بِكَمْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوتِرُ؟ قَالَتْ: كَانَ يُوتِرُ بِأَرْبَعٍ وَثَلَاثٍ، وَسِتٍّ وَثَلَاثٍ، وَثَمَانٍ وَثَلَاثٍ، وَعَشْرٍ وَثَلَاثٍ، وَلَمْ يَكُنْ يُوتِرُ بِأَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ، وَلَا بِأَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ. (سنن أبي داؤد، باب قيام الليل، رقم الحديث: ۱۳۶۲، انيس)

(۳) عن أبي سعيد وأبي هريرة قالا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أيقظ الرجل أهله من الليل فصليا أو صلى ركعتين جميعاً كتبا في الذاكرين والذاكرات. (سنن أبي داؤد، باب قيام الليل، رقم الحديث: ۱۳۰۹، انيس)

(۴) عَنْ كُرَيْبٍ، مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ بَاتَ لَيْلَةً عِنْدَ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ...فَنَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ اللَّيْلُ أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيلٍ، اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَلَسَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ بِيَدِهِ، ثُمَّ قَرَأَ العَشْرَ الآيَاتِ الخَوَاتِمَ مِنْ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ، ثُمَّ قَامَ إِلَى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ، فَتَوَضَّأَ مِنْهَا فَأَحْسَنَ وُضُوئَهُ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ، ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ، فَوَضَعَ يَدَهُ اليُمْنَى عَلَى رَأْسِي، وَأَخَذَ بِأُذُنِي اليُمْنَى يَفْتِلُهَا، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَوْتَرَ، ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى أَتَاهُ المُؤَذِّنُ، فَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ. (صحيح البخارى، باب قراءة القرآن بعد الحدث وغيره، رقم الحديث: ۱۸۳، انيس)

لیکن اکثری طور سے نماز تہجد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آٹھ رکعت تھی، اسی بنا پر فقہاء حنفیہ نے فرمایا ہے کہ تہجد میں سنت آٹھ رکعات ہیں۔ درمختار میں ہے:

وأقلها علٰى ما فى الجوهرة ثمان إلخ قال فى رد المحتار: فى الحاوى القدسى قال يصلى ما سهل عليه ولو ركعتين والسنة فيها ثمان ركعات بأربع تسليمات وهٰذا بناءً علٰى أن أقل تهجده صلى اللّٰه عليه وسلم كان ركعتين وأن منتهاه كان ثمان ركعات اٰخذًا مما فى مبسوط السرخسى، إلخ. (۱)

اور حضرت قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ مالابد میں فرماتے ہیں:

''ونماز تہجد از چار رکعت کمتر نیامدہ واز دوازدہ رکعت زیادہ ہم بہ ثبوت نہ پیوستہ، الخ''۔ (۲)

پس تتبع حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بارہ رکعت تک تہجد میں ثابت ہیں اور اکثر آٹھ رکعت ہیں، پس انکار کرنا بارہ رکعت کا خود جہل اس قائل کا ہے اور پھر اس پر تکفیر سائل وغیرہ کی کرنا دوسری جہالت ہے اور معصیت سخت ہے کہ خوف کفر ہے۔ حدیث شیخین میں ہے:

''أيما رجل قال لأخيه كافر فقد باء بها أحدهما''. (رواه الشيخان عن ابن عمر مرفوعاً) (۳)

اور ہر چند کہ تکفیر قائل میں احتیاط کی جاوے گی بوجہ احتمال تاویل کے؛ لیکن فسق میں اس کے کچھ کلام نہیں ہے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے؛ **إلا أن يتوب** اور وتر میں تین رکعت سے کم نہیں ہے، یہی صحیح اور راجح ہے اور یہی مذہب حنفیہ کا ہے اور جن روایات میں ایک رکعت وتر کی وارد ہے، اس کی تاویل کی گئی ہے، **كما هو المعروف عند العلماء**، روایت ترمذی (۴)، ابوداؤد، نسائی میں ہے:

سألنا عائشة بأى شئ كان يوتر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قالت: كان يقرأ فى الأولٰى بـ''سبح اسم ربك الاعلٰى'' وفى الثانية بـ''قل يأيها الكافرون'' وفى الثالثة بـ''قل هو اللّٰه أحد والمعوذتين''. (۵)

اور بعض روایات میں معوذتین مذکور نہیں ہے اور عدم جواز ایتار بواحدۃ کے دلائل شرح منیہ وغیرہ میں مبسوط ہیں، **نهى عن البتيراء** متعدد طرق سے ثابت ہے، زیادہ بسط کی اس موقعہ پر گنجائش نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۰۹/۴-۳۱۱)

---

(۱)　رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب فى صلوٰة الليل: ۶۴۰/۱-۶۴۱، ظفير

(۲)　مالابد منہ، مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ، فصل نوافل، ص: ۶۸، ظفیر

(۳)　مشكٰوة، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، فصل اول، ص: ۴۱۱، ظفير

(۴)　عن ابن عباس قال كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقرأ فى الوتر بسبح اسم ربك الأعلٰى وقل يا أيها الكافرون وقل هو اللّٰه أحد. (جامع الترمذى، كتاب الوتر، باب ماجاء يقرأ فى الوتر: ۱۰۶/۱، انيس)

(۵)　مشكٰوة، باب الوتر: ۱۲، ظفير (سنن أبى داؤد، كتاب قيام الليل، باب كيف الوتر بثلٰث: ۱۹۱/۱، انيس)

تہجد کی کتنی رکعتیں افضل ہیں:

سوال: احادیث میں نماز تہجد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زائد سے زائد دس رکعت ثابت ہے اور مع وتر گاہے تیرہ رکعت، گاہے گیارہ رکعت، گاہے نو رکعت، گاہے سات رکعت (مشکوٰۃ شریف) جو شخص تہجد پڑھے وہ بغرض اتباع اسی طرح پڑھے یا مقرر کر لے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

اکثر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت تہجد پڑھی ہیں اور تین وتر؛(۱) اس لیے فقہاء حنفیہ نے آٹھ رکعت پر مواظبت کو مستحب فرمایا ہے اور اگر گنجائش نہ ہو تو دو،(۲) یا چار رکعت بھی کافی ہیں، والتفصیل فی الشامی۔(۳)

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۳۰۴)

تہجد میں بارہ رکعت کی دلیل:

سوال: شامی مصری، جلد یکم، ص:۵۰۶ میں ہے:

(قوله: وأقلها علٰى ما فى الجوهرة ثمان إلٰى قوله والله أعلم(۴)

اس مجموعی عبارت سے نماز تہجد کا بارہ رکعت ہونا کہیں ثابت نہیں ہوتا؛ بلکہ صرف آٹھ رکعتیں تو بہشتی زیور مدلل ومکمل، حصہ دوم:۴۳ کی عبارت اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں، اس کا کیا مطلب اور کہاں سے لکھا گیا، کچھ پتہ نہیں لگتا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

فی مالا بد منه للقاضی ثناء الله الپانی پتی المسلم فی التحدیث الملقب عند الشاه عبد العزیز الدهلوی بیهقی الوقت مانصه:

واز دوازده رکعت زیاده هم به ثبوت نه پیوسته الی قوله پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم گاہے تہجد مع وتر ہفت رکعت خوانده وگاہے یازده وگاہے سیزده وگاہے پانزده، الخ۔

---

(۱) عن ابن عباس قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ فى الوتر بسبح اسم ربك الأعلٰى وقل يا أيها الكافرون وقل هو الله أحد. (جامع الترمذى، كتاب الوتر، باب ماجاء يقرأ فى الوتر: ۱/۱۰۶، انيس

(۲) عن أبى سعيد وأبى هريرة قالا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أيقظ الرجل أهله من الليل فصليا أوصلٰى ركعتين جميعاً كتبا فى الذاكرين والذاكرات. (سنن أبى داؤد، باب قيام الليل، رقم الحديث: ۱۳۰۹، انيس)

(۳-۴) "وصلاة الليل وأقلها علٰى ما فى الجوهرة ثمان". (الدر المختار)

"قيد بقوله علٰى مافى الجوهرة؛ لأنه فى الحاوى القدسى: قال يصلى ما سهل عليه و لو ركعتين والسنة فيها ثمان ركعات بأربع تسليمات". (رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب فى صلاة الليل: ۱/٦٤١)

ویتأید بما فی صحیح البخاری عن ابن عباس الحدیث بطوله وفیه: ثم صلی رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم أوتر، إلخ.(۱)

وفی هامشه فیه دلیل علیٰ أن صلاة اللیل إثناعشر رکعة، آه.

اورثمان کوجنھوں نے اکثر کہا ہے، وہ باعتبار اکثر عادت نبویہ کے ہے، ورنہ اس قول کا صحاح کے خلاف ہونا لازم آوے گا اوراگر مقصودسوال سے اس کی تحقیق ہے کہ شامی کا حوالہ کیوں دیا گیا، (۲) اس کا جواب اصل میں بذمہ حوالہ دہندہ ہے، جن کا نام شروع کتاب میں ہے؛ مگر تبرعا جواب میں دیتا ہوں کہ حوالہ باعتبار اہم اجزا کے ہے۔

۱۹/ذی قعدہ ۱۳۴۴ھ (تتمہ خامسہ: ۴۳۷) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۴۶۷-۴۶۸)

تہجد کے موقع پر پہلے دوہلکی رکعتیں تہجد کی ہوتی تھیں، یا تحیۃ الوضو کی:

سوال: اول دوگانہ تہجد حضور جو خفیفتین لکھا ہے، یہ تحیۃ الوضو ہے یا کیا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

یہ بھی احتمال ہے۔ (۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۳۰۶، ۳۰۷)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت کی نیت سے تہجد کبھی کم کبھی زیادہ پڑھی جائیں، یا نہیں:

سوال: جو شخص تہجد مطابق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنا چاہے تو گاہ دس رکعت، گاہ آٹھ رکعت، گاہ چھ، گاہ چار پڑھے، یا روزمرہ آٹھ رکعت پڑھے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اکثر عادت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آٹھ رکعت پڑھنے کی تھی، باقی حسب موقع کم وبیش بھی پڑھتے تھے۔ (۴) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۳۰۶، ۳۰۷)

---

(۱) صحیح البخاری، أبواب الوتر: ۱/۱۳۵، انیس

(۲) یعنی بہشتی زیور کے حاشیہ میں۔ (سعید)

(۳) عن زید بن خالد الجهنی أنه قال: ”لأرمقن صلاة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فصلی رکعتین خفیفتین ثم رکعتین طویلتین، إلخ“. (مشکوة، باب صلاة اللیل، ص: ۱۰۶، ظفیر) (الصحیح لمسلم، باب الدعاء فی صلاة اللیل وقیامه، رقم الحدیث: ۷۶۵، انیس)

(۴) عن مسروق قال سألت عائشة عن صلاة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم باللیل فقالت: سبع وتسع وإحدیٰ عشرة. (صحیح البخاری، باب کیف صلاة اللیل وکیف کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یصلی باللیل: ۱/۱۵۳، انیس)

نوافل نماز کی جماعت

نمازِ تہجد جماعت سے پڑھی جائے تو کیا حکم ہے:

سوال: اگر نماز تہجد بعد نماز فرض عشا مابین سنت و وتر ادا کرے بارہ رکعت، یا آٹھ، یا دس، یا چھ، یا چار اور اکثر آدمی شوقین نماز تہجد ہوں تو اگر اس نماز کو جماعت سے ادا کرے، یا اخیر شب میں جماعت سے پڑھ لے تو کچھ حرج، یا گناہ تو نہیں؟ سنا گیا ہے معتبر ذرائع سے کہ جناب مولانا گنگوہیؒ نے کہیں لکھا ہے کہ اس نماز کو جماعت سے پڑھ لے، تو کچھ مضائقہ نہیں ہے، مستحبات سے ہے۔

الجواب

معین احادیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد نماز عشا قبل النوم اگر نوافل تہجد پڑھ لی جائیں تو ثواب تہجد کا حاصل ہوتا ہے۔(۱)

وهٰذا يفيد أن هٰذه السنة تحصل بالتنفل بعد صلاة العشاء قبل النوم.(۲)

اور جماعت سے ادا کرنا تہجد کا مکروہ ہے، اگر بتداعی ہو۔

درمختار میں ہے:

أی يكره ذلك لو علٰى سبيل التداعی بأن يقتدی أربعة بواحد، إلخ.(۳)

اور حضرت مولانا گنگوہیؒ جماعت تہجد کے جواز کو صحیح نہیں کہتے، حضرت مولاناؒ اس سے منع فرماتے تھے۔(۴)

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۳۱۱-۳۱۲)

---

(۱) عن ثوبان عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم قال: إن هٰذا السفر جهد وثقل فإذا أوتر أحدكم فليركع ركعتين فإن قام من الليل وإلا كانتاله.(سنن الدارمی، باب فی الركعتين بعد الوتر، رقم الحديث: ١٦٣٥/مسند البزار، مسند ثوبان رضی اللّٰه عنه، رقم الحديث: ٤١٩٣/مسند الرويانی، رقم الحديث: ٦٤٤، انيس)

(۲) رد المحتار، مطلب فی صلاة الليل: ١/٦٤٠، ظفير

(۳) الدرالمختار علٰى هامش رد المحتار، مطلب فی كراهية الاقتداء فی النفل: ١/٦٦٣، ظفير

(۴) شیخ الاسلام حضرت مدنی علیہ الرحمہ اسے جائز کہتے تھے، مگر صرف رمضان میں، سال کے دوسرے حصوں میں نہیں اور آپ کا رمضان میں اسی پر عمل تھا۔ ظفیر

تہجد کی جماعت:

سوال: ہمارے علاقہ کی بعض مساجد میں تہجد کی جماعت ہوتی ہے اور اس میں بھی ایک قرآن مجید ہوتا ہے تو تہجد کی نماز با جماعت پڑھنا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

بعض اکابر تہجد میں بھی بغیر اذان واقامت قرآن پاک سناتے اور سنتے رہتے ہیں؛ مگر اس پر اہتمام نہیں چاہیے، (۱) تہجد تنہا تنہا ہی افضل ہے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۹/۲۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۳/۷)

تہجد کی جماعت اور تداعی کا مطلب:

سوال: اگر کوئی شخص رمضان میں تہجد کی نماز میں پورا قرآن شریف ترتیب سے پڑھے تو تہجد کی نماز با جماعت ہوسکتی ہے، یا نہیں؟ آپ نے اس کا جواب لکھا تھا کہ ''تہجد کی نماز رمضان میں با جماعت پڑھی جاسکتی ہے؛ لیکن تداعی نہیں ہونا چاہیے''۔

(۱) تداعی کا مطلب واضح طور پر بیان فرمائیں؟

(۲) اگر نماز میں اس جگہ تہجد کی نماز با جماعت ہو رہی ہو اور اس میں قرآن شریف ترتیب سے پڑھا جا رہا ہو، جماعت میں دس یا پندرہ سے زیادہ آدمی روزانہ بغیر کسی دعوت واعلان کے شریکِ جماعت ہو جاتے ہوں تو کیسا ہے؟

(۳) جب تہجد کی نماز میں قرآن شریف ختم ہو تو اس ختم شریف میں کچھ علمائے کرام کو دعا کرانے کے لیے بلایا جاسکتا ہے، یا نہیں؟ اور اس قسم کا اعلان کیا جاسکتا ہے، یا نہیں کہ آج قرآن شریف ختم ہے، سب لوگ دعا میں شریک ہو جائیں؟ اس طرح اعلان کرنا ختم کے روز کیسا ہے؟

---

(۱) عن زيد بن ثابت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال أفضل الصلوٰة المرء صلاته في بيته إلا المكتوبة. (شرح معاني الآثار، باب القيام في شهر رمضان هل هو في المنازل أفضل أم مع الإمام: ۲۴۲/۱، انیس)

(۲) قال في التاتارخانية: ''وحكى عن شمس الأئمة السرخسي رحمه الله تعالىٰ أن التطوع بالجماعة علىٰ سبيل التداعي مكروه، أما لواقتدىٰ واحد بواحد أو إثنان بواحد لا تكره، وإن اقتدىٰ ثلاثة بواحد ذكر هو رحمه الله أن فيه اختلاف المشايخ قال بعضهم: يكره، وقال بعضهم: لايكره. وإذا اقتدىٰ أربع بواحد كره بلا خلاف''. (كتاب الصلاة، التراويح، نوع آخر في المتفرقات، ۶۷۰/۱، إدارة القرآن، کراچی)

عن ابن عباس قال: صليت مع النبي صلى الله عليه وسلم ذات ليلة فقمت عن يساره فأخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم برأسي من ورائي فجعلني عن يمينه. (سنن الترمذي، باب ماجاء في الرجل يصلي ومعه رجل فصل في الجماعة: ۵۵/۱، انیس)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

(۱) ایک امام ہو، اس کے پیچھے ایک، یا دو مقتدی ہوں تو بلا تکلف درست ہے، تین مقتدی ہوں، تب بھی گنجائش ہے، (۱) اس سے زیادہ مقتدی ہوں تو یہی تداعی ہے۔(۲)

(۳) یہ بلانا اور اعلان کرنا بھی ثابت نہیں، اس سے پرہیز کیا جائے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۲۳۸/۷-۲۳۹)

تہجد کی نماز باجماعت کا حکم:

سوال (۱) تہجد کی نماز سنت ہے، یا نفل؟

(۲) تہجد کی نماز باجماعت شرعاً صحیح ہے، یا غلط؟

(۳) صرف شب برأت یا شب قدر ہی میں تہجد کی نماز باجماعت پڑھنا کیسا ہے؟

(۴) تمام لوگوں کو دعوت دے کر بلا کر باضابطہ اعلان کر کے مسجد میں تہجد کی نماز باجماعت پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟ نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین سے ایسا طریقہ ثابت ہے، یا نہیں؟

---

(۱) عن ابن عباس قال صليت مع النبى صلى الله عليه وسلم ذات ليلة فقمت عن يساره فأخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم برأسى من ورائى فجعلنى عن يمينه.(جامع الترمذى،باب ماجاء فى الرجل يصلى معه رجل، فصل فى الجماعة: ۵۵/۱،انيس)

(۲) أن عائشة أخبرته أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج من جوف الليل فصلى فى المسجد فصلى رجال بصلاته فأصبح الناس يتحدثون بذلك ما اجتمع أكثرمنهم فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الليلة الثانية فصلوا بصلاته فلما كانت الليلة الرابعة عجز المسجد عن أهله فلم يخرج إليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم.(الصحيح لمسم،باب الترغيب فى قيام رمضان: ۲۵۹/۱،رقم الحديث: ۷۶۱، انيس)

قال فى التاتارخانية:"وحكى عن شمس الأئمة السرخسى رحمه الله تعالىٰ أن التطوع بالجماعة علىٰ سبيل التداعى مكروه،أما لواقتدىٰ واحد بواحد أوإثنان بواحد لا تكره.وإن اقتدىٰ ثلاثة بواحد ذكرهو رحمه الله أن فيه اختلاف المشايخ قال بعضهم:يكره،وقال بعضهم:لا يكره.وإذا اقتدىٰ اربع بواحد كره بلا خلاف".(كتاب الصلاة، التراويح،نوع آخر فى المتفرقات: ۶۷۰/۱،ادارة القرآن، كراچى)

(۳) "فهو رد...من أحدث فى الإسلام رأياً لم يكن له الكتاب والسنة سند ظاهرأوخفى،ملفوظ أو مستنبط، فهومردود عليه".(مرقاة المفاتيح،كتاب الإيمان،باب الاعتصام بالكتاب والسنة،: ۳۶۶/۱،رشيدية)

"إن الإصرار علىٰ المندوب يبلغه إلىٰ حد الكراهة،فكيف اصرار البدعة التى لا أصل لها فى الشرع،وعلىٰ هٰذا فلا شك فى الكراهة".(السعاية فى شرح الوقاية،باب صفة الصلاة،قبيل فصل فى القراءة: ۲۶۵/۲، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۵) جس مسجد میں پہلے سے شب برأت، شب قدر میں تہجد کی نماز جماعت سے ہوتی آ رہی ہو، اب اگر امام اور پنجگانہ نمازی کے اکثر افراد جماعت سے پڑھنا صحیح نہ سمجھتے ہوں تو وہاں اس طریقہ کو بند کیا جا سکتا ہے، یا نہیں؟

(۶) اگر کچھ عوام، یا کچھ مقتدی، یا کچھ ذمہ داران مسجد امام کو اس بات پر مجبور کر دیں کہ تہجد کی نماز با جماعت پڑھانا ہوگا تو ایسی شکل میں امام کو کیا کرنا چاہیے؟

(۷) تہجد کی نماز با جماعت پڑھنے اور نہ پڑھنے دونوں شکلوں میں اندیشۂ اختلاف وفتنہ ہو تو کیا کیا جائے؟

(۸) تہجد کی نماز با جماعت نہ پڑھنے والے کو بُرا بھلا کہنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

تہجد کی پابندی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، تہجد کی نماز عام مسلمانوں کے لیے مسنون ہے، نفل کا لفظی معنیٰ ''زائد'' ہے، کبھی فرض سے زیادہ کو نفل کہتے ہیں، اسی طرح تمام ہی سنن کو نفل کہا جاتا ہے، کبھی نفل کا لفظ سنن غیر مؤکدہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جسے سنن زوائد، یا مندوبات بھی کہتے ہیں۔ تہجد کی نماز ہو، یا کوئی اور نماز جو فرض نہیں ہے، اس کے لیے جماعت کا اہتمام اور تداعی (بلا کر اور اعلان کر کے سنن ونوافل کو با جماعت ادا کرنا) مکروہ ہے، چاہے وہ شب برأت ہو، یا کوئی اور رات؛ اس لیے بلا شبہ پورے سال میں کوئی بھی رات ہو، تہجد کی نماز ہو، یا کوئی اور نفلی نماز، اس کے لیے تداعی اور جماعت کا اہتمام درست نہیں ہوگا، ویسے کوئی اپنی نماز تہجد پڑھ رہا ہو اور اس کے پیچھے ایک، دو آدمی شریک ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔(۱)

اب رہا مسئلہ رمضان کا تو اس بارے میں فقہا کی تصریح یہ ملتی ہے کہ رمضان میں وتر اور نوافل وتطوعات با جماعت اہتمام کے ساتھ پڑھی جا سکتی ہے۔ اب بعض علما کی رائے عام اصول کے پیش نظر یہ ہے کہ یہاں نوافل وتطوع سے مراد صرف تراویح ہے، دیگر علما کی رائے یہ ہے کہ اس میں تہجد بھی شامل ہے؛ اس لیے بعض اکابر علما کا معمول رمضان میں تہجد کی نماز با جماعت ادا کرنے کا رہا ہے، علما کا اختلاف رحمت ہے؛ اس لیے ہمارے لیے دونوں راہیں کھلی ہیں، چاہے رمضان میں تہجد کی نماز با جماعت ادا کریں، یا تنہا تنہا۔

خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) غیر رمضان میں تہجد کے لیے جماعت کا اہتمام چاہے وہ شب برأت ہی کیوں نہ ہو، درست نہیں ہے۔(۲)

---

(۱) ولا یصلی الوتر و(التطوع بجماعة خارج رمضان) أی یکرہ ذلک لو علیٰ سبیل التداعی، بأن یقتدی أربعة بواحد. (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار: ۵۰۰/۲)

(۲) عن زید بن ثابت أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: أفضل صلاة المرء صلاته فی بیته إلا المکتوبة. (شرح معانی الآثار، باب القیام فی شھر رمضان: ۲۴۲/۱، انیس)

(۲) رمضان المبارک میں تہجد کی نماز میں جماعت کا اہتمام کیا جاسکتا ہے؛(۱) لیکن اگر کچھ لوگ پسند نہ کریں اور وہ گھر پر، یا مسجد میں اپنی نماز تنہا ادا کریں تو انہیں بُرا کہنا، یا مطعون قرار دینا بہت بُری بات ہوگی۔(۲)

(۳) جس مسجد میں شب برأت میں جماعت تہجد ہوتی ہے تو اسے بلاشبہ روک دینا چاہیے، رمضان میں گنجائش ہے؛(۳) اس لیے اسے روکنا مناسب نہیں، البتہ جو شریک نہیں ہونا چاہے اور شریک نہ ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں۔

(۴) میرے نزدیک رمضان ہو یا غیر رمضان امام کو تہجد کی امامت کے لیے مجبور نہیں کیا جاسکتا، البتہ رمضان کی حد تک میری رائے میں امام تہجد کی امامت کریں تو کوئی حرج نہیں۔

(۵) لوگوں کو صحیح احکام ومسائل بتانا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ محض اپنی ضد اور خواہش نفس اور رواج کو سند نہ سمجھیں؛ اس لیے کہ فتنہ پیدا کرنا غلط بات ہے۔

(۶) جو لوگ رمضان میں تہجد کی نماز با جماعت ادا نہیں کرتے، انہیں بُرا نہیں کہا جاسکتا، اکثر علما احناف کی رائے یہی ہے؛ اس لیے ان کا عمل اپنی جگہ صحیح ہے اور جو لوگ جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں، انہیں بھی بُرا نہ کہا جائے کہ ان کا بھی عمل علما کی رائے پر ہے۔

(۷) واضح رہے کہ تہجد جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا مطلب جشن کرنا، رات جگا کرنا، دیگ چڑھانا، قرآن پڑھا جارہا ہے، لوگ چائے نوشی میں مشغول ہیں، رکوع کے وقت دوڑے جارہے ہیں، ایسے کام نہایت بُرے ہیں، ان کو سختی سے منع کرنا چاہیے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

مجاہد الاسلام القاسمی (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۴۳/۲-۴۴۶) ☆

---

(۱) عن مغيرة إبراهيم قال: كان المتهجدون يصلون في ناحية المسجد والإمام يصلي بالناس في رمضان. (شرح معاني الآثار، باب القيام في شهر رمضان هل هو في المنازل: ۲۴۳/۱، انيس)

(۲) عن زيد بن ثابت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أفضل صلاة المرء صلاته في بيته إلا المكتوبة. (شرح معاني الآثار، باب القيام في شهر رمضان: ۲۴۲/۱، انيس)

(۳) عن مغيرة إبراهيم قال: كان المتهجدون يصلون في ناحية المسجد والإمام يصلي بالناس في رمضان. (شرح معاني الآثار، باب القيام في شهر رمضان هل هو في المنازل: ۲۴۳/۱، انيس)

☆ تہجد کی نماز با جماعت کا حکم:

سوال: رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تہجد باجماعت ادا کرتے ہیں اور اکثر لوگوں کی فجر کی جماعت فوت ہوجاتی ہے، کیا اس طرح سے اہتمام کرکے تہجد کی نماز جماعت سے پڑھی جاسکتی ہے؟ رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں تہجد کی نماز باجماعت پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــ وباللہ التوفیق

تہجد کی جماعت مشروع ہے یا نہیں؟ اس کو بیان کرنے سے پہلے چند باتیں بطور تمہید ذکر کی جاتی ہیں: ==

شبِ قدر اور شبِ برأت و معراج میں نوافل:

سوال: شب قدر، شب معراج، شب برأت وغیرہ جیسی راتوں میں مسجدوں میں جمع ہوکر نوافل اور وظائف پڑھنا کیسا ہے؟

==(۱) جماعت، شریعت اسلامی میں شعائر کی حیثیت رکھتی ہے جو فرائض و واجبات کے ساتھ خاص ہے یعنی جماعت سے صرف فرض اور واجب نمازیں پڑھی جائیں گی، مثلاً پنجگانہ اور عیدین کی نمازیں، جیسا کہ علامہ کاسانی بدائع الصنائع میں تحریر فرماتے ہیں:

ولأن الجماعة من شعائر الإسلام وذلک مختص بالفرائض أو الواجبات دون التطوعات. (بدائع الصنائع: ۷۴۸/۲)

(عن زید بن ثابت أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: صلاة المرء فی بیته أفضل من صلاته فی مسجدی هٰذا إلا المکتوبة. (شرح معانی الآثار، باب القیام فی شهر رمضان: ۲۴۲/۱، انیس)

(۲) رمضان المبارک کے علاوہ دوسرے دنوں میں نوافل کی جماعت مطلقاً مکروہ ہے، خواہ وتر و تہجد کی جماعت ہو، یا شب برأت کی، البتہ کبھی کبھار جماعت کر لینے کی گنجائش ہے بلا تداعی:

الظاهر أن الجماعة فیه غیر مستحبة، ثم إن کان ذلک أحیاناً کما فعله عمر کان مباحًا غیر مکروه، وإن کان علٰی سبیل المواظب کان بدعة مکروهة؛ لأنه خلاف المتوارث ...والنفل بالجماعة غیر مستحب؛ لأنه لم تفعله الصحابة فی غیر رمضان، آه. (ردالمحتار: ۵۰۰/۲)

(۳) رمضان المبارک کا مہینہ چونکہ خیر و برکت کا مہینہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے رحمت عامہ اور مغفرت عامہ متوجہ ہوتی ہے، لوگوں میں عبادت کا شوق و ذوق بڑھ جاتا ہے؛ لیکن چوں کہ ہر شخص تنہا اچھی طرح عبادت کرنے پر قادر نہیں ہوتا ہے؛ اس لیے رمضان المبارک میں باجماع المسلمین نفل کی جماعت مشروع ہے، مثلاً تراویح کی نماز، وتر کی نماز باجماعت بالاتفاق مشروع ہے، جیسا کہ مراقی الفلاح میں منقول ہے:

(ویوتر بجماعة) استحبابًا (فی رمضان فقط) علیه اجماع المسلمین؛ لأنه نفل من وجه. (مراقی الفلاح: ۲۱۱)

(۴) یہ بات تو طے ہے کہ تہجد کی نماز نفل ہے، البتہ اس کی جماعت کی جاسکتی ہے، یا نہیں؟ اس بارے میں علما کی دو رائیں ہیں، ایک یہ کہ تراویح اور وتر کے علاوہ رمضان المبارک میں بھی دیگر نوافل کی جماعت مکروہ ہے، لہٰذا تہجد کی نماز باجماعت ادا کرنا رمضان میں بھی مکروہ ہے۔

دوسری رائے یہ کہ باجماعت نفل نمازوں کی ادائیگی رمضان المبارک میں مشروع ہے، اور تہجد بھی نفل ہے، لہٰذا تراویح اور وتر کی طرح تہجد کی جماعت بھی رمضان میں درست ہے، جیسا کہ ہمارے مشائخ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ کا عمل تھا، چوں کہ رمضان میں لوگوں میں عبادت کا شوق و ذوق بڑھ جاتا ہے اور ہر شخص اچھے ڈھنگ سے تنہا نماز پڑھنے، یا نماز میں قرآن کریم پڑھنے پر قادر نہیں ہوتا، نیز اس بارے میں علما میں اختلاف بھی ہے اور علما کا اختلاف امت کے لیے رحمت ہے، جس کی وجہ سے حکم میں تخفیف ہو جاتی ہے، لہٰذا بلا تداعی اور اہتمام کے تہجد کی نماز رمضان المبارک میں باجماعت ادا کی جاسکتی ہے جیسا کہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں تحریر فرمایا ہے:

”عن مالک أنه لا بأس بأن یؤم النفر فی النافلة، فأما أن یکون مشتهرًا ویجمع له الناس فلا“. (فتح الباری شرح صحیح البخاری: ۶۲/۳)

نیز حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی مفتی دارالعلوم دیوبند کی بھی یہی رائے معلوم ہوتی ہے، چنانچہ فتاوی دارالعلوم جلد چہارم ص ۲۲۳ کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں: ==

الجواب

اِحیاء اِن لیالی کا مستحب ہے، یہ راتیں عنداللہ بہت متبرک ہیں، ان میں جتنی عبادت کی جائے، بہت زیادہ باعث

== ''لیکن حضرت شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ رمضان میں تہجد با جماعت پڑھا کرتے تھے اور دلیل میں فتح الباری وغیرہ کی عبارت جہاں نقل فرماتے تھے، وہاں شامی کی یہ عبارت بھی نقل کرتے تھے:

''والنفل بالجماعة غير مستحب؛لأنه لم تفعله الصحابة في غير رمضان''.

اور فرمایا کرتے تھے تہجد بھی نوافل رمضان ہی میں داخل ہے۔ مفتی علام نے بدعت کے لفظ کی وجہ سے مکروہ تحریمی لکھ دیا ہے، جیسا کہ پہلے مسئلہ میں انہوں نے بحث کی ہے؛ لیکن علامہ شامی نے بدائع وغیرہ کی جو عبارت نقل کی ہے، اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ سنت واستحباب کے خلاف ہے، چنانچہ اخیر میں وہ خود لکھتے ہیں:

''وهو كالصريح في أنها كراهة تنزيهة''

لیکن اگر تہجد کو نوافل رمضان میں شمار کیا جائے اور یقیناً وہ نوافل ہی ہیں اور رمضان میں جماعت کر لی جائے تو کراہت بھی نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم:۲۲۳/۴)

اسی طرح حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحب قاضی شریعت امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کی یہی رائے ہے: بحث ونظر کے شمارہ نمبر(۱) اپریل مئی جون میں نقل فرماتے ہیں:

''رمضان المبارک میں تہجد کی نماز کے لیے جماعت کا اہتمام کیا جاسکتا ہے؛ لیکن اگر کچھ لوگ پسند نہ کریں اور وہ گھر پر، یا مسجد میں اپنی نماز تنہا ادا کریں تو انہیں بُرا کہنا، یا مطعون قرار دینا بہت بُری بات ہوگی''۔ (بحث ونظر شمارہ نمبر(۱) اپریل مئی جون)

(۵) اب مسئلہ تداعی کا ہے کہ تداعی کسے کہتے ہیں: علامہ علاء الدین الحصکفی درمختار میں اور علامہ ابن نجیم البحرالرائق میں نقل فرماتے ہیں کہ امام کے علاوہ اگر مقتدی چار ہوں تو صحیح قول کے مطابق یہ صورت تداعی کی ہوگی۔ صاحب ''البحر الرائق'' نقل کرتے ہیں:

إن كان سوى الإمام ثلاثة لايكره بالاتفاق وفي الأربع اختلف المشائخ والأصح أنه يكره. (البحر الرائق: ٣٦٦/١ ،طبع دارالمعرفة بيروت)

لیکن تداعی کے لغوی معنی پر غور کرنے سے تداعی کی حقیقت یہ سامنے آتی ہے کہ اس کے لئے باقاعدہ اعلان ہو اور لوگوں کو اس کے لیے بلایا جائے، جیسا کہ شامی نے ''مغرب'' سے نقل کیا ہے: وهو أن يدعو بعضهم بعضًا، كما في المغرب. (ردالمحتار: ٥٠٠/٢)

البتہ اگر چند آدمی بغیر بلائے جماعت کر لیں، یا یکے بعد دیگرے کچھ لوگ جماعت میں شریک ہو جائیں تو یہ صورت تداعی میں داخل نہیں ہوگی، مذکورہ بالا تحریر کی روشنی میں رمضان المبارک میں تہجد کی نماز با جماعت ادا کرنے کا جواز بلا کراہت معلوم ہوتا ہے، لہٰذا غیر رمضان میں خواہ شب برأت ہو یا کوئی دوسری رات تہجد کی جماعت تداعی کے ساتھ مکروہ وممنوع ہے، اس سے احتراز کیا جائے، البتہ رمضان المبارک میں تہجد کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی گنجائش ہے، جو لوگ جماعت سے ادا کریں ان کو روکا نہ جائے اور ان کو بُرا بھلا نہ کہا جائے؛ لیکن اس کے لیے باقاعدہ اعلان کر کے لوگوں کو روکنا، نہ آنے والوں کو لعن طعن کرنا، جشن منانا درست نہیں ہے، اس سے احتراز کیا جائے۔

اس کی وجہ سے فجر کی جماعت چھوڑنا جائز نہیں ہے اور اگر تہجد کی جماعت کرنے کی وجہ سے یا تہجد کی جماعت میں شرکت کی وجہ سے نماز فجر قضا ہو جاتی ہے تو تہجد کی جماعت کرنا یا اس میں شریک ہونا صحیح نہیں ہے، فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۲۰/۵/۱۴۱۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۴۶/۲-۴۴۹)

اجر ہے؛ لیکن نوافل باجماعت نہ پڑھنی چاہئیں؛ کیوں کہ یہ بدعت ومکروہ ہے؛(۱) بلکہ اپنے اپنے طور سے تلاوت قرآن مجید ونوافل وغیرہ پڑھنی چاہئیں، کسی خاص اجتماع کی ضرورت نہیں۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۲۴/۴)

شب برأت، لیلۃ القدر اور عاشورۂ محرم کی راتوں میں باجماعت نماز تہجد:

سوال: سنگی شاہی مسجد میں تہجد کی نماز شب برأت، لیلۃ القدر اور عاشورۂ محرم کی راتوں میں باجماعت ادا ہوتی ہے اور سارے لوگ بہت ذوق وشوق سے ادا کرتے ہیں اور جاہل طبقہ کے لوگوں کو بہت خوشی ہوتی ہے، وہ لوگ یہ سمجھ کر بہت شوق سے پڑھتے ہیں کہ ہم لوگوں کو تو طریقہ معلوم نہیں ہے اور پڑھنے والوں کے شامل ہم لوگ بھی پڑھ لیں گے تو شاید اللہ تعالیٰ ہماری بھی ان کے ساتھ بخشش کردے۔ (آمین) اسی طریقہ کے سبب بہت سے لوگوں میں پنجوقتی نماز کی ادائیگی کی عادت لگ جاتی تھی، گذشتہ سال کوئی صاحب یکے از مصلی نے زبردست اعتراض کر کے موقوف کرادیا اور جماعت نہ ہوئی، کچھ لوگ تو مایوس ہوکر مسجد ہی میں سو رہے اور صبح اٹھ کر گھر گئے اور کچھ لوگوں نے دوسری مسجدوں کی راہ لی، جہاں تہجد کی نماز جماعت کے ساتھ ہوتی تھی۔

تو اب سوال یہ ہے کہ تہجد کی نماز ان راتوں میں سنگی شاہی مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھی جائے، یا نہیں؟ بے پڑھے لکھے لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم لوگوں کو موقع دیا جائے کہ جماعت تہجد کے لیے ہو اور ہم لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھالیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

تہجد کی نماز جماعت کے ساتھ ان راتوں میں مکروہ ہے، تنہا تنہا ہی پڑھنا بہتر وافضل ہے، جماعت کے ساتھ نہ پڑھی جائے۔ درمختار میں ہے:

(ولایصلی الوتر) لا (التطوع بجماعة خارج رمضان) أی یکره ذلک لو علٰی سبیل التداعة، بأن یقتدی أربعة بواحد. (۲)

اس میں تراویح اور وتر کی نماز رمضان میں مستثنیٰ ہے۔

اور بدائع میں ہے:

أن الجماعة فی التطوع لیست بسنة إلا فی قیام رمضان، آه. (۷٤٨/٢)(۳)

---

(۱) واعلم أن النفل بالجماعة علٰی سبیل التداعی مکروه علٰی ما تقدم، إلخ، فعلم أن کلا من صلاة الرغائب لیلة أول جمعة من رجب وصلاة البراء ة لیلة النصف من شعبان وصلاة القدر لیلة السابع والعشرین من رمضان بالجماعة بدعة مکروهة، إلخ. (غنیة المستملی: ٤١١/١، ظفیر)

(۲) الدرالمختار علٰی هامش ردالمحتار: ٥٠٠/٢

(۳) بدائع الصنائع، فصل بیان ما یفارق التطوع الفرض فیه: ٢٩٨/١، دارالکتب العلمیة بیروت، انیس

اسی طرح شامی میں ہے:

”والنفل بالجماعة غير مستحب،لأنه لم تفعله الصحابة فی غير رمضان“.(۵۰۰/۲)

وفی الأشباه عن البزازية:يكره الاقتداء فی صلاة رغائب وبراء ة وقدر،إلخ.(۱)

فعلم أن كلاً من صلاة الرغائب:ليلة أول جمعة من رجب وصلاة البراء ة ليلة النصف من شعبان وصلاة القدر ليلة السابع والعشرين من رمضان بالجماعة بدعة مكروهة،الخ. (غنية المستملی، تتمة من النوافل،ص:۴۳۲)

ان تمام عبارتوں سے یہی واضح ہوتا ہے کہ تہجد، یا دیگر نفل نمازیں جماعت کے ساتھ مکروہ ہیں، تہجد کی نماز علاحدہ علاحدہ ادا کرے، باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے۔(فتاوی رحیمیہ:۱۷۷/۱)

نوافل کی جماعت تہجد ہو، یا غیر تہجد سوائے تراویح وکسوف واستسقا کے اگر چار مقتدی ہوں تو حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔(فتاویٰ رشیدیہ کامل،ص:۲۹۹)

جماعت نوافل کی سوائے ان مواقع کے کہ حدیث سے ثابت ہیں، مکروہ تحریمی ہے۔(فتاویٰ رشیدیہ،ص:۲۸۹)

وإن كان علىٰ سبيل المواظبة كان بدعة مكروهة،لأنه خلاف المتوارث.(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سہیل احمد قاسمی، ۱۴۰۴/۸/۸ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۴۴۹/۲-۴۵۱)

لیلۃ القدر میں تنہا عبادت افضل ہے، یا شبینہ میں شرکت کرنا:

سوال: رمضان المبارک کی شب قدر افضل ہے، ۲۷/شب کو عبادت کرنا تلاوت قرآن، نفل نماز، درودو استغفار وغیرہ، یا شبینہ میں جا کر ختم قرآن میں شرکت کرنا ان دو عملوں میں سے کون سا عمل بہتر ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

آج کل شبینہ میں اس قدر مفاسد پیدا ہوگئے ہیں کہ اس کے جواز ہی میں کلام ہے، چہ جائے کہ افضل ہو، لہذا تنہا عبادت افضل ہے،(۳) مثلاً اس کے لیے چندہ کرنا جس میں حدود کی رعایت نہیں ہوتی، روشنی وغیرہ میں اسراف ہے۔(۴)

---

(۱) الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار،باب الوتر والنوافل:۵۰۰/۲

(۲) ردالمحتار،باب الوتر والنوافل:۵۰۰/۲

(۳) ”عن زيد بن ثابت رضی الله تعالىٰ عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم قال:أفضل صلاتكم فی بيوتكم إلا المكتوبة“.(جامع الترمذی،أبواب صلوٰة الليل،باب ماجاء فی فضل صلوٰة التطوع فی البيت:۱۰۲/۱، سعيد)

(۴) عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله عنه قال:قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: ألا لايحل مال امرئ إلابطيب نفس منه“.{رواه البيهقی فی شعب الإيمان والدارقطنی فی المجتبىٰ}(مشكوٰة المصابيح،كتاب البيوع، باب الغصب و العارية،الفصل الثانی،ص:۲۵۵،قديمی)

تداعی واہتمام (۱) قرأت کے وقت امام کا اتنا تیز پڑھنا کہ حروف بھی صحیح ادا نہ ہوں، ارکان صلوۃ وواجبات کو بھی اطمینان سے ادا نہ کرنا، چہ جائے کہ سنن ومستحبات (۲) بعض لوگوں کا لیٹے بیٹھے رہنا، بعض کا باتوں میں مشغول رہنا اور امام کے رکوع کے وقت شریک ہونا، (۳) بعض کا شور وشغب کرنا وغیرہ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۱/۱۱/۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ذیقعدہ/۱۳۶۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ذی قعدہ/۱۳۶۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۳۹/۷-۳۴۰)

شب برات میں تہجد کی نماز باجماعت:

سوال: شب برأت میں تہجد کی نماز باجماعت اعلان کر کے پڑھی جا سکتی ہے؟ اس مقصد سے کہ جو بے نمازی ہیں کم از کم اس بابرکت رات میں شریک ہوکر ثواب کے مستحق ہو جائیں، اگر تہجد کی جماعت کی جائے تو کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

ایسا کرنا مکروہ وممنوع ہے، (۴) بے نمازیوں کو تبلیغ وتاکید کی جائے کہ وہ نماز کی پابندی کریں، ترک فرض کو برداشت کیا جائے اور مکروہ کے ارتکاب کی دعوت کی دی جائے نہ دانشمندی کی بات ہے نہ شرع کی طرف سے اجازت ہے، اس رات میں عبادت کے لیے جمع ہونا بھی منع ہے۔ (کذا فی مراقی الفلاح) (۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دیوبند سہارنپور، ۱۳۹۱/۵/۲۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۴۱/۷)

---

(۱) قال شمس الأئمة الحلوانی: إن اقتدیٰ به ثلاثة لایکون تداعیا، وإن اقتدیٰ به أربعة فالأصح الکراهة. (حاشیة الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۲۸۶، قدیمی)

(۲) "ویجتنب المنکرات هذرمة القرأة، وترک تعوذ وتسمیة وطمانینة وتسبیح واستراحة". (الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۴۷/۲، سعید)

(۳) ویکره للمقتدی أن یقعد فی التراویح، فإذا أراد الإمام أن یرکع یقوم. (حاشیة الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی التراویح، ص: ۲۱۶، قدیمی)

(۴) قال الحلبی: "إن کلا من صلاة الغائب لیلة أول جمعة من رجب، وصلاة البراء ة لیلة النصف من شعبان، وصلاة القدر لیلة السابع والعشرین من رمضان بالجماعة بدعة مکروهة". (الحلبی الکبیر، تتمات من النوافل، ص: ۴۳۳، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۵) ویکره الاجتماع فی إحیاء لیلة من هٰذه اللیالی) المتقدم ذکرها (فی المسجد) وغیرها؛ لأنه لم یفعله النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم ولا أصحابه، فأنکره أکثر العلماء من أهل الحجاز، منهم: عطاء وابن أبی ملیلکة فقهاء أهل المدینة، وأصحاب مالک وغیرهم، وقالوا: ذلک کله بدعة". (مراقی الفلاح علیٰ نور الایضاح، کتاب الصلاة، فصل فی تحیة المسجد وصلاة الضحیٰ وأحیاء اللیالی، ص: ۴۰۲، قدیمی)

حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نوافل جماعت سے ادا کرنا:

سوال: شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ غالباً نوافل جماعت سے پڑھتے تھے، چناں چہ مکتوبات جلد سوم پر مکتوبات نمبر: ۷۸ کے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں:

''(تراویح کے بعد) ایک بجے پھر نفلوں میں کھڑے ہوجاتے ہیں اور پونے تین بجے فارغ ہوکر سحری میں مشغول ہوجاتے ہیں''۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ شب میں نوافل با جماعت ادا فرماتے تھے اور لوگ مرشد کے پیچھے تبرکاً وتیمناً پڑھتے تھے تو کیا حصول یمن وبرکت کے لیے ایسا کر سکتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

مجھے اس کی اصل حقیقت معلوم نہیں؛ لیکن حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی نظر حدیث وفقہ پر پوری تھی اور وہ حتی الوسع سنت پر عمل فرماتے تھے، ممکن ہے کہ وہ تنہا نوافل کی نیت کرکے قرأت بالجہر کرتے ہوں، یا دو تین کو بھی اس میں شامل کر لیتے ہوں، جس کی فقہا کے کلام میں اجازت بھی ہے، اس صورت میں تداعی نہیں اور یہ صورت مکروہ بھی نہیں۔

''لولم ینو الإمامة لا کراهة علی الإمام،فلیحفظ،آه''. (الدرالمختار)

''لأن الكراهة إنما يتحقق فيه بنية،أما إذا نوىٰ النفل منفرداً فاقتدىٰ به،لاتلزمه الكراهة بفعل غيره،آه''. (الطحطاوی: ۲۹۷/۱)(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۲۴۸/۷-۲۴۹)☆

---

(۱) حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار،باب النوافل: ۲۹۷/۱،دارالمعرفة،بيروت لبنان)

''قوله:علی سبیل التداعی)راجع إلیها،والتداعی أن یجتمع أربعة فأکثرعلی إمام،ودون ذلک لایکره إذا صلوا فی ناحیة المسجد،کذا فی القهستانی''.(حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار،باب الإمامة: ۲۴۰/۱، دارالمعرفةبیروت)

☆ رمضان میں تہجد کی جماعت:

سوال: فتاویٰ رشیدیہ، ج:۱ص:۴۹-۵۵ میں جماعت تہجد کو مکروہ لکھا ہے؛ لیکن حضرت والا رمضان المبارک میں جماعت کثیرہ کے ساتھ تہجد پڑھتے ہیں، یہ امر بہت خلجان کا باعث بنا ہوا ہے۔ امید ہے کہ اس بارے میں تشفی فرمائیے گا؟

الجواب ــــــــــــــ

فتح القدیر،المجلد الأول،کتاب الاستسقاء،ص: ۳۳۸ میں ہے:

وقد صرح الحاکم أیضا فی باب صلاة الکسوف من الکافی بقوله:ویکره صلاة التطوع جماعة ماخلا قیام رمضان وصلاة الکسوف هٰذا خلاف ما ذکرشیخ الإسلام.

ردالمحتار: ۲۲۳/۱ میں ہے:

قلت:ویویده أیضاً ما فی البدائع من قوله أن الجماعة فی التطوع لیست بسنة إلا فی قیا م رمضان.

(وفیه): والنفل بالجماعة غیرمستحب؛لأنه لم یفعله الصحابة رضی اللّٰه عنهم فی غیررمضان۔ ==

رمضان میں تہجد کی جماعت:

سوال (۱) نمازِ تہجد با جماعت رمضان شریف میں پڑھنا اور اس میں قرآن شریف سننا چاہیے، یا نہیں؟

== مذکورہ بالا نصوص میں قیام رمضان کی تصریح فرمائی گئی ہے، اس کی تخصیص تراویح کے ساتھ نہیں کی گئی ہے، چوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تیسری شب میں اور صحابہ کرام سے آخر شب تک نوافل با جماعت منقول ہیں، جیسا کہ موطا امام مالک وغیرہ میں بکثرت مروی ہے؛ اس لیے تمام وہ نوافل جو رمضان کی راتوں میں پڑھی جائیں، مراد ہوں گی، خواہ تراویح میں خواہ تہجد میں اوائل شب میں ہوں، یا اواخر میں سب میں جماعت کی اجازت ہوگی۔

مؤطا امام محمد، ص:۱۱۱ میں ہے:

قال محمد: بهٰذا نأخذ، لاباس بالصلاة فی شهر رمضان أن يصلی النّاس تطوعاً بإمام؛ لأن المسلمين قد أجمعوا علٰى ذلک، إلخ.

فتح الباری: ۲۱۷/٤، باب فضل من قام فی رمضان میں ہے:

أی قيام لياليه مصلياً والمراد من قيا م الليل مايحصل به مطلق القيا م كما قدمنا ه فی التهجد سواءً وذكر النووی أن المراد بقيام رمضان صلاة التراويح أنه يحصل بهٰذا المطلوب من القيام لا أن قيا م رمضان لايكون إلاّ بها وأغرب الكرمانی فقال: اتفققوا علٰى أن المراد بقيام رمضان صلاة التراويح، إلخ.

عينی شرح البخاری: ٣٥٤/٥ میں ہے:

قال الكرمانی: اتفقوا علٰى أن المراد بقيا م الليل صلاةالتراويح، قلت: قال النووی: إن المراد بقيام رمضان صلاة التراويح ولكن الاتفاق من أين أخذه؟ بل المراد من قيام الليل مايحصل به مطلق القيام سواء كا ن قليلا أو كثيراً.

وقال العينی فی الجلد الأول، ص: ۲۳۳، من كتاب الايمان من عمدة القاری ما نصه:

ومعنی من قام رمضان من قام بالطاعة فی ليالی رمضان ويقال: يريد صلاة التراويح وقال بعضهم: لايختص ذلک بصلاةالتراويح؛ بل فی أی وقت صلٰى تطوعاًحصل له ذلک الفضل، إلخ.

نصوص مذکورہ بالا سے امور ذیل معلوم ہوتے ہیں:

(۱) جماعت نوافل کی کراہت مطلقاً نہیں ہے؛ بلکہ اس سے کچھ مستثنیات بھی ہیں۔

(۲) مستثنیات میں لفظ قیام رمضان اور کسوف کو ذکر کیا گیا۔

(۳) امام محمد وحاکم وصاحب بدائع وغیرہ متقدمینؒ نے لفظ قیام رمضان ذکر فرمایا ہے، جو مخصوص بالتراویح نہیں ہے۔

(۴) قیام رمضان کو مخصوص بالتراویح قرار دینا قول مرجوح ہے، جو کہ علامہ کرمانی اور علامہ نووی رحمہما اللہ تعالی کا قول ہے، اس کے خلاف حافظ ابن حجر عسقلانی اور امام عینیؒ تمام نوافل کو خواہ تراویح ہوں، یا تہجد ہو، یا دیگر نوافل فرما رہے ہیں اور امام نووی کے قول کو مؤول قرار دیتے ہوئے اپنے قول کی طرف لوٹاتے ہیں اور کرمانی کے قول کو غریب اور مخدوش قرار دیتے ہیں اور یہ ہی امر مدلول مطابق بھی ہے۔ بنا بریں فتاوی رشیدیہ کی تصریح جلد ثانی، ص:۵۵ اور جلد اول، ص:۴۹ جس میں مستثنیات کو منحصر تراویح کو ساتھ کیا گیا ہے، قول مرجوح پر مبنی ہے، پس رمضان کے جملہ نوافل کی جماعت خواہ بالتداعی ہو، یا بلا تداعی سب کی سب ماذون فیہ؛ بلکہ مستحب ہوگی اور تحت ترغیب من قام رمضان الحدیث داخل ہوگی۔ اس پر نکیر کرنا غیر صحیح ہوگا؛ بلکہ جملہ طاعات طواف نفل، یا عمرہ وغیرہ اس میں ہی محسوب اور مرغوب فیہ قرار دیئے جائیں گے، کما ذکرہ العینی رحمہ اللہ تعالی۔ ==

دوسرے نوافل کی جماعت:

(۲)　علاوہ تراویح وتہجد کے نوافل با جماعت پڑھنا اور اس میں قرآن مجید کا پڑھنا اور سننا جائز ہے یا نہیں؟

رمضان کے بعد تہجد ونوافل کی جماعت:

(۳)　علاوہ رمضان شریف کے نوافل وتہجد با جماعت جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

(۱-۳) **أقول وبالله التوفيق:** نماز تہجد جماعت کے ساتھ پڑھنا بتداعی مکروہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رمضان کی تین راتوں میں بجماعت نماز پڑھی ہے، وہ تراویح کی نماز تھی۔

علامہ شامی کی تحقیق سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے اور حضرت مولانا حجۃ الواصلین قدوۃ العارفین عمدۃ الفقہاء والمحدثین مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ گنگوہیؒ نے اپنے رسالہ تراویح میں بھی تحقیق فرمایا ہے، چناں چہ بعد نقل حدیث مذکور فرماتے ہیں:

''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو صلوٰۃ جداگانہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کو ہمیشہ منفرداً پڑھتے تھے کبھی بتداعی جماعت نہیں فرمائی، الخ''۔

اور رسالہ مذکورہ میں دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے صراحۃً ثابت نہیں ہوا کہ جب آپ نے تین روز تراویح پڑھی تو اخیر وقت میں تہجد پڑھا یا نہیں۔ واللہ اعلم؛ مگر فعلِ صحابہؓ سے اس کا نشان ملتا ہے، الخ''۔

اور پھر تحریر فرماتے ہیں:

''لہٰذا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام رات تراویح پڑھی تو تہجد کا بھی اس میں تداخل ہو گیا، الخ''۔

==　ہم نے قطب العالم حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ العزیز کا عمل بھی مکہ معظّمہ میں اسی پر پایا اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ العزیز کا بھی یہی معمول تھا اور حرمین شریفین میں قدیم سے عمل سنت عشریہ وغیرہ کا جو کہ بالخصوص شوافع کا اور چالیس رکعت کا عمل، جو کہ موالک کا معمول بہ تھا اور اہل مکہ کا قدیمی عمل ہر ترویحہ پر اسبوع طواف اس کا موید ہے۔ (یہ مسئلہ حضرتؒ کے تفردات میں سے ہے، جسے حضرتؒ نے مجتہدانہ بصیرت سے کام لیتے ہوئے براہ راست احادیث شریفہ سے مستنبط فرمایا ہے؛ لیکن احقر کو حضرت کے اس موقف کی تائید فقہ حنفی کے کسی جزئیہ سے نہیں ملی؛ بلکہ مبسوط سرخسی اور دیگر معتبر کتب احناف میں ۳-۴ سے زیادہ مقتدی ہونے کی صورت میں نوافل کی جماعت کو مطلقاً مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ مبسوط سرخسی ۲/۱۴۴، بریں بنا مسئلہ زیر بحث میں فقہ حنفی کی رو سے حضرت گنگوہیؒ کا موقف ہی راجح اور مضبوط ہے۔ (محمد سلمان) واللہ اعلم

(مخطوطات مبارکہ، ص:۱۰۳) (فتاویٰ شیخ الاسلام، ص:۴۳-۴۵)

الغرض حضرت مولانا قدس سرہٗ نے یہی تحقیق فرمایا ہے کہ جو نماز با جماعت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف میں تین دن ادا فرمائی وہ تراویح کی نماز تھی اور تہجد کی نماز علاحدہ پڑھی، یا تداخل ہوگیا اور یہ کہ تہجد کی نماز میں جماعت نہیں ہے اور یہی اکثر احادیث سے ثابت ہوتا ہے اور علما وفقہاء حنفیہ نے یہی تحقیق فرمایا ہے۔

اور درمختار میں ہے:

ولایصلی الوتر ولاالتطوع بجماعة خارج رمضان أی یکرہ ذلک لوعلیٰ سبیل التداعی بأن یقتدی أربعة بواحدٍ،إلخ. (الدرالمختار)(۱)

اور اس روایت سے جو رمضان شریف میں تطوع بجماعت پڑھنا مفہوم ہوا، مراد اس سے تراویح کی نماز ہے۔

چناں چہ علامہ شامی نے اس موقعہ پر تحریر فرمایا ہے:

ویؤیدہ أیضاً مافی البدایع من قولہ:أن الجماعة فی التطوع لیست بسنة إلا فی قیام رمضان،آہ. (شامی)(۲)

اور نیز فرمایا:

والنفل بالجماعة غیر مستحب لأنه لم یفعله الصحابة فی غیر رمضان،آہ. (شامی)(۳)

اور ظاہر ہے کہ صحابہؓ نے جو جماعت رمضان شریف میں کی ہے، وہ تراویح کی جماعت تھی، جیسا کہ فعل حضرت عمرؓ ودیگر صحابہؓ سے ظاہر ہے اور قیام رمضان کا اطلاق بھی اس پر کیا گیا ہے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۲۰/۴-۲۲۲)

رمضان میں بتداعی جماعت نوافل کا حکم:

سوال (۱) ماہِ رمضان میں بجماعت تداعی کے ساتھ کون تطوع بلا کراہت جائز ہے؟

تداعی اور کراہت کی تفصیل:

(۲) کتب فقہ کی عبارات میں تداعی سے کیا مراد ہے؟ اور مکروہ سے کیا مراد ہے، تحریمی یا تنزیہی؟

رمضان کے علاوہ مہینوں میں کیا وتر کی جماعت درست ہے:

(۳) فتح القدیر، کتاب الصلوٰۃ، ہدایہ کے اس قول: "**ولایصلی الوتر بجماعة فی غیر شهر رمضان علیه إجماع المسلمین**" کے تحت میں ہے:

"لأنه نفل من وجه والجماعة فی النفل فی غیر رمضان مکروهة".

---

(۱) الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار،باب الوتر والنوافل بعد مبحث التراویح: ۶۶۳/۱،ظفیر

(۲-۳) رد المحتار،باب الوتر والنوافل بعد مبحث التراویح: ۶۶۴/۱،ظفیر

پس رمضان کے سوا وتر اگر بجماعت پڑھے جائیں تو کراہت تحریمی ہوگی، یا تنزیہی؟ اس میں تداعی اور غیر تداعی میں فرق ہوگا، یا نہ؟

رمضان میں تہجد جماعت سے:

(۴) علیٰ ہذا رمضان میں تہجد بجماعت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

رمضان میں تہجد میں اگر دو چار آدمی مل جائیں:

(۵) اگر کوئی شخص رمضان میں تہجد شروع کرے اور اس کے ساتھ صرف دو، یا چار مسلمان آکر اقتدا کریں تو کیا حکم ہے؟

الجواب

(۱-۲) **قال في الدر المختار: ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان أي يكره ذلك علىٰ سبيل التداعي بأن يقتدي أربع بواحدٍ، إلخ.** (۱)

ماہِ رمضان المبارک میں تداعی کے ساتھ جماعت وتر اور تراویح جائز اور مشروع ومسنون ہے اور باقی نوافل سوائے تراویح کے رمضان شریف میں بھی تداعی کے ساتھ مکروہ ہیں اور معنی تداعی کے صاحب درمختار نے بیان فرمائے ہیں: "**بأن يقتدي أربعة بواحدٍ**".

(۳) اتفاقاً کبھی ہو تو کراہت تنزیہی ہے اور اگر مواظبت اس پر کی جاوے تو کراہت تحریمی ہے، تداعی کے ساتھ ہو، یا بلا تداعی۔

ثم إن كان ذلك أحياناً كما فعل عمر كان مباحاً غير مكروه، أي تحريمي وإن كان علىٰ سبيل المواظبة كان بدعة مكروهة؛ لأنه خلاف المتوارث. (۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تداعی اور غیر تداعی برابر ہے، لفظ بدعۃ کراہت تحریمہ پر دال ہے، **كما لا يخفىٰ.**

(۴) بغیر تداعی کے جائز ہے اور تداعی کے ساتھ مکروہ تحریمی ہے۔ (۳)

---

(۱) رد المحتار، باب الوتر والنوافل بعد مبحث التراويح: ۶۶۴/۱، ظفير

(۲) رد المحتار، باب الوتر والنوافل بعد مبحث التراويح: ۶۶۳/۱، ظفير

(۳) دلیل وہی ہے جو پہلے مسئلہ کی نقل کی گئی؛ لیکن شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ رمضان میں تہجد بجماعت پڑھا کرتے تھے اور دلیل میں فتح الباری وغیرہ کی عبارت جہاں نقل فرماتے تھے، وہاں شامی کی یہ عبارت بھی نقل کرتے تھے "**والنفل بالجماعة غير مستحب لأنه لم يفعله الصحابة في غير رمضان**". (أيضًا) اور فرمایا کرتے تھے: تہجد بھی نوافل رمضان میں ہی داخل ہے۔ مفتی علام نے بدعت کے لفظ کی وجہ سے مکروہ تحریمی لکھ دیا، جیسا کہ پہلے مسئلہ میں انہوں نے بحث کی ہے؛ لیکن علامہ شامی نے بدائع وغیرہ کی جو عبارت نقل کی ہے، ==

(۵) ایک یا دو کی اقتدا بلا کراہت جائز ہے اور تین میں خلاف ہے اور اس سے زائد مکروہ ہے۔

قوله: (أربعة بواحد): أما اقتداء واحد بواحد أو اثنين بواحد فلا يكره وثلاثة بواحد فيه خلاف (بحر عن الكافي) وهل يحصل بهذا الاقتداء فضيلة الجماعة ظاهر ما قدمناه من أن الجماعة في التطوع ليست بسنة يفيد عدمه. تأمل. بقي لو اقتدى به واحد أو إثنان ثم جاء ت جماعة اقتدوا به، قال الرضي: ينبغي أن تكون الكراهة على المتأخرين. (شامی)(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر شہرت ہو جانے پر جماعت زیادہ ہونے لگے تو تداعی ثابت ہوگئی اور لازم آ گئی امام کو چاہیے کہ منع کر دے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۲۲/۴-۲۲۴)

جماعت نفل علی سبیل التداعی:

سوال: ہمارے یہاں قصبہ اورنگ آباد میں رمضان کے مبارک مہینہ میں تہجد کی نماز درود کے ساتھ باجماعت ادا کی جاتی ہے جس میں تین آدمیوں سے زیادہ کافی آدمی ہوتے ہیں۔

۲-رمضان کے مبارک مہینہ کی طاق راتوں میں تراویح ختم ہونے کے بعد نفل نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے اور تین آدیوں سے بہت زیادہ آدمی ہوتے ہیں۔ تہجد کی نماز کا بھی ان طاق راتوں میں اعلان کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے جماعت میں بہت زیادہ لوگ ہوجاتے ہیں۔

۳-آج اس مسئلہ کو جو کہ بہشتی گوہر میں دیکھا گیا ہے تو جماعت کے احکام میں دیکھا گیا ہے کہ ۲/یا ۳/آدمی مل کر نفل جماعت سے پڑھ لیں تو کچھ مضائقہ نہیں اور دوام نہ کریں، اگر دوام کریں تو مکروہ ہے۔

۴-کیا رمضان کے مبارک مہینہ میں ۳/سے زیادہ آدمیوں کو نفل نماز باجماعت ادا کرنا جائز ہے؟

۵-دوام کے کیا معنیٰ ہیں؟ تشریح کے ساتھ سمجھائیں تاکہ دوام کے معنیٰ معلوم ہوجائیں۔

۶-قصبہ اورنگ آباد کے ایک امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ ماہِ رمضان میں نوافل کا درجہ فرض جیسا ہوجاتا ہے اس لئے کافی آدمی مل کر تہجد کی جماعت و نفل کی جماعت کر سکتے ہیں۔

۷-ان تمام مسئلوں کو اطمینان بخش امام ابوحنیفہ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک کے مطابق حل کر دیجئے تاکہ عوام کو تفصیلی معلومات ہوجائے اور فتویٰ پر عمل کیا جائے۔

== اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ سنت واستحباب کے خلاف ہے، چنانچہ اخیر میں وہ خود لکھتے ہیں: ''وهو كالصريح في أنها كراهة تنزيهية''. لیکن اگر تہجد کو نوافل رمضان میں شمار کیا جائے اور یقیناً وہ نوافل ہی ہیں اور رمضان میں جماعت کر لی تو کراہت بھی نہیں۔ واللہ اعلم (ظفیر)

(۱) رد المحتار، باب الوتر والنوافل بعد مبحث التراويح: ٦٦٤/١، ظفير

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

(۱) ایسا کرنا مکروہ ہے۔(۱)

(۲) یہ بھی مکروہ ہے۔(۲)

(۳) کتب فقہ درمختار وغیرہ میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔(۳)

(۴) مکروہ ہے۔(۴)

(۵) دوام کے معنیٰ ہمیشہ کے ہیں یعنی اتفاقیہ ایک دو دفعہ نہیں؛ بلکہ ہمیشہ کیا جائے، خواہ ایک ماہ کا ہمیشہ ہو۔(۵)

(۶) وہ کس دلیل کی بنا پر ایسا کہتے ہیں؟ کیا فقہ کی کسی کتاب میں ایسا لکھا ہے؟ کیا بعد مغرب و بعد عشا کی سنت بھی جماعت سے پڑھیں گے؟

(۷) امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ ہے۔

”والجماعة فی النفل غیر التراویح مکروهة، فالاحتیاط بترکها فی الوتر خارج رمضان. وعن شمس الأئمة: أن هٰذا فیما کان علیٰ سبیل التداعی، أما لو اقتدیٰ واحد بواحد وإثنان بواحد لا یکره، وإذا اقتدیٰ ثلاثة بوحد اختلف فیه، وإن اقتدیٰ أربعة بواحدة اتفاقاً، آه“. (کذا فی مراقی الفلاح علی الطحطاوی، ص: ۳۲۳)(۶) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۲۴۳-۲۴۵)

(۱-۲) (قوله: علیٰ سبیل التداعی) راجع إلیها، والتداعی انه یجتمع أربعة فأکثر علیٰ إمام ودون ذلک لایکره إذا صلوا فی ناحیة المسجد، کذا فی القهستانی“. (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، باب الإمامة: ۱/۲۴۰، دارالمعرفة بیروت)

(۳) ”(ولا یصلی الوتر و) لا (التطوع بجماعة خارج رمضان): أی یکره ذلک علیٰ سبیل التداعی بان یقتدیٰ اربعة بواحد، کما فی الدرر“. (الدرالمختار)

(قوله: أربعة بواحد) أما اقتداء واحد بواحد او اثنین بواحد، فلا یکره فیه خلاف، بحر عن الکافی“. (رد المحتار، مطلب فی کراهة الاقتدا فی النفل علیٰ سبیل التداعی وفی صلاة الرغائب: ۲/۴۹، سعید)

(۴) (قوله: علیٰ سبیل التداعی) راجع إلیها، والتداعی انه یجتمع أربعة فأکثر علیٰ إمام، ودون ذلک لا یکره إذا صلوا فی ناحیة المسجد، کذا فی القهستانی“. (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، باب الإمامة: ۱/۲۴۰، دار المعرفة بیروت)

(۵) (قوله: أی یکره ذلک)... الظاهر أن الجماعة غیر مستحبة، ثم إن کان ذلک أحیاناً کما فعل عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنه، کان مباحاً غیر مکروهٍ، وإن کان علیٰ سبیل المواظبة، کان بدعة مکروهة؛ لأنه خلاف المتوارث... (قوله: علیٰ سبیل التداعی): هو أن یدعو بعضهم بعضاً، کما فی المغرب، وفسره الوافی بالکثرة، وهو لازم معناه“. (رد المحتار، مطلب فی کراهة الاقتداء فی النفل علیٰ سبیل التداعی، آه: ۲/۴۸-۴۹، سعید)

(۶) مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الوتر وأحکامه، ص: ۳۸۶، قدیمی

نفل کی جماعت بعد تراویح:

سوال: آیا تین آدمی نفل بعد تراویح جماعت سے ادا کر کے ثواب حاصل کر سکتے ہیں، یا نماز نفل بعد تراویح با جماعت مطلقاً درست نہیں، خواہ تعداد میں ادا کرنے والے تین ہوں، یا زائد؟

الجواب

نفل کی جماعت سوائے تراویح کے سنت اور مستحب نہیں ہے؛ بلکہ بعض صورتوں میں مکروہ اور بعض میں مباح ہے؛ اس لیے فضیلت جماعت کی اور ثواب جماعت کا اس میں حاصل نہیں ہے۔ دو تین مقتدی ہوں تو جماعت کی اجازت ہے؛ مگر جماعت نہ کرنا ہی اولیٰ ہے، لہٰذا مطلقاً نفل کی جماعت نہ کرنی چاہیے۔

درمختار میں ہے:

ولایصلی الوتر ولاالتطوع بجماعة خارج رمضان أی یکره ذلک لوعلٰی سبیل التداعی بأن یقتدی أربعة بواحد کما فی الدرر. ویؤیده أیضاً ما فی البدایع من قوله أن الجماعة فی التطوع لیست بسنة إلاّ فی قیام رمضان، إلخ. (۱)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ سوائے تراویح کے اور کوئی نفل جماعت سے نہ پڑھی جاوے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۲۹/۴)

نفل با جماعت جائز ہے، یا نہیں:

سوال: نفل با جماعت جائز ہے، یا نہیں؟ میں نے ایک کتاب میں یہ عبارت پڑھی ہے:

''از مخدوم جہانیاں در جامع العلوم است کہ ایشاں بعد از چہار رکعت نماز با امامت نمودند سلطان فیروز شاہ وعلما دراں بودند، علمایان گفتند: نماز نفل با جماعت نزد امام ابوحنیفہؒ مکروہ است، می آورد کہ ایشاں روئے مبارک بر بادشاہ آوردند وفرمودند کہ در کتاب کافی است:

''یجوز للمؤمن أن یعمل فی العبادات علٰی مذهب غیره وفی المعاملات لایجوز والتطوع بالجماعة یجوز عند الشافعی''.

علمایان بقول ایشاں اعتراف نمودند''؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نفل با جماعت نہ پڑھنی چاہئے کہ صحیح یہی ہے کہ جماعت نفل بتداعی مکروہ ہے اور تفسیر تداعی کی یہ ہے کہ چار مقتدی جماعت میں ہوں، یہ باتفاق مکروہ ہے اور تین مقتدی ہوں تو اس میں خلاف ہے اور ایک یا دو مقتدی ہوں تو کراہت

(۱) الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۶۶۳/۱، ظفیر

نہیں۔ (کذا فی الشامی)(۱)

الحاصل چھوڑنا اس جماعت نفل کا جو بعد بتداعی ہوتی تھی ضروری ہے اور اب جب کہ چھوٹ گئی ہے، ہرگز پھر جاری کرنی نہ چاہیے، ورنہ بدعت کے جاری کرنے کا گناہ ہوگا۔ (کما جاء فی الحدیث)(۲)

اور جو عبارت جامع العلوم کی مخدوم جہانیاں کے حوالہ سے نقل کی ہے، وہ حجت نہیں ہے، اس سے استدلال کرنا نہ چاہیے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۲۸/۴)

نوافل کی عمومی جماعت کا حکم:

سوال: نوافل کی جماعت کا جواز تو اس حدیث سے جو ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے نماز تہجد بجماعت آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیچھے پڑھی ہے، نکلتا ہے؛ لیکن چوں کہ اس وقت وہ صحابی ہی حاضر تھے، کوئی دوسرے نہ تھے، لہٰذا وہ تنہا شامل ہوئے اور سورج گرہن اور تراویح میں بہت سے آدمی شامل ہوئے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت نوافل میں خواہ کتنے ہی آدمی ہوں، جائز ہے تو قلیل آدمیوں کا جماعت نوافل میں انحصار ہونا کس طرح ثابت ہوتا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

نوافل کی جماعت مکروہ ہے؛ مگر نماز تراویح، نماز کسوف، صلوٰۃ استسقا میں جائز ہے، اور سب میں مکروہ تحریمہ [ہے]۔(۳)

(بدست خاص، ص:۶۸) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۸۳)

---

(۱) ولایصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان أی یکره ذلک لو علیٰ سبیل التداعی بأن یقتدی أربعة بواحد (الدر المختار) قوله: (أربعة بواحد): أما اقتداء واحد بواحد أو اثنین بواحد فلا یکره وثلاثة بواحد فیه خلاف إلخ. (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ۶۶۳/۱-۶۶۴، ظفیر)

(۲) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ. (الصحیح لمسلم، باب نقض الأحکام الباطلة، رقم الحدیث: ۱۷۱۸، انیس)

قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: إِنَّ أَحْسَنَ الحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ، وَأَحْسَنَ الهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَشَرَّ الأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَإِنَّ مَا تُوعَدُونَ لَآتٍ، وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ. (صحیح البخاری، باب الإقتداء بسنن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، رقم الحدیث: ۷۲۷۷، انیس)

(۳) قَالَ وأکره أَن يُصَلِّي الْقَوْم التَّطَوُّع جماعَة إِلَّا فِي قيام رَمَضَان خَاصَّة لِأَن رَسُول اللّٰه صلی اللّٰه عَلَيْهِ وَسلم لم يؤد التطوعات بِالْجَمَاعَة مَعَ حرصه على أَدَاء الصَّلَاة بِالْجَمَاعَة وَلِأَنَّهُ لَا يُؤذن لَهَا وَلَا يُقَام وَلِأَن الْإِخْفَاء فِي التطوعات سنة وَفِي الْأَدَاء بِالْجَمَاعَة معنى الْإِظْهَار فَلِهَذَا كره ذَلِك وَأما قيام رَمَضَان فقد أدّى رَسُول اللّٰه صلی اللّٰه عَلَيْهِ وَسلم بِالْجَمَاعَة لَيْلَة أَو لَيْلَتَيْنِ وَاتفقَ عَلَيْهِ الصَّحَابَة رَضِي اللّٰه عَنْهُم بعده. (النکت للسرخسی، باب من صلاة التطوع: ۱۶۹/۱، عالم الکتب بیروت، انیس)

نفل کی جماعت:

سوال: رمضان المبارک میں بعد التراویح صلوٰۃ نافلہ مع الجماعۃ پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟ ہمارے محلّہ کی مسجد میں بڑے اہتمام کے ساتھ پڑھی جاتی ہے، اس جماعت کے قیام سے باہم اختلاف بھی ہوگیا ہے؛ مگر جہلاء اپنی ضد پر اڑے ہیں اور ہر شب میں ادا کرتے ہیں۔ آپ دلائل تحریر فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

یہ جماعت علی سبیل التداعی والاصرار ہے، جو کہ مکروہ ہے۔

"والجماعة سنة مؤكدة للرجال،قال الزاهدى:ارادوبالتاكيد الوجوب،إلا فى جمعة وعيد فشرط،وفى التراويح سنة كفاية،وفى وتررمضان مستحبة علىٰ قول،وفى وترغيره وتطوع علىٰ سبيل التداعى مكروهة،آه". (الدرالمختار)

"(قوله:علىٰ سبيل التداعى)راجع إليها،والتداعى أن يجتمع أربعة فأكثر علىٰ إمام،ودون ذلك لايكره إذا صلوا فى ناحية المسجد،كذا فى القهستانى، ونقله فى البحرعن الصدر الشهيد،وظاهر اطلاقه الكراهة أنها التحريمية،آه". (الطحطاوى،ص: ٢٤٠)(۱)

"وفى الأشباه من البزازية:يكره الاقتداء فى صلاة الرغائب وبراءة وقدر،آه". (الدرالمختار)

"وبراءة هى ليلة النصف من شعبان،آه". (الطحطاوى: ٢٩٧/١)(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۲۴۲/۷)

نوافل کی جماعت میں کتنے آدمی شریک ہوسکتے ہیں:

سوال: نوافل کی جماعت میں علاوہ امام کے، کتنے مقتدی ہونے چاہئیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

تین تک جائز زیادہ مکروہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص:٦٨) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ، ص:۱۸۳)

نفل کی جماعت جبکہ مقتدی تین سے زائد ہوں، مکروہ ہے:

سوال: دو تین آدمیوں کی اقتداء بلا ملائے نفل نماز میں درست ہے؛ مگر جماعت کا ثواب نہیں ملتا اور جب جماعت کا ثواب نہیں ملتا تو دو تین آدمیوں کی جماعت بلا ملائے بے سود ہے؟

---

(۱) حاشية الطحطاوى علىٰ الدرالمختار،باب الإمامة : ١ / ٢٤٠،دار المعرفة،بيروت

(۲) حاشية الطحطاوى علىٰ الدرالمختار،باب الوتر والنوافل: ٢٩٧/١،دار المعرفة،بيروت

الجواب

نفل کی جماعت کرنا جبکہ چار مقتدی ہوں تو اتفاقاً مکروہ ہے اور تین مقتدی ہوں تو کراہت میں اختلاف ہے اور جس صورت میں مکروہ نہیں، اس میں ثواب نہ ملنے کی تصریح تو نہیں ہے۔ شامی نے قول بدائع ''أنّ الجماعة في التطوع ليست بسنة'' سے استنباط کیا ہے اور اس میں تامل بھی ظاہر کیا ہے۔ (شامی: ۱/۱۴۱۷)

بہر حال اہتمامِ جماعت نفل میں نہ کرنا چاہیے۔ (امداد الاحکام: ۲/۲۲۵)

سامع اگر تراویح سے قبل نوافل میں امام کو قرآن سنائے جس سے مشغولین فی السنن وغیرہ کو تشویش ہو تو یہ عمل ان کا جائز ہے، یا نہیں؟ اور اس جماعتِ نفل میں شرکت کا حکم:

سوال: ہمارے یہاں مسجد میں تراویح کے قاری کے جو حافظ صاحب سامع ہیں، وہ قبل تراویح دو رکعت نفل میں اپنا قرآن شریف قاری کو سنا دیتے ہیں؛ مگر ان کے سنانے کے وقت عشا کا وقت بھی ہو جاتا ہے اور لوگ کچھ ان کی جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں، کچھ علاحدہ اداءِ سنن میں مشغول ہو جاتے ہیں، پھر یہ حافظ صاحب جو نفل میں قرآن شریف سناتے ہیں، بالکل اسی جگہ کھڑے ہو کر سناتے ہیں، جو تراویح و فرض کے امام کی جگہ ہے، بظاہر مجھے یہ صورت پسندیدہ نہیں معلوم ہوتی؛ کیوں کہ اس میں مشغولین بالسنن سے تزاحم ہوتا ہے اور ایسے وقت یا تو حافظ صاحب کے نفل موقوف ہوں، یا سننِ متروک؛ کیوں کہ ﴿إذا قرء القرآن فاستمعوا له وانصتوا﴾ الآیۃ کا عموم موجودہ صورت کو جائز نہیں ٹھہراتا، پھر مجھے یاد ہے کہ مدینہ طیبہ میں میرے سامنے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے قاضی بلد سے یہ فرمایا تھا کہ لوگ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تلاوت کرتے رہتے ہیں، جس سے مصلّین کو تشویش ہوتی ہے؛ اس لیے اس کی ممانعت ہونی چاہیے تو قاضی صاحب نے وعدہ کیا تھا، وہاں بھی تلاوت کرنے والے فرض نماز کی جماعت کے وقت نہیں کرتے تھے؛ کیوں کہ اس وقت تو وہ بھی جماعت میں شامل ہو جاتے تھے، البتہ قبل جماعت و بعد اذان تلاوت بلند آواز سے کرتے تھے جس سے ادائے سنن ورواتب میں تزاحم ہوتا تھا؟

الجواب

آپ کا خیال صحیح ہے، اس حافظ سامع کو ایسا جہر نہ کرنا چاہیے جس سے مصلّین کو تشویش ہو؛ بلکہ کسی الگ جگہ پڑھا کریں اور اس کے ساتھ دوسرے لوگوں کو اقتدا بھی نہ کرنا چاہیے؛ کیوں کہ نوافلِ مطلقہ کی جماعت میں تین چار سے زیادہ آدمی ہونا مکروہ ہیں۔

۱۶/رمضان ۱۳۴۸ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۲۷-۲۲۸)

نوافل میں ختم قرآن باجماعت:

سوال: چند اشخاص کی خواہش تھی کہ نماز نفل میں ایک قرآن شریف ختم کیا جاوے، حافظ نے بعد نماز مغرب وعشا دو چار رکعت میں تھوڑا تھوڑا پڑھ کر قرآن شریف ختم کیا جائے، اس دوران میں ایک شخص نے ٹوکا کہ اس طرح درست نہیں، نفل نماز باجماعت درست نہیں، اس حالت میں فعل مذکور حافظ کا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

اگر امام کے علاوہ چار شخص، یا زیادہ مقتدی تھے تو یہ فعل مکروہ ہے، اگر امام کے علاوہ صرف دو تین آدمی مقتدی تھے تو مکروہ نہیں۔

فی الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح: "قال شمس الائمة الحلوانی: إن اقتدیٰ به ثلاثة، لا یکون تداعیاً، فلا یکره اتفاقاً، وإن اقتدیٰ به أربعة فالأصح الکراهة، آه". (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ جمادی الثانیہ ۱۳۵۲ھ
صحیح: عبد اللطیف، ۲۰/ جمادی الثانیہ ۱۳۵۲ھ۔ صحیح: بندہ عبد الرحمٰن۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۲۴۳)

☆ ☆ ☆

(۱) **حاشیة الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح، باب الإمامة، ص: ۲۸۶، قدیمی**

نماز تراویح اوران کی شرعی حیثیت

تراویح اور ماہ رمضان کی فضیلت:

سوال: تراویح اور ماہ رمضان کی فضیلت بیان فرمایئے؟

الجواب

یہ جوگمان کیا جاتا ہے کہ تراویح کے بارے میں یہ حدیث صحیح وارد ہے کہ!

"ما كان رسول الله صلى الله عليه و سلم يزيد في رمضان ولا في غيره علىٰ إحدىٰ عشرة ركعة". (۱) (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔)

ایسا ہی یہ بھی احادیث صحیحہ ہیں کہ!

قالت عائشة رضى الله عنها: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجتهد فى العشر الأواخر مالا يجتهد فى غيره. {رواه مسلم}

وعنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا دخل العشر أحى الليل وأيقظ أهله وجد وشد المئزر. {رواه البخارى ومسلم}(۲)

سمعت نعمان ابن بشير علىٰ منبر حمص يقول: قمنا مع رسول الله صلى الله عليه فى شهر رمضان ليلة ثلاث وعشرين إلىٰ ثلث الليل الأول ثم قمنا معه ليلة خمس وعشرين إلىٰ نصف الليل ثم قمنا معه ليلة سبع وعشرين حتىٰ ظننا أن لا ندرك الفلاح وكانوا يسمونه السحور. (۳)

(یعنی: فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محنت فرماتے تھے عبادت میں رمضان میں، اس قدر زیادہ کہ اس قدر محنت عبادت میں رمضان کے سوا دوسرے مہینے میں نہ فرماتے تھے۔ {روایت کی اس حدیث کو مسلم نے})

(اور یہ بھی روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ جب عشرہ اخیر رمضان المبارک کا ہوتا تھا تو اس میں آنحضرت

---

(۱) صحيح البخارى، كتاب التهجد، باب قيام النبى صلى الله عليه وسلم بالليل فى رمضان وغيره: ۱۵۴/۱، رقم الحديث: ۱۱۳۶، مكتبة أشرفية ديوبند، انيس

(۲) الصحيح لمسلم، كتاب الإعتكاف، باب الاجتهاد فى العشر الأواخر من شهر رمضان: ۳۷۲/۱، مكتبة البدر ديوبند، انيس

(۳) سنن النسائى، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب قيام شهر رمضان: ۱۸۲/۱-۱۸۳، أشرفية ديوبند، انيس

صلی اللہ علیہ وسلم زندہ کرتے تھے رات کو؛ یعنی زیادہ شب بیداری عبادت میں فرماتے تھے اور اپنے اہل کو جگاتے اور عبادت میں نہایت محنت کرتے تھے اور ازار باندھ لیتے تھے؛ یعنی اعتکاف کی وجہ سے وطی سے پرہیز فرماتے تھے۔{روایت کی اس حدیث کو بخاری اور مسلم وابوداؤد اور نسائی نے})

(اور روایت ہے نعمان بن بشیر سے کہ کہا انہوں نے کہ کھڑے ہوئے ہم لوگ نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ماہ رمضان میں تئیسویں رات کو شروع رات میں تہائی رات تک، پھر کھڑے ہوئے ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں ستائیسویں رات کو اس قدر دیر تک کہ ہم لوگوں نے گمان کیا کہ ہم لوگ فلاح؛ یعنی سحری آج نہ کھائیں گے۔{یہ ترجمہ حدیث مذکور کا ہے})

اوران احادیث سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ رمضان شریف میں دوسرے مہینوں سے زیادہ نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے، باعتبار رکعات کے بھی زیادہ نماز پڑھتے تھے اور باعتبار خشوع وخضوع کے بھی زیادہ دیر میں نماز پڑھتے تھے اور نماز میں قرات بھی زیادہ کرتے تھے اور ان احادیث کے قبل جو روایت مذکور ہوئی ہے، اس سے بظاہر گمان ہوتا ہے کہ رمضان شریف میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے مہینوں سے زیادہ نماز نہ پڑھتے تھے تو ان احادیث میں اور اس سابق روایت میں تطبیق اس طور پر دی جاتی ہے کہ وہ ایک روایت صرف نماز تہجد کے بارے میں ہے کہ رمضان شریف اور رمضان شریف کے سوا ہر مہینہ میں اکثر ایسا ہی ہوتا تھا کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز یکساں پڑھتے تھے؛ یعنی ہر مہینہ میں رمضان شریف ہو، یا دوسرا مہینہ ہو۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر معمول تھا کہ نماز تہجد مع نماز وتر کے گیارہ رکعت پڑھتے تھے؛ یعنی آٹھ رکعت نماز تہجد کی اور تین رکعت نماز وتر کی پڑھا کرتے تھے اور بارہ رکعت تہجد کی نماز پڑھنا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور یہ امر کہ وہ ایک روایت سابق تہجد کے بارے میں ہے تو اس امر کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت ابوسلمہؓ ہیں اور حضرت ابوسلمہؓ نے اس روایت کے آخر میں کہا ہے:

قالت عائشة: فقلت يا رسول الله صلى الله عليه وعلىٰ اٰله وسلم أ تنام قبل أن توتر؟ قال: ياعائشة: إن عينيي تنامان ولاينام قلبي. {رواه البخاري ومسلم}(۱)

(یعنی اس روایت کے آخر میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میں نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ سوتے ہیں قبل ادا کرنے نماز وتر کے تو فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اے عائشہ! میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا ہے۔{روایت کیا اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے})

---

(۱) صحيح البخاري، باب قيام النبي صلى الله عليه وسلم بالليل في رمضان وغيره: ۱/۱۵٤، رقم الحديث ۱۱۳٦، مكتبة أشرفية ديوبند/الصحيح لمسلم، باب صلاةٰ الليل وعدد ركعات النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ۷۳۸، انيس

تو اس سے ظاہر ہے کہ یہ حدیث نماز تہجد کے بارے میں ہے؛ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ نماز تہجد اور وتر آخر شب میں نیند سے اٹھنے کے بعد پڑھا کرتے تھے اور کوئی دوسری نماز سواء تہجد اور وتر کے ثابت نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر شب میں نیند سے اٹھنے کے بعد پڑھا کرتے تھے تو اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے نماز تہجد کے بارے میں فرمایا کہ آپ بعد نماز تہجد کے بھی قبل وتر کی نماز ادا کرنے کے سوتے ہیں؛ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ وتر کی نماز قضا ہو جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ صرف میری آنکھ سوتی ہے، میرا دل بیدار رہتا ہے؛ یعنی احتمال وتر کے قضا ہو جانے کا نہیں اور جن روایات میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بہ نسبت دوسرے مہینوں کے زیادہ نماز پڑھتے تھے تو اس نماز سے مراد تراویح کی نماز ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تراویح پڑھا کرتے تھے کہ اس وقت عرف میں تراویح کی تعبیر قیام رمضان کے ساتھ کرتے تھے۔

اب اس امر کی تحقیق بیان کرتا ہوں کہ قیام رمضان؛ یعنی تراویح میں کس قدر رکعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے تو روایات صحیحہ مذکور میں رکعت کی تعین نہیں آئی؛ لیکن ان روایات میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں زیادہ نماز پڑھنے میں بہت زیادہ محنت کرتے تھے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ رکعت نماز پڑھتے تھے اور مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن بیہقی میں حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت مذکور ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال: كان النبی اللہ صلی اللہ علیه وسلم یصلی فی شهر رمضان فی غیر جماعة بعشرین ركعة والوتر.(۱)

(یعنی حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بلا جماعت کے بیس رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور وتر پڑتے تھے۔)

یہ ترجمہ حدیث مذکور کا ہے، بیہقی نے اس روایت کی تضعیف کی ہے، اس بنا پر کہ اس حدیث کے راوی جد ابوبکر بن ابی شیبہ ہیں، حالانکہ ابوشیبہ کے نزدیک جد ابوبکر ابن ابی شیبہ میں اس قدر ضعف ثابت نہیں کہ ان کی حدیث مطلقا متروک کردی جائے، البتہ اگر اس حدیث کے معارض کوئی دوسری حدیث صحیح ہوتی تو وہ حدیث ساقط ہوسکتی اور اوپر بیان کیا گیا ہے کہ یہ جو بعض لوگوں کا گمان ہوتا ہے کہ اس حدیث کے معارض حدیث حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی ہے، جو ابوسلمہ ؓ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے اور وہ حدیث اوپر مذکور ہوئی ہے تو یہ گمان صحیح نہیں۔ درحقیقت یہ حدیث ابوسلمہ کی معارض نہیں تو وہ حدیث جس سے بیس رکعت تراویح کی نماز پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور جو اوپر مذکور ہے، صحیح وسالم ہے، قابل عمل ہے اور کیوں اس حدیث میں شبہ کیا جائے، حالانکہ فعل صحابہؓ

---

(۱) سنن البیهقی، كتاب الصلاة، باب ما روی فی عدد ركعات القیام: ۲/۲۲۲، رقم الحدیث: ٤٧٩٩، انیس

سے بھی اس حدیث کی تائید ہوتی ہے، چناں چہ علامہ بیہقی نے اپنی کتاب سنن بیہقی میں اسناد صحیحہ سے روایت کی ہے:

عن السائب بن يزيد رضى الله عنه قال: كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب رضى الله عنه فى شهر رمضان بعشرين ركعة.(۱)

وروى مالك فى المؤطا عن يزيد بن رومان قال: كان الناس يقومون فى زمان عمر بن الخطاب رضى الله عنه بثلاثة وعشرين وفى رواية بإحدىٰ عشرة.(۲)

(یعنی روایت ہے ثابت زیدؓ سے کہ کہا ثابت بن زیدؓ نے کہ لوگ نماز پڑھا کرتے تھے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان شریف میں بیس رکعت۔)

(اور روایت کی امام مالک نے مؤطا میں یزید بن رومان نے کہ لوگ نماز پڑھا کرتے تھے زمانہ میں حضرت عمرؓ کے تئیس رکعت اور ایک روایت میں گیارہ رکعت ہے۔)

اور علامہ بیہقی نے ان دونوں روایت میں اس طور پر تطبیق دی ہے کہ مشہور یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد آٹھ رکعت اور نماز وتر تین رکعت جملہ گیارہ رکعت نماز بوقت تہجد پڑھا کرتے تھے۔

تو اس خیال سے کہ تراویح اور تہجد یہ دونوں نماز رات میں پڑھی جاتی ہیں، صحابہ کرام پہلے آٹھ رکعت تراویح پڑھتے تھے تو پھر جب صحابہؓ کے نزدیک یقیناً ثابت ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان شریف میں اس سے زیادہ نماز پڑھتے تھے؛ یعنی تراویح کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیس رکعت پڑھتے تھے اور تراویح کی بیس رکعت ہونے پر صحابہؓ کا اجماع ثابت ہے تو یہ امر بھی ضروریات دین سے ہے کہ یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ تراویح کی نماز بیس رکعت ہے اور اسی پر عمل کرنا چاہیے اور اسی وجہ سے فقہاء کرام اس بارے میں نہایت تاکید کرتے ہیں کہ تراویح کی نماز بیس رکعت پڑھنا چاہیے اور اکثر ایسے امور شرعیہ ہیں کہ ان کے بارے میں جس قدر شرعاً ہے، وہ پہلے معلوم نہ تھی، وہ تاکید اجماع سے ثابت ہے اور اجماع بھی شرعی حجت ہے، چناں چہ اجماع کا منکر کافر ہے۔ علی الخصوص جس امر پر اجماع ہو اور وہ شعار اہل حق کا ہو جائے اور وہ امر اس کے لیے مابہ الامتیاز ہو جائے کہ جو شخص اس اجماع کے موافق عمل کرے، وہ اہل حق سے ہے اور جو شخص اس کے خلاف عمل کرے، وہ بدعتی ہے تو اس اجماع پر عمل کرنے کے بارے میں نہایت تاکید ہے، چناں چہ سنن رواتب پنج وقتی کی تاکید بھی جس قدر زمانہ صحابہ میں تھی، اس سے زیادہ تاکید روایات سے بعد زمانہ صحابہؓ

(۱) سنن البيهقى، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان، باب ما روى فى عدد ركعات القيام فى شهر رمضان: ۲/۴۹۶، رقم الحديث: ۴۳۹۳، انيس

(۲) سنن البيهقى، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان، باب ماروى فى عدد ركعات القيام فى شهر رمضان: ۲/۴۹۶، رقم الحديث: ۴۳۹۴، انيس

کے ثابت ہوئی اور یہ امر اس پر ظاہر ہے جس نے اس بارے میں روایات کی جستجو کی اور بیس رکعت تراویح کی نماز ہونے کے لیے اور بھی وجوہ ترجیح ہیں، من جملہ اس کے ایک وجہ یہ ہے کہ رمضان کے سوا دوسرے مہینہ میں صلوٰۃ اللیل کہ اس سے مراد تہجد مع وتر ہے، گیارہ رکعت ثابت ہیں تو رمضان کہ زیادہ عبادت کرنے کا مہینہ ہے، گویا وہ نماز چند کردی گئی۔

سنن رواتب پنج وقتی کی بھی تعداد رکعت اکثر شافعیہ کے نزدیک دس ہے اور اس کا دو چند بیس رکعات ہیں اور تین رکعت وتر کی اس میں ملانے سے تئیس رکعات ہوجاتی ہیں تو بیس رکعات تراویح اور تین نماز وتر جملہ تئیس رکعات ہوئیں۔

بہر حال اس مقام میں قاعدہ کلیہ پر لحاظ فرمانا چاہئے کہ جس وقت امور شرعیہ سے کسی امر پر اہل حل وعقد کا اجماع واتفاق ہوتا ہے تو اس امر کے بارے میں دلائل اور ماخذ طرق مختلفہ اور مسالک متعددہ سے اس وقت کے اہل عصر کے قلوب پر وارد ہوتا ہے اور باعتبار ہیئت اجماعی کے ان دلائل اور ماخذ سے اس امر کے حکم بارے میں تیقن، یا ظن غالب حاصل ہوجاتا ہے، اگر چہ دوسرے لوگ جو اس اجماع کے وقت حاضر نہ تھے، جب وہ لوگ اس امر کے ہر ہر ماخذ اور دلیل پر فرداً نظر کرتے ہیں تو ان لوگوں کو تیقن، یا ظن غالب نہیں ہوتا؛ لیکن ان کے حق میں دلیل ہونے کے لیے زمانہ سابق کا اجماع کافی ہے اور اس اصل سے اکثر مسائل نکلتے ہیں کہ اگر متاخرین چاہیں کہ اجماع کے سوا کوئی دوسری دلیل ان مسائل کے لیے ثابت کریں تو متحیر ہوجاتے ہیں اور اس پر ان کو یقین اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ ان کے نزدیک وہ دلائل بحیثیت اجتماعی مہیا نہیں ہوتے تو متاخرین کو چاہیے کہ اس امر میں اپنی رائے کو دخل نہ دیں؛ بلکہ اسی اجماع پر عمل کریں۔

امام مالکؒ سے جو منقول ہے کہ وتر کے سوا چھتیس رکعات پڑھنا چاہیے اور وہ کہتے ہیں کہ اہل مدینہ کا عمل اسی پر تھا تو اہل تاریخ نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ مکہ معظّمہ کے لوگ دو ترویحہ کے درمیان میں سات شوط طواف کرتے تھے تو چوں کہ مدینہ منورہ میں طواف تو ہو نہیں سکتا تھا۔ اس واسطے مدینہ منورہ کے لوگوں نے اختیار کیا کہ دو ترویحہ کے درمیان چار چار رکعت نماز پڑھتے تھے تو اس وجہ سے ان لوگوں کی مجموعی نماز چھتیس رکعت ہوجاتی تھیں اور مصنف ابن ابی شیبہ میں داؤد بن قیس سے روایت ہے کہ!

عن داؤد بن قيس قال: أدركت الناس بالمدينة في زمن عمر بن عبد العزيز وأبان بن عثمان يصلون ستة وثلاثين ركعة ويوترون بثلاث، انتهٰى. (۱)

(کہا داؤد بن قیس نے کہ میں نے پایا لوگوں کو مدینہ میں زمانے میں عمر بن عبدالعزیز اور ابان بن عثمان کے کہ وہ لوگ چھتیس رکعت نماز پڑھتے تھے۔ اور تین رکعت وتر کی نماز پڑھتے تھے۔)

یہ داؤد بن قیس کی روایت کا ترجمہ ہے اور ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ یہ زیادتی رکعتوں کی جو نوافل کے ملا دینے سے

---

(۱) مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، كم يصلي رمضان من ركعة: ۲/۳۹۳، رقم الحديث: ۷۷۷۱، انيس

ہوئی تو یہ امر عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں ہوا؛ یعنی جب وہ مدینہ منورہ میں امیر تھے تو ان کی امارت کے زمانے میں ایسا ہوا تھا، اس واسطے کہ اس وقت عبادت میں لوگوں کی رغبت بہت زیادہ ہوگئی تھی، جس قدر عبادت سابق سے ماثور ومنقول تھی، صرف اس قدر سے ان کو آسودگی نہ ہوتی تھی۔ واللہ اعلم (فتاویٰ عزیزی، ص:۴۸۶)

تراویح کا ثواب:

سوال: تراویح پڑھنے، پڑھانے کا کیا ثواب ودرجہ ہے؟

الجواب ــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

تراویح کا ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ درمختار میں ہے کہ!

(التراویح سنة)مؤکدة لمواظبة الخلفاء الراشدین.(۴۹۳/۲)(۱)

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح پڑھی، اس نماز کی فضیلت کے لیے یہ کافی ہے کہ ہمارے محبوب اور برگزیدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ادائیگی فرمائی اور ہم انہیں کے طریقہ پر چلتے ہوئے اسے ادا کرتے ہیں، اس کے علاوہ اس کے فضائل میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں، چناں چہ احادیث کی مختلف کتابوں مشکوۃ، ابوداؤد وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ!

عن أبی هريرة رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: ومن قام رمضان إيمانًا واحتسابًا غفرله ما تقدم من ذنبه". (۲)

(یعنی جس شخص نے رمضان میں قیام لیل کیا، تراویح پڑھی، اس کی فضیلتوں پر ایمان لاتے ہوئے اور صرف ثواب کے حصول کے لیے کوئی اور مقصد روزی کمانا، ریا وغیرہ نہ ہوتو اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کردئے جاتے ہیں۔) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری، ۱۴/۱۱/۱۴۰۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۴۵۶/۲)

روزہ اور تراویح کا آپس میں کیا تعلق ہے:

سوال: روزہ اور تراویح کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ کیا روزہ رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ تراویح پڑھی جائے؟

(۱) الدرالمختار. کتاب الصلاة،باب الوتر و النوافل: ۴۹۳/۲ ،مکتبة زکریا دیوبند،انیس

(۲) مشکوة المصابیح، کتاب الصوم،الفصل الأول: ۱۷۳/۱

وروی أبوداؤد بأسانید مختلفة،منها: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یرغب فی قیام رمضان من غیرأن یأمرهم بعزیمة،ثم یقول:من قام رمضان إیمانا واحتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه فتوفی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم والأمر علٰی ذلک،ثم کان الأمرعلٰی ذلک فی خلافة أبی بکررضی اللّٰه عنه،وصدرًا من خلافة عمررضی اللّٰه عنه.(السنن لأبی داؤد،تفریع أبواب شهر رمضان،باب فی قیام شهررمضان: ۲۵۹/۲ ،رقم الحدیث: ۱۳۷۱ ،دارالفکر بیروت،انیس)

الجواب

رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں دن کی عبادت روزہ ہے اور رات کی عبادت تراویح اور حدیث شریف میں دونوں کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، چناں چہ ارشاد ہے:

"جعل اللّٰه صيامه فريضةً وقيام ليله تطوعاً". (۱)

(اللہ تعالیٰ نے اس ماہ مبرک کے روزے کو فرض کیا ہے اور اس میں رات کے قیام کو نفلی عبادت بنایا ہے۔)

اس لیے دونوں عبادتیں کرنا ضروری ہیں، روزہ فرض ہے اور تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۶۱/۴)

تراویح کی ابتدا کہاں سے ہوئی:

سوال: تراویح کی ابتدا کہاں سے ہوئی؟ کیا بیس رکعت نماز تراویح پڑھنا ہی افضل ہے؟

الجواب

تراویح کی ابتدا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی؛ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اندیشہ سے کہ یہ فرض نہ ہو جائیں، تین دن سے زیادہ جماعت نہیں کرائی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرداً فرداً پڑھا کرتے تھے اور کبھی دو دو، چار چار آدمی جماعت کر لیتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے عام جماعت کا رواج ہوا اور اس وقت سے تراویح کی بیس ہی رکعات چلی آرہی ہیں اور بیس رکعات ہی سنت مؤکدہ ہیں۔ (۳) مزید تفصیل کے لیے: "نماز مسنون کلاں" تالیف: مولانا عبدالحمید سواتی ملاحظہ فرماویں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۶۱/۴)

تراویح کی بنیاد کس نے ڈالی:

سوال: تراویح کی بنیاد کس نے ڈالی؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تراویح پڑھی ہے؟

(۱) مشکوة، کتاب الصلاة، الفصل الثالث، ص: ۱۷۳، انیس

(۲) عن عبد الرحمن بن عوف عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: إن اللّٰه تبارک وتعالٰی فرض صیام رمضان وسننت لکم قیامه فمن صامه وقامه إیماناً وإحتساباً خرج من ذنوبه کیوم ولدته أمه. (سنن النسائی، کتاب الصیام، باب ثواب من قام رمضان إیماناً وإحتساباً: ۲۳۹/۱، أشرفیة دیوبند، انیس)

(۳) عن عائشة زوج النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم صلٰی فی المسجد فصلٰی بصلاته ناس ثم صلٰی من القابلة فکثر الناس ثم اجتمعوا من اللیلة الثالثة فلم یخرج إلیهم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فلما أصبح، قال: قد رأیت الذی صنعتم فلم یمنعنی من الخروج إلیکم إلا أنی خشیت أن تفرض علیکم وذلک فی رمضان. (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، أبواب شهر رمضان، باب قیام شهر رمضان: ۱۹۴/۱، ۱۹۵، أشرفی بکڈپو، رقم الحدیث: ۱۳۷۳ صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۱۲۹/ صحیح لمسلم، رقم الحدیث: ۷۶۱، انیس)

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنیاد ڈالی ہے اور پڑھی ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۲۵۴/۷)

تہجد وتراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے:

سوال: تہجد اور تراویح کا پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، یا نہیں؟ اگر ثابت ہے تو کتنی رکعت؟

الجواب ــــــــــــــــــ

تہجد کی نسبت آیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف اور غیر رمضان شریف میں گیارہ رکعت تہجد مع الوتر سے زیادہ نہ پڑھتے تھے؛ یعنی اکثر یہ عادت مبارکہ تھی،(۲) اور تراویح آپ نے تین رات پڑھی ہیں، پھر صحابہؓ نے آپؐ کے بعد اس پر مواظبت فرمائی، لہٰذا تراویح باجماعت سنت ہوگئی۔(۳)(والتفصیل فی المطولات) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۵۳/۴)

---

(۱) عن زيد بن ثابت رضى اللّٰه تعالىٰ عنه أن النبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم اتخذ حجرةً فى المسجد من حصير، فصلىٰ فيها ليالى، حتىٰ اجتمع عليه ناس، ثم فقدوا صوته ليلة، وظنوا أنه قد نام، فجعل بعضهم يتنحنح ليخرج إليهم، فقال: ما زال بكم الذى رأيت من صنيعكم، حتىٰ خشيت أن يكتب عليكم، ولو كتب عليكم ما قمتم به، فصلوا أيها الناس! فى بيوتكم، فإن أفضل صلاة المرء فى بيته إلا الصلاة المكتوبة". متفق عليه". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان، الفصل الأول، ص: ١١٤)

(فصلىٰ فيها): أى فى تلك الحجرة (ليالىٰ): أى من رمضان، (حتىٰ اجتمع): أى فكان يخرج –عليه السلام– منها، ويصلى بالجماعة فى الفرائض والتراويح، حتىٰ اجتمع (عليه ناس): أى وكثروا... (ثم فقدوا صوته ليلة) بأن دخل الحجرة بعد ما صلىٰ بهم الفريضة، ولم يخرج إليهم بعد ساعة للتراويح كما هو عادته، (وظنوا أنه قد نام، فجعل بعضهم يتنحنح... ليخرج): أى النبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم من الحجرة (إليهم) لصلاة التراويح بعد إن دخل فيها كما فى الليالى الماضية، (فقال ... ما زال بكم الذى رأيت... من صنيعكم) من شدة حرصكم فى إقامة صلاة التراويح بالجماعة ومن بيان للذى (حتىٰ خشيت أن يكتب): أى يفرض (عليكم): أى لو واظبت علىٰ اقامتها بالجماعة لفرضت عليكم (ولو كتب عليكم... ما قمتم به) ولم تطيقوه بالجماعة كلكم لعجزكم. وفيه بيان رأفته لامته، ودليل علىٰ أن التراويح سنة جماعة وإنفراداً، والأفضل فى عهدنا الجماعة لكسل الناس". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان، الفصل الأول: ٣ /٣٦٧ـ٣٦٨، رشيدية)

(۲) عن أبى سلمة بن عبد الرحمٰن رضى اللّٰه عنه أنه أخبره أنه سأل عائشة رضى اللّٰه عنها كيف كانت صلوٰة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فى رمضان؟ قالت: ماكان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم يزيد فى رمضان ولا فى غيره علىٰ إحدىٰ عشرة ركعةً يصلى أربعاً فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى أربعاً فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى ثلثا. (سنن النسائى، كتاب الصلاة، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب كيف الوتر بثلٰث: ١٩١/١)

(۳) عن أبى ذر رضى اللّٰه عنه قال: صمنا مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فلم يقم بنا شيئاً من الشهر ==

سورۂ تراویح، صحابہ سے ثابت ہے:

سوال: سورۂ تراویح کا موجد کون ہے؟ کیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، اس کے متعلق تشریح لکھئے؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

سورہ تراویح کا پڑھنا صحابہ سے ثابت ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۱/۹/۱۳۴۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۱۱)

وتر اور تراویح کا ثبوت:

سوال: ہمارے گاؤں میں کچھ اہل حدیث حضرات موجود ہیں، جو آئے دن نمازیوں میں واویلا کرتے رہتے ہیں کہ وتر اور تراویح کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں کہیں بھی بیس کا ذکر نہیں، بیس تراویح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ایجاد کردہ ہے، لہذا ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنا ضروری ہے، ہم نے آج تک بیس تراویح ہی پڑھی اور پڑھائی ہیں، جب کہ ہمارا دعویٰ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل احادیث نبویہ کے خلاف نہیں ہوسکتا؟

الجواب ــــــــــــــــ

اہل حدیث حضرات کے بعض مسائل شاذ ہیں، جن میں وہ پوری امت مسلمہ سے کٹ گئے ہیں، ان میں سے ایک تین طلاق کا مسئلہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے لے کر جمہور امت اور ائمہ اربعہ کا مسلک ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی؛(۲) لیکن شیعہ اور اہل حدیث کو اس مسئلے مسلمہ سے اختلاف ہے۔

== حتٰی بقی سبع فقام بنا حتٰی ذهب ثلث الليل فلما كانت السادسة لم يقم بنا فلما كانت الخامسة قام بنا حتٰی ذهب شطر الليل الآخر. (سنن الدارمی، باب فی فضل قيام شهر رمضان، رقم الحديث: ١٨١٨/سنن ابن ماجة، باب ماجاء فی قيام شهر رمضان، رقم الحديث: ١٣٢٧/سنن أبی داؤد، باب فی قيام شهر رمضان، رقم الحديث: ١٣٧٥/سنن الترمذی، باب ماجاء فی قيام شهر رمضان، رقم الحديث: ٨٠٦، انیس)

(التراويح سنة) مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين (للرجال والنساء) إجماعاً. (الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل مبحث صلاة التراويح: ١/٦٥٩، ظفير)

(۱) (التراويح سنة) مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين (للرجال والنساء) اجماعًا. (الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ٩٨/١، مكتبة زكريا ديوبند، انیس)

(۲) قوله ثلاثة متفرقة)... وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من أئمة المسلمين إلٰی أئمة المسلمين إلٰی أنه يقع ثلاث. (ردالمحتار، كتاب الطلاق، مطلب: طلاق الدور: ٤/٤٣٤، دار الكتب العلمية بيروت، انیس)

دوسرا مسئلہ بیس تراویح کا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے آج تک مساجد میں بیس تراویح پڑھی جارہی ہیں اور تمام ائمہ کم سے کم بیس تراویح پر متفق ہیں، جب کہ اہل حدیث کو اس سے اختلاف ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۱۶۳)

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کا حکم دیا:

سوال: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح کا حکم دیا؟

(سید نظام علی عابدی، قدیم ملک پیٹ)

الجواب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عن أبی هریر ة رضی اللّٰه عنه قال:قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:من صام رمضان وقامه إیمانًا واحتسابًا غفرله ما تقدم من ذنبه". (۲)

(جس نے رمضان کے روزے رکھا اور قیام رمضان کیا اخلاص کے ساتھ، اس کے پچھلے گناہ معاف کردئے جائیں گے۔)

یہاں قیام رمضان سے رمضان کی مخصوص نماز؛ یعنی تراویح مراد ہے، اس سے تراویح کی تاکید معلوم ہوتی ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام رمضان؛ یعنی تراویح کو صیام رمضان؛ یعنی روزہ کے ہم درجہ کی حیثیت سے ذکر فرمایا ہے، جب کہ روزے فرض ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ تراویح گو سنت ہے؛ لیکن شریعت میں یہ بہت ہی مؤکد اور مہتم بالشان عمل ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۰۶)

دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ میں کتنی رکعات تراویح پڑھنا ثابت ہے:

سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان المبارک میں عشا کی فرض نماز کے بعد باجماعت تروایح کتنی رکعت پڑھائیں، نیز خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں کتنی رکعت تراویح پڑھائیں، اسی طرح خلیفۂ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں کتنی رکعت تراویح پڑھائیں، اسی طرح خلیفۂ سوم و چہارم رضی اللہ عنہم نے اپنے زمانۂ خلافت میں کتنی کتنی رکعتیں پڑھائیں، علاوہ ازیں امام ابوحنیفہؒ

---

(۱) وأکثر أهل العلم علٰی ماروی عن علی وعمر وغیرهما من أصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم عشرین رکعة وهوقول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی و قال الشافعی :وهٰکذا أدرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة...إلخ .(جامع الترمذی،کتاب الصوم عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ۹۹/۱،باب ماجاء فی قیام شهر رمضان تحت رقم الحدیث:۸۰۶،طبع رشیدیة دهلی)

(۲) الجامع للترمذی،کتاب الصوم عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم،رقم الحدیث: ۶۸۳،باب ماجاء في فضل شهر رمضان،ص:۲۲۰،دارالفکر بیروت،انیس

رضی اللہ عنہ کتنی رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے اور ان کا اس بارے میں کیا فتوے ہے، براہ کرم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے کرام کا تعامل وحکم اور حضرت امام اعظم کا فتویٰ بالتفصیل ذکر فرمائیں؟

(المستفتی: عبدالرحمٰن۔ فورٹ ولیم کلکتہ ۲۰/ اکتوبر ۱۹۴۳ء)

الجواب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح باجماعت تین راتوں میں مروی ہے، (۱) تعداد رکعات میں بیس کی روایت بھی ہے اور آٹھ کی بھی، (۲) حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانۂ خلافت میں اور حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں کئی سال تک مسجد میں باقاعدہ تراویح کی جماعت کا اہتمام نہ ہوا، لوگ پڑھتے تھے؛ مگر یا تو تنہا تنہا، یا دو دو چار چار آدمی مل کر متعدد جماعتیں کر لیتے تھے، حضرت عمرؓ نے سب کو مل کر ایک جماعت سے تراویح پڑھنے کا حکم دیا اور صحابہ کرام نے اس سے اتفاق کیا اور حضرت ابی بن کعبؓ کی امامت میں ایک جماعت ہونے لگی، بیس رکعتیں وہ پڑھاتے تھے، (۳) ابتدا میں آٹھ رکعتیں پڑھانا بھی منقول ہے؛ مگر ائمہ مجتہدین میں سے کوئی بیس سے کم کا قائل نہیں، امام ابوحنیفہ کے نزدیک بیس رکعتیں مسنون ہیں اور بیس پر جمہور امت محمدیہ کا ہر زمانے میں عمل رہا ہے اور یہی تعداد راجح ہے۔ (۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۴۰۵/۳)

---

(۱) عن عروة أن عائشة رضی اللّٰہ عنها ... أخبرته أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ وعلیه وسلم خرج لیلة من جوف اللیل فصلی فی المسجد وصلی رجال بصلاته الحدیث. (آثار السنن، کتاب الصلاة، أبواب قیام شهر رمضان، باب فی جماعة التراویح، ص ۱۹۸، رقم الحدیث: ۷٦۷، مکتبة حقانیة، ملتان، انیس)

(۲) بیس رکعت تراویح کی دلیل حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

عن السائب بن یزید قال: کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنه فی شهر رمضان بعشرین رکعة. (آثار السنن، کتاب الصلاة، باب فی التراویح بعشرین رکعات: ۲۰۱، رقم الحدیث: ۷۷۸، حقانیة ملتان، انیس)

اور آٹھ رکعت کی دلیل حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ہے:

عن جابر بن عبد اللّٰہ قال: صلی بنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی شهر رمضان ثمان رکعات وأوتر. (آثار السنن، کتاب الصلاة، باب التراویح بثمان رکعات: ۲۰۰، رقم الحدیث: ۷۷٤، ط: حقانیة ملتان، انیس)

(۳) عن عبد الرحمن عبد القاری قال: خرجت مع عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنه لیلة فی رمضان إلی المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون، یصلی الرجل لنفسه ویصلی الرجل فیصلی بصلاته الرهط فقال عمر رضی اللّٰہ عنه: إنی أریٰ لو جمعت هٰؤلاء علی قاری واحد لکان أمثل ثم عزم فجمعهم علی أبی بن کعب ثم خرجت معه لیلة أخریٰ، والناس یصلون بصلاة... قارء هم، قال عمر رضی اللّٰہ عنه: "نعم البدعة هٰذه". (آثار السنن، کتاب الصلاة، أبواب قیام شهر رمضان، باب فی جماعة التراویح، ص: ۱۹۹، رقم الحدیث: ۷۷۱، مکتبة حقانیة، ملتان، انیس)

(۴) وهی عشرون رکعة إلخ (تنویر) هو قول الجمهور، وعلیه عمل الناس شرقًا وغربًا (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراویح: ۴۹۸/۲، ط: سعید)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں جونماز پڑھی وہ تراویح تھی:

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کی تین شبوں میں جو گیارہ رکعتیں نماز نفل باجماعت کبریٰ پڑھی تھی، یہ نماز تہجد تھی، یا غیر تہجد؟ اگر غیر تہجد تھی تو نماز تہجد کو جس کی ادائیگی پر بوجہ امتثال حکم الٰہی ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ﴾ اور ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ﴾ کے آپ کو مداومت حاصل تھی، بعد نماز مذکور کے آپ نے اس کو ادا فرمایا، یا نہیں؟ مفصل ومدلل تحریر فرمایئے؟

الجواب

محققین نے فرمایا کہ وہ نماز تراویح تھی اور چوں کہ نوافل میں تداخل ہوجاتا ہے اور ایک نماز دوسری کے قائم مقام ہوجاتی ہے؛ اس لیے اگر کسی شب میں تمام رات تراویح پڑھے تو تہجد بھی اس میں ادا ہوجاتا ہے، کما فی السنن وتحیۃ المسجد والوضوء اور تحقیق اس کی حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ محدث وفقیہ گنگوہیؒ نے رسالہ ''الرأی النجیح فی عدد التراویح'' میں مفصلاً فرمائی ہے اور تمام شبہات کا جواب مدلل اس میں لکھا ہے، اس کو دیکھ لیجئے، ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی شبہ ازراہِ انصاف باقی نہ رہے گا، ان کی تحقیق کا حاصل یہی ہے کہ تین دن جو جماعت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوافل پڑھے، وہ نماز تراویح تھی، نماز تہجد نہ تھی اور جملہ شبہات واردہ کا اس میں جواب احادیث وآثار سے دیا ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۸۵)

حدیث تراویح:

سوال: حدیث ابن خزیمہ اور ابن حبان نے جس کو اپنی صحیحین میں بروایت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ ''عن جابر بن عبد اللّٰه رضی الله عنه قال: صلی بنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی شهر رمضان ثمان رکعات وأوتر'' (الحدیث)(۲) نقل کیا ہے اور اگروہ غیر مقلدین اس کو اپنی حجت گردانتے ہیں تو اس حدیث کی اسناد پورے طور پر مع جرح وقدح تحریر فرماویں؟

الجواب

صحیح ابن خزیمہ وابن حبان یہاں موجود نہیں، جن میں ان کی سند کو دیکھا جائے، اس روایت کی توجیہ علمائے محققین نے ذکر کی ہے، وہ نقل کیے دیتا ہوں۔

(۱) نیز مسئلہ تراویح کے لیے پڑھئے ''رکعات تراویح'' مذیل شائع کردہ مدرسہ مفتاح العلوم مئو، ضلع اعظم گڈھ۔(ظفیر)

(۲) صحیح ابن حبان، ذکر الخبر الدال علی أن الوتر لیس بفرض، رقم الحدیث: ۲۴۰۹/صحیح ابن خزیمة، باب ذکر الأخبار المنصوصة والدالة علی أن الوتر لیس بفرض، رقم الحدیث: ۱۰۷۰، انیس)

فتح القدیر میں ہے:

وقدمنا فی باب النوافل عن أبی سلمة ابن عبدالرحمٰن: سألت عائشة کیف کانت صلاة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی رمضان، فقالت: ماکان یزید فی رمضان ولا غیرہ علٰی إحدٰی عشرة رکعةً. (الحدیث) (إلٰی أن قال): نعم ثبتت العشرون من زمن عمر، فی الموطأ عن یزید بن رومان قال: کان الناس یقومون فی زمن عمربن الخطاب بثلاث وعشرین رکعةً، وروی البیهقی فی المعرفة عن السائب بن یزید قال: کنا نقوم فی زمان عمربن الخطاب بعشرین رکعة والوتر، قال النووی فی الخلاصة: إسنادہ صحیح، إلخ. (۱)

پس معلوم ہوا کہ بیس رکعت تراویح سنت خلفائے راشدین ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین**". (۲) لہٰذا ضروری ہے کہ سنت خلفائے راشدین کو معمول بہا بنایا جائے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۹۲/۴-۲۹۳)

چنداحادیث کی تحقیق:

سوال: ہمارے ہاں تراویح کی تعداد میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے، بعض آٹھ رکعت کو سنت سمجھتے ہیں اور بعض بیس رکعت کو، فریقین جناب کے فیصلہ پر رضامندی ظاہر کی ہے، امید ہے کہ آپ مہربانی فرما کر امور مستفسرہ کا جواب لکھ کر ارسال فرمائیں گے؛ تاکہ یہ نزاع دور ہو اور آپ عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہوں۔

(۱) نماز تراویح آپ کی تحقیق میں بیس رکعت سنت ہے، یا آٹھ رکعت؟

(۲) حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا "**ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ**". (الحدیث) (۳)
آپ کی تحقیق تہجد کے بارے میں ہے، جیسا کہ شاہ عبدالعزیزؒ نے فتاویٰ میں لکھا ہے، یا تراویح کے بارے میں ہے۔

(۳) حدیث جابر رضی اللہ عنہ جس میں آٹھ رکعت نماز اور وتر کا ذکر ہے، جس مین عیسی بن جاریہ منکر الحدیث اور ضعیف راوی ہے، کیا آپ کی تحقیق میں صحیح ہے، یا ضعیف؟

(۴) حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما جس میں بیس رکعت تراویح کا ذکر ہے، کیا صحابی وتابعینؒ ودیگر ائمہ کا عمل اسے تقویت دیتا ہے، یا نہیں؟

(۵) حدیث سائب بن یزید رضی اللہ عنہ جس کو بیہقی نے اخراج کیا، جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے

---

(۱) فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب النوافل، فصل فی قیام رمضان: ۴۸۵/۱، دارالکتب العلمیة بیروت، انیس
(۲) سنن ابن ماجة، المقدمة باب اتباع سنة الخلفاء الراشدین المهدیین، ص: ۵، مکتبة البدر دیوبند، انیس
(۳) صحیح البخاری، باب فضل من قام رمضان، کتاب صلاة التراویح: ۲۶۹/۱، رقم الحدیث: ۱۹۶۸، مکتبة أشرفیة، انیس

زمانے میں بیس رکعت تراویح پڑھنے کا ذکر ہے، جس کو علامہ نووگؒ وغیرہ محدثین نے صحیح کہا ہے، آپ کی تحقیق میں صحیح ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۳۰۷، خادم العلماء ابو یوسف محمد شریف عفا اللہ عنہ، کوٹلی لوہار، ضلع سیال کوٹ، ۵ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ)

الجواب

(۱) تراویح کی بیس رکعت مسنون ہیں، میرے نزدیک یہی راجح ہے۔

(۲) حدیث عائشہؓ صلاۃ اللیل؛ یعنی تہجد کے ساتھ متعلق ہے۔

(۳) حدیث جابر رضی اللہ عنہ کو صحیح ابن حبان سے نقل کیا گیا ہے اور اس کو صحیح بتایا گیا ہے، میرے خیال میں متکلم فیہ ہے؛ یعنی اس کے صحیح ہونے میں کلام ہے، ابن حبان کے علاوہ اس کو طبرانی اور صحیح ابن خزیمہ اور قیام اللیل للمروزی کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے۔

(۴) حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ اگرچہ ضعیف ہے؛ مگر اس کی تائید دوسری روایات سے اور عمل امت سے ہوتی ہے۔

(۵) حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (اشرف برقی پریس، سیالکوٹ، مہر مدرسہ امینیہ اسلامیہ دارالافتاء دہلی)

الجواب کے پانچوں نمبر صحیح ہیں، جہاں تک مجھے یاد ہے کہ کچھ کمی بیشی نہیں ہے اور اب میں اس پورے جواب کی صحت کا التزام کرتا ہوں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۴۰۳-۴۰۴) ☆

☆ **تراویح کے بارے میں چند احادیث کا ثبوت:**

سوال: ہمارے یہاں تراویح کی تعداد میں اختلاف پیدا ہوگیا ہے، بعض آٹھ رکعت کو سنت سمجھتے ہیں اور بعض بیس رکعت کو فریقین نے جناب کے فیصلہ پر رضامندی ظاہر کی ہے، امید ہے کہ آپ امور مستفسرہ کا مختصر جواب ارسال فرما کر عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہوں گے۔

(۱) نماز تراویح آپ کی تحقیق میں بیس رکعت سنت ہے یا آٹھ رکعت۔

(۲) حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا "ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ". (الحدیث) (صحیح البخاری، کتاب صلاۃ التراویح، فضل من قام رمضان: ۲۶۹/۱، رقم الحدیث: ۱۹۶۸، مکتبۃ أشرفیۃ دیوبند، انیس)

آپ کی تحقیق میں تہجد کے بارے میں ہے، جیسا کہ شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے، یا تراویح کے بارے میں ہے؟ ==

== (۳) حدیث جابر رضی اللہ عنہ جس میں آٹھ رکعت نماز اور وتر کا ذکر ہے، جس میں عیسیٰ بن جاریہ منکر الحدیث اور ضعیف راوی ہے، آپ کی تحقیق میں صحیح ہے، یا ضعیف؟

(۴) حدیث ابن عباس جس میں بیس رکعت تراویح کا ذکر ہے، کیا صحابہ وتابعین ودیگر ائمہ کا عمل اسے تقویت دیتا ہے، یا نہیں؟

(۵) حدیث سائب بن یزید جس کو بیہقی نے اخراج کیا، جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس رکعت تراویح پڑھنے کا ذکر ہے، جس کو نووی وغیرہ محدثین نے صحیح کہا ہے، آپ کی تحقیق میں صحیح ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی:۱۱۷۴، ابو یوسف محمد شریف (ضلع سیالکوٹ) ۲۰/جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ ۸/ستمبر ۱۹۳۶ء)

الجواب

(۱) تراویح کی بیس رکعتیں مسنون ہیں، میرے نزدیک راجح یہی ہے۔(**وهی عشرون ركعة بعشر تسليمات فلو فعلها بتسليمة فإن قعد لكل شفعة صحت بلا كراهة "إلخ.**

وفی الشامية:وهو قول الجمهور،وعليه عمل الناس شرقاً وغربا.(ردالمحتار،كتاب الصلاة،،باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح:٢/٤٥،ط:سيعد)

(۲) حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا صلوٰۃ اللیل؛ یعنی تہجد کیساتھ متعلق ہے۔(**قال ابن حجر:وظهرلی أن الحكمة فی عدم الزيادة علیٰ إحدیٰ عشرة أن التهجد والوتر مختص بصلاة الليل وفرائض النهارالظهروهی أربع والعصروهی أربع والمغرب وهی ثلاث وترالنهارفناسب ان تكون صلاة الليل كصلاة النهارفی العدد جملة وتفصيلا.(فتح الباری شرح البخاری،كتاب الصلاة،باب كيف صلاة النبی صلی الله عليه وسلم وكم كان النبی صلی اللّٰه عليه وسلم يصلی من الليل:٤/٢٦-٢٧،ط:مصر)**

(۳) حدیث جابر رضی اللہ عنہ کو صحیح ابن حبان سے نقل کیا گیا ہے اور اس کو صحیح بتایا گیا ہے میرے خیال میں وہ متکلم فیہ ہے ابن حبان کے علاوہ اس کو طبرانی اور صحیح ابن خزیمہ اور قیام اللیل للمروزی کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے۔ (**رواه الطبرانی فی الصغيرومحمد بن نصر المروزی فی قيام الليل وابن خزيمة وابن حبان صحبحهما وفی إسناده لين(التعليق الحسن علی آثارالسنن،باب التراويح بثمان ركعات،ص:٢٠٢،ط:إمدادية،ملتان)**

(۴) حدیث ابن عباسؓ اگرچہ ضعیف ہے؛ مگر اس کی تائید دوسری روایات سے اور عمل امت سے ہوتی ہے۔ (**وهی كانت ضعيفة، لكنها تقویٰ حديث ابن عباس فلا شک فی كونه حسنا بل لايبعد أن يقال أنه صحيح لغيره.(التعليق الحسن علیٰ آثارالسنن،باب التراويح بثمان ركعات،ص:١٩٩،ط إمدادية،ملتان)**

(۵) سائب بن یزید کی روایت صحیح ہے۔(**عن السائب بن يزيد ثم ساقه:قلت:"رجال إسناده كلهم ثقات إلخ التعليق الحسن علیٰ آثارالسنن،كتاب الصلاة،أبواب قيام شهر رمضان،باب فی التراويح بعشرين ركعات،ص:٢٠٢، ط،إمدادية ،ملتان،حقانية ملتان،انيس)**

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی:۳/۳۹۸-۳۹۹) ==

ایک حدیث کی تحقیق:

سوال: ”عن ابن عباس قال كان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصلی فی شھر رمضان فی غیر جماعة بعشرین رکعة والوتر“. (البیھقی)(۱)

مندرجہ بالا حدیث کی تحقیق مطلوب ہے، صحیح ہے، یا ضعیف؟

(المستفتی: ۸۶۳، حافظ محمد شریف سیالکوٹ، ۲۲ر محرم ۱۳۵۵ھ، ۱۵ر اپریل ۱۹۳۶ء)

== سوال: عن جابر قال صلّی بنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی شھر رمضان ثمان رکعات أوتر. (آثار السنن، کتاب الصلاة، أبواب قیام شھر رمضان، باب التراویح بثمان رکعات: ۲۰۰، رقم الحدیث: ۷۷٤، حقانیة ملتان، انیس)

گزارش ہے کہ مندرجۂ بالا حدیث کی صحت یا عدم صحت تحریر فرما کر مشکور فرمائیں، اگر صحیح یا حسن ہو تو لفظ صحیح یا حسن لکھ دیں اور اگر ضعیف ہو تو ضعیف تحریر فرما دیں اور یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ ابن عباس والی روایت اور مذکورۂ بالا روایت میں سے کونسی اصح ہے؟

(المستفتی: ۹۷۴، بشیر احمد خاں (سیالکوٹ) ۱۳ر ربیع الاول ۱۳۵۵ھ ۴ر جون ۱۹۳۶ء)

الجواب

(از نائب مفتی صاحب) یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی تراویح کے بارے میں صحیح ہے، لہٰذا آٹھ رکعت تراویح تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت حقیقیہ ہے اور بیس رکعت تراویح بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی ہے؛ کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین. (ابن ماجة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدین المھدیین، ص: ٥، ط: میر محمد کتب خانہ کراچی)

اور اسی بیس رکعت تراویح پڑھنے کا قول وعمل جمہور علما کا شرقاً وغرباً ہے، اور اسی بیس رکعت کے پڑھنے میں آٹھ رکعت بھی پڑھی جاتی ہیں جو کہ بعینہٖ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت حقیقیہ ہے۔ فتاویٰ شامی میں ہے: (قوله وهی عشرون رکعة) هو قول الجمهور وعلیه عمل الناس شرقا وغربًا، إلخ. (مبحث صلاة التراويح: ۲/ ٤٥، ط: سعید) (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۲/ ٤٩٥-٤٩٦، مکتبة زکریا دیوبند، انیس) فقط واللہ اعلم

حبیب الرحمٰن عفی عنہ نائب مفتی (کفایت المفتی: ۳/ ۳۹۷)

سوال مثل بالا:

سوال: بندہ نے حضور سے ایک سوال کیا تھا جو کہ ۱۶ر اپریل ۱۹۳۶ء کو لکھا اور آپ کا نمبر: ۹۷۴ ہے، جواب پر آپ کے دستخط نہیں ہیں، لہٰذا دوبارہ آپ کو تکلیف دیتا ہوں، نائب مفتی صاحب نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو صحیح فرمایا ہے، آپ کی کیا رائے ہے؟

(المستفتی: ۱۰۱۵، بشیر احمد خاں (سیالکوٹ) ۲ر ربیع الثانی ۱۳۵۵ء م ۲۳ر جون ۱۹۳۶ء)

الجواب

(از نائب مفتی صاحب) حضرت جابر کی روایت کی تصحیح غلطی سے ہوگئی ہے، ہم کو معلوم نہیں کہ فتح الباری کے کس باب میں یہ حدیث ہے، آپ پورا پتہ تحریر کیجئے۔ (حبیب المرسلین عفی عنہ) حضرت جابر کی روایت منقولہ فی السوال فتح الباری میں کس باب میں ہے؟ پورا پتہ تحریر کیجئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/ ۳۹۷-۳۹۸)

(۱) السنن الکبریٰ للبیقھی، باب ماروی فی عدد رکعات القیام: ۲/ ۲۲۲، رقم الحدیث: ٤٧٩٩، انیس

الجواب

یہ حدیث"کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان فی غیر جماعۃ بعشرین رکعۃ والوتر" مصنف ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، بغوی، طبرانی، بیہقی کی طرف منسوب کی گئی ہے اور اس کو ضعیف کہا گیا ہے۔ (کذا فی مجموعۃ الفتاویٰ)(۱) مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین روز جماعت کے ساتھ بھی تراویح پڑھائی ہے اور وہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۳۹۶/۳)

حدیث تراویح کے متعلق سوال:

سوال: عن السائب بن یزید أن عمربن الخطاب: جمع الناس فی رمضان علٰی أبی بن کعب وعلٰی تمیم الداری علٰی إحدی وعشرین رکعۃ. قال ابن عبد البر: ھومحمول علٰی أن الواحدۃ للوتر. (۲)

یہ حدیث آپ نے بحوالہ عینی، جلد دوم صفحہ: ۳۵۷ تحریر فرمائی ہے، مہربانی فرما کر یہ بھی تحریر فرماویں کہ کون سی عینی میں ہے، عینی شرح ہدایہ میں، یا عینی شرح بخاری میں؟ اور کس چھاپہ کے صفحہ نمبر: ۳۵۷ پر ہے اور کس مسئلہ کے بیان میں ہے؟

الجواب

عن السائب بن یزید أن عمربن الخطاب جمع الناس فی رمضان علٰی أبی بن کعب وعلٰی تمیم الداری علٰی إحدٰی وعشرین رکعۃ، إلخ. قال ابن عبد البر: ھومحمول علٰی أن الواحدۃ للوتر. (۳)

---

(۱) قال ابن عباس: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی شھر رمضان فی غیرجماعۃ بعشرین رکعۃ والوتر (سنن البیھقی، باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شھر رمضان: ۲۲۲/۲، رقم الحدیث: ٤٧٩٩، انیس)

عن ابن عباس أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر. (مصنف ابن أبی شیۃ، باب کم یصلی فی رمضان من رکعۃ، رقم الحدیث: ٧٦٩٢/ المعجم الکبیر للطبرانی، مقسم عن ابن عباس، رقم الحدیث: ١٢١٠٢، انیس)

عن ابن عباس قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث. (المتخب من مسند عبد بن حمید، ت: صبحی، مسند ابن عباس رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث: ٦٥٣، انیس)

عن ابن عباس أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر. (المعجم الأوسط، من اسمہ أحمد، رقم الحدیث: ٧٩٨، انیس)

لکن سند ایں روایات ضعیف ست۔ (مجموعۃ الفتاویٰ علی ہامش خلاصۃ الفتاوی، کتاب الصلاۃ: ۱۱۴/۱، ط: امجد اکیڈمی، لاہور)

(۲) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، کتاب التراویح، فصل من قام رمضان: ٢٤٥/٨، مکتبۃ زکریا دیوبند، انیس

(۳) (کتاب صلاۃ التراویح، کتاب الصوم کے آخر میں ہے۔) (عمدۃ القاری شرح البخاری، الجلد الثامن، کتاب الصوم، کتاب التراویح، فصل من قام رمضان: ٢٤٥/٨، مکتبۃ زکریادیوبند، انیس)

مولوی عبدالحیٔ صاحب ''تحفۃ الاخیار،ص:۱۹۱،مطبوعہ یوسفی'' میں یوں نقل فرماتے ہیں:

قال ابن عبد البر فی شرح الموطأ:روی غیر مالک فی هذا الحدیث أحد وعشرون وهو الصحیح.فقط

محمد ابراہیم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۹۵-۲۹۶)(۱)

---

(۱) **ضمیمہ:** سائل نے سائب بن یزید کی روایت کے بارے میں مفتی صاحب قدس سرہ سے پوچھا ہے کہ یہ حدیث آپ نے بحوالۂ عینی تحریر فرمائی ہے،الخ۔

سائل کا اشارہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے جس فتویٰ کی طرف ہے،وہ ترتیب میں شامل ہونے سے رہ گیا ہے،چوں کہ وہ فتویٰ مفصل ومدلل ہے؛اس لیے رجسٹر ۱۳۳۴ھ،صفحہ:۵۰۲،نمبر سلسلہ:۱۶۳۴ سے وہ سوال وجواب ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

سوال: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو کئے رکعت تراویح پڑھنے،یا پڑھانے کا حکم دیا تھا؛یعنی انتظام کیا تھا؟ صحیح حدیث کا حوالہ دیں۔بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

حدیث مرفوع صحیح لذاتہ سے فقط دو امر ثابت ہیں:

اول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو تراویح کی ترغیب فرمایا کرتے تھے؛مگر اس حدیث میں کچھ عدد مذکور نہیں،جیسا کہ بخاری شریف میں ہے:

عن أبی هریرة رضی الله عنه قال:سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول لرمضان:''من قامه إیماناً واحتساباً غفر له ماتقدم من ذنبه''.(صحیح البخاری،کتاب الصوم،کتاب صلاة التراویح،باب فضل من قام رمضان:۲۶۹/۱،رقم الحدیث:۱۹٦٤،اشرفی بکڈپو،انیس)

یعنی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم فضیلتِ رمضان کی بابت فرماتے تھے کہ ''جو شخص فضیلتِ رمضان کا اذعان اور طلبِ آخرت کرتے ہوئے قیامِ رمضان کرے گا،اس کے سارے گذشتہ گناہوں کی مغفرت ہوجائے گی''۔قیامِ رمضان سے مراد صلاۃ تراویح ہے،جیسا کہ علامہ عینی نے کرمانی سے نقل کیا ہے۔

دوم یہ ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود تین دن صلاۃ تراویح کی جماعت کا اہتمام فرمایا،حتی کی لوگوں کو اور گھر والوں کو اور عورتوں کو جمع فرمایا،لیکن تین دن سے زائد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اہتمام نہ رکھا؛ بلکہ جماعت کی مداومت ترک فرمادی،جس کی وجہ خاص ہے۔

عن أبی ذر رضی الله عنه قال:''صمنا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فلم یقم بنا شیئاً من الشهر حتی بقی سبع فقام بنا حتٰی ذهب ثُلُث اللیل،فلما کانت السادسة لم یقم بنا،فلما کانت الخامسة قام بنا حتی ذهب شطر اللیل،فقلت :یا رسول الله !لو نفلتنا قیام هذه اللیلة،فقال:''إن الرجل إذا صلی مع الإمام حتی ینصرف حُسب له قیام لیلة''،فلما کانت الرابعة لم یقم بنا حتٰی بقی ثلث اللیل،فلما کانت الثالثة جمع أهله ونساء ه والناس فقام بنا حتٰی خشینا أن یفوتنا الفلاح،قلت:وما الفلاح ؟قال:السحور،ثم لم یقم بنا بقیة الشهر''.{رواه أبوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجة} (مشکوٰة،کتاب الصلاة،باب قیام شهر رمضان،الفصل الثانی،ص:۱۱٤)

اس حدیث سے صلاۃ تراویح کی سنیت بخوبی ثابت ہوتی ہے اور جماعت کا ثبوت بھی بوجہ احسن ہوتا ہے،اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عذر خاص کی وجہ سے جماعت پر مواظبت ترک فرمادی،جو احادیث میں صریحاً مذکور ہے؛مگر اس میں بھی مثل ماسبق رکعات کے عدد کچھ مذکور نہیں ہیں،ہاں اس کے لیے اور حدیث حسن لغیرہ اور آثار صحابہ بکثرت موجود ہیں۔ ==

حضرت ابن عباس اورحضرت جابر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی تحقیق:

سوال: بندہ کا بھائی بشیر احمد خاں آپ سے تراویح کے متعلق سوال کرکے جواب پاچکا ہے،آخری جواب آپ کی

== روى ابن أبي شيبة من حديث ابن عباس رضي الله عنهما:"أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي في رمضان عشرين ركعة الوتر". (مصنف ابن أبي شيبة،كتاب الصلاة،كم يصلي في رمضان من ركعة: ۳۹٤/۲،رقم الحديث: ۷۷۷٤،انيس)

اس حدیث سے صاف معلوم ہورہا ہے کہ صلاۃ تراویح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس رکعتیں پڑھی ہیں،ہاں اس میں شک نہیں ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے؛لیکن یہ کچھ مضر نہیں؛ کیوں کہ اس کے مؤیدآ ثار صحابۂ کرام بکثرت موجود ہیں اور یہ حدیث بالفرض چھوڑ بھی دی جائے توافعال واقوال صحابۂ کرام آپ کے قول وفعل کے مفسر بن سکتے ہیں اوروہ بکثرت موجود ہیں۔(مفتی علام قدس سرہ نے جن آ ثار کا حوالہ دیاہے،وہ یہ ہیں:)

(۱) عن شتيربن شكل أنه كان يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر.(مصنف ابن أبي شيبة،كتاب الصلاة،كم يصلي في رمضان من ركعة: ۳۹۳/۲،رقم الحديث: ۷۷٦۲،انيس)

(۲) عن أبي الحسناء، أن علياً :أمررجلاً يصلي بهم في رمضان عشرين ركعة.(المصدرالسابق،رقم الحديث: ۷۷٦۳،انيس)

(۳) عن يحيى بن سعيد، أن عمربن الخطاب: أمررجلاً يصلي بهم عشرين ركعة.(المصدر السابق،رقم الحديث: ۷۷٦٤،انيس)

(۴) عن عبد العزيزبن رفيع قال: كان أبي بن كعب يصلي بالناس في رمضان بالمدينة عشرين ركعة و يوتر بثلاث .(المصدرالسابق،رقم الحديث: ۷۷٦٦،انيس)

(۵) عن الحارث أنه كان يؤم الناس في رمضان بالليل بعشرين ركعة ويوتربثلاث ويقنت قبل الركوع. (المصدرالسابق،رقم الحديث: ۷۷٦۷،انيس)

(۶) عن أبي البختري أن كان يصلي خمس ترويحات في رمضان ويوتربثلاث.(المصدرالسابق،رقم الحديث: ۷۷٦۸،انيس)

(۷) عن عطاء قال:أدركت الناس وهم يصلون ثلا ثا وعشرين ركعة بالوتر.(المصدرالسابق،رقم الحديث: ۷۷۷۰،انيس)

(۸) عن سعيد بن عبيد أن علي بن ربيعة كان يصلي بهم في رمضان خمس ترويحات ويوتربثلاث. (المصدرالسابق،رقم الحديث: ۷۷۷۲،انيس)

آ ثار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم:

عن السائب بن يزيد رضي الله عنه قال: كانوا يقومون علٰى عهد عمربن الخطاب رضي الله عنه في شهر رمضان بعشرين ركعة.(آثارالسنن،كتاب الصلاة،أبواب قيام شهررمضان،باب في التراويح بعشرين ركعات، ص ۲۰۱،رقم الحديث: ۷۷۸،مكتبة حقانية ملتان،انيس) یہ اثرصریحاً اجماعِ صحابہ پردال ہے۔

عن أبي الحسناء أن علياً أمررجلاً يصلي بهم في رمضان عشرين ركعة.(مصنف ابن أبي شيبة،كتاب الصلاة كم يصلي في رمضان من ركعة: ۳۹۳/۲،رقم الحديث: ۷۷٦۳،انيس) ==

طرف سے مکمل نہیں ہوا اور آپ نے دریافت فرمایا ہے کہ حضرت جابر والی روایت فتح الباری میں کہاں ہے؟ چوں کہ بھائی صاحب وزیاپٹم گئے ہوئے ہیں، آج ان کا خط آیا تو اس میں تراویح کا ذکر تھا اور آپ کے متعلق بھی، لہذا دوبارہ عرض کرتا ہوں:

عن ابن عباس قال: كان النبی صلی اللّٰه عليه وسلم يصلی فی شهر رمضان فی غير جماعة بعشرين ركعة والوتر. (بيهقی)(۱)

عن جابر بن عبد اللّٰه رضی اللّٰه عنه قال صلىٰ بنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم فی شهر رمضان ثمان ركعات وأوتر. (۲)

(المستفتی: ۱۱۷۹، حافظ محمد شریف سیالکوٹ، ۲۲/ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ ۱۰/ستمبر ۱۹۳۶ء)

== وعن زيد بن وهب قال: كان عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه عنه يصلی لنا فی شهر رمضان فينصرف وعليه ليل، قال الأعمش: كان يصلی عشرين ركعة ويوتر بثلاث. (عمدة القاری شرح صحيح البخاری، كتاب الصوم، كتاب التراويح، باب فضل من قام رمضان: ۲٤٦/۸، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

الحاصل ان تمام آثار سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ تراویح مسنون ہے، اور بیس رکعت ہے اور سب سے بڑھ کر اور قوی دلیل تو یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت کا حکم دیا تو تمام صحابہ حاضرین وغائبین نے سکوت کیا، کسی سے انکار ثابت نہیں، یہ اجماع پر دال ہے اور "فعليكم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثانی، ص: ۳۰، فيصل بكڈپو، انيس)، "وأصحابی كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم" (عمدة القاری شرح صحيح البخاری، كتاب جزاء الصيد، باب الاغتسال للمحرم: ۱۰٤/۱٦، انيس) پر نظر رکھتے ہوئے کوئی مسلمان بشرط انصاف تراویح کی بیس رکعت کی سنت کا انکار نہیں کرسکتا، پس حق یہ ہے کہ بیس رکعت تراویح کی مسنون ہیں، جیسا کہ ترمذی نے اکثر اہل علم سے حکایت کیا ہے۔

وقال ابن حجر: أجمع الصحابة علىٰ أن التراويح عشرون ركعة، وقال ابن عبد البر: وهو قول جمهور العلماء.

اور وہ آثار جن میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو تراویح پڑھانے کا حکم دیا ہے، وہ یہ ہیں:

عن السائب بن يزيد أن عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنهما جمع الناس فی رمضان علىٰ أبی بن كعب وعلىٰ تميم الداری رضی اللّٰه عنهما علىٰ إحدى وعشرين ركعة، الخ.

قال ابن عبد البر: هو محمول علىٰ أن الواحدة للوتر. (عمدة القاری شرح صحيح البخاری، كتاب الصوم، كتاب التراويح، باب فضل من قام رمضان: ۲٤٥/۸، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما دونوں کو امام بنایا کہ لوگوں کو اکیس رکعت رمضان میں پڑھائیں، جس میں بیس تراویح ہیں اور ایک وتر، جیسا کہ ابن عبدالبر نے کہا ہے۔

سائب بن یزید کی اس روایت سے تراویح کی بیس رکعتیں ثابت ہوگئیں اور یہ مبحث سے خارج ہے کہ وتر کی کے رکعتیں ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کے بارہ میں گیارہ وتیرہ وغیرہ کی بھی روایتیں ہیں، جن کو شراحِ حدیث ابتداء زمانۂ عمر رضی اللہ عنہ پر محمول کرتے ہیں جب تک کہ اہتمام وانضباط تراویح کے متعلق ہوا تھا۔ فقط (ضمیمہ، ص: ۶/تا ۹، محمد امین)

(۱) السنن البيهقی، كتاب الصلاة، باب ما روی فی عدد ركعات القيام: ۲۲۲/۲، رقم الحديث: ۷٤۹۹، انيس

(۲) آثار السنن، كتاب الصلاة، باب التراويح بثمان ركعات، ص: ۲۰۰، رقم الحديث: ۷۷٤، حقانية ملتان، انيس

الجواب

حدیث ابن عباس جس کو ابوبکر ابن ابی شیبہ اور عبد بن حُمید اور بغوی اور طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے، ضعیف ہے۔ (کذا فی آثار السنن)(۱) اور حدیث جابر بن عبداللہ جس کو طبرانی اور مروزی اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے روایت کیا ہے، اس کی سند میں عیسیٰ بن جاریہ ایک روای ہے، جس کو ابوداؤد نے منکر الحدیث اور ابن معین نے عندہ مناکیر اور نسائی نے منکر الحدیث اور متروک بتایا ہے اور حافظ ابن حجر نے تقریب میں فیہ لین کہا ہے، البتہ خزاعی نے ابن حبان سے توثیق نقل کی ہے، اسی طرح ابوزرعہ سے یہ منقول ہے۔ (کذافی آثار السنن)(۲) اس بنا پر حدیث جابر کو بھی صحیح کے درجے میں نہیں سمجھا جا سکتا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳۹۹/۳)

ایک اشکال اور اس کا جواب:

سوال: گزارش ہے کہ آپ کا جواب: ۱۱۷۹، موصول ہوا، جواباً معروض ہے کہ جس حدیث کو جناب صحیح تحریر فرما چکے ہیں، اس کو دوبارہ نہ ضعیف اور نہ صحیح فرماتے ہیں، جب ایک دفعہ دارالافتاء سے ہمیں یہ الفاظ پہنچ چکے ہیں کہ ''یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی تراویح کے بارے میں صحیح ہے'' تو پھر کیا وجہ ہے کہ دوبارہ آپ البتہ سے کام چلانا چاہتے ہیں، اگر آپ فرمائیں کہ میرے دستخط نہیں تو اس کے متعلق غور سے سنئے گا، ہمارے مخاطب آپ، آپ کے نام ہمارا سلام کلام، آپ کا پتہ، پس دوسرا کون جو دخل در معقولات کرے، بالفرض اگر آپ نے مندرجۂ بالا حدیث کے بعض رواۃ کے متعلق کلام فرمایا ہے تو ہماری گزارش سن کر جواب مرحمت فرمائیں؟

اول آپ کا مندرجۂ بالا فتویٰ دوم حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری مطبوعۂ دہلی صفحہ:۴ میں اس امر کی تصریح فرمادی ہے کہ ہم جو حدیث فتح الباری میں ذکر کریں گے، اس شرط سے ذکر کریں گے کہ وہ حدیث یا تو صحیح ہوگی، یا حسن ہوگی، الفاظ ملاحظہ ہوں، بشرط الصحة او الحسن، سوم علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال جلد:۲/صفحہ:۲۸۰ میں اسی حدیث کو اسی سند سے نقل فرمایا ہے، جس سند سے امام محمد بن نضر نے روایت کیا ہے، فرق دونوں میں صرف اسی قدر

(۱) وقد أخرجه عبد بن حميد الكشي في مسنده والبغوي في معجمه والطبراني في معجمة الكبير والبيهقي في سننه كلهم من طريق أبي شيبة إبراهيم بن عثمان جد اللإمام أبي بكربن أبي شيبة، وهو ضعيف. (التعليق الحسن علىٰ آثار السنن، كتاب الصلاة، باب التراويح بعشرين ركعات ص: ۱۹۹، ط: إمدادية ملتان)

(۲) قال ابن معين: ''عنده مناكير'' وقال النسائي: ''منكر الحديث وجاء عنه متروك... وقال ابوداؤد: ''منكر الحديث'' وقال الحافظ ابن حجر: في التقريب'' فيه لين، إلخ. (التعليق الحسن علىٰ آثار السنن، كتاب الصلاة، باب التراويح بثمان ركعات، ص: ۲۰۲، ط، رقم الحديث: ۲۷۷، إمدادية ملتان)

ہے کہ اس سند میں بجائے محمد بن حمید کے جعفر بن حمید ہیں، اس کے بعد علامہ صالب نے اس کی سند کی نسبت فرمایا ہے: **إسناده وسط**، چہارم مولانا عبدالحیٔ لکھنوی نے موطا امام محمد کے حاشیہ ''**التعليق الممجد**'' میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی روایت تحریر فرما کر لکھا ہے: **هٰذا أصح**. (موطأ الإمام محمد، باب قيام رمضان)(۱)

(المستفتی: ۱۱۹۶، حافظ محمد شریف (سیالکوٹ) ۶/رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۳/ستمبر ۱۹۳۶ء)

الجواب

مدرسہ امینیہ کے دارالافتاء میں تمام استفتے میرے نام ہی آتے ہیں، میں جتنے فتووں کا جواب خود لکھ سکتا ہوں، لکھتا ہوں، باقی جواب نائب مفتی مولانا حبیب المرسلین صاحب لکھتے ہیں، یہ فتویٰ جس کا آپ ذکر کرتے ہیں، ان کا لکھا ہوا تھا، میں نے دیکھا بھی نہیں تھا، جب آپ کا دوسرا خط آیا تو میں نے ان سے دریافت کیا اور رجسٹر نقول پر اس کی نقل دیکھی اور حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی سند کی تحقیق کی تو یہ بات مجھے تحقیق سے معلوم ہوئی، جو میں نے آپ کو لکھ کر بھیج دی۔

حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی سند کے متعلق بے شک میزان الاعتدال میں یہ لفظ لکھا ہے: ''**إسناده وسط**''(۲) مگر ''**إسناده صحيح**'' تو نہیں لکھا اور حافظ ابن حجرؒ کے فتح الباری میں ذکر کرنے سے بھی صحت لازم نہیں؛ کیوں کہ وہ حدیث حسن بھی اس میں لا سکتے ہیں اور جب کہ اس کی سند میں ایک مجروح روای موجود ہے،(۳) تو صحت کا حکم مشکل ہے، مولانا عبدالحیٔ کے **هذا أصح** کہنے سے بھی لازم نہیں کہ فی حد ذاتہ بھی صحیح ہے: کیوں کہ اصح میں صحت اضافی مراد ہوتی ہے، ہاں! ابن حبان نے اس کو اپنے صحیح میں درج کیا، اس سے اتنا سمجھا جا سکتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہوگی، روای کے جرح وتعدیل میں اختلاف ہونے کی بنا پر حدیث کی صحت وضعف میں بھی یہ اختلاف ہو جاتا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۳/۴۰۰-۴۰۱)

کیا غیر رمضان میں تراویح، تہجد کی نماز کو کہا گیا ہے:

سوال: کیا غیر رمضان میں تراویح، تہجد کی نماز کو کہا گیا ہے؟ اور یہ کہ تہجد کی کتنی رکعتیں ہیں؟ قرآن وحدیث کے حوالے سے جواب دیجئے۔

---

(۱) موطأ الإمام محمد، باب قيام رمضان، ص: ۱۳۸، ط: مير محمد كتب خانه، كراچی

(۲) ميزان الإعتدال، عيسىٰ بن جارية الأنصاري: ۳/۳۱۱، دار المعرفة بيروت، انيس

(۳) وفي إسناده لين، قلت: ''مداره علىٰ عيسى بن جارية'' قال الذهبي: ''قال ابن معين: ''عنده مناكير'' وقال النسائي: ''منكر الحديث وجاء عنه متروك وقال أبوزرعة: ''لابأس به ... وقال أبوداؤد: ''منكر الحديث''، وقال الحافظ ابن حجر في التقريب: فيه لين، إلخ. (التعليق الحسن علىٰ آثار السنن، كتاب الصلاة، باب التراويح بثمان ركعات، ص: ۲۰۲، رقم الحديث: ۲۷۷، ط: امدادية)

الجواب

تہجد الگ نماز ہے، جوکہ رمضان اور غیر رمضان دونوں میں مسنون ہے، تراویح صرف رمضان مبارک کی عبادت ہے، تہجد اور تراویح کو ایک نماز نہیں کہا جاسکتا۔(۱) تہجد کی کم سے کم رکعات دو ہیں اور زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعات ہیں، اور درمیانہ درجہ چار رکعات ہیں؛ اس لیے آٹھ رکعتوں کو ترجیح دی گئی ہے،(۲) دس اور بارہ رکعات تک بھی ثبوت ملتا ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل:۱۶۲/۴)

نماز تراویح کی تفصیل:

سوال: نماز تراویح کی تفصیل بیان فرمایئے؟

الجواب

نماز تراویح کا بیان اکثر فقہاء کرام نے یہ لکھا ہے کہ نماز تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور بعض فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ نماز تراویح سنت حضرت عمرؓ کی ہے اور فتاوی میں اس مسئلہ میں بہت فروع ہیں اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے کہ وہ نماز تہجد کی تھی کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ایک مرتبہ جماعت کے ساتھ ادا کی اور بخاری میں تصریح ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں اور رمضان کے سوا دوسرے مہینوں میں رات میں بعض نماز عشاء کے گیارہ رکعت سے زیادہ نماز ادا نہیں کی، البتہ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے اور وہ حدیث بیہقی کے نزدیک ضعیف ہے کہ رمضان میں بیس رکعت نماز بھی ثابت ہے اور نہیں معلوم ہوتا کہ خلفاء راشدین نے یہ نماز پڑھی ہے؛ بلکہ روایت میں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا:

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: خیر الفتاویٰ:۵۷۷/۲-۵۷۸

(۲) أقل التهجد ركعتان وأوسطه أربع وأكثره ثمان. (ردالمحتار: ۲۵/۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب فى صلاة الليل: ٤٦٨/٢، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

أيضا وفى رواية: إن صلاته بالليل خمس عشرة ركعة، كما قال النووى فى شرح مسلم: فأكثره خمس عشرة بركعتى الفجر، آه.

وفى أخرىٰ سبع عشرة تردد فيهما المحدثون، روى ابن المبارك من حديث طاؤس مرسلاً: كان يصلى صلى الله عليه وسلم سبع عشرة ركعة من الليل، آه. أخرجه العراقى فى تخريج أحاديث الإحياء.

وفى التلخيص (ص: ١١٦) وفى حواشى المنذرى: قيل: أكثر ماروى فى صلاة الليل سبع عشرة وهى عدد ركعات اليوم والليلة، آه. (معارف السنن للعلامة البنورى، كتاب الصلاة: ١٣٣/٤، بيان أكثر صلاته بالليل وأقل ما ثبت، طبع المكتبة البنورية كراچى)

"نعمت البدعة هٰذه والتی ینامون عنها أفضل من التی یقومون فیها". (۱)

(یعنی: یہ کیا خوب بدعت ہے، جس سے غافل ہوکر تم سورہتے ہو، وہ بہتر ہے اس سے، جس کے لیے تم کھڑے ہوتے ہو۔) (فتاویٰ عزیزی، ص:۸۱-۸۲)

تراویح سنت رسول ہے، یا سنت خلفاء راشدین:

سوال: نماز تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایجاد ہے؟

الجواب

نماز تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت خلفائے راشدین ہے۔ (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۸۰/۴)

تراویح سنت ہے، یا واجب، یا نفل:

سوال: صلوٰۃ تراویح سنت مؤکدہ ہے، یا واجب، یا نفل؟

الجواب

قال فی الدر المختار: التراویح سنة مؤکدة لمواظبة الخلفاء الراشدین، إلخ. (۳)

(پس معلوم ہوا کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ظفیر) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۹۶/۴)

تراویح سنت ہے، یا مستحب:

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ تراویح سنت ہے اور بعض کہتے ہیں مستحب، میرے ایک دوست مرزا مبین بیگ

---

(۱) موطأ الإمام محمد، کتاب الصلاة، باب قیام شهر رمضان ومافیه من الفضل: ۱٤۱، أشرفی بکڈپو دیوبند، انیس

(۲) (التراویح سنة) مؤکدة لمواظبة الخلفاء الراشدین (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الواتر والنوافل، مبحث التراویح: ۹۸/۱، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

أی أکثرهم؛ لأن المواظبة علیها وقعت فی أثناء خلافة عمر رضی اللّٰه عنه ووافقه علٰی ذلک عامة الصحابة ومن بعدهم إلٰی یومنا هذا بلانکیر، وکیف لا، وقد ثبت عنه صلی اللّٰه علیه وسلم: "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضّوا علیها بالنواجذ"، کمارواه أبوداؤد، بحر. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث التراویح: ٤۹۳/۲، مکتبة زکریا دیوبند، ظفیر)

(۳) الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الوتروالنوافل، مبحث التراویح: ۹۸/۱، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

وفی الشامی: وکیف لا، وقد ثبت عنه صلی اللّٰه علیه وسلم: "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضّوًا علیها بالنواجذ"، کما رواه أبوداؤد. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الوتروالنوافل، مبحث صلاة التراویح: ٦٥۹/۱، ظفیر)

نے ایک کتاب دکھا کر ثابت کر دیا ہے کہ تراویح سنت ہے، جب کہ ۲۴ر نومبر کے مینارۂ نور میں درس حدیث کے تحت بیان کیا گیا کہ نماز تراویح نفل ہے، ان دو باتوں میں سے کون سی بات درست ہے؟ وضاحت کیجئے۔

(خواجہ نجم الدین، کریم نگر)

الجواب ــــــــــــــــــــــ

اہل سنت والجماعت کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ نماز تراویح اور اس کا جماعت سے ادا کرنا سنت موکدہ ہے:

"لاخلاف بين أهل السنة في سنية التراويح وأدائها بالجماعة سنة مؤكدة".(۱)

کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے بہ اہتمام نماز تراویح کا ادا کرنا ثابت ہے، البتہ تراویح انفرادی طور پر بھی سنت موکدہ ہے اور تراویح کی جماعت سنت موکدہ علی الکفایہ ہے کہ اگر کچھ لوگ مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرلیں اور باقی لوگ گھر میں تو تارک سنت نہیں ہوں گے اور اگر مسجد میں تراویح کی جماعت ہی نہیں ہوتی تو سب لوگوں کو ترک سنت کا گناہ ہوگا، جہاں تک تراویح کو نفل کہنے کی بات ہے تو یاد رکھنا چاہیے کہ بعض دفعہ نفل کہہ کر مستحب مراد لیا جاتا ہے اور بعض دفعہ ان تمام احکام کو نفل سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، جو واجب نہ ہوں، اس لحاظ سے سنت پر بھی نفل کا اطلاق ہوتا ہے، آپ نے جس عبارت کا حوالہ دیا ہے، اس میں نماز تراویح کو نفل کہنے کا مقصد یہی ہے۔

(کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۱۰-۴۱۱)

ہر ترویحہ ایک نماز ہے، یا مجموعہ تراویح ایک نماز ہے:

سوال: بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ہر نماز کے بعد دعا مانگنا ثابت ہے؛ اس لیے تراویح میں بھی ہر چار رکعت کے بعد دعا مانگ سکتے ہیں اور اسی طرح وتر کے بعد بھی اجتماعی دعا ہوسکتی ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

ہر نماز کے بعد دعا مانگنا درست ہے، مجموعہ تراویح بمنزلہ ایک ہے؛ اس لیے اس کے ختم پر دعا مانگتے ہیں، (۲) ہر چار

---

(۱) تقریر ترمذی، ص: ۲۴

(۲) وقول تعالىٰ: ﴿فإذا فرغت فانصب﴾... وقال قتادة: "فإذا عرغت من صلاتك فانصب إلىٰ ربك في الدعاء". (أحكام القرآن للجصاص، ومن سورة: الم نشرح: ۷۱۳/۳، قديمي كتب خانة)

وعن علي بن ابي طالب قال: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا سلم من الصلاة قال: "اللّٰهم اغفرلي ما قدمت وما أخرت وما أسررت وما أعلنت وما أسرفت، وما أنت أعلم به مني، أنت المقدم والمؤخر لا إلٰه إلا أنت".

(سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب ما يقول الرجل إذا سلم: ۲۱۹/۱، مكتبة امدادية ملتان/الصحيح لمسلم، باب الدعاء في صلاة الليل وقيامه، رقم الحديث: ۷۷۱، انيس)

رکعت پر بھی اختیار ہے کہ ذکر، دعا، درود، تلاوت جو چاہیں کریں، اجتماعی دعا کا اہتمام ثابت نہیں، اس سے احتیاط کریں۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۱۳۸۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۵۹/۷)

مرد وعورت پر تراویح کا سنت مؤکدہ ہونا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تراویح سنت کفایہ ہے، یا نہیں؟ درمختار میں ہے: تراویح سنت کفایہ ہے؟

الجواب

درمختار میں تراویح کا سنت کفایہ ہونا کہیں بھی مذکور نہیں، (۲) اس میں صاف لکھا ہے:

(التراويح سنة) مؤكدة للرجال والنساء إجماعًا. (۳) یہ صریح ہے سنت علی العین ہونے میں۔

۳۰/شوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص: ۹۰) (امداد الفتاویٰ جدید: ۴۹۰/۱)

تراویح مرد وعورت دونوں کے لیے سنت مؤکدہ ہے:

سوال (۱) تراویح مردوں کے لیے ہی سنت مؤکدہ ہے، یا عورت کے لیے بھی؟

(۲) ایک شخص نے ماہ رمضان میں فرض تنہا پڑھے تو کیا وہ وتر امام کے ساتھ باجماعت پڑھے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۰۳۹، ولی محمد (کاٹھیاواڑ) ۱۲/رمضان ۱۳۵۶ھ، ۱۷/نومبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

(۱) تراویح مردوں اور عورتوں سب کے لیے سنت مؤکدہ ہے؛ مگر عورتوں کے لیے جماعت سنت مؤکدہ نہیں۔ (۴)

(۲) جو شخص تراویح کی جماعت میں شریک ہوجائے وہ وتر کی جماعت میں بھی شریک ہوسکتا ہے۔ (۵)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۴۰۶/۳)

---

(۱) ويجلس) ندباً (بين كل أربعة بقدرها وكذا بين الخامسة والوتر) ويخيرون بين تسبيح وقراءة وسكوت وصلاة فرادیٰ. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۹۸/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) سائل کو دھوکہ ہوا ہے، درمختار میں تراویح کی ''جماعت'' کو سنت کفایہ لکھا ہے، نہ کہ ''تراویح'' کو۔ (سعید)

(۳) الدرالمختار مع الرد، باب الوتر و النوافل، مبحث التراويح: ۹۸/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۴) (التراويح سنة) مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين (للرجال والنساء) إجماعًا. (التنوير وشرحه، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۹۸/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۵) وكذا إذا لم يتابعه في التراويح لايتابعه في الوتر... إذا صلىٰ مع الإمام شيئًا من التراويح يصلي معه الوتر... وكذا إذ صلىٰ التراويح مع غيره له أن يصلي الوتر معه، وهو الصحيح، إلخ. (الحلبي الكبير، فصل في النوافل: ۳۰۵، دار الكتاب ديوبند، انيس)

عورتوں کے لیے بیس تراویح سنت مؤکدہ ہے:

سوال: عورتوں کے لیے رمضان المبارک میں تراویح کم سے کم کتنی رکعتین جائز ہیں، بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ بیس رکعت پوری پڑھی جائیں، ورنہ بالکل نہ پڑھیں، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصواب

عورتوں کے لیے بھی تراویح کی بیس رکعات سنت مؤکدہ ہیں، اگر طاقت نہ ہو بیٹھ کر پڑھیں، اگر اس کی بھی قدر نہ ہو تو جتنی پڑھ سکیں پڑھیں۔ **قال في العلائية: (التراويح سنة) مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين (للرجال والنساء) إجماعًا.** (۱)**فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم**

۲۰ر شعبان ۱۳۹۷ھ (احسن الفتاویٰ:۳/۵۲۵)

مسافر، مریض اور عورت کے لیے تراویح کا حکم:

سوال: جن لوگوں پر نماز تراویح واجب نہیں، مثلا مسافر، مریض، عورت اور غلام، اگر وہ تراویح پڑھ لیں تو کوئی کراہت تو نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصواب

تراویح مرد و عورت دونوں کے لیے سنت مؤکدہ ہے، مسافر اور مریض کو اگر تراویح پڑھنے میں کسی قسم کی تکلیف اور پریشانی نہ ہو تو پڑھنا افضل ہے۔

قال في العلائية: (التراويح سنة) مؤكدة لمواظبة الخلفاء الرشدين (للرجال والنساء) إجماعًا. (۲)

وأيضا فيها: (ويأتي) المسافر (بالسنن) إن كان (في حال أمن وقرار وإلا) بأن كان في خوف وفرار (لا) يأتي بها هو المختار؛ لأنه ترك للعذر تجنيس. (۳)**فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم**

۳ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ (احسن الفتاویٰ:۳/۵۲۲-۵۲۳)

سفر میں تراویح کا حکم:

سوال: سفر میں قصر تو لازم ہے ہی، تراویح بھی کیا ضروری پڑھنی پڑے گی، یا یہ بھی معاف ہوگی؟

(المستفتی: مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ١/٦٥٩، انيس

(۲) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ٢/٤٩٣، انيس

(۳) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ٢/٦١٣، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

الجواب

تراویح کی تاکید سفر میں نہیں رہتی، موقع ہوتو پڑھ لے بہتر ہے اور موقع نہ ہوتو ترک کردینا جائز ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی :۳/۴۰۴)

تراویح کی جماعت میں سنت عین کی فوقیت ہونا اور مصالح دینیہ کی بنا پر اس کی موافقت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین تراویح کے بابت تراویح کی جماعت سنت کفایہ ہے۔(از عالمگیری)

الجواب

واقعی ایک قول یہ بھی ہے؛ مگر دوسرا قول اس کے خلاف ہے۔(۲)

وقيل: إن الجماعة فيها (أى التراويح) سنة عين فمن صلاها وحده أساء وإن صليت فى المساجد وبه كان يفتي ظهير الدين. (۳)

اوراس وقت مصالح دین پر نظر کر کے اس پر فتویٰ ہونا چاہیے۔

۳۰/شوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ: ۹۰) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۴۹۰-۴۹۱)

تراویح میں سنت طریقہ سے مقتدی ناخوش ہوں تو کیا حکم ہے:

سوال: اگر کسی مسجد کے امام، یا نگراں کار وغیرہ سنت طریقہ پر تراویح، یا کوئی دیگر کام کرنا چاہتے ہیں؛ مگر مصلی اور محلّہ کے لوگ ناراض ہو جائیں تو ایسی صورت میں امام اور متولی ومنتظم مسجد وغیرہ کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامدًا ومصلياً

سنت طریقہ پر عمل کیا جائے خلاف سنت کاموں کو رواج نہ دیا جائے جو مصلی سنت پر عمل کرنے سے ناراض ہوں ان کو شفقت اور نرمی سے سمجھایا جائے کہ اس کام سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ناخوش ہوتے ہیں جو کہ مسلمان کے لئے کسی طرح زیبا نہیں، آپ کو ناراض کر کے قیامت میں کیسے شفاعت کی درخواست کرسکیں گے اور بغیر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کے کیسے نجات ملے گی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۱۳۸۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۲۷۵)

---

(۱) (ويأتي) المسافر (بالسنن) إن كان (في حال أمن وقرار وإلا) بأن كان في خوف وفرار لا يأتي بها هو المختار. (التنوير وشرحه، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۱، ط: سعيد)

(۲) والجماعة فيها سنة علىٰ الكفاية. (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۹۵، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۳) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۲/۴۹۵، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

ایک ختم کے بعد تراویح پڑھنا:

سوال: تراویح میں ایک قرآن ختم کر لینے کے بعد بقیہ ایام میں تراویح پڑھنا ضروری ہے، یا نہیں؟

الجواب

نفسِ تراویح کے مسنون ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض علما نفسِ تراویح کو بغیر قرآن کے مسنون نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ تراویح کا مسنون ہونا ختم قرآن کی وجہ سے ہے اور بعض علما نفس تراویح کو مستقل سنت اور قرأت قرآن، سماع قرآن کو سنت مستقلہ کہتے ہیں۔

لہٰذا پہلے قول کے مطابق ختم قرآن کے بعد تراویح کی سنت باقی نہیں رہی اور دوسری جماعت کے نزدیک ختم قرآن سے ایک سنت ادا ہوگئی اور ایک سنت تراویح کی آخر رمضان تک باقی ہے۔ صاحب فتاویٰ عالمگیریہ اور دوسرے فقہا نے قولِ ثانی کو اصح قرار دیا۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو: ۲۱۸-۲۱۹)

کیا سات روزہ تراویح جائز ہے، جب کہ تلفظ بھی صحیح نہیں ہوتا:

سوال: کیا پانچ روزہ، یا سات روزہ تراویح ابتدائے اسلام سے رائج ہے، یا ہم نے اپنی سہولت کے لیے اسلامی قدروں کو اپنی مرضی سے ڈھال لیا؟ جب کہ تلفظ اور صحیح ادائیگی نہایت ضروری ہے، یہاں یہ پتا نہیں چلتا کہ پیش امام صاحب کیا پڑھ رہے ہیں؟ بس قرآن ختم ہوگیا پانچ دنوں میں۔

الجواب

تراویح کی نماز پورے رمضان المبارک کی سنت مؤکدہ ہے، (۱) اور تراویح میں پورا قرآن کریم سننا ایک مستقل سنت ہے، (۲) جو حضرات پانچ یا سات دن میں قرآن مجید سن لیتے ہیں، وہ تراویح کی نماز سے فارغ نہیں ہوجاتے؛ بلکہ پورے رمضان تراویح ادا کرنا ان کے ذمے رہتا ہے۔ (۳)

---

(۱) ونفس التراويح سنة على الأعيان عندنا، كما روى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ. (الفتاویٰ الهندية: ۱/۱۱٦، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، طبع: رشيديه)

(۲) السنة في التراويح إنما هو الختم مرة فلا يترك لكسل القوم. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۷، انيس)

(۳) لو حصل الختم ليلة التاسع عشر أو الحادي والعشرين لا تترك التراويح في بقية الشهر لأنها سنة، كذا في الجوهرة النيرة: الأصح أنه يكره له الترك، كذا في السراج الوهاج. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۸، انيس)

تراویح میں قرآن سنانے کے لیے یہ شرط ہے کہ ایسا صاف پڑھا جائے کہ ایک ایک لفظ سمجھ میں آئے، جو لوگ اتنی تیز پڑھتے ہیں کہ کچھ پتا نہیں چلتا کہ کیا پڑھ رہے ہیں، وہ نہایت غلط کرتے ہیں، ان کا پڑھنا نہ پڑھنا برابر ہے؛ بلکہ اس طرح پڑھنا ثواب کے بجائے موجب وبال ہے۔(۱)(آپ کے مسائل اوران کا حل:۱۹۰/۴)

تراویح پڑھے اور دن میں روزہ نہ رکھ سکے تو کیا حکم ہے:

سوال: جس روز رات کو تراویح پڑھے اگر صبح کو روزہ نہ رکھے تو کیا حکم ہے؟

الجواب

اگر کوئی عذر ہے، مثلاً مرض، یا سفر ہے تو روزہ نہ رکھنا مباح ودرست ہے، کچھ گناہ نہیں اور بے عذر افطار کرنا رمضان کے روزہ کا گناہ کبیرہ ہے، جس کا بدلہ تمام عمر کے روزوں سے بھی نہیں ہوسکتا۔

كما ورد في الحديث: عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أفطر يوماً من رمضان من غير رخصة ولا مرض، لم يقض عنه صوم الدهر كله وإن صامه''. {رواه أحمد والترمذي وغيرهما}(۲)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۸۶/۴)

روزہ اور تراویح لازم وملزوم ہیں، یا نہیں:

سوال: نماز تراویح اور روزہ لازم وملزوم ہیں، یا نہیں؟ بے روزہ نماز تراویح ہرگز نہ پڑھے، یا پڑھ لے؟

الجواب

روزہ اور تراویح لازم وملزوم نہیں ہیں، اگر کوئی شخص عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے؛ لیکن وہ تراویح پڑھ سکتا ہے تو اس کو تراویح پڑھنا چاہیے۔

۲۱/ رمضان ۱۳۴۱ھ (امدادالاحکام:۲۳۵/۲)

---

(۱) ويكره الإسراع في القراءة وفي أداء الأركان. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱۱۸/۱، انیس)

قال أنس بن مالك: رب تال للقرآن والقرآن يلعنه. (إحياء علوم الدين، في ذم تلاوة الغافلين: ۲۷۴/۱، دارالمعرفة بيروت، انیس)

عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: إن من أحسن الناس صوتا بالقرآن الذي إذا سمعتموه يقرأ حسبتموه يخشى الله. (سنن ابن ماجة، باب في حسن الصوت بالقرآن، رقم الحديث: ۱۳۳۹، انیس)

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ –صلى الله عليه وسلم– قَالَ: الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَهُوَ مَاهِرٌ بِهِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِي يَقْرَؤُهُ وَهُوَ يَشْتَدُّ عَلَيْهِ فَلَهُ أَجْرَانِ. (سنن أبي داؤد، باب في ثواب قراءة القرآن، رقم الحديث: ۱۴۵۶، انیس)

(۲) مشكوة المصابيح، كتاب الصوم، باب تنزيه الصوم، الفصل الثاني: ۱۷۷، ظفير

جوشخص روزہ نہ رکھ پائے، اس کے لیے تراویح کا حکم:

سوال: میں بیمار ہونے کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ پاتا ہوں، ڈاکٹر نے مجھے روزہ رکھنے سے منع کیا ہے تو کیا میرے لیے تراویح کا پڑھنا سنت ہوگا؟ (محمد فیاض، گنٹور)

الجواب

روزہ مستقل عمل ہے اور نماز تراویح مستقل عمل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اس ماہ کے روزے فرض کئے گئے ہیں اور رات کا قیام؛ یعنی تراویح نفل''۔(۱)
معلوم ہوا کہ یہ دو مستقل عمل ہے، اگر کسی وجہ سے آدمی ایک عمل سے معذور ہو تو اس کی وجہ سے دوسرا عمل معاف نہیں ہوسکتا؛ اس لیے آپ کو تراویح ادا کرنی چاہیے، ورنہ ترک سنت کی وجہ سے عنداللہ جواب دہی ہوسکتی ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۳۹۳)

یہ کہنا غلط ہے کہ جو عذر شرعی کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے، وہ تراویح بھی نہ پڑھے:

سوال: زید کہتا ہے کہ جو لوگ بوجہ عذر شرعی کے روزہ نہیں رکھتے، وہ نماز تراویح ضرور پڑھیں، ان کو ثواب ضرور ہوگا۔ بکر کہتا ہے کہ شخص معذور، یا غیر معذور جو روزہ نہ رکھے، وہ تراویح بھی نہ پڑھے؛ بلکہ جو روزہ نہ رکھے، ایسے شخص کا تراویح پڑھنا الٹا عذاب ہے۔ ان دونوں میں کس کا قول صحیح ہے؟

الجواب

زید کا قول صحیح ہے، بکر غلط کہتا ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۷۱-۲۷۲)

جن بلاد میں رات، یا دن بہت بڑے ہوتے ہیں، وہاں نماز روزہ تراویح کے احکام:

سوال: ایک کالج کے طالب علم نے ایک بددین کا اعتراض مجھ سے نقل کیا کہ مسلمان کہتے ہیں کہ ہماری شریعت بمقتضائے ﴿وما أرسلناک إلا کافة للناس﴾ تمام انسانوں کے لیے ہے اور اگر ایسا ہوتا تو چاہیے تھا کہ جملہ مقامات کے انسانوں کے لیے اس میں احکام ہوتے؛ حالاں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ قطبین کے رہنے والوں کے لیے جہاں

---

(۱) عن سلمان الفارسي قال: خطبنا رسول الله صلى الله عليه و سلم في آخر يوم من شعبان فقال: يأيها الناس قد أظلكم شهر عظيم مبارک شهر فيه ليلة خير من ألف شهر جعل الله صيامه فريضة و قيام ليله تطوعا''، إلخ. (مشکٰوة المصابيح، كتاب الصوم، الفصل الثالث، ص: ۱۷۳)

(۲) تراویح کے لیے روزہ شرط نہیں ہے۔

(التراويح سنة) مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين (للرجال و النساء) إجماعاً. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل، مبحث صلاة التراويح: ۹۸/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

چھ چھ ماہ کا رات ودن ہوتا ہے، اس میں احکام نہیں، مثلا روزہ، ایسے مقام کے لوگ کیوں کر رکھیں، اگر چھ ماہ کا حکم دیا جائے تو ناممکن العمل اور اگر اس سے کم تو قرآن وحدیث میں صاحب مذہب سے کہیں منقول ہونا چاہیے تھا، میں نے اس کا جواب یہ دیا کہ قانون اکثری حالت کے تابع ہوتے ہیں اور چوں کہ قطبین پر اول تو آبادی کا ہونا ثابت نہیں اور اگر ہو بھی تو چوں کہ اکثر حصص زمین کی یہ حالت نہیں؛ اس لیے اکثری حالت کے موافق احکام مقرر ہوئے، رہا نادر اور مستثنیٰ صورتیں ان کے لیے قیاس کے ذریعہ سے خاص احکام مستنبط کر کے حکم دیا جا سکتا ہے، ہر جزئی کا حکم صراحت قرآن وحدیث میں ہونا ضروری نہیں؛ بلکہ کثیر الوقوع امور کا حکم صاحب شریعت سے منقول ہے، جو بمنزلہ اصول کے ہوسکتا ہے، جیسا کہ ان مقامات کے لیے جہاں کہ شفق تمام رات غائب نہیں ہوتی، (کتاب ہیئت کا دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ۲۲/مئی سے لے کر ۲۱/جولائی تک لندن کے افق سے ۱۸/درجے نیچے آفتاب نہیں جاتا، لہذا اتنے عرصہ تک تمام رات شفق باقی رہتی ہے، لندن کا عرض البلد ا/بٹے دو، ۵۱ درجہ ہے) بعض فقہا نے لکھا ہے کہ وہاں عشا کا وقت نہیں آتا اور ان سے عشا کی نماز ساقط ہے۔ بعض فقہا نے اختلاف بھی کیا ہے، ارض بلغار کے متعلق شامی نے بھی اس کا حکم لکھا ہے، میں نے یہ جواب تو دے دیا؛ لیکن روزہ کے متعلق عالمگیری میں تلاش کرنے سے بھی کوئی جزئی نہیں ملی؛ یعنی مثلا لندن کے لوگ کس وقت تک سحور کھا سکتے ہیں اور تراویح جو تابع عشا کے معلوم ہوتی ہے، ادا کریں، یا نہ کریں؟ کیا جواب والا کی نظر سے کوئی جزئی ایسے مقامات پر روزہ اور تراویح کے متعلق گزری ہے؟ یا قیاس کے موافق کیا حکم ہوسکتا ہے؟ نیز میرا جواب غلط، یا نامکمل تو نہیں ہے اگر ہو تو تصحیح وتکمیل فرمادیں، اگر کوئی دوسرا جواب ہوسکتا ہو تو وہ بھی تحریر فرمادیں، کتاب ہیئت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لندن میں سب سے بڑا دن ۱۶/ایک بٹے دو گھنٹہ کا اور سب سے چھوٹی رات ۴/ایک بٹے دو گھنٹہ کی ہوتی ہے، سینٹ پٹیر سبرگ دارالسلطنت روس ۶۰/درجہ شمال عرض البلد پر ہے، وہاں تقریبا ۱۹/گھنٹہ کا سب سے بڑا دن ہوتا ہے، اتنا طویل روزہ ذرا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ بریں بعض ایسے مقامات آباد بھی ہیں، جہاں سب سے بڑا دن ۲۴/گھنٹہ، یا اس سے زائد ہوتا ہے؛ یعنی آفتاب بغیر غروب کے حرکت رحوی کرتا نظر آتا ہے، چناں چہ ۶۵/درجہ ۵۴/دقیقہ عرض البلد شمالی پر سب سے بڑا دن ۲۴/گھنٹہ کا اور ۶۶ درجہ ۵۳ دقیقہ پر گرمیوں میں ۳۱/دن تک آفتاب غروب نہیں ہوتا؛ یعنی ایک دن ۳۱/دن کے برابر ہوتا ہے، وہاں روزہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب

آپ نے جو جواب دیا، بالکل کافی ومکمل ہے، تمام سلطنتوں کے قوانین کلیہ پر مقامی حکام کو احکام جزئیہ کی تفریع کرنی پڑتی ہے، جن میں سے بعض میں استنباط کی بھی حاجت ہوتی ہے اور وہ سب ان ہی کلیات کے تحت میں داخل اور ان قوانین کو ان کے لیے شامل سمجھا جاتا ہے، ان جزئیات مقامیہ کے مصرحاً مذکور فی کتب القانون نہ ہونے سے ان

مقامات کے خارج عن اثر السلطنت ہونے پر کوئی بھی استدلال نہیں کرتا، جب کہ اس سلطنت کا احاطہ دلیل صحیح سے ثابت ہواور اگر کوئی استدلال کرنے لگے تو محقق اس استدلال کو دلیل صحیح کے تابع بنادے گا، اسی طرح جب دلائل قطعیہ سے عموم بعثت معلوم ہے تو معارض کو دفع کریں گے، چناں چہ اشتمال مثال مذکور میں ہے، ایسا ہی اشتمال کلیات شرعیہ میں متحقق ہے، جس کی بنا پر فقہائے اسلام نے ان مقامات کے احکام سے تعرض بھی کیا ہے، گو اس وجہ سے کہ کسی نے کسی کلی میں داخل سمجھا اور کسی نے کسی میں باہم اختلاف بھی سمجھا؛ لیکن یہ اختلاف ہمارے لیے اصل مقصود میں قارح نہیں؛ کیوں کہ ان کلیات کی بنا پر حکم کرنے سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ شریعت محمدیہ نے ایسے کلیات مقرر کئے ہیں، جو ان مقامات کی ضرورتوں کو حاوی ہیں، گو وجہ تطبیق میں آرا مختلف ہوجاویں، جیسا ایک عدالت سے ایک حکم ایک قانون کی بنا پر ہوتا ہے اور عدالت اپیل سے دوسرے قانون کی بنا پر اس کے خلاف حکم ہوجاتا ہے، چناں چہ نماز سے فقہاء کا تعرض تو خود سوال ہی میں منقول ہے، رہا روزہ اگر بالخصوص اس سے تعرض بھی نہ ہوتا، تب بھی وہی دلائل نماز کے یہاں بھی باشتراک اصول روزہ کے لیے کافی ہوتے؛ لیکن فقہا نے اس پر کفایت نہیں کی؛ بلکہ روزہ سے؛ بلکہ اس کے علاوہ اور اعمال ومعاملات سے بھی تعرض تصریحاً فرمایا ہے۔

في ردالمحتارعن الرملي في شرح المنهاج:ويجري ذلک فيما لومكثت الشمس عند قوم مدة،آه.

وفيه عن إمداد الفتاح:قلت:وكذٰلک يقدر لجميع الآجال كالصوم والزكٰوة والحج والعدة وآجال البيع والسلم والإجارة وينظر ابتداء اليوم فيقدر كل فصل من الفصول الأربعة بحسب مايكون كل يوم من الزيادة والنقص،كذا في كتب الأئمة الشافعية ونحن نقول بمثله، إذا صل التقديرمقول به إجماعًا في الصلوات،آه. (۳۷۸/۱)(۱)

وفيه بعد نصف صفحة:لم أرمن تعرض عند نا لحكم صومهم فيما إذا كان يطلع الفجر عندهم كما تغيب الشمس أوبعده بزمان لايقدر فيه الصائم علىٰ أكل مايقيم بنيته ولايمكن أن يقال بوجوب موالاة الصوم عليهم؛لأنه يؤدى إلى الهلاک فإن قلنا بوجوب الصوم يلزم القول با لتقدير وهل يقدر ليلهم بأقرب البلاد إليهم كما قاله الشافعية هنا أيضًا أم يقدرلهم بما يسع الأكل والشرب أم يجب عليهم القضاء فقط دون الأداء كل محتمل فليتأمل ولايمكن القول هنا بعدم الوجوب أصلاً كالعشاء عند القائل به فيها؛لأن علة عدم الوجوب فيها عند القائل به عدم السبب وفي الصوم قدوجد السبب وهوشهودجزء من الشهر وطلوع فجر كل يوم هٰذا ما ظهرلي والله أعلم،آه. (۳۷۹/۱)(۲)

---

(۱) رد المحتار،مطلب في فاقد وقت العشاء كأهل بلغار:۲۲/۲-۲۳،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

(۲) رد المحتار،كتاب الصلاة،مطلب في طلوع الشمسمن من مغربها

اس تقریر سے اس (۱) اعتراض کا جواب تو ہوگیا۔ اب یہ بات کہ ہمارے فقہا کے اقوال میں کس کوکس پر ترجیح ہے؟ اس تحقیق پر اصل جواب موقوف نہیں، ہاں خود ایک مستقل تحقیق ہے، جس کی ضرورت مسلم کے لیے ہوگی، سو احوط نماز میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انداز کر کے سب نمازیں پڑھا کریں اور روزہ میں جو مقامات ایسے ہیں، جہاں بعض ازمنہ میں لیل شرعی نہیں ہوتی، رمضان میں روزہ رکھیں کہ شہود شہر پایا گیا اور چوں کہ افطار وسحر نہار شرعی میں واقع ہوا ہے، اس لیے شبہ کے دوسرے (۲) زمانہ میں قضا بھی کرلیں اور جہاں لیل شرعی ہوتی ہے، وہاں جس جگہ نہار کا طول بقدر تحمل صوم ہو اور فطرۃً ان کا تحمل ہم سے زائد ہوگا؛ **لأنهم معتادون بطول النهار وطول أكثر الأعمال فيه**، وہاں روزہ رکھیں اور ادا بھی ہوجاوے گا اور جہاں بقدر تحمل نہ ہو، وہاں انداز کر کے عدد پورا کریں اور بعد ادا اگر ایسے ایام مل جاویں، جس کا تحمل ہو سکے تو احتیاطا قضا بھی کرلیں اور اگر ایسے ایام نہ ملیں تو وہی انداز کے روزے کافی ہوجاویں گے۔

وفی ردالمحتار فی جواز فطر من لایقدر ثم قضاءه مانصه:

وقال الرملی: وفی جامع الفتاویٰ ولوضعف عن الصوم لاشتغاله بالمعيشة فله أن يفطر ويطعم لكل يوم نصف صاع، آه. أى إذا لم يدرك عدة من أيام أخر يمكنه الصوم فيها و إلاوجب عليه القضاء وعلٰى هٰذا الحصاد إذا لم يقدر عليه مع الصوم ويهلك الزرع بالتأخير لا شك فى جواز الفطر والقضاء إلٰى آخر ما قيده بما إذا كان عنده ما يكفيه وعياله لايحل له الفطر... وكذا لوخاف هلاك زرعه أوسرقته ولم يجد من يعمل له بأجرة المثل وهويقدر عليها. (۳)

۲۰ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ، ص: ۳۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۱/۵۰۱-۵۰۵)

جولوگ تراویح نہیں پڑھتے ہیں، ان کا حکم:

سوال (۱) مسلمان مسجد میں ختم تراویح، یا سورہ تراویح نہیں پڑھتے، اس سے گناہ ہوگا، یا نہیں؟

نمازتراویح مسجد میں ہونی چاہیے:

(۲) چوں کہ مسجد میں اس کا نظم نہیں ہے؛ اس لیے میں مکان ہی پر ادا کرلیتا ہوں، کیا یہ جائز ہے؟

---

(۱) یعنی بددین کے اعتراض کا جواب۔ سعید

(۲) کذا فی الاصل صحیح عبارت غالبا یوں ہوگی "اس لیے شبہ کے دفعیہ کے لیے دوسرے زمانہ میں، الخ۔ سعید

(۳) رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لايفسده، مطلب فى حديث التوسعة على القيام والاكتحال يوم عاشوراء: ۳/۱/۴۰، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) تراویح نہ پڑھنے سے لوگ ترک سنت کے گنہگار رہوں گے۔(۱)

(۲) آپ کو مسجد میں جا کر سورہ تراویح پڑھنی چاہیے؛ تاکہ دوسرے جو پڑھنا چاہیں، وہ شرکت کر سکیں۔(۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۸/۹/۱۳۷۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۱۱-۲۱۲)

تراویح کی جماعت مسجد میں سنت مؤکدہ ہے:

سوال: ایک مسجد تنگ ہے، صحن بھی بہت چھوٹا ہے؛ مگر مسجد سے ملحق خالی جگہ ہے، اگر گرمی کی وجہ سے مسجد کی بجائے اس خالی جگہ میں تراویح کی جماعت کر لی جائے تو کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

ہر محلّہ سے ایک مسجد میں تراویح کی جماعت سنت مؤکدہ ہے، لہٰذا اگر اس محلّہ کی کسی دوسری مسجد میں تراویح کی جماعت ہوتی ہو تو مسجد سے باہر جماعت کی گنجائش ہے؛ مگر فرائض کی جماعت بہر صورت مسجد میں ضروری ہے۔

قال ابن عابدين رحمه الله تحت قول صاحب التنوير (والجماعة فيها سنة على الكفاية): وهل المراد أنها سنة كفاية لأهل كل مسجد من البلدة أو مسجد واحد منها أو من المحلة، ظاهر كلام الشارح الأول واستظهر، ط، الثانی ويظهر لی الثالث لقول المنية: حتٰى لو ترك أهل محلة كلهم الجماعة فقد تركوا السنة وأساؤا، آه، وظاهر كلامهم هنا أن المسنون كفاية إقامتها بالجماعة فی المسجد حتٰى لو أقاموها جماعة فی بيوتهم ولم تقم فی المسجد أثم الكل. (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ محرم ۱۴۰۰ھ (احسن الفتاویٰ: ۳/۵۲۴)

مسجد سے باہر تراویح کی جماعت:

سوال: نماز تراویح مسجد چھوڑ کر مکان میں، یا کسی دوسری جگہ حافظ مقرر کر کے پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) (التراويح سنة) مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين (للرجال والنساء) اجماعًا. (الدر المختار علٰى هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التسبيح: ۲/۴۹۳، انيس)

(۲) (والجماعة فيها سنة على الكفاية) فی الأصح، فلو تركها أهل مسجد أثموا، لا لو ترك بعضهم، وكل ما شرع بجماعة فالمسجد فيه أفضل، قاله الحلبی". (الدر المختار علٰى هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۲/۴۹۵، انيس)

(۳) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۲/۴۹۵، انيس

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

فرائض مسجد کی جماعت کے ساتھ ادا کر کے صرف تراویح کی جماعت دوسری جگہ کرنا جائز ہے، بشرطیکہ محلّہ کی کسی مسجد میں بھی تراویح کی جماعت ہو، اگر محلّہ میں کسی مسجد میں بھی تراویح کی جماعت نہیں ہوئی تو سب گنہگار رہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱؍رمضان ۱۳۹۱ھ (احسن الفتاویٰ:۳؍۵۲۰)

گھر میں تراویح باجماعت ادا کرے اور مسجد نہ جائے تو کیا حکم ہے:

سوال: تراویح کی نماز گھر میں باجماعت ادا کرنا اور مسجد میں نہ جانا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ

اس صورت میں یہ حکم ہے کہ مسجد میں ادا کریں۔

وظاهر كلامهم هنا أن المسنون كفاية إقامتها بالجماعة فى المسجد حتٰى لو أقاموها جماعة فى بيوتهم ولم تقم فى المسجد أثِمَ الكل. (كذا فى الشامى: ٥٢١)(١) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴؍۲۵۱)

فرضِ عشا اور تراویح گھر میں جماعت سے ادا کرنا:

سوال: ایک شخص پابند صوم وصلوٰۃ ماہ رمضان المبارک میں اپنے گھر پر نماز تراویح کے اہتمام کے ساتھ بعض مجبوریوں کے تحت نماز عشا جماعت کے ساتھ گھر پر ہی ادا کر لیتا ہے؛ کیوں کہ عام طور پر مسجد سے گھر واپس آنے میں تراویح ساتھ پڑھنے والے نمازی مسجد میں رہ جارتے ہیں تو ایسی صورت میں کیا ایسے شخص پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث پاک جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گھر پر نماز پڑھنے والوں کے لیے ان کے گھروں میں آگ لگانے دینے کو فرمایا ہے، وعید عائد ہوتی ہے؟ اور فرض عشا گھر پر ادا کرنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

یہ وعید تو ایسے لوگوں کے حق میں ہے، جو لاپرواہی اور سستی کی وجہ سے جماعت کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔ صورتِ

---

(١) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح:١/٦٦٠، ظفير
لیکن اگر کوئی جماعت سے اس طرح پڑھے کہ مسجد کی جماعت بند نہ ہو تو یہ درست ہے، مگر یہ لوگ مسجد کی فضیلت سے محروم رہیں گے۔ ردالمحتار:۱؍۶۶۰ میں ہے:

وإن صلى أحد فى البيت بالجماعة لم ينالوا فضل جماعة المسجد. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ٢/ ٤٩٥، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

مسئولہ میں اگر کوئی مجبوری ایسی ہے، جس کی وجہ سے شریعت نے ترک جماعت کی اجازت دی ہے تو یہ شخص اس وعید میں داخل نہیں ہوگا، (۱) بغیر مجبوری کے جماعت مسجد کو ترک کر دینا بڑی محرومی ہے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۱۳۹۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۶۵/۷)

مسجدوں کو چھوڑ کر عیدگاہ میں نماز تراویح ادا کرنا:

سوال: ایک قصبہ ہے، چاروں طرف مسلم آبادی ہے، ہر محلّہ میں مسجد ہے، قصبہ کے درمیان عیدگاہ ہے، یہاں رمضان کے مہینہ میں ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ قصبہ کے بہت سے لوگ مسجدوں کو چھوڑ کر پنجوقتہ نماز اور تراویح اسی عیدگاہ میں پڑھتے ہیں، حالاں کہ اس کے قرب وجوار میں چار چھ مسجدیں موجود ہیں اور مسجدوں کی اذان انہیں اچھی طرح سنائی دیتی ہے، پھر بھی وہ لوگ مسجدوں کو چھوڑ کر کھلی عیدگاہ میں ہی پورے رمضان نماز پڑھتے ہیں، اگر بارش ہوتو مسجدوں کو چھوڑ کر بازو کے اسکول میں نماز ادا کرتے ہیں، ایسا کرنا کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

مسجدوں کو چھوڑ کر عیدگاہ میں پورے رمضان نماز ادا کرنا غلط طریقہ ہے، یہ مسجدوں کو ویران اور غیر آباد کرنا ہے، (۳) ایسا نہ کریں، سب اپنے اپنے محلّہ کی مسجدوں کو رمضان المبارک میں پنجگانہ اذان وجماعت سے آباد رکھیں۔ (۴) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۲۷۳/۷-۲۷۴)

---

(۱) (والجماعة سنة مؤكدة للرجال) قال الزاهدی: أرادوا بالتاكيد الوجوب، إلا في جمعة وعيد، فشرط... (علىٰ الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين علىٰ الصلاة بالجماعة من غير حرج... فلا تجب علىٰ مريض ومقعد وزمن ومقطوع يد ورجل من خلاف... ومفلوج وشيخ كبير عاجز وأعمىٰ، ولا علىٰ من حال بينه وبينها مطر وطين وبرد شديد وظلمة كذالک". (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۵۵۲/۱-۵۵۶، سعید)

(۲) قال العلامة الحلبی: "وان صلىٰ في بيته بالجماعة و لم ينا لوا فضل الجماعة في المسجد، وهٰكذا في المكتوبات): أي الفرائض لو صلىٰ جماعة في البيت علىٰ هيئة الجماعة في المسجد نالوا فضيلة الجماعة وهي المضاعفة بسبع وعشرين درجة، لٰكن لم ينالوا فضيلة الجماعة الكائنة في المسجد". (الحلبی الكبير، فصل في النوافل... التراويح، ص: ۳۴۸، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۳) قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد اللّٰه أن يذكر فيها اسمه وسعىٰ في خرابها، أولٰئک ما كان لهم أن يدخلوها الا خائفين﴾ ﴿وسعىٰ في خرابها﴾ أي هدمها وتعطيلها، وقال الواحدی: انه عطف تفسير؛ لان عمارتها بالعبادة فيها (أولٰئک) الظالمون المانعون الساعون في خرابها". (روح المعانی مبحث في (ومن أظلم ممن منع مساجد اللّٰه) الآية: ۳۶۴/۱، دار احياء التراث العربی بيروت)

(۴) (قوله: ومسجد حية أفضل من الجامع): أي الذي جماعته أكثر من مسجد الحي... بل في الخانية: لو لم يكن لمسجد منزله مؤذن، فإنه يذهب اليه ويؤذن فيه ويصلي ولو كان وحده؛ لأن له حقاً عليه فيؤديه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في أفضل المساجد: ۴۳۳/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

دکانوں میں تراویح پڑھنا کیسا ہے:

سوال: کسی بازار کے مصلی محض کاروبار کے نقصان کا اندیشہ خیال کرکے الگ الگ جماعت تراویح کریں، یہ فعل ان کا کیسا ہے؟

الجواب

نمازِ تراویح مسجد میں پڑھنا اور ختم تراویح مسجدوں میں سننا سنت ہے، بلا عذر مسجد میں نہ جانا اور دکانوں پر تراویح پڑھنا ترک سنت ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۶۹/۴)

میدان اور گھر میں تراویح:

سوال: ماہ رمضان المبارک میں مساجد کے علاوہ شادی خانہ، یا کسی کے مکان پر تراویح کا اہتمام کیا جارہا ہے، جس میں تین پارے، پانچ پارے بھی سنائے جاتے ہیں، کیا تراویح کی جماعت مسجد کو چھوڑ کر شادی خانہ، یا کسی کے گھر پر ادا کی جاسکتی ہے؟ (محمد عبدالسلیم، مشیرآباد)

الجواب

مساجد میں تراویح کا ادا کرنا سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے؛ یعنی اگر محلّہ کی مسجد میں تراویح کا اہتمام ہی نہ ہو پائے اور تمام لوگ اپنے اپنے گھروں میں، یا کسی میدان میں نماز ادا کرلیں تو سبھی حضرات تارک سنت سمجھے جائیں گے؛ لیکن اگر مسجد میں بھی تراویح ہورہی ہو اور کچھ لوگ اپنے گھر میں، یا کسی میدان میں تراویح کی جماعت کرلیں تو اس میں مضائقہ نہیں؛ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے لیے پوری روئے ارض کو نماز کی جگہ بنایا گیا ہے: ”جعلت لی الأرض مسجدًا وطهوراً“ (۲) یعنی پچھلی امتوں میں یہ حکم تھا کہ لوگ اپنی عبادت گاہ ہی میں نماز ادا کیا کریں؛ لیکن امت مسلمہ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ خصوصیت عطا فرمائی گئی کہ وہ روئے ارض پر کہیں بھی نماز ادا کرسکتے ہیں، تین پارے، پانچ پارے، یا چھ پارے پڑھنا شرکاءِ نماز کے نشاط پر موقوف ہے، اگر لوگ نشاط وتوجہ

---

(۱) (والجماعة فيها سنة على الكفاية)في الأصح فلو تركها أهل المسجد أثموا، لا لو ترك بعضهم وكل ماشرع بجماعة فالمسجد فيه أفضل. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۴۹۸/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

وإن صلى أحد في البيت بالجماعة لم ينالوا فضل جماعة المسجد. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۴۹۵/۲، ظفير)

(۲) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، رقم الحديث: ۴۳۸، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: جعلت لي الأرض مسجدًا وطهورًا.

کے ساتھ اتنے پارے پڑھ اور سن سکتے ہوں تو تراویح میں قرآن کی اس مقدار کا پڑھنا درست ہے، اگر قرآن کی زیادہ مقدار کی وجہ سے لوگوں میں بے توجہی اور سستی پیدا ہو جائے تو ایسے لوگوں کو کم مقدار والی تراویح میں شرکت کرنی چاہیے؛ کیوں کہ قرآن کے احترام کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے کم قرآن مجید سننا بے احترامی اور بے رغبتی کے ساتھ زیادہ قرآن مجید پڑھنے اور سننے کے مقابلہ میں بہتر ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/ ۴۱۱-۴۱۲) ☆

سخت گرمی کی وجہ سے خارج مسجد میں تراویح:

سوال: جس مسجد کا صحن مسجد میں داخل نہ ہو تو اگر سخت گرمی کی وجہ سے مصلی پریشان ہوتے ہوں تو اس صورت میں صحن مسجد میں تراویح پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور موجودہ صورت میں ثواب میں کسی قسم کی کمی تو نہ ہوگی؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

جو جگہ مسجد میں نہیں وہاں تراویح پڑھنے سے تراویح کی فضیلت تو حاصل ہو جائے گی؛ لیکن سنتِ کفایہ مسجد میں حاصل نہ ہوگی اور مسجد میں پڑھنے کا ستائیس درجہ ثواب ہے، وہ نہیں ملے گا۔ (کبیری)(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۹/۶۲ ۱۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/ ۲۶۶)

تراویح کس مسجد میں پڑھی جائے:

سوال: تراویح کس مسجد میں افضل ہے؟ آج کل بعض لوگ محلّہ کی مسجد چھوڑ کر دوسری مساجد میں تراویح پڑھتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ (سید زاہدہ فروین، یاقوت پورہ)

☆ **ملفوظات:**

(۱) جو مکروہ وقت میں نماز ہووے، اس کا اعادہ کرنا چاہیے، اگرچہ عصر کو بعد مغرب ہی پڑھے کہ جبر نقصان ہو جاتا ہے۔

(۲) امانت کو بلا اذن صرف کرنا خیانت ہے، گناہ ہوگا۔

(۳) جماعت کو چھوڑ کے دوسری مسجد میں کہ پوری نماز امام کے ساتھ ملے، ہرگز نہ جاوے کہ اعراض جماعت مسلمین سے ظاہر ہے اور دوسری جگہ کا ملنا محتمل اور اس مسجد کا حق تلف ہوتا ہے اور صورت تہمت و اعراض۔ (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۲۶)

(۱) قال العلامة الحلبی: ''وإن صلّٰی فی بیته بالجماعة ولم ینالوا فضل الجماعة فی المسجد، وهٰکذا فی المکتوبات): أی الفرائض لو صلّٰی جماعة فی البیت علٰی هیئة الجماعة فی المسجد نالو فضیلة الجماعة وهی المضاعفة بسبع وعشرین درجة، لٰکن لم ینالوا فضیلة الجماعة الکائنة فی المسجد''. (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل... التراویح، ص: ۴۰۲، سهیل اکیڈمی لاهور)

الجواب

نماز خواہ کوئی بھی ہو، مسجدِ محلّہ کا حق زیادہ ہے، البتہ اگر اس کے دوسری جگہ نماز پڑھنے کے باوجود محلّہ کی جماعت باقی رہے اور یہ مسجد جماعتِ تراویح سے محروم نہ ہو جائے، نیز اپنی کسی سہولت، یا امام کے زیادہ متقی اور اچھے ہونے، یا قرآن کے زیادہ حصہ کی تلاوت کرنے کی وجہ سے دوسری مسجد میں تراویح کی نماز ادا کرے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

(کتاب الفتاویٰ: ۲/ ۴۰۰)

محلّہ کے لوگوں سے کہنا کہ اپنی مسجد میں تراویح پڑھا کرو کیسا ہے:

سوال: جواب استفتا پہنچا، اس میں بڑی طوالت ہوگئی ہے اور مقدمہ عدالت میں دائر ہے اور لوگوں نے دوسری طرف سے ایک شہادت اس قسم کی دی ہے کہ میں نے اس سے کہا ہے کہ وہ جامع مسجد کی جماعت میں تراویح کے لیے شریک نہ ہو؛ بلکہ یہ محلّہ کی مسجد ہے، اس میں جماعت تراویح ہوتی ہے، اس میں قرآن پاک سنے، اگرچہ میں نے یہ الفاظ نہیں کہے؛ لیکن جب کہ حلفی شہادت ہوگئی ہے تو اس کو تسلیم کرتے ہوئے بھی مجھے ایک سوال کرنے کی ضرورت ہے کہ کسی شخص سے باستحقاق اہل محلّہ ایسا کہنے سے مسجد کے لیے ضرار کا حکم ہونا چاہیے؟

الجواب

درمختار میں ہے:

"ومسجد حيه أفضل من الجامع، إلخ". (۱)

اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ مسجد محلّہ اہل محلّہ کے حق میں جامع مسجد سے افضل ہے۔

اور شامی نے لکھا ہے:

"لأن له حقاً عليه فيؤديه". (۲) یعنی محلّہ والے پر مسجد محلّہ کا حق ہے، اس کو ادا کرنا چاہیے۔

پس اگر ایک محلّہ والے نے دوسرے محلّہ والے کو ایسا بھی کہا ہو کہ جامع مسجد کی جماعت تراویح میں شریک نہ ہو، محلّہ کی مسجد میں تراویح ہوتی ہے، اس میں شریک ہو اور قرآن شریف کو سنو تو یہ بات بے موقع نہیں ہے؛ بلکہ ایسا کہنا اچھا ہے اور ایسا ہی کہنے اور کرنے کا شریعت میں حکم ہے کہ محلّہ کو آباد کرنا چاہیے اور جماعت پنجگانہ اور جماعت تراویح وہاں قائم کرنا چاہیے اور دوسرے اہل محلّہ کو بھی اس کی ترغیب دینی چاہیے۔ پس مسجد ضرار کا حکم دینا مسجد مذکور کو بوجہ مذکور بالکل غلط ہے اور ایسا فتویٰ دینے والے کی جہالت اور عدم علم پر دال ہے، ایسا کلمہ مسجد کی نسبت کوئی جاہل بھی نہیں کہہ

(۱) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد: ۱/ ۹۳، مكتبة زكريا ديوبند، ظفير

سکتا، اللہ تعالیٰ ہدایت فرماوے اور مسلمانوں کو توفیق خیر واتفاق واصلاح فرماوے۔ (آمین) {إن أريد إلا الإصلاح وما توفيقي إلا بالله} فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۲۴۳-۲۴۴)

جامع مسجد میں تراویح کے باوجود بغل والی مسجد میں بھی تراویح درست ہے:

سوال: جب کہ جامع مسجد شہر میں ہمیشہ سے جماعت تراویح ہوتی چلی آئی ہو تو ایک دوسری مسجد میں جو جامع مسجد کے قریب ہے، جماعت تراویح قائم کرنا کیسا ہے، کیا اس دوسری مسجد کو ضرار کا حکم ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

اس دوسری مسجد میں جو کہ جامع مسجد سے قریب ہے، جماعت تراویح قائم کرنا طریق سنت کے موافق ہے، جماعت تراویح ہر ایک مسجد میں ہونا عمدہ ہے، موجب ثواب ہے۔ پس مسجد ضرار کا حکم دینا اس دوسری مسجد کو فتویٰ دینے والے کی جہالت اور عدم واقفیت ہے حکم شریعت سے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۲۴۲-۲۴۳)

تراویح میں قرآن پڑھے جانے کے دوران الگ سے ﴿الم ترکیف﴾ سے تراویح پڑھنا:

سوال: ایک مسجد میں تراویح میں باقاعدہ ختم قرآن ہوتا ہے اور بلا اجرت؛ لیکن اسی مسجد میں کچھ لوگ ﴿الم ترکیف﴾ سے تراویح پڑھتے ہیں، یہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

جب مسجد میں ایک حافظ صاحب قاعدے میں تراویح میں قرآن کریم سنا رہے ہیں تو ان کی تراویح کی موجودگی میں ﴿ألم تر كيف، الخ﴾ سے الگ تراویح بلا عذر نہ پڑھنی چاہیے۔

ہاں اگر کوئی عذر ہو تو اسے بالتفصیل لکھ کر مسئلہ دوبارہ معلوم کرلیں۔ واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عنہ، ۱۶/۹/۱۳۹۷ھ (فتاویٰ عثمانی: ۱/۵۱۰)

---

(۱) وهل المراد أنها سنة كفاية لأهل كل مسجد من البلدة أو مسجد واحد منها أومن المحلة ظاهر كلام الشارح الأول واستظهر الثاني ويظهر لي الثالث، إلخ. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۱/۶۶۰، ظفير)

عن السائب بن يزيد رضي الله عنه قال: كانوا يقومون على عهد عمربن الخطاب رضي الله عنه في شهر رمضان بعشرين ركعة. (سنن البيهقي، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان، باب ما روى في عدد ركعات القيام في شهر رمضان: ۲/۴۹۶، رقم الحديث: ۴۳۹۳، انيس)

عن يزيد بن رومان قال: كان الناس يقومون في زمان عمربن الخطاب رضي الله عنه بثلاثة وعشرين وفي رواية بإحدى عشرة. (سنن البيهقي، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان، باب ماروى في عدد ركعات القيام في شهر رمضان: ۲/۴۹۶، رقم الحديث: ۴۳۹۴، انيس)

ایک مسجد میں تراویح کی دوسری جماعت:

سوال: تراویح ووتر کی جماعت ہوگئی تو دوسری جماعت کریں، یانہیں؟

الجواب

دوبارہ اس مسجد میں نہ کریں۔(۱) فقط (فتاوی دارالعلوم دیوبند:۲۹۹/۴-۳۰۰)

جماعتِ ثانیہ تراویح کی ایک صورت:

سوال: ہمارے یہاں رمضان المبارک کے شروع سے یہ طریقہ ہورہا ہے کہ ایک قرآن شریف بعد نمازِ عشا تراویح میں سنا جارہا ہے اور سامع جو کلام مجید سنتا ہے، اپنی چار رکعت تراویح باقی رکھ لیتا ہے؛ یعنی امام کے ساتھ سولہ رکعت تراویح پڑھتا ہے، بقیہ چار رکعت تراویح اسی مسجد میں امام ہوکر جس میں ایک یا دو پارہ سناتا ہے پوری کرتے ہیں، مقتدی کُل تراویح بعد نماز عشا ختم کرلیتے ہیں، جو مقتدی سننے کے شائق ہیں، ان کو گھر جاکر جگانے کا اہتمام بھی ہوتا ہے، جو قریب ۱۴، ۱۵ کے ہوجاتے ہیں، ان مقتدیوں میں بعض کی نیت نفل نماز کی اور بعض کی تہجد کی ہوتی ہے، ایسی صورت میں یہ جماعت بلاکراہت جائز ہے، یانہیں؟ اگر نہیں تو اور کونسی صورت درست ہونے کی ہوسکتی ہے؟

الجواب

جیسا کہ وہ حافظ صاحب چار رکعت تراویح میں شامل نہیں ہوتے، اسی طرح وہ مقتدی بھی چار رکعت میں شامل نہیں ہوا کریں اور پھر چار رکعت جماعت سے پڑھ لیں، **کما ھو الظاھر**؛ لیکن احتیاطاً جگہ بدل دیں؛ یعنی جہاں پہلی جماعت ہوئی تھی، اس جگہ سے الگ پڑھ لیں، **کما سیأتي** اور پھر اس تراویح کی جماعت میں کچھ مقتدی نفل پڑھنے والے بھی شامل ہوجائیں تو مضائقہ نہیں؛ **لأنه اقتداء المتطوع بمن یصلي السنة وأنه جائز. إلخ.** (۱)(امداد الاحکام:۲۴۷/۲-۲۴۸)

---

(۱) دلیل اس کی یہ ہے کہ ایک ہی مسجد میں تراویح کی متعدد جماعتوں کی وہی نوعیت لوٹ آتی ہے، جس سے بچانے کے لیے خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے متفرق طور پر پڑھنے والوں کو ایک امام کی اقتدا پر جمع فرمایا تھا۔

عن عبد الرحمٰن بن عبد القادر قال: خرجت مع عمر بن الخطاب لیلة فی رمضان إلی المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون یصلي الرجل لنفسه ویصلي الرجل فیصلي بصلاته الرهط، فقال عمر: إني أریٰ لو جمعت هؤلاء علیٰ قارئ واحد لکان أمثل ثم عزم فجمعهم علیٰ أبي بن کعب". (الکبیری للحلبي، فصل في النوافل... التراویح، ص: ۳۴۷، دار الکتاب دیوبند، انیس)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی مسجد میں متعدد جماعتوں کا سلسلہ حسب ارشاد فاروقی طریق امثل کے خلاف ہے۔

وقال علیه الصلوٰة والسلام: "فعلیکم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین، تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ". (مشکوٰة المصابیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثاني، ص: ۳۰، فیصل، انیس)

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل في سنن صلاة التراویح: ۲۹۰/۱، دار الکتاب العربي بیروت، انیس

جماعت ثانیہ تراویح کی ایک صورت کا حکم:

سوال: یہاں پر تین چار سال سے متواتر رمضان شریف میں بعد نصف شب کے اس طرح سے قرآن شریف پڑھا جاتا ہے کہ امام جو بعد نصف شب کے قرآن شریف سناتا ہے، اول شب کی تراویح میں بجائے بیس رکعت کے ۱۶/رکعت پڑھتا ہے، چار رکعت تراویح میں بعد نصف شب قرآن شریف سناتا ہے؛ لیکن کل مقتدی تہجد کی نیت باندھتے ہیں، جن کی تعداد دس پندرہ کے قریب ہوتی ہے اور ان میں سے بعض بعض کو بلانا اور جگانا بھی پڑتا ہے؛ کیوں کہ اس جماعت میں جواز کی صورت تھی؛ اس لیے یہ عمل دوسرے قرآن شریف کا ثواب حاصل کرنے کے واسطے کیا جاتا تھا؛ کیوں کہ تنہا پڑھا نہیں جاتا، اگر ایسا نہ کیا تو اس ثواب سے محروم رہیں گے؛ لیکن اس کے ساتھ حسبِ ذیل مفسدات بھی نظر آتے ہیں، یہ جماعت اس نام سے موسوم ہے کہ (تہجد میں قرآن شریف ہوتا ہے) دوسری مسجد والوں نے ہماری جماعت دیکھ کر تہجد کی نوافل میں جماعت شروع کر دی، جو مکروہ تحریمی ہے، یہ غلط فہمی جماعت مذکورۂ بالا کی وجہ سے ہوئی۔ دوم ایک ہی مسجد میں ایک پوری جماعت تراویح کی ہوکر دوسری جماعت تراویح کی ہوئی اور مقتدیوں میں کوئی تراویح پڑھنے والا نہیں ہوتا، جو امور مختلف فیہ میں سے ہے۔ سوم جو مقتدی اخیر شب کو قرآن شریف سنتے ہیں، اور رات کو زیادہ جاگنے کے عادی نہیں ہیں، ان کو جگایا جاتا ہے، بعض کی صبح کی نماز، یا صرف جماعت جاتی رہتی ہے، ممکن ہے اس جماعت کی وجہ سے صبح کی نماز، یا جماعت فوت ہوئی ہو۔ چہارم قصداً بیس رکعت ایک ساتھ نہیں پڑھی؛ بلکہ سولہ رکعت اور چار رکعت کے درمیان وقفہ دیا گیا۔ پنجم جہاں تک خیال ہے سلف میں بھی ایسا عمل نہ ہوا ہوگا، ایسی صورتوں کا خیال کرتے ہوئے کہ مفسدات بھی نظر آتے ہیں اور پابندی کے ساتھ کئی سال سے جماعت ہو رہی ہے۔ جناب والا سے گذارش ہے کہ جناب ایسی جماعت کے واسطے اجازت دیتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب

قال الطحطاوی فی حاشیته علٰی مرافی الفلاح: وکره أن یؤم فی التراویح مرتین فی لیلة واحدة وعلیه الفتوی؛ لأن السنة لا تتکرر فی الوقت الواحد فتقع الثانیة نفلاً مضمرات بخلاف ما لو صلاها مأموماً مرتین حیث لایکره کما لو أم فیها ثم اقتدٰی بآخر فی تلک الصلاة وکما لو صلّی العشاء إمامًا أو مقتدیا ثم أقیمت ثانیاً فإنه لایکره له أن یدخل فیها ثانیًا بل یستحل له، آه. (ص: ۲۳۹) (۱)

یہ صورتِ عمل فی نفسہ تو جائز تھی، جیسا کہ عبارتِ مذکورہ سے معلوم ہوا؛ مگر ان مفاسد کے انضمام سے جو سوال میں

(۱) حاشیة الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة التراویح: ۴۱۲، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

ہیں کہ عوام اس کو جماعتِ تراویح نہیں؛ بلکہ جماعتِ تہجد سمجھتے ہیں اور دوسرے لوگوں نے اس کو دیکھ کر جماعت نوافل محضہ بھی شروع کردی، یہ قابلِ ترک؛ بلکہ واجب الترک ہے، **فإن المباح والمستحب إذا أدی إلٰی مفسدة یجب ترکه صرّح به الفقهاء قاطبة واللّٰه أعلم**

غرہ رمضان ۱۳۴۵ھ (امدادالاحکام: ۲/۲۴۹-۲۵۰)

کیاایک مسجد میں دومرتبہ تراویح کی جماعت مکروہ ہے:

سوال: ایک مسجد میں دومرتبہ تراویح کی جماعت مکروہ ہے؟

الجواب

تراویح کے تکرار فی المسجد کے متعلق کوئی جزئیہ نہیں ملا، دوسری جگہ تحقیق کرلیا جاوے، محض رکن الدین پر اعتماد نہ کیا جاوے، البتہ مزید احتیاط کی بنا پر جگہ بدل لیا کریں، تاکہ تکرار مکروہ ہونے کی صورت میں بھی کراہت مرتفع ہوجاوے، اور باوجود تبدیلِ ہیئت تکرار جماعت فرض تو مکروہ ہے؛ لیکن تراویح میں بنابر قول ابو یوسف رحمہ اللہ تبدل ہیئت سے تکرار مکروہ نہ رہے گا۔

عن أبی یوسف أنه إذا لم تکن الجماعة علی الهیئة الأولٰی لا تکره وإلا تکره وهو الصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الهیئة، کذا فی البزازیة، آه. (ردالمحتار: ۱/۵۷۸)(۱)

اورامام ابو یوسفؒ کا قول مذکور گو عام ہے؛ لیکن فرائض میں اس پر فتویٰ نہیں دیا جاتا اور تراویح میں فرائض سے توسع ہے؛ اس لیے تراویح میں اس پر عمل کی گنجائش ہے اور یہ کلام اس تکرار میں جو امام آخر اور مقتدین آخرین کے ساتھ ہو اور اگر پہلا امام اور پہلے مقتدی ہی تکرار کریں تو وہ مطلقاً مکروہ ہے، خواہ مسجد میں ہو، یا غیر مسجد میں ہو، صرح به فی البدائع۔ (۱/۲۰۹)(۱)

عبدالکریم عفی عنہ، ۸/رمضان ۱۳۴۴ھ، الجواب صحیح: ظفراحمد عفی عنہ۔ (امدادالاحکام: ۲/۲۴۸)

ایک مسجد میں تراویح کی دو جماعت، یا دواماموں کا مل کرتراویح پڑھانا:

سوال: ایک متوسط جامع مسجد جس میں دو حصے ہیں: اوپر، نیچے تو رمضان المبارک میں اوپر نیچے دونوں جگہ تراویح ہوسکتی ہے؛ یعنی ہر حصہ کے علاحدہ امام ہیں، دونوں ایک ہی مکتبۂ فکر کے ہیں تو ایسی صورت میں کیا اجازت ہے، جب کہ نیچے بہت جگہ ہے اور دونوں حافظوں کا کوئی سامع نہیں ہے تو یہ صورت مناسب ہے کہ ایک حافظ پڑھے اور دوسرا سنے، یا یہ صورت بہتر ہے کہ اوپر نیچے تراویح علاحدہ علاحدہ ہوجائے؟

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب فی تکرار الجماعة فی المسجد: ۲/۲۸۹، مکتبة زکریا، انیس

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

تراویح دو جگہ بھی ہوسکتی ہے، بشرطیکہ آوازوں میں ٹکراؤ نہ ہو؛ مگر اچھا یہی ہے کہ امام کے پیچھے سب پڑھیں اور دوسرے حافظ سامع کی حیثیت سے پیچھے رہیں؛ تاکہ اگر لقمہ دینے کی ضرورت پیش آئے تو آسانی رہے، پھر چاہیں ایسا کریں کہ ایک شب ایک امام صاحب تراویح پڑھائیں اور دوسری شب دوسرے امام صاحب تراویح پڑھائیں، یا ۸/رکعت ایک امام صاحب پڑھائیں اور بارہ رکعت دوسرے امام صاحب پڑھائیں؛ تاکہ دونوں کو سنانے کا موقع مل جائے اور جماعت بھی ایک ہی رہے، حرم شریف میں ایسا ہی کرتے ہیں کہ دو امام پڑھاتے ہیں:

وفی الخلاصة:"إذا صلى الترويحة الواحدة إمامان كل إمام ركعتين،اختلف المشايخ فيه والأصح أنه لايستحب ولكن كل ترويحة يؤديها إمام واحد". (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۲۷۳/۷)

ایک مسجد میں متعدد تراویح کا حکم:

سوال: ایک جامع مسجد کہ جس کا طول ۲۸/گز اور عرض ۲۱/گز ہے، اگر چاہیں کہ قرآن شریف دو جگہ مسجد مذکور میں دو حافظ بیچ تراویح کے پڑھیں اور درمیان میں کوئی آڑ روک ایسی کردی جائے کہ ایک دوسرے کی آواز سے حرج واقع نہ ہو، آیا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ

ایک مسجد میں دو جگہ تراویح پڑھنا بشرطیکہ از راہ نفسانیت نہ ہو اور ایک کا دوسرے سے حرج نہ ہو جائز ہے مگر افضل یہی ہے کہ ایک ہی امام کے ساتھ سب پڑھیں۔

فی البخاری عن عبدالرحمن بن عبد القاری أنه قال: خرجت مع عمر بن الخطاب ليلة فی رمضان إلى المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون يصلی الرجل لنفسه ويصلی الرجل فيصلی بصلاته الرهط،فقال عمر: إنی أرٰی لو جمعت هؤلاء علٰی قارئ واحد لكان أمثل ثم عزم فجمعهم علی أبی بن كعب. {الحديث} (المجلد الأول: ۲٦۹) (۲)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح متفرق پڑھنے والوں پر تشنیع نہیں فرمائی۔ (۳) پس

(۱) خلاصة الفتاوٰی، کتاب الصلاة،الفصل الثالث فی التراويح: ١٦٤/١،امجد اکیڈمی لاهور

(۲) صحيح البخاری، کتاب الصوم، کتاب صلاة التراويح،باب فضل من قام رمضان: ٢٦٩/١،رقم الحديث: ١٩٦٦، أشرفی بکڈپو دیوبند،انیس

(۳) اس استنباط میں تأمل ہے؛ کیوں کہ یہ حالت اس وقت کی تھی، جب کہ جماعت کا اہتمام نہ تھا اور وجہ عدم تشنیع کی بھی یہی عدم اہتمام تھا،==

معلوم ہوا کہ یہ جائز ہے اور ایک امام کے ساتھ پڑھنے کو افضل فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ افضل یہی ہے۔ واللہ اعلم

۲۴؍ذی الحجہ ۱۳۶۰ھ (امداد:۱؍۹۰) (امداد الفتاویٰ جدید:۱؍۴۶۹-۴۷۰)

ایک مسجد میں تراویح کی متعدد جماعتیں:

سوال: دومنزلہ مسجد کی ہر ایک منزل میں تراویح کی الگ جماعت کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ اور ایک ہی منزل میں مختلف جگہوں پر کچھ فاصلہ سے دوسری جماعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصواب

مسجد میں جماعت کا تعدد مکروہ ہے اور اس کا عموم جماعت تراویح کو بھی شامل ہے، لہذا یہ بھی مکروہ ہے، خواہ ایک ہی وقت میں تراویح کی متعدد جماعتیں ہوں، یا مختلف اوقات میں ہوں۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳؍محرم ۱۴۰۱ھ (احسن الفتاویٰ:۳؍۵۲۶)

ایک مسجد میں تراویح کی دو جماعتیں:

سوال: بعض مسجدوں میں بیک وقت تراویح کی دو جماعتیں ہوتی ہیں، ایک اوپر کی منزل میں اور ایک نیچے، یا ایک اندر اور ایک صحن میں، ایک جگہ زیادہ قرآن پڑھا جاتا ہے اور دوسری جگہ کم، کیا اس طرح تراویح کی ایک سے زیادہ جماعتیں درست ہیں؟ (محمد کبیر، شاہین نگر)

الجواب ــــــــــــــــــــ

نماز میں قرآن کی کتنی مقدار پڑھی گئی؟ اس سے زیادہ اہمیت اجتماعیت کو برقرار رکھنے کی ہے، کثرت جماعت سے مسلمانوں کی اجتماعیت کا اظہار ہوتا ہے، چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ابتداءً چھوٹی چھوٹی علاحدہ جماعتیں ہوا کرتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ کو ختم فرما کر ایک جماعت کردی اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو اس کا امام مقرر فرمایا۔ (۲) اسی طرح فقہاءؒ نے یکے بعد دیگرے بھی ایک مسجد میں تراویح کی دو جماعتوں کو مکروہ قرار دیا ہے:

== اس سے حکم مذکور کا استنباط مشکل ہے، بالخصوص ایسی حالت میں جب کہ اس سے وہ مقصود فوت ہوتا ہو، جس کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اہتمام فرمایا ہو۔ (تصحیح الاغلاط ص:۵)

(۱) ویکره تكرار الجماعة، إلخ. (الدر المختار على صدر رد المحتار، باب الإمامة، مطلب فى تكرار الجماعة فى المسجد: ۱؍۵۱۷، انیس)

(۲) دیکھئے: صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۰۱۰، باب فضل من قام رمضان، کتاب صلاة التراويح. محشی

”ولوصلى التراويح مرتين في مسجد واحد يكره“.(۱)

لہٰذا بیک وقت دو جماعتیں تو بدرجۂ اولی مکروہ ہوں گی۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۰۱-۴۰۲)

دومنزلہ مسجد میں بیک وقت نیچے اوپر تراویح کی نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک مسجد دومنزلہ ہے، جس میں بیک وقت ایک حافظ نیچے اور دوسرے حافظ اوپر نماز تراویح الگ الگ مقتدیوں کو لے کر پڑھاتے ہیں، اس طرح علاحدہ علاحدہ تراویح کا پڑھنا حفاظ کی کثرت کی وجہ سے ہوتا ہے، واضح ہو کہ نماز عشا سبھی ایک ہی ساتھ ایک امام کے پیچھے پڑھتے ہیں، کیا اس صورت میں کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

کتب فقہ میں یہ صراحت موجود ہے کہ جب کسی ایک مسجد کو دیوار وغیرہ کے ذریعہ پارٹیشن کر دیا جائے تو ہر ایک حصہ میں الگ، الگ جماعت کرنا شرعاً جائز و درست ہے۔

”أهل المحلة قسّموا المسجد وضربوا فيه حائطًا ولكل منهم إمام علٰى حدة ومؤذنهم واحد لابأس به والأولٰى أن يكون لكل طائفة مؤذن كما يجوز؛لأهل المحلة أن يجعلوا المسجد الواحد مسجدين فلهم أن يجعلوا المسجدين واحدًا لإقامة الجماعة أما للتذكير أو للتدريس فلا،لأنه ما بنى له وإن جاز فيه.(۲)

جب ایک مسجد میں پارٹیشن کر دینے کی وجہ سے دو جماعت شرعاً جائز و درست ہے تو ایک ہی مسجد میں ضرورۃً نیچے اور اوپر تراویح کی نماز دو جماعت کے ساتھ پڑھنا یقیناً جائز و درست ہوگا، نیز کسی محلّہ کی مسجد میں دوبارہ جماعت کرنا اس لیے مکروہ وممنوع ہے کہ پہلی جماعت کی اہمیت نہ رہ جائے گی اور مقتدیوں کی تعداد کم ہو جائے گی۔

وروی عن أنس أن أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كانوا إذا فاتتهم الجماعة فى المسجد صلّوا فى المسجد فرادٰى،ولأن التكرار يؤدى إلى تقليل الجماعة؛لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة يتعجلون فتكثروإلا تأخروا.(۳)

یہ بات صورت مسئولہ میں نہیں پائی جارہی ہے؛ اس لیے کہ یہاں پر حفاظ کی کثرت کی وجہ سے دو جماعت دومنزلوں میں ہورہی ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں جب کہ حفاظ کی کثرت ہے اور مقصد یہ ہے کہ دومنزلوں میں دو جماعت ہو؛ تاکہ زیادہ سے زیادہ حفاظ کو تراویح کی نماز پڑھانے کا موقع ملے اور وہ اپنے قرآن کو یاد رکھ سکیں، نیز

(۱) الفتاوى قاضي خان علٰى هامش الفتاوى الهندية، كتاب الصوم،باب التراويح: ۲۳٤/۱،مكتبة زكريا،انيس

(۲) البحر الرائق،كتاب الوقف،فصل فى أحكام المساجد: ٤١٩/٥،دارالكتب العلمية بيروت،انيس

(۳) ردالمحتار،كتاب الصلاة،مطلب فى المؤذن إذا كان غير مستحب فى أذانه: ٦٠/٢،مكتبة زكريا،انيس

دو جماعت سے ایک دوسرے کی نماز میں کوئی خلل بھی نہیں ہے تو مذکورہ مقصد کے تحت ایک مسجد کی دومنزلوں میں الگ الگ تراویح کی نماز باجماعت ادا کرنا شرعاً جائز ودرست ہے، البتہ چوں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ لوگ علاحدہ علاحدہ نماز تراویح ادا کررہے ہیں تو انہوں نے صحابہ کے مشورہ سے ایک ہی حافظ کے پیچھے سبھی کو نماز پڑھنے کا حکم دیا اور سبھوں کو ایک امام پر جمع کردیا، سبھی حضرات ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھنے لگے، اس لئے حضرت عمر فاروق ؓ کے اس عمل کی پیروی کرتے ہوئے افضل وبہتر یہی ہے کہ ایک مسجد میں ایک ہی حافظ کے پیچھے سبھی لوگ نماز تراویح ادا کریں، دو جماعت نہ کی جائے۔

"عن عبد الرحمن بن عبد القاری أنه قال: خرجت مع عمر بن الخطاب لیلة فی رمضان إلی المسجد، فإذا الناس أوزاع متفرقون یصلّی الرجل لنفسه ویصلی الرجل فیصلّی بصلاته الرهط، فقال عمر: إنی أریٰ لو جمعت هؤلاء علیٰ قارئ واحد لکان أمثل، ثم عزم، فجمعهم علی أبی بن کعب". (۱) فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۴/۲/۱۴۱۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/ ۴۶۴-۴۶۶)

ایک ہی مسجد میں تراویح کی تین جماعتیں:

سوال: شہر نظام آباد کی ایک مشہور مسجد میں تین علاحدہ علاحدہ وقتوں میں نمازِ تراویح کا اہتمام کیا گیا ہے، بعد عشا سوا پارہ، مسجد کے بالائی حصہ میں آٹھ بج کر ۱۵/منٹ پر روزانہ تین پارے، مسجد کے نچلے حصہ میں دس بج کر چالیس منٹ سے روزانہ سوا پارہ۔ کیا یہ درست ہے؟ (محمد فہیم الدین عظمٰی، نظام آباد)

الجواب

جیسے فرض نمازوں میں تکرار جماعت مکروہ ہے، اسی طرح فقہا نے نمازِ تراویح میں بھی مکرر جماعت کو منع فرمایا ہے؛ (۲) اس لیے اس سے اجتناب کرنا چاہیے، مسجد میں ایک ہی جماعت کی جائے، باقی جماعتیں مسجد سے باہر گھر میں، یا کسی اور مقام پر کی جاسکتی ہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/ ۳۸۹-۳۹۰)

---

(۱) الصحیح للبخاری، کتاب الصوم، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان: ۱/ ۲۶۹، رقم الحدیث: ۱۹۶۶، أشرفی بکڈپو، دیوبند، انیس

(۲) ولو صلی التراویح مرتین في مسجد واحد یکره، کذا فی فتاویٰ قاضی خان، إمام یصلی التراویح فی مسجدین فی کل مسجد علی الکمال لا یجوز، کذا فی محیط السرخسی، والفتویٰ علی ذلک، کذا فی المضمرات، والمصلی إذا صلاها فی مسجدین لابأس به ولا ینبغی أن یوتر فی المسجد الثانی. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱/ ۱۱۶، دارالفکر بیروت، انیس)

عشا کی نماز باجماعت نہ پڑھی تو تراویح بھی بلا جماعت پڑھے:

سوال: اگر کسی مسجد میں نماز عشا جماعت کے ساتھ نہ پڑھی گئی ہوتو وہاں تراویح جماعت سے پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

اگر عشا کی نماز جماعت کے ساتھ نہ ہوئی ہوتو تراویح بھی جماعت کے ساتھ نہ پڑھی جائے؛ کیوں کہ تراویح عشا کی نماز کے تابع ہے۔(۱)

البتہ اگر کچھ لوگ عشا کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ کر تراویح پڑھ رہے ہوں اور کوئی شخص بعد میں آئے تو وہ اپنی عشا کی نماز الگ پڑھ کر تراویح کی جماعت میں شریک ہوسکتا ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۴/۱۹۵)

فرض الگ پڑھنے والا وتر میں شریک ہوسکتا ہے:

سوال: اگر کوئی شخص عشا کی جماعت ہوجانے کے بعد مسجد میں داخل ہوا اور اس نے تراویح جماعت سے پڑھی تو پھر وہ وتر جماعت سے پڑھے، یا نہیں؟ کتاب رکن الدین کے مصنف نے پڑھنے کو منع کیا ہے اور شامی کا حوالہ دیا ہے۔

(المستفتی: ۶۸۸، سکریٹری انجمن حفظ الاسلام (ضلع بھروچ) ۲۷/رمضان ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۴/دسمبر ۱۹۳۵ء)

الجواب

اگر کوئی کسی وجہ سے جماعت سے علاحدہ وتر پڑھ لے تو مضائقہ نہیں، اگر تراویح کی جماعت میں شریک رہا تو وتر کی جماعت میں بھی شریک رہ سکتا ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ (کفایت المفتی: ۳/۳۹۶)

تنہا فرض پڑھنے والا وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے:

سوال (۱) زید بکر وغیرہ نے نماز عشا تنہا پڑھی اور تراویح باجماعت تو زید بکر وغیرہ کو وتر تنہا پڑھنا بہتر ہے، یا

---

(۱) لو تركوا الجماعة في الفرض ليس لهم أن يصلوا التراويح جماعة؛ لأنها تبع للجماعة ،إلخ. (الحلبي الكبير، فصل في النوافل... التراويح، ص: ۳۵۵، دار الكتاب ديوبند، انيس)

(۲) أما لو صليت بجماعة الفرض وكان رجل قد صلى الفرض وحده فله أن يصليها مع ذلك الإمام؛ لأن جماعتهم مشروعة فله الدخول فيها معهم لعدم المحذور ،إلخ. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة الوتر: ۲/۴۹۹، مكتبة زكريا ديوبند، انيس) (وأيضا في البحر الرائق: ۲/۷۵)

(۳) (ووقتها بعد صلاة العشاء) إلى الفجر (قبل الوتر وبعده) فلو فاته بعضها وقام الإمام إلى الوتر أوتر معه ثم صلى مافاته، إلخ. (التنوير وشرحه، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۹۳-۴۹۴، ط: مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

باجماعت؟ کیوں کہ فرض عشا جماعت سے نہیں پڑھی۔

(۲)　نماز تراویح میں امام ومقتدی کولازم ہے کہ ہر دورکعت کی ابتدا میں ثنا پڑھیں، یا صرف امام کا ثنا پڑھنا کافی ہوگا؟ مقتدی سکوت اختیار کریں، یا وہ بھی ضرور پڑھیں؟

الجواب

(۱)　اگر تراویح کی جماعت میں شریک ہوگیا ہوتو وتر کی جماعت میں بھی شریک ہوسکتا ہے۔(۱)

(۲)　اگر امام ثنا جلدی سے پڑھ کر قراءت شروع کردے تو مقتدی ثنا نہ پڑھیں اور جب تک امام قرأت شروع نہ کرے مقتدی ثنا پڑھ لیں۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۴۰۹)

عشا کے فرائض تراویح کے بعد ادا کرنے والے کی نماز کا کیا حکم ہے:

سوال:　ایک صاحب عشا کے وقت مسجد میں داخل ہوئے تو عشا کی نماز ختم ہوچکی تھی، تراویح شروع تھیں، یہ حضرت تراویح میں شامل ہوگئے، بعد از تراویح عشا کی فرض نماز مکمل کی، آیا اس طرح نماز ہوگی، یا نہیں؟ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ قصداً ایسا نہیں کیا؛ بلکہ لاعلمی کی وجہ سے ایسا ہوا ہے؟

الجواب

جو شخص ایسے وقت آئے کہ عشا کی نماز ہوچکی ہو، اس کولازم ہے کہ پہلے عشا کے فرض اور سنت مؤکدہ پڑھ لے، بعد میں تراویح کی جماعت میں شریک ہو، ان صاحب کی نماز تراویح نہیں ہوئی، تراویح کی نماز عشا کے تابع ہے، (۳) اس کی مثال ایسے ہے، جیسے بعد کی سنتیں کوئی شخص پہلے پڑھ لے تو ان کا لوٹانا ضروری ہوگا؛ مگر تراویح کی قضا نہیں۔(۴) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۱۹۴)

---

(۱)　(ولو لم يصلها) أى التراويح (بالإمام أو صلاها مع غيره له أن يصلى الوتر معه)، إلخ. (التنوير وشرحه، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل، مبحث فى صلاة التراويح: ۲/۴۹۹-۵۰۰، ط: مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲)　أدرك الإمام فى القيام يثنى ما لم يبدأ بالقراءة، إلخ. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فى بيان تأليف الصلاة: ۱/۴۸۸، ط: سعيد)

(۳)　(ووقته أى وقت التراويح... وقال القاضى الإمام أبو على النسفى الصحيح أن وقتها (بعد العشاء) لاتجوز قبلها، إلخ. (الحلبى الكبيرى، فصل فى النوافل... التراويح، ص: ۴۰۳، طبع سهيل اكيڈمى لاهور)

(۴)　وإذا فاتت التراويح لا تقضىٰ بجماعة و الأصح إنها لا تقضىٰ أصل، إلخ. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۱۹، رشيدية، انيس)

عذر کی حالت میں سواری پر تراویح پڑھنے کا جواز:

سوال: رمضان شریف میں کوچ کے دن کوچ شب کو ہوگا تراویح کیوں کر پڑھیں، آیا نوافل کی طرح سواری پر پڑھ سکتے ہیں، سواری ہاتھی کی ہوگی؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

پڑھ سکتے ہیں۔

فی ردالمحتار: بخلاف سنة التراويح؛لأنها دونها فی التأكد فتصح قاعداً وإن خالف المتوارث وعمل السلف، كما فی البحر. (۱)

۱۵/شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد: ۱/۷۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۴۷۰)

کھڑے ہوکر تراویح پڑھنے کے دوران عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھنا:

سوال: سنا ہے چاہے کوئی بوڑھا ہو یا جوان اگر وہ نماز تراویح شروع ہی سے کھڑے ہوکر پڑھنی شروع کردے تو تمام نماز تراویح کھڑے کھڑے ہی ادا کرنا ہوگا؟ کسی بھی حالت میں بیٹھ کر پوری کرنا جائز نہیں، جب کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایسا نہیں، اگر عذر ہو تو بیٹھ سکتا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

آپ نے ٹھیک سمجھا ہے، اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تراویح کھڑے ہوکر شروع کرنے کے بعد کسی بھی حالت میں بیٹھ کر پوری کرنا جائز نہیں وہ درست نہیں کہتے۔ واقعہ یہ ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت عذر پر موقوف ہے، اگر عذر شروع ہی سے ہو تو شروع ہی سے بیٹھ کر نماز پڑھے اور اگر بیچ میں پیش آئے تو بیچ میں بیٹھ جانا بھی جائز ہے۔ (۲) واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عنہ، ۱۸/۹/۱۳۹۷ھ (فتویٰ نمبر: ۷۱/۲۸ ج) (فتاویٰ عثمانی: ۱/۵۱۴-۵۱۵)

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الواتر والنوافل، مبحث المسائل الستة عشرية: ٤٨٣/٢، مكتبة زكريا، انيس
قلت: وأفادت المخالفة الكراهة وتجبر بالعذر في الدرالمختار فهي صلوٰة على الدابة فتجوز في حالة العذر إلىٰ قولہ وذهاب الرفقاء. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، فصل في النوافل: ٦٥٦/١، سعيد)

(۲) وفي مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ٢٢٩/١: (ولو مرض في أثناء الصلاة بنى بما قدر) يعني لو شرع في الصلاة صحيحًا قائمًا فحدث به مرض يمنعه عن القيام صلّٰى ما بقي قاعدًا يركع ويسجد... (ولو افتتحها قاعدًا) للعجز (يركع ويسجد، فقعد على القيام بنى قائمًا) عند الشيخين. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض: ٢٢٩/١، دارالكتاب العلمية بيروت، انيس)

وفيه أيضًا: ٢٠١/١: (ولو قعد بعد ما افتتحه قائما جاز) عند الإمام استحسانًا؛ لأنه أسهل من الابتداء ويكره لو بلا عذر عنده). (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل باب الوتر والنوافل: ٢٠١/١، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

بغیر عذر کے تراویح بیٹھ کر پڑھنا کیسا ہے:

سوال: دیگر نفل کی طرح کیا تراویح بھی بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

تراویح بغیر عذر کے بیٹھ کر نہیں پڑھنی چاہیے، یہ خلاف استحباب ہے اور ثواب بھی آدھا ملے گا۔(۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۸۹/۴)

بیٹھ کر تراویح پڑھنا:

سوال: زید تراویح میں قرأت طویلہ کی وجہ سے قائماً نماز ادا نہیں کرسکتا، آیا وہ جماعت کے ساتھ قاعداً تراویح ادا کرسکتا ہے، یا علاحدہ قائماً تراویح ادا کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

بیٹھ کر جماعت کے ساتھ تراویح پڑھے؛ اس لیے کہ تراویح میں قیام فرض نہیں، ہاں بلا عذر بیٹھ کر تراویح پڑھنا خلاف استحباب ہے۔

قال في البزازية: وأداؤها قاعدًا يجوز في المختار ولو بلا عذر؛ لكن لا يستحب بخلاف سنة الفجر؛ فإنه لا يجوز قاعدًا. (۲)

وفي الخانية (فصل في أداء التراويح قاعدًا): واختلفوا في الجواز قال بعضهم: لا يجوز بغير عذر واستدلوا بما روى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه لو صلىٰ سنة الفجر قاعدًا بغير عذر لا يجوز فكذا التراويح إذ كل واحد منهما سنة مؤكدة، وقال بعضهم: يجوز أداء التراويح قاعدًا بغير عذر وفرقوا بين التراويح وبين سنة الفجر وهو الصحيح إلا أن ثوابه يكون على النصف من صلاة القائم ووجه الفرق أن سنة الفجر سنة مؤكدة لا خلاف فيها والتراويح في التاكيد دونها فلا يجوز التسوية بينهما. (۳)

وأقره ابن امير الحاج في شرح المنية ومثله في الظهيرية وغيرها وفي فتاویٰ الشيخ قاسم بن قطلوبغا ناقلاً عن الإمام حسام الدين الشهيد: أجمعوا علىٰ أن ركعتي الفجر قاعدًا من غير عذر

---

(۱) اتفقوا علىٰ أن أداء التراويح قاعدًا لا يستحب بغير عذر واختلفوا في الجواز، قال بعضهم يجوز وهو الصحيح إلا أن ثوابه يكون على النصف من صلاة القائم. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱۱۸/۱)

(۲) الفتاویٰ البزازية علىٰ هامش الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثالث في التراويح: ۳۰/۴، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۳) الفتاویٰ الخانية علىٰ هامش الهندية، كتاب الصوم، باب التراويح، فصل في أداء التراويح قاعداً: ۲۴۳/۱، انيس

لاتجوز؛لأنها سنة شابهت الفرض وأما التراويح فالصحيح أنها تجوز قاعدًا بغير عذر ولكن لا تستحب. (۱) فقط والله تعالىٰ أعلم

۱۰ر رمضان ۱۴۰۰ھ (احسن الفتاویٰ: ۵۲۶/۳)

تراویح میں طویل قیام کی وجہ سے پیر پر سہارا لینا:

جناب مفتی صاحب! مسئلہ ذیل میں جواب سے نوازا جائے۔

سوال: عالمگیری میں قیام فی الصلاۃ کی بحث میں یہ عبارت منقول ہے:

"ويكره التمايل علىٰ يمناه مرة،وعلىٰ يسراه أخرىٰ،كذا في الذخيرية".ويكره التراويح بين القدمين في الصلاة،إلا بعذر وكذا القيام بإحدى القدمين، كذا في الظهيرية". (عالمگیری: ۵٦/۱)(۲)

شامی میں یہ عبارت منقول ہے:

"ويكره القيام علىٰ إحدىٰ القدمين في الصلاة بلا عذر". (شامی: ٤١٤/۱)(۳)

اور مراقی الفلاح میں یہ عبارت ہے:

"والتراويح مفضل من نصب القدمين،وتفسير التراويح أن يعتمد علىٰ قدم مرة وعلىٰ الأخرىٰ مرة؛لأنه أيسر وأمكن بطول القيام".

طحطاوی نے کہا ہے:

"وروى عن الإمام:التراويح في الصلاة أحب إلّي من أن ينصب قدميه نصباً".

نیز یہ بھی کہا ہے:

"فيما في منية المصلي من كراهة التمايل يميناً ويساراً محمول علىٰ التمايل علىٰ سبيل التعاقب من غير تخلل سكون كما يفعله بعضهم ... لا الميل علىٰ إحدى القدمين بالاعتماد ساعة، ثم الميل علىٰ الأخرىٰ كذالك،بل هو سنة،إلخ". (۴)

---

(۱) أُطْلِقَ في التَّنَفُّلِ فَشَمَلَ السُّنَّةَ الْمُؤَكَّدَةَ وَالتَّرَاوِيحَ لَكِنْ ذكر قاضي خان في فتاواه من بَابِ التَّرَاوِيحِ الْأَصَحُّ أَنَّ سُنَّةَ الْفَجْرِ لا يَجُوزُ أَدَاؤُهَا قَاعِدًا من غَيْرِ عُذْرٍ وَالتَّرَاوِيحُ يَجُوزُ أَدَاؤُهَا قَاعِدًا من غَيْرِ عُذْرٍ وَالْفَرْقُ أَنَّ سُنَّةَ الْفَجْرِ مُؤَكَّدَةٌ لَا خِلَافَ فيها وَالتَّرَاوِيحَ في التَّأْكِيدِ دُونَهَا انْتَهَى.

وقد نَقَلْنَاهُ في سُنَّةِ الْفَجْرِ في مَوْضِعِهَا من رِوَايَةِ الْحَسَنِ وَهَكَذَا صَحَّحَهُ حُسَامُ الدِّينِ ثُمَّ قال الصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يُسْتَحَبُّ في التَّرَاوِيحِ لِمُخَالَفَتِهِ لِلتَّوَارُثِ وَعَمَلِ السَّلَفِ. (البحر الرائق،باب الوتر والنوافل: ٦٨/٢،دار المعرفة بيروت،انيس)

(۲) الفتاوىٰ الهندية،الباب السابع فيما يفسد الصلاة ومايكره فيها،الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة ومالا يكره: ۱۰۸/۱،رشيدية

(۳) ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ٤٤٤/۱،سعيد

(۴) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوى،كتاب الصلاة،فصل في بيان سننها،ص: ۲٦۲،قديمى

سوال (۱) کیا بغیر طول قیام کی ضرورت کے مطلقاً نماز کے قیام میں تراویح مسنون ہے؟ مفتیٰ بہ قول سے آگاہ فرمایا جائے۔

(۲) عالمگیری اور طحطاوی کی عبارتوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟

(۳) نصب القدمین کو سنت اور تراویح بلا عذر کو خلاف سنت اور مکروہ کہیں گے، یا نہیں؟

(۴) تراویح، تمایل، قیام علی إحدی القدمین کی تعریف کیا ہے اور کون مکروہ ہے اور کون افضل اور مسنون ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

(۱) تراویح کو فقہا نے افضل لکھا ہے اور اس کی علت بیان کی ہے: **"لأنه أيسر وأمكن بطول القيام، إلخ"**. (۱) اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ اگر طول قیام نہ ہو تو عدم تراویح اصل ہے، چناں چہ طحطاوی میں ہے: **"ثم إن هٰذة العلة لاتظهر فيما إذا كان القيام قصيراً"**. (۲)

امام اعظم رحمۃ اللہ نے کعبہ مکرمہ میں داخل ہو کر قیام طویل کیا؛ یعنی دو رکعت میں قرآن پاک ختم فرمایا، پہلی رکعت میں ایک قدم پر بوجھ دیا، دوسری رکعت میں دوسرے قدم پر:

"قال السيد في شرحه: وهٰذا هو محمل ما نقل عن الإمام حين دخل الكعبة، فصلّٰى ركعتين بجميع القرآن واقفاً علٰى إحدٰى قدميه في الركعة الأولٰى، وفي الثانية علٰى قدمه الأخرٰى، إلخ". (طحطاوی) (۳)

بار بار تراویح، تمایل، قیام احدی القدمین میں شبہ تلعب ہے، بضرورت طول قیام افضل ہے۔ اس تقریر سے آپ کے سوالات کا جواب ہو گیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۲۶۸/۷-۲۶۹)

تراویح کے تارک کا حکم:

سوال: جو لوگ تراویح نہیں پڑھتے، ان کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

تراویح عند الحنفیہ سنت مؤکدہ ہیں اور جماعت بھی تراویح میں سنت ہے، تارک اس کے مُسیٔ اور آثم ہیں۔ (۴) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۵۵/۴)

---

(۱) مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، ص: ۲۶۲، قديمي

(۲) حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، ص: ۲۶۳، قديمي

(۳) حاشية الطحطاوي علٰى مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، ص: ۲۶۲-۲۶۳، قديمي

(۴) ونفس التراويح سنة على الأعيان عندنا إلخ والجماعة فيها سنة على الكفاية، إلخ، وإن تخلف ==

تراویح بلا عذر شرعی ترک کرنا کیسا ہے:

سوال: تراویح کو بلا عذر قصداً ترک کرنا اور یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ترک کی ہیں؛ اس لیے ہم بھی ترک کرتے ہیں، یہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

تراویح سنت مؤکدہ ہیں بلا عذر ان کو ترک کرنے والا عاصی و گناہگار ہے۔ خلفائے راشدین وجمیع صحابہؓ وسلف صالحین سے ان کی مواظبت ثابت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خود فرمایا ہے کہ مجھے خیال ہے کہ کہیں فرض نہ ہو جائیں۔(۱) یہی ایک چیز ہے کہ جس کی وجہ سے آپ نے مواظبت نہیں کی، حقیقت میں آپ کا مواظبت نہ فرمانا ہی خود ان کے اہتمام کی بیّن دلیل ہے، کسی شخص کا یہ عذر کرنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک کی ہیں، میں بھی ترک کرتا ہوں قطعاً نا قابل قبول اور ناواقفیت پر مبنی ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۸۱/۴)

تراویح چھوڑ دینے کا گناہ:

سوال: تراویح قضا کرنے سے گناہ ہوگا، یا نہیں:

الجواب

ترک سنت کا گنہ اس کو ہوگا۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۹۱/۴)

وظیفہ کی وجہ سے جماعت تراویح کا ترک درست نہیں:

سوال: ایک شخص عشا کی سنت اور وتر کے درمیان ایک وظیفہ کا عادی ہے، رمضان میں چوں کہ وتر باجماعت ہوتی

== واحد من الناس وصلاها فی بیته فقد ترک الفضیلة.(الفتاوی الهندیة،کتاب الصلاة،الباب التاسع فی النوافل،فصل فی التراویح: ۱۱٦/۱،انیس)

(قوله والجماعة فیها سنة علی الکفایة،إلخ)أفاد أن أصل التراویح سنة عین فلو ترکها واحد کره.(رد المحتار، کتاب الصلاة،مبحث صلاة التراویح: ٦٦٠/۱،ظفیر)

(۱) عن زید بن ثابت أن النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم اتخذ حجرةً فی المسجد من حصیر،فصلّٰی فیها لیالی،حتّٰی اجتمع علیه ناس،ثم فقدوا صوته لیلة،وظنوا أنه قد نام،فجعل بعضهم یتنحنح لیخرج إلیهم،فقال:ما زال بکم الذی رأیت من صنیعکم،حتّٰی خشیت أن یکتب علیکم،ولو کتب علیکم ما قمتم به،فصلوا أیها الناس!فی بیوتکم،فإن أفضل صلاة المرء فی بیته إلا الصلاة المکتوبة". متفق علیه".(مشکٰوة المصابیح،کتاب الصلاة،باب قیام شهر رمضان،الفصل الأول،ص: ۱۱٤،انیس)

(۲) وهی سنة للرجال والنساء جمیعاً...ونفس التراویح سنة علی الأعیان.(الفتاوی الهندیة،کتاب الصلاة،الباب التاسع،فصل فی التراویح: ۱۱٦/۱،ظفیر)

ہے تو وظیفہ کیسا پڑھنا چاہیے؟ اگر وظیفہ پڑھتا رہے تو بارہ تراویح فوت ہوتی ہیں اور آٹھ ملتی ہیں تو وہ آٹھ تراویح پڑھ کر وتر کی جماعت میں شریک ہو جاوے، یا کیا؟ یا جماعت وتر کو چھوڑے، یا وظیفہ کو رمضان شریف میں ترک کرے؟

الجواب

وظیفہ کی وجہ سے جماعت تراویح اور جماعت وتر کو نہ چھوڑنا چاہیے اور تراویح بیس رکعت پڑھنی چاہیے۔(۱) وظیفہ اگر پڑھنا ہو تو بعد وتر کے، یا اور کسی وقت پڑھ لے۔ غرض یہ کہ اس وظیفہ کی وجہ سے کسی واجب اور سنت کو ترک نہ کرے؛ بلکہ وظیفہ ہی کو ترک کر دے، یا دوسرے وقت پڑھے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند: ۴/۲۸۵-۲۸۶)

کیا تراویح کی قضا پڑھنی ہوگی:

سوال: جہاز پر ہماری ڈیوٹی رات آٹھ بجے سے بارہ بجے تک ہوتی ہے، اس وقت ہم میں سے اکثر لوگ صرف عشا کی نماز قضا کرتے ہیں، کیا اس وقت ہم صرف عشا پڑھیں، یا قضا تراویح بھی پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب

عشا کا وقت صبح صادق تک باقی رہتا ہے، اگر آپ ڈیوٹی سے پہلے عشا نہیں پڑھ سکتے تو ڈیوٹی سے فارغ ہو کر بارہ بجے کے بعد جب عشا کی نماز پڑھیں گے تو ادا ہی ہوگی؛ کیوں کہ عشا کو اس کے وقت کے اندر آپ نے ادا کر لیا،(۲) اور تراویح کی نماز کا وقت بھی عشا سے لے کر صبح صادق سے پہلے تک ہے؛ اس لیے آپ لوگ جب عشا کی نماز پڑھیں تو تراویح بھی پڑھ لیا کریں، اس وقت تراویح بھی قضا نہیں ہوگی؛ بلکہ ادا ہی ہوگی،(۳) اگر کوئی شخص صبح صادق سے پہلے تراویح نہیں پڑھ سکا، اس کی تراویح قضا ہوگئی، اب اس کی قضا نہیں پڑھ سکتا؛ کیوں کہ تراویح کی قضا نہیں۔(۴)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۱۹۵)

---

(۱) والجماعة فيها سنة على الكفاية ،إلخ،وهي عشرون ركعة ،إلخ،بعشرتسليمات.(الدر المختارعلىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل،مبحث صلاة التراويح: ۱/٦٦٠،ظفير)

(۲) وأما آخروقت العشاء فحين يطلع الفجرالصادق،إلخ.(البدائع الصنائع،كتاب الصلاة،فصل في شرائط الأركان: ۱/۱۲٤،دارالكتب العلمية،انيس)/وأيضا في الدرالمختارمع ردالمحتار: ۱/۳٦۱،مطلب في الصلاة الوسطىٰ)

(۳) وقال عامتهم وقتها ما بعد العشاء إلى طلوع الفجرفلا تجوز قبل العشاء؛لأنها تبع للعشاء،إلخ.(بدائع الصنائع،فصل في مقدارالتراويح: ۱/۲۸۸،دارالكتب العلمية ،انيس)/وأيضًافي الدرالمختارمع ردالمحتار: ۲/٤٤، باب الوتروالنوافل،مبحث صلاة التراويح)

(۴) والصحيح أنهالاتقضى؛لأنها ليست بأكد من سنة المغرب والعشاء وتلك لاتقضى فكذٰلك هٰذه(البدائع الصنائع،كتاب الصلاة،فصل في بيان أدائها،دارالكتب العلمية بيروت: ۱/۲۹۰،انيس)/وأيضًافي الدرالمختارمع الشامي: ۲/٤٤، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح)

تراویح کی قضا:

سوال: اگر کسی شخص کی تراویح قضا ہو جائے تو وہ کس طرح اس کی قضا پڑھے؟ (عابد علی، قلعہ گولکنڈہ)

الجواب ـــــــــــــــــــ

اگر تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھ سکا، تو اسی شب میں صبح ہونے سے پہلے پہلے کسی بھی وقت تراویح ادا کرلے، جب رات گزر گئی اور اگلا دن شروع ہو گیا تو اب تراویح کی قضا کی گنجائش نہیں، نہ تنہا اور نہ جماعت کے ساتھ، اب اپنی کوتاہی کے لیے استغفار کرے۔

"إذا فاتت التراويح لاتقضى بجماعة ولابغيرها وهو الصحيح". (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۰۴-۴۰۵)

تراویح کے متعلق چند سوالات:

سوال (۱) رمضان شریف میں کلام مجید بلا سامع کے پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

(۲) پانی پت ضلع کرنال میں رواج ہے کہ دو حافظ کلام مجید پڑھتے ہیں، دس رکعت میں ایک حافظ اور دس رکعت میں ایک حافظ، اس طرح جائز ہے، یا نہیں؟

(۳) اگر تراویح میں حافظ غلطی سے تیسری رکعت کے واسطے کھڑا ہو گیا اور تیسری رکعت میں یاد آنے کے بعد چوتھی رکعت بھی ادا کی تو یہ چار رکعتیں مانی جاویں گی، یا دو؟ اگر دو مانی جاویں گی، جیسا کہ اشتہار میں ہے تو آخری دو رکعت میں جو کلام مجید پڑھا ہے، اس کو لوٹانے کی ضرورت ہے، یا نہیں؟

(۴) اگر حافظ نے کلام مجید شروع کیا اور کسی وجہ سے درمیان میں ایک دو روز نہ پڑھا، مثلاً دس پارے تک پڑھا، بعد اس کے دوسرے حافظ نے پندرہ پارہ تک پڑھا تو اب حافظ سابق جو شروع کرے تو گیارہویں پارہ سے، یا سولہویں پارہ سے شروع کرے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

(۱) اگر قرآن شریف خوب یاد ہو، بلا سامع کے بھی پڑھنا درست ہے، اگر کہیں بھولا، یا شبہ ہو تو بعد سلام کے دیکھ لیوے اور اگر غلطی ہو تو لوٹا لیوے؛ مگر بہتر یہ ہے کہ سامع ہو؛ تاکہ اطمینان رہے۔

(۲) اور پانی پت میں جیسا رواج ہے، یہاں بھی بعض مساجد میں ایسا ہوتا ہے، یہ بھی جائز ہے۔ (۲)

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع فى النوافل، فصل فى التراويح: ۱/۱۱۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) والأفضل أن يصلى التراويح بإمام واحد فإن صلوها بإمامين فالمستحب أن يكون انصراف كل واحد علىٰ كمال الترويحة، فإن انصرف علىٰ تسليمة لايستحب ذلك فى الصحيح. (الفتاویٰ الهندية، الباب التاسع فى النوافل، فصل فى التراويح: ۱/۱۱۶، ظفير)

(۳)　اور بصورت چار رکعت پڑھنے کے جو قرآن شریف آخر کی دو رکعت میں ہوا، اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔(۱)

(۴)　اور جب پہلے حافظ نے دس پارے پڑھے، پھر دوسرے نے پندرہ تک پڑھے تو پہلا حافظ جب آوے تو اختیار ہے خواہ سولہویں سے پڑھے، یا گیارہویں سے؛ لیکن اپنا قرآن پورا کرنے کے لیے بہتر ہے کہ گیارہویں سے شروع کرے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۵۴/۴-۲۵۵)

تنہا تراویح بآواز پڑھے، یا آہستہ:

سوال:　مرد تراویح جماعت سے پڑھیں، یا علاحدہ علاحدہ؟ اگر تنہا پڑھیں تو بلند آواز سے، یا آہستہ آہستہ؟

الجواب

"والجماعة فيها سنة على الكفاية". (۲)

"ويخير المنفرد فى الجهر إن أدى (إلىٰ قوله) (كمتنفل بالليل) منفردًا". (۳)

مرد جماعت سے پڑھیں، اگر کوئی شخص جماعت سے رہ جاوے اور تنہا پڑھے تو آہستہ پڑھے، یا بلند آواز سے دونوں درست ہے؛ مگر آواز سے بہتر ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۲۹۹/۴-۳۰۰)

منفرد تراویح اور تہجد میں قرأت جہریہ کرسکتا ہے:

سوال:　اسی طور پر جب اکیلا تراویح اور تہجد میں بھی پڑھتا ہو تو قرأت جہر سے پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

پڑھ سکتا ہے، ودلیلہ مامر۔ (۴)

۶ رشوال ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۹۵) (امداد الفتاویٰ جدید: ۴۸۵/۱)

---

(۱)　وعن أبى بكر الإسكاف أنه سئل عن رجل قام إلى الثالثة فى التراويح ولم يقعد فى الثانية قال إن تذكر فى القيام ينبغى أن يعود ويقعد ويسلم وإن تذكر بعد ما سجد للثالثة فإن أضاف إليها ركعة أخرىٰ كانت هذه الأربعة عن تسليمة واحدة (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع فى النوافل، فصل فى التراويح: ۱۱۸/۱، انيس)

وإذا فسد الشفع وقد قرأ فيه لايعتد بما قرأ فيه ويعيد القراء ة ليحصل له الختم فى الصلاة الجائزة. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع فى النوافل، فصل فى التراويح: ۱۱۸/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲)　الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، باب التراويح: ۹۸/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۳)　الدر المختار، كتاب الصلاة، فصل ويجهر الإمام: ۷۹/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۴)　یہ اشارہ سوال: ۳۸۲ کے جواب میں درج شدہ دلیل کی طرف ہے، اصل میں یہ دونوں جواب ایک ساتھ تھے، ترتیب میں الگ الگ مقاموں پر رکھے گئے ہیں۔ سعید

لاؤڈ اسپیکر سے تراویح کی نماز پڑھنا کیسا ہے:

سوال: تراویح کی نماز میں کلام پاک لاؤڈ اسپیکر سے پڑھنا از روئے شرع جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر مقتدی کی کثرت ہو اور امام صاحب کی آواز مقتدیوں تک نہ پہونچتی ہو تو اس حالت میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کیا جاسکتا ہے؛ لیکن تراویح کے اندر لاؤڈ اسپیکر کا اس طرح استعمال کہ قرآن شریف کے پڑھے جانے کی آواز باہر کی آبادی تک جائے مناسب نہیں ہے؛ کیوں کہ اس طرح تمام آبادی والوں کو قرآن کے ان آداب کی رعایت کرنا جو قرآن پاک کے سنے جانے کی حالت میں ضروری ہے، بہت مشکل ہے اور قرآن کی بے ادبی ہوگی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری، ۱۴۰۱/۱۰/۲۱ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۶۲/۲)

نماز تراویح لاؤڈ اسپیکر پر پڑھنا:

سوال: لاؤڈ اسپیکر میں جو نماز تراویح بوجہ ضرورت پڑھی جاتی ہے، اس میں کیا کوئی کراہت ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ

ضرورت کی بنا پر ہو تو کوئی کراہت نہیں؛ لیکن ضرورت کی چیز بقدر ضرورت ہی اختیار کی جاتی ہے، لہٰذا لاؤڈ اسپیکر کی آواز مسجد تک محدود رہنی چاہیے، تراویح میں اوپر کے اسپیکر کھول دینا جس سے پورے محلے کا سکون غارت ہوجائے، جائز نہیں۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۹۶/۴)

تراویح کے درمیان گرین لائٹ جلانا:

سوال: ہمارے پاس والی مسجد میں تراویح کے درمیان گرین لائٹ جلا دی جاتی ہے، جس کی وجہ سے مصلیان پر نیند کا غلبہ ہوتا رہتا ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟　　(محمد جاوید اقبال، ناندیڑ)

---

(۱) لايقرأ جهرًا عند المشتغلين بالأعمال ومن حرمة القرآن أن لايقرأ في الأسواق وفي موضع اللغو كذا في القنية.(الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح وفي قراءة القرآن: ۳۱٦/۵، مكتبة زكريا، انيس)

(۲) قال في الدر: ويجهر الإمام وجوبا بحسب الجماعة فإن زاد عليه أساء.(الدرالمختار، كتاب الصلاة، فصل ويجهر الإمام: ۷۹/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

وفي الشامية تحت قوله فإن زاد عليه أساء: وفي الزاهدي عن أبي جعفر لو زاد على الحاجة فهو أفضل إلا إذا أجهد نفسه أو آذى غيره، قهستاني.(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة: ۲٤۹/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

اسلام میں اس کی اہمیت نہیں کہ نماز کے وقت لائٹ جلائی جائے، یا نہ جلائی جائے اور جلائی جائے تو کس رنگ کی؟ اہمیت اس بات کی ہے کہ اس نماز کو اس کے آداب اور خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھی جائے؛ اس لیے یہ نماز پڑھنے والوں کی سہولت اور منتظمین کی صواب دید سے متعلق ہے؛ تاہم ایسی باتوں کو باہمی اختلاف اور انتشار کا سبب نہ بننے دیجئے۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۰۵)

فرض سے پہلے تراویح پڑھنا:

سوال: اگر کوئی شخص عشا کی فرض نماز نہ پڑھے اور تراویح کی جماعت ہو رہی ہو تو وہ شخص فرض پڑھنے سے پہلے جماعت میں شریک ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

عشا کی فرض نماز پڑھنے سے پہلے تراویح پڑھنا درست نہیں، نہ تنہا پڑھے، نہ تراویح کی جماعت میں شریک ہو، **كذا فى الدر المختار.** (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند (فتاویٰ محمودیہ:۷/۲۶۴)

جنازہ پہلے، یا تراویح پہلے:

سوال: رمضان کے مہینہ میں عشا کے وقت اگر جنازہ آجائے تو نمازِ جنازہ فرض نماز کے بعد ادا کرنا چاہیے، یا تراویح کے بعد؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

فقہا نے لکھا ہے کہ اگر نماز مغرب کے وقت جنازہ آجائے تو مغرب کی فرض نماز کے بعد اور سنت سے پہلے نماز جنازہ ادا کی جائے۔

”حضرت وقت صلاة المغرب جنازة تقدم صلاة الجنازة علىٰ سنة المغرب“. (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ فریضۂ عشا کے بعد اور نمازِ تراویح سے پہلے نمازِ جنازہ ادا کرنی چاہیے۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۰۱)

---

(۱) (ووقتها بعد صلاة العشاء) إلىٰ الفجر (قبل الوتر وبعده) فى الأصح. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۹۸/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، فصول الفصل الخامس فى الصلاة على الميت: ۱٦٤/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

سنت بعد تراویح شروع کریں:

سوال: رمضان شریف میں اگر تراویح شروع ہوگئیں تو دو سنت جو بعد فرض کے ہیں یہ پڑھ کر تراویح میں شریک ہو، یا بعد میں پڑھے؟

الجواب

فرض اور سنت پڑھ کر تراویح میں شامل ہو۔

"ووقتها بعد صلاة العشاء". (۱) فقط (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۲۹۹/۴-۳۰۰)

تراویح وتر سے پہلے بہتر ہے اور بعد میں جائز ہے:

سوال: تراویح وتر سے پہلے پڑھنی چاہیے، یا بعد وتر کے؟ ایک شخص پہلے وتر پڑھ کر پھر تراویح پڑھتا ہے؟

الجواب

طریق مشروع درباره تراویح یہ ہے کہ عشا کے بعد وتر سے پہلے تراویح پڑھ کر پھر وتر پڑھیں، ؛ لیکن اگر تراویح بعد وتر کے پڑھے تو یہ بھی صحیح ہے۔ درمختار میں ہے:

"ووقتها بعد صلاة العشاء إلى الفجر قبل الوتر وبعده في الأصح". (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۸۳/۴-۲۸۴)

تراویح اور اس کے ضروری مسائل:

سوال: مسئلہ (۱) کل تراویح حنفیہ کے نزدیک بیس رکعت ہیں، (۳) اور ان کو جماعت سے پڑھنا سنت ہے، اگر تمام اہل محلّہ تراویح چھوڑ دیں تو سب ترک سنت کے وبال میں گرفتار ہوں گے۔ (کبیری) (۴)

مسئلہ (۲) اکثر اہل محلّہ نے تو تراویح جماعت سے پڑھی، مگر اتفاقاً ایک دو شخص نے جماعت سے نہیں پڑھی؛ بلکہ اپنے مکان میں تنہا پڑھی، تب بھی سنت ادا ہوگئی۔ (کبیری) (۵)

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، فصل فی التراویح: ۴۹۳/۲، مکتبة زکریادیوبند، انیس

(۲) الدرالمختار علی ھامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراویح: ۶۵۹/۱، ظفیر

(۳) قال العلامة الحلبی: "(تنبیه)... أن التراویح عندنا عشرون رکعة بعشر تسلیمات، وھومذھب الجمھور". (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، التراویح، تنبیه، ص: ۴۰۶، سھیل اکیڈمی لاھور)

(۴) أن الجماعة فیھا سنة (علی سبیل الکفایة، حتی لو ترک أھل محلة کلھم الجماعة) وصلوا فی بیوتھم، فقد ترکوا السنة، و قد أساؤا فی ذلک". (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، التراویح، ص: ۴۰۲، سھیل اکیڈمی لاھور)

(۵) قال العلامة الحلبی: "(وإن أقیمت التراویح) فی المسجد بالجماعة (وتخلف عنھا) رجل (من افراد الناس وصلی فی بیته، فقدترک الفضیلة لا السنة)". (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، التراویح: ۴۰۲، سھیل اکیڈمی لاھور)

مسئلہ(۳) گھر پر تراویح کی جماعت کرنے سے بھی فضیلت حاصل ہو جائے گی؛ لیکن مسجد میں پڑھنے کا جوستائیس درجہ ثواب ہے، وہ نہیں ملے گا۔ (کبیری)(۱)

مسئلہ(۴) تراویح کی جماعت عشا کی جماعت کے تابع ہے، (لہٰذا عشا کی جماعت سے پہلے جائز نہیں) اور جس مسجد میں عشا کی جماعت نہیں ہوئی، وہاں پر تراویح کو بھی جماعت سے پڑھنا درست نہیں۔ (کبیری)(۲)

مسئلہ(۵) ایک شخص تراویح پڑھ چکا امام بن کر یا مقتدی ہوکر، اب اسی شب میں ان کو امام بن کر تراویح پڑھنا درست نہیں، البتہ دوسری مسجد میں تراویح کی جماعت ہو رہی ہو تو وہاں (بنیت نفل) شریک ہونا بلا کراہت جائز ہے۔ (کبیری)(۳)

مسئلہ(۶) ایک امام کے پیچھے فرض اور دوسرے کے پیچھے تراویح اور وتر پڑھنا بھی جائز ہے۔ (کبیری)(۴)

مسئلہ(۷) کسی مسجد میں ایک مرتبہ تراویح کی جماعت ہو چکی تو دوسری مرتبہ ہی شب میں وہاں تراویح کی جماعت جائز نہیں لیکن تنہا تنہا پڑھنا درست ہے۔ (بحر)(۵)

---

(۱)　(وان صلّٰی)أحد (فی بیته بالجماعة)حصل لهم.ثوابها وادرکوا فضلها،ولکن(لم ینالوا فضل الجماعة)التی تکون(فی المسجد)لزیادة فضیلة المسجد،وتکثیر جماعته،واظهار شعائر الاسلام.(الحلبی الکبیر،فصل فی النوافل، التراویح،ص:٤٠٢،سهیل اکیڈمی لاهور)

(۲)　قال العلامة الحلبی:"وفی القنیة:لو ترکوا الجماعة فی الفرض،لیس لهم ان یصلوا التراویح جماعةً؛لانها تبع للجماعة".(الحلبی الکبیر،فصل فی النوافل،التراویح فروع،ص:٤١٠،سهیل اکیڈمی لاهور)

(۳)　(ولو أم)رجل(فی التراویح،ثم اقتدیٰ بآخر فی تراویح تلک اللیلة)أیضاً(لایکره)له ذلک،کما لو صلیٰ المکتوبة اماماً ثم اقتدیٰ فیها متنفلاً بامام آخر،وهٰذا لان صلاة النفل غیرالتراویح...ولوام فی التراویح مرتین فی مسجد واحد کره،وکذا لو صلاها مرتین مأموماً فی مسجد واحد،وان فی مسجدین اختلف فیه:حکی عن ابی بکر الإسکاف أنه لایجوز:یعنی لا یجوزتراویح أهل المسجدالثانی،واختاره أبواللیث رحمه اللّٰه تعالیٰ.وقال أبو نصر:یجوز لأهل المسجدین جمیعاً کما لوأذن وأقام وصلّٰی فی مسجدین فإنه لایکره وإنما یکره إذا أذن وأقام ولم یصل،فکذا فی التراویح،والظاهرأن هٰذا بناء علٰی صحة التراویح بنیة النفل المطلق وعدمها".(الحلبی الکبیر،فصل فی النوافل،التراویح،ص:٤٠٨،سهیل أکیڈمی لاهور)

(۴)　لم أجد فی الحلبی عبارة منطبقة علٰی هٰذ ه المسئلة،سقد ظفرت علیها فی الفتاوٰی الهندیة،قال فیها: "جازأن یصلی الفریضة أحدهما والتراویح الآخر،وقد کان عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنه یؤمهم فی الفریضة والوتر،وکان أبی رضی اللّٰه تعالیٰ عنه یؤمهم فی التراویح،کذا فی السراج".(البحر الرائق،فصل فی التراویح:١١٦/١،رشیدیة)

(۵)　ولو صلوا التراویح،ثم أرادوا أن یصلوا ثانیاً،یصلون فرادیٰ.انتهٰی. (البحرالرائق،کتاب الصلاة،باب الوتروالنوافل:١٢٠/٢،رشیدیة)

مسئلہ (۸) نابالغ کو تراویح کے لئے امام بنانا درست نہیں، (کبیری)(۱) البتہ اگر وہ نابالغوں کی امامت کرے تو جائز ہے۔ (خانیہ)(۲)

مسئلہ (۹) اگر اپنی مسجد کا امام قرآن شریف غلط پڑھتا ہو تو دوسری مسجد میں تراویح پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ (عالمگیری)(۳)

مسئلہ (۱۰) اجرت مقرر کر کے امام کو تراویح کے لئے بلانا مکروہ ہے۔ (عالمگیری)(۴)

مسئلہ (۱۱) ہر ترویحہ پر یعنی چار رکعت پڑھ کر اتنی دیر یعنی چار رکعت کے موافق جلسۂ استراحت مستحب ہے، (اسی طرح پانچویں ترویحہ کے بعد وتر سے پہلے بھی جلسہ مستحب ہے)؛ لیکن اگر مقتدیوں پر اس سے گرانی ہو تو نہ بیٹھے، (عالمگیری)(۵) اور اتنی دیر تک اختیار ہے کہ تسبیح، قرآن شریف، نفلیں جو دل چاہے پڑھتا رہے، اہل مکہ کا معمول طواف کرنے اور دو رکعت نفل پڑھنے کا ہے اور اہل مدینہ کا معمول چار رکعت پڑھنے کا ہے۔ (کبیری)(۶)

اور دعا بھی منقول ہے:

”سبحان ذی الملک والملکوت، سبحان ذی العزة والعظمة و القدرة والکبریاء والجبروت،

---

(۱)　قال العلامة الحلبي: (وإذا بلغ الصبی عشر سنین فام) البالغین (فی التراویح یجوز، وذکر فی بعض الفتاوی أنه لایجوز وهو المختار). (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل التراویح، تنبیه، ص: ۳۵۳ـ ۳۵٤، دارالکتاب دیوبند، انیس)

وقال شمس الأئمة السرخسی: هو الصحیح". (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، التراویح، تنبیه، ص: ٤٠٨، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۲)　"إن أم أی الصبیان یجوز؛ لأن صلاة الإمام مثل صلاة المقتدی". (فتاویٰ قاضی خان علیٰ هامش الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصوم، باب التراویح، فصل فی إمامة الصبیان فی التراویح: ۲٤۳/۱، رشیدیة)

(۳)　قال الإمام: إذا کان إمامه لحاناً، فلا بأس بأن یترک مسجده ویطوف. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱۱٦/۱، رشیدیة)

(۴)　ویکره للرجال أن یستأجروا رجلاً یؤمهم فی بیتهم؛ لأن استئجار الإمام فاسد. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱۱٦/۱، رشیدیة)

(۵)　ویستحب الجلوس بین الترویحتین قدر ترویحة، وکذا بین الخامسة والوتر، کذا فی الکافی، وهٰکذا فی الهدایة. ولو علم أن الجلوس بین الخامسة والوتر یثقل علی القوم، لایجلس، هٰکذا فی السراجیة. (الفتاویٰ الهندیة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱۱٥/۱، رشیدیة)

(٦)　قال العلامة الحلبي: (فیجلس بین کل ترویحتین مقدار ترویحة)... وهو مخیر فیه إن شاء جلس ساکتاً وإن شاء هلل أو سبح أو قرأ أو صلیٰ نافلة منفرداً... فإن عادة أهل مکة أن یطوفوا بعد کل أربع أسبوعاً، و یصلوا رکعتی الطواف وعادة أهل المدینة أن یصلوا أربع رکعات". (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، التراویح، ص: ٤٠٤، سهیل اکیڈمی لاهور)

سبحان الملک الحی الذی لایموت،سبوح،قدوس،رب الملائکة والروح،لا إلٰہ إلا اللّٰه،نستغفر اللّٰه نسألک الجنة،ونعوذ بک من النار".(ردالمحتار)(۱)

مسئلہ (۱۲) دس رکعت پر جلسۂ استراحت کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔(کبیری)(۲)

مسئلہ (۱۳) ہر شفعہ کے بعد دو رکعت علاحدہ علاحدہ پڑھنا بدعت ہے۔(کبیری)(۳)

مسئلہ (۱۴) دو رکعت ایک سلام سے پڑھنا افضل ہے اور چار میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، آٹھ رکعت بھی ایک سلام سے پڑھنا مکروہ نہیں؛ (مگر ہر ترویحہ پر جلسۂ استراحت کی فضیلت حاصل نہ ہوگی)، البتہ اس سے زائد خلاف اولیٰ اور مکروہ ہے۔(کبیری)(۴)

مسئلہ (۱۵) کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہونچا کہ تراویح کی جماعت شروع ہو چکی تھی تو اس کو چاہیے کہ پہلے فرض اور سنتیں پڑھے، اس کے بعد تراویح میں شریک ہو اور چھوٹی ہوئی تراویح دو ترویحوں کے درمیان جلسہ کے وقت پوری کرلے، اگر موقع نہ ملے تو وتروں کے بعد پڑھے اور وتروں، یا تراویح کی جماعت چھوڑ کر تنہا نہ پڑھے۔(کبیری)(۵)

مسئلہ (۱۶) اگر بعد میں معلوم ہوا کہ کسی وجہ سے عشا کے فرض صحیح نہیں ہوئے، مثلاً امام نے بغیر وضو پڑھائے، یا کوئی رکن چھوڑ دیا تو فرضوں کے ساتھ تراویح کا بھی اعادہ کرنا چاہیے، اگرچہ یہاں وہ وجہ موجود نہ ہو۔(کبیری)(۶)

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل، مبحث: صلاة التراویح: ۲/۴۹۷، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

(۲) وإن استراح علٰی خمس تسلیمات): أی عقیب عشر رکعات (قال بعضهم: لابأس به): أی لا یکره، (وقال أکثر المشائخ: لایستحب) ذلک لمخالفة عمل أھل الحرمین. وقوله: (لایستحب کنایةً عن الکراھة التنزیھیة. (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، التراویح، ص: ٤٠٤، سھیل اکیڈمی لاھور)

(۳) قال العلامة الحلبی: "ومن المکروہ ما یفعله بعض الجھال من صلاة رکعتین منفرداً بعد کل رکعتین؛ لأنھا بدعة". (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، التراویح، ص: ٤٠٤، سھیل اکیڈمی لاھور)

(۴) من مذھب أبی حنیفه رضی اللّٰه تعالٰی عنه کل رکعتین عن تسلیمة، وعند البعض یجوز الکل عن تسلیمة واحدة، وفی ظاھر الروایة عنه: یجوز عن أربع تسلیمات بناءً علٰی أن الزیادة علٰی الثمان بتسلیمة واحدة یکرہ. (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، التراویح، ص: ٤٠٥، سھیل اکیڈمی لاھور)

(۵) لو دخل بعد ما صلّٰی الإمام الفرض، وشرع فی التراویح، فإنه یصلی الفرض أولاً وحدہ، ثم یتابعه فی التراویح. (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، التراویح، ص: ٤١٠، سھیل اکیڈمی لاھور)

(إن فاتته) مع الإمام (ترویحة أو ترویحتان) أو أکثر ھل یقضیھا قبل الوتر أو یوتر ثم یقضیھا؟ (ذکرہ فی الذخیرة) فقال: اختلف مشائخ فی زماننا قال بعضھم: یوتر مع الإمام ثم یقضی) ما فاته من التراویح احرازاً لفضیلة الوتر بالجماعة مع أن التراویح تجوزہ بعدہ. (وقال بعضھم: یصلی التراویح المتروکة ثم یوتر) بناءً علٰی أن وقتھا قبل الوتر، فیلزم تقدیمھا علیه". (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، التراویح، ص: ٤٠٤، سھیل اکیڈمی لاھور)

(۶) قال العلامة الحلبی: ولو صلّٰی العشاء بإمام): أی مع إمام أو مقتدیاً بإمام (وصلّٰی التراویح بإمام آخر، ==

مسئلہ (۱۷) قیام لیلِ رمضان، یا تراویح، یا سنتِ وقت، یا صلوٰۃ امام کی نیت کرنے سے تراویح ادا ہوجائیں گی۔ (خانیہ)(۱)

مسئلہ (۱۸) مطلقاً نماز، یا نوافل کی نیت پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے۔ (خانیہ)(۲)

مسئلہ (۱۹) اگر کسی نے عشا کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں اور امام تراویح کے پیچھے سنتِ عشا کی نیت کر کے اقتدا کیا تو یہ جائز ہے۔ (خانیہ)(۳)

مسئلہ (۲۰) اگر امام دوسرا، یا تیسرا شفعہ پڑھ رہا ہے اور کسی مقتدی نے اس کے پیچھے پہلے شفعہ کی نیت کی تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (خانیہ)(۴)

مسئلہ (۲۱) اگر تراویح کسی وجہ فوت ہوجائیں تو ان کو کی قضا نہیں، نہ جماعت کے ساتھ، نہ بغیر جماعت کے، اگر کسی نے قضا کی تو تراویح نہ ہوں گی؛ بلکہ نفلیں ہوں گی۔ (بحر)(۵)

مسئلہ (۲۲) اگر یاد آیا کہ گزشتہ شب کوئی شفعہ تراویح کا فوت ہوگیا، یا فاسد ہوگیا تھا تو اس کو بھی جماعت کے ساتھ تراویح کی نیت سے قضا کرنا مکروہ ہے۔ (خانیہ)(۶)

== ثم علم أن الإمام) الأول كان قد(صلىٰ العشاء علىٰ غير وضوءٍ)أوعلم فسادها بوجه من الوجوه؛فإنه(يعيد العشاء)لفسادها(و) يعيد (التراويح)تبعاً لها كما يعيد سنتها،ولا يلزمه اعادة الوتر .(الحلبى الكبير،فصل فى النوافل، التراويح،ص:۴۰۳، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۱) إن نوىٰ التراويح أوسنة الوقت أوقيام الليل فى رمضان،جاز". (فتاوىٰ قاضى خان علىٰ هامش الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصوم،باب التراويح،فصل فى نية التراويح:۲۳۶/۱،رشيدية)

(۲) "ان التراويح لا تتادىٰ الا بنية التراويح او بنية السنة فى هٰذا الوقت". (الخانية علىٰ هامش الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصوم،باب التراويح،فصل فى نية التراويح: ۲۳۷/۱،رشيدية)

(۳) ولواقتدىٰ بإمام فى التراويح،والمقتدى نوىٰ سنة العشاء بأن لم يكن صلى السنة بعد العشاء حتىٰ قام الإمام إلى التراويح،جاز. (فتاوىٰ قاضى خان علىٰ هامش الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصوم،باب التراويح،فصل فى نية التراويح : ۲۳۷/۱،رشيدية)

(۴) لو اقتدىٰ بإمام يصلى التسليمة الثانية أوالعاشرة والمقتدى نوىٰ التسليمة الأولىٰ أوالخامسة، جاز؛لأن الصلاة واحدة،وليس عليه أن ينوى التسليمة الأولىٰ أوالثانية". (فتاوىٰ قاضى خان علىٰ هامش الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصوم،باب التراويح،فصل فى نية التراويح: ۲۳۷/۱،رشيدية)

(۵) وإذا فاتت التراويح لا تقضىٰ بجماعة،والأصح أنها لاتقضىٰ أصلاً ،فإن قضاها وحده،كان نفلاً مستحباًلا تراويح كسنة المغرب والعشاء. (البحرالرائق،كتاب الصلاة،باب الوتر و النوافل:۱۱۹/۲،رشيدية)

(۶) وإن تذكرفى الليل أنه فسد عليهم شفع من الليلة الماضية فأراد القضاء بنية التراويح،يكره. (فتاوىٰ قاضى خان علىٰ هامش الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصوم،باب التراويح،فصل فى وقت التراويح: ۲۳۶/۱،رشيدية)

مسئلہ (۲۳) اگر امام نے دو رکعت پر قعدہ نہیں کیا؛ بلکہ چار پڑھ کر قعدہ کیا تو یہ اخیر کی دو رکعت شمار ہوں گی۔ (کبیری) (۱)

مسئلہ (۲۴) اگر وتر پڑھنے کے بعد یاد آیا، ایک شفعہ مثلاً رہ گیا تو اس کو بھی جماعت کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ (۲)

مسئلہ (۲۵) اگر بعد میں یاد آیا کہ ایک مرتبہ صرف ایک ہی رکعت پڑھی گئی اور شفعہ پورا نہیں ہوا اور کل تراویح انیس ہوتی ہیں تو دو رکعت اور پڑھ لی جائے؛ یعنی صرف شفعہ فاسدہ کا اعادہ ہوگا اور اس کے بعد کی تمام تراویح کا اعادہ نہ ہوگا۔ (کبیری) (۳)

مسئلہ (۲۶) جب شفعۂ فاسدہ کا اعادہ کیا جائے تو اس میں جس قدر قرآن شریف پڑھا تھا، اس کا بھی اعادہ کرنا چاہیے؛ تاکہ تمام قرآن شریف صحیح نماز میں ختم ہو۔ (خانیہ) (۴)

مسئلہ (۲۷) ایک شخص تراویح سمجھ کر نماز میں شریک ہوا، پھر معلوم ہوا کہ امام وتر پڑھ رہا ہے تو اس کو چاہیے کہ امام کے سلام کے بعد چوتھی رکعت بھی اپنی رکعت میں ملالے؛ لیکن اگر امام کے ساتھ سلام پھیر دیا اور چوتھی رکعت نہیں ملائی، تب بھی اس کے ذمہ اس کی قضا نہیں۔ (۵)

---

(۱) قال العلامة الحلبی: (وإن صلیٰ أربع رکعات بتسلیمة واحدة و) الحال (أنه سلم یعقد علیٰ رکعتین) منها قدر التشهد (تجزی) الأربع (عن تسلیمة واحدة): أی عن رکعتین عند أبی حنیفة وأبی یوسف (وهو المختار)... فإذا ترکها، کان ینبغی أن تفسد صلاته أصلاً... وهو القیاس، وإنما جاز علیٰ قول أبی حنیفة وأبی یوسف استحساناً، فأخذنا بالقیاس فی فساد الشفع الأول، وبالاستحسان فی حق بقاء التحریمة، وإذابقیت صح شروعه فی الشفع الثانی، وقد أتمه بالقعدة، فجازعن تسلیمة واحدة. (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، التراویح: ۴۰۸، سهیل اکیڈمی لاهور، انیس)

(۲) (ولو تذکروا تسلیمة) کانوا قد سهوا عنها، فتذکروها (بعد) ماصلوا صلاة (الوتر)... قال أبوبکر (بن الفضل: لا یصلون) (بجماعة)؛ لأنها فأتت عن محلها، والجماعة إنما شرعت فی التراویح إذا کانت فی محلها، (وقال الصدر الشهید: یجوز أن یقال: تصلی) تلک التسلیمة (بجماعة)؛ لأن وقتها باق؛ لأنه اللیل کله بعد العشاء وبعد الوتر. (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، التراویح، ص: ۴۰۸، سهیل اکیڈمی لاهور، انیس)

(۳) قال العلامة الحلبی: (ولوسلم الإمام علیٰ رأس رکعة ساهیاً فی الشفع الأول) من التراویح (ثم صلیٰ ما بقی) منها (علیٰ وجهها) قبل: أن یعید ذلک الشفع (قال مشایخ بخاریٰ: یقضی الشفع الأول لاغیر)؛ لأن کل شفع صلاة علیٰ حدة". (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، التراویح، ص: ۴۰۹، سهیل اکیڈمی لاهور، انیس)

(۴) وإذا فسد الشفع من التراویح وقد قرأ فیه هل یعتد بما قرأ؟ قال بعضهم: لا یعتد، لیحصل الختم فی الصلوات الجائزة". (فتاویٰ قاضی خان، کتاب الصوم، باب التراویح، فصل فی مقدار القراء ة فی التراویح: ۲۳۸/۱، رشیدیة)

(۵) قال الحلبی: "اقتدیٰ به علیٰ ظن أنه فی التراویح، فإذا هو فی وتر، یتمه معه ویضم إلیها رابعة ولوأفسدها، لاشئ علیه". (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، التراویح، ص: ۴۱۰-۴۱۱، سهیل اکیڈمی لاهور، انیس)

مسئلہ(۲۸) اگر تمام نمازیوں اور امام کو شک ہوا کہ ۱۸؍تراویح ہوئی، یا بیس پوری ہوگئی تو دو رکعت بلا جماعت اور پڑھ لی جائیں۔(کبیری)(۱)

مسئلہ(۲۹) اگر تمام مقتدیوں کو تو شک ہوا؛ لیکن امام کو شک نہیں ہوا؛ بلکہ کسی ایک بات کا یقین ہے تو وہ اپنے یقین پر عمل کرے اور مقتدیوں کے قول کی طرف کوئی توجہ نہ کرے۔(کبیری)(۲)

مسئلہ(۳۰) اگر بعض کہتے ہیں کہ بیس پوری ہوگئی اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں؛ بلکہ اٹھارہ ہوئی ہیں تو جس طرف امام کا رجحان ہو،اس پر عمل کرے۔(کبیری)(۳)

مسئلہ(۳۱) اگر اٹھارہ پڑھ کر امام سمجھا کہ بیس پوری ہوگئی اور وتروں کی نیت باندھ لی؛ مگر دو رکعت پڑھ کر یاد آیا کہ ایک شفعہ تراویح کا باقی رہ گیا ہے، جب ہی دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو شفعہ تراویح کا شمار نہ ہوگا۔(خانیہ)(۴)

مسئلہ(۳۲) اگر کسی کی صبح کی نماز قضا ہوگئی تھی،اس کی نیت سے تراویح پڑھی ادا نہ ہوگی۔(خانیہ)(۵)

مسئلہ(۳۳) اگر تین رکعت پر سلام پھیر دیا تو دو رکعت پر اگر بیٹھ چکا تھا،تب تو ایک شفعہ صحیح ہوگیا اور چوں کہ دوسرا شفعہ شروع کر چکا تھا؛اس لیے اس کی قضا ہوگی۔(۶)

---

(۱) (وذا شكوا):أي الإمام والقوم (في أنهم صلوا تسع تسليمات ففيه اختلاف والصحيح أنهم يصلون بتسليمة أخرىٰ...(فرادىٰ)للاحتياط في الموضعين اكمال التراويح بيقين والاحترازعن التنفل الزائد عليها بالجماعة، هٰذا إذا اتفق الكل علٰى الشك.(الحلبي الكبير،فصل في النوافل،التراويح،ص:٤٠٥،سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) إذا كان الإمام وحده في طرف وهومتيقن،عمل بما عنده ولا يلتفت إلٰى قول الجماعة.(الحلبي الكبير،فصل في النوافل،التراويح،ص:٤٠٦،سهيل اكيڈمي لاهور)

(۳) فإن اختلفوا وكان الإمام مع بعضهم،رجح إذا ادعىٰ كل فريق اليقين.(الحلبي الكبير،فصل في النوافل،التراويح،ص:٤٠٥،سهيل اكيڈمي لاهور)

(۴) ولوصلٰى من التراويح تسع تسليمات،وشرع في الوتر فاقتدىٰ به رجل في الوتر،ثم علم الإمام أنه صلٰى تسع تسليمات،لم يجز للمقتدي ما نوىٰ؛لأنه نوىٰ التراويح،والإمام نوى الوتر...هٰذا بناء علٰى أن التراويح لا تتأدىٰ إلا بنية التراويح أوبنية السنة في هٰذا الوقت.(فتاوىٰ قاضي خان علٰى هامش الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصوم،باب التراويح،فصل في نية التراويح: ٢٣٧/١، رشيدية)

(۵) ولوصلٰى التراويح بنية الفوائت من صلاة الفجر،لم تكن محسوبة عن التراويح.(فتاوىٰ قاضي خان علٰى هامش الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصوم،باب التراويح،فصل في نية التراويح: ٢٣٧/١،رشيدية)

(۶) وإن صلٰى ثلاث ركعات بتسليمة واحدة،فهوعلٰى وجهين:إما إن قعد في الثانية أولم يقعد،فإن قعد جازعن تسليمة واحدة ويجب عليه قضاء ركعتين؛لأنه شرع في الشفع الثاني بعد إكمال الشفع الأول،فإذا أفسد الشفع الثاني بترك الرابعة،كان عليه قضاء ركعتين.(فتاوىٰ قاضي خان علٰى هامش الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصوم،باب التراويح،فصل في السهو: ٢٤٠/١،رشيدية)

مسئلہ(۳۴)اگر دورکعت پرنہیں بیٹھا تو پہلا شفعہ بھی صحیح نہیں ہوا،لہٰذا اس کی قضا ضروری ہے۔(خانیہ)(۱)

مسئلہ(۳۵)بلاعذر بیٹھ کر پڑھنے سے تراویح ادا ہوجائے گی؛مگر ثواب نصف ملے گا۔(عالمگیری)(۲)

مسئلہ(۳۶)اگرامام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھائے،تب بھی مقتدیوں کو کھڑے ہوکر پڑھنا مستحب ہے۔(خانیہ)(۳)

مسئلہ(۳۷)امام جب تشہد کے لیے بیٹھا تو ایک مقتدی سوگیا،امام نے سلام پھیر کر دوسرا شفعہ پڑھا اور جب تشہد کے لیے بیٹھا،تب یہ سونے والا جاگا۔پس اگر اس کو معلوم ہے کہ یہ دوسرا شفعہ ہے تو سلام پھیر کے دوسرے میں شریک ہوجائے اورامام کے سلام کے بعد کھڑا ہوکر مسبوق کی طرح دورکعت پڑھے،پھرامام کے ساتھ تیسرے شفعہ میں شریک ہو۔(عالمگیری)(۴)

مسئلہ(۳۸)جماعت ہورہی ہے اورایک شخص بیٹھا رہتا ہے،جب امام رکوع میں جاتا ہے تو فوراً یہ بھی نیت باندھ کرامام کے ساتھ رکوع میں شریک ہوجاتا ہے،یہ فعل مکروہ ہے،تشبہ بالمنافقین ہے۔(کبیری)(۵)

مسئلہ(۳۹)جس شخص پرنیند کا غلبہ ہو اس کو چاہیے کہ کچھ دیر سورہے،اس کے بعدتراویح پڑھے۔(شامی)(۶)

---

(۱) وإن لم يقعد في الثانية ساهياً أوعامداً...تفسد صلاته،ويلزمه قضاء ركعتين لاغير.(فتاویٰ قاضيخان علىٰ هامش الفتاویٰ الهندية ،كتاب الصوم،باب التراويح،فصل في السهو: ۱/ ۲٤۱،رشيدية)

(۲) اتفقوا علىٰ أن أداء التراويح قاعداً لا يستحب بغيرعذر، واختلفوا في الجواز، قال بعضهم: يجوز وهو الصحيح، إلا أن ثوابه يكون علىٰ النصف من صلاة القائم.(الفتاویٰ الهندية،كتاب الصلاة،الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۸،رشيدية)

(۳) يصح اقتداء القائم بالقاعد في التراويح عند الكل،وهو الصحيح...الحاصل أن الإمام إذا كان قاعداً يستحب القيام للقوم.(فتاویٰ قاضی خان علىٰ هامش الفتاویٰ الهندية،كتاب الصوم،باب التراويح،فصل في أداء التراويح قاعداً: ۱/ ۲٤۳-۲٤٤،رشيدية)

(۴) رجل شرع في صلاة التراويح مع الإمام،فلما قعد الإمام ،نام هو،وسلم الإمام،فأتى بالشفع الآخر وقعد للتشهد،فانتبه الرجل،إن علم ذلك ،يسلم ويدخل مع الإمام ويوافقه في التشهد،فإذا سلم الإمام يقوم و يأتي بالركعتين سريعاً،ويسلم ويدخل مع الإمام في الشفع الثالث،كذا في الخلاصة.(الفتاویٰ الهندية،كتاب الصلاة،الباب التاسع في النوافل،فصل في التراويح: ۱/۱۱۹،رشيدية)

(۵) ’’ويكره للمقتدي أن يقعد في التراويح،فإذا أراد الإمام يركع يقوم؛لأن فيه إظهارالتكاسل،التشبه بالمنافقين‘‘.(الحلبي الكبير،فصل في النوافل التراويح،ص: ۴۱۰،سهيل اكیڈمی لاهور)

(۶) قال في التاتارخانية: وكذا إذا غلبه النوم،يكره له أن يصلي،بل ينصرف حتىٰ يستيقظ.(ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب الوتر و النوافل،مبحث صلاة التراويح: ۲/ ٤۹۹،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

مسئلہ (۴۰) تراویح کو شمار کرتے رہنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ یہ اکتا جانے کی علامت ہے۔ (خانیہ) (۱)

مسئلہ (۴۱) مستحب یہ ہے کہ شب کا اکثر حصہ تراویح میں خرچ کیا جائے۔ (بحر) (۲)

مسئلہ (۴۲) ایک مرتبہ قرآن شریف ختم کرنا (پڑھ کر، یا سن کر) سنت ہے، دوسری مرتبہ فضیلت ہے اور تین مرتبہ افضل ہے، لہٰذا اگر ہر رکعت میں تقریباً دس آیتیں پڑھی جائیں تو ایک مرتبہ بسہولت ختم ہو جائے گا اور مقتدیوں کو بھی گرانی نہ ہوگی۔ (خانیہ) (۳)

مسئلہ (۴۳) جو لوگ حافظ ہیں، ان کے لیے فضیلت یہ ہے کہ مسجد سے واپس آکر بیس رکعت اور پڑھا کریں؛ تاکہ دو مرتبہ ختم کرنے کی فضیلت حاصل ہو جائے۔ (خانیہ) (۴)

مسئلہ (۴۴) ہر عشرہ میں ایک مرتبہ ختم کرنا افضل ہے۔ (بحر) (۵)

مسئلہ (۴۵) اگر مقتدی اس قدر ضعیف اور کاہل ہوں کہ ایک مرتبہ بھی پورا قرآن شریف نہ سن سکیں بلکہ اس کی وجہ سے جماعت تک چھوڑ دیں تو پھر جس قدر سننے پر راضی ہوں اس قدر پڑھ لیا جائے، یا "ألم تر کیف" سے پڑھ لیا جائے۔ (بحر) (۶) لیکن اس صورت میں ختم کی سنت کے ثواب سے محروم رہیں گے۔ (خانیہ) (۷)

---

(۱) ویکرہ عد الرکعات في التراویح لما فیه من إظهار الملالة. (فتاویٰ قاضی خان، کتاب الصوم، باب التراویح، فصل في أداء التراویح قاعداً: ۲۴۴/۱، رشیدیة)

(۲) "ویستحب تأخیر التراویح إلیٰ ثلث اللیل، والأفضل استیعاب أکثر اللیل بالتراویح". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱۱۹/۲، رشیدیة)

(۳) وقال بعضهم -وهو روایة الحسن عن أبی حنیفة-: یقرأ فی کل رکعة عشر آیات، وهو الصحیح، لأن فیه تخفیفاً علیٰ الناس، وبه تحصل السنة، وهی الختم مرة واحدة... فإذا قرأ فی کل رکعة عشر آیات یحصل الختم فی التراویح والفضیلة فی الختم مرتین. (فتاویٰ قاضی خان، کتاب الصوم، باب التراویح، فصل فی مقدار القراء ة فی التراویح: ۲۳۷/۱-۲۳۸، رشیدیة)

والسنة فی التراویح إنما هو الختم مرة... والختم مرتین فضیلة، والختم ثلاث مرات أفضل، کذا فی السراج الوهاج. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱۱۷/۱، رشیدیة)

(۴) قال فی الخانیة: "ینبغی للإمام وغیره اذا صلیٰ التراویح وعاد إلیٰ منزله، وهو یقرأ القرآن أن یصلی عشرین رکعة فی کل رکعة عشر آیات احرازاً للفضیلة، وهی الختم مرتین". (فتاویٰ قاضی خان، کتاب الصوم، باب التراویح، فصل فی مقدار القراء ة فی التراویح: ۲۳۸/۱، رشیدیة)

(۵) وثلاث مرات فی کل عشر مرة افضل. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، سباب الوتر والنوافل: ۱۲۱/۲، رشیدیة)

(۶) وذکر فی المحیط والاختیار ان الافضل ان یقرأ فیها مقدار ما لا یؤدی إلیٰ تنفیر القوم فی زماننا؛ لأن تکثیر الجمع أفضل من تطویل القراء ة. وفی المجتبیٰ: والمتأخرون کانوا یفتون فی زماننا بثلاث آیات قصاراً أو آیة طویلة حتیٰ لایمل القوم ولا یلزم تعطیلها، وهٰذا أحسن ... وبعضهم اختاروا قراء ة سورة الفیل إلی آخر القرآن، وهٰذا حسن". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱۲۱/۲، رشیدیة)

(۷) قال فی الخانیة: ولو قرأ بعض القرآن فی سائر الصلوات بأن کان القوم یملون من القراء ة فی التراویح، ==

مسئلہ (۴۶) ستائیسویں شب کو ختم کرنا مستحب ہے۔ (بحر)(۱)

مسئلہ (۴۷) اگر اپنی مسجد کا امام قرآن شریف ختم نہ کرے تو پھر کسی دوسری مسجد میں جہاں ختم ہو، تراویح پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں؛ (کبیری)(۲) کیوں کہ ختم کی سنت وہیں حاصل ہوگی۔

مسئلہ (۴۸) تراویح میں ایک مرتبہ سورت کے شروع میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کو بھی زور سے تمام قرآن شریف کی طرح پڑھنا چاہیے، آہستہ پڑھنے سے امام کا پورا قرآن شریف پورا ہو جائے گا، مگر مقتدیوں کا پورا نہ ہوگا۔ (احکام البسملۃ)(۳)

مسئلہ (۴۹) اگر کوئی آیت چھوٹ گئی اور کچھ حصہ آگے پڑھ کر یاد آیا کہ فلاں آیت چھوٹ گئی ہے تو اس کے پڑھنے کے بعد آگے پڑھے ہوئے حصہ کا اعادہ بھی مستحب ہے۔ (عالمگیری)(۴)

مسئلہ (۵۰) امام نے جب سلام پھیرا تو مقتدیوں میں اختلاف ہوا کہ دو رکعت ہوئی ہیں، یا تین؟ تو جس طرف امام کا رجحان ہو، اس پر عمل کرے۔ (خانیہ)(۵)

مسئلہ (۵۱) کسی چھوٹی سورت کا فصل کرنا دو رکعت کے درمیان فرائض میں مکروہ ہے، تراویح میں مکروہ نہیں۔ (بحر)(۶)

== فلا بأس به، لٰكن يكون لهم ثواب الصلاة، لا ثواب الختم. (فتاویٰ قاضيخان، كتاب الصوم، باب التراويح، فصل فی مقدار القراءة فی التراويح: ۲۳۸/۱، رشيدية)

(۱) ويختم فی الليلة السابع والعشرين لكثرة الأخبار أنها ليلة القدر. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱۲۰/۲، رشيدية)

(۲) وإذا كان إمام مسجد حية لايختم، فله أن يترك إلٰى غيره، انتهٰى. (الحلبی الكبير، فصل فی النوافل التراويح، ص: ۴۰۷، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۳) لوقرأ تمام القرآن فی التراويح ولم يقرأ البسملة فی ابتداء سورة من السور سوا ما فی ''النملة'' لم يخرج من عهدة السنية، ولو قرأها سراً خرج من العهدة، لكن لم يخرج المقتدون عن العهدة. (أحكام القنطرة فی أحكام البسملة، مجموعة رسائل اللكنوی: ۷۱/۱، ادارة القرآن كراچی)

(۴) وإذا غلط فی القراءة فی التراويح، فترك سورة أو آية وقرأ ما بعدها، فالمستحب له أن يقرأ المتروكة ثم المقروأة، ليكون علٰى الترتيب، كذا فی فتاویٰ قاضيخان. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراويح: ۱۱۸/۱، رشيدية)

(۵) إذا سلم الإمام فی ترويحة، فقال بعض القوم: صلٰى ثلاث ركعات، وقال بعضهم: صلٰى ركعتين، يأخذ الإمام بما كان عنده فی قول أبی يوسف رحمه اللّٰه تعالٰى، ولا يدع علمه بقول الغير. (فتاویٰ قاضی خان علٰى هامش الهندية، كتاب الصوم، باب التراويح، فصل فی الشك فی التراويح: ۲۳۹/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۶) و ليس فيه كراهة فی الشفع الأولٰى من الترويحة الأخيرة بسبب الفصل بين الركعتين بسورة واحدة؛ لأنه خاص بالفرائض، كما هو ظاهر الخلاصة وغيرها. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱۲۱/۲، رشيدية)

مسئلہ (۵۲) اگر مقتدی ضعیف اور سست ہوں کہ طویل نماز کا تحمل نہ کر سکتے ہوں تو درود کے بعد دعا چھوڑ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں؛ لیکن درود کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔ (عالمگیری) (۱)

مسئلہ (۵۳) کوئی شخص ایسے وقت جماعت میں شریک ہوا کہ امام قرأت شروع کر چکا تھا تو اب اس کو ''سبحانک اللہم'' نہیں پڑھنا چاہیے۔ (کبیری) (۲)

مسئلہ (۵۴) اگر مسبوق نے امام کے ساتھ یا امام سے کچھ پہلے بھول کر سلام پھیر دیا تو اس پر سجدہ سہو واجب نہیں اور امام کے لفظ ''السلام'' کہنے کے بعد سلام پھیرا ہے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہے۔ (محیط) (۳)

مسئلہ (۵۵) مسبوق اپنی نماز تنہا پوری کرنے کے لیے نہ اٹھے، جب تک کہ امام کی نماز ختم ہونے کا یقین نہ ہو جائے؛ (محیط) (۴) کیوں کہ بعض دفعہ امام سجدہ سہو کے لیے سلام پھیرتا ہے اور مسبوق اس کو ختم کا سلام سمجھ کر اپنی نماز پوری کرنے کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں فوراً لوٹ کر امام کے ساتھ شریک ہو جانا چاہیے۔ (۵)

مسئلہ (۵۶) اگر کوئی شخص ایسے وقت آیا کہ امام رکوع میں تھا، یہ فوراً تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں شریک ہوا اور جب ہی امام نے رکوع سے سر اٹھا لیا، پس اگر سیدھا کھڑا ہو کر تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں گیا تھا اور رکوع میں جھکنے سے پہلے پہلے اللہ اکبر کہہ چکا تھا اور کمر کو رکوع میں برابر کر لیا تھا، اس کے بعد امام نے رکوع سے سر اٹھایا ہے، تب تو رکعت مل گئی، تسبیح اگر چہ ایک مرتبہ بھی نہ کہی ہو اور اگر امام کے سر اٹھانے سے پہلے رکوع میں کمر کو برابر نہیں کر سکا تو

---

(۱) السنة فی التراویح إنما هو الختم مرة،فلا يترك لكسل القوم،كذا فی الكافی،بخلاف ما بعد التشهد من الدعوات،فإنه يتركها إذا علم أنه يثقل علىٰ القوم،لكن ينبغی أن يأتی بالصلاة علىٰ النبی صلی اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم،هٰكذا فی النهاية.(الفتاوىٰ الهندية،الباب التاسع فی النوافل،فصل فی التراويح:۱/۱۱۷،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(۲) قال العلامة الحلبی:(وذا أدرك)الشارع فی الصلاة عند شروعه (الإمام وهو يجهر)بالقراءة(لا يأتی بالثناء بل يستمع وينصت)للآية.(الحلبی الكبير،صفة الصلاة،ص:۳۰۴،سهيل اكيڈمی لاهور)

(۳) إذا سلم المسبوق حتىٰ سلم الإمام ساهياً بنی علىٰ صلاته،وعليه سجود السهو...وأما وجوب سجدة السهو فلأنه متىٰ سلم الإمام صارهو كالمنفرد وقد سها حتىٰ يسلم قبل هٰذا،فتلزمه سجدة السهو قبل هٰذا إذا سلم بعد الإمام ،فأما إذا سلم مع الإمام فلا سهوعليه؛لأن الإمام لم يخرج عن الصلاة بعد،فكان كأنه سها خلف الإمام.(المحيط البرهانی،كتاب الصلاة،الفصل السابع عشر فی سجود السهو،نوع آخر من هٰذا الفصل فی المتفرقات:۲/۷۹، غفارية كوئٹة)

(۴) ولا ينبغی للمسبوق أن يقوم إلىٰ قضاء ما سبق به قبل سلام الإمام.(المحيط البرهانی،كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر فی التغنی والالحان:۲/۴۲۸،غفارية كوئٹة)

(۵) ثالثها أنه لو قام إلىٰ قضاء ما سبق به وعلىٰ الإمام سجدتا سهو قبل أن يدخل معه،كان عليه أن يعود فيسجد معه ما لم يقيد الركعة بسجدة.(الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصلاة،الباب الخامس فی الإمامة،الفصل السابع فی المسبوق واللاحق:۱/۹۲،رشيدية)

رکعت نہیں ملی اور اگر تکبیر سیدھے کھڑے ہوکر نہیں کہی؛ بلکہ جھکتے ہوئے کہی اور رکوع میں پہونچ کر ختم کی ہے تو یہ شروع کرنا ہی صحیح نہیں ہوا۔(۱)

مسئلہ(۵۷) اگر کوئی شخص رکوع میں شریک ہوا؛ مگر رکوع اس کو نہیں ملا، تب بھی سجدہ میں امام کے ساتھ شریک ہونا اس پر واجب ہے؛ لیکن اگر سجدہ میں شریک نہیں ہوا؛ بلکہ سجدہ کے بعد امام کے ساتھ شریک ہوا، تب بھی اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔(بحر)(۲)

مسئلہ(۵۸) اگر قیام میں امام کے ساتھ شریک ہوگیا مگر رکوع امام کے ساتھ نہیں کیا؛ بلکہ سجدہ کے بعد امام کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد کیا، تب بھی رکعت مل گئی۔(محیط)(۳)

مسئلہ(۵۹) اگر رکوع میں امام کے ساتھ آکر شریک ہوا اور صرف ایک ہی تکبیر کہی، تب بھی نماز صحیح ہوگئی، اگر چہ اس تکبیر سے رکوع کی تکبیر کی نیت کی ہو اور تکبیر تحریمہ کی نیت نہ کی ہو، اس نیت کا اعتبار نہ ہوگا۔(فتح القدیر)(۴) بشرطیکہ تکبیر کھڑے ہوکر کہی ہو رکوع میں نہ کہی ہو۔

مسئلہ(۶۰) آیت سجدہ پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے۔(محیط)(۵)

---

(۱) قال أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ عنه: لو وقع تكبيرة الافتتاح قائماً وهو مستوى أيضاً صح الشروع، وإن وقع وهو منحط عنه غير مستوى لا يجوز، وإن ركع المسبوق وسوىٰ ظهره صار مدركاً للركعة قدر علىٰ التسبيح أولم يقدر، وإن لم يقدر علىٰ تسوية الظهر فى الركوع حتىٰ رفع الإمام رأسه فاته الركوع ولو كبر والإمام راكع واشتغل هو بالثناء ولم يركع حتىٰ رفع الإمام رأسه، ثم ركع هو لم يصر مدركاً للركعة. (المحيط البرهانى، كتاب الصلاة، الفصل الحادى والأربعون فى بيان حكم المسبوق واللاحق: ۲۱۱/۲، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(۲) ثم اعلم أنه إذا لم يكن مدركاً للركعة، فإنه يجب عليه أن يتابع الإمام فى السجدين وإن لم يحتسبا له كما لو اقتدىٰ بالإمام بعد ما رفع الإمام رأسه من الركوع... وصرح فى الذخيرة بأن المتابعة فيهما واجبة، ومقتضاه أنه لو تركهما، لا تفسد صلاته. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ادراك الفريضة: ۱۳۵/۲، مكتبة رشيدية)

(۳) ولو كبر قبل ركوع الامام، ولم يركع معه، حتىٰ رفع الامام رأسه من الركوع، ثم ركع هو صار مدركاً للركعة. (المحيط البرهانى، الفصل الحادى والأربعون فى بيان حكم المسبوق واللاحق: ۲۱۱/۲-۲۱۲، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(۴) ومدرك الامام فى الركوع لا يحتاج الىٰ تكبيرتين خلافاً لبعضهم، ولو نوىٰ بتلك التكبيرة الواحدة الركوع، لا الافتتاح، جاز ولغت نيته. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ادراك الفريضة: ۴۸۳/۱، مصطفىٰ البابى الحلبى)

(۵) فنقول: التانى لآية السجدة تلزمه السجدة بتلاوته إذا كان أهلاً لوجوب الصلاة عليه... وكذا لك الحكم فى حق السامع من كان أهلاً لوجوب الصلاة عليه، تلزمه السجدة بالسماع. ومن لا يكون أهلاً لوجوب الصلاة عليه نحو الحائض، أو الكافر، أو الصبى، أو المجنون، لا تلزمه السجدة بالسماع. (المحيط البرهانى، الفصل التاسع والعشرون فى سجدة التلاوة، نوع آخر فى بيان من تجب عليه هذه السجدة: ۷/۲، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

مسئلہ(۶۱) سورہ حج میں پہلا سجدہ واجب ہے، دوسرا نہیں۔ (محیط)(۱)

مسئلہ(۶۲) اگر خارج نماز آیت سجدہ کی تلاوت کی؛ مگر سجدہ نہیں کیا، نماز میں وہی آیت پڑھی اور سجدہ کیا تو یہ سجدہ دونوں دفعہ کی تلاوت کے لیے کافی ہے، اگر پہلے سجدہ کرلیا تھا تو اب دوبارہ بھی سجدہ کرنا چاہیے۔ (محیط)(۲)

مسئلہ(۶۳) اگر امام نے آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کیا اور کوئی شخص آیت سجدہ سن کر امام کے ساتھ اس سجدہ کے بعد اسی رکعت میں شریک ہوگیا تو اس کے ذمہ سے یہ سجدہ ساقط ہوگیا، اگر اس رکعت میں شریک نہیں ہوا تو اس خارج صلاۃ علاحدہ سجدہ کرنا چاہیے۔ (محیط)(۳)

مسئلہ(۶۴) آیت سجدہ کے بعد فوراً ہی سجدہ کرنا افضل ہے؛ لیکن اگر نماز میں آیت سجدہ کے بعد سجدہ نہ کیا؛ بلکہ رکوع کیا اور اس میں اس سجدہ کی نیت کرلی، تب بھی سجدہ ادا ہوجائے گا، اگر رکوع میں نیت نہیں کی تو اس کے بعد سجدہ نماز سے بلا نیت بھی ادا ہوجائے گا، یہ جب ہے کہ آیت سجدہ کے بعد تین آیتوں سے زیادہ نہ پڑھا ہو، اگر آیت سجدہ کے بعد تین آیتوں سے زیادہ پڑھ چکا ہو تو اب اس سجدہ کا وقت جاتا رہا، نہ نماز میں ادا ہوسکتا ہے نہ خارج نماز میں، توبہ واستغفار کرنا چاہیے۔ (محیط)(۴)

---

(۱) عندنا سجدة التلاوة فی سورة الحج واحدة،وهی الأولٰی.(المحیط البرهانی،کتاب الصلاة،الفصل الحادی والعشرون فی سجدة التلاوة:۱۰۶/۲،غفاریة کوئٹة)

(۲) وإن قرأها فی غیر صلاة وسجد،ثم افتتح الصلاة فی مکانه،فقرأها،فعلیه سجدة أخرٰی...وإن لم یکن سجد أولا،ثم شرع فی الصلاة فی مکانه، فقرأها،یسجد لهما جمیعاً، اجزأه عنهما ظاهر الروایة.(المحیط البرهانی، الفصل التاسع والعشرون فی سجدة التلاوة نوع آخر فی تکرار آیة السجدة:۱۲/۲،دارالکتب العلمیة بیروت،انیس)

(۳) إذا قرأ الإمام آیة السجدة،سمعها رجل لیس معه،ثم دخل الرجل فی صلاة الإمام،فهٰذه المسئلة علٰی وجهین: الأول:أن یکون اقتدائه قبل أن یسجد الإمام،وفی هٰذا الوجه علیه أن یسجد مع الإمام...و إذا سجد مع الإمام،سقط عنه لزمه بحکم سماعه قبل الإمام؛لأنه لما اقتدیٰ به،صارت قراء ة الإمام قراء ة له.الوجه الثانی:إذا اقتدیٰ به بعد ما سجد،فلیس علیه أن یسجد ها فی الصلاة کیلا یصیر،مخالفاً للإمام...فأما إذا أدرک الإمام فی الرکعة الأخریٰ،کان علیه أن یسجد ها بعد الفراغ".(المحیط البرهانی،کتاب الصلاة،الفصل التاسع والعشرون فی سجدة التلاوة،نوع آخرفی سماع المصلی آیة السجدة ممن معه فی الصلاة أولیس معه:۱۵/۲،دارالکتب العلمیة بیروت،انیس)

(۴) قال فی الأصل:وإذا قرأ آیة السجدة فی صلا ته وهی فی آخرالسورة إلا آیات یعنی،فإن شاء رکع لها،وإن شاء سجدلها.واعلم أن هٰذه المسئلة علٰی أوجه:أما إن کانت السجدة قریبة من آخر السورة وبعدها آیتان إلٰی آخر السورة، فالجواب ما ذکرناه أنه بالخیارإن شاء رکع لها وإن شاء سجد...والحکم فی هٰذه الوجوه،کلها ما ذکرنا فی الوجه الأول،فلوأنه فی هٰذه الوجوه لم یرکع لها ولم یسجدعلٰی الفور،ولکن قرأ ما بقی من السورة أو خرج إلٰی سورة أخرٰی وقرأ منها شیئاً آخر إن قرأ بعد ها أنه...یجزئه الرکوع وسجدة الصلاة عن سجدة التلاوة،أما إذا قرأ بعدها ثلاث أوکانت السجدة فی وسط السورة لم یجز الرکوع عن السجود؛لأنه إذا قرأ ثلاث آیات بعد آیة السجدة، ==

مسئلہ (۶۵) اگر آیتِ سجدہ (جو کہ سورت کے ختم پر ہے) پڑھ کر سجدہ کیا تو اب اس سجدہ سے اٹھ کر فوراً رکوع نہ کیا جائے، (اس خیال سے کہ سورت تو ختم ہو ہی گئی)؛ بلکہ تین آیت کی مقدار (قرآن کی سورت) پڑھ کر رکوع کرنا چاہیے۔ (محیط) (۱) (فتاویٰ محمودیہ: ۲۸۱/۷-۲۹۷)

تراویح میں رکوع تک الگ بیٹھے رہنا مکروہ فعل ہے:

سوال: تراویح میں جب حافظ نیت باندھ کر قرأت کرتا ہے تو اکثر نمازی یونہی پیچھے بیٹھے، یا ٹہلتے رہتے ہیں اور جیسے ہی حافظ رکوع میں جاتا ہے تو لوگ جلدی جلدی نیت باندھ کر نماز میں شریک ہو جاتے ہیں، یہ حرکت کہاں تک درست ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

تراویح میں ایک بار پورا قرآن مجید سننا ضروری اور سنت مؤکدہ ہے، (۲) جو لوگ امام کے ساتھ شریک نہیں ہوتے ان سے اتنا حصہ قرآن کریم کا فوت ہو جاتا ہے؛ اس لیے یہ لوگ نہ صرف ایک ثواب سے محروم رہتے ہیں؛ بلکہ نہایت مکروہ فعل کے مرتکب ہوتے ہیں؛ کیوں کہ ان کا یہ فعل قرآن کریم سے اعراض کے مشابہ ہے۔ (۳) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۱۸۹/۴)

☆ ☆ ☆

== فقد صارت السجدة ديناً فی ذمته،لفوائت محل الأداء؛لأن وقتها وقت وجوبها. (المحيط البرهانی، كتاب الصلاة،الفصل التاسع والعشرون فی سجدة التلاوة،نوع آخرفيما إذا تلا آية السجدة وأرادوا أن يقيم ركوع الصلاة مقام السجود: ۱۶/۲-۱۷-۱۸،دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

(۱) ولو سجد يعود إلٰى القيام؛لأنه يحتاج إلٰى الركوع،والركوع لها يكون من القيام،ويقرأ بقية السورة–ليس–ثم يركع إن شاء، كيلا يصيرثان الركوع علٰى السجدة،ولوشاء ضم إليها من السورة الأخرٰى آية حتٰى يصير ثلاث آيات،قال الحاكم الشهيد :وهوأحب إلی،وهٰذه القرآءة بعد السجدة بطريق الندب لا بطريق الوجوب، حتٰى أنه لولم يقرأ جعلها". (المحيط البرهانی، كتاب الصلاة،الفصل التاسع والعشرون فی سجدة التلاوة،نوع آخر فيما اذا تلا آية السجدة وأراد أن يقيم ركوع الصلاة مقام السجود: ۱۶/۲،دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

(۲) السنة فی التراويح إنما هوالختم مرة فلا يترک لكسل القوم،كذا فی الكافی. (الفتاویٰ الهندية،كتاب الصلاة،الباب التاسع فی النوافل،فصل فی التراويح : ۱۱۷/۱،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(۳) وفی البحرعن الخانية: يكره للمقتدی أن يقعد فی التراويح فإذا أراد الإمام أن يركع يقوم؛لأن فيه إظهار التكاسل فی الصلاة والتشبه بالمنافقين، قال تعالٰى:﴿وإذا قاموا إلٰى الصلاة قاموا كسالٰى﴾إلخ.(ردالمحتار،كتاب الصلاة، باب الوتروالنوافل،مبحث صلاة التروايح:۴۹۹/۲، مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

رکعات تراویح سے متعلق مسائل ☆

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کتنی رکعت پڑھیں:

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر میں تراویح کتنی رکعت پڑھی ہیں؟

☆**مسئلہ**: رمضان کے مہینے میں تراویح کی نماز بھی سنت ہے، اس کی بھی تاکید آئی ہے، اس کا چھوڑ دینا اور نہ پڑھنا گناہ ہے، عشا کے فرض اور سنتوں کے بعد بیس رکعت تراویح پڑھے چاہے دو رکعت کی نیت باندھے چاہے چار چار کی مگر دو دو رکعت پڑھنا افضل ہے۔ جب بیس رکعتیں پڑھ چکے تو وتر پڑھے۔

مسئلہ: وتر کو بعد تراویح کے جماعت سے پڑھنا بہتر ہے، اگر پہلے پڑھ لے تو بھی درست ہے۔

مسئلہ: نماز تراویح میں چار رکعت کے بعد اتنی دیر تک بیٹھنا جتنی دیر میں چار رکعتیں پڑھی گئی ہیں، مستحب ہے، ہاں اگر اتنی دیر تک بیٹھنے سے لوگوں کو تکلیف ہو اور جماعت کے کم ہو جانے کا خوف ہو تو اس سے کم بیٹھنے میں اختیار ہے، چاہے تنہا نوافل پڑھے، یا تسبیح وغیرہ پڑھے، چاہے چپ بیٹھا رہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص عشا کی نماز کے بعد تراویح پڑھ چکا ہو اور بعد پڑھ چکنے کے بعد معلوم ہو کہ عشا کی نماز میں کوئی ایسی بات ہو گئی تھی، جس کی وجہ سے عشا کی نماز نہیں ہوئی تو اس عشا کی نماز کے اعادہ کے بعد تراویح کا بھی اعادہ کرنا چاہیے۔

مسئلہ: اگر عشا کی نماز جماعت سے نہ پڑھی گئی ہو تو تراویح بھی جماعت سے نہ پڑھی جائے؛ اس لیے کہ تراویح عشا کے تابع ہے، ہاں جو لوگ جماعت سے عشا کی نماز پڑھ کر تراویح جماعت سے پڑھ رہے ہوں، ان کے ساتھ شریک ہو کر اس شخص کو بھی تراویح کا جماعت سے پڑھنا درست ہو جائے گا، جس نے عشا کی نماز بغیر جماعت کے پڑھی ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچے کہ عشا کی نماز ہو چکی ہو تو اسے چاہیے کہ پہلے عشا کی نماز پڑھے، پھر تراویح میں شریک ہو کر اگر اس درمیان میں تراویح کی کچھ رکعتیں ہو جائیں تو ان کو بعد وتر پڑھنے کے بعد پڑھے اور یہ شخص وتر جماعت سے پڑھے۔

مسئلہ: مہینے میں ایک مرتبہ قرآن مجید کا ترتیب وار تراویح میں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے اور لوگوں کا کاہلی، یا سستی سے اس کو ترک نہ کرنا چاہیے۔ ہاں اگر یہ اندیشہ ہو کہ اگر پورا قرآن مجید پڑھا جائے تو لوگ نماز میں نہ آئیں گے اور جماعت ٹوٹ جائے گی، یا ان کو بہت ناگوار ہوگا، بہتر ہے کہ جس قدر لوگوں کو گراں نہ گزرے، اسی قدر پڑھا جائے، الم ترکیف سے اخیر تک دس سورتیں پڑھ دی جائیں، ہر رکعت میں ایک سورت پھر جب دس رکعتیں ہو جائیں تو ان سورتوں کو دوبارہ پڑھ دے اور جو سورتیں چاہیں پڑھے۔

مسئلہ: ایک قرآن مجید سے زیادہ نہ پڑھے، تاوقتیکہ لوگوں کا شوق نہ معلوم ہو جائے۔

مسئلہ: ایک رات میں پورے قرآن مجید کا پڑھنا جائز ہے، بشرطیکہ لوگ نہایت شوقین ہوں کہ ان کو گراں نہ گزرے اور اگر ناگوار ہو تو مکروہ ہے۔

مسئلہ: تراویح میں کسی سورت کے شروع میں ایک مرتبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھ دینا چاہیے؛ اس لیے کہ بسم اللہ بھی قرآن مجید کی ایک آیت ہے، اگر چہ کسی سورۃ کا جز نہیں، پس اگر بسم اللہ بالکل نہ پڑھی جائے تو قرآن مجید کے پورا ہونے میں ایک آیت کی کمی رہ جائے گی اور اگر آہستہ آواز سے پڑھی جائے گی تو مقتدیوں کا قرآن پورا نہ ہوگا۔ ==

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

بیس تراویح پر اجماع ہے اور احادیث سے ثابت ہے، پس بیس رکعت تراویح پڑھنی چاہیے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۷۲/۴)

تراویح کی کتنی رکعتیں مسنون ہیں:

سوال: تراویح کی نماز میں کتنی رکعتیں مسنون ہیں، ہمارے یہاں بیس رکعات پڑھنے کا معمول ہے، بعض حضرات آٹھ رکعات پڑھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ احادیث سے بیس رکعات پڑھنے کا ثبوت نہیں ہے، آپ مدلل مفصل جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب ـــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جمہور صحابہ، محدثین اور فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ نماز تراویح بیس رکعت پڑھنا مسنون ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں صحابہ کرام کا بیس رکعت پر اتفاق ہوا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو امام بنا کر ان کے پیچھے بیس رکعت پڑھنے کا حکم دیا، اس دور میں بھی اس پر مسلمانوں کا عمل ہوتا رہا اور اس وقت سے اب تک امت کا عمل اسی پر چلا آ رہا ہے۔

"عن عبد الرحمن بن عبدن القاری أنه قال: خرجت مع عمر بن الخطاب لیلة فی رمضان إلی المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون یصلی الرجل لنفسه ویصلی الرجل فیصلی بصلاته الرهط، فقال عمر: إنی أری لو جمعت هؤلاء علٰی قارئ واحد لکان أمثل ثم عزم فجمعهم علی أبی بن کعب ثم خرجت معه لیلة أخریٰ والناس یصلون بصلاة قارئهم، قال عمر: نعم البدعة هٰذه، والتی تنامون عنها أفضل من التی تقومون یرید آخر اللیل وکان الناس یقومون أوله". (۲)

== مسئلہ: تراویح کا رمضان کے پورے مہینے میں پڑھنا سنت ہے، اگر چہ قرآن مجید مہینہ تمام ہونے سے قبل ختم ہو جائے، مثلاً پندرہ روز میں پورا قرآن مجید پڑھ دیا جائے تو باقی دیوں میں بھی تراویح کا پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔

مسئلہ: صحیح یہ ہے کہ قل ہو اللہ کا تراویح میں تین مرتبہ پڑھنا جیسا کہ آج کل دستور ہے، مکروہ ہے۔(دین کی باتیں)

(۱) وهی عشرون رکعة حکمته مساواة المکمل للمکمل (بعشر تسلیمات)... هو قول الجمهور وعلیه عمل الناس شرقًا وغربًا. (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث التراویح: ۴۹۵/۲، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بیس رکعت تراویح پڑھی، مصنف ابن ابی شیبہ، طبرانی اور بیہقی میں یہ حدیث موجود ہے۔ کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعةً سوی الوتر۔ راوی عبداللہ بن عباسؓ ہیں۔(ظفیر)

(۲) الصحیح للبخاری، کتاب الصوم، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان: ۲۶۹/۱، رقم الحدیث: ۱۹۶۶، أشرفی بکڈپو، انیس

سائب بن یزید سے مروی ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ماہ رمضان میں بیس رکعت پڑھتے تھے:

عن السائب بن يزيد قال كانوا يقومون علىٰ عهد عمر بن الخطاب في شهر رمضان بعشرين ركعة ".(۱)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا عمل بھی یہی تھا، چناں چہ ایک حدیث میں ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں پانچ ترویحوں سے بیس رکعت پڑھائے:

"أن علي بن أبي طالب أمر رجلاً أن يصلي بالناس خمس ترويحات عشرين ركعة ".(۲)

حضرت عمر فاروق اور حضرت علی دونوں حضرات خلفاء راشدین میں سے ہیں اور خلفاء راشدین کی اتباع لازم ہے، جس طرح تمام مسلمانوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع لازم وضروری ہے۔

"فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ".(۳)

(یعنی تم پر لازم ہے کہ میرے اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کو لازم جانو اور اسی طریقہ پر بھروسہ رکھو اور اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔)

حضرت شتیر بن شکل جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں، رمضان میں امامت کرتے تھے اور بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھاتے تھے۔

"عن شتير بن شكل أنه كان يصلي في رمضان عشرين ركعة الوتر".(۴)

حضرت نافع بن عمر فرماتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ ہم لوگوں کو رمضان المبارک میں بیس رکعت پڑھاتے تھے:

"كان ابن أبي مليكة يصلي بنا في رمضان عشرين ركعة ".(۵)

حضرت عبدالعزیز بن رفیع فرماتے ہیں کہ ابی بن کعب لوگوں کو مدینہ میں ماہ رمضان المبارک میں بیس رکعت پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر۔

"عن عبد العزيز بن رفيع قال: كان أبي بن كعب يصلي بالناس في رمضان بالمدينة عشرين ركعة ويوتر بثلاث".(۶)

---

(۱) السنن الكبرى للبيهقي، بابما روى في عدد ركعات القيام في شهر رمضان:۲/٤٩٦، رقم الحديث: ٤٨٠١، انيس

(۲) السنن الكبرى للبيهقي، باب ما روى في عدد ركعات القيام: ۲/٤٩٦، رقم الحديث: ٤٨٠٥، انيس

(۳) مشكوة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني، ص: ۳۰، فيصل بكڈپو، انيس

(۴) مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، كم يصلي في رمضان من ركعة: ۲/۳۹۳، رقم الحديث: ۷۷٦۲، انيس

(۵) مصنف ابن أبي شيبة، كم يصلي في رمضان من ركعة: ۲/۳۹۳، رقم الحديث: ۷۷٦٥، انيس

(۶) مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، كم يصلي في رمضان من ركعة: ۲/۳۹۳، رقم الحديث: ۷۷٦٦، انيس

حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو رمضان المبارک کی رات میں بیس رکعت پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر۔

''عن أبی إسحاق عن الحارث أنه كان يؤم الناس فی رمضان بالليل بعشرين ركعة ويوتر بثلاث ويقنت قبل الركوع''.(۱)

غرضیکہ ماہ رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھنے پر صحابہ کا اجماع تھا۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح میں بیس رکعت تراویح پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے۔

''لكن أجمع الصحابة علىٰ أن التراويح عشرون ركعة''.(۲)

مرقاۃ ہی میں ہے کہ بیس رکعت تراویح پر اتفاق ہوا اور یہی متوارث ہے۔

''ثم استقرار الأمر على العشرين فإنه المتوارث''.(۳)

مسلم شریف کی شرح فتح الملہم میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ صحابہ میں سے کسی نے بھی بیس رکعت سے اختلاف نہیں کیا، تمام حضرات بیس رکعت پر متفق تھے۔

''وهو الصحيح عن أبی بن كعب من غير خلاف من الصحابة''.(۴)

ظاہر ہے کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ سمجھنے والے صحابہ تھے، اس پر عامل بھی سب سے زیادہ صحابہ تھے اور صحابہ کسی غلطی پر جمع نہیں ہوسکتے ہیں تو جب بیس رکعت پر صحابہ کرام نے عمل کیا اور ان کا اس پر اتفاق بھی ہے تو پھر ہمارے لیے اس سے انحراف، یا صحابہ پر کسی طرح کی انگشت نمائی کا کیا حق ہوتا ہے۔

نیز ائمۂ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک و امام احمد بن حنبل میں سے کوئی بھی بیس رکعت سے کم کے قائل نہیں ہیں۔

واختلفوا فی المختار من عدد الركعات التی يقوم بها الناس فی رمضان فاختار مالک فی أحد قوليه وأبو حنيفة والشافعی وأحمد وداؤد القيام بعشرين ركعة سوى الوتر''.(۵)

علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی رمضان میں بیس رکعت تراویح کو سنت قرار دیا ہے، انہوں نے مجموعۂ فتاویٰ ابن تیمیہ میں لکھا ہے:

''حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ صحابہ کو رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر، پس

---

(۱) مصنف ابن أبی شيبة، كتاب الصلاة كم يصلی فی رمضان من ركعة: ۳۹۳/۲، رقم الحديث: ۷۷۶۷، انيس

(۲) مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان: ٤٤١/٤، انيس

(۳) مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان: ٤٣٩/٤، انيس

(۴) فتح الملهم: ۳۲۰/۲، كراتشی

(۵) بداية المجتهد، كتاب الصلاة الثانی، الباب الخامس فی قيام رمضان: ۲۱۰/۱، انيس

بہت سے علما کا مسلک یہ ہے کہ یہی سنت ہے؛ کیوں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے مہاجرین اور انصار کی موجودگی میں بیس رکعتیں پڑھائی اور کسی بھی صحابی نے اس پر نکیر نہیں فرمائی''۔

''قد ثبت أن أبی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعة فی قیام رمضان ویوتر بثلاث. فرأی کثیر من العلماء أن ذلک هو السنة، لأنه أقامه بین المهاجرین والأنصار ولم ینکره منکر''. (۱)

خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بیس رکعت پڑھنا بعض روایات سے ثابت ہے، گرچہ اس روایت پر بعض حضرات نے کلام کیا ہے اور اس کو ضعیف قرار دیا ہے؛ لیکن مؤید بالاجماع والتعامل ہونے کی بنا پر اس میں قوت آجاتی ہے۔ ملاحظہ ہو، حدیث شریف:

عن ابن عباس رضی الله عنه قال: ''کان النبی صلی الله علیه وسلم یصلی فی شهر رمضان فی غیر جماعة بعشرین رکعة والوتر''. (۲)

خلاصۂ جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین، حضرت عمر فاروق وحضرت علی اور دیگر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت ملتا ہے۔ لہذا بیس رکعت تراویح پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، اسی پر عمل کیا جائے اور اس مسئلہ کو باہمی اختلاف وانتشار کا ذریعہ نہ بنایا جائے، تمام مسلمان کلمۂ واحدہ کی بنیاد پر متحد ومتفق ہوکر زندگی گذاریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/ ۴۵۷-۴۶۰)

رکعاتِ تراویح:

سوال: حوالہ اخبار البرید مورخہ ۲۵/ جون ۱۹۱۸ء مطابق ۱۵/ رمضان المبارک از کانپور (تراویح کا بیان) بعد نماز عشا؛ یعنی فرض وسنت کے بعد بیس رکعتیں تراویح پڑھنا مسنون ہے، جو لوگ آٹھ، یا گیارہ مع وتر بتاتے ہیں، غلط ہے۔ اگر آٹھ رکعات تراویح غلط ہے تو اس کے کیا معنی ہیں؟ جو شیخ ابن الہمام حنفی فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

فتحصل من هٰذا کله أن قیام رمضان سنة إحدی عشر رکعة بالوتر فی جماعة فعله علیه السلام ثم ترکه لعذر... وکونها عشرین سنة الخلفاء الراشدین. (۳)

افسوس کہ اگر آپ جواز کا فتویٰ نہ دیتے تو غلط بھی نہ کہتے؛ کیوں کہ کسی بات کو بغیر تحقیق غلط کہہ دینا انسانیت سے بعید ہے۔ اب فدوی آں جناب سے ملتمس ہے کہ اگر واقعی آٹھ رکعت ثابت نہ ہوں تو مع دلیل تحریر فرماویں اور ماسوا

(۱) الفتاویٰ الکبریٰ لإبن تیمیة، کتاب الصلاة، مسألة هل قنوت الصبح دائماً سنة: ۲/ ۴۷ ۴، انیس

(۲) السنن الکبری للبیهقی، کتاب الصلاة، باب ماروی فی عدد رکعات القیام: ۲/ ۴۹۶، رقم الحدیث: ۴۷۹۹، انیس

(۳) فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب النوافل، فصل فی قیام رمضان: ۱/ ۴۸۵-۴۸۶، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

اس کے بیس رکعت کا ثبوت کسی صحیح حدیث سے ہم کو بتائیں؛ تاکہ اس کے ثواب سے ہم بھی محروم نہ رہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے تو اس کا ثبوت صحیح روایت سے پیش کریں؟

الجواب

جمہور حنفیہ تمام بیس رکعات تراویح کو سنت مؤکدہ فرماتے ہیں اور یہی محقق وراجح ہے۔ لہٰذا اس بارے میں علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کا قول بمقابلہ جمہور حنفیہ کے قابل تسلیم نہیں ہے،(۱) اور البرید کے حوالہ سے جو آپ نے یہ نقل کیا ہے کہ جولوگ آٹھ، یا گیارہ مع وتر، الخ، اس کا مطلب یہ ہے کہ جولوگ محض آٹھ رکعت تراویح پڑھتے ہیں اور لوگوں کو اسی کا حکم کرتے ہیں اور اس سے زیادہ کو بدعت جانتے ہیں اور اس سے منع کرتے ہیں یہ غلط ہے تو اس میں امام ابن ہمام رحمہ اللہ کی تغلیط نہیں ہے؛ بلکہ غیر مقلدوں کی تغلیط مقصود ہے، جو بیس رکعت کو بدعت عمری بتلاتے ہیں۔ (والعیاذ باللہ)

قال عليه الصلاة والسلام: ”فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين“ فكيف تكون سنة الخلفاء بدعةً؟ فقط (فتاویٰ دار العلوم: ۲۴۰/۴-۲۴۲)

---

(۱) (وهي عشرون ركعة) إلخ (بعشر تسليمات). (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۹۸/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

وهو قول الجمهور وعليه عمل الناس شرقاً وغرباً، وعن مالك ست وثلاثون، وذكر في الفتح أن مقتضى الدليل كون المسنون منها ثمان والباقي مستحبًا وتمامه في البحر وذكرت جوابه فيما علقته عليه (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۴۹۵/۲، دار الكتب العلمية، انيس)

وذكر في الاختيار: أن أبا يوسف سأل أبا حنيفة عنها وما فعله عمر، فقال: التراويح سنة مؤكدة ولم يتخرجه عمر من تلقاء نفسه ولم يكن فيه مبتدعًا ولم يأمر به إلا عن أصل لديه وعهد من رسول الله صلى الله عليه وسلم. (البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۶۶/۲)

ماحصل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے بیس رکعت صحابہؓ کے اجماع سے تراویح رائج کیں، سوچنا یہ ہے کہ بغیر کسی اصل کے ایسا حکم آپ کیسے کر سکتے تھے، پھر مصنف بن ابی شیبہ، طبرانی اور بیہقی میں یہ حدیث موجود ہے، جس کے راوی حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں۔

عن ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يصلي في رمضان عشرين ركعة سوى الوتر. (معجم الطبراني: ۱۹۳/۱، رقم الحديث: ۸۰۲، انيس)

ایک راوی کی وجہ سے جو یقیناً عہد صحابہؓ کے بعد کے ہیں، سے ضعیف قرار دے کر بیس رکعت کا انکار کسی طرح درست نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو رمضان وغیر رمضان دونوں سے متعلق ہے، اس سے استدلال کسی طرح درست نہیں؛ اس لیے کہ تراویح صرف دو تین رات پڑھی گئی، پھر اس بیس رکعت رکعت والی حدیث کے ساتھ اجماع صحابہ ہے اور یہ مسلم ہے کہ آٹھ رکعت تراویح کی بدعت صرف سو سال سے غیر مقلدوں نے جاری کی ہے، اس سے پہلے تراویح آٹھ رکعت کہیں جماعت کے ساتھ پڑھنا ثابت نہیں، پھر حدیث عائشہؓ میں چار چار رکعت ایک سلام سے مذکور ہے اور غیر مقلدین دو دو رکعت ایک سلام سے پڑھتے ہیں، اس کے لیے آپ حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ (مرحوم) کا رسالہ ”رکعات تراویح“ ملاحظہ پڑھیں، جو مدرسہ مفتاح العلوم مئو ضلع اعظم گڈھ سے شائع ہوا ہے، رکعات تراویح پر اس سے بہتر کتاب اب تک دیکھنے میں نہیں آئی۔ (ظفیر)

عدد رکعات تراویح:

سوال: تراویح کی نماز خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعتیں پڑھی ہیں، یا زیادہ، خلفا راشدین کے زمانہ میں تراویح کی نماز کتنی رکعتیں پڑھی گئی ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

تراویح کے متعلق حدیث میں ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو، تین روز رمضان میں تراویح پڑھائی، جس میں بعض روایتوں میں بیس رکعتوں کا پڑھنا مروی ہے، بعض میں آٹھ رکعتوں کا پڑھنا بھی، تیسرے یا چوتھے دن بہت بڑا مجمع مسجد میں ہوگیا؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لائے، صبح کو آپ نے فرمایا کہ میں اس وجہ سے نہیں آیا کہ میں نے خطرہ محسوس کیا کہ تم پر یہ تراویح فرض نہ ہو جائے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھنا حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے اور یہ روایتیں بیہقی اور طبرانی میں ہیں، صحابہ تراویح کی نماز رمضان میں پڑھا کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں متفرق جماعتوں میں لوگوں کو تراویح پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ ان سب کو کیوں نہ میں ایک امام کے پیچھے جمع کردوں، چناں چہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں سب کو جمع فرمادیا اور صحابہ ان کے پیچھے تراویح پڑھتے رہے۔(۱)

حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی خلافت میں بھی برابر تراویح پڑھتے رہے اور آج تک مسلمانوں میں یہ سنت جاری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی جو جماعت حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں قائم کرائی، اس کے متعلق بھی دونوں طرح کی روایتیں ہیں، بعض روایتوں میں گیارہ رکعتیں مع وتر ہیں، بعض میں تئیس رکعتیں مع وتر ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک تئیس رکعت مع وتر؛ یعنی بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر کی روایتیں زیادہ صحیح ہیں؛ اس لیے ان کا اس پر عمل ہے۔

---

(۱) عن عبد الرحمن بن عبد ن القاری أنه قال: خرجت مع عمر بن الخطاب ليلة فی رمضان إلى المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون يصلی الرجل لنفسه ويصلی الرجل فيصلی لصلاته الرهط، فقال عمر: إنی أری لوجمعت هولاء علٰی قارئ واحد لكان أمثل، ثم عزم فجمعهم علٰی أبی بن كعب ثم خرجت معه ليلة أخرٰی والناس يصلّون بصلاة قارئهم، قال عمر: نعم البدعة هٰذه، والتی تنامون عنها أفضل من التی تقومون يريد آخر الليل وكان الناس يقومون أوّله. (الصحيح للبخاری، كتاب الصوم، كتاب صلاة التراويح، باب من قام رمضان: ۲۶۹/۱، رقم الحديث: ۱۹۶۶، أشرفی بكڈپو، انيس)

ان باتوں میں عوام کونہیں پڑنا چاہیے؛ کیوں کہ وہ فضول لڑائی جھگڑا کریں گے اوراس سے نقصان کے سوا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اب اس کا حل نہ کسی فتوی سے ہوسکتا ہے اور نہ بحث ومباحثہ سے؛اس لیے اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دینا چاہیے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی،۲۲/۱۲/۶۹ ۱۳ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۱۰-۲۱۱)

رکعات تراویح اور ابن ہمامؒ:

سوال: حضرت آپ نے اس فتویٰ میں تحریر فرمایا ہے کہ علامہ ابن ہمام علیہ الرحمہ کا یہ قول بمقابلہ جمہور حنفیہ کے قابل تسلیم نہیں ہے،(بہت خوب)، ہم پوچھتے ہیں کہ علامہ ابن ہمامؒ کے اس قول کی تردید جمہور حنفیہ کس دلیل سے کرتے ہیں" **علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین**" والی حدیث پر ہمارا بھی صاد ہے،مگر سوال یہ ہے کہ کسی صحیح حدیث یا روایت سے ثابت بھی ہے، یا یوں ہی زبانی خرچ ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم آٹھ رکعت کا ثبوت ایسا دیں گے کہ آپ کو انکار کی گنجائش نہ ہوگی، بشرطیکہ بنظر انصاف ملاحظہ فرمائیں۔لیجئے سر دست ایک حدیث عاجز نقل کرتا ہے۔پہلی حدیث صحیح بخاری میں ہے:

قیام النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ:عن أبی سلمة بن عبد الرحمٰن أنه أخبرہ أنه سأل عائشة رضی اللّٰہ عنه کیف کانت صلاۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی رمضان؟ فقالت:ما کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علیٰ إحدیٰ عشرۃ رکعةً یصلی أربعاً، فلا تسئل عن حسنهن وطولهن، ثم یصلی أربعاً فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلٰثاً، قالت عائشة:فقلت:یارسول اللّٰہ! أ تنام قبل أن توتر؟ فقال:یا عائشة! "إن عینی تنامان ولاینام قلبی".(۱)

ہاں یہ تو فرمائیں کہ غیر مقلدوں کی تغلیط کیوں کر ہوئی،ابھی آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ بمقابلہ جمہور حنفیہ کے ابن ہمام کا قول قابل تسلیم نہیں اور پھر لکھتے ہیں کہ اس سے تغلیط غیر مقلدین کی ہوئی نہ کہ ابن ہمام کی۔مولانا ارشاد خداوندی پر بھی تو عمل کیا کریں،جب بولا کرو انصاف سے۔

الجواب

قال فی شرح المنیة: تنبیه:علم من هذہ المسئلة أن التراویح عندنا عشرون رکعةً بعشر تسلیمات وهومذهب الجمهوروعند مالک ست وثلٰثون رکعةً احتجاجاً بعمل أهل المدینة،و

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب التهجد،باب قیام النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ: ۱/۱۵۴، رقم الحدیث:۱۱۳٦،مکتبة أشرفیه دیوبند،انیس

للجمهور مارواه البيهقي بإسناد صحيح عن السائب بن يزيد قال: كانوا يقومون علىٰ عهد عمر بعشرين ركعة وعلىٰ عهد عثمان وعلىٰ مثله،إلخ.(۱)

اس سے خلفائے راشدین کا طریقہ معلوم ہوگیا اور جمہور حنفیہ کا مذہب بھی معلوم ہوگیا اور حدیث بخاری کا جواب یہ ہے کہ وہ تہجد کی نماز کا بیان ہے تراویح کا نہیں ہے، جیسا کہ لفظ "ولافي غيره" اس پر دال ہے؛ کیوں کہ غیر رمضان میں تراویح نہیں، لہٰذا اس سے ایسی نماز مراد لی جاوے گی، جو رمضان اور غیر رمضان دونوں میں ہو، سو وہ نماز تہجد ہے۔

وفي الدرالمختار: التراويح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين،إلخ،وهي عشرون ركعةً.(۲)

قال في رد المحتار: قوله وهي عشرون ركعةً هوقول الجمهوروعليه عمل الناس شرقاً وغرباً،إلخ.(۳)

وقبيله: وكيف لا وقد ثبت عنه صلى الله عليه وسلم: "عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضّوا عليها بالنواجد"، كما رواه أبو داؤد.(۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۴/۲۴۴-۲۴۵)

تراتیح آٹھ رکعت ہے، یا بیس رکعت:

سوال: تراویح کی آٹھ رکعت پڑھنی چاہیے، یا بیس رکعت؟ مشرح ومدلل تحریر فرمایئے اور فاتحہ خلف الامام وآمین بالجہر میں کیا حکم ہے؟ صاف تحریر فرماویں اور وتر کی تین رکعتیں کیا اس طرح ہیں کہ دو رکعت پر قعود اولیٰ ہے؟

الجواب

فتح القدیر میں ہے:

" نعم ثبتت العشرون من زمن عمر في الموطأ: عن يزيد بن رومان قال: كان الناس يقومون في زمن عمر بن الخطاب بثلاث و عشرين ركعةً. وروى البيهقي في المعرفة عن السائب بن يزيد قال: كنا نقوم في زمن عمر بن الخطاب رضي الله عنه بعشرين ركعة والوتر. قال النووي في الخلاصة: إسناده صحيح. وفي الموطأ رواية بإحدىٰ عشرة وجمع بينهما بأنه وقع أولاً ثم استقر الأمر على العشرين فإنه المتوارث فتحصل من هٰذا كله أن قيام رمضان سنة إحدىٰ عشرة ركعة بالوتر في جماعة فعله عليه الصلاة والسلام ثم تركه لعذر،إلخ،فيكون سنة وكونها عشرين سنة الخلفاء الراشدين،وقوله عليه الصلاة و السلام: "عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين ندب إلىٰ سنتهم (إلىٰ أن قال)فتكون العشرون مستحباً،إلخ.(۵)

(۱) غنية المستملي،فصل في النوافل: التراويح،ص: ۳۵۱-۳۵۲،دارالكتاب ديوبند،انيس
(۲) الدرالمختار،كتاب الصلاة،باب الوتروالنوافل: ۹۸/۱،مكتبة زكريا ديوبند،انيس
(۳) رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الوتروالنوافل،مبحث صلاة التراويح: ۶۶۰/۱،ظفير
(۴) رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الوتروالنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۴۹۳/۲،مكتبة زكريا ديوبند،ظفير
(۵) فتح القدير،كتاب الصلاة،باب النوافل،فصل في قيام رمضان: ۴۸۵/۱-۴۸۶،دارالكتب العلمية، انيس

اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ سنت خلفاء راشدین بیس رکعت تراویح ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت خلفاء راشدین کے اتباع کا حکم فرمایا ہے، پس کہنا غیر مقلدین کا کہ بیس رکعت بدعت عمری ہے، جہالت ہے۔

اور شامی میں ہے:

قوله:وهي عشرون ركعةً هوقول الجمهوروعليه عمل الناس شرقاً وغرباً،الخ.(۱)

الغرض اس میں کچھ تأمل نہیں ہے، **كـمـا مـر عـن فتح القدير**، پس حنفیہ کے لیے یہ دلیل کافی ہے، پس اگر بالفرض یہ بات ثابت ہو کہ زمانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بیس رکعت تراویح کا ہونا صحیح حدیث سے ثابت نہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے تو بالاتفاق صحیح طریق سے ثابت ہے اور سنت خلفاء راشدین خود واجب الاتباع ہے، پھر بیس رکعت کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتا ہے۔

الرأی النجیح والحق الصریح، نیز ایضاح الادلۃ مولوی سید اصغر حسین صاحب سے بذریعہ ویلو طلب فرمالیں، پہلے دونوں رسالوں میں تراویح کی پوری تحقیق ہے اور حق الامر ظاہر فرمادیا ہے اور ایضاح الادلۃ مصنفہ حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ میں مسائل اختلاف ''رفع الیدین'' ''فاتحہ خلف الامام'' ''آمین بالجہر'' وغیرہ خوب تشریح کے ساتھ مذکور ہیں۔ کتب مذکورہ ضرور منگا کر مطالعہ فرمائیں، بندہ کو فرصت اول ان دلائل کے نقل کرنے کی نہیں اور کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہے، بدوں مطالعہ کتب مذکورہ غیر مقلدین کی دھوکہ دہی سے بیچارے مقلدین نجات نہ پاویں گے

تین وتروں میں درمیانی قعدہ کا ثبوت ایسا بدیہی ہے کہ اس کا انکار اہل حق اور اہل دین کا کام نہیں، یہ جرأت غیر مقلدین ہی کو ہے۔

''صلاة الليل مثنٰى مثنٰى فإذا خشي الصبح صلٰى واحدة فأوترله ما صلٰى''.(۲)

حدیث صحیح ہے، اس سے ثابت ہے کہ بعد دو رکعت کے تشہد ہے۔

فتح القدیر میں ہے:

''وأخرج الحاكم،قيل للحسن: إن ابن عمر كان يسلم في الركعتين من الوتر،فقال: كان عمر أفقه منه وكان ينهض في الثانية''.(۳)

اس میں دو رکعت کے بعد نہوض مصرح ہے، اور نہوض بعد بیٹھنے کے ہوتا ہے۔

نیز فتح القدیر میں ہے:

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب الوتروالنوافل،مبحث صلاة التراويح:۲/۴۹۵-۴۹۶،مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) فتح القدير، كتاب الصلاة،باب صلاة الوتر:۱/۴۴۱-۴۴۲،دارالكتب العلمية بيروت،انيس

(۳) فتح القدير، كتاب الصلاة،باب صلاة الوتر:۱/۴۴۱،دارالكتب العلمية بيروت،انيس

”قال الطحاوی: حدثنا أبو بکر حدثنا أبو داؤد حدثنا أبو خالد قال: سألت أبا العالیة عن الوتر؟ فقال: علمنا أصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أن الوتر مثل صلاة المغرب هٰذا وتر اللیل وهٰذا وتر النهار“. (۱)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وتر مثل صلوٰۃ مغرب ہیں۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم: ۴/۲۸۹-۲۹۰)

حضور سے کتنی رکعات تراویح ثابت ہے:

سوال: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان المبارک میں نماز تراویح کتنی رکعتیں پڑھائی ہیں؟ ثبوت مستند حدیث سے ہو۔

(المستفتی: ۲۷۷۳، مولانا اختر شاہ صدر مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ، ۷/شعبان ۱۳۶۲ھ)

الجواب

نماز تراویح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تین دن جماعت سے پڑھائی ہے، چوتھے دن باوجود صحابہ کے اجتماع اور اس کوشش کے کہ حضور حجرے سے نکلیں اور نماز پڑھائیں، حضور تشریف نہیں لائے اور فرمایا کہ مجھے یہ خوف ہوا کہ یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے، (۲) چناں چہ تراویح کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ نہ اس رمضان کے باقی ایام میں حضور نے پڑھائی نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ مبارک میں جماعت سے پڑھی گئی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں بھی کئی سال ایک جماعت کا اہتمام نہیں ہوا، پھر حضرت عمرؓ نے جماعت تراویح کا اہتمام کیا اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو تراویح پڑھانے پر متعین فرما دیا۔ (۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرے روز صبح صادق کے قریب تک تراویح کی نماز پڑھائی اور اس بات میں اختلاف ہے کہ حضور نے کتنی رکعتیں پڑھائیں؛ مگر یہ بات متفق علیہ ہے کہ تیسری رات قریب صبح صادق تک نماز پڑھی

(۱) فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب صلاة الوتر، بحث التراویح: ۱/۴۴۲، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

(۲) عن عائشة رضی اللّٰه عنها أنه صلی اللّٰه صلیٰ فی المسجد فصلی بصلاته ناس ثم صلیٰ من القابلة فکثر الناس ثم اجتمعوا من الثالثة فلم یخرج إلیهم فلما أصبح قال؛”قد رأیت الذی صنعتم فلم یمنعنی من الخروج إلیکم إلا أنی خشیت أن تفترض علیکم. (الحلبی الکبیر، باب النوافل، ص: ۴۰۱، ط: سهیل، انیس)

(۳) عن عبد الرحمن بن عبد القاری خرجت مع عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه لیلة فی رمضان إلی المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون، یصلی الرجل لنفسه ویصلی الرجل فیصلی بصلاته الرهط فقال عمر رضی اللّٰه عنه: إنی أریٰ لو جمعت هٰؤلاء علیٰ قاری واحد لکان أمثل ثم عزم فجمعهم علیٰ أبی ابن کعب رضی اللّٰه عنه ثم خرجت معه فی لیلة أخریٰ، والناس یصلون بصلاة قارئهم، قال عمر رضی اللّٰه عنه:”نعم البدعة“. {الحدیث}(آثار السنن، کتاب الصلاة، فی جماعة التراویح ص: ۱۹۹، مکتبة حقانیة ملتان، انیس)

گئی، صحابی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ خوف پیدا ہو گیا کہ آج سحری کھانے کا موقع بھی ملتا ہے، یا نہیں؟

اکثر روایتوں سے حضور کا آٹھ رکعتیں پڑھنا ثابت ہوتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیس رکعتیں ثابت ہوتی ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ والی روایت کو محدثین ضعیف بتاتے ہیں؛ مگر اس کا ضعف خلفائے راشدین اور جمہور امت محمدیہ کے عمل سے دور ہو جاتا ہے، (۱) حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی رضی اللہ عنہم کے زمانۂ ہائے مبارکہ میں تراویح کی بیس رکعتیں پڑھی جاتی رہیں اور اسی پر تمام امت کا عمل رہا اور اب تک ہے کہ بیس سے کم رکعتیں نہیں، بیس سے زیادہ کے تو امام مالکؒ قائل بھی ہیں ۔(۲)

غرض بیس رکعت والی روایت کو تلقی امۃ بالقبول کی قوت حاصل ہے اور اس وجہ سے ضعف سند مضر نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی:۳/۴۰۷-۴۰۸)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی رکعات ثابت ہیں:

سوال: کیا حضور علیہ السلام سے نماز تراویح رمضان شریف میں گیارہ رکعت مع وتر ثابت ہے، یا کہ بیس رکعت؟

(المستفتی:۱۱۸۸، عبدالعزیز مشین والا (ضلع سیالکوٹ) ۲۸/ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ، مطابق ۱۶/ستمبر ۱۹۳۶ء)

الجواب

تراویح کی رکعات کی تعداد میں ایک روایت سے بیس اور دوسری روایت سے گیارہ رکعتیں معلوم ہوتی ہیں، امت کا عمل صحابۂ کرام کے زمانے سے بیس، یا اس سے زیادہ رکعتوں پر رہا ہے۔(۳)

وقال الشامي: هو قول المجهور وعليه عمل الناس شرقا وغربا، إلخ.(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۴۰۱)

---

(۱) وهي إن كان ضعيفة لكنها تقوى حديث ابن عباس رضى الله عنه فلا شك في كونه حسناً، إلخ. (التعليق الحسن علىٰ آثار السنن، كتاب الصلاة، أبواب قيام شهر رمضان، باب فضل قيام رمضان، ص: ١٩٧، انيس)

(۲) وقال في التنوير هي عشرو ن ركعة، إلخ. (تنوير الأبصار)

قال الشامي: "هو قول المهور، وعليه عمل الناس شرقًا وغرباً. (رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ٢/٤٩٥-٤٩٦، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۳) وهي عشرون ركعة بعشر تسليمات، إلخ. (تنوير الأبصار على صدر ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ١/٩٨، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

والتراويح عشرون ركعة بعشر تسليمات بعد العشاء في ليالي رمضان وصلاة الوتر على قولهما. (الأشباه والنظائر، السنن الرواتب في اليوم والليلة، ص: ٤٣، انيس)

(۴) ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ٢/٤٩٥-٤٩٦، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

تراویح کی رکعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ ثابت ہیں، یا بیس:

سوال: آٹھ رکعت تراویح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھنی ثابت ہے، یا نہیں؟ اگر ثابت ہے تو بیس رکعت کیوں پڑھتے ہیں اور ترجیح کس کو ہے؟

الجواب

تحقیق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز تراویح کی تعداد رکعات قولاً عملاً کسی صحیح و معتبر حدیث سے ثابت نہیں اور آٹھ رکعات کا جن روایات صحیحہ میں ذکر ہے، وہ تراویح کے متعلق نہیں؛ بلکہ تہجد کے متعلق ہے، البتہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے اجماع سے بیس رکعت تراویح پڑھا جانا ثابت ہے؛ اسی لئے تمام ائمہ اربعہ نے بیس سے کم تراویح کو اختیار نہیں کیا۔ مسئلہ کی تفصیل دیکھنا ہو تو ''رسالة التنقیح فی عدد رکعات التراویح'' ملاحظہ فرمائیں۔ (امداد المفتین: ۳۱۲/۲-۳۱۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت تراویح ثابت ہے، یا نہیں:

سوال (۱) حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت تراویح کی کوئی حدیث صحیح ہے، یا نہیں؟

(۲) موجد تراویح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب و تمیم داری رضی اللہ عنہما کو رمضان میں جماعت کو کتنے رکعت تراویح کا حکم دیا تھا؟

(۳) یزید بن رومان نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہے، یا نہیں؟ چوں کہ کبیری شرح منیة المصلی میں، نیز محلی شرح موطا امام مالک میں ہے کہ یزید بن رومان نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔

(المستفتی: ۶۳۱، عبد الستار ضلع بلاری ۲۹/ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ، ۲۸/ستمبر ۱۹۳۵ء)

الجواب

(۱) و (۳) یزید بن رومان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح کا ثبوت سائب بن یزید، محمد بن کعب قرظی، یزید بن رومان، اعمش عن عبد اللہ، مسعود عن فحله، عطاء وغیرہم سے ثابت ہے۔ (قیام اللیل) (۱)

---

(۱) عن سائب بن يزيد قال: كانوا يقومون علىٰ عهد عمر بن خطاب فی شهر رمضان بعشرين ركعة. (الحديث) وقال الشعرانی فی كشف الغمة: "وكانوا يصلونها فی أول زمان عمر بثلاث عشرة ركعة، إلخ، وكان إمامهم أبی ابن كعب وتميما الداری، ثم أن عمر رضی اللّٰه عنه أمر بفعلها ثلاثا وعشرين ركعة ثلاث منها وتر واستقر الأمر علىٰ ذلك فی الأمصار.
(التعليق الحسن علىٰ آثار السنن، كتاب الصلاة، باب فی التراوح بعشرين ركعات، ص: ۲۰۲، حقانية ملتان، انيس) ==

(۲)　　حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجد تراویح نہیں ہیں؛ کیوں کہ تراویح کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجد جماعت ہیں؛ کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح جماعت سے پڑھائی ہے،(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف اتنا کیا ہے کہ مسجد میں متعدد جماعتیں ہوتی تھیں، ان کو ایک جماعت کی صورت میں جمع کر دیا،(۲) حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ رکعت کا حکم دیا تھا، یہ ایک روایت سے ثابت ہے؛ لیکن انھیں کے زمانے میں بیس رکعتیں پڑھے جانے کا بھی ثبوت موجود ہے اور سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین میں بیس رکعت سے زیادہ کے قائل تو موجود ہیں؛ مگر تراویح میں بیس رکعت سے کم کے قائل نہیں، یا بہت کم ہیں۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۳۹۵-۳۹۶)

تراویح میں آٹھ رکعت والی حدیث راجح ہے، یا بیس والی:

سوال: رکعات تراویح میں ہر دو احادیث کا مقابلۃً کیا حال ہے؟ آٹھ رکعت والی حدیث جو ''کتاب قیام اللیل'' امام محمد بن نصر مروزی میں ہے اور بیس رکعات ''مصنف ابن ابی شیبہ'' میں عام مشہور ہے؟

==　　محمد بن کعب القرظی قال: کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ فی رمضان عشرین رکعۃ یطیلون فیھا القراء ۃ ویوترون بثلاث.(مختصر قیام اللیل وقیام رمضان للمروزی،باب عدد رکعات التی یقوم بھا الإمام: ۱/۲۲۰،حدیث اکیدمی فیصل آباد،انیس)

عن یزید بن رومان أنہ قال: کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعۃ.(موطأ الإمام مالک روایۃ یحی اللیثی،باب ماجاء فی قیام رمضان،رقم الحدیث: ۲۵۲،انیس)

عن عطاء قال: أدرکت الناس وھم یصلون ثلاثۃ وعشرین رکعۃ بالوتر.(مصنف بن أبی شیبۃ،کم یصلی فی رمضان من رکعۃ،رقم الحدیث: ۷۷۷۰/تنبیہ القاری علی تقویۃ ما ضعفہ الألبانی: ۱/۴۳،انیس)

عن عبدالعزیز بن رفیع قال: کان أبی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینۃ عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث.(مصنف بن أبی شیبۃ،کم یصلی فی رمضان من رکعۃ،رقم الحدیث: ۷۷۶۶،انیس)

(۱)　　عن عروۃ أن عائشۃ رضی اللّٰہ عنھا أخبرتہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خرج لیلۃ من جوف اللیل فصلٰی فی المسجد و صلٰی رجال بصلاتہ فأصبح الناس فتحدثوا فاجتمع أکثر منھم فصلٰی فصلوا معہ.(الحدیث) (آثار السنن،باب فی جماعۃ التراویح،ص: ۱۹۹،ط: امدادیۃ)

(۲)　　فقال عمر رضی اللّٰہ عنہ: إنی أریٰ لو جمعت ھؤلاء علٰی قاری واحد لکان أمثل،ثم عزم فجمعھم علٰی أبی بن کعب.(الحدیث)(آثار السنن، کتاب الصلاۃ،أبواب قیام شھر رمضان،باب جماعۃ التراویح،ص: ۱۹۹،ط: امدادیۃ،انیس

(۳)　　قالی فی التنویر: وھی عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات''،إلخ.

وفی الشامیۃ: ھو قول الجمھور وعلیہ عمل الناس شرقًا و غربًا.(ردالمحتار،باب الوتر والنوافل،مبحث صلاۃ التراویح: ۲/۴۹۵-۴۹۶،مکتبۃ زکریا دیوبند، انیس)

الجواب

بیس رکعت تراویح والی حدیث امت مرحومہ نے معمول بہ ٹھہرائی ہے، لہٰذا وہی اولیٰ بالعمل ہے اور سنت بیس تراویح ہیں۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۲۶۹/۴)

تراویح کی رکعات:

سوال: بیس رکعت تراویح کے سلسلہ میں کیا کوئی صحیح حدیث ہے؟ اور یہ صرف احناف کا مسلک ہے، یا دوسرے ائمہ کا بھی؟ واضح ہو کہ ہمارے شہر کی ایک مسجد میں کچھ لوگ آٹھ رکعت پڑھنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بیس رکعت کا کوئی ثبوت نہیں اور زیادہ تر لوگ بیس رکعت پڑھنے والے ہیں، اس کی وجہ سے آپس میں سخت جھگڑے کی صورت پیدا ہوگئی ہے۔ (رفیق الدین، ظہیر آباد)

الجواب

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور سے بیس رکعت تراویح کا معمول ہے اور اسی پر سلف صالحین کا عمل رہا ہے، چناں چہ یزید بن رومان رحمہ اللہ سے بسند صحیح منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان میں ۲۳/ رکعت پڑھی جاتی تھی۔

"**كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان بثلٰث وعشرين ركعة**". (۲)

۲۳/ رکعت سے مراد ۲۰/ رکعت تراویح اور ۳/ رکعت نماز وتر ہے، یہ صرف امام ابوحنیفہؒ کا نقطۂ نظر نہیں؛ بلکہ ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے اور زیادہ تر سلف صالحین کی یہی رائے تھی۔ حافظ ابن رُشد لکھتے ہیں:

---

(۱) التراويح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين إلخ وهي عشرون ركعةً بعشر تسليمات، إلخ. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۹۸/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

وهي عشرون ركعةً هو قول الجمهور وعليه عمل الناس شرقاً وغرباً. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۴۹۵/۲-۴۹۶، انيس)

اس مسئلہ کے لیے دیکھا جاوے رسالہ "رکعات تراویح" مصنفہ شیخ الحدیث حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، شائع کردہ مفتاح العلوم مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڈھ۔ (ظفیر)

ائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک بیس رکعت سے کم تراویح نہیں ہے، بیس، یا اس سے زیادہ رکعتیں ہیں، آٹھ رکعتوں پر عمل صرف ہندوستان کے غیر مقلدوں کا ہے اور وہ بھی صرف سو سال سے، ورنہ ساری امت میں بیس یا زیادہ رکعتوں پر عمل جاری رہا اور اب بھی ہے۔ (ظفیر)

(۲) المؤطا للإمام مالك، العمل في القراءة، رقم الحديث: ۲۵۴، باب ماجاء في قيام رمضان، ص: ۴۰، أشرفية ديوبند، انيس)

نیز دیکھئے: جمع الفوائد، رقم الحديث: ۲۲۸۲، باب قيام رمضان و تراويح

"وسن في رمضان عشرون ركعة بعد العشاء قبل الوتر". (البحر الرائق: ۱۱۵/۲)

''واختلفوا فی المختار من عدد الرکعات التی یقوم بها الناس فی رمضان فاختار مالک فی أحد قولیه وأبو حنیفة والشافعی وأحمد وداؤد القیام بعشرین رکعة سوی الوتر''.(۱)

(رمضان کی نماز تراویح کی رکعات کے سلسلہ میں کتنی رکعتیں پڑھنی چاہیے؟ اس میں فقہا کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام داؤد ظاہریؒ اور ایک قول کے مطابق امام مالکؒ نے وتر کے علاوہ بیس رکعت کی رائے اختیار کی ہے۔)

تاہم ان مسائل میں باہم جدال ونزاع مناسب نہیں، اگر کچھ لوگ آٹھ رکعت پڑھنا چاہتے ہوں اور کچھ لوگ بیس رکعت تو آٹھ رکعت پڑھنے والے آٹھ رکعت پر اکتفا کرلیں اور باقی حضرات بیس رکعت پوری کرلیں، اس طرح دونوں گروہوں کا اپنے نقطۂ نظر پر عمل ہوجائے گا، یوں تو امت کا اتحاد ہر حال میں ضروری ہے؛ لیکن موجودہ حالات میں اگر مسلمانوں نے ایک دوسرے کی رائے کا احترام اور اختلاف رائے کے باوجود اتحاد کا سبق نہیں سیکھا تو سخت نقصان اٹھائیں گے، اللہ تعالیٰ ہمیں وقت کے تیور کو پہچاننے اور اختلاف رائے کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۳۹۳-۳۹۵)

تراویح کی رکعات:

سوال: تراویح آٹھ رکعت سنت ہے، یا بیس رکعت؟ (محمد صلاح الدین، معین باغ)

الجواب

حدیث کی ایک اہم کتاب مصنف ابن ابی شیبہ ہے، اس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں بیس رکعت اور نماز وتر ادا فرمایا کرتے تھے، اس روایت میں گو کچھ کلام ہے؛ لیکن یہ بات صحیح سند سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح کا اہتمام ہوتا تھا، امام مالک یزید بن رومان سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ رمضان المبارک میں بیس رکعت پڑھا کرتے تھے، (۲) یعنی بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر کسی صحابی رضی اللہ عنہم نے نکیر نہیں فرمائی؛ بلکہ دوسرے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد میں بھی اسی پر عمل رہا، (۳) حالانکہ اس زمانہ میں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین موجود تھے، اس سے اس روایت کو تقویت پہونچتی ہے،

(۱) بدایة المجتهد، کتاب الصلاة الثانی، الباب الخامس فی قیام رمضان: ۲۸۸/۱، ط: دار المعرفة بیروت، انیس

(۲) المؤطا للإمام مالک، العمل فی القراءة، رقم الحدیث: ۲۵۴، باب ماجاء فی قیام رمضان، ص: ۴۰، أشرفیة دیوبند

(۳) عن أبی الحسناء أن علي بن أبي طالب رضی الله عنه أمر رجلاً لیصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعة''. (کنز العمال، رقم الحدیث: ۲۳۴۷۴، باب صلاة التراویح)

جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیس رکعت تراویح پڑھنے کا ذکر ہے، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میرے طریقہ اور خلفاء راشدین کے طریقہ کو اختیار کرو۔

"عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين".(۱)

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ خلفاء راشدین کی اس متفقہ سنت سے اعراض نہ ہونا چاہیے، آٹھ رکعت کے بہ طور تراویح پڑھنے کا حدیث میں ذکر نہیں، ہاں نماز تہجد میں آٹھ رکعت کا معمول ثابت ہے،(۲) چنانچہ ائمہ اربعہ بیس رکعت تراویح پر متفق ہیں؛(۳) بلکہ علامہ کاسانیؒ نے لکھا ہے کہ اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔(۴) (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۰۹-۴۱۰) ☆

تراویح کی بیس رکعت کا ثبوت:

سوال: تراویح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دو دفعہ مسجد میں آنا معلوم ہے اور آٹھ تراویح پڑھانا، آیا باقی تمام رمضان گھر میں گذارا تھا اور بیس کا ثبوت نبی علیہ السلام سے ہے، یا نہیں؟

الجواب

ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ صلوٰۃ تراویح بجز معدودے چند راتوں کے نہیں پڑھیں اور اس کی وجہ بھی بتلادی کہ یہ نماز اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے، مجھے اس کا التزام کرنے میں اندیشہ ہے کہ یہ فرض نہ ہو جائے، پس

---

(۱) دیکھئے: سنن ابن ماجة المقدمه، رقم الحديث: ٤٢ - ٤٣، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، ص: ٥، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) عن أبي سلمة بن عبد الرحمن أنه أخبره: أنه سأل عائشة رضي الله تعالىٰ عنها كيف كانت صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان؟ فقالت: ما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزيد في رمضان و لافي غيره علىٰ إحدىٰ عشرة ركعة، يصلى أربعًا، فلا تسئل عن حسنهن وطولهن، ثم يصلى أربعًا، فلا تسئل عن حسنهن وطولهن، ثم يصلى ثلاثاً". (صحيح البخاري، كتاب التهجد، رقم الحديث: ١١٣٦، باب قيام النبي صلى الله عليه وسلم بالليل في رمضان و غيره: ١٥٤/١)

(۳) دیکھئے: تقریر ترمذی، ازمولانا محمود حسن، ص:۲۴

(۴) بدائع الصنائع: ٦٤٤/١

☆ تراویح کی بیس رکعتیں:

سوال: رمضان میں تراویح کیئے رکعات پڑھنی چاہیے؟

الجواب

بیس رکعت تراویح پڑھنی چاہیے۔ (وهى عشرون ركعةً. (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ٦٦٠/١، ظفير) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۴۶)

ہر شخص اپنے گھر میں پڑھ لیا کرے۔اس سے ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی گھر میں ضرور پڑھتے ہوں گے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صاف طور سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی راتوں میں بیس رکعات پڑھتے تھے۔(رواہ ابن أبی شیبة وسندہ حسن کما ذکرته فی الأعلاء)واللہ تعالی اعلم

۵/شوال ۱۳۴۷ھ (امداد الاحکام:۲/۲۷۷)

تراویح ووتر کی رکعات وکیفیت:

سوال (الف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی رکعت تراویح پڑھائی اور امت کو کتنی رکعت پڑھنے کا حکم دیا؟

(ب) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کی کتنی رکعتیں پڑھیں اور ایک سلام کے ساتھ، یا دو سلام کے ساتھ؟

(احمد محی الدین ہاشمی،عثمانیہ یونیورسٹی)

الجواب

(الف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ کہیں نماز تراویح واجب نہ ہوجائے،صرف دوتین دنوں جماعت کے ساتھ تراویح کی نماز پڑھی ہے؛اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی رکعت تراویح پڑھی؟اس بارے میں کوئی صحیح روایت منقول نہیں؛لیکن حضرت عمر رضی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے آج تک بیس رکعت کا معمول رہا ہے،یہ احادیث سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کسی ایسی بات پر متفق نہیں ہوسکتے،جو دین میں ثابت نہ ہو، اس سلسلہ میں مولانا حبیب الرحمان اعظمیؒ کی ''رکعات التراویح'' کا مطالعہ مفید ہوگا۔

(ب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تین رکعت نمازِ وتر پڑھنے کا تھا،بعض روایتوں میں پانچ،یا سات ،یا ایک رکعت کا بھی ذکر ہے؛لیکن ان کے بارے میں محقق علماء کا خیال ہے کہ اس حدیث کا منشأ وتر اور اس کے ساتھ دو رکعت یا چار رکعت نفل کی ادائیگی ہے اور ایک رکعت سے وتر پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ دو کے ساتھ ایک رکعت ملا کر اس سے طاق عدد بنایا جاتا تھا؛ کیوں کہ آپ اکے ارشادات اور زیادہ تر معمولات میں تین ہی رکعت کا ذکر ہے۔

یہ تین رکعت ایک ہی سلام کے ساتھ پڑھی جائے گی،حضرت ثابتؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمیں تعلیم دینے کے لئے تین رکعت وتر پڑھائی،اور صرف اخیر میں سلام پھیرا:

عن ثابت قال: صلّٰی بی أنس رضی اللّٰہ عنه الوتر وأنا عن یمینه وأم ولدہ خلفنا ثلاث رکعات لم یسلم إلا فی آخرھن ظننت أنه یرید أن یعلمنی.{رواہ الطحاوی وإسنادہ صحیح}(۱)

(کتاب الفتاویٰ:۲/۳۹۱-۳۹۲)

---

(۱) آثار السنن،أبواب صلاۃ الوتر،باب الوتر بثلاث رکعات:۱٦٥،رقم الحدیث:٦٢٠،مکتبة حقانیة دیوبند،انیس

بیس رکعت تراویح کا ثبوت:

سوال: حنفیہ وتر کے علاوہ تراویح کی بیس رکعت پڑھتے ہیں، حالاں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت صحیحہ مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زائد نہ پڑھتے تھے تو بیس رکعت کی دلیل کیا ہے؟

الجواب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نماز تہجد کے بارے میں ہے کہ رمضان اور غیر رمضان اس لحاظ سے مساوی تھے اور یہ گیارہ رکعت کی مقدار وتر کو ملا کر ہوتی تھی اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اس روایت کے راوی ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ وتر سے پہلے سو جاتے ہیں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اے عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور قلب نہیں سوتا۔ (بخاری و مسلم)(۱)

اور اس وقت کا عرف عام یہ تھا کہ تراویح کو قیام رمضان سے تعبیر کیا جاتا تھا اور صحاح ستہ میں روایات صحیحہ مرفوعہ سے قیام رمضان کی تعداد کا تعین معلوم نہیں ہوتا، صرف یہ الفاظ ملتے ہیں:

قالت عائشة رضی اللّٰه عنها: كان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یجتهد فی العشر والأواخر ما لایجتهد فی غیره. (رواه مسلم)(۲)

لیکن مصنف ابن ابی شیبۃ اور سنن بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:

كان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یصلی فی شهر رمضان فی غیر جماعة بعشرین ركعة والوتر. (۳)

وروى البيهقي في سننه بإسناد صحيح عن السائب بن يزيد قال: كانوا يقومون علىٰ عهد عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه فی شهر رمضان بعشرین ركعة. (۴) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۴۲-۲۴۳)

---

(۱) عن أبی سلمة بن عبد الرحمٰن أنه أخبره أنه سأل عائشة رضی اللّٰه عنه كیف كانت صلاة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی رمضان؟ فقالت: ما كان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیره علىٰ إحدیٰ عشرة ركعةً یصلی أربعاً، فلا تسئل عن حسنهن وطولهن، ثم یصلی أربعاً فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلٰثاً، قالت عائشة: فقلت: یارسول اللّٰه! أ تنام قبل أن توتر؟ فقال: یا عائشة! "إن عینی تنامان ولاینام قلبی". (صحیح البخاری، باب قیام النبی صلی اللّٰه علیه وسلم باللیل فی رمضان وغیره: ۱۵۴/۱، رقم الحدیث: ۱۱۳۶، مكتبة أشرفیه دیوبند/ صحیح لمسلم، باب صلاة اللیل وعدد ركعات النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، رقم الحدیث: ۷۳۸، انیس)

(۲) كتاب الاعتكاف، باب الاجتهاد فی العشر والأواخر من شهر رمضان: ۳۷۲/۱، أشرفی بكڈپو دیوبند، انیس

(۳) سنن البیهقی الكبریٰ، باب ماروی فی عدد ركعات القیام فی شهر رمضان: ۴۹۶/۲، رقم الحدیث: ۴۳۹۱، انیس

(۴) سنن البیهقی الكبریٰ، باب ماروی فی عدد ركعات القیام فی شهر رمضان: ۴۹۶/۲، رقم الحدیث: ۴۳۹۳، انیس

بیس رکعت تراویح پر ائمہ اربعہ کا اتفاق:

سوال: زید وبکر کا جھگڑا یہ ہے کہ زید کہتا ہے کہ تراویح کی نماز صرف آٹھ رکعت ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہ تو بیس رکعتیں پڑھیں اور نہ پڑھنے کا حکم کیا۔ شرع سے ثبوت دینے پر میں بھی بیس رکعت پڑھوں گا، اب آپ کی خدمت میں بکر کی عرض یہ ہے کہ مذکور سوال کا جواب شرع سے دیں، کوئی حدیث تحریر فرمائیں تو کتاب کا نام اور صفحہ بھی درج فرمائیں؟

(المستفتی: ۲۱۷۱، عبدالرحمٰن صاحب، گاندھولہ ضلع گنٹور مدراس، ۲/ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ، ۵/جنوری ۱۹۳۸ء)

الجواب

تراویح کی بیس رکعتیں ہیں، بیس سے کم کا چاروں اماموں میں سے کوئی قائل نہیں، بیس سے زیادہ کے امام مالک اور امام شافعی قائل ہیں۔(۱)

آٹھ رکعت والی روایت نماز تہجد کے متعلق ہے اور نماز تہجد تراویح سے جدا ہے۔ موطا امام مالکؒ میں یہ روایت ہے:

عن يزيد بن رومان أنه قال: كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان بثلٰث وعشرين ركعة. (۲)

یعنی یزید بن رومان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تیئس رکعتیں پڑھتے تھے، (یعنی بیس تراویح اور تین وتر)۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۳/۴۰۶-۴۰۷)

تراویح کی بیس رکعت ہونے کے دلائل:

سوال: رمضان کی بیس تراویح کی اصل حدیث سے تحریر فرمائیں اور ایک حدیث سے نہیں؛ بلکہ کئی ایک حدیثیں تحریر فرماویں؟ کیوں کہ اس جگہ پر آٹھ تراویح پڑھی جاتی ہیں، ان کو بیس تراویح کا ثبوت اور یقین دلانا بھی ضروری ہے اور اس کے اندر اور بات خیال نہ فرماویں۔

الجواب

عن يزيد بن حفيفة عن السائب بن يزيد رضى الله عنه قال: كانوا يقومون علٰى عهد عمر بن

---

(۱) وهى عشرون ركعة، إلخ. (تنوير الأبصار) قال الشامي: "وهو قول الجمهور، وعليه عمل الناس شرقًا وغربًا. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۲/۴۹۵، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) موطا الإمام مالک العمل في القراءة، باب ماجاء في قيام رمضان، ص: ۴۰، أشرفي بکڈپو ديوبند، انيس

الخطاب رضی اللّٰہ عنه فی شهر رمضان بعشرین رکعة. (رواه البیهقی وإسناده صحیح)(۱)

وعن یزید بن رومان أنه قال: کان الناس یقومون فی زمان عمربن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة. (رواه مالک وإسناده مرسل قوی)

وعن عبدالعزیزبن رفیع قال: کان أبی بن کعب رضی اللّٰہ عنه یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة ویوتربثلاث. (أخرجه أبوبکر بن أبی شیبة فی مصنفه وإسناده مرسل قوی)(۲)

ان سب احادیث سے تراویح کی بیس رکعات کا ثبوت ظاہر ہے اور آثار السنن میں ان کے علاوہ اور بھی بہت احادیث مذکور ہیں اور اگر ان احادیث میں حضور کا عمل مذکور نہیں؛ بلکہ صحابہ کا عمل مذکور ہے؛ مگر ظاہر ہے کہ حضرات صحابہ اپنے عمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے متبع تھے، پس ان کا ایسا عمل جس پر بعد میں سب نے اتفاق کرلیا ہو، یقیناً حجت ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کے پاس اس عمل کی کوئی دلیل ضرور موجود تھی۔

قال ابن قدامة فی المغنی: ولنا أن عمررضی اللّٰہ عنه لما جمع الناس علی أبی ابن کعب کان یصلی لهم عشرین رکعة...وعن علیٰ أنه أمر رجلاً یصلی بهم فی رمضان عشرین رکعة وهٰذا کالإجماع إلٰی أن قال: ما فعله عمر وأجمع علیه الصحابة فی عصره أولٰی بالإتباع، آه. (۸۰۳/۱)(۳)

پس ان آثار موقوفہ سے اس حدیث مرفوع کی تقویت ہوگئی، جس کو ابن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا ہے:

حدثنا یزیدبن هارون قال: أخبرنا إبراهیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنهما أنّ رسول اللّٰہ صلی علیه وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر، آه، وإبراهیم بن عثمان جدّ الإمام أبی بکر بن شیبة وهو ضعیف. (۴)

اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہ نفسِ نفیس بیس رکعت پڑھنا معلوم ہوا؛ مگر اس میں صرف ایک راوی ضعیف ہے، جس کا ضعف آثار قویہ مذکورۂ سابقہ سے منجبر ہوگیا۔ واللہ اعلم

۲۲ / رمضان شریف ۱۳۴۵ھ (امدادالاحکام: ۲/ ۲۵۰-۲۵۱)

تراویح کی رکعتوں میں اختلاف کا فیصلہ:

سوال: فریق اول کہتا ہے کہ نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت تھی جیسا کہ

(۱) رقم الحدیث: ۷۷۹، انیس

(۲) آثارالسنن، أبواب قیام شهر رمضان، باب فی التراویح بعشرین رکعات، ص: ۲۰۱-۲۰۳، مکتبة حقانیة ملتان، انیس

(۳) المغنی فی فقه الإمام احمد بن حنبل، مسألة وفصول: حکم صلاة التراویح: ۸۳۳/۱، انیس

(۴) التعلیق الحسن علیٰ آثارالسنن، باب فی التراویح بعشرین رکعات، ص: ۲۰۴، مکتبة حقانیة ملتان، انیس

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے، تراویح وغیرہ سب اس میں داخل ہے۔ فریق ثانی کہتا ہے کہ تراویح علاحدہ نماز ہے وتر وتہجد نہیں؛ اس لیے بیس رکعت پڑھنا چاہیے، اس میں حق بات کیا ہے؟

الجواب

گیارہ رکعت جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آئی ہے، وہ تہجد اور وتر کی نماز ہے، جیسا غیر رمضان کا لفظ اس کا قرینہ صاف موجود ہے؛ کیوں کہ غیر رمضان میں تراویح نہیں ہوتی، تراویح بیس رکعت ہیں اور اجماع صحابہ اس پر ہے۔

قال فی رد المحتار: (قوله: عشرون ركعةً) هو قول الجمهور و عليه عمل الناس شرقاً و غرباً. (۱)

موطأ امام مالکؒ میں یہ حدیث موجود ہے:

حدثنا مالک عن يزيد بن رومان أنه قال: كان الناس يقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلٰث و عشرين ركعةً. (۲)

(قوله بثلٰث و عشرين ركعةً) قال البيهقی: و الثلٰث هو الوتر و لا ينافيه الرواية السابقة فإنه وقع أولاً ثم استقر الأمر على العشرين، فروى البيهقی بإسناد صحيح أنهم يقومون فی عهد عمر عشرين ركعةً و فی عهد عثمان و علی مثله. (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۲۹۱-۲۹۲)

کوئی بیس رکعت تراویح تسلیم کرے اور پھر کبھی تیرہ، یا اکتالیس پڑھ لے تو گناہ گار ہوگا، یا نہیں:

سوال: اگر کوئی شخص بیس رکعات تراویح کے سنت ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوئے کبھی گیارہ، تیرہ، اکتالیس رکعتیں پڑھ ڈالے تو کیا گناہ گار ہوگا؟ نیز کیا اعداد مذکورہ احادیث میں آئی ہے؟

الجواب

تراویح بیس رکعت سنت مؤکدہ ہیں، اس کا خلاف کرنے والا حنفیہ کے نزدیک تارک سنت ہے، (۴) اور سنت کے

---

(۱) رد المحتار، باب الوتر و النوافل، مبحث صلاة التراويح: ۲/۴۹۵-۴۹۶، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) مؤطا إمام مالک العمل فی القراءة ما جاء فی قيام رمضان، ص: ۴۰، أشرفية ديوبند، انيس

(۳) غنية المستملی، ص: ۳۸۸ (سنن البيهقی الكبرىٰ، باب ماروی فی عدد ركعات القيام فی شهر رمضان: ۲/۴۹۶، رقم الحديث: ۴۳۹۳، انيس)

(۴) وهی عشرون ركعةً بعشر تسليمات. (الدر المختار، باب الوتر و النوافل: ۱/۹۸، مكتبة زكريا ديوبند، انيس) وهو قول الجمهور و عليه عمل الناس شرقاً و غرباً. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل، مبحث صلاة التراويح: ۱/۶۶۰، ظفير)

خلاف کرنا برا ہے۔(۱) اور اعداد مذکورہ حدیث میں آئے ہیں، مگر حنفیہ کے نزدیک تمام احادیث پر پوری بصیرت کے ساتھ غور کرنے کے بعد یہی بیس راجح ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تحریک سے اسی پر صحابہ کرام کا اجماع ہوا۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۹۶/۴-۲۹۷)

تراویح کی رکعات کو کم نہ کرنا:

سوال: اگر کوچ (سفر) آٹھ نو بجے رات کو شروع کریں تو تراویح تعداد میں کم پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟ اور کہاں تک کمی ہوسکتی ہے؟

الجواب

جب سواری پر جائز ہے پھر کم کرنے کی ضرورت نہیں، جس قدر کوچ سے پہلے پڑھ سکیں، اس کا بقیہ سواری پر پڑھ لیں۔ فقط

۱۵/شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد: ۳۸/۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۴۷۰/۱-۴۷۱)

عذر کی حالت میں تراویح کی رکعات کو مختصر پڑھنا:

سوال: اگر کوئی شخص بسبب شکایت ضعف جسمانی، یا دیگر امراض تراویح کی بیس رکعتیں نہ پڑھ سکے اور صرف ۸/ یا ۱۲/ پڑھ لے تو گنہ گار تو نہ ہوگا؟

الجواب

بیس کو سنت مؤکدہ لکھا ہے، اس سے کم کا پڑھنے والا سنت مؤکدہ کا تارک ہوگا، پس جو عذر ترک سنت مؤکدہ کے لیے معتبر ہے، وہ اس میں بھی معتبر ہوگا ورنہ اگر کھڑے ہوکر دشوار ہو تو بقدر دشواری کے بیٹھ کر پڑھ لے۔

۸/رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص: ۷۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۴۹۵/۱)

جو نماز تراویح کی آٹھ (۸) رکعت پڑھے:

سوال: آٹھ رکعت تراویح پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟ جیسا کہ بعض آدمی پڑھتے ہیں۔

الجواب

جو لوگ آٹھ رکعت پڑھتے ہیں، وہ تارک فضیلت سنت ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۲۴)

---

(۱) ترک السنة لایوجب فسادًا ولاسهوًا بل إساءةً لو عامدًا. (الدر المختار)

وتاركها يستوجب إساءةً أي التضليل واللوم. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب: في قولهم الإساءة دون الكراهة: ۱۷۰/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

غیر مقلد کے پیچھے حنفی اگر تراویح پڑھیں تو بقیہ رکعات کب پوری کریں، وتر کے پہلے، یا بعد:

سوال: اگر امام غیر مقلد ہو اور تراویح بیس رکعت کی بجائے آٹھ رکعت پڑھائے تو حنفیہ کو کس طرح سے بقیہ تراویح پوری کرنی چاہیے، آیا وتر امام کے ساتھ پڑھ کر تراویح بقیہ پوری کریں، یا وتر چھوڑ کر تراویح پوری کرنے کے بعد وتر پڑھیں؟

الجواب

بقیہ تراویح بعد وتر کے پڑھ سکتے ہیں اور ایسا بھی کر سکتے ہیں کہ وتر امام کے ساتھ نہ پڑھیں بعد پورا کرنے تراویح کے پڑھیں۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۴ ۲۷)

بیس رکعت تراویح کے عین سنت ہونے کی شافی علمی بحث:

سوال: ہمارے ایک دوست کہتے ہیں کہ تراویح کی آٹھ رکعتیں ہی سنت ہیں؛ کیوں کہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب دریافت کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیسی ہوتی تھی؟ تو انہوں نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں آٹھ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت تراویح اور وتر پڑھائے۔

اس کے خلاف جو روایت بیس رکعت پڑھنے کی نقل کی جاتی ہے، وہ بالاتفاق ضعیف ہے، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی گیارہ رکعت ہی کا حکم دیا تھا، جیسا کہ مؤطا امام مالک میں سائب بن یزید سے مروی ہے اور اس کے خلاف بیس کی جو روایت ہے، اول تو صحیح نہیں اور اگر صحیح بھی ہو تو ہو سکتا ہے کہ پہلے انہوں نے بیس پڑھنے کا حکم دیا ہو، پھر جب معلوم ہوا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت پڑھیں تو سنت کے مطابق آٹھ پڑھنے کا حکم دے دیا ہو، بہر حال آٹھ رکعت تراویح ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت ہے، جو لوگ بیس رکعت پڑھتے ہیں، وہ خلاف سنت کرتے ہیں، آپ فرمائیں کہ ہمارے دوست کی یہ بات کہاں تک درست ہے؟

الجواب

آپ کے دوست نے اپنے موقف کی وضاحت کر دی ہے، میں اپنے موقف کی وضاحت کیے دیتا ہوں، ان میں کون سا موقف صحیح ہے؟ اس کا فیصلہ خود کیجیے، اس تحریر کو چار حصوں پر تقسیم کرتا ہوں۔

---

(۱) والأصح أن وقتها بعد العشاء إلى آخر الليل قبل الوتر وبعده؛ لأنها نوافل سنت بعد العشاء. (الهداية، كتاب الصلاة، باب النوافل، فصل قيام رمضان: ۱۳۱/۱، ط: رشيدية ديوبند، ظفير)

(۱)　تراویح عہد نبوی میں۔
(۲)　تراویح عہد فاروقی میں۔
(۳)　تراویح صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین کے دور میں۔
(۴)　تراویح ائمہ اربعہؒ کے نزدیک۔

تراویح عهد نبوی میں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں قیام رمضان کی ترغیب دی ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے:

"کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یرغب فی قیام رمضان من غیر أن یأمرهم فیه بعزیمة فیقول:من قام رمضان إیمانا واحتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه ، فتوفی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم والأمر علٰی ذلک،ثم کان الأمر علٰی ذلک فی خلافة أبی بکر وصدرا من خلافة عمر". (جامع الأصول: ۴۳۹/۹، ،بروایت بخاری ومسلم،ابوداؤد،ترمذی،نسائی،موطأ) (۱)

(ترجمہ:　رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام رمضان کی ترغیب دیتے تھے،بغیر اس کے کہ قطعیت کے ساتھ حکم دیں، چناں چہ فرماتے تھے کہ جس نے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت رکھتے ہوئے رمضان میں قیام کیا،اس کے گزشتہ گناہ معاف ہوگئے،چناں چہ یہ معاملہ اسی حالت پر رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا،پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی یہی صورت حال رہی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع میں بھی۔)

ایک اور حدیث میں ہے:

وفی أخریٰ قال:إن اللّٰہ فرض صیام رمضان وسنت لکم قیامه،فمن صامه وقامه إیمانًا واحتسابًا خرج من ذنوبه کیوم ولدته أمه". (جامع الأصول: ۴۴۱/۹ ،بروایت نسائی)(۲)

(ترجمہ:　بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر رمضان کا روزہ فرض کیا ہے اور میں نے تمہارے لیے اس کے قیام کو سنت قرار دیا ہے، پس جس نے ایمان کے جذبہ سے اور ثواب کی نیت سے اس کا صیام وقیام کیا، وہ اپنے گناہوں سے ایسا نکل جائے گا،جیسا کہ جس دن اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا بھی متعدد احادیث سے ثابت ہے،مثلا:

(۱)　حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا جس میں تین رات میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے،پہلی رات میں تہائی رات

---

(۱)　الکتاب الأول:فی الفضائل والمناقب،الفرع الثامن:فی قیام رمضان،رقم الحدیث: ۷۱۲۰،انیس
(۲)　الکتاب الأول:فی الفضائل والمناقب ،الفرع الثامن:فی قیام رمضان،انیس

تک، دوسری رات میں آدھی رات تک، تیسری رات میں سحر تک۔ (صحیح بخاری:۲۶۹/۱)(۱)

(۲)　حدیث ابی ذر رضی اللہ عنہ، جس میں ۲۳ویں رات میں تہائی رات تک، ۲۵ویں میں آدھی رات تک اور ۲۷ویں شب میں اول فجر تک قیام کا ذکر ہے۔ (جامع الاصول:۱۲۰/۶، بروایت ترمذی، ابوداؤد، نسائی)(۲)

(۳)　حدیث نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، اس کا مضمون بعینہ حدیث ابی ذر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ (نسائی:۲۳۸/۱)(۳)

(۴)　حدیث زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، اس میں صرف ایک رات کا ذکر ہے۔ (جامع الاصول:۱۱۸/۶، بروایت بخاری و مسلم، ابوداؤد، نسائی)(۴)

(۵)　حدیث انس رضی اللہ عنہ، اس میں بھی صرف ایک رات کا ذکر ہے۔ (صحیح مسلم:۳۵۲/۱)(۵)

---

(۱)　أن عائشة أخبرته أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم خرج ليلة من جوف الليل فصلٰى في المسجد وصلٰى رجال بصلاته فأصبح الناس فتحدثوا فاجتمع أكثر منهم فصلٰى فصلوا معه فأصبح الناس فتحدثوا فكثر أهل المسجد من اليلة الثالثة فخرج رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم فصلٰى فصلوا بصلا ته فلما كانت الليلة الرابعه عجز المسجد عن أهله حتٰى خرج لصلوة الصبح فلما قضى الفجر أقبل على الناس فتشهد ثم قال: أما بعد! فإنه لم يخف علٰى مكا نكم ولٰكني خشيت أن تفترض عليكم فتعجزوا عنها، فتوفى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم والأمر علٰى ذلك. (صحيح البخاري: ۲۶۹/۱)(كتاب الصوم، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان: ۲۶۹/۱، رقم الحديث: ۱۹۶۷، مكتبة أشرفية ديوبند، انيس)

(۲)　أبو ذر الغفار رضى اللّٰه عنه قال: صمنا مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم رمضان، فلم يقم بنا حتٰى بقى سبع من الشهر، فقام بنا حتٰى ذهب ثلث الليل، ثم لم يقم بنا في السادسة، وقام بنا في الخامسة حتٰى ذهب شطر الليل... ثم لم يقم بنا حتٰى بقى ثلاث ليال من الشهر، فصلٰى بنا في الثالثة. ودعا أهله ونسائه، فقام بنا حتٰى تخوفنا الفلاح، قلت: وما الفلاح؟ قال: السحور. (جامع الأصول، الكتاب الأول: في الصلاة، الفصل الخامس: في قيام شهر رمضان: ۱۲۰/۶-۱۲۱، رقم الحديث: ۴۲۲۰، طبع دار البيان بيروت)

(۳)　أبو طلحة قال: سمعت نعمان بن بشير علٰى منبر حمص يقول: قمنا مع رسول اللّٰه صلٰى عليه و سلم في شهر رمضان ليلة ثلاث وعشرين إلٰى ثلث الليل الأول، ثم قمنا معه ليلة خمس وعشرين إلٰى نصف اليل، ثم قمنا معه ليلة سبع وعشرين حتٰى ظننا أن لا ندرك الفلاح وكانوا يسمونه السحور. (سنن النسائي، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب قيام شهر رمضان: ۱۸۲/۱-۱۸۳، أشرفي بكڈپو ديوبند، انيس)

(۴)　زيد بن ثابت رضى اللّٰه عنه قال... وقال عبد الأعلٰى: في رمضان فخرج رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يصلي فيها، قال: فتتبع إليه رجال، وجاؤوا يصلون بصلا ته، قال: ثم جاؤوا ليلة، فحضروا. (جامع الأصول، للكتاب الأول: في الصلاة الفصل الخامس: في قيام شهر رمضان: ۱۱۸/۶، رقم الحديث: ۴۲۱۸، انيس)

(۵)　عن أنس قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يصلي في رمضان فجئت فقمت إلٰى جنبه وجاء رجل فقام أيضا حتٰى كنا رهطا فلما حس النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنا خلفه جعل يتجوز في الصلاة ثم دخل رحله فصلٰى صلاة لا يصليها عندنا. (الصحيح لمسلم، كتاب الصيام، باب النهي عن الوصال: ۳۵۲/۱، طبع: قديمي كتب خانه)

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جماعت پر مداومت نہیں فرمائی اور اس اندیشے کا اظہار فرمایا کہ کہیں تم پر فرض نہ ہو جائے اور اپنے طور پر گھروں میں پڑھنے کا حکم فرمایا۔ (حدیث زید بن ثابتؓ وغیرہ)(۱)

رمضان المبارک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مجاہدہ بہت بڑھ جاتا تھا، خصوصاً عشرۂ اخیرہ میں تو پوری رات کا قیام معمول تھا، ایک ضعیف روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ (فیض القدیر شرح جامع الصغیر: ۱۳۲/۵، وفیه عبد الباقی بن قانع، قال الذهبی: قال الدارقطنی: یخطئ کثیرًا)(۲)

تاہم کسی صحیح روایت میں یہ نہیں آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں جو تراویح کی جماعت کرائی، اس میں کتنی رکعات پڑھائیں؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ صرف ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعات اور وتر پڑھائے۔ (موارد الظمآن: ص ۲۲۶، قیام اللیل مروزی: ص ۱۵۷، مکتبہ سبحانیہ، مجمع الزوائد: ۱۷۲/۳ بروایت طبرانی وابویعلی)(۳)

مگر اس روایت میں عیسیٰ بن جاریہ متفرد ہے، جو اہل حدیث کے نزدیک ضعیف اور مجروح ہے، جرح وتعدیل کے امام یحیٰ بن معینؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: "لیس بذاک" یعنی وہ قوی نہیں، نیز فرماتے ہیں: "عنده مناکیر" یعنی اس کے پاس متعدد منکر روایتیں ہیں، امام ابوداؤد امام نسائی نے اسے "منکر الحدیث" کہا ہے، امام نسائی نے اس کو متروک بھی بتایا ہے، ساجی وعقیلی نے اسے ضعفاء میں ذکر کیا ہے، ابن عدی کہتے ہیں کہ: "اس کی حدیثیں محفوظ نہیں"۔ (تہذیب التہذیب: ۱۴۸/۸، میزان الاعتدال: ۳۱۱/۳)(۴)

خلاصہ یہ کہ یہ راوی اس روایت میں متفرد بھی ہے اور ضعیف بھی؛ اس لیے یہ روایت منکر ہے اور پھر اس روایت میں صرف ایک رات کا واقعہ مذکور ہے، جب کہ یہ بھی احتمال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آٹھ رکعتوں سے

---

(۱)　زید بن ثابت رضی اللّٰه عنه قال ... فخرج إلیهم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم مغضبا، فقال لهم: ما زال بکم صنیعکم حتٰی ظننت أنه سیکتب علیکم، فعلیکم بالصلاة فی بیوتکم، (جامع الأصول، الکتاب الأول، فی الصلاة الفصل الخامس فی قیام شهر رمضان: ۱۱۸/۶، رقم الحدیث: ۴۲۱۸، طبع: دار البیان، انیس)

(۲)　کان إذا دخل رمضان تغیر لونه، وکثرت صلاته، وابتهل فی الدعاء، وأشفق لونه. (فیض القدیر، شرح جامع الصغیر، باب کان وهی الشمائل الشریفة: ۱۳۲/۵، رقم الحدیث: ۲۶۸۱، طبع بیروت، انیس)

(۳)　عن جابر بن عبد اللّٰه قال: صلّٰی بنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی شهر رمضان ثمانی رکعات وأوتر. (موارد الظمآن للهیثمی: ۲۳۰/۱، طبع بیروت، انیس)

(۴)　عیسی بن جاریة الأنصاری المدنی... قال ابن أبی خیثمة عن ابن معین لیس بذلک ... و قال الدوری عن ابن معین عنده مناکیر... وقال الآجری عن أبی داؤد: منکر الحدیث... وذکره الساجی والعقیلی فی الضعفاء وقال ابن عدی: أحادیثه غیر محفوظة. (تهذیب التهذیب لإبن حجر: ۱۴۸/۸، رقم الحدیث: ۳۸۳، انیس)

پہلے، یا بعد میں تنہا بھی کچھ رکعتیں پڑھی ہوں، جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں مذکور ہے۔ (مجمع الزوائد:۳/۳۰۴، بروایت طبرانی، وقال: رجاله ورجال الصحیح)(۱)

دوسری روایت مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۳۹۴، نیز سنن کبریٰ بیہقی:۲/۴۹۶، مجمع الزوائد:۳/۱۷۲) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعتیں اور وتر پڑھا کرتے تھے''؛ مگر اس کی سند میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان راوی کمزور ہے؛ اس لیے یہ روایت سند کے لحاظ سے صحیح نہیں؛ (۲) مگر جیسا کہ آگے معلوم ہوگا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں امت کا تعامل اسی کے مطابق ہوا۔

تیسری حدیث ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ہے، جس کا سوال میں حوالہ دیا گیا ہے؛ مگر اس میں تراویح کا ذکر نہیں؛ بلکہ اس نماز کا ذکر ہے، جو رمضان اور غیر رمضان میں ہمیشہ پڑھی جاتی ہے؛ (۳) اس لیے رکعات تراویح کے تعین میں اس سے بھی مدد نہیں ملتی۔

چناں چہ علامہ شوکانیؒ نیل الاوطار میں لکھتے ہیں:

''والحاصل: أن الذی دلت علیه أحادیث الباب وما یشابهها هو مشروعیة القیام فی رمضان والصلاة فیه جماعة وفرادیٰ فقصر الصلاة المسماة بالتراویح علیٰ عدد معین وتخصیصها بقراءة مخصوصة لم یرد به سنة''. (نیل الأوطار من أحادیث سید الأخبار، کتاب الصلاة، باب صلاة التراویح: ۳/۶٤)

(ترجمہ: حاصل یہ کہ اس باب کی حدیثیں اور ان کے مشابہ حدیثیں جس بات پر دلالت کرتی ہیں، وہ یہ ہے کہ رمضان میں قیام کرنا اور باجماعت یا اکیلے نماز پڑھنا مشروع ہے، پس تراویح کو کسی خاص عدد میں منحصر کر دینا، اور اس میں خاص مقدار قرأت مقرر کرنا ایسی بات ہے جو سنت میں وارد نہیں ہوئی۔)

---

(۱)　عن أنس رضی اللّٰه عنه أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کا یصلی باللیل فی رمضان، فجاء قوم وصلیٰ، وکان یخفف، ثم یدخل بیته فیصلی، ثم یخرج فیخفف. (مجمع الزوائد، کتاب الصیام،: ۳/۴۰۳، باب قیام رمضان، رقم الحدیث: ۵۰۲۱، طبع دار المعرفة بیروت، انیس)

(۲)　عن ابن عباس قال: کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یصلی فی شهر رمضان فی غیر جماعة بعشرین رکعة والوتر، تفرد به أبو شیبة إبراهیم بن عثمان العبسی الکوفی وهو ضعیف (السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الصلاة، واللفظ له: ۲/٤۹٦، رقم الحدیث: ٤۷۹۹، باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان، أیضا: مصنف ابن أبی شیبة: ۲/۳۹٤، مجمع الزوائد: ۳/۳۰٤)

(۳)　عن أبی سلمة بن عبد الرحمن أنه سأل عائشة کیف کانت صلاة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی رمضان؟ فقالت: ما کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیره علیٰ إحدیٰ عشرة رکعة یصلی أربعًا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن، ثم یصلی أربعًا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن، ثم یصلی ثلاثاً، إلخ. (صحیح البخاری، کتاب التهجد، باب قیام النبی صلی اللّٰه علیه وسلم باللیل فی رمضان وغیره: ۱/۱۵٤، رقم الحدیث: ۱۱۳٦، أشرفی بکڈپو دیوبند، انیس)

تراویح عهد فاروقی میں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تراویح کی باقاعدہ جماعت کا اہتمام نہیں تھا، بلکہ لوگ تنہا یا چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں پڑھا کرتے تھے، سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک امام پر جمع کیا۔ (صحیح بخاری: ۲۶۹/۱، باب فضل من قام رمضان) (۱)

اور یہ خلافت فاروقی کے دوسرے سال یعنی ۱۴ھ کا واقعہ ہے۔ (تاریخ الخلفاء: ۱۲۱، تاریخ ابن اثیر: ۱۸۹/۱) (۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں کتنی رکعتیں پڑھی جاتی تھیں؟ اس کا ذکر حضرت سائب بن یزید صحابی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، حضرت سائب رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو تین شاگرد نقل کرتے ہیں: (۱) حارث بن عبد الرحمٰن بن ابی ذباب، (۲) یزید بن حصیفہ، (۳) محمد بن یوسف، ان تینوں کی روایت کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) حارث بن عبد الرحمٰن رحمہ اللہ کی روایت علامہ عینیؒ نے شرح بخاری میں حافظ ابن عبد البرؒ کے حوالے سے نقل کی ہے:

"وقال ابن عبد البر: وروى الحارث بن عبد الرحمن بن أبي ذباب عن السائب بن يزيد قال: كان القيام علىٰ عهد عمر بثلاث وعشرين ركعة. قال ابن عبد البر: هٰذا محمول علىٰ أن الثلاث للوتر". (عمدة القاري: ۱۲۷/۱۱) (۳)

(ترجمہ: ابن عبد البر کہتے ہیں کہ حارث بن عبد الرحمٰن ابی ذباب نے حضرت سائب بن یزید سے روایت کی ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ۲۳ رکعتیں پڑھی جاتی تھیں، ابن عبد البر کہتے ہیں کہ: ان میں بیس تراویح کی اور تین رکعتیں وتر کی ہوتی تھیں۔)

(۲) حضرت سائب کے دوسرے راوی یزید بن خصیفہ کے تین شاگرد ہیں: ابن ابی ذئب، محمد بن جعفر اور امام مالک اور یہ تینوں بالاتفاق بیس رکعتیں روایت کرتے ہیں۔

(الف) ابن ابی ذئب کی روایت امام بیہقی کی سنن کبریٰ میں درج ذیل سند کے ساتھ مروی ہے:

---

(۱) عن عبد الرحمن بن عبدن القاري أنه قال: خرجت مع عمر بن الخطاب ليلة في رمضان إلى المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون يصلي الرجل لنفسه ويصلي الرجل فيصلي بصلا ته الرهط، فقال عمر: إني أرىٰ لوجمعت هولاء علىٰ قارئ واحد لكان أمثل، ثم عزم فجمعهم على ابى بن كعب. (صحيح البخاري، كتاب الصوم، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان: ۲۶۹/۱، رقم الحديث: ۱۹۶۶، أشرفي بكڈپو، انيس)

(۲) ففي سنة أربع عشرة ... وفيها جمع عمر الناس علىٰ صلاة التراويح. (تاريخ الخلفاء لعبد الرحمن السيوطي، فصل في صفته رضي اللّٰه عنه خلافته والأحداث التي جبرت في عهده: ۱۱۹/۱، انيس)

(۳) عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب التراويح، باب فضل من قام رمضان: ۱۵۷/۱۷، انيس

”قد أخبرنا أبوعبد اللّٰه الحسين بن محمد بن الحسين بن فنجويه الدينوری بالدامغان،حدثنا أحمد بن محمد بن إسحاق السنی،أخبرنا عبد اللّٰه محمد بن عبد العزيز البغوی،حدثنا علی بن الجعد أخبرنا ابن أبی ذئب عن يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال:كانوا يقومون علٰی عهد عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه فی شهررمضان بعشرين ركعة،قال:وكانوا يقرؤون بالمئين وكانوا يتوكؤن علٰی عصيهم فی عهد عثمان بن عفان رضی اللّٰه عنه من شدة القيام“.(السنن الكبریٰ:۲/٤۹٦)(۱)

(یعنی ابن ابی ذئب، یزید بن خصیلہ سے اور وہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں رمضان میں لوگ بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں شدت قیام کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے۔)

اس کی سند کو امام نووی، امام عراقی اور حافظ سیوطی نے صحیح کہا ہے۔(آثار السنن:۲۵۱طبع مکتبہ امدایہ ملتان،تحفۃ الأحوذی:۲/۷۵)

(ب) محمد بن جعفر رحمہ اللہ کی روایت امام بیہقیؒ کی دوسری کتاب معرفۃ السنن والآثار میں حسب ذیل سند سے مروی ہے:

”أخبرنا أبوطاهر الفقيه،ثنا أبوعثمان البصری،ثنا أبو أحمد محمد بن عبد الوهاب،ثنا خالد بن مخلد،ثنا محمد بن جعفر حدثنی يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال: كنا نقوم فی زمن عمر بن الخطاب بعشرين ركعة والوتر“.(نصب الرأية:۲/۱۵۴)(۲)

(یعنی محمد بن جعفر، یزید بن خصیفہ سے اور وہ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس رکعات اور وتر پڑھا کرتے تھے۔)

اس کی سند کو امام نووی نے خلاصہ میں، علامہ سبکی نے شرح منہاج میں اور علامہ علی قاری نے شرح مؤطا میں صحیح کہا ہے۔(آثار السنن:۲/۵۴،تحفۃ الاحوذی:۲/۷۵)(۳)

---

(۱) السنن الكبریٰ للبيهقی،كتاب الصلاة،باب ماروی فی عدد ركعات القيام:۲/٤۹٦،رقم الحديث:٤٨٠١،انيس

(۲) نصب الراية،كتاب الصلاة،فصل فی قيام شهررمضان:۲/۱٥۱، دارالكتب العلمية بيروت،انيس

(۳) عن يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد رضی اللّٰه عنه قال كانوا يقومون علٰی عهد عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه فی شهررمضان بعشرين ركعة.(آثارالسنن،كتاب الصلاة،أبواب قيام شهررمضان،باب فی التراويح بعشرين ركعات،ص:۲۰۱،رقم الحديث:۷۷۸،حقانية ملتان،انيس)

واستدل لهم أيضًا بما روی البيهقی فی سننه عن السائب بن يزيد قال: كنا نقوم فی زمان عمربن الخطاب بعشرين ركعة والوتر وصحح إسناده السبكی فی شرح المنهاج وعلی القارئ فی شرح المؤطا.(تحفة الأحوذی للمباركفوری،أبواب الصوم،باب ماجاء فی قيام شهر رمضان:۳/۲٥۳،و اللفظ لتحفة،شاملة،انيس)

(ج) یزید بن خصیفہؒ سے امام مالک رحمہ اللہ کی روایت حافظؒ نے فتح الباری میں اور علامہ شوکانیؒ نے نیل الاوطار میں ذکر کی ہے، حافظؒ لکھتے ہیں:

"وروی مالک من طریق یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید عشرين ركعة". (فتح الباری:۲۵۳/۴، طبع لاہور)(۱)

(ترجمہ: اورامام مالک نے یزید بن خصیفہ کے طریق سے حضرت سائب بن یزید سے بیس رکعتیں نقل کی ہیں۔)

اورعلامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں:

"وفی المؤطا من طریق یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید أنها عشرون ركعة". (نیل الاوطار،۳:۵۳/۵، مطبعہ عثمانیہ مصر۱۳۵۷ھ)

"مالک عن یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید" کی سند بعینہ صحیح بخاری:۳۱۲/۱ پر موجود ہے؛ لیکن یہ روایت مجھے مؤطا کے موجودہ نسخے میں نہیں ملی، ممکن ہے کہ مؤطا کے کسی نسخے میں حافظ کی نظر سے گزری ہو، یا غیر مؤطا میں ہو اور علامہ شوکانی کا **"وفی المؤطا"** کہنا سہو کی بنا پر ہو **فلیفتش.**

(۳) حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے تیسرے شاگرد محمد بن یوسف کی روایت میں ان کے شاگردوں کے درمیان اختلاف ہوا ہے، چناں چہ:

(الف) امام مالک وغیرہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ نے حضرت ابی اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعتیں پڑھانے کا حکم دیا تھا، جیسا کہ مؤطا امام مالک میں ہے۔ (موطأ امام مالک:۹۸، مطبوعہ نور محمد کراچی)(۲)

(ب) ابن اسحاق ان سے تیرہ (رکعت) کی روایت نقل کرتے ہیں۔ (فتح الباری:۲۵۴/۴)(۳)

(ج) اور داؤد بن قیس اور دیگر حضرات ان سے اکیس رکعتیں نقل کرتے ہیں۔ (مصنف عبدالرزاق:۲۶۰/۴)(۴)

---

(۱) فتح الباری لإبن الحجر، كتاب صلاة التراويح وله باب فضل من قام رمضان: ٢٥٣/٤، مطبوعه لاهور، انيس

(۲) مالک عن محمد بن يوسف عن السائب ابن يزيد أنه قال: أمر عمر بن الخطاب ابی بن كعب وتميما الداری ان يقوما للناس بإحدىٰ عشرة ركعة. (موطأ الإمام مالک: ٩٨، طبع نورمحمد كتب خانة)

(۳) وأخرج من طريق محمد بن إسحاق حدثنی محمد بن يوسف عن جده السائب بن يزيد قال: كنا نصلی زمن عمرفی رمضان ثلاث عشرة. (فتح الباری لإبن الحجر، كتاب صلاة التراويح، وله باب فضل من قام رمضان: ٢٥٤/٤، رقم الحديث: ١٩٠٦، طبع: دارنشرالكتب الإسلامية لاهور)

(۴) عبد الرزاق عن داؤد بن قيس وغيره عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزيد: أن عمر جمع الناس فی رمضان علىٰ أبی بن كعب، علىٰ تميم الداری، علىٰ إحدىٰ وعشرين ركعة، يقرؤون بالمئين وينصرفون عند فروع الفجر. (باب قيام رمضان، مصنف عبد الرزاق: ٢٦٠/٤، طبع مكتبة رشيدية كوئٹة)

اس تفصیل سے معلوم ہوجاتا ہے کہ حضرت سائب کے دوشاگرد حارث اور یزید بن خصیفہ اور یزید کے تینوں شاگرد متفق اللفظ ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعات پر لوگوں کو جمع کیا تھا، جب کہ محمد بن یوسف کی روایت مضطرب ہے، بعض ان میں سے گیارہ نقل کرتے ہیں، بعض تیرہ اور بعض اکیس، اصول حدیث کے قاعدے سے مضطرب حدیث حجت نہیں، لہٰذا حضرت سائب رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث وہی ہے، جو حارث اور یزید بن خصیفہ رضی اللہ عنہ نے نقل کی ہے اور اگر محمد بن یوسف کی مضطرب اور مشکوک روایت کو کسی درجے میں قابل لحاظ سمجھا جائے تو دونوں کے درمیان تطبیق کی وہی صورت متعین ہے، جو امام بیہقی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے کہ گیارہ پر چندروز عمل رہا، پھر بیس پر عمل کا استقرار ہوا، چناں چہ امام بیہقی رحمہ اللہ دونوں روایتوں کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”ویمکن الجمع بین الروایتین، فإنهم کانوا یقومون بإحدیٰ عشرۃ ثم کانوا یقومون بعشرین ویوترون بثلاث“.(السنن الکبریٰ: ۲/۴۹۶)(۱)

(ترجمہ: دونوں روایتوں میں تطبیق ممکن ہے؛ کیوں کہ وہ لوگ پہلے گیارہ پڑھتے تھے، اس کے بعد بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھنے لگے۔)

امام بیہقی رحمہ اللہ کا یہ ارشاد کہ عہد فاروقیؓ میں صحابہ کا آخری عمل، جس پر استقرار ہوا، بیس تراویح تھا، اس پر متعدد شواہد وقرائن موجود ہیں۔

(اول) امام مالکؒ جو محمد بن یوسف سے گیارہ کی روایت نقل کرتے ہیں، خود ان کا اپنا مسلک بیس، یا چھتیس تراویح کا ہے، جیسا کہ چوتھی بحث میں آئے گا، اس سے واضح ہے کہ یہ روایت خود امام مالک کے نزدیک بھی مختار اور پسندیدہ نہیں۔

(دوم) ابن اسحاق جو محمد بن یوسف سے تیرہ کی روایت نقل کرتے ہیں، وہ بھی بیس کی روایت کو اثبت کہتے ہیں، چناں چہ علامہ شوکانی نے بیس والی روایت کے ذیل میں ان کا قول نقل کیا ہے:

”قال ابن اسحاق وهٰذا أثبت ما سمعت فی ذٰلک“. (شوکانی، نیل الاوطار: ۳/۵۳)

(ترجمہ: ابن اسحاق کہتے ہیں کہ: رکعات تراویح کی تعداد کے بارے میں، میں نے جو کچھ سنا اس میں سب سے زیادہ ثابت یہی تعداد ہے۔)

(سوم) یہ کہ محمد بن یوسف کی گیارہ والی روایت کی تائید میں دوسری کوئی اور روایت موجود نہیں، جب کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی بیس والی روایت کی تائید میں دیگر متعدد روایتیں بھی موجود ہیں، چناں چہ:

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الصلاۃ، باب ما روی فی عدد رکعات القیام: ۲/۴۹۶، رقم الحدیث: ۴۸۰۲، أنیس

(۱)　　یزید بن رومان کی روایت ہے کہ!

"**كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان بثلٰث وعشرين ركعة**". (موطأ امام مالک،ص:۹۸،مطبوعہ نور محمد کراچی،سنن کبریٰ:۴۹۶/۲،قیام اللیل:۹۱،طبع جدید:۱۵۷)

(ترجمہ:　لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ۲۳ رکعتیں پڑھا کرتے تھے،(بیس تراویح اور تین وتر)۔)

یہ روایت سند کے لحاظ سے نہایت قوی ہے؛ مگر مرسل ہے؛ کیوں کہ یزید بن رومان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا، تاہم حدیث مرسل (جب کہ ثقہ اور لائق اعتماد سند سے مروی ہو) امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام محمد اور جمہور علما کے نزیک مطلقا حجت ہے، البتہ امام شافعی کے نزدیک حدیث مرسل کے حجت ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کی تائید کسی دوسری مسند، یا مرسل سے ہوئی ہو، چوں کہ یزید بن رومان کی زیر بحث روایت کی تائید میں دیگر متعدد روایات موجود ہیں؛ اس لیے یہ باتفاق اہل علم حجت ہے۔

یہ بحث تو عام مراسیل باب میں تھی، موطأ کے مراسیل کے بارے میں اہل حدیث کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ سب صحیح ہیں۔ چناں چہ امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

"**قال الشافعي: أصح الكتب بعد كتاب اللّٰه موطأ مالك واتفق أهل الحديث علٰى إن جميع ما فيه صحيح علٰى رأى مالك ومن وافقه وأما علٰى رأى غيره فليس فيه مرسل ولامنقطع إلا قد اتصل السند به من طريق أخرى فلا جرم أنها صحيحة من هٰذا الوجه وقد صنف في زمان مالك مؤطات كثيرة في تخريج أحاديث ووصل منقطعه مثل كتاب ابن أبي ذئب وابن عيينة والثوري ومعمر**". (حجۃ اللہ البالغہ:۱۳۳/۱،مطبوعہ منیریہ)

(ترجمہ:　امام شافعی نے فرمایا کہ کتاب اللہ کے بعد اصح الکتب موطأ امام مالک ہے اور اہل حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ اس میں جتنی روایتیں ہیں، وہ سب امام مالک اور ان کے موافقین کی رائے پر صحیح ہیں اور دوسروں کی رائے پر اس میں کوئی مرسل اور منقطع روایت ایسی نہیں کہ دوسرے طریقوں سے اس کی سند متصل نہ ہو، پس اس لحاظ سے وہ سب کی سب صحیح ہیں اور امام مالک کے زمانے میں موطأ کی حدیثوں کی تخریج کے لیے اور اس کے منقطع کو متصل ثابت کرنے کے لیے بہت سے موطأ تصنیف ہوئے، جیسے ابن ابی ذئب، ابن عیینہ، ثوری اور معمر کی کتابیں۔)

اور پھر بیس رکعات پر اصل استدلال تو حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے جس کے "صحیح" ہونے کی تصریح گزر چکی ہے، اور یزید بن رومان کی روایت بطور تائید ذکر کی گئی ہے۔

(۲)　　یحیٰ بن سعید انصاری کی روایت ہے کہ!

"**أن عمر بن الخطاب أمر رجلاً يصلي بهم عشرين ركعة**". (مصنف ابن ابی شیبۃ:۳۹۳/۲)

(ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھائے۔)

یہ روایت بھی سنداً قوی؛ مگر مرسل ہے۔

(۳) عبدالعزیز بن رفیع کی روایت ہے:

”كان أبي بن كعب يصلي بالناس في رمضان با لمدينة عشرين ركعة ويوتر بثلاث“. (مصنف ابن أبی شیبۃ:۳۹۳/۲)

(ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ لوگوں کو مدینہ میں رمضان میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔)

(۴) محمد بن کعب قرظی کی روایت ہے کہ!

”كان الناس يصلون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان عشرين ركعة يطيلون فيها القراءة و يوترون بثلٰث“. (قیام اللیل، ص:۹۱، طبع جدید، ص:۱۵۷)

(ترجمہ: لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان المبارک میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے، ان میں طویل قرأت کرتے اور تین وتر پڑھتے تھے۔)

یہ روایت بھی مرسل ہے اور قیام اللیل میں اس کی سند نہیں ذکر کی گئی ہے۔

(۵) کنز العمال میں خود حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ!

”أن عمر بن الخطاب أمره أن يصلي باليل في رمضان، فقال: إن الناس يصومون النهار ولا يحسنون أن يقرأوا فلو قرأت عليهم بالليل: يا أمير المؤمنين! هٰذا شئ لم يكن، فقال: قد علمت ولكنه حسن، فصلٰى بهم عشرين ركعة“. (کنز العمال، طبع جدید بیروت:۴۰۹/۸، حدیث:۲۳۴۷۱)

(ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو حکم دیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو رات کے وقت نماز پڑھایا کریں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ دن کو روزہ رکھتے ہیں، مگر خوب اچھا پڑھنا نہیں جانتے، پس کاش! تم رات میں ان کو قرآن سناتے، ابیؓ نے عرض کیا: یا امیر المؤمنین! یہ ایک ایسی چیز ہے، جو پہلے نہیں ہوئی، فرمایا: یہ تو مجھے معلوم ہے؛ لیکن یہ اچھی چیز ہے، چناں چہ حضرت ابیؓ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھائیں۔)

(چہارم) مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں اہل علم اس کے قائل ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیس رکعات پر جمع کیا اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان سے موافقت کی؛ اس لیے یہ بہ منزلہ اجماع کے تھا، یہاں چند اکابر کے ارشادات ذکر کئے جاتے ہیں:

امام ترمذی لکھتے ہیں:

”واختلف أهل العلم في قيام رمضان فرأى بعضهم أن يصلي إحدٰى وأربعين ركعة مع الوتر وهو قول أهل المدينة والعمل علٰى هٰذا عندهم بالمدينة وأكثر أهل العلم علٰى ما روى عن علي و عمر وغيرهما

من أصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عشرین رکعة وھوقول سفیان الثوری و ابن المبارک والشافعی،وقال الشافعی:وھٰکذا أدرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة". (سنن ترمذی:۹۹/۱)(۱)

(ترجمہ: تراویح میں اہل علم کا اختلاف ہے،بعض وترسمیت اکتالیس رکعت کے قائل ہیں،اہل مدینہ کا یہی قول ہے اوران کے یہاں مدینہ طیبہ میں اسی پر عمل ہے اوراکثر اہل علم بیس رکعت کے قائل ہیں،جوحضرت علی،حضرت عمراوردیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔سفیان ثوری،عبداللہ بن مبارک اورشافعی رحمہم اللہ کا یہی قول ہے،امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں لوگوں کوبیس رکعات ہی پڑھتے پایا ہے۔)

(۲) علامہ زرقانی مالکی شرح مؤطا میں ابوالولید سلیمان بن خلف القرطبی المالکی (متوفیٰ :۴۹۴ھ) سے نقل کرتے ہیں:

"قال الباجی: فأمرھم أولا بتطویل القراءة؛لأنه أفضل،ثم ضعف الناس فأمرھم بثلاث و عشرین فخفف من طول القراءة واستدرک بعض الفضیلة بزیادة الرکعات". (شرح زرقانی علی الموطأ:۲۳۹/۱)(۲)

(ترجمہ: باجی کہتے ہیں کہ:حضرت عمررضی اللہ عنہ نے پہلے ان کوتطویل قرأت کاحکم دیا تھا کہ وہ افضل ہے،پھرلوگوں کاضعف محسوس کیاتو۲۳رکعات کاحکم دیا،چناں چہ طول قرأت میں کمی کی اوررکعات کے اضافے کی فضیلت کی کچھ تلافی کی۔)

"قال الباجی:وکان الأمرعلٰی ذلک إلٰی یوم الحرة فثقل علیھم القیام فنقصوا من القراءة وزادوا الرکعات فجعلت ستا وثلاثین غیرالشفع والوتر". (زرقانی شرح موطأ:۳۲۳۹/۱)(۳)

(ترجمہ: باجی کہتے ہیں کہ:یوم حرہ تک بیس رکعات کادستوررہا،پھران پرقیام بھاری ہواتوقرأت میں کمی کرکے رکعات میں مزیداضافہ کردیا گیااوروتر کےعلاوہ۳۶رکعات ہوگئیں۔)

(۳) علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے یہی بات حافظ ابن عبدالبر(۳۶۸ھ۴۶۳ھ)اورابومروان عبدالملک بن حبیب القرطبی المالکی (متوفیٰ ۲۳۷ھ) سے نقل کی ہے(زرقانی شرح مؤطا:۲۳۹/۱)۔

(۴) حافظ موفق الدین ابن قدامہ المقدسی الحنبلیؒ (متوفی ۶۲۰ھ)المغنی میں لکھتے ہیں:

"ولنا أن عمر رضی اللّٰہ عنه لما جمع الناس علی أبی بن کعب کان یصلی لھم عشرین رکعة".(۴)

---

(۱) سنن الترمذی،أبواب الصوم عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم،باب ماجاء فی قیام شھر رمضان: ۱۶۶/۱، أشرفی بکڈپو،دیوبند،انیس

(۲-۳) شرح الزرقانی علی الموطأ،کتاب الصلاہ،باب ماجاء فی قیام رمضان: ۳۶۲/۱،رقم الحدیث: ۲۵۰، دارإحیاء التراث العربی بیروت، انیس

(۴) المغنی فی فقه الإمام أحمد بن حنبل،کتاب الصلاة،مسئلة وفصول حکم صلاة التراویح: ۸۳۳/۱، انیس

(ترجمہ: ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع کیا تو وہ ان کو بیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔)

اس سلسلے کی روایات، نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"هٰذا كالإجماع". (۱)

(ترجمہ: اور یہ بہ منزلہ اجماع صحابہ کے ہے۔)

پھر اہل مدینہ کے ۳۶/رکعات کے تعامل کو ذکر کر کے لکھتے ہیں:

"ثم لو ثبت ان اهل المدينة كلهم فعلوه لكان ما فعله عمر واجمع عليه الصحابة فى عصره أولٰى بالاتباع.

قال بعض أهل العلم: إنما فعل هٰذا أهل المدينة؛ لأنهم أرادوا مساواة أهل مكة، فإن أهل مكة يطوفون سبعًا بين كل ترويحتين فجعل أهل المدينة مكان كل سبع أربع ركعات، وما كان عليه أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم أولٰى وأحق أن يتبع". (ابن قدامة، المغنی مع الشرح الکبیر: ۱/۷۹۹)(۲)

(ترجمہ: پھر اگر ثابت ہو کہ اہل مدینہ سب چھتیس رکعتیں پڑھتے تھے، تب بھی جو کام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا اور جس پر ان کے دور میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اجماع کیا، اس کی پیروی اولیٰ ہوگی۔

بعض اہل علم نے کہا ہے کہ اہل مدینہ کا مقصود اس عمل سے اہل مکہ کی برابری کرنا تھا؛ کیوں کہ اہل مکہ دو ترویحوں کے درمیان طواف کیا کرتے تھے، اہل مدینہ نے طواف کی جگہ دو ترویحوں کے درمیان چار رکعتیں مقرر کر لیں، بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا جو معمول تھا، وہی اولیٰ اور احق ہے۔)

(۵) امام محی الدین نووی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۶ھ) شرح مہذب میں لکھتے ہیں:

"واحتج أصحابنا بمارواه البيهقى وغيره بالإسناد الصحيح عن السائب بن يزيد الصحابى رضى الله عنه قال كانوا يقومون علٰى عهد عمربن الخطاب رضى الله عنه فى شهررمضان بعشرين ركعة الحديث". (المجموع شرح مہذب: ۴/۳۲)

(ترجمہ: ہمارے اصحاب نے اس حدیث سے دلیل پکڑی ہے جو امام بیہقی اور دیگر حضرات نے حضرت سائب بن یزید صحابی رضی اللہ عنہ سے بہ سند صحیح روایت کی ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان المبارک میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔)

---

(۱) المغنى فى فقه الإمام أحمد بن حنبل، كتاب الصلاة، مسئلة وفصول حكم صلاة التراويح: ۱/۸۳۳، انيس

(۲) المغنى مع الشرح الكبير، كتاب الصلاة، مسئلة وفصول حكم صلاة التراويح: ۱/۸۳۳، انيس

آگے یزید بن رومان کی روایت ذکر کرکے امام بیہقی رحمہ الہ کی تطبیق ذکر کی ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر ذکر کرکے اہل مدینہ کے فعل کی وہی توجیہ کی ہے، جو ابن قدامہ کی عبارت میں گزر چکی ہے۔

(۶) علامہ شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی شافعی (متوفیٰ ۹۲۳ھ) شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

”وجمع البیھقی بینھما بأنھم کانوا یقومون بإحدیٰ عشرة ثم قانوا بعشرین وأوتروا بثلٰث وقد عدوا ما وقع فی زمن عمر رضی اللّٰہ عنه کالإجماع“. (ارشاد الساری:۴۲۶/۳)(۱)

(ترجمہ: اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے ان دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ وہ پہلے گیارہ پڑھتے تھے، پھر بیس تراویح اور تین وتر پڑھنے لگے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو معمول جاری ہوا اسے علما نے بمنزلہ اجماع کے شمار کیا ہے۔)

(۷) علامہ شیخ منصور بن یونس بہوتی حنبلی (متوفیٰ ۱۰۴۶ھ) ”کشف القناع عن متن الاقناع“ میں لکھتے ہیں:

”وھی (عشرون رکعة فی رمضان) لما روی مالک عن یزید بن رومان قال: کان الناس یقومون فی زمن عمر فی رمضان بثلٰث وعشرین رکعة ... وھٰذا فی مظنة الشھرة بحضرة الصحابة فکان اجماعًا“. (کشف القناع عن متن الاقناع: ۳۹۲/۱)(۲)

(ترجمہ: تراویح بیس رکعت ہیں، چناں چہ امام مالک نے یزید بن رومان سے روایت کیا ہے کہ: لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان میں ۲۳ رکعتیں پڑھا کرتے تھے......اور حضرت عمر رضی للہ عنہ کا صحابہ کی موجودگی میں بیس کا حکم دینا عام شہر کا موقع تھا؛ اس لیے یہ اجماع ہوا۔)

(۸) مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں لکھتے ہیں:

”وزادت الصحابة ومن بعدھم فی قیام رمضان ثلٰثة أشیاء: الاجتماع له فی مساجدھم وذلک؛ لأنه یفید التیسیر علٰی خاصتھم وعامتھم، وأداؤہ فی أول اللیل مع القول بأن صلاة آخر اللیل مشھودة وھی أفضل کما نبه عمر رضی اللّٰہ عنه، لھٰذا التیسیر الذی أشرنا إلیه، وعدد عشرین رکعة“. (حجة اللّٰہ البالغة: ۱۸/۲)(۳)

(ترجمہ: اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین اور ان کے بعد کے حضرات نے قیام رمضان میں تین چیزوں کا اضافہ کیا: (۱) اس کے لیے مسجد میں جمع ہونا؛ کیوں کہ اس سے عام وخاص کو آسانی حاصل ہوتی ہے، (۲) اول شب میں ادا کرنا، باوجود اس بات کے قائل ہونے کے کہ آخر شب کی نماز میں فرشتوں کی حاضری ہوتی ہے اور وہ افضل ہے، جیسا کہ

---

(۱) ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، باب فضیل قیام اللیل: ٤٢٦/٣، المطبعة الکبریٰ الأمیریة مصر، انیس

(۲) کشف القناع عن متن الاقناع، باب صلاة التطوع، فصل: التراویح سنة مؤکدة: ٤٢٥/١، دار الفکر، انیس

(۳) حجة اللّٰہ البالغة، من أبواب الصلاة، باب النوافل قیام شھر رمضان: ٨٠/٢، مکتبة حجاز دیوبند، انیس

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر متنبہ فرمایا؛ مگر اول شب کا اختیار کرنا بھی اسی آسانی کے لیے تھا، جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا، (۳) بیس رکعات کی تعداد۔)

تراویح عهد صحابه وتابعین میں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس تراویح کا معمول شروع ہوا تو بعد میں کم از کم بیس کا معمول رہا، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین سے زائد کی روایات تو مروی ہیں؛ لیکن کسی سے صرف آٹھ کی روایت نہیں۔

(۱) حضرت سائب رضی اللہ عنہ کی روایت اوپر گزر چکی ہے، جس میں انہوں نے عہد فاروقی میں بیس کا معمول ذکر کرتے ہوئے اسی سیاق میں عہد عثمانی کا ذکر کیا ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جن کا وصال عہد عثمانی کے اواخر میں ہوا ہے، وہ بھی بیس پڑھا کرتے تھے۔ (قیام اللیل، ص:۹۱ طبع جدید، ص:۱۵۷)(۱)

(۳) **عن أبی عبد الرحمٰن السلمی عن علی رضی اللّٰه عنه قال: دعا القرّاء فی رمضان فأمر منهم رجلًا یصلی بالناس عشرین رکعة، قال: وکان علی رضی اللّٰه عنه یوتر بهم".** (سنن کبریٰ بیہقی:۴۹۶/۲)(۲)

(ترجمہ: ابوعبدالرحمٰن سلمی کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا، پس ان کی میں ایک شخص کو حکم دیا کہ بیس رکعتیں پڑھایا کرے اور وتر حضرت علی رضی اللہ عنہ خود پڑھایا کرتے تھے۔)

اس کی سند میں حماد بن شعیب پر محدثین نے کلام کیا ہے؛ لیکن اس کے متعدد شواہد موجود ہیں۔

حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ کی یہ روایت شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں ذکر کی ہے اور اس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جاری کردہ تراویح کو اپنے دور خلافت میں باقی رکھا۔ (منہاج السنۃ:۲۲۴/۴)(۳)

---

(۱) قال الأعمش: كان عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه عنه یصلی عشرین رکعة ویوتر بثلاث، إلخ. (قیام اللیل، باب عدد رکعات التی یقوم بها الإمام، ص: ۲۲۱، حدیث اکادمی فیصل آباد باکستان)

(۲) السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الصلاة، باب ما روی فی عدد رکعات: ۴۹۶/۲، رقم الحدیث: ۴۸۰۴، انیس

(۳) وعن أبی عبد الرحمن السلمی أن علیا رضی اللّٰه عنه دعا القراء فی رمضان فأمر رجلاً منهم یصلی بالناس عشرین رکعة. (منهاج السنة: ۲۲۴/۳، طبع: المکتبة السلفیة لاهور)

وفیه أیضاً: أن هٰذا لو كان قبیحا منهیا عنه لكان علی أبطله لما صار أمیر المؤمنین و هو بالكونة فلما كان جاریاً فی ذلک مجری عمر دل علیٰ استحباب ذلک. (منهاج السنة النبویة، فصل فی نقض كلام الشیعة: ۱۱۸/۸، مؤسسة قرطبة، انیس)

حافظ ذہبیؒ نے المنتقٰی مختصر منهاج السنة (المنتقٰی، ص: ۵٤۲) میں حافظ ابن تیمیہؒ کے اس استدلال کو بلانکیر ذکر کیا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ ان دونوں کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس رکعات تراویح کا معمول جاری تھا۔

(۴) ''عن عمرو بن قيس عن أبي الحسناء أن علياً رضى الله عنه أمر رجلاً يصلى بهم فى رمضان عشرين ركعة''. (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۹۳/۲)(۱)

(ترجمہ: عمرو بن قیس، ابوالحسناء سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعتیں پڑھایا کرے۔)

(۵) عن أبى سعد البقال عن أبى الحسناء أن على بن أبى طالب رضى الله عنه أمر رجلاً أن يصلى بالناس خمس ترويحات عشرين ركعة، وفى هٰذا الإسناد ضعف''. (سنن کبریٰ بیہقی: ۴۹۷/۲)(۲)

(ترجمہ: ابوسعد بقال، ابوالحسناء سے نقل کرتے ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو پانچ ترویحے؛ یعنی بیس رکعتیں پڑھایا کرے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کی سند میں ضعف ہے۔)

علامہ ابن الترکمانی ''الجوہر النقی'' میں لکھتے ہیں کہ ظاہر تو یہ ہے کہ اس سند کا ضعف ابوسعد بقال کی وجہ سے ہے، جو متکلم فیہ راوی ہے؛ لیکن مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں (جو اوپر ذکر کی گئی ہے) اس کا متابع موجود ہے، جس سے اس کے ضعف کی تلافی ہوجاتی ہے۔ (ذیل سنن کبریٰ: ۴۹۵/۲)(۳)

(۶) ''عن شتير بن شكل و كان من أصحاب على رضى الله عنه أنه كان يؤمهم فى شهر رمضان بعشرين ركعة ويوتر بثلٰث''. (سنن کبریٰ بیہقی: ۴۹۶/۲، قیام اللیل، ص: ۹۱، طبع جدید، ص: ۱۵۷)(۴)

(ترجمہ: شتیر بن شکل، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھے، رمضان المبارک میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس اثر کو نقل کرکے کہا ہے:

---

(۱) مصنف ابن أبى شيبة، كتاب الصلاة كم يصلى فى رمضان من ركعة: ۳۹۳/۲، رقم الحديث: ۷۷۵۳، انيس

(۲) السنن الكبرىٰ للبيهقى، كتاب الصلاة، باب ماروى فى عدد ركعات القيام: ٤۹۷/۲، رقم الحديث: ٤۸۰۵، انيس

(۳) قلت: الأظهر أن ضعفه من جهة أبى سعد سعيد بن المرزبان البقال فإنه متكلم فيه فإن كان كذٰلك فقد تابعه عليه غيره قال ابن أبى شيبة فى المصنف ثنا وكيع عن حسن بن صالح عن عمروبن قيس عن بن أبى الحسناء أن عليا أمر رجلاً يصلى بهم فى رمضان عشرين ركعة (مصنف ابن أبى شيبة، كم يصلى فى رمضان من ركعة: ۱٦۳/۲، انيس)

(۴) السنن الكبرىٰ للبيهقى، كتاب الصلاة، باب ما روى فى عدد ركعات القيام، رقم الحديث: ٤۸۰۳/مختصر قيام الليل للمروزى، باب عددركعات التى يقوم بها الإمام، ص: ۲۲۱، حديث أكادمى فيصل آباد، انيس

"**وفی ذلک قوۃ**". (اوراس میں قوت ہے) پھراس کی تائید میں انہوں نے عبدالرحمٰن سلمی کا اثر ذکر کیا ہے جو اوپر گزر چکا ہے۔(۱)

(۷) "**عن أبی الخصیف قال: کان یؤمنا سوید بن غفلة فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعة**". (سنن کبریٰ بیہقی:۴۹۶/۲)(۲)

(ترجمہ: ابوالحصیبؒ کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن غفلہ رضی اللہ عنہ ہمیں رمضان میں نماز پڑھاتے تھے، پس پانچ ترویحے بیس رکعتیں پڑھتے تھے۔)

"**قال النیموی: وإسناده حسن**". (آثار السنن:۵۵/۲،طبع ہند)(۳)

(ترجمہ: علامہ نیموی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔)

حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ کا شمار تابعین میں ہے، انہوں نے زمانۂ جاہلیت پایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اسلام لائے؛ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی؛ کیوں کہ مدینہ اس دن پہنچے، جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین ہوئی؛ اس لیے صحابیت کے شرف سے مشرف نہ ہو سکے، بعد میں کوفہ میں رہائش اختیار کی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے خاص اصحاب میں تھے، ۸۰ھ میں ایک سو تیس برس کی عمر میں انتقال ہوا۔ (تقریب التہذیب:۳۴۱/۱)(۴)

(۸) "**عن الحارث أنه کان یؤم الناس فی رمضان باللیل بعشرین رکعة ویوتر بثلث ویقنت قبل الرکوع**". (مصنف ابن ابی شیبہ:۳۹۳/۲)(۵)

(ترجمہ: حارث، رمضان میں لوگوں کو بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے اور رکوع سے قبل قنوت پڑھتے تھے۔)

---

(۱) وفی ذلک قوة لما أخبرنا ... عن أبی عبد الرحمٰن السلمی عن علی رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال: دعا القراء فی رمضان فأمرهم رجلاً یصلی بالناس عشرین رکعة قال وکان علی رضی اللّٰہ عنه یوتربهم وروی ذلک من وجه آخرعن علی. (السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الصلاة، باب ماروی فی عدد رکعات القیام: ٤٩٦/٢، رقم الحدیث: ٤٨٠٤، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس)

(۲) السنن الکبری للبیهقی، باب ما روی فی عدد رکعات القیام: ٤٩٦/٢، رقم الحدیث: ٤٨٠٣، انیس

(۳) آثار السنن، أبواب قیام شهر رمضان، باب فی التراویح بعشرین رکعات، ص: ٢٠٣، رقم الحدیث: ٧٨٣، مکتبة حقانیة، انیس

(۴) سوید بن غفلة، بفتح المعجمة والفاء، أبو أمیة الجعفی، مخضرم، من کبار التابعین، قدم المدینة یوم دفن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، وکان مسلمًا فی حیاته، ثم نزل الکوفة ومات سنة ثمانین، وله مائة وثلاثون سنة. (تقریب التهذیب: ٣٤١/١، رقم: ٦٠٣، طبع بیروت)

(۵) مصنف ابن أبی شیبة، کتاب الصلاة، کم یصلی فی رمضان من رکعة: ٣٩٣/٢، رقم الحدیث: ٧٧٦٧، انیس

(۹) قیام اللیل میں عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ، سعید بن الحسن اور عمران العبدی سے نقل کیا ہے کہ وہ بیس راتیں بیس تراویح پڑھایا کرتے تھے اور آخری عشرہ میں ایک ترویحہ کا اضافہ کردیتے تھے۔ (قیام اللیل، ص:۹۲، طبع جدید:۱۵۸)

حارث، عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ (متوفیٰ:۹۶ھ) اور سعید بن ابی الحسن (متوفیٰ ۱۰۸ھ) تینوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔

(۱۰) أبو البختریؒ بھی بیس تراویح وتر پڑھاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۲/۳۹۳)(۱)

(۱۱) علی بن ربیعہؒ، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھے، بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۲/۳۹۳)(۲)

(۱۲) بن ابی ملیکہ (متوفی ۱۱۷ھ) بھی بیس تراویح پڑھاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۲/۳۹۳)(۳)

(۱۳) حضرت عطا (متوفیٰ:۱۱۴) فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو وتر سمیت ۲۳/رکعتیں پڑھتے ہوئے پایا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۲/۳۹۳)(۴)

(۱۴) موطأ امام مالکؒ میں عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج (متوفیٰ ۱۱۷ھ) کی روایت ہے کہ میں نے لوگوں کو اس حالت میں پایا ہے کہ وہ رمضان میں کفار پر لعنت کرتے تھے اور قاری آٹھ رکعتوں میں سورۂ بقرہ ختم کرتا تھا، اگر وہ بارہ رکعتوں میں سورۂ بقرہ ختم کرتا تو لوگ یہ محسوس کرتے کہ اس نے قرأت میں تخفیف کی ہے۔ (موطأ امالکؒ:ص۹۹)(۵)

اس روایت سے مقصود تو تراویح میں طول قرأت کا بیان ہے؛ لیکن روایت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف آٹھ رکعات پر اکتفا نہیں کیا جاتا تھا۔

---

(۱) عن أبی البختری: أنه کان یصلی خمس ترویحات فی رمضان، ویوتر بثلاث. (المصنف لإبن أبی شیبة، کتاب الصلاة، کم یصلی فی رمضان من رکعة: ۲۲۴/۵، رقم الحدیث: ۷۷۶۸، طبع المجلس العلمی بیروت، انیس)

(۲) عن سعید بن عبید أن علی بن ربیعة کان یصلی بهم فی رمضان خمس ترویحات، ویوتر بثلاث. (المصنف لإبن أبی شیبة، کتاب الصلاة، کم یصلی فی رمضان من رکعة: ۲۲۴/۵، رقم الحدیث: ۷۷۷۲، طبع المجلس العلمی، انیس)

(۳) وکیع عن نافع بن عمر قال: کان ابن أبی ملیکة یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعة (المصنف لإبن أبی شیبة، کتاب الصلاة، کم یصلی فی رمضان من رکعة: ۲۲۳/۵-۲۲۴، رقم الحدیث: ۷۷۶۵، طبع المجلس العلمی، انیس)

(۴) ابن نمیر عن عبد الملک عن عطاء قال: أدرکت الناس وهم یصلون ثلاثاً وعشرین رکعة بالوتر. (المصنف لإبن أبی شیبة، کتاب الصلاة، کم یصلی فی رمضان من رکعة: ۲۲۴/۵، رقم الحدیث: ۷۷۷۰، طبع المجلس العلمی، انیس)

(۵) مالک عن داؤد بن الحصین أنه سمع الأعرج یقول: ما أدکت الناس إلا وهم یلعنون الکفرة فی رمضان، قال: وکان القاری یقرأ بسوره البقرة فی ثمان رکعات، فإذا قام بها فی اثنتی عشر رکعة رأی الناس أنه قد خفف (موطأ الإمام مالک، العمل فی القراء ة، ماجاء فی قیام رمضان، ص: ۴۰، أشرفی بکڈپو دیوبند، انیس)

خلاصہ یہ کہ جب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت جاری کی، ہمیشہ بیس، یا زائد تراویح پڑھی جاتی تھیں، البتہ ایام حرہ (۶۳ھ) کے قریب اہل مدینہ نے ہر ترویحہ کے درمیان چار رکعتوں کا اضافہ کرلیا؛ اس لیے وہ وتر سمیت اکتالیس رکعتیں پڑھتے تھے اور بعض دیگر تابعین بھی عشرۂ اخیرہ میں اضافہ کر لیتے تھے، بہرحال صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین کے دور میں آٹھ تراویح کا کوئی گھٹیا سے گھٹیا ثبوت نہیں ملتا؛ اس لیے جن حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس تراویح پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوگیا تھا، ان کا ارشاد مبنی برحقیقت ہے؛ کیوں کہ حضرات سلف اس تعداد اپر اضافے کے تو قائل تھے؛ مگر اس میں کمی کا قول کسی سے منقول نہیں؛ اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ اس بات پر سلف کا اجماع تھا کہ تراویح کی کم سے کم تعداد بیس رکعات ہیں۔

تراویح ائمۂ اربعہ کے نزدیک:

امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک تراویح کی بیس رکعات ہیں، امام مالک سے اس سلسلے میں دو روایتیں منقول ہیں: ایک بیس کی اور دوسری چھتیس کی؛ لیکن مالکی مذہب کے متون میں بیس ہی کی روایت کو اختیار کیا گیا ہے، فقہ حنفی کے حوالے دینے کی ضرورت نہیں، دوسرے مذاہب کی مستند کتابوں کے حوالے پیش کئے جاتے ہیں۔

فقہ مالکی:

قاضی ابوالولید ابن رشد مالکی (متوفیٰ ۵۹۵ھ) بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں:

”واختلفوا فی المختار من عدد الرکعات التی یقوم بها الناس فی رمضان،فاختار مالک فی أحد قولیه وأبوحنیفة والشافعی وأحمد وداؤد القیام بعشرین رکعة سوی الوتر،وذکر ابن القاسم عن مالک أنه کان یستحسن ستا وثلاثین رکعة والوتر ثلاث“. (بدایة المجتهد: ۱/۱۵۶، مکتبة علمیة لاهور)(۱)

(ترجمہ: رمضان میں کتنی رکعات پڑھنا مختار ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے، امام مالک نے ایک قول میں اور امام ابوحنیفہ، شافعی، احمد اور داؤد رحمہم اللہ نے وتر کے علاوہ بیس رکعات کو اختیار کیا ہے اور ابن قاسم نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ وہ تین وتر اور چھتیس رکعات تراویح کو پسند فرماتے تھے۔)

مختصر خلیل کے شارح علامہ شیخ احمد الدردیر المالک (متوفیٰ ۱۲۰۱ھ) لکھتے ہیں:

”وهی (ثلاث وعشرون) رکعة بالشفع والوتر کما کان علیه العمل“، أی عمل الصحابة والتابعین. (الدسوقی)

---

(۱) بدایة المجتهد، کتاب الصلاة،الباب الخامس فی قیام رمضان: ۱/۲۱۰،مکتبة مصطفی البابی،انیس

(ثم جعلت)في زمن عمر بن عبد العزيز (ستا وثلاثين) بغير الشفع والوترلكن الذى جرى عليه العمل سلفا وخلفا الأول". (شرح الكبير الدردير مع حاشية الدسوقي: ۳۱۵/۱)

(ترجمہ: اور تراویح، وتر سمیت ۲۳؍رکعتیں ہیں، جیسا کہ اسی کے مطابق (صحابہ وتابعین کا) عمل تھا، پھر حضرت عمر بن عبد العزیز کے زمانے مین وتر کے علاوہ چھتیس کردی گئیں؛ لیکن جس تعداد پر سلف وخلف کا عمل ہمیشہ جاری رہا، وہ اول ہے؛ یعنی بیس تراویح اور تین وتر)۔)

فقه شافعي:

امام محی الدین نوویؒ (متوفی ۶۷۶ھ) المجموع شرح مہذب میں لکھتے ہیں:

"(فرع)في مذاهب العلماء في عدد ركعات التراويح مذهبنا أنها عشرون ركعة بعشر تسليمات غير الوتر وذلك خمس ترويحات والترويحة أربع ركعات بتسليمتين هذا مذهبنا و به قال أبوحنيفة وأصحابه وأحمد وداؤد وغيرهم ونقله القاضي عياض عن جمهور العلماء و حكى أن الأسود بن يزيد رضي الله عنه كان يقوم بأربعين ركعة ويوتر بسبع وقال مالك: التراويح تسع ترويحات وهي ستة وثلا ثون ركعة غير الوتر". (مجموع شرح المهذب لمحى الدين النووي: ۳۲/۴)(۱)

(ترجمہ: رکعات تراویح کی تعداد میں علماء کے مذاہب کا بیان، ہمارا مذہب یہ ہے کہ تراویح بیس رکعتیں ہیں، دس سلاموں کے ساتھ، علاوہ وتر کے۔ یہ پانچ ترویحے ہوئے، ایک ترویحہ چار رکعات کا دو سلاموں کے ساتھ۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب، امام احمدؒ اور امام داؤد وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں اور قاضی عیاضؒ نے اسے جمہور علماء سے نقل کیا ہے، نقل کیا گیا ہے کہ اسود بن یزید اکتالیس تراویح اور سات وتر پڑھا کرتے تھے اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تراویح نو ترویحے ہیں اور یہ وتر کے علاوہ چھتیس رکعتیں ہوئیں۔)

فقه حنبلي:

حافظ ابن قدامہ المقدسی الحنبلی (متوفی ۶۲۰ھ) المغنی میں لکھتے ہیں:

"والمختار عند أبي عبد الله رحمه الله فيها عشرون ركعة وبه قال الثوري وأبوحنيفة والشافعي، وقال مالك ستة وثلاثون". (المغني ابن قدامة: ۷۹۸/۱-۷۹۹، مع الشرح الكبير)(۲)

(ترجمہ: امام احمد کے نزدیک تراویح میں بیس رکعتیں مختار ہیں۔ امام ثوری، ابوحنیفہ اور شافعی بھی اسی کے قائل ہیں، اور امام مالک چھتیس کے قائل ہیں۔)

---

(۱) المجموع شرح المهذب، باب صلاة التطوع: ۳۲/۴، مكتبة المسجد النبوي الشريف، انيس

(۲) المغني لابن قدامة، حكم صلاة التراويح: ۸۳۳/۱، دارالفكر بيروت/الشرح الكبير لابن قدامة: ۷۴۸/۱، انيس

خاتمہ بحث، چند ضروری فوائد:

مسک الختام کے طور پر چند فوائد گوش گزار کرنا چاہتا ہوں؛ تاکہ بیس تراویح کی اہمیت ذہن نشیں ہو سکے۔

(۱) بیس تراویح سنت مؤکدہ ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں بیس تراویح جاری کرنا، صحابہ کرام کا اس پر نکیر نہ کرنا، اور عہد صحابہ سے لے کر آج تک شرقاً و غرباً بیس تراویح کا مسلسل زیر تعامل رہنا، اس امر کی دلیل ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین میں داخل ہے، **لقوله تعالىٰ: ﴿وليمكنن لهم دينهم الذى ارتضىٰ لهم﴾** (اللہ تعالیٰ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے لیے ان کے اس دین کو قرار و تمکین بخشیں گے، وہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پسند فرمالیا ہے)۔

الاختیار شرح المختار میں ہے:

”روى أسد بن عمرو عن أبى يوسف قال سئلت أباحنيفة رحمه الله عن التراويح وما فعله عمر رضى الله عنه، فقال: التراويح سنة مؤكدة ولم يتخرصه عمر من تلقاء نفسه ولم يكن فيه مبتدعًا ولم يأمر به إلا عن أصل لديه وعهد من رسول الله صلى الله عليه وسلم ولقد سن عمر هٰذا وجمع الناس علىٰ وابن مسعود والعباس وابنه وطلحة والزبير ومعاذ وأبى وغيرهم من المهاجرين والأنصار رضى الله عنهم أجمعين وما رد عليه واحد منهم بل سعدوه ووافقوه وأمروا بذلك“. (الإختيار لتعليل المختار: ۶۸/۱، الشيخ الإمام أبى الفضل مجدالدين عبد الله بن محمود الموصلى الحنفى متوفىٰ ۶۸۳ھ)

(ترجمہ: اسد بن عمرو، امام ابو یوسف سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے تراویح اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنی طرف سے اختراع نہیں کیا، نہ وہ کوئی بدعت ایجاد کرنے والے تھے، انہوں نے جو حکم دیا وہ کسی اصل کی بنا پر تھا، جو ان کے پاس موجود تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عہد پر مبنی تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سنت جاری کی اور لوگوں کو ابیؓ بن کعب پر جمع کیا، پس انہوں نے تراویح کی جماعت کرائی، اس وقت صحابہ کرام کثیر تعداد میں موجود تھے، حضرات عثمان، علی، ابن مسعود، عباس، ابن عباس، طلحہ، زبیر، معاذ ابی اور دیگر مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم اجمعین سب موجود تھے؛ مگر ایک نے بھی اس کو رد نہیں کیا؛ بلکہ سب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موافقت کی اور اس کا حکم دیا۔)

(۲) خلفائے راشدین کی جاری کردہ سنت کے بارے میں وصیت نبوی:

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ بیس تراویح تین خلفائے راشدین کی سنت ہے اور سنت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

”فإنہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافًا کثیرًا،فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ،وإیاکم ومحدثات الأمور فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة“. (رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ،مشکوٰۃ،ص:۳۰)(۱)

(ترجمہ: جو شخص تم میں سے میرے بعد جیتا رہا وہ بہت سے اختلاف دیکھے گا، پس میری سنت کو اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑو، اسے مضبوط تھام لو اور دانتوں سے مضبوط پکڑ لو، اور نئی نئی باتوں سے احتراز کرو؛ کیوں کہ ہر نئی بات بدعت گمراہی ہے۔)

اس حدیث پاک سے سنت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی پیروی کی تاکید معلوم ہوتی ہے اور یہ کہ اس کی مخالفت بدعت وگمراہی ہے۔

(۳) ائمۂ اربعہ کے مذاہب سے خروج جائز نہیں:

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ائمۂ اربعہ کے مذہب کا اتباع سواد اعظم کا اتباع ہے اور مذاہب اربعہ سے خروج، سواد اعظم سے خروج ہے۔ مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ”عقد الجید“ میں لکھتے ہیں:

”قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:اتبعوا السواد الأعظم،ولما اندرست المذاهب الحقة إلا هٰذه الأربعة کان اتباعها اتباعا للسواد الأعظم،والخروج عنها خروجًا عن السواد الأعظم“. (رواه ابن ماجه من حديث أنس رضی اللّٰہ عنه،کما فی المشکوة،ص: ۳۰، وتمامه: فإنه من شذ شذ فی النار“.(عقد الجید فی أحکام الاجتهاد والتقلید،باب تأکید الأخذ بهٰذة المذاهب الأربعة،ص:۳۷،مطبوعة ترکية)(۲)

(ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ سواد اعظم کی پیروی کرو اور جب کہ ان مذاہب اربعہ کے سوا باقی مذاہب حقہ مٹ چکے ہیں تو ان کا اتباع سواد اعظم کا اتباع ہوگا، اور ان سے خروج سواد اعظم سے خروج ہوگا۔)

---

(۱) عن عرباض بن سارية قال: صلى لنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم الفجر ثم أقبل علينا فوعظنا موعظة بليغة ذرفت لها الأعين ووجلت منها القلوب قلنا أو قالوا: يا رسول اللّٰه !كان هذه موعظة مودع فأوصنا،قال:أوصيكم بتقوى اللّٰه والسمع والطاعة وإن كان عبدًا حبشياً فإنه من يعش منكم يرى بعدى اختلافا كثيرًا فعليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديين وعضوا عليها بالنواجذ وإياكم ومحدثات الأمور فإن كل محدثة بدعة وإن كل بدعة ضلالة.(مسند الإمام أحمد،حديث العرباض بن سارية،رقم الحديث: ۱۷۱۸٤/سنن أبى داؤد،باب فى لزوم السنة،رقم الحديث: ٤٦۰۹/سنن ابن ماجة،باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين،رقم الحديث: ٤۳/سنن الترمذى، باب الأخذ بالسنة واجتناب البدع،رقم الحديث: ۲٦۷٦/سنن الدارمى،باب اتباع السنة، رقم الحديث: ۹٥/صحيح ابن حبان،باب العتصام بالسنة ومايتعلق بها،رقم الحديث: ٥/مشكوة المصابيح،كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة،ص: ۳۰،فيصل بكڈپو،انيس)

(۲) عقد الجيد فى أحكام الاجتهاد والتقليد،باب تأكيد الأخذ بهٰذة المذاهب الأربعة: ۱۳/۱،انيس

(۴)　**بیس رکعت تراویح کی حکمت:**

حکمائے امت اپنے اپنے ذوق کے مطابق بیس تراویح کی حکمتیں بھی ارشاد فرمائی ہیں، یہاں تین اکابر کے ارشادات نقل کئے جاتے ہیں:

(۱)　البحر الرائق میں شیخ ابراہیم الحلبی الحنفی (متوفیٰ ۹۵۶ھ) سے نقل کیا ہے:

"وذكر العلامة الحلبي أن الحكمة في كونها عشرين أن السنن شرعت مكملات للواجبات وهي عشرون بالوتر فكانت التراويح كذلك لتقع المساواة بين المكمل والمكمل انتهى".(البحر الرائق: ۷۲/۲)(۱)

(ترجمہ: علامہ حلبی نے ذکر کیا ہے کہ تراویح کے بیس رکعات ہونے میں حکمت یہ ہے کہ سنن، فرائض وواجبات کی تکمیل کے لئے مشروع ہوئی ہیں اور فرائض پنج گانہ وتر سمیت بیس رکعات ہیں، لہذا تراویح بھی بیس رکعات ہوئیں؛ تاکہ مکمل اور مکمل کے درمیان مساوات ہوجائے۔)

(۲)　علامہ منصور بن یونس حنبلیؒ (متوفیٰ ۱۰۴۶ھ) کشف القناع میں لکھتے ہیں:

"والسر فيه أن الراتبة عشر فضوعفت في رمضان؛ لأنه وقت جد". (کشف القناع عن متن الاقناع: ۳۹۲/۱)(۲)

ترجمہ: اور بیس تراویح میں حکمت یہ ہے کہ سنن مؤکدہ دس ہیں، پس رمضان میں ان کو دو چند کردیا گیا، کیونکہ وہ محنت وریاضت کا وقت ہے"۔

(۳)　حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اس امر کو ذکر کرتے ہوئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تراویح کی بیس رکعتیں قرار دیں، اس کی حکمت یہ بیان فرماتے ہیں:

"وعدد عشرين ركعة وذلك أنهم رأوا النبي صلى الله عليه وسلم شرع للمحسنين إحدى عشرة ركعة في جميع السنة فحكموا أنه لاينبغي أن يكون حظ المسلم في رمضان عند قصده الاقتحام في لجة التشبه بالملكوت أقل من ضعفها".(حجة الله البالغة: ۱۸/۲)(۳)

(ترجمہ: اور یہ اس لئے کہ انہوں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محسنین کے لیے (صلوۃ اللیل کی) گیارہ رکعتیں پورے سال میں مشروع فرمائی ہیں، پس ان کا فیصلہ یہ ہوا کہ رمضان المبارک میں جب مسلمان تشبہ بالملکوت کے دریا میں غوطہ لگانے کا قصد رکھتا ہے تو اس کا حصہ سال بھر کی رکعتوں کے دوگنا سے کم نہیں ہونا چاہیے۔)

(آپ کے مسائل اوران کا حل: ۱۶۶/۴-۱۸۷)

---

(۱)　البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱۱۷/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲)　كشف القناع عن متن الاقناع، كتاب الصلاة، باب صلاة التطوع، فصل التراويح سنة مؤكدة سنها النبي صلى الله عليه وسلم: ۲۶۷/۳، انيس

(۳)　حجة الله البالغة، من أبواب الصلاة، باب النوافل قيام شهر رمضان: ۸۰/۲، مكتبة حجاز ديوبند، انيس

لمعات المصابیح فی رکعات التراویح

تعداد تراویح پر مفصل بحث:

سوال: ایک عالم کہتا ہے کہ تراویح کی صرف آٹھ رکعتیں سنت ہیں اور کہتا ہے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعتیں ثابت نہیں بلکہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ ہی رکعتیں پڑھی ہیں، دلیل میں بخاری مسلم اور ابن خزیمہ کی روایات پیش کرتا ہے: ”صلی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فی رمضان ثمان رکعات ثم أوتر“، (۱) اور کہتا ہے کہ خود فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ بیس رکعتیں حضور صلی اللہ سے ثابت نہیں، کنز کی شرح الشرح فتح المبین میں ہے کہ تراویح گیارہ مع وتر ہیں، ماروی ”کان یصلی فی رمضان عشرین سوی الوتر“ ضعیف اور موطأ مالک وابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں گیارہ رکعات کا حکم دیا ہے۔ (۲)

دوسرا عالم آٹھ رکعات کے قائل کو کافر اور ملعون کہتا ہے؛ کیوں کہ بیس رکعات اجماع سے سنت مؤکدہ ہیں، اب سوال یہ ہے کہ کیا واقعی پہلا عالم کافر ہے؟ کیا بیس رکعات اجماع سے ثابت ہیں، اجماع کی تعریف کیا ہے؟ بینوا بیاناً شافیاً توجروا أجراً وافیاً.

الجواب ــــــــــــــــ منه الصدق والصواب

اہل حدیث مندرجہ ذیل روایات سے استدلال کرتے ہیں۔

(۱) عن أبی سلمة بن عبد الرحمن أنه أخبره سأل عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما کیف کان

---

(۱) عن سلمة قال: سألت عائشة عن صلاة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم؟ فقالت: کان یصلی ثلاث عشرة رکعة یصلی ثمان رکعات ثم یوتر، الخ. (صحیح لمسلم، باب صلاة اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیه وسلم فی رمضان: ۲۵۴/۱، رقم الحدیث: ۱۷۵۸، انیس)

عن أبی سلمة قال سألت عائشة عن صلاة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم؟ فقالت: کان یصلی ثلاث عشر رکعة، یصلی ثمان رکعات، ثم یوتر، ثم یصلی رکعتین وهو جالس، الخ. (صحیح ابن خزیمة، باب الرخصة فی الصلاة بعد الوتر، ص: ۲۵۶، رقم الحدیث: ۱۱۰۲، انیس)

(۲) عن السائب بن یزید بن أنه قال: أمر عمر بن الخطاب أبی بن کعب وتمیما الداری أن یقوما للناس بإحدیٰ عشر رکعة. (موطأ الإمام مالک، ماجاء فی قیام رمضان، ص: ۴۰، انیس)

صلاة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی رمضان؟فقالت:ما کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علیٰ إحدیٰ عشرة رکعة یصلی أربعًا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن، ثم یصلی أربعًا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن،ثم یصلی ثلاثًا،قالت عائشة: فقلت:یا رسول اللّٰہ!أتنام قبل أن توتر،فقال:یاعائشة! إن عینی تنامان ولاینام قلبی.(صحیح البخاری: ۱/۱۵٤)(۱)

(۲) حدثنا محمد بن حمید الرازی ثنا یعقوب بن عبد اللّٰہ ثنا عیسی بن جاریة عن جابر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال:صلیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی رمضان لیلة ثمان رکعات والوتر،فلما کان من القابلة اجتمعنا فی المسجد ورجونا أن یخرج إلینا فلم نزل فیہ حتیٰ أصبحنا، قال:إنی کرهت وخشیت أن یکتب علیکم الوتر.(قیام اللیل للامام ابن نصرالمروزی،ص:۹۰)

(۳) وبہ عن جابررضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ جاء أبی بن کعب فی رمضان فقال:یارسول!کان منی لیلة شیٔ، قال:وما ذلک یا أبی، قال:نسوة داری قلن:أنا لا نقرأ القرآن،فنصلی خلفک بصلاتک؟فصلیت بهن ثمان رکعات والوترفسکت عنہ وکان شبہ الرضا.(قیام اللیل،ص:۹۰)

(۴) مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید أنہ قال: أمرعمربن الخطاب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ أبی بن کعب وتمیما الداری رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما أن یقوما للناس بإحدیٰ عشرة رکعة.(موطأ مالک،ماجاء فی قیام رمضان،ص:۹۸)(۱)

حدیث اول کے جواب:

(۱) اس حدیث میں اضطراب ہونے کی وجہ سے اس سے استدلال تام نہیں۔

قال القرطبی:اشکلت روایات عائشة رضی تعالیٰ عنها علیٰ کثیرمن أهل العلم حتیٰ نسب بعضهم حدیثها إلیٰ الاضطراب.(فتح الباری:۳/۱۷)(۳)

(۲) خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تیرہ رکعات کی روایت بھی بسند صحیح موجود ہے، چناں چہ حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ رفع اضطراب کی یہ صورت بیان فرماتے ہیں:

والصواب أن کل شیٔ ذکرتہ من ذٰلک محمول علیٰ أوقات متعددة وأحوال مختلفة. (فتح الباری:۳/۱۷)(۴)

---

(۱) صحیح البخاری،باب قیام النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان: ۱/۱۵٤،مکتبة رشیدیة،انیس
(۲) مؤطامالک،ماجاء فی قیام رمضان،ص: ٤۰،ثاقب بکڈپو دیوبند،انیس
(۳) فتح الباری،باب کیف صلاة اللیل،وکم کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم باللیل:۳/۲٦،مکتبة أشرفیة دیوبند،انیس
(۴) فتح الباری،باب کیف صلاة اللیل،وکم یصلی کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم باللیل:۳/۲٦،مکتبة أشرفیة دیوبند،انیس

اس سے غیر مقلدین کا آٹھ رکعات میں تراویح کے انحصار اور اس سے زیادہ کے عدم ثبوت کا دعوی باطل ہو گیا، خود اہل حدیث عالم مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوری فرماتے ہیں:

إنـه قـد ثبـت أن رسـول الـلّٰـه صـلـى الله عليه وسلم كان قد يصلي ثلاث عشرة ركعة سوىٰ ركعتي الفجر. (تحفة الأحوذي: ۳/۲)(۱)

غرضیکہ اس حدیث میں اضطراب، یا آٹھ رکعات میں عدم انحصار میں سے کوئی ایک امر ضرور تسلیم کرنا پڑے گا۔

(۳)　اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سلام سے چار چار رکعات اور آخر میں ایک سلام سے تین رکعات وتر ادا فرماتے تھے، حالاں کہ غیر مقلدین کا عمل اس کے خلاف ہے، وہ تراویح دو دو رکعت پڑھتے ہیں اور وتر کی ایک ہی رکعت، یا تین رکعتیں دو سلام سے پڑھتے ہیں، لہٰذا جو حدیث خود مستدل کے ہاں متروک العمل ہے، اس سے استدلال صحیح نہیں۔

(۴)　حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث تہجد سے متعلق ہے، اس میں تراویح کا بیان نہیں ہے۔ ذیل میں اس پر چند قرائن ذکر کئے جاتے ہیں:

حدیث میں بیان تہجد پر شواھد:

(۱)　حدیث کے الفاظ "**ما كان رسول الـلّٰـه صلى الله عليه وسلم يزيد في رمضان ولا في غيره**" (۲) بتا رہے ہیں کہ سوال ہی ایسی نماز سے متعلق تھا، جو پورا سال پڑھی جاتی تھی، سوال میں خاص رمضان کے ذکر کی یہ وجہ ہے کہ دوسری روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں زیادہ نماز پڑھتے تھے، کما سیأتی إن شاء اللہ تعالی؛ اس لیے سائل کو خیال ہوا کہ شاید رمضان میں تہجد کی رکعات بھی زیادہ پڑھتے ہوں۔

(۲)　خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے متعدد روایات صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غیر رمضان کی بنسبت رمضان میں زیادہ نماز پڑھتے تھے، کما سنذکرھا ان شاء اللہ تعالیٰ، اس سے ثابت ہوا کہ حدیث زیر بحث میں صرف رکعات تہجد کا بیان ہے۔

(۳)　اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: **فقالت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها فلقت يارسول الله أتنام قبل أن توتر، إلخ.** (۳) تراویح میں یہ بعید ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر سے قبل سو جاتے ہوں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم انتظار میں بیٹھے رہتے ہوں، اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کا علم مردوں کو زیادہ ہونا چاہیے تھے، **لتقدم صفوفهم**، اس کے برعکس نماز تہجد گھر میں پڑھی جاتی ہے، اس میں گا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر سے قبل سو جاتے تھے۔

---

(۱)　تحفة الأحوذي، باب ما جاء في قيام شهر رمضان: ۳/۴۴۱، مكتبة أشرفية ديوبند، انيس

(۲-۳)　صحيح البخاري، باب قيام النبي صلى الله عليه وسلم بالليل في رمضان: ۱/۱۵۴، مكتبة رشيدية، انيس

(۴) محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو تراویح کے باب میں ذکر نہیں فرمایا، چناں چہ امام محمد بن نصر المروزی اپنی کتاب قیام اللیل میں " **باب عدد الركعات التي يقوم بها الإمام اللناس فی رمضان** " کے تحت بہت سی روایات لائے ہیں؛ مگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث اصح مافی الباب ہونے کے باوجود ذکر نہیں فرمائی؛ بلکہ اس کی طرف کوئی اشارہ تک بھی نہیں فرمایا۔

(۵) محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ اس حدیث کو تعداد رکعات تراویح کی بجائے تہجد سے متعلقہ ابواب میں ذکر فرماتے ہیں، مثلاً صحیح بخاری میں مندرجہ ذیل ابواب میں ہے:

باب ما جاء فی الوتر (۱۳۵/۱)

باب قيام النبی صلى الله عليه وسلم بالليل فی رمضان وغيره (۱۵۴/۱)

باب فضل من قام رمضان (۲۶۹/۱)

باب كان النبی صلى الله عليه وسلم تنام عينه ولا ينام قلبه (۵۰۳/۱)

پہلی جگہ میں یہ الفاظ بھی ہیں: **كان يصلی إحدىٰ عشرة ركعة كانت تلك صلاته تعنی بالليل فيسجد السجدة من ذلك قدرما يقرأ أحدكم خمسين آية.** (۱) یہ الفاظ کس قدر نماز تہجد کی وضاحت کرر ہے ہیں، نیز اس باب سے تثلیث وتر کا اثبات مقصود ہے، نہ کہ عدد رکعات تراویح۔

دوسرے باب میں قیام باللیل فی رمضان کے الفاظ ہیں اور قیام اللیل تہجد کو کہا جاتا ہے، پھر رمضان کے ساتھ وغیرہ کے اضافہ نے مزید وضاحت کردی کہ تہجد ہی مراد ہے۔

تیسرے باب میں بھی عدد رکعات کا بیان مقصود نہیں؛ بلکہ بیان فضل مقصود ہے۔

چوتھے باب میں نوم قبل الوتر کا بیان مقصود ہے، نہ کہ عدد رکعات، نیز نوم قبل الوتر مستقل دلیل ہے، یہاں نماز تہجد مراد ہے، کمامر۔

(۶) **قال الحافظ رحمه الله تحت الحديث المذكور: وظهرلی أن الحكمة فی عدم الزيادة علىٰ إحدىٰ عشرة أن التهجد والوترمختص بصلاة الليل وفرائض النهارالظهر وهی أربع والعصر وهی أربع والمغرب وهی ثلاث وتر النهارفناسب أن تكون صلاة اليل كصلاة النهار فی العددجملة وتفصيلا وأما منا سبة ثلاث عشرة فبضم صلاة الصبح لكونها نهارية إلىٰ ما بعدها.** (فتح الباری: ۱۷/۳) (۲)

---

(۱) صحيح البخاری، باب ماجاء فی الوتر: ۱۳۵/۱، انیس

(۲) فتح الباری، باب كيف صلاة الليل، وكم يصلی كان النبی صلى الله عليه وسلم بالليل: ۲۶/۳، مكتبة أشرفية ديوبند، انیس

حکمت مذکورہ کا مقتضی یہ ہے کہ اس نماز سے تہجد مراد ہے، علاوہ ازیں عبارت مذکورہ میں لفظ تہجد کی تصریح بھی ہے

تهجد وتراويح ميں فرق:

اہل حدیث کہتے ہیں کہ تہجد وتراویح ایک ہی چیز ہے، ان کا یہ خیال وجوہ ذیل سے باطل ہے:

(۱) تہجد میں تداعی جائز نہیں اور تراویح میں تداعی ہوتی ہے۔

(۲) تراویح کا وقت قبل النوم ہے اور تہجد کا وقت معین نہیں، افضل وقت بعد النوم ہے۔

(۳) محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے تہجد اور تراویح ہر ایک کا باب جدا رکھا ہے، **کصنیع الامام مسلم وغیرہ،** صحیح مسلم کے ابواب اگر چہ خود امام مسلم رحمہم اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمائے؛ مگر احادیث کی ترتیب اور مناسب روایات کو ایک جگہ جمع کرنا تو خود امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے۔

نیز تراجم لکھنے والے بھی امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے بلند پایہ شاگرد اور مشہور محدثین میں سے ہیں۔

(۴) نماز تہجد پہلے فرض تھی، اس کے بعد وحی الٰہی نے اس کی فرضیت منسوخ کردی، اب دوبارہ فرضیت کا خطرہ نہ رہا، حالاں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیام لیل پر دوام نہ فرمانے کی حکمت خشیت فرضیت بیان فرتے ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ یہ قیام لیل تہجد سے مغایر ہے؛ کیوں کہ تہجد کی فرضیت تو پہلے منسوخ کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطمئن فرمادیا گیا تھا۔

(۵) تہجد کا حکم قرآن کریم میں ہے:

﴿ومن اليل فتهجد به نافلة لک عسٰی أن يبعثک ربک مقامًا محمودا﴾(۱)

﴿يآيها المزمل قم اليل إلا قليلا نصفه أوانقص من قليلا.أوزد عليه ورتل القرآن ترتيلاً﴾(۲)

اور تراویح کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

سننت لک قيامه. (نسائی:۳۰۸/۱)(۳)

یعنی تراویح کا حکم وحی غیر متلو سے ہے، اس سے ثابت ہوا کہ یہ تہجد کے علاوہ ہے، اس میں یہ تاویل نہیں چل سکتی کہ اللہ تعالیٰ کے نازل فرمودہ حکم کا عملی طریقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے؛ اس لیے کہ اس حدیث میں بصورت تقابل ارشاد ہے:

إن اللّٰه تبارک وتعالٰی فرض صيام رمضان عليکم وسننت لکم قيامه.(۴)

---

(۱) سورة الإسراء:۷۹،انیس

(۲) سورة المزمل:۱،انیس

(۳-۴) سنن النسائی،ثواب من قام رمضان وصامه إيمانا واحتساباً:۳۰۸/۱،انیس

حالانکہ صوم رمضان کا عملی طریقہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے بیان فرمایا ہے، مع ہذا صورت تقابل سے ثابت ہوا کہ حکم صوم وحی متلو سے ہے اور حکم تراویح وحی غیر متلو سے۔

(۶) حدیث میں تراویح کا نام ''قیام رمضان'' مستقل دلیل ہے کہ یہ تہجد سے الگ ہے؛ کیوں کہ تہجد رمضان کے ساتھ مخصوص نہیں۔

(۷) تہجد کا حکم مکہ مکرمہ میں ہوا ہے اور تراویح کا مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد۔

(۸) فقہ حنبلی کی مشہور کتاب مقنع میں ہے:

''ثم التراويح وهى عشرون ركعة يقوم بها فى رمضان فى جماعة ويوتر بعدها فى الجماعة فإن كان له تهجد جعل الوتر بعده''. (مقنع:۱۸۴)(۱)

اس سے ثابت ہوا کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تہجد اور تراویح کو متغایر سمجھتے تھے۔

(۹) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی اسی طرح منقول ہے کہ ابتداء شب میں اپنے شاگردوں کے ساتھ باجماعت تراویح پڑھتے تھے اور اس میں ایک بار قرآن کریم ختم کرتے تھے اور بوقت سحر تہجد انفراداً پڑھتے تھے۔

(۱۰) تہجد کی متعین رکعات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں؛ یعنی مع الوتر زیادہ سے زیادہ تیرہ اور کم از کم سات اور تراویح سے متعلق خود اہل حدیث حضرات کی شہادتیں ہیں کہ ان کا کوئی معین عدد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

اهل حدیث حضرات کی شهادات:

(۱) قال شيخ الإسلام العلامة ابن تيمية: ومن ظن أن قيام رمضان فيه عدد موقت عن النبى صلى الله عليه وسلم لايزاد ولاينقص منه فقد أخطأ. (فتاویٰ ابن تيمية: ۴۰۱/۲)(۲)

(۲) قال العلامة السبكى: اعلم أنه لم ينقل كم صلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى تلك الليالى هل هوعشرون أو أقل. (شرح المنهاج)(۳)

(۳) قال العلامة جلال الدين السيوطى: إن العلماء اختلفوا فى عددها ولو ثبت ذٰلك من فعل النبى صلى الله عليه وسلم لم يختلف فيه كعدد الوتر والرواتب. (المصابيح: ۷۴)(۴)

(۴) قال العلامة الشوكانى: والحاصل الذى دلت عليه احاديث الباب وما يشابهها هو

---

(۱) المبدع شرح المقنع،باب صلاة التطوع: ۱۹/۲-۲۱، دار عالم الكتب الرياض، انيس
(۲) الفتاوىٰ الكبرىٰ، مسألة فيما يشتبه على الطالب: ۱۲۰/۲، دار الكتب العلمية بيروت، انيس
(۳) الحاوى للفتاوىٰ للسيوطى، الفتاوىٰ القرآنية: ۳۳۷/۱، دار الكتب العلمية بيروت، انيس
(۴) الحاوى للفتاوىٰ للسيوطى، الفتاوىٰ القرآنية: ۳۳۶/۱، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

مشروعية القيام فی رمضان والصلاة فيه جماعة وفرادیٰ فقصر الصلاة المسماة بالتراويح علیٰ عدد معين وتخصيصها بقراء ة مخصوصة لم ترد به سنة.(نيل الأوطار: ٤٦١/١)(١)

(۵) مولوی وحید الزماں صاحب فرماتے ہیں: ولا يتعين لصلاة ليالی رمضان يعنی التراويح عدد معين.(نزل الأبرار: ١٢٦/١)

(۶) ابوالخیر میر نورالحسن خاں صاحب لکھتے ہیں: وبالجملہ عددے معین درمرفوع نیامدہ۔(العرف الجادی:۸۴)

(۷) نواب صدیق حسن خاں ساحب تحریر فرماتے ہیں: إن صلاة التراويح سنة بأصلها لما ثبت أنه صلی اللّٰه عليه وسلم فی ليالی ثم تركها شفقة علی الأمة أن لا تجب علی العامة أويحسبوها واجبة ولم يأت تعين العدد فی الروايات الصحيحة المرفوعة لكن يعلم من حديث كان رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم يجتهد فی رمضان ما لايجتهد فی غيره رواه مسلم أن عددها كثير.(الانتقاد الرجيع:٦١)

دوسری حدیث کا جواب:

اس حدیث سے اس لیے استدلال صحیح نہیں کہ اس میں دوراوی ضعیف ہیں:

(۱) محمد بن حمید الرازی، ضعفه الحافظ رحمه اللّٰه تعالیٰ فی التقریب.(۲)

۲ عیسی بن جاریۃ، حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تہذیب التہذیب میں اور حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں فن جرح وتعدیل کے مسلم امام یحیٰی بن معین سے اس کی تضعیف اور منکر الحدیث ہونا نقل کیا ہے، اسی طرح ابن عدی اور ساجی عقیلی نے بھی اسے ضعفاء میں شمار کیا ہے، امام نسائی نے متروک اور منکر الحدیث کہا ہے، امام ابوداؤد نے بھی اسے منکر الحدیث قرار دیا ہے اور اہل حدیث عالم مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری علامہ سخاویؒ سے نقل فرماتے ہیں: منكر الحديث وصف فی الرجل يستحق به الترك لحديثه.(ابكار المنن: ١٩١)(٣)

---

(١) نيل الأوطار، باب صلاة التراويح: ٦٣/٣، إدارة الطباعة المنيرية، انيس

(٢) محمد بن حميد بن حيان الرازی حافظ ضعيف وكان ابن معين حسن الرأی فيه من العاشرة مات سنة ثمان وأربعين.(تقريب التهذيب، فصل خ، رقم: ٥٨٣٤، انيس)

(٣) عيسی بن جارية يروی عن يعقوب القمی قال يحيی عنده احاديث مناكير وقال النسائی متروك الحديث.(الضعفاء والمتروكين لابن الجوزی، من اسمه عيسیٰ: ٢٣٨/٢، دارالكتب العلمية بيروت)

عيسی بن جارية الأنصاری عن جابر مختلف فيه قال النسائی متروك وقال أبو زرعة لا بأس به.(المغنی فی الضعفاء، حرف العين: ٤٩٦/٢، انيس)

عيسی بن جارية الانصاری المدنی، روی عن جرير البجلی وجابر بن عبدالله وشريك رجل له صحبة وابن المسيب وأبی سلمة بن عبدالرحمن وسالم بن عبداللّٰه بن عمر، وعنه أبو صخر حميد بن زياد ==

اتنے ائمہ نے عیسی بن جاریہ پر اتنی شدید جرح کی ہے، اتنی بڑی جماعت کے مقابل صرف ابوزرعہ نے ''لابأس'' کہا ہے اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے، بوجوہ ذیل جرح راجح ہے:

(۱) اصول حدیث کے قاعدہ کے مطابق تعدیل پر جرح مفسر کو ترجیح ہوتی ہے۔

(۲) جارحین کی ایک جماعت ہے اور وہ مسلم امام ہیں۔

(۳) جرح بہت شدید ہے، چناں چہ منکر الحدیث سے متعلق خود اہل حدیث کا فیصلہ اوپر نقل کیا جاچکا ہے۔

لہٰذا یہ روایت قابل قبول نہیں بالخصوص جب کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرنے میں عیسی متفرد ہے، **قال الإمام الطبراني: لايروى عن جابر بن عبد الله إلا بهٰذا الأسناد،** (۱) کسی دوسرے صحابی سے بھی اس حدیث کا کوئی شاہد نہیں۔

تیسری حدیث کا جواب:

اس حدیث کی سند بھی بعینہ وہی ہے، جو دوسری حدیث کی ہے؛ اس لیے یہ بھی قابل قبول نہیں۔

چوتھی حدیث کے جوابات:

(۱) یہ روایت مضطرب المتن ہے۔

اختلف فيه علىٰ محمد بن يوسف فروى عنه مالك في الموطأ ويحيىٰ القطان عند ابن أبي شيبة وعبد العزيز بن محمد عند سعيد ابن منصور هٰكذا (إحدىٰ عشرة ركعة) ورواه محمد بن نصر في قيام الليل من طريق محمد ابن إسحٰق عن محمد بن يو سف فقال: ثلاث عشرة ورواه عبد الرزاق من وجه أخر عن محمد بن يوسف فقال: إحدىٰ وعشرين، قاله الحافظ في الفتح (۲۱۹/٤) (إعلاء السنن: ۴۸/۷) (۲)

محمد بن یوسف کے پانچ شاگرد ہیں، ان میں سے تین گیارہ رکعات، ایک تیرہ اور ایک اکیس رکعت نقل کرتا ہے، پھر گیارہ رکعت نقل کرنے والوں کے بھی متن آپس میں مختلف ہیں، تینوں کے متون ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

== وزيد ابن أبي أنيسة ويعقوب القمي وعنبسة بن سعيد الرازي وسعيد بن محمد الانصاري، قال ابن أبي خيثمة عن ابن معين: ليس بذاك لا أعلم أحدا روى عنه غير يعقوب، وقال الدوري عن ابن معين: عنده مناكير حدث عنه يعقوب القمي وعنبسة قاضي الري وقال أبو زرعة: لا بأس به وقال أبو حاتم عيسى الدوري عن أبي سلمة وعنه زيد بن أبي أنيسة هو عندي عيسى بن جارية وقال الآجري عن أبي داود: منكر الحديث وقال في موضع آخر: ما أعرفه وروى مناكير وذكره ابن حبان في الثقات، له عنده حديث جابر خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم بمكة فمر على رجل يقطع وذكره الساجي والعقيلي في الضعفاء وقال ابن عدي أحاديثه غير محفوظة (تهذيب التهذيب: ۱۸۶/۸، انيس)

(۱) المعجم الصغير، من اسمه عثمان، في ضمن رقم الحديث: ۵۲۵، انيس

(۲) إعلاء السنن، باب التراويح: ۸٤/۷، مكتبة أشرفية ديوبند، انيس

امام مالکؒ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں۔

یحییٰ القطانؒ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ پر لوگوں کو جمع کیا، پس وہ دونوں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔

عبدالعزیز بن محمدؒ: ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔

(۲) قال ابن عبد البر روی غیر مالک فی الحدیث إحدیٰ وعشرین وھو الصحیح ولا أعلم أحدًا قال فیه إحدیٰ عشرة إلا مالكًا (إلیٰ أن قال) الأغلب عندی أن قوله إحدیٰ عشرة وھم، كذا فی التعلیق الحسن نقلا عن الزرقانی فی شرح الموطا (۲/۵۲).

قلت: لم یهم فیه مالک لمتابعة إثنین له فی ذلک عن محمد بن یوسف بل الوھم عندی فیه من محمد بن یوسف فإنه قال مرة إحدیٰ وعشرین ومرة إحدیٰ عشرة وتارة ثلاث عشرة والجمع بینها بالحمل علیٰ اختلاف الأحوال ونحوه كما قال الحافظ وغیره بعید مستغنی عنه فإن المخرج واحد فكیف یصح حمله علیٰ اختلاف الأحوال والمحفوظ ما رواه یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید قال: كانوا یقومون علیٰ عهد عمر بن الخطاب رضی اللّٰه تعالیٰ عنه فی شهر رمضان بعشرین ركعة، كما ذكرناه فی المتن، أخرجه البیهقی وسنده صحیح وعزاه الحافظ فی الفتح إلیٰ مالک أیضًا. (إعلاء السنن: ۷/۴۸)

سائب بن یزید کے دو شاگرد ہیں: محمد بن یوسف اور یزید بن خصیفہ، محمد بن یوسف کا شدید اختلاط اوپر بیان ہوا کہ ان کے پانچوں شاگرد ان سے مختلف متن روایت کرتے ہیں، حافظ ابن عبدالبر نے اکیس رکعات کی روایت کو ترجیح دی ہے، اب یزید بن خصیفہ کی بیس رکعات والی روایت کی وجوہ قوت ملاحظہ ہوں۔

بیہقی نے سنن کبریٰ: ۲/۴۹۶ میں اس روایت کو عن ابی الذئب عن یزید بن خصیفہ نقل کیا ہے اور یہی روایت بیہقی نے معرفۃ السنن والآثار میں عن محمد بن جعفر عن یزید بن خصیفۃ ذکر کی ہے، غرضیکہ یزید کے دونوں شاگرد متفق ہیں، ان میں محمد بن یوسف کے شاگردوں کی طرح اختلاف نہیں، پہلی سند کی امام نووی ا، امام سیوطی اور امام عراقی وغیرہم نے تصحیح کی ہے۔ (إرشاد الساری، تحفۃ الاخیار، ص: ۱۹۲/ تحفۃ الأحوذی: ۲/۷۵)

دوسری سند کو امام سبکی نے شرح المنہاج میں اور ملا علی قاری نے شرح مؤطا میں صحیح قرار دیا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۲/۷۵)

کسی متعسف کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اس روایت میں ابوعبداللہ ابن فنجویہ دینوری ہیں، جن کی عدالت معلوم نہیں، اولاً اتنے جلیل القدر ائمۂ حدیث کی طرف سے اس روایت کی توثیق ثابت ہو جانے کے بعد یہ اشکال محض تعسف ہے،

ثانیاً کسی راوی کی تعدیل کے لیے اس پر کسی شہادت کا ہونا ضروری نہیں ؛ بلکہ اس پر جرح کا نہ پایا جانا اور اہل فن میں اس کی شہرت تعدیل کے لیے کافی ہے۔

قال ابن الصلاح فی المقدمة: عدالة الراوی تارة تثبت بتنصیص معدلین علیٰ عدالته وتارة تثبت بالاستفاضة فمن اشتهرت عدالته بین أهل النقل أونحوهم من أهل العلم وشاع الثناء علیه بالثقة والإمانة استغنی فیه بذلک عن بینه شاهدة بعدالته تنصیصا هٰذا هوالصحیح فی مذهب الشافعی وعلیه الاعتماد فی فن أصول الفقه. (مقدمہ،ص:۴۰)(۱)

وقال الحافظ ابو عمروا بن عبد البر: کل حامل علم معروف العنایة به فهو عدل محمول فی أمره أبداً علی العدالة حتٰی یتبین جرحه. (حوالہ بالا)(۲)

ابوعبداللہ ابن فنجو یہ پر کوئی جرح منقول نہیں اور اہل فن میں شہرت رکھتے ہیں، چناں چہ ذہبی نے ۴۱۴ھ میں وفات پانے والے مشہور محدثین میں آپ کو ذکر کیا ہے۔(تذکرۃ الحفاظ:۳؍۲۴۴)

اور ابن اثیر جزریؒ فرماتے ہیں:

عرف بها أبوعبد الله الحسین بن محمد بن الحسین فنجویه الفنجوبی الدینوری الحافظ روی عن أبی الفتح محمد بن الحسین الأودی المصلی وأبی بکر ابن مالک القطعی وغیرهما روی عنه أبوإسحاق الثعلبی فأکثرفی تفسیره ویذکر کثیراً فیقول:أخبرنا الفنجوبی.

علاوہ ازیں سمعانی نے برہان دینوری کے شاگردوں میں آپ کا ذکر کیا ہے اور امام بیہقی نے سنن میں آپ سے بکثرت روایت کی ہے۔

(۳) یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوسری صحیح اور قوی روایات کے خلاف ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات کی مزید قویۃ الاسناد روایات ہم آگے ذکر کریں گے۔(ان شاء اللہ تعالیٰ)

(۴) خود امام مالک رحمہ اللہ نے اس روایت کو قابل عمل نہیں سمجھا؛ اسی لیے وہ آٹھ رکعات کے قائل نہ ہوئے۔

(۵) خود موطا ہی میں امام مالک رحمہ اللہ نے بیس رکعتیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ سے نقل کی ہیں۔(موطأ مالک،ص:۴۰؍فتح الباری:۴؍۲۱۹)(۲)

(۶) اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گیارہ رکعات کا حکم دیا ہوتا تو حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ

(۱-۲) مقدمة ابن الصلاح،الثالث والعشرون معرفة صفة من تقبل روایته ومن ترد روایته: ٦١،مکتبة الفارابی،انیس

(۳) عن یزیدبن رومان أنه قال: کان الناس یقومون فی زمان عمرالخطاب فی رمضان بثلٰث وعشرین رکعة.(موطأ الإمام مالک، ماجاء فی قیام رمضان، ص: ٤٠،انیس)

تعالیٰ عنہما ومن بعدھم سے بھی اس قسم کی روایت، یا اس پر عمل منقول ہوتا؛ مگر ایسی کوئی بھی روایت نہیں۔

(۷) ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اولا حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف آٹھ رکعات کی روایت پہنچی ہو؛ اس لیے یہ حکم دیا، بعد میں بیس رکعات کی روایت معلوم ہوئی تو اس کا حکم نافذ کیا۔

موطا کی ایک اور روایت کی وضاحت:

موطا میں ایک اور روایت ہے:

عن الأعرج قال: ما أدركت الناس إلا وهم يلعنون الكفرة فی رمضان،قال: وكان القاری يقرأ بسورة البقرة فی ثمان ركعات فإذا أقام بها فی إثنتی عشرة ركعة رأی الناس أنه قد خفف. (موطأ مالک)

اس میں اس پر دلیل نہیں کہ کبھی آٹھ رکعات پڑھتے تھے اور کبھی بارہ؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ مقدار قرأت اتنی ہوتی تھی کہ بقرہ جیسی سورت آٹھ رکعات میں ختم کرتے تھے، مجموعہ رکعات کی تعداد کا بیان اس میں نہیں، **لما جاء الاحتمال بطل الاستدلال.**

بیس تراویح کا ثبوت:

(۱) قالت عائشة رضی اللّٰه تعالىٰ عنها: كان رسول صلی اللّٰه عليه وسلم يجتهد فی العشر الأواخر ما لايجتهد فی غيره. (رواه مسلم)(۱)

(۲) وعنها رضی اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: كان النبی صلی اللّٰه عليه وسلم إذا دخل لعشر شدميزره وأحيی ليله وأيقظ أهله،أخرجه البخاری. (فتح الباری: ۳۳۸/۸)(۲)

(۳) روی البيهقی فی شعب الإيمان عن عائشة رضی اللّٰه تعالىٰ عنها مرفوعًا كان إذا دخل شهر رمضان شد ميزره ثم لم يأت فراشه حتىٰ ينسلخ وإسناده حسن. (۳)

(۴) وعنها رضی اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: كان إذا دخل رمضان تغير لونه وكثرت صلاته وابتهل فی الدعاء وأشفق لونه، كذا فی العزيزی (۱۲۷/۳)(۴)

احادیث مذکورہ سے ثابت ہوا کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں زیادہ رکعات پڑھا کرتے تھے، یہ احتمال کہ آٹھ رکعت میں رات گذار دیتے تھے بہت بعید ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں طول قیام کی مشقت شدیدہ ہے اور

---

(۱) الصحیح لمسلم،باب الاجتهاد فی العشر الأواخر من شهر رمضان: ۳۷۲/۱،رقم الحديث: ۱۱۷۵،أشرفی بکڈپو دیوبند/صحيح ابن خزيمة،باب استحباب الإجتهاد فی العمل فی العشر،رقم الحديث: ۲۲۱۵،انیس

(۲) صحيح البخاری،أبواب العمل فی العشر الأواخر من رمضان: ۲۷۱/۱،انیس

(۳) شعب الإيمان للبيهقی،فضائل شهر رمضان،رقم الحديث: ۳۶۲٤،انیس

(۴) شعب الإيمان للبيهقی،فضائل شهر رمضان،رقم الحديث: ۳۶۲۵،انیس

حدیث میں ''طالت صلا ته'' کی بجائے ''کثرت صلا ته'' کا لفظ اس پر بین دلیل ہے کہ رکعات میں زیادتی مراد ہے۔نواب صدیق حسن خان اہل حدیث تحریر فرماتے ہیں:

یعلم من حدیث کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم یجتهد فی رمضان ما لایجتهد فی غیره،رواہ مسلم أن عددها کثیر. (الانتقاد الرجیع،ص: ٦١)

مذکورہ بالا روایات میں آٹھ رکعتوں سے زیادتی ثابت ہوئی،اگر چہ بیس کی تعیین نہیں اور ذیل کی روایت میں بیس کی تعیین ہے۔

(۵) عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة و الوتر،أخرجه ابن أبی شیبة فی مصنفه و البغوی فی معجمه و الطبرانی فی الکبیرله و البیهقی فی سننه. (التعلیق الحسن : ٢/٥٦)

صاحب فتح القدیر اور دیگر بعض مصنفین کا اس حدیث کو راوی ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے ضعیف کہنا بوجوہ ذیل صحیح نہیں:

(۱) مختلف محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔

قال ابن عدی:له أحادیث صالحة وهو خیر من إبراهیم بن أبی حنیفة وقال یزید بن ها رون: و کان علیٰ کتابته أیام کان قاضیًا ماقضیٰ علی الناس رجل یعنی فی زمانه أعدل فی قضائه منه.(تهذیب: ١/١٤٥)(۱)

اس سے ثابت ہوا کہ ابراہیم ابن عثمان،ابراہیم بن ابی حیہ سے زیادہ ثقہ ہیں،حالاں کہ ابراہیم بن ابی حیہ بھی ثقہ اور حسن الحدیث ہیں۔

ونقل عثمان بن سعید الدارمی عن یحی بن معین أنه قال:شیخ ثقة کبیر. (کذا فی اللسان: ١/٥٣)(۲)

ابراہیم بن ابی حیہ بھی ثقہ ہیں تو ابراہیم بن عثمان بطریق اولیٰ ثقہ ثابت ہوئے۔

یزید بن ہارون کی تعدیل بہت وزن رکھتی ہے؛اس لیے کہ یہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ الاستاذ نہایت ثقہ اور زبردست حافظ ہیں،نیز یہ ابراہیم کے حالات سے بنسبت خارجین کے زیادہ باخبر تھے؛اس لیے کہ یزید ان کے محکمہ میں محرر تھے۔

(۲) ضعیف حدیث کی صحت پر جب قرائن موجود ہوں تو یہ حدیث صحیح ہوتی ہے،اس پر مندرجہ ذیل شواہد ہیں:

(۱) خود ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ لکھا ہے اور مثال میں بیان کیا ہے،ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ''**غسل ثلاثاً من ولوغ الکلب**''اس پر قرینہ ہے کہ اس بارہ میں حضرت ابوہریرہ کی مرفوع روایت صحیح ہے۔(فتح القدیر:۱/۴۴)

---

(۱) تهذیب التهذیب،ذکر من اسمه أحمد: ١/١٢٦،انیس

(۲) لسان المیزان،من اسمه إبراهیم: ١/٥٢،دائرة المعرف النظامیة الهند،انیس

(۲) وفیه أیضًا: والحاصل أن غیر المرفوع أو المرفوع المرجوح فی الثبوت عن مرفوع أخر قد یقدم علٰی عدیله إذا اقترن بقرائن تفید أنه صحیح عنه علیه الصلاة والسلام مسمر علیه. (فتح القدیر: ۱/۱۱۲)(۱)

(۳) حدیث مرسل عند الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ضعیف ہے؛ مگر اس سے قول صحابی موافق ہوجائے تو بالاتفاق حجت ہے، اس کی بھی ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح کی ہے:

"قول الترمذی العمل علیه عند أهل العلم یقتضی قوة أصله وإن ضعف خصوص هٰذا الطریق وهو کذٰلک". (فتح القدیر: ۱/۱۸۸)(۲)

(۴) روی أسد بن عمرو بن یوسف قال: سألت أباحنیفة رحمه اللّٰه تعالٰی عن التراویح وما فعله عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنه؟ فقال: التراویح سنة مؤکدة ولم یتخرصه عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنه من تلقاء نفسه ولم یکن فیه مبتدعًا ولم یأ مربه إلا عن أصل لدیه وعهد من رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، کذا فی مراقی الفلاح نقلا عن الإختیار (ص: ۲۳۹)(۳)

غرضیکہ حدیث نمبر: ۵ کو بالفرض ضعیف بھی تسلیم کرلیا جائے، تب بھی پہلی چار روایتیں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ومن بعدہم ساری امت کا اجماع اس حدیث کی صحت پر حجت بینہ ہے، مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اعتراف کرتے ہیں کہ بعض ضعیف ایسے ہیں، جو امت کی تلقی بالقبول سے رفع ہوگئے ہیں، (اخبار اہلحدیث ۱۹/اپریل ۱۹۰۷ء) اور آٹھ رکعات والی حدیث اس کے خلاف نہیں؛ اس لیے کہ یہ آٹھ رکعتیں تہجد کی تھیں، علاوہ ازیں آٹھ رکعات والی حدیث میں اضطراب ہے؛ (فتح الباری: ۳/۱۷) یعنی ابوسلمہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے روایت کرتے ہیں:

ما کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیره علٰی إحدیٰ عشرة رکعة.(۴)

اور حضرت عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں:

أنه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یصلی باللیل ثلث عشرة رکعة ثم یصلی إذا سمع النداء بالصبح رکعتین خفیفتین، رواه البخاری وقد مر تفصیله. (فتح الباری: ۳/۳۷)

(۶) علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ. (رواه أحمد وأبوداؤد والترمذی وابن ماجة)(۴)

(۱-۲) فتح القدیر، باب صفة الصلاة، انیس

(۳) مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، فصل فی صلاة التراویح، ص: ۱۸۳/الإختیار لتعلیل المختار، باب صلاة التراویح: ۱/۶۸، مطبعة الحلبی، انیس

(۴) مسند الإمام أحمد، حدیث العرباض بن ساریة، رقم الحدیث: ۱۷۱۸۴/سنن أبی داؤد، باب فی لزوم السنة، رقم الحدیث: ۴۶۰۹/سنن ابن ماجة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدین، رقم الحدیث: ۴۳/سنن الترمذی، باب الأخذ بالسنة واجتناب البدع، رقم الحدیث: ۲۶۷۶، انیس

اس حدیث میں سنت خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اتباع کو واجب قرار دیا گیا ہے، پس جو امر خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل سے ثابت ہوگا، وہ حکما حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے ثابت اور آپ کی طرف سے مأمور بہ قرار پائے گا، پس اگر بیس رکعات تراویح کا ثبوت خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ بھی ہوتا تو بھی اس حدیث سے بیس رکعات کا حکم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ثابت ہوا۔

بیس رکعات پر اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم:

(۱)　"عن السائب بن يزيد قال كنا نقوم من زمن عمر بن الخطاب رضى اللّٰه تعالٰى عنه بعشرين ركعة والوتر"، رواه البيهقى فى المعرفة وصححه السبكى فى شرح المنهاج .(التعليق الحسن: ۵۴/۲)

(۲)　وفى لفظ له من طريق آخر قال كانوا يقومون علٰى عهد عمر بن الخطاب رضى اللّٰه تعالٰى عنه فى شهر رمضان بعشرين ركعة وقال: كانوا يقرؤن بالمئين وكانوا يتوكؤن علٰى عصيهم فى عهد عثمان بن عفان رضى اللّٰه تعالٰى عنه من شدة القيام، صححه النووى فى الخلاصة وابن لعراقى فى شرح التقريب والسيوطى فى المصابيح. (حوالہ بالا)

(۳)　عن يحيٰ بن سعيد أن عمر بن الخطاب رضى اللّٰه تعالٰى عنه أمر رجلاً يصلى بهم عشرين ركعة، رواه أبوبكر ابن أبى شيبته فى مصنفه وإسناده مرسل قوى. (آثار السنن: ۵۵/۲)

(۴)　عن عبد العزيز بن رفيع قال: كان أبى بن كعب رضى اللّٰه تعالٰى عنه يصلى بالناس فى رمضان بالمدينة عشرين ركعة يو تر بثلاث، أخرجه أبو بكر ابن أبى شيبة فى مصنفه وإسناده مرسل قوى. (حوالہ بالا)

(۵)　عن أبى الحسناء أن على بن أبى طالب رضى اللّٰه تعالٰى عنه أمر رجلاً يصلى بالناس خمس ترويحات عشرين ركعة، رواه البيهقى فى سننه وضعفه. (كنز العمال: ۲۸۴/۴)

(۶)　أخرج البيهقى رواية أبى عبد الرحمن السلمى عن على رضى اللّٰه تعالٰى عنه وسيجئ مفصلا عن قريب إن شاء اللّٰه تعالٰى.

(۷)　عن شتير بن شكل وكان من أصحاب على رضى اللّٰه تعالٰى عنه أنه كان يؤمهم فى رمضان بعشرين ركعة ويؤتر بثلاث وفى ذلك قوة. (البيهقى: ۴۹۶/۲)

(۸)　عن يزيد بن رومان أنه قال كان الناس يقومون فى زمان عمر بن الخطاب رضى اللّٰه تعالٰى عنه فى رمضان بثلٰث وعشرين ركعة، رواه مالك وإسناده قوى مرسل. (البيهقى: ۴۹۶/۲)

(۹)　عن عطاء قال: ادركت الناس وهم يصلون ثلاثا وعشرين ركعة بالوتر. (أبوبكر ابن أبى شيبة وإسناده حسن)

(۱۰) عن أبي الخصيب قال: كان يؤمنا سويد بن غفلة في رمضان، فيصلي خمس ترويحات عشرين ركعة. (البيهقي: ٤٩٦/٢، وإسناده حسن)

(۱۱) عن نافع بن عمر قال كان ابن أبي مليكة يصلي بنافي رمضان عشرين ركعة . (ابن أبي شيبة وإسناده حسن)

(۱۲) عن سعيد بن عبيد ان علي بن ربيعة كان يصلي بهم في رمضان خمس ترويحات ويوتر بثلاث. (ابن أبي شيبة وإسناده حسن)

(۱۳) قال محمد بن كعب القرظي: كان الناس يصلون في زمان عمر بن الخطاب رضي اللّٰه تعالىٰ عنه في رمضان عشرين ركعة يطيلون فيها القراءة ويوترون بثلاث. (قيام الليل: ۹۱)

(۱۴) قال الأعمش: كان (عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه تعالىٰ عنه) يصلي عشرين ركعة ويوتر بثلاث. (حوالہ بالا)

(۱۵) سيأتي عن المغني رواية صالح مولى التوأمة.

(۱۶) قال الحافظ ابن قدامة في المغني: والمختار عند أبي عبد اللّٰه رحمه اللّٰه تعالىٰ فيها عشرون ركعة وبهذا قال الثوري وأبوحنيفة والشافعي وقال مالك: ست وثلا ثون وزعم أنه الأمر القديم وتعلق بفعل أهل المدينة فإن صالحًا مولى التوأمة قال: أدركت الناس يقومون بإحدىٰ وأربعين ركعة يو ترون منها بخمس، ولنا أن عمر رضي اللّٰه تعالىٰ عنه لما جمع الناس على أبي بن كعب رضي اللّٰه تعالىٰ عنه كان يصلي بهم عشرين ركعة، رواه أبوداؤد عن السائب بن يزيد وروى عنه من طرق وروى مالك عن يزيد بن رومان قال: كان الناس يقومون في زمن عمر رضي اللّٰه تعالىٰ عنه في رمضان بثلاث عشرين ركعة، وعن علي رضي اللّٰه تعالىٰ أنه أمر رجلاً يصلي بهم في رمضان عشرين ركعة، وهٰذا كالاجماع وأما مارواه صالح فإن صالحًا ضعيف ثم لا ندري من الناس الذين أخبرعنهم فلعله قد أدرك جماعة من الناس يفعلون ذلك وليس ذلك بحجة، ثم لو ثبت أن أهل المدينة كلهم فعلوه لكان مافعله عمر وأجمع عليه الصحابة رضي اللّٰه تعالىٰ عنهم في عصره أولىٰ بالاتباع، قال بعض أهل العلم: إنما فعل هٰذا أهل المدينة؛ لأنهم أرادوا مساواة أهل مكة فإن أهل مكة يطوفون سبعًا بين كل ترويحتين، فجعل أهل المدينة مكان كل سبع أربع ركعات وما كان عليه أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أولىٰ وأحق أن يتبع. (المغني: ۸۰۳/۱)

(۱۷) قال ابن حجر المكي الشافعي: اجتمعت الصحابة رضي اللّٰه تعالىٰ عنهم على أن التراويح عشرون ركعة. (مرقاة المفاتيح)

(۱۸) التراويح سنة مؤكدة عشرون ركعة برمضان والأصل فى مسنونيتها الاجماع. (نيل المآرب فى الفقه الحنبلى)

(۱۹) قال العلامة القسطلانى فى شرح الصحيح للبخارى: وقد عدوا ما وقع فى زمان عمر رضى اللّٰه تعالىٰ عنه كالاجماع.

(۲۰) روى محمد بن نصر من طريق داود بن قيس قال: أدركت الناس فى إمارة أبان بن عثمان وعمر بن عبد العزيز يعنى بالمدينة يقومون بست وثلاثين ويوترون بثلاث. (فتح البارى: ۲۲/۴)

(۲۱) عن الزعفرانى عن الشافعى رحمه اللّٰه تعالىٰ أنه قال: رأيت الناس يقومون بالمدينة بتسع وثلا ثين وبمكة بثلاث وعشرين. (حوالہ بالا)

قال الشيخ: يرد علىٰ هؤلاء أحداث البدعة فى الدين فإن قيام رمضان بسته وثلا ثين لم يثبت عن أحد من الخلفاء ولم يرد ذلك فى أثرمن الصحابة ثم أجاب وقال: واللّٰه أعلم لعلهم لم يرو التحديد فيه وظنوا أن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم رغب الناس وحثهم علىٰ قيام رمضان من غير تحديد فيه ولا تعيين ركعات واختيار الخلفاء عشرين ركعة كان لدخوله تحت هٰذا الترغيب العام أيضاً لا لمعنى فى عشرين، حتىٰ يكره الزيادة عليها فاختار والحكمة مّا ستة وثلا ثين بناء علىٰ زعمهم أن فى الأمر سعة وأما نحن فلا نجيز الزيادة على العشرين ركعة فى الجماعة العامة ونجيز فى غير الجماعة؛ لأن الجماعة من الشعائر فلا تشرع إلا ما ورد به النص أو المواظبة من الصحابة ولم يرد النص ولا مواظبة الصحابة با زيد من عشرين ركعة فى رمضان وأما قولهم: أن النبى صلىٰ اللّٰه عليه وسلم حث علىٰ قيام رمضان من غير تحديد؟ فالجواب عنه أنه صلىٰ اللّٰه عليه وسلم حث عليه بالاطلاق ونحن نقول به ولم يحث عليه بالجماعة لا إلىٰ حد، فلايجوز قيامه بالجماعة إلا بالقدر الذى ورد فيه الجماعة واللّٰه أعلم (حاشية اعلاء السنن: ۴۹/۷)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ بیس سے کم نہ ہونے پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ومن بعدہم کا اجماع ہے، مغنی، قسطلانی، مرقاۃ اور نیل المآرب کی خط کشیدہ عبارات میں اس کی بالکل تصریح ہے، بیس سے زیادہ کا تو بعض نے قول کیا ہے، اس سے کم کا کوئی بھی قائل نہیں۔

روایات مذکورہ میں بعض مراسیل ہیں اور ابوالحسناء کی روایت ضعیف ہے، اس قدر کثرت روایات کی موجودگی میں ان سے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت تو نہیں، مع ہذا تتمیم فائدہ اور مزید تائید کی غرض سے قدرے توضیح کی جاتی ہے۔

حجية المرسل:

حجیۃ المرسل کے انکار میں ائمہ اربعہ میں سے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ متفرد ہیں، امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی

اگرچہ قول انکار ہے؛ مگر ان کا راجح قول حجیت کا ہے، ابوداود اور ابن جریر نے امام شافعیؒ سے قبل حجیت مرسل پر تمام اسلاف کا اجماع نقل کیا ہے، سب سے پہلے امام شافعی نے اس کا انکار کیا ہے، حافظ ابن عبدالبر نے اجماع نقل کر کے اسے ساقط کرنے کی بہت کوشش کی ہے؛ مگر بڑی مشکل سے پانچ نام پیش کر سکے ہیں۔ (مقدمۃ فتح الملہم:۷۹)(۱)

علاوہ ازیں جب کسی مرسل کی تائید کسی دوسری مستقل روایت مسند، یا مرسل سے ہوتی ہوتو یہ مرسل امام شافعیؒ کے ہاں بھی مقبول ہے۔

قال الحافظ: وقال الشافعي: يقبل إذا اعتضد بمجيئه من وجه آخريبان الطريق الأولٰى مسندًا كان أو مرسلاً. (شرح نخبة الفكر: ٥٢)

بلکہ شیخ الاسلام زکریا انصاری فرماتے ہیں کہ مرسل کا مؤید خواہ ضعیف ہی ہوتو بھی قبول کیا جائے گا۔ (حاشیہ شرح نخبہ)

علاوہ ازیں یزید بن رومان کی روایت مرسل مالک ہے اور مراسیل امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ امام شافعی کے ہاں بھی بلاشبہ حجت ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

قال الشافعي: أصح الكتب بعد كتاب الله مؤطا الإمام مالك واتفق أهل الحديث علٰى أن جميع ما فيه صحيح علٰى رأى مالك ومن وافقه وأما علٰى رأى غيره فليس فيه مرسل ولامنقطع إلا قد اتصل السند به من طرق أخرىٰ وقد صنف فى زمان مالك موطأت كثيرة فى تخريج أحاديثه و وصل منقطعه مثل كتاب ابن أبى ذئب وابن عيينة والثورى ومعمر. (حجة الله البالغة: ١٠٦/١)

ابوالحسناء کی روایت:

اس روایت کے ضعف کی دو وجوہ بیان کی جاتی ہیں:

(۱)　تقریب التہذیب میں ابوالحسناء کو مجہول لکھا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابوالحسناء سے ان کے دو شاگرد ابوسعد اور عمرو بن قیس روایت کرتے ہیں اور اصول حدیث کا

---

(۱)　وقال بعض الأئمة: الحديث المرسل صحيح وهو مذهب أبى حنيفة ومالك وأحمد فى روايته المشهورة حكاه النووى وابن القيم وابن كثير وغيرهم و جماعة من المحدثين وحكاه النووى فى شرح المهذب عن كثيرين من الفقهاء أوأكثرهم، قال: ونقله الغزالى عن الجماهير، وقيد ابن عبدالبر ذلك بما إذا لم يكن مرسله ممن لا يتحرز ويرسل عن غير ثقات فإن كان فلاخلاف فى رده، وقال أبوداؤد فى رسالته إلٰى أهل مكة: وأما المراسيل فقد كان يحتج بها العلماء فيما مضٰى مثل سفيان الثورى ومالك والأوزاعى حتٰى جاء الشافعى فتكلم فيها، وتابعه على ذلك أحمد بن حنبل وغيره، وهذه إحدى الروايتين عن أحمد، فإذا لم يكن مسند غير المرسل ولم يوجد المسند فالمرسل يحتج به وليس مثل المتصل فى القوة، وقال ابن جرير أجمع التابعون علٰى قبول المرسل ولم يأت عنهم إنكاره ولا عن أحد من الأئمة بعدهم إلٰى رأس المأتين. (مقدمة فتح الملهم، ص: ٣٤، مكتبة أشرفية ديوبند، انيس)

قاعدہ ہے کہ جس سے روایت کرنے والے دو ہوں، وہ مجہول الذات نہیں، لہذا ابوالحسناء مجہول نہیں؛ بلکہ مستور ہیں اور مستور کی روایت کو ایک جماعت قبول کرتی ہے اور عندالجمہور بشرط مؤید مقبول ہے، یہاں اس کا مؤید عبدالرحمٰن سلمی اور شتیر بن شکل کی روایت موجود ہے، جس کو بیہقی نے قوی قرار دیا ہے، **وقد مر نصه هذا الحديث وإن كان ضعيفا لكن مجبر بتعدد طرقه.** (ابکار المنن: ۱۷۸) بلکہ کسی حدیث کے متعدد طرق ہوں اور وہ سب ضعیف ہوں تو وہ بھی تعدد طرق کی وجہ سے درجہ حسن کو پہنچ جاتی ہے۔ **ولو سلم إن كلها ضعيفة فهي مجموعها تبلغ درجة الحسن.** (ابکار المنن: ۱۳۱)

(۲) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابوالحسناء کا لقاء ثابت نہیں، لہذا یہ حدیث منقطع ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابوالحسناء دو ہیں: ایک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد کے شاگرد ہیں، یہ حکم بن عتبہ کے شاگرد اور شریک نخعی کے استاد ہیں۔ (تہذیب التہذیب) دوسرے ابوالحسناء جو حدیث مذکور کے راوی ہیں، یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد اور ابوسعد بقال وعمرو بن قیس کے استاد ہیں۔

بیس رکعات پر خلفاء راشدین کی مواظبت:

صاحب ہدایہ کے قول (بیس رکعات پر خلفاء راشدین نے مواظبت کی ہے) پر اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس رکعات نہیں پڑھیں اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی بیس رکعات جماعت کے ساتھ شامل ہوکر پڑھنا ثابت نہیں، یہ اعتراض غلط ہے؛ کیوں کہ لفظ خلفاء راشدین تغلیبا اطلاق کیا گیا ہے، مقصود خلفاء ثلاثہ ہیں۔ (فتح القدیر: ۱/۴۰۷)(۱)

باقی خلفاء کے جماعت کے ساتھ نہ پڑھنے سے عدم مواظبت ثابت کرنا کوتاہ نظری ہے؛ اس لیے کہ مواظبت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) **عملاً كمواظبة النبي صلى الله عليه وسلم على الجماعة والسنن الرواتب وغيرها.**

(۲) مواظبت تشریعا، یعنی کسی فعل پر ہمیشہ برانگیختہ کرتے رہنا اور ترغیب دیتے رہنا، مثلا اذان واقامت کی سنیت پر اجماع ہے، حالاں کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عملاً مواظبت نہیں فرمائی؛ بلکہ کبھی بھی اذان، یا اقامت خود نہیں کہی، (إلا أن يكون نادرًا) غرضیکہ اذان واقامت کی سنیت صرف مواظبت تشریعی؛ یعنی ترغیب کی وجہ سے ہے، اب بالفرض تسلیم کرلیا جائے کہ خلفاء ثلاثہ جماعت کے ساتھ تراویح نہ پڑھتے تھے تو بھی مواظبت تشریعی ثابت ہے، علاوہ ازیں یہ دعوی ہی غلط ہے کہ خلفاء ثلاثہ جماعت کے ساتھ تراویح نہ پڑھتے تھے:

---

(۱) (قوله: والأصح أنها سنة لمواظبة الخلفاء الراشدين) تغليب إذ لم يرد كلهم بل عمر وعثمان وعليا. (فتح القدير، فصل في قيام شهر رمضان: ۱/۴۸۴، انيس)

(۱)　امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے جزماً فرمایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جماعت کے ساتھ تراویح پڑھتے تھے اور حضرت علی، حضرت جابر اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی جماعت سے پڑھتے تھے۔(المغنی لابن قدامۃ)

(۲)　قال الشوكاني: واختلفوا في أن الأفضل صلا ته في بيته منفردًا في جماعة في المسجد؟ فقال الشافعي وجمهور أصحابه وأبو حنيفة وأحمد وبعض المالكية وغيرهم رحمهم اللّٰه تعالىٰ: الأفضل صلا تها جماعة كما فعله عمر بن الخطاب والصحابة رضي اللّٰه تعالىٰ عنهم واستمر أمر المسلمين عليه؛ لأنه من الشعائر الظاهرة. (نيل الأوطار: ۲۹۵/۲)

(۳)　قد أخرج البيهقي في سننه عن أبي عبد الرحمن السلمي عن علي رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: ودعا القرأ في رمضان فأمرمنهم رجلا أن يصلي بالناس عشرين ركعة، قال: وكان علي رضي اللّٰه تعالىٰ عنه يوتربهم، وروى ذلك بوجه آخر عن علىٰ، انتهىٰ، كذا في التعليق الحسن، قال النيموي: فيه حماد بن شعيب وهو ضعيف. (۵۶/۲)

ثم نقل أقوال مضعفيه عن الميزان، قلت: وفي اللسان: وقال ابن عدي: يكتب حديثه مع ضعفه وأخرج له مع هٰذا الحاكم في مستدركه، آه. (۳۴۸/۲) فالاثر حسن مع كونه مرويًا من وجه آخر أيضًا وفيه تصريح بأمر علي رضي اللّٰه تعالىٰ عنه بعشرين ركعة واشعار بقيامه معهم؛ لأنه كان يوتر بهم فافهم. (إعلاء السنن: ۵۰/۷)

مدونہ میں روایت ہے:

عن يحيىٰ بن سعيد أنه سئل عن صلاة الأمير خلف القاري؟ قال: ما بلغنا أن عمر وعثمان رضي اللّٰه تعالىٰ عنهما كانا يقومان في رمضان مع الناس في المسجد. (المدونة: ۱۹۴/۱)

اس سے خلفاء ثلاثہ کا جماعت سے نماز نہ پڑھنا ثابت نہیں ہوتا؛ اس لیے کہ اس میں بصورت اقتداء نماز نہ پڑھنے کی نفی ہے، ممکن ہے کہ امام بن کر نماز پڑھاتے ہوں، جس سے روایت ساکت ہے، علاوہ ازیں یحییٰ بن سعید کی عدم معرفت دوسروں کی عدم معرفت کو مستلزم نہیں، ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو کامل یقین تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جماعت سے تراویح پڑھتے تھے اور حضرت علی، جابر، عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے متعلق بھی امام احمد کی تصریح گزر چکی ہے کہ یہ حضرات جماعت سے تراویح پڑھتے تھے۔

قول ابن همام رحمه الله تعالى:

ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعات سنت اور باقی مستحب ہیں؛ کیوں کہ آٹھ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور بیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کا عمل ہے۔(فتح القدیر: ۴۰۷/۱)(۱)

---

(۱)　فتحصل من هٰذا كله أن قيام رمضان إحدىٰ عشر ركعة بالوتر في جماعة فعله ثم تركه لعذر أفاد أنه ذلك لو لا خشية ذلك لواظبت بكم ولا شك في تحقيق الأمر من ذلك بوفاته فيكون سنة وكونها عشرين سنة الخلفاء الراشدين. (انيس)

یہ قول خلاف اجماع ہونے کے ساتھ ساتھ روایۃً ودرایۃً ہر طرح سے باطل ہے، روایۃ اس لیے کہ ہم اوپر ثابت کرآئے ہیں کہ بیس رکعات خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور درایۃ اس لیے کہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کی مواظبت کو سنت نہیں سمجھا؛ حالاں کہ محققین فقہاء اور اصولیین خلفاء راشدین کی مواظب سے سنیت ثابت کرتے ہیں، جیسا کہ تراویح کی جماعت سنت مؤکدہ ہے۔

چند عبارات ملاحظہ ہوں:

(۱) قال الحافظ العینی رحمه الله تعالیٰ فی البنایة شرح الهدایة: سیرة العمرین رضی الله تعالیٰ عنهما لا شک فی أن فعلها ثواب وفی ترکها عقاب لأنا أمرنا بالاقتداء بهما لقوله علیه الصلاة والسلام: اقتدوا بالذین بعدی أبی بکر وعمر، فإذا کان الاقتداء مأمورًا به یکون واجبًا وتارک الواجب یستحق العقاب والعتاب. (مجموعة الفتاویٰ: ۲۱۵/۱)

(۲) وقال کمال الدین بن الهمام فی تحریر الأصول: قسم الحنفیة العزیمة إلیٰ فرض ما قطع بلزومه وواجب ما ظن، وسنة الطریقة الدینیة من علیه الصلاة والسلام أو الخلفاء الراشدین أو بعضهم. (حوالہ بالا)

(۳) وقال بحر العلوم فی شرح التحریر: ینبغی أن یراد أعم من أن یکون طریقة دینیة مستمرة فی الدین عنه صلی الله علیه وسلم بأن باشره أولاً بأن استمر الناس علیها بإذنه أو بإذن الخلفاء رضی الله تعالیٰ عنهم. (حوالہ بالا)

(۴) وفی التبیین شرح الحسامی: وفی عرف الشرع یراد بها طریقة الدین أما للرسول صلی الله علیه وسلم أو للصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم حتیٰ یقالس سنة الرسول أو سنة الخلفاء الراشدین. (مجموعة الفتاویٰ: ۲۱۷/۱)

ان کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ قال الترمذی هٰذا حدیث حسن صحیح. (الترمذی: ۹۲/۲)

علیکم کا لفظ وضعاً لزوم پر دال ہے اور معطوف بہ معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ سنۃ الخلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنھم بھی سنۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہی لازم ہے، لہٰذا دونوں میں سنیت اور استحباب کا فرق کرنا صحیح نہیں؛ کیوں کہ مندوب لازم نہیں ہوتا، پھر "عضوعلیها بالنواجذ" بھی دونوں کے ساتھ لگتا ہے۔ علاوہ ازیں سنۃ الخلفاء کے استحباب کا قول کیا جائے تو خلفاء کی تخصیص بالذکر کی کوئی وجہ نہ رہے گی؛ کیوں کہ جملہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم کی سنت پر عمل کرنا مستحب ہے۔

لما روی عن عمر رضی الله تعالیٰ عنه مرفوعًا، سألت ربی عن اختلاف أصحابی من بعدی؟ فأوحیٰ إلیٰ، یا محمد! إن أصحابک عندی بمنزلة النجوم فی السماء بعضها أقویٰ من بعض ولکل

نور فمن أخذ شئ مما هم عليه من اختلا فهم فهو عندی علیٰ هدیٰ،رواه رزين.(مشکاة،ص:۴۷۳)

اسی لیے ہی حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنۃ الخلفاء اور خصوصاسنۃ الشیخین کے اتباع کی بنسبت دیگر صحابہ کی سنت کے زیادہ تاکید فرمائی ہے۔

غرضیکہ اگر بیس رکعات تراویح حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہوتیں تو بھی خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنھم کی مواظبت موجب سنیت ہے،صحابی کا فعل گویا خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کیونکہ خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی اقتدا واتباع کا حکم فرمایا ہے۔

بیس رکعت سے کم تراویح نہ ہونے پر ائمہ اربعہ وغیرھم کا اجماع :

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے اجماع کی وجہ سے ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی اسی پر اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعات سے کم نہیں۔

(۱) مغنی کی مفصل عبارت اوپر گزر چکی ہے جس میں ائمہ اربعہ کا مذہب منقول ہے۔

(۲) المسنون عند أبی حنيفة والشافعی وأحمد عشرون ركعة وحكی عن مالک أن التراويح ست وثلا ثون ركعة.(رحمة الأمة،ص:۲۳)

(۳) واختلفوا فی المختارمن عدد الركعات التی يقوم بها الناس فی رمضان فاختار مالک فی أحد قوليه وأبوحنيفة والشافعی وأحمد وداود القيام بعشرين ركعة سوى الوتر وذكرابن قاسم عن مالک أنه كان يستحسن ستاً وثلا ثين ركعة والوتر ثلاث(إلیٰ قوله)وذكر ابن القاسم عن مالک أنه الأمرالقديم.(بداية المجتهد:۲۰۲/۱)

(۴) وقد قالت المالكية:أنها كانت ثلاثا عشرين ثم جعلت تسعا وثلاثين.(قسطلانی)

(۵) قال الإمام الترمذی رحمه الله تعالیٰ: واختلف أهل العلم فی قيام رمضان، فرأى بعضهم أن يصلی إحدیٰ وأربعين ركعة مع الوتر وهوقول أهل المدينة والعمل علیٰ هٰذا عندهم بالمدينة وأكثر أهل العلم علیٰ ماروی عن عمر وعلی وغيرهما من أصحاب النبی صلی الله عليه وسلم عشرين ركعة وهوقول سفيان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی: وهٰكذا أدركت ببلدنا بمكة يصلون عشرين ركعة،وقال أحمد:روی فی هٰذا الوان لم يقض فيه بشئ وقال إسحق بل نختارإحدیٰ وأربعين ركعة علیٰ ما روی عن أبی بن كعب.(جامع الترمذی، باب ماجاء فی قيام شهر رمضان: ۱۱۲/۱)

غرضیکہ بیس رکعات کی سنیت خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم ومن بعدہم ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم کا اجماع ہے کہ بیس رکعات سے کم تراویح نہیں،لہٰذا ان کے خلاف قول کرنا ضلالت اور گمراہی ہے۔

والأئمة إذا اختلفوا فی مسألة فی أی عصر كان علیٰ أقوال كان إجماعًا منهم علیٰ أن ما

عداها باطل ولا يجوز لمن بعدهم أحداث قول آخر. (نور الأنوار:۲۲۳)

اجماع کی تعریف:

اجماع کی تعریف میں حسامی کی تعبیر بہترین ہے:

ونصه والصحيح عندنا أن اجماع كل عصر من أهل العدالة والاجتهاد حجة ولاعبرة لقلة العلماء وكثرتهم ولا بالثبات علٰى ذلک حتٰى يموتوا ولا لمخالفة أهل الهواء فيما نسبوا به إلى الهواء ولا لمخالفة من لا رأى له فى الباب إلا فيما يستغنى عن الرأى ثم الاجماع علٰى مراتب: فالأقوٰى إجماع الصحابة رضى اللّٰه تعالٰى عنهم نصا؛لأنه لاخلاف فيه ففيهم أهل المدينة وعترة الرسول عليه السلام، ثم الذى ثبت بنص بعضهم و سكوت الباقين؛لأن السكوت فى الدلالة على التقرير دون النص، ثم اجماع من بعد الصحابة علٰى حكم لم يظهر فيه قول من سبقهم مخالفا،ثم اجماعهم علٰى قول سبقهم فيه مخالف،فقد اختلف العلماء فى هٰذا الفصل:فقال بعضهم:هٰذا لايكون اجماعًا؛لأن موت المخالف لايبطل قوله وعندنا أن اجماع علماء كل عصر حجة فيما سبق فيه الخلاف وفيما لم يسبق؛لٰكنه فيما لم يسبق فيه الخلاف بمنزلة المشهور من الحديث وفيما سبق فيه الخلاف بمنزلة الصحيح من الأحاد وإذا انتقل إلينا اجماع السلف باجماع كل عصر علٰى نقله كان فى معنى نقل الحديث المتواتر وإذا انتقل إلينا بالأفراد كان كنقل السنة بالأحاد وهو يقين بأصله ولكنه لما انتقل إلينا بالآحاد أوجب العمل دون العلم وكان مقدمًا على القياس. (حسامی، باب الاجماع ۹۵-۹۷)

منکراجماع کافر ہے ،یا نہیں:

اس سے متعلق شامیہ میں یہ تفصیل ہے:

ثم نقل فى نور العين عن رسالة الفاضل الشهير حسام چلپی من عظماء علماء السلطان سليم بن بايزيد خان ما نصه:إذا لم تكن الاية أوالخبر المتواتر قطعى الدلالة أولم يكن الخبر متواترًا أوكان قطعيا لكن فيه شبهة أولم يكن إجماع الجميع أوكان ولم يكن اجماع الصحابة رضى اللّٰه تعالٰى عنهم أوكان ولم يكن اجماع جميع الصحابة أوكان اجماع جميع الصحابة ولم يكن قطعيًا بأن لم يثبت بطريق التواتر أوكان قطعيًا؛لكن كان اجماع سكوتيا ففى كل من هٰذه الصور لايكون الجحود كفرًا يظهر ذلک لمن نظرفى كتب الأصول فاحفظ هٰذا الأصل فإنه ينفعک فى استخراج فروعه حتى تعرف منه ماقيل أنه يلزم الكفرفى موضع كذا ولايلزم فى موضع آخر،اه. (رد المحتار، كتاب المرتد،فصل فى المرتد،مطلب فى منكر للإجماع:۲۹۳/۳)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ تراویح سے متعلق منعقد اجماع کے منکر کی تکفیر جائز نہیں، البتہ تضلیل کی جائے گی؛ یعنی بیس رکعت سے کم کی سنیت کا قائل ضلالت بینہ میں ہے۔

فقیام رمضان بعشرین رکعة والوتر هو السنة المؤكدة يضلل تاركها ويلام من نقص عنها. (إعلاء السنن: ۷/۴۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

رشید احمد، ۲۳/ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ

اقتباسات از رسالہ خیر المصابیح مؤلفہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب:

(۱) پاکستان کے اہل حدیث بہت زور سے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت تراویح پڑھی ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی آٹھ ہی کا حکم دیا تھا، جمہور مسلمان جو بیس تراویح پڑھتے ہیں، یا بیس سے زائد پڑھتے ہیں، اس کا کہیں ثبوت نہیں ہے، حالاں کہ نہیں سمجھتے کہ عمل سے ہر چیز کا پتہ چلتا ہے، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ تراویح پڑھی ہوتیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم بھی آٹھ ہی کا ہوتا تو حضرات صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، سلف صالحین، علماء راسخین کا عمل بیس، یا بیس سے زائد کا نہ ہوتا، حالاں کہ مشترکہ ہندوستان میں دوصدی قبل پورے بارہ (۱۲) سو سال تک تمام مساجد شرق وغرب اور جنوب وشمال میں بیس، یا بیس سے زیادہ رکعت تراویح ہوتی تھیں، حرمین شریفین میں اب تک بیس رکعت، یا بیس سے زائد تراویح پڑھتے چلے آئے ہیں، کیا اہل حدیث کے سوائے جمہور امت گمراہی میں رہی، یا بغیر ثبوت کے ہی بیس، یا بیس سے زائد پڑھتے رہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بارہویں صدی تک کسی مسجد میں اگر آٹھ رکعت تراویح پڑھی گئی ہوں تو اس کا ثبوت پیش کیا جاوے۔

معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حتمی طور پر آٹھ رکعت نہیں پڑھی؛ بلکہ بیس رکعت پڑھی گئی ہیں، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں بھی بیس ہی تراویح پڑھی گئی ہیں، ورنہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جیسا محقق حسب عادت کسی ایک کا مذہب تو آٹھ رکعت کا نقل کرتا؛ مگر تمام صحاح ستہ میں کسی ایک کا مذہب آٹھ کا نہیں ہے اور نہ آٹھ رکعت تراویح کسی کا عمل نقل کیا گیا ہے۔

اهل حدیث علماء سے بیس تراویح کا ثبوت:

''پس منع از بست وزیادہ چیزے نیست'' الخ۔ (العرف الجادی: ۸۴) (پس منع کرنا بیس تراویح یا زیادہ سے کوئی چیز نہیں ہے۔)

نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں:

''پس آتی بزیادت عامل بسنت ہم باشد'' الخ۔ (ہدایۃ السائل: ۱۳۸) (گیارہ سے زیادہ تراویح پڑھنے والا بھی سنت پر عامل ہے۔)

نیز فرماتے ہیں کہ ''اما آنکہ جمع از اہل علم ایں نماز بست رکعت قرار دادہ اند ودر ہر رکعتے قرأتے معین را مستحسن داشتہ این عدد بخصوصہ ثابت نشدہ ولیکن مجملہ چیزے ست کہ برآن ایں معنے صادق ست کہ "أنه صلاة أنه جماعة وأنه في رمضان" پس حکم بتبدیع آں چہ معنی''۔ (بدور الاہلہ: ۸۳) (لیکن جو اہل علم کی ایک جماعت نے اس نماز کو بیس رکعت قرار دیا ہے اور ہر رکعت میں معین قرأت کو مستحسن رکھا ہے یہ عدد بخصوصہ ثابت نہیں؛ لیکن ایک مجمل چیز ہے، جس پر یہ صادق

ہے کہ یہ نماز ہے، یہ جماعت ہے، یہ رمضان میں ہے، پس اس کے بدعت ہونے کا حکم لگانے کے کیا معنی؟)

نیز فرماتے ہیں: "إن صلاة التراويح سنة بأصلها، لما ثبت أنه صلى الله عليه وسلم صلاها في ليالي، ثم تركه شفقة على الأمة أن تجب على العامة أويحسبوها واجبة ولم يأت تعين العدود في الروايات الصحيحة المرفوعة ولكن يعلم من حديث كان رسول صلى الله عليه وسلم يجتهد في رمضان ما لايجتهدفي غيره، رواه مسلم إن عددها كان كثيرًا". (الانتقاء الرجيع: ٦١)

نماز تراویح اپنے اصل کے لحاظ سے سنت ہے؛ کیوں کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند راتوں میں تراویح پڑھی ہیں، پھر اس اندیشہ سے کہ لوگوں پر واجب نہ ہو جائیں، یا عوام، انہیں واجب نہ سمجھ لیں، پڑھنا ترک فرما دیا اور روایات صحیحہ مرفوعہ میں کسی (حتمی) عدد کا تعین نہیں آیا؛ لیکن اس حدیث سے کہ "كان رسول الله عليه وسلم يجتهد في رمضان ما لايجتهد في غيره. (رواه مسلم) معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کا عدد کثیر ہے۔

(۳)　اہل حدیث گیارہ رکعتیں تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے میں اپنے سلف کے مخالف ہیں، کیا نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم اور میر ابوالحسن صاحب، مولوی وحید الزماں صاحب، علامہ شوکانی، علامہ سبکی، علامہ ابن تیمیہ نے بخاری شریف نہیں پڑھی تھی؛ اس لیے آج کل کے اہل حدیث اصح الکتب سے گیارہ کا ثبوت دیتے ہیں، گو ولا في غيره کہہ کر بارہ ماہ کی نماز تہجد کیوں نہ ہو، بہر حال یہ بتلائیں کہ آپ کو زیادہ علم ہے، یا مذکورہ حضرات کو۔

(۴)　عہد فاروقی سے لے کر بارہویں صدی کے اواخر تک بیس رکعت، یا بیس رکعت سے زائد کے سب لوگ قائل تھے، کہیں اور کسی مسجد میں جماعت آٹھ کی نہیں ہوتی تھی، اگر کہیں، یا کسی مسجد میں جماعت آٹھ رکعت کی ہوتی تھی تو اس کو صاف واضح کیا جاوے۔

(۵)　حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں کبھی مسجد کے اندر جماعت آٹھ رکعت تراویح کی ہوئی ہو تو اس کا ثبوت پیش کرو۔

(۶)　حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کبھی مسجد کے اندر آٹھ رکعت تراویح کی جماعت ہوئی ہو، یا کسی نے بیس رکعت تراویح سے انکار کیا ہو تو اس کا ثبوت پیش کیا جاوے۔

(۷)　سلف میں سے کس نے مسجد میں آٹھ تراویح باجماعت پڑھی اور اس پر انکار نہیں کیا؟ کس سنہ میں؟ کس شہر میں؟

انتهٰى الالحاق من خير المصابيح بقلم محب المؤلف رحمة الله تعالىٰ رحمة واسعة العبد رشيد أحمد رزقه الله تعالىٰ حبه وحب أوليائه والحمد لله أولا وآخرًا والصلاة والسلام علىٰ رسوله وآله وصحبه كما يحب ويرضى بعددما يحب ويرضىٰ

۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۴ھ (احسن الفتاویٰ: ۳/۵۲۸-۵۵۱)

تراویح کے رکعات کی تعداد پر مفصل بحث (یعنی رسالہ تراویح):

سوال: صلوٰۃ تہجد اور صلوٰۃ تراویح دو نماز ہیں، یا ایک؟ اور صلوٰۃ تراویح کی جو بیس رکعت پڑھتے ہیں، آیا یہ مسنون ہیں، یا بدعت؟ اور قرون ثلثہ میں سے کسی عالم کی رائے بست رکعت کے بدعت ہونے کی ہوئی ہے، یا نہیں؟ اور ائمہ مجتہدین کا اس میں کیا مذہب ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

حامداً و مصلياً أقول و بالله التوفيق کہ نماز تہجد اور نماز تراویح ہر دو صلوٰۃ جداگانہ ہیں کہ ہر دو کی تشریح اور احکام جدا ہیں کہ تہجد ابتداء اسلام میں تمام امت پر فرض ہوا اور بعد ایک سال کے تہجد کی فرضیت منسوخ ہو کر تہجد تطوعاً رمضان وغیر رمضان میں جاری رہا۔

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿يا أيها المزمل قم الليل﴾ (الآية) (۱)

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں حدیث طویل میں کہ تہجد بعد فرض ہونے کے نفل ہو گیا۔ چناں چہ ابوداؤد نے روایت کیا ہے:

قال: قلت حد حدثنى عن قيام اليل قالت: ألست تقرأ ﴿يا يها المزمل﴾ قال: قلت: بلىٰ، قالت: فإن أول هٰذه السورة نزلت، فقام أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم حتىٰ انتفخت أقدامهم و حبس خاتمتها فى السماء إثنى عشر شهراً، ثم نزل أخرها فصار قيام اليل تطوعا بعد فريضه، إلىٰ آخر الحديث. (۲)

اس سے ثابت ہوا کہ تہجد قبل ہجرت ابتداء اسلام میں تطوعاً شروع ہو چکا تھا اور اس پر سب صحابہ تطوعاً رمضان وغیر رمضان میں عملدرآمد رکھتے تھے اور تراویح کا اس وقت میں کہیں وجود نہیں تھا، پھر بعد ہجرت کے جب صوم رمضان فرض ہوا تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور اس میں یہ فرمایا: **جعل اللّٰه صيا م فريضة وقيامه تطو عاً، إلىٰ آخر الحديث.** اس روایت کو مشکوۃ نے بیہقی سے نقل کیا ہے۔

---

(۱)　سورۃ المزمل: ۱-۲، انیس (اے چادر اوڑھنے والے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) جاگ رات میں)

(۲)　أبو اداؤد، باب في صلاة الليل: ۱/ ۱۹۰، انیس (کہا راوی نے عرض میں میں نے (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں) حدیث بیان کیجئے مجھ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قیام لیل کے بارہ میں فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کیا نہیں پڑھتا تو ﴿يا أيها المزمل﴾، کہا عرض کی میں نے ہاں پڑھتا ہوں جب اول س سورت کا نازل ہوا تو صحابہ آنحضررت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیام لیل کیا یہاں تک کہ ورم آ گیا ان کے قدموں پر اور روک لیا اللہ تعالیٰ نے خاتمہ اس سورت کا آسمان میں بارہ مہینہ تک، پھر نازل ہوا آخر اس کا اور قیام لیل فرض سے نفل ہو گیا۔)

اس سے معلوم ہوا کہ قیام رمضان اس وقت تنفلاً مقرر ہوا اور اس سے یہ سمجھنا کہ تہجد جو سابق سے تطوع تھا، اس کا ذکر فرمایا ہے بعید ہے؛ کیوں کہ اگر یہ مقصود ہوتا تو اس طرح فرماتے کہ نماز تہجد اب بھی نفل ہی ہے، یا مثل اس کے کچھ الفاظ فرماتے، اس واسطے کہ تہجد پہلے سے رمضان میں جاری تھا، پھر اب اس کا ذکر کرنا کیا ضروری تھا، جیسا کہ دیگر صلوٰۃ فرض ونفل کا کچھ ذکر نہیں فرمایا، البتہ بعض احادیث میں اعمال رمضان کی فضیلت فرمائی ہے اور اس فقرہ میں کوئی فضیلت کی بات نہیں؛ بلکہ دوسری صلوٰۃ نفل کی مشروعیۃ کا ذکر ہونا ظاہر ہے اور دوسری روایت سنن ابن ماجہ کی اس طرح پر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **كتب الله عليكم صيامه و سننت لكم قيامه.** (۱)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باذن اللہ تعالیٰ قیام رمضان کو تطوعاً مقرر فرمایا، حالاں کہ تہجد خود بحکم خدا تعالیٰ قبل اس سے نفل ہو چکا تھا اور قیام رمضان کو خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تنفل فرمایا، سواس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ تہجد و تراویح تشریحاً دو نمازیں ہیں کہ دو وقت میں مقرر کی گئی ہیں۔

اور تہجد قرآن شریف سے ثابت ہوا اور تراویح حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر روز تہجد کو آخر شب میں پڑھا ہے۔

فقلت لها: فأى حين كا ن يقوم من اليل؟ قالت: كا ن إذاسمع الصراخ. (۲)

اور دیگر روایات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اور تراویح کو آپ نے اول لیل میں پڑھا ہے۔

عن أبى ذرقال: صمنا مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فلم يقم بنا شيئًا من الشهر حتىٰ بقى سبع، فقام بنا حتىٰ ذهب ثلث اليل، فما كانت السادسة لم يقم بنا فلما كانت الخامسة، قام بنا حتىٰ ذهب شطر اليل، فقلت: يا رسول الله! لو نفلتنا قيام هٰذه الليلة؟ قال: إن الرجل إذا صلىٰ مع الإمام حتىٰ ينصرف، حسب له قيام ليلة، قال: فلما كانت الرابعة لم يقم، فلما كانت الثالثة جمع أهله ونسائه والناس فقام بنا حتىٰ خشينا أن يفوتنا الفلاح قال قلت وما الفلاح قال السحور ثم لم يقم بنا بقية الشهر. (۳)

---

(۱) سنن إبن ماجة، باب ماجاء فى قيام شهر رمضان: ۱/۳۰۸، انیس (فرض کردئے اللہ تعالیٰ نے روزے اس کے (یعنی رمضان کے) اور سنت بنایا میں نے قیام اس کا)

(۲) أبو داؤد، باب وقت قيام النبى صلى الله عليه وسلم من الليل: ۱/۱۸۷، انیس (پھر کہا میں نے (یعنی راوی نے) کہ کس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اٹھتے تھے رات کو، فرمایا جب سنتے تھے آواز مرغ کی۔)

(۳) أبو داؤد، باب فى قيام شهر رمضان: ۱/۱۹۵، انیس (مروی ہے حضرت ابوذرؓ سے کہ روزے رکھے ہم نے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پس نہ قیام کیا ہمارے ساتھ مہینہ میں سے یہاں تک کہ سات دن رہ گئے (اور مہینہ انتیس کا تھا) پس قیام کیا ہمارے ساتھ (یعنی تیئیسویں رات کو) یہاں تک کہ گزر گئیں تہائی رات پس جب چھٹی رات آئی (یعنی مہینہ کی آخر سے شمار کرتے ہوئے اور وہ انتیس والے مہینے میں چوبیسویں رات ہے) نہ قیام کیا ہمارے ساتھ پھر جب اسی حساب سے پانچویں رات کہ فی الحقیقہ پچیسویں ہے پیش آئی ==

پہلی اور دوسری دفعہ میں تو نصف لیل تک فراغت پائی اور تیسرے دن اول سے لے کر اخیر شب تک ادا فرمایا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو صلوٰۃ جداگانہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تہجد کو ہمیشہ منفرداً پڑھتے تھے، کبھی بتداعی جماعت نہیں فرمائی، اگر کوئی شخص آ کھڑا ہوا تو مضائقہ نہیں، جیسا کہ مثلاً ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود ایک دفعہ آپ کے پیچھے جا کھڑے ہوئے تھے، بخلاف تراویح کے کہ اس کو چند بار تداعی کے ساتھ جماعت کر کے ادا کیا، چناں چہ اسی حدیث ابی ذرؓ سے واضح ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو صلوٰۃ جداگانہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تہجد کے واسطے تمام رات کبھی نہیں جاگے، چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان تہجد میں فرماتی ہیں:

”ولا أعلم أن نبی اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم قرأ القرآن کلہ فی لیلۃ ولا قام لیلۃ کاملۃ حتی الصباح“، إلٰی آخر الحدیث. (۱)

اور یہ ان کی تحدید صلوٰۃ تہجد میں ہے، ورنہ صلوٰۃ تراویح میں صبح تک نماز پڑھنا روایت ابوذرؓ سے خود ثابت ہو چکا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی خود اس کا علم ہے، اس واسطے کہ آپ نے اپنی سب اہل ونساء کو جمع کیا تھا، پھر باوجود اس امر کے جو آپ انکار احیاء تمام لیل کا فرماتی ہیں تو یہ کہنا کہ آپ کو خبر نہیں، یا نسیان ہوا، نہایت بے جا ہے؛ بلکہ یہ وجہ ہے کہ انکار احیاء تمام لیل کا صلوٰۃ تہجد میں وارد ہوا؛ کیوں کہ سعد بن ہشام راوی حدیث صلوٰۃ تہجد ہی کو پوچھتے تھے اور اسی کے باب میں آپ نے یہ امر فرمایا تھا، چناں چہ مسلم میں یہ روایت موجود ہے۔نہ تراویح میں کہ اس کا یہاں ذکر ہی نہیں تھا، علیٰ ہذا جو ابوسلمہ نے قیام رمضان کو پوچھا ہے تو وہاں بھی مراد قیام رمضان سے تہجد ماہ رمضان کا ہے، غرض ان کی یہ تھی کہ تہجد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رمضان میں بہ نسبت اور شہور کے زیادہ ہوتا تھا، یا نہیں؟ بخاری میں ہے:

عن أبی سلمۃ بن عبد الرحمٰن أنہ سأل عائشۃ کیف کانت صلاۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی رمضان؟ فقالت: ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علٰی إحدٰی عشرۃ رکعۃ، یصلی

== تو قیام کیا ہمارے ساتھ یہاں تک کہ نصف رات گزر گئی، پس عرض کی میں نے (یعنی ابوذرؓ نے) یا رسول اللہ! کاش کے زیادہ کرتے آپ ہمارے لیے قیام اس رات کا، فرمایا: البتہ شخص جب نماز پڑھتا ہے امام کے ساتھ، یہاں تک کہ امام فارغ ہو جائے، لکھا جاتا ہے اس کے حق میں قیام ساری رات کا، (یعنی اگر چہ ساری رات کا قیام نہ کیا ہو) پھر جب اسی حساب سے چوتھی رات آئی (کہ وہ فی الحقیقت چھبیسویں ہے نہ قیام کیا ہمارے ساتھ، یہاں تک کہ باقی رہی تہائی رات، پھر جب تیسری رات آئی کہ وہ فی الحقیقت ستائیسویں ہے، جمع کیا اپنے کنبے کو، اپنی عورتوں کو اور لوگوں کو پس قیام کیا ہمارے ساتھ، یہاں تک کہ ڈرے ہم کہ فوت ہو جائے، ہم سے فلاح عرض کی، میں نے کہ کیا فرمایا ہے فلاح سے، فرمایا کہ سحری پھر قیام نہ کیا ہمارے ساتھ باقی مہینہ میں (یعنی اٹھائیسویں اور انتیسویں کو، اس کو ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔)

(۱) سنن النسائی، باب قیام اللیل، رقم الحدیث: ۱۶۰۰، انیس (اور نہیں دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کہ پڑھا ہو سارا کلام اللہ ایک رات میں، یا نماز پڑھی ہو ساری رات۔)

أربعًا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن، ثم يصلي أربعًا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن، ثم يصلي ثلاثًا، فقلت: يارسول الله!أتنام قبل أن توتر؟ قال:ياعائشة! إن عيني تنامان ولاينام قلبي.(۱)

کیوں کہ ظاہر متبادر اس حدیث سے یہ ہے کہ ابوسلمہ نے خاص قیام رمضان کا سوال کیا اور حضرت عائشہؓ نے یہ فرمایا کہ رمضان میں کوئی خاص نماز نہیں تھی؛ بلکہ رمضان وغیر رمضان میں ہر روز گیارہ رکعت پڑھتے تھے، اس سے زیادہ کبھی نہیں پڑھتے تھے اور ہیئت پڑھنے کی یہ تھی کہ چار رکعت پڑھی اور سو گئے، پھر چار رکعت پڑھی اور سو گئے، پھر تین وتر پڑھے اور دائماً یہی عادت تھی، رمضان وغیر رمضان میں اس کے خلاف نہیں۔

پس اگر اس کے یہی معنی ہیں تو یہ حدیث بہت سی روایات کے معارض ہوتی ہے اور واقع کے بھی خلاف ہے؛ کیوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود آپ ہی تیرہ رکعت روایت فرماتی ہیں، چناں چہ مؤطا امام مالک میں ہے:

عن عائشه قالت: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصلي بالليل ثلث عشرة ركعة، ثم يصلي إذا سمع النداء للصبح بركعتين خفيفتين. انتهىٰ(۲)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خود تیرہ رکعت تہجد کی غیر رمضان میں نقل کرتے ہیں اور بعض دیگر صحابی بھی تیرہ رکعت روایت کرتے ہیں اور یہ دونوں ہیئت صلوٰۃ کی بھی خلاف اس ہیئت مذکورہ فی حدیث عائشہ کے ہے، چناں چہ مسلم میں بذیل روایت طویلہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

قال ابن عباس: فقمت فصنعت مثل ماصنع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ثم ذهبت فقمت إلىٰ جنبه فوضع رسول الله عليه وسلم يده اليمنى علىٰ رأسي وأخذ بأذني اليمنى يفتلها فصلىٰ ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم أوتر ثم اضطجع حتىٰ جاءه المؤذن فقام فصلىٰ ركعتين خفيفتين ثم خرج فصلى الصبح.(۳)

---

(۱)　صحيح البخاري: ۱/۱۵٤، انیس (مروی ہے کہ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ نماز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رمضان میں (یعنی تہجد کی) کیسی تھی؟ پس فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہ نہ زائد کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رمضان اور خارج رمضان کے گیارہ رکعت پر، نماز پڑھا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وعلیہ وسلم چار رکعتیں، پس نہ پوچھئے ان کے حسن اور درازی سے، پھر پڑھتے تھے چار رکعت، پس نہ پوچھئے ان کے حسن اور درازی سے، پھر پڑھتے تھے تین رکعت، پس عرض کی میں نے (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے) کیا سوتے ہیں آپ، یا حضرت وتر پڑھنے سے پہلے، فرمایا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے: اے عائشہ! آنکھیں میری سوتی ہیں اور نہیں سوتا میرا دل۔)

(۲)　موطأ الإمام مالك رواية يحى الليثي، باب صلاة النبي صلى الله عليه وسلمفي الوتر، رقم الحديث: ۲٦٤، انیس (مروی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہ تھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھتے رات میں تیرہ رکعتیں، پھر پڑھتے تھے جب سنتے اذان صبح کی دو رکعتیں ہلکی۔)

(۳)　الصحيح لمسلم: ۱/۲٦۰، انیس (فرمایا ابن عباس نے: پس اٹھا میں اور کیا میں نے جیسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا==

اور ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، جو مسلم میں موجود ہے:

ثم قام فصلٰی فقمت عن یساره فأخذنی فجعلنی عن یمینه فصلٰی فی تلک اللیلة ثلاث عشر رکعة ثم نام رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم حتٰی تفخ،إلٰی اٰخر الحدیث. (۱)

اور زید بن خالد جہنیؓ سے مسلم میں روایت ہے:

عن زید بن خالد الجهنی أنه قال: لأرمقن صلاة رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم اللیلة، فصلّٰی رکعتین خفیفتین، ثم صلّٰی رکعتین طویلتین طویلتین طویلتین، ثم صلّٰی رکعتین، هما دون اللتین قبلهما، ثم صلّٰی رکعتین وهما دون اللتین قبلهما،ثم صلّٰی رکعتین وهما دون اللتین قبلهما، ثم صلّٰی رکعتین وهما دون اللتین قبلهما،ثم أوتر فذٰلک ثلاث عشر رکعة. (۲)

دیکھو یہ احادیث ثلاثہ وعدد رکعات اور ہیئت ادا دونوں میں خلاف اس حدیث عائشہ کے ہیں اور اوپر حدیث ابوذرؓ سے معلوم ہوا کہ تین روز جو آپ نے نماز رمضان میں پڑھی، اگرچہ اس کے عدد رکعات معلوم نہیں؛ مگر ہرگز اس میں چار چار رکعت پڑھ کر آپ نہیں سوئے اور تین روز دوسری رمضان میں جو بجماعت نماز پڑھی، اس میں بھی یہ ہیئت ثابت نہیں ہوئی اور حدیث میں شدۃ اجتہاد عبادت رمضان کا مذکور ہے، وہ بھی اس کے خلاف ہے؛ کیوں کہ جب سب شہور کی صلوٰۃ لیل برابر تھی تو پھر شدت اجتہاد کے کیا معنی؟ اور جن روایتوں میں آیا ہے کہ رمضان میں خصوصاً عشرہ اخیرہ میں نہیں سوتے تھے، وہ بھی اس کے خلاف ہے، چناں چہ بخاری میں ہے:

"إذا دخل العشر شد مئزره أحی لیله وأیقظ أهله". (الحدیث)(۳)

اور بیہقی نے روایت کیا ہے:

"إذا دخل رمضان لم یأت فراشه حتٰی ینسلخ". (الحدیث)(۴)

ان دونوں حدیثوں سے شدت اجتہاد عبادت اور احیائے تمام لیل حاصل ہے، نہ مساوات رمضان وغیر رمضان کی

== (یعنی وضو کیا، پھر گیا میں اور کھڑا ہوا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس (یعنی بائیں طرف) پس رکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے داہنا ہاتھ اپنا میرے سر پر اور پکڑا داہنا کان میرا کھینچتے تھے، اسے یعنی داہنی طرف کر دیا) پس پڑھی دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر وتر پڑھے، پھر لیٹ گئے، یہاں تک کہ مؤذن آیا، پس اٹھے اور دو رکعتیں خفیف پڑھیں، پھر نکلے اور نماز فجر کی پڑھی۔)

(۱-۲)　الصحیح لمسلم: ۱/ ۲٦۰، انیس

(۳)　صحیح البخاری، أبواب العمل فی العشر الأواخر من رمضان: ۱/ ۲۷۱، انیس (جب داخل ہوتا تھا اخیر عشرہ رمضان کا باندھ لیتے تہہ بند اپنا اور اپنی رات زندہ کرتے تھے اور اپنے کنبہ کو جگا لیتے تھے۔)

(۴)　شعب الإیمان للبیهقی، باب فضائل شهر رمضان، رقم الحدیث: ۳٦۲٤، انیس (جب داخل ہوتا تھا رمضان نہیں آتے تھے اپنے بچھونے پر یہاں تک کہ نکل جائے۔)

اور حضرت عائشہؓ نے جو بیان تہجد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سعد بن ہشامؒ سے کیا، وہ بھی اس روایت کے خلاف ہے، چناں چہ روایت طویلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

فقالت: كنا نعد له سواكه وطهوره فيبعثه الله ما شاء أن يبعثه من اليل فيتسوك، ويتوضاء ويصلي تسع ركعات لا يجلس فيها إلا في الثامنه فيذكر الله ويحمده ويدعوه ثم ينهض ولا يسلم ثم يقوم فيصلي التاسعة ثم يقعد فيذكر الله ويحمده ويدعوه ثم يسلم تسليمًا يسمعنا ثم يصلي ركعتين بعد ما يسلم وهو قاعد فتلك إحدىٰ عشرة ركعة يابني، إلخ. (۱)

حاصل نفی زیادت رکعات کی گیارہ سے اور بہ ہیئت خاص مخدوش ہوتی ہے، لہذا حق یہ ہے کہ معنی حدیث کے یہ ہیں کہ ابوسلمہ نے بایں وجہ کہ رمضان میں آپ کا اجتہاد عبادت زیادہ ہوتا تھا، تہجد رمضان کو پوچھا کہ آیا رمضان میں تہجد آپ کا بہ نسبت اور ایام کے زیادہ ہوتا تھا، یا نہیں؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے زیادہ تہجد کی نفی کی، صلوٰۃ تراویح سے اس میں کچھ بحث نہیں، نہ سوال میں نہ جواب میں اور گیارہ رکعت کا ذکر اکثریہ ہے نہ کلیہ کہ اکثر تہجد کی رکعات آپ کی گیارہ ہوتی تھیں، اگرچہ احیاناً اس سے زیادہ بھی پڑھی ہیں تو اس حدیث میں نہ احیاناً زیادہ تہجد کی نفی ہے اور نہ ذکر قیام رمضان کا جو سوائے تہجد کے ہے؛ بلکہ ذکر ان عدد رکعات کا ہے، جو اکثر اوقات تہجد رمضان وغیر رمضان میں ہوتا تھا۔

اور بعد اس کے یہ جملہ ''یصلي أربعاً'' إلخ، یہ دوسرا امر ہے، جس سے آپ کی قوت عبادت پر تنبیہ منظور ہے کہ نوم و یقظہ آپ کے اختیار میں تھا، جب چاہیں جاگیں، جب چاہیں سوئیں اور آپ احیاناً ایسا کرتے تھے، نہ اس ہیئت کو خصوصیت رمضان سے ہے، نہ لزوم ان رکعات سے؛ بلکہ یہ بعض اوقات کی حالت کا بیان ہے اور یہ مستقل جملہ ہے، چوں کہ قاعدہ بلاغت میں مقرر ہو چکا ہے کہ عطف جملہ کا جملہ پر اس وقت کرتے ہیں کہ ہر دو جملوں میں بعض وجہ سے اتصال اور بعض وجہ سے انفصال ہو، اگر بالکل اتصال ہو، یا بالکل انفصال ہو تو حرف عطف ذکر نہیں کرتے، پس یہاں حرف عطف ذکر نہ کرنا بوجہ کمال انفصال ہے، نہ بوجہ کمال اتصال، چوں کہ بیان شدت اجتہاد تھا، اس وجہ سے اس کلام کو آپ نے ذکر کیا، ورنہ جواب ان کے سوال کا جو عدد رکعات تہجد رمضان کا استفسار تھا، وہ تمام ہو چکا تھا۔

پس اس تقریر پر نہ معارضہ احادیث سے زیادہ کا فی رہا اور نہ ہیئت کا اور نہ احیاء تمام لیل کا، سب احادیث مطابق

---

(۱) الصحیح لمسلم: ۲۵٦/۱، انیس (فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہ تھے ہم تیار رکھتے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے مسواک اور پانی وضو کا، سو کر اٹھتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں جب جب اٹھائے اللہ تعالیٰ ان کو، پس مسواک کرتے تھے اور وضو اور پڑھتے تھے نو رکعتیں نہیں بیٹھتے تھے ان میں سے؛ مگر آٹھویں میں (یعنی وتر کی دو رکعت کے بعد اور تیسرے کی پہلی، پھر یاد کرتے تھے اللہ کو اور ثنا کرتے تھے اس کی اور دعا مانگتے تھے، پھر کھڑے ہوتے تھے اور سلام نہ پھیرتے تھے، پھر پڑھتے نویں رکعت اور قعدہ کرتے اور یاد کرتے اللہ کو اور ثنا کرتے اس کی اور دعا مانگتے، پھر سلام پھیرتے ایسے سلام کہ ہمیں سنائی دیتے، پھر پڑھتے تھے دو رکعت بعد سلام بیٹھ کر، پس یہ گیارہ رکعت ہوئیں اے بیٹے۔)

واقع کے اور باہم موافق ہوگئیں اور یہی مراد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کی ہے، پس معلوم ہوا کہ تمام شب نماز نہ پڑھنا تہجد کے واسطے ہے اور پڑھنا تراویح کے واسطے اور بخاری نے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جماعت تراویح کو جو اول وقت میں حضرت ابی رضی اللہ عنہ کرار ہے تھے اور یہ جماعت خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مقرر کرائی ہوئی تھی، دیکھ کر فرمایا: "والتی تنامون عنها أفضل من التی تقومون" تو اس سے بھی اگر مغایرت دونوں نمازوں کی نکالی جاوے تو بعید نہیں؛ کیوں کہ معنی اس قول کے یہ ہیں کہ جو نماز کہ اس سے سو رہتے ہو تم؛ یعنی تہجد کہ آخر رات میں ہوتی ہے، افضل ہے اس نماز سے جو پڑھتے ہو تم؛ یعنی تراویح کہ اول وقت پر پڑھتے تھے اور چوں کہ یہ لوگ تراویح کو پڑھ کر تہجد کو نہیں اُٹھتے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو رغبت تہجد پڑھنے کی بھی دلائی کہ افضل کو ترک نہ کرنا چاہیے، لہذا اول وقت میں تراویح اور آخر میں تہجد ادا کریں، ورنہ اس تراویح کو ہی اخیر وقت میں پڑھیں کہ فضیلت بھی حاصل ہو جاوے اور آخر وقت کی تراویح سے تہجد بھی حاصل ہو جائے کہ بتداخل صلوٰتین دونوں نماز کا ثواب ملتا ہے اور اس سے افضلیت وقت بھی معلوم ہوگئی۔

چناں چہ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل سے صراحۃً یہ ثابت نہیں ہوا کہ جب آپ نے اول رات میں تین روز تراویح پڑھی تو اخیر وقت میں تہجد پڑھا یا نہیں۔ واللہ اعلم

مگر فعل بعض صحابہ سے اس کا نشان ملتا ہے، چناں چہ ابوداؤد نے قیس بن طلق سے روایت کی ہے:

عن قیس بن طلق قال: زارنا طلق بن علیٰ فی یوم من رمضان وأمسی عندنا وأفطر ثم قام بنا تلک اللیلة وأوتر بنا، ثم انحدر إلیٰ مسجده فصلیٰ بأصحابه حتیٰ إذا بقی الوتر قدم رجلاً، فقال: أوتر بأصحابک فإنی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول: لا وتران فی لیلة، انتھیٰ(۱)

اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ طلق بن علی نے اول لوگوں کے ساتھ موافق فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اول وقت میں تراویح ادا کی اور وتر بھی اس کے ساتھ پڑھے، جیسا کہ فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور بعد اس کے اپنی مسجد میں جا کر آخر وقت میں تہجد ادا کیا اور اس کے ساتھ وتر نہیں پڑھے اور مقتدیوں کو حکم کیا کہ تم اپنے وتر پڑھ لو اور چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تہجد کے ساتھ وتر پڑھتے تھے، لہذا وہ مقتدی تہجد گزار کے ساتھ وتر پڑھنا چاہتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں وقت میں نماز پڑھی گئی اور صحابہ اتباع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

---

(۱) سنن أبی داؤد، باب فی نقض الوتر، رقم الحدیث: ۱۴۴۱، انیس (کہا قیس بن طلق نے: زیارت کی ہماری طلق بن علی نے دن میں رمضان کے اور شام کو ہمارے پاس ہی افطار کیا، پھر قیام کیا ہمارے ساتھ اس رات میں اور وتر پڑھے ہمارے ساتھ، پھر گئے اپنی مسجد کی طرف اور نماز پڑھائی اپنے ساتھیوں کو، یہاں تک کہ باقی رہ گئے وتر، پھر آگے کیا کسی آدمی کو اور کہا: وتر پڑھا اپنے ساتھیوں کو، اس واسطے کہ سنا ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے: ایک رات میں دو دفعہ وتر نہیں۔)

علیہ وسلم میں نہایت سرگرم تھے سو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوسرے وقت میں تہجد پڑھا ہوگا اور یہ جو بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ فرماتی ہیں: "**إذا دخل العشر شد میزره وأحیی لیله وایقظ أهله.** (الحدیث) اس سے تین امر ثابت ہوتے ہیں:

(۱) اول یہ کہ ان ایام میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام رات جاگے ہیں، اس واسطے کہ احیاء لیلہ وہیں بولا جاتا ہے کہ تمام رات جاگیں۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جو انکار تمام رات کے جاگنے کا کیا ہے، وہ تہجد کی نسبت ہے نہ مطلقاً تو اس بیان میں خود تمام رات جاگنے کو ارشاد فرماتی ہیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ جن دو شب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تراویح کو ثلث لیل تک اور نصف لیل تک پڑھا تھا تو بعد نصف شب کے آپ سوئے نہیں؛ کیوں کہ وہ لیالی بھی داخل عشرہ تھیں، پھر بعد نصف شب کے غالب گمان یہ ہے کہ نوافل پڑھیں کہ وہ تہجد تھیں؛ کیوں کہ آپ کی عادت رات کو نماز ہی پڑھنے کی تھی، بیٹھ کر ذکر کرنا، یا قرآن پڑھنا معتاد نہیں، اس سے بھی اختلاف دونوں نمازوں کا مظنون ہوتا ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ تراویح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ پڑھی کہ اول شب میں جو کچھ پڑھتے تھے وہ تراویح تھی اور آخر شب میں تہجد، سو تراویح فعلاً بھی سنت مؤکدہ ہوئی اور جو کچھ کہ آپ نے بخوف افتراض ترک کیا تھا، وہ جماعت بتداعی تھی، نہ نفس تراویح۔

الحاصل ان سب وجوہ سے مغایرت تہجد و تراویح کی ظاہر ہے؛ مگر ہاں ایک نماز دوسرے کی قائم مقام ہوسکتی ہے کہ اگر تہجد کے وقت میں تراویح پڑھی جاوے تو تہجد بھی ادا ہو جائے گی اور یہ امر سب نوافل میں ہے، مثلاً اگر بوقت ضحیٰ صلوٰۃ کسوف پڑھی جاوے، قائم مقام صلوٰۃ ضحیٰ کے ہو جاتی ہے اور اگر خسوف قمر کی نماز تہجد کے وقت پڑھی جاوے تو تہجد بھی ادا ہو جاتا ہے، اگر چہ بحیثیت تراویح۔ تراویح تہجد سے جدا صلوٰۃ ہے اور صلوٰۃ کسوف صلوٰۃ ضحیٰ سے اور صلوٰۃ خسوف صلوٰۃ تہجد سے؛ مگر ثواب ہر دو کا حاصل ہو جاتا ہے، علی ہذا وقت ضحیٰ ایک ہے اور اس کے فضائل میں احادیث وارد ہیں اور اول وقت اور آخر وقت دونوں وقت میں نماز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور ہر دو نماز علاحدہ ہیں؛ مگر ایک کے پڑھنے سے ثواب وارد حدیث حاصل ہو جاتا ہے، لہٰذا اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام رات نماز تراویح پڑھی تو تہجد کا بھی اس میں تداخل ہو گیا اور اگر ثلث شب تک پڑھی، یا نصف تک بجماعت تو باقی شب میں منفرداً نماز ادا ہونا بظن غالب معلوم ہوتا ہے؛ مگر کسی راوی نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بعد اس کے واضح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیام رمضان کے عدد رکعات کو قولاً محدود نہیں فرمایا؛ بلکہ مطلق صلوٰۃ کی رغبت دلائی اور مطلق حسب قاعدہ "**المطلق یجری علی اطلاقه**"، یہ چاہتا ہے کہ صلوٰۃ کسی ہیئت

اور کسی عدد سے اگر ادا کی جاوے، مامور اً مندوب ہووے گی۔ دریں صورت پابندی کسی عدد کی نہیں ہوسکتی؛ بلکہ درمختار میں ہے: جس قدر چاہے پڑھے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من قام رمضان إیماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه. (الحدیث)(۱)

وقال جعل اللّٰہ صیامه فریضة وقیامه تطوعاً. (الحدیث)

وقال سننت لکم قیامه. (الحدیث)(۲)

ان ہر دو حدیث میں بھی قیام رمضان کو مطلق ہی رکھا ہے، کوئی عدد بیان نہیں فرمایا ہے، لہٰذا جیسا کہ تہجد پہلے سے مندوب تھا، ایسا ہی قیام رمضان جو تراویح ہے، مطلقاً امت پر و جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مندوب ہوا کہ ادنی اس کے دو رکعت اور نہایت کی کوئی حد نہیں، اگر چہ ہزار، یا کم زیادہ ہوں، پس بعد اس کے اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عدد اکثر معمول فرمایا تو وہ سنت مؤکدہ ہو جاوے گا اور جس کو احیانا ادا فرمایا، وہ مستحب رہے گا اور سوائے اس کے دیگر اعداد بھی مستحب رہیں گے، ہرگز بدعت نہیں ہوسکتے اور یہ قاعدہ سب عبادات میں جاری ہے کہ مامور مطلق ان اعداد میں جن کو وہ شامل ہے، مطلق ہی مطلوب ہوتا ہے، کسی عدد معین میں منحصر نہیں ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے التزام سے سنت مئوکدہ اور احیاناً کرنے سے مستحب اور ما سوائے اس کے یہی مستحب، مثلاً حق تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**استغفر وا ربکم**﴾ (الآیۃ) اس سے استغفار مطلوب ہے، اگر چہ وجوباً ہو، یا ندباً۔ بعد اس کے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**إنی لاستغفر اللّٰہ فی کل یوم سبعین مرة**'' تو اب اگر کوئی سبعین سے زیادہ استغفار کرے، وہ اسی امر مطلق کا فرد مطلوب ہوگا، اس کو بدعت نہ کہہ سکیں گے۔ یہ جزئیہ بطور تنظیر لکھا گیا ہے۔ اہل علم بہت سی عبادات مستحبہ کو بریں قیاس دریافت کر سکتے ہیں۔ بناء علیہ جو صحابہ اور تابعین اور مجتہدین علماء نے اعداد رکعات اختیار کئے ہیں، چناں چہ ان کا ذکر آگے کیا جائے گا، وہ سب انہی احادیث کے افراد ہیں، کوئی ان سے خارج نہیں، سب مامور مندوب ہیں؛ مگر علماء حنفیہ کے نزدیک جو عدد ان میں سے فعل، یا قول جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بجماعت ثابت ہوا ہے، اس میں جماعت کو سنت کہیں گے اور اس کے سوائے میں جماعت کو بتداعی مکروہ فرمائیں گے؛ کیوں کہ ان کے نزدیک جماعت نفل بتداعی مکروہ ہے؛ مگر جس موقع میں کہ نص سے ثابت ہو چکی ہے، وہاں مکروہ نہیں۔

---

(۱) **سنن أبی داؤد، باب فی قیام شهر رمضان: ۱۹٤/۱، انیس** (فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے: جو شخص قیام کرے رمضان میں اخلاص سے اور ثواب کی نیت سے، بخشے جائیں گے اس کے پہلے گناہ۔)

(۲) **سنن النسائی، ثواب من قام رمضان وصامه إیماناً احتساباً: ۳۰۸/۱، انیس**

اسی واسطے کتب فقہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر عدد تراویح میں شک ہو جاوے کہ آٹھارہ پڑھی یا بیس تو دو رکعت فرادیٰ فرادیٰ پڑھیں نہ بجماعت بسبب اطلاق حدیث کے زیادہ ادا کرنا ممنوع نہیں، خواہ کوئی عدد ہو؛ مگر جماعت بیس سے زیادہ کی ثابت نہیں، جس کا ذکر آگے آئے گا۔ الحاصل قولاً کوئی عدد معین نہیں؛ مگر آپ کے فعل سے مختلف اعداد معلوم ہوتے ہیں، چناں چہ امام احمد رحمہ اللہ علیہ کا قول جامع ترمذی میں ہے:

قال أحمد: روی فی ذلک أنواع لم یقض فیه بشیء، انتهی(۱) یعنی امام احمدؒ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا اور کسی صورت کو مرجح نہیں بنایا؛ بلکہ سب کو جائز اور مستحب رکھا، ازاں جملہ ایک دفعہ گیارہ رکعت بجماعت پڑھنا ہے۔

چناں چہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شب میں گیارہ رکعات تراویح بجماعت پڑھی۔

وعن جابر أنه صلّی بهم ثمان رکعات والوتر ثم انتظروه فی القابلة فلم یخرج إلیهم، رواه ابن خزیمة وابن حبان فی صحیحهما، انتهی. (۲)

مگر یہ آٹھ رکعت پڑھنا تراویح کا بجماعت مستلزم نفی زیادہ کو نہیں اس واسطے کہ ممکن ہے؛ بلکہ مظنون ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اول آخر اس نماز کے منفرداً زیادہ پڑھی ہوں، اس واسطے کہ رمضان میں آپ احیاء تمام لیل کا کرتے تھے، چناں چہ سابق میں گزرا اور دیگر لیالی میں بجماعت گیارہ رکعت سے زیادہ پڑھی ہوں، یا منفرداً آپ نے زیادہ پڑھی ہوں، اس کی نفی نہیں ہوسکتی، اس واسطے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا کہ آپ نے ہر روز گیارہ رکعت پڑھیں، نہ یہ کہا کہ سوائے اس کے اور کوئی رکعت نہیں پڑھی؛ بلکہ ایک دن کی صلوٰۃ بجماعت کا ذکر کرتے ہیں اور بس اور یہ واقع فعل ہے کہ احتمال عموم کا نہیں رکھتا اور نہ زیادہ رکعات کا معارض ہوسکتا ہے، اس واسطے کہ تعارض کے لیے وحدت زمان ومکان شرط ہے، خصوصاً اس شب میں کہ آپ نے تمام شب سب کو جمع کر کے نماز پڑھی، جیسا کہ روایت ابو ذرؓ سے اوپر گزرا۔

اگر اس میں گیارہ رکعت پڑھی جاتیں تو تطویل قیام بالضرور کوئی راوی بیان کرتا، جس طرح تاخیر سجود کو ذکر کیا ہے؛ کیوں کہ آٹھ نو گھنٹہ میں آٹھ رکعت پڑھنا نہایت دشوار ہوتا ہے تو یہ تطویل قابل ذکر تھی، جیسا کہ صلوٰۃ کسوف کی تطویل کو ذکر کیا جاتا ہے، لہذا عجب نہیں کہ اس شب میں بیس رکعت پڑھی گئی ہوں، یا زیادہ اور منفرداً آپ نے بیس رکعت؛

(۱) فرمایا امام احمد نے: روایت کی گئی ہیں اس میں کئی صورتیں اور کچھ حکم نہ کیا امام احمد نے اس بارے میں۔

(۲) صحیح ابن خزیمة، باب ذکر دلیل بأن الوتر لیس بفرض، رقم الحدیث: ۱۰۷۰، انیس (مروی ہے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی صحابہ کے ساتھ آٹھ رکعتیں اور وتر پھر انتظار کیا صحابہ نے آئندہ کی رات میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ نکلے، روایت کیا اس کو ابن خزیمہ نے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں۔)

بلکہ زیادہ پڑھی ہوں، اگر چہ ان تین شب کی عدد رکعات جو حضرت ابوذرؓ نے نقل فرمایا، کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا بیس رکعت، بلکہ زیادہ پڑھی ہوں اور وجہ نہ نقل کرنے کی یہ ہے کہ عدد رکعات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مختلف تھے اور قولاً اعداد رکعات کی تعمیم تھی، لہذا ہر روز کے اعداد رکعات کا ذکر کرنا کچھ ضرور نہیں سمجھا گیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابن ابی شیبہ نے جو اپنی تصنیف میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بیس رکعت پڑھنا نقل کیا ہے، اگر چہ وہ روایت ضعیف ہے؛ مگر مؤید ہے آثار صحابہ سے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیس رکعت پڑھی ہیں اور جمہور تابعین اور رفقہاء کا اس پر عمل در آمد ہے، جیسا کہ عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے:

قلت: روی عبد الرزاق فی المصنف عن داؤد بن قیس وغیرہ عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید أن عمربن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ جمع الناس فی رمضان علی أبی بن کعب وعلی تمیم الداری علی إحدٰی وعشرین رکعۃ، یقومون بالمئین وینصرفون بزوغ الفجر، قلت: قال ابن عبد البر: ھومحمول علٰی أن الواحدۃ للوتر، وقال ابن عبد البر: وروی الحارث بن عبدالرحمن بن أبی ذباب عن السائب بن یزید قال: کان القیام علٰی عھد عمر بثلاث وعشرین رکعۃ، قال ابن عبد البر: ھٰذا محمول علٰی أن الثلاث للوتر، وقال شیخنا: وماحملہ علیہ فی الحدیثین صحیح بدلیل ما روی محمد بن نصر من روایۃ یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید أنھم کانوا یقومون فی رمضان بعشرین رکعۃ فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ وأما أثر علی رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ فذکرہ وکیع عن حسن بن صالح عن عمرو بن قیس عن أبی الحسناء عن علی رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ أنہ أمررجلاً یصلی بھم رمضان عشرین رکعۃ وأما غیرھما من الصحابۃ فروی ذلک عن عبد اللّٰہ بن مسعود رواہ محمد ابن نصرالمروزی قال: أخبرنا یحیٰی بن یحیی أخبرنا حفص بن غیاث عن الأعمش عن زید بن وھب قال: کان عبد اللّٰہ بن مسعود یصلی لنا فی شھر رمضان فینصرف وعلیہ لیل،قال الأعمش: کان یصلی عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث وأماالقائلون بہ من التابعین فشیتربن شکل وابن أبی ملیکۃ والحارث الھمدانی وعطاء بن أبی رباح وأبوالبحتری وسعید بن أبی الحسن البصری أخو الحسن وعبد الرحمن ابن أبی بکر وعمران العبدی وقال ابن عبد البر: وھو قول جمھور العلماء وبہ قال الکوفیون والشافعی وأکثرالفقھاء وھوالصحیح عن أبی بن کعب من غیر خلاف من الصحابۃ،انتھٰی.(۱)

---

(۱) عمدۃ القاری، کتاب التراویح: ۸/۲۴۵-۲۴۹، انیس (کہتا ہوں میں روایت کی عبدالرزاق نے نے اپنی تصنیف میں داؤد بن قیس سے اور اوروں سے انہوں نے محمد بن یوسف سے انہوں نے سائب بن یزید سے کہ تحقیق حضرت عمرؓ نے جمع کیا لوگوں کو رمضان میں ابی بن کعب اور تمیم داری کے پیچھے اکیس رکعت پر قیام کرتے تھے سو آیت والی سورتوں کے ساتھ اور فارغ ہوتے تھے صبح صادق کے طلوع کی کہتا ہوں میں (یعنی عینی) کہا عبدالبر نے یہ محمول ہے اس پر کہ ایک رکعت وتر کی تھی ==

وقال الترمذی فی سننه: واختلف أهل العلم فی قیام رمضان فراٰی بعضهم أن یصلی إحدٰی وأربعین رکعة مع الوتر وهو قول أهل المدینة والعمل علٰی هٰذا عندهم بالمدینة وأکثر أهل العلم علٰی ما روی عن علی وعمر وغیرهما من أصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم عشرین رکعة و هو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی: وهٰکذا أدرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة، وقال أحمد: روی فی هٰذا ألوان لم یقض فیه بشیء، وقال إسحاق: بل نختار إحدٰی وأربعین رکعة علٰی ماروی عن أبی بن کعب،انتهی.(۱)

اور کتب میں بھی یہ اوراس سے زیادہ منقول ہے،اس کے ذکر میں تطویل ہے۔خلاصہ یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جن کے باب میں یہ حدیث وارد ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:"تمسکوا بعهد ابن مسعود" (الحدیث) (۲) وکان أقرب الناس هدیاً وسمتا برسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ابن مسعود.(الحدیث) (۳) بیس ۲۰ رکعت پڑھتے اوراسی کا امر فرماتے تھے تو یہ عدد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو

== اور کہا ابن عبدالبر نے روایت کی حارث بن عبدالرحمٰن بن ابی بن ذباب نے سائب بن یزید سے کہا کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قیام تئیس رکعت کے ساتھ تھا، کہا ابن عبدالبر نے یہ محمول اس پر ہے کہ تین رکعتیں وتر کی تھیں اور کہا استاذ ہمارے نے یہ مراد یعنی ابن عبدالبر کی صحیح ہے ساتھ دلیل اس کے کہ روایت کی محمد بن نصر نے روایت یزید بن خصیفہ کی سے انہوں نے سائب بن یزید سے کہ قیام کرتے تھے وہ رمضان میں بیس رکعات کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اثر حضرت علیؓ کا پس ذکر کیا اس کو وکیع نے حسن بن صالح سے انہوں نے عمرو بن قیس سے انہوں نے ابوالحسناء سے انہوں نے حضرت علیؓ سے کہ انہوں نے امر کیا ایک شخص کو کہ نماز پڑھے لوگوں کے ساتھ بیس رکعات اور لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت علی کے سواء اور صحابہ پس روایت کی گئی ہے عبداللہ بن مسعود سے میرا یہ ظن ہے کہ روایت کرنے والے محمد بن نصر مروزی ہیں کہا انہوں نے خبر دی ہم کو یحیٰ بن یحیٰ نے ان کو حفص بن غیاث نے انہوں نے اعمش سے سنا اعمش نے زید بن وہب سے کہا اس نے تھے عبداللہ بن مسعودؓ پڑھتے ہمارے ساتھ رمضان کے مہینہ میں اور فارغ ہوتے کچھ رات سے کہا اعمش نے کہ بیس رکعتیں تراویح کی تھیں اور تین وتر کی لیکن قائل بیس کے تابعین میں سے شیتر بن شکل اور ابن ابی ملیکہ اور حارث ہمدانی اور عطا ابن ابی رباح وسا بوالبختری اور سعید بن ابی الحسن البصری بھائی حسن بصری اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عمران عبدی کے ہیں اور کہا ابن عبدالبر نے یہی ہے قول اکثر علما کا اور اسی کے قائل ہیں کہ کوفہ کے علماء اور امام شافعی اور اکثر فقہاء اور یہی ثابت ہے کہ ابی بن کعب سے بدون خلاف کسی صحابی کے۔)

(۱) جامع الترمذی،باب ماجاء فی قیام شهر رمضان: ۱۶۶/۱،انیس (اور کہا ترمذی نے اپنی سنن میں کہ اختلاف کیا اہل علم نے قیاسم رمضان میں پس اعتقاد کیا بعض نے اس بات کا کہ اکتالیس رکعت پڑھے وتر سمیت اور یہی ہے قول مدینہ والوں کا اور اسی پر عمل کرتے ہیں وہ اور اکثر اہل علم اس پر عمل کرتے ہیں جو حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور صحابہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی یعنی بیس رکعت اور یہی ہے قول سفیان ثوری کا اور ابن مبارک کا اور امام شافعیؒ کا اور فرمایا امام شافعیؒ نے کہ ایسے ہی پایا ہم نے اہل مکہ کو بیس رکعات پڑھتے ہوئے اور فرمایا امام احمد نے روایت کی گئی ہیں اس میں کئی صورتیں ہیں اور نہ حکم کیا اس میں کسی طرح کا اور فرمایا اسحاق نے بلکہ ہم پسند کرتے ہیں اکتالیس رکعت جیسے کہ روایت کی گئی ابی بن کعب سے۔)

(۲) پورا عمل کرو ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) کی وصیت پر۔

(۳) اور ابن مسعودؓ تھے اقرب لوگوں میں سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ،از روئے سیرت کے اور چال چلن کے۔

محفوظ تھا،اسی واسطے اس کا التزام کیا،اگر چہ ایک ہی دو بار سہی؛لیکن تسنن کے واسطے ایک دفعہ کا فعل بھی کافی ہے اورحضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"**اقتدوا بالذین بعدی؛أبی بکر وعمر**" (۱)مطلق اقتدا کا حکم تمام امور میں فرمایا،انہوں نے بیس کا امر فرمایا اور نیز خلفاء ثلثہ عمر وعثمان وعلی جب کہ ان ہر سہ نے بیس کا امر فرمایا تو بمقتضاء "**علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدین**" (۲)اس کا عمل امت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لازم فرمایا اور تمام صحابہ موجودین زمانہ عمر میں وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم نے کبھی اس پر انکار نہ فرمایا اور برغبت قبول فرمایا، یہ اول دلیل ہے اس بات پر کہ سب کے نزدیک یہ عدد عشرین یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے نزدیک محفوظ تھا کہ کسی نے اس پر اعتراض نہ کیا اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر اس پر عمل کیا اور یا یہ کہ اطلاق قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مثبت اس عدد کا بھی سمجھا اور بطیّب خاطر اس کو قبول فرمایا،لہذا اس عدد کو مسنون ہی کہا جائے گا اور اس پر کسی وجہ سے شائبہ لفظ بدعت کا رکھنا سخت مذموم ہوگا؛ کیوں کہ اولاً مطلق قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب اعداد مطلقاً مسنون ہو گئے ہیں۔ثانیاً خود فعل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احیاناً اس کا استحباب ثابت ہوا،ثالثاً جن صحابہ کے اقتدا پر ہم کو تاکید کی گئی تھی،ان کے فعل سے یہ عدد ثابت ہوا تو گویا ان صحابہ کا فرمانا اور عمل کرنا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی فرمانا اور عمل کرنا تھا۔رابعاً سوائے ان صحابہ کے دیگر صحابہ جو صدہا تھے،کسی نے اس پر انکار نہ کیا اور سب نے اس کو بطیّب خاطر قبول فرمایا۔

پس بعد اس کے کون سی دلیل کی حاجت ہے اور اس فعل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایات صحیح ہیں اور یزید بن رومان کی حدیث میں ہر چند کہ انقطاع ہے مگر اولاً حدیث منقطع موطأ کی خود صحیح ہے کہ امام مالک صاحب کے یہاں اور سب محدثین کے یہاں قبل زمانہ شافعی سے منقطع ثقہ کی صحیح ہوتی تھی اور ابن عبد البر کہتے ہیں کہ جتنے منقطعات مالک کی ہیں،ان کے اتصال ہم نے دوسری سند سے دریافت کرلیا ہے،سوائے چار روایت کے کہ یہ روایت فعل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی،ان چار ثابت الاتصال میں داخل نہیں اور سائب بن یزید کی روایات جو اوپر مذکور ہوئیں، اس کے مؤید ہیں اور یہ صحیح ہیں اور فعل حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں بھی کوئی تعارض نہیں کہ اولاً گیارہ کا حکم کیا تھا اور پھر اکیس کا اور پھر تئیس کا اور چوں کہ اس میں بھی اختلاف زمان ہے،لہذا نہ اس میں تعارض ہے اور نہ ضعف ہے اور اگر یوں کہا جاوے کہ اول دفعہ آٹھ تراویح تھی اور تین وتر اور دوسری دفعہ اٹھارہ تراویح اور تین وتر اور تیسری دفعہ میں بیس تراویح اور تین وتر تو درست ہے اور یہ ہر سہ فعل باوقات مختلفہ صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم تھے،لہذا یہ

---

(۱) اقتدا کرو ساتھ ان دو کے جو بعد میرے ہوں گے؛یعنی حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ۔

(۲) لازم بنالو اپنے پر عمل میری سنت کا اور سنت خلفا کا جو اوروں کو ہدایت کرنے والے اور خود ہدایت یافتہ ہیں۔

سب سنت ہیں اور کوئی معارض ایک دوسرے کے نہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے اوپر معلوم ہو چکا کہ تہجد میں ہے، نہ تراویح میں، سو وہ معارض بیس کے نہیں ہوسکتی اور اگر بالفرض ہم دونوں صلوٰۃ کو ایک ہی تسلیم کریں؛ تاہم کچھ معارضہ نہیں، اس واسطے کہ یہ قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اکثر یہ ہے، نہ کلیہ اور اگر اس کو کلیہ کہا جاوے تو خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تیرہ کی روایت کرتی ہیں، چناں چہ امام مالکؒ موطأ میں روایت فرماتے ہیں اور یہ پہلے بھی گزر چکی ہے:

عن عائشة رضى اللّٰه عنها قالت: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يصلى باليل ثلٰث عشرة ركعة، ثم يصلى إذا سمع النداء للصبح بركعتين خفيفتين. (الحديث)(۱)

پس اگر وہ روایت کلیہ قرار دی جاوے تو یہ روایت غلط ہو جاوے گی اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا تیرہ رکعت روایت کرنا، جو صحیحین میں ہے، غلط ہو جاوے گا۔ پس یا اس روایت کو اکثر یہ بنایا جائے؛ تا کہ سب روایتیں صحیح رہیں، یا عدم علم حضرت عائشہؓ پر حمل کیا جاوے اور عدم علم پر حمل کرنا ظاہر ہے کہ غیر مناسب ہے، پس جیسا کہ تیرہ رکعت کی حضرت عائشہؓ سے اور دیگر صحابہ سے تصحیح ہوگئی، ایسا ہی اٹھارہ اور بیس اور زائد کی بھی تصحیح ہوسکتی ہے اور جیسا کہ تیرہ اور گیارہ میں تعارض نہیں ہے، ایسا ہی بیس میں تعارض نہ رہے گا، بہر حال اس حدیث ابن عباس کی مؤیدات موجود ہیں، پھر اس کے ضعف پر کیا نظر کی جاوے گی، اگر مقابلہ گیارہ کے روایت کی صحت تیرہ رکعت کو معتبر کیا جاتا ہے تو بیس رکعت کی روایات صحیحہ، جو صحابہ کے فعل سے معتبر ہوئیں، کس طرح معتبر نہ ہوں گی؛ بلکہ افعال صحابہ بھی حسب ارشاد جناب فخر عالم علیہ السلام کے مثل فعل رسول اللہ ہی کے ہوں گے۔ اب رہی یہ بات کہ بیس کے فعل کی نسبت خلفاء ثلثہ کی طرف ہے اور خلیفہ اول سے یہ فعل سرزد نہیں ہوا تو کچھ حرج نہیں، اس واسطے کہ خلفاء صیغہ جمع کا ہے اور اس پر الف لام داخل ہوا ہے اور قاعدہ عربیت کا ہے کہ جب الف لام جمع پر داخل ہوتا ہے تو وہ معنی عموم کے دیتا ہے، جمع اور واحد کو دونوں کو مثلاً: ''لا أتزوج النساء'' اگر کہے تو جیسا کہ بہت عورتوں کے نکاح کرنے سے حانث ہوگا، ایسا ہی ایک اور دو سے بھی حانث ہو جاتا ہے، جیسا کہ ''لا يحل لك النساء من بعد'' میں ممانعت نکاح ایک کی اور بہت کی ثابت ہوتی ہے۔ پس تین خلیفہ کا عمل اس پر ہونا کافی ہے اور اگر ایک خلیفہ بھی اس کے اوپر عمل کرتے، جب بھی کافی تھا، چہ جائیکہ تین خلیفہ نے یہ کام کیا اور سب صحابہ نے اس پر اجماع کیا اور مراد سنت الخلفاء سے حدیث میں وہ امر ہے کہ اصل اس کی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہو؛ مگر شیوع اس کا نہیں ہوا، پھر کسی خلیفہ نے

---

(۱) موطأ الإمام مالك رواية يحى الليثى، باب صلاة النبى صلى الله عليه وسلمفى الوتر، رقم الحديث: ۲٦٤، انيس (مروی ہے حضرت عائشہؓ سے کہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے رات میں تیرہ رکعتیں پھر پڑھتے تھے جب اذان صبح کی ہو جائے اور دو رکعتیں ہلکی۔)

اس کا شیوع کر دیا، سو وہ فی الحقیقت سنت رسول اللہ ہی ہے؛ مگر چوں کہ اس کا شیوع خلفاء سے ہوا، اس واسطے اس کو سنت الخلفاء فرمایا۔ پس سنت الخلفاء وہی ہے کہ اصل اس کی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہو، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ کہا تھا کہ "**علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین**"؛ اس لیے جو امر کہ مخالف سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا، وہ امر بدعت ہوگا اور صحابہ بھی اسی سنت خلفاء کو التزام کرتے تھے کہ جس کی اصل سنت رسول اللہ میں موجود ہو اور خلفاء کی سنت بھی ایسی ہی ہوتی تھی اور جب تک کہ صحابہ کو سنت خلفاء کی اصل نہ معلوم ہوتی تھی، وہ قبول نہ کرتے تھے۔

مثلاً: جس وقت کہ شیخین نے زید بن ثابت کو بلا کر جمع قرآن کے واسطے کہا تو چوں کہ زید کو یہ امر بدعت معلوم ہوا تو یہ جواب دیا کہ کس طرح کرتے ہو تم اس عمل کو، جس کو رسول اللہ نے نہیں کیا اور زید کہتے ہیں کہ اگر شیخین مجھ کو پہاڑ نقل کرنے کا حکم دیتے تو وہ میرے نزدیک سہل تھا، اس امر سے اور اس کی وجہ وہی تھی کہ وہ اس کو بدعت سمجھ رہے تھے، لہذا انہوں نے اس کو قبول نہ کیا، یہاں تک کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے ان کو سمجھا دیا کہ یہ بدعت نہیں؛ بلکہ سنت ہی ہے، اس وقت انہوں نے قبول فرمالیا۔ یہ قصہ بخاری میں موجود ہے:

عن عبيد بن السباق أن زيد بن ثابت قال: أرسل إليّ أبوبكر مقتل أهل اليمامة فإذا عمر بن الخطاب عنده، قال أبو بكر: إن عمر أتاني، فقال: إن القتل قد استحر يوم اليمامة بقراء القرآن وأني أخشى أن استحر القتل بالقراء بالمواطن فيذهب كثير من القرآن وإني أرى أن تأمر بجمع القرآن، قلت لعمر: كيف تفعل شيئًا لم يفعله رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم؟ قال عمر: هٰذا واللّٰه خير، فلم يزل عمر يراجعني حتٰى شرح اللّٰه صدري لذلک، ورأيت في ذلک الذي رأى عمر، قال زيد: قال أبو بكر: إنک رجل شاب عاقل، لا نتهمک، وقد كنت تكتب الوحي رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، فتتبع القرآن جمعه، فواللّٰه لو كلفوني نقل جبل من الحبالٰى ما كان اثقل علٰى مما أمرني به من جمع القرآن، قلت: كيف تفعلون شيئًا لم يفعله رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم؟ قال: هو واللّٰه خير، فلمه يزل أبوبكر يراجعني حتٰى شرح اللّٰه صدري للذي شرح له صدر أبي بكر وعمر. (۱)

---

(۱) صحيح البخاري، باب جمع القرآن: ۷۴۵/۲، انیس (مروی ہے زید بن سباق سے کہ تحقیق زید بن ثابت نے فرمایا کہ بھیجا کوئی آدمی حضرت ابوبکرؓ نے میرے طرف، جبکہ یمامہ والوں کے ساتھ مقاتلہ تھا، پس ناگاہ حضرت عمر کو میں نے وہاں پایا، فرمایا حضرت ابوبکرؓ نے کہ حضرت عمرؓ میرے پاس آئے اور کہا کہ قتل شدید ہوا ہے یمامہ کے مقاتلہ میں قرآن پاک کے قاریوں پر اور میں ڈرتا ہوں اگر ایسے ہی قتل رہا قاریوں پر تو اور طرفوں میں تو اکثر کلام اللہ ہمارے ہاتھوں سے جاتا رہے گا اور مناسب مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ امر کریں کلام اللہ جمع کرنے کا، کہا میں نے (یعنی حضرت ابوبکرؓ) عمرؓ کے تئیں کیسے تجویز کرتا تو ایسی بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی، ==

سواس سے صاف ظاہر ہے کہ قبول کرنا صحابہ کا سنت خلفاء کو اس وقت ہوتا تھا کہ ان کے نزدیک وہ سنت موافق سنت رسول اللہ کے ہوتی تھی۔ پس یہ سنت عشرین رکعت بھی ایسی ہی ہے کہ اس کی اصل سنت رسول اللہ میں موجود ہے، اسی واسطے تمام صحابہ نے اس وقت میں اس کو قبول کیا اور اس پر عامل رہے اور کسی وقت کسی ایک نے بھی صحابہ میں سے اس پر انکار نہ کیا، نہ اس کو مخالف سنت رسول اللہ سمجھا، اگرچہ بعض نے اس پر عمل نہ کیا ہو؛ بلکہ دوسرے عدد پر عمل کیا ہو کہ وہ بھی سنت سے ان کے نزدیک ثابت تھا؛ مگر انکار ہرگز کسی نے نہیں کیا، اگر کسی کو دعویٰ ہے تو ظاہر کرے، پس جب اجماعاً اس کا ثبوت بلا انکار قرن صحابہ میں ہوگیا تو یہ مجمع علیہ ہوگیا اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونا اس کا واضح ہوگیا: ''**قال علیه السلام: لا تجتمع أمتی علی الضلا لة**''. (۱) پس بعد ایسی دلیل قطعی کے کسی اہل فہم کو جسارت نہ ہوگی کہ اس کو بدعت کہے؛ مگر ہاں اس کو بھی سنت جان کر دوسرے عدد پر جو کہ سنت سے ثابت ہے، اس سے کم، یا زیادہ اگر اس پر عمل کرے تو ملامت نہیں؛ مگر ان لوگوں پر جو آٹھ رکعت پر قناعت کرتے ہیں اور اس سے زیادہ سے اعراض کرتے ہیں، بسبب ترک کردینے سنت خلفائے راشدین کے کہ فی نفس الامر وہ بھی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور **بقول علیه السلام: علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهد یین عضوا علیها بالنوا جذ.** (۲) جو کہ امر موکد ہے شائبہ الزام ضرور ہوگا؛ کیوں کہ مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں سنتوں کا معمول بنانا ہے۔ یہ حکم نہیں فرمایا کہ میری سنت کو لے کر خلفاء کی سنت کو ترک کردو؛ بلکہ دونوں پر التزام کرو، کما لا یخفی؛ مگر اس کو بدعت کہنا نہایت زبوں اور شنیع ہے، بعد اس کے کسی دلیل کی حاجت نہیں۔ اب روایت فتح الباری شرح بخاری کی نقل کی جاتی ہے کہ جس سے مذاہب علماء وفقہاء دریافت ہوجاویں، اگرچہ اوپر کی عبارات سے بھی معلوم ہوگئے تھے؛ مگر اس میں زیادہ بسط ہے:

قال فی فتح الباری: لم یقع فی هٰذه الر وایة عدد الر کعات التی کان یصلی بها أبی بن کعب، وقد اختلف فی ذلک ففی الموطأ عن محمد بن یوسف عن السائب بن یز ید أنها إحدٰی عشرة ورواه سعید بن منصور من وجه آخر وزاد فیه وکانوا یقرؤن با لمئتین ویقومون علی العصی من طول القیام

== کہا حضرت عمرؓ نے یہ بات کہ واللہ اچھی ہے، پس رہے حضرت عمرؓ اصرار کرتے، یہاں تک کہ جمادیا اللہ نے سینہ میرا اس بات پر اور سمجھ گیا میں وہ بات جو حضرت عمرؓ سمجھے، کہا زید بن ثابت نے: فرمایا حضرت ابوبکرؓ نے تحقیق تو توانا اور عاقل ہے، نہیں متہم جانتے ہم تم کو اور البتہ تھے لکھتے وحی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے، پس جستجو کر کلام اللہ کی اور جمع کر اسے (کہا زیدؓ نے) پس قسم اللہ کی اگر تکلیف دیتے مجھے کسی پہاڑ کے اٹھانے کی نہ گراں گزرتا مجھ پر اس سے کہ امر کیا ان دونوں نے یعنی جمع کرنا کلام اللہ کا، پس عرض کی میں نے: کیسے تجویز کرتے ہو تم ایسی چیز کہ نہیں کیا اس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے، کہا حضرت ابوبکرؓ نے: یہ بات واللہ اچھی ہے، پس ایسے ہی رہے حضرت ابوبکرؓ اصرار کرتے، یہاں تک کہ جمادیا اللہ نے جی میرا اس بات پر، جمے تھے اس پر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما۔)

(۱) فرمایا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے: نہ اکٹھی ہوگی امت میری گمراہی پر۔

(۲) (فرمایا: لازمی بنالو سنت میری اور سنت خلفاء راشدین کی جو کہ ہدایت یاب ہیں کچلیوں سے پکڑ واسے (یعنی پوری اہتمام سے۔)

ور واه محمد بن نصر المروزی من طريق محمد بن إسحق عن محمد بن يوسف فقال: ثلث عشرة ورواه عبد الر زاق من وجه أخر عن محمد بن يوسف فقال: إحدٰی وعشرين وروی مالک من طريق يزيد بن خصيفة عن السائب بن يز يد: عشرين ركعة وهٰذا محمول علٰی غير الوتر وعن يزيد بن رومان قال: كان الناس يقومون فی زمان عمر بثلث وعشر ين وروی محمد بن نصر من طريق عطاء قال: أدركتهم فی رمضان يصلون عشرين ركعة وثلث ركعات الوترو الجمع بين هٰذه الر وايات ممكن با ختلاف الأحوال ويحتمل أن ذلک الاختلاف بحسب تطويل القراء ة وتخفيفها فحيث يطيل القراء ة تقل الركعات و بالعكس وبذلک جزم الداؤدی وغيره.

والعد د الأول موافق لحديث عائشة المذكور بعد هٰذا الحديث فی الباب والثانی قريب منه والاختلاف فی ما زاد علی العشر ين راجع إلی الاختلاف فی الوتر كأنه كان تارة يوتر بواحدة وتار ة بثلا ث ور وی محمد ابن نصر من طريق داؤد بن قيس قال أدركت الناس فی إمارة أبان بن عثمان وعمر بن عبد العزيز يعنی بالمدينة يقومون بست وثلا ثين ركعة ويوترون بثلث وقال ما لک: هو الأمر القد يم عند نا وعن الزعفرانی عن الشا فعی: رأيت الناس يقومون بالمدينة بتسع وثلا ثين و بمكة بثلث وعشرين وليس فی شیء من ذلک ضيق وعنه قال: إن أطا لوا القيام وأقلوا السجود فحسن وأن أكثروا السجود واخفو القراء ة فحسن والأوّل أحب إلی، وقال الترمذی: أكثر ما قيل فيه أنها تصلی إحدٰی وأربعين ركعة يعنی بالوتر كذا قال وقد نقل ابن عبد البر عن الأسود بن يزيد يصلی أربعين يوتر بسبع وقيل ثمان وثلثين ذكره محمد بن نصر عن ابن أيمن عن مالک وهٰذ ا يمكن رده إلی الأوّل بانضمام ثلٰث الوتر؛ لكن صرح فی روايته بأنه يوتر بواحد ة فتكون أربعين إلا واحدة.

وقال مالک: وعلٰی هٰذا العمل منذ بضع ومائة سنة وعن مالک ست وأربعون وثلث الوتر وهٰذا هو المشهور عنه وقد روا ه ابن وهب عن العمر ی عن نافع قال: لم أدرک الناس إلا وهم يصلون تسعًا وثلثين يوترون منها بثلث ومن ذرارة بن أوفٰی أنه كان يصلی بهم بالبصرة أربعاً و ثلثين ويوترون وعن سعيد بن جبير أربعا وعشر ين وقيل: ست عشرة غير الو تر، روی عن أبی مجلز وعن محمد بن نصر وأخرج من طريق محمد بن إسحاق حد ثنی محمد بن يوسف عن جده السائب بن يزيد قال: كنا نصلی نر من عمر فی رمضان ثلث عشر ة، قال ابن إسحٰق: وهٰذا أثبت ما سمعت فی ذلک وهو موافق لحديث عائشة فی صلاة النبی صلی اللّٰه عليه وسلم من اليل. و اللّٰه تعالٰی أعلم انتهٰی. (۱)

(۱) فتح الباری، كتاب صلاة التراويح: ۳۱۸/٤ـ ۳۱۹، انیس (بخاری کی اس روایت میں تراویح کی تعداد مذکور نہیں ہوئی، جو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پڑھایا کرتے تھے اور اس میں مختلف روایتیں آئی ہیں، موطأ مالک میں امام ابو یوسف سے روایت کیا ہے، سائب بن یزید صحابی کہتے ہیں کہ وہ گیارہ رکعت تھیں اور اسی روایت گیارہ والی کو سعید بن منصور نے بھی دوسرے طریق سے روایت کیا ہے، ==

الحاصل گیارہ رکعت تراویح سے جو زیادہ عدد منقول ہیں، اس پر کسی نے قرون ثلثہ میں انکار نہیں کیا، اگرچہ عمل اس پر نہ کیا ہو تو بس جواز و سنت جملہ اعداد پر اجماع ہو گیا۔ بعد ازاں قرون کے اگر کسی نے اس پر انکار کیا تو وہ قابل التفات کے نہیں، لہٰذا بیس رکعات کو، یا اس سے زیادہ کو بدعت کہنا ہرگز سزاوار نہیں، چناں چہ واضح ہو گیا اور یہ مدعا درصورت اتحاد دونوں صلوٰۃ کے بھی حاصل ہے، بحث تفرقہ ہر دو صلوٰۃ کے بسبب سوال سائل کی گئی، اگرچہ رائے بعض علمائے سلف سے یہ رائے خلاف ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد عفی عنہ گنگوہی، ۱۶؍شوال ۱۳۱۵ھ (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۰۶-۳۲۳)

== اور یہ بھی روایت کیا ہے کہ وہ مئین سورتیں پڑھا کرتے تھے اور طول قرأت کے سبب عصا پر تکیہ لگا کر کھڑے ہوتے تھے اور روایت اس کو محمد بن نصر مروزی نے محمد بن یوسف سے اور اس میں تیرہ رکعت بیان کی ہیں اور مالک نے یزید بن خصیفہ کے طریق سے اس نے سائب بن یزید سے بیس رکعت روایت کی ہے اور یہ سوائے وتر کے معمول ہیں اور یزید بن رومان سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تئیس رکعت پڑھا کرتے تھے، ان روایات میں یوں تطبیق دی جا سکتی ہے، سب روایتیں مختلف اوقات پر محمول ہیں (یعنی کبھی گیارہ رکعت، کبھی تیرہ رکعت اور کبھی اکیس، کبھی تئیس پڑھتے تھے) اور یہ بھی احتمال ہے کہ رکعتوں کی کمی زیادتی قرأت کے زیادہ اور کم ہونے کے باعث ہے، جب قرأت زیادہ پڑھتے تو رکعتیں کم کر دیتے اور بالعکس اسی تطبیق کے ساتھ داؤدی وغیرہ اہل علم نے جزم کیا ہے۔

اور پہلا عدد گیارہ رکعت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے موافق ہے، جو اسی باب میں حضرت عائشہ کی حدیث میں مذکور ہے اور دوسرا عدد تیرہ کا بھی اسی کے قریب ہے اور بیس سے زیادہ اکیس اور تئیس میں اختلاف ہے، وہ وتر کی کمی زیادتی کی وجہ سے ہے، کبھی ایک وتر پڑھتے تو اکیس ہو جاتیں اور تین تین پڑھتے تو تئیس اور محمد بن نصر نے روایت کی ہے کہ داؤد بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں لوگوں کو مدینہ میں چھتیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتا پایا ہے، مالک نے کہا کہ ہمارے نزدیک یہی قدیم سے رائج ہے اور زعفرانی سے روایت ہے کہ شافعی نے کہا کہ میں نے لوگوں کو انتالیس اور مکہ میں تئیس رکعت تراویح پڑھتے دیکھا ہے اور ان میں کسی بات پر تنگی نہیں ہے اور شافعیؒ ہی سے روایت ہے کہ اس قیام کو لمبا اور رکعتوں کو کم کریں تو اچھا ہے اور رکعتیں زیادہ پڑھیں اور قرأت کو کم کر دیں تو بھی اچھا ہے؛ لیکن قرأت کو زیادہ کرنا اور رکعتوں کو کم کرنا میرے نزدیک محبوب تر ہے، ترمذی نے کہا زیادہ سے زیادہ اکتالیس رکعت تک مروی ہے؛ یعنی وتر سمیت ترمذی نے ایسا ہی ذکر کیا ہے اور تحقیق ابن عبدالبر نے نقل کیا ہے کہا اسود بن یزید سینتالیس رکعت پڑھتے تھے اور بعض نے کہا کہ اڑتیس رکعت، اس کو محمد بن نصر نے بروایت ابن ایمن مالک سے روایت کیا ہے اور اس کے ساتھ تین وتر ملانے سے وہی ہو سکتی ہیں؛ لیکن اس میں ایک وتر کی تصریح کی ہے تو انتالیس رکعت ہوئیں۔

مالک نے کہا: کئی اوپر برس سے اسی پر عمل چلا آرہا ہے اور مالک سے چھتیس رکعت نفل اور تین وتر بھی منقول ہیں اور مشہور ان سے اسی طرح ہے اور تحقیق ابن وہب نے عمری سے اور عمری نے نافع سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے جن (لوگوں) کا زمانہ پایا ہے، وہ انتالیس رکعت پڑھتے تھے کہ تین ان میں وتر ہوتے تھے کہ ان میں وتر ہوتے اور زرارہ بن اوفیٰ تابعی سے روایت ہے کہ وہ بصرہ میں لوگوں کو علاوہ وتر کے چونتیس رکعت پڑھاتے تھے اور سعید بن جبیر (تابعی کبیر) سے علاوہ وتر کے چوبیس رکعت کی روایت کی ہے اور بعض نے کہا علاوہ وتر کے سولہ رکعت روایت کیا، اس کو محمد بن نصر نے ابی مجلز (تابعی) سے، محمد بن نصر نے محمد بن اسحاق سے روایت کی ہے کہ مجھ کو محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی کہ ان کے دادا سائب بن یزید صحابی نے کہا کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تیرہ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے، ابن اسحاق تابعی کہتے ہیں کہ اساتذہ سے جو ہم نے سنا ہے، اس میں یہی تیرہ رکعت کی زیادہ ثابت ہیں اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز شب کے موافق یہی ہے جو حضرت عائشہ کی حدیث میں مذکور ہے۔)

المفاتیح لابواب التراویح بجواب اشتہار التحقیق فی اعداد التراویح:

سوال: بعد الحمد والصلوٰۃ، غیر مقلدین کی طرف سے ایک اشتہار (اشتہار کا عنوان ''التحقیق فی اعداد التراویح'' تھا اور مشتہر کا نام حافظ محمد عمر ٹھیکہ دار لوہا منڈی اکبر آباد لکھا ہوا تھا، یہ بوالعجبی دیکھئے کہ ٹھیکہ دار بھی مجتہد بننے کا دعویٰ کرتے ہیں؛ کیوں کہ حدیث سے ایک مسئلہ کو ثابت کرنا اور دوسرے عالموں کے مسئلہ کو رد کرنا مجتہد ہی کا تو کام ہے) شائع ہوا ہے، جس میں تراویح کی گیارہ رکعت کے سنت ہونے پر زور دیا گیا ہے اور بیس رکعات کی سنیت سے انکار کیا گیا ہے، اور ستم ظریفی دیکھو کہ حاشیہ اشتہار میں حنفیہ کو اعلان دیا ہے کہ جو کوئی حدیث صحیح، جو اپنے معنی میں صریح ہو، پیش کر دے، اس کو دس روپیہ انعام فی حدیث دیا جائے گا۔

اس کے جواب میں مجھے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ پہلے جماعت غیر مقلدین ''حدیث صحیح'' کی تعریف کسی حدیث ہی سے بیان کر دیں اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے یہ ثابت کریں کہ حدیث حسن اور ضعیف ومرسل ومعضل ومعلل وشاذ ومنکر ومدلس وغیرہ کی یہ تعریف ہے اور ان میں سے فلاں قابلِ قبول ہے اور فلاں قابلِ قبول نہیں؛ بلکہ قابلِ رد ہے تو ہم ان کو فی حدیث مرفوع بجائے دس کے دہ چند دینے کو تیار ہیں اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قولِ صریح سے ان امور کو ثابت نہ کر سکیں تو پھر وہ ہم کو بتلائیں کہ ''حدیث صحیح'' کے معنی جو کچھ بھی ان کے نزدیک ہیں، انھوں نے کہاں سے اخذ کئے، کتاب اللہ اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تو یقیناً ماخوذ نہیں، پھر کہیں قیاس و اجماع سے تو ماخوذ نہیں، جس سے غیر مقلدین کوسوں دور بھاگتے ہیں، اگر قیاس واجماع سے ماخوذ ہے تو براہِ کرم یہ بھی بتلا دیں کہ قیاس واجماع صحابہ کا ہے، یا تابعین کا اور تابعین میں سے فقہاء کا ہے، یا محدثین کا، یا دونوں کا اور یہ کہ فقہاء، یا محدثین کا قیاس واجماع غیر مقلدوں کے نزدیک اس بارے میں حجت کیوں کر ہو گیا؟ جن کے یہاں تقلیدِ علماء شرک ہے، کیا براہِ عنایت وہ کسی آیت، یا حدیث سے یہ ثابت کریں گے کہ حدیث کی تعریف وتصحیح وتضعیف وغیرہ میں فقہاء، یا محدثین کا قیاس واجماع حجت ہے اور اس کی تقلید حنفیہ اور غیر مقلدین سب پر فرض ہے اور باقی مسائل میں تقلید حرام اور شرک ہے، جب تک جماعت غیر مقلدین ان سب مسائل کو حدیث ہی سے ثابت نہ کر دیں، اس وقت تک ان کو کسی مسئلہ میں نہ خود حدیث صحیح پیش کرنے کا حق ہے، نہ حنفیہ سے مطالبہ کا حق ہے؛ کیوں کہ جو حدیث وہ پیش کریں گے، ہم کو ان سے اس سوال کا حق ہے کہ اس حدیث کا صحیح ہونا کتاب اللہ سے معلوم ہوا، یا سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے، یا قیاس سے، یا اجماع سے، الیٰ آخر السوالات التی ذکرنا ھا۔

نیز ہم کو یہ بھی سوال کرنے کا حق ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ قبولِ حدیث ورد حدیث میں بخاری ومسلم وترمذی واحمد

وغیرہ کی تقلید تو حجت اور واجب، یا جائز ہو اور فہم معانی حدیث میں حضرت ابوحنیفہ و مالک و شافعی رحمہم اللہ کی تقلید ناجائز وحرام ہو، کما ہو زعم الطائفۃ الغیر المقلدین۔

اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ غیر مقلد مشتہر نے جس قدر حدیثیں اپنی اشتہار میں گیارہ رکعت تراویح کے متعلق درج کی ہیں اور ان کی صحت کا دعویٰ کیا ہے، اس نے اپنے اس دعوے کی صحت پر کوئی دلیل کتاب اللہ، یا سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قائم نہیں کی، پھر وہ کیوں کر ان کو صحیح کہتا اور ان کے تسلیم کو ہم پر لازم بتاتا ہے اور اگر اقوالِ علماء سے ان کی صحت ثابت کرنے کا مدعی ہے تو وہ ان علماء کا نام لے، جنھوں نے ان کو صحیح کہا ہے اور بتلائے کہ اس معاملہ میں وہ ان کی تقلید کیوں کرنے لگا، نیز ہم کو ان کی تقلید پر کس دلیل سے مجبور کر سکتا ہے۔

اب میں اس کی پیش کردہ احادیث کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں، اس نے سب سے پہلے بخاری ومسلم کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان و غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ غیر مقلد کو صلوٰۃ اللیل کی کیفیت و کمیت کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تمام روایات کو دیکھنا چاہیے تھا، جو بخاری ومسلم وسنن اربعہ میں مذکور ہیں، اگر وہ سب روایتوں کو دیکھ لیتا تو ہرگز اس کو دلیل میں پیش کرنے کی جرأت نہ کرتا؛ کیوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی روایت میں تو یہ منقول ہے کہ آپ گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے، نہ رمضان میں، نہ رمضان کے علاوہ اور بعض روایات میں بخاری کی یہ ہے کہ آپ تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے اور بعض روایات مسلم میں یہ ہے کہ آپ وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر بھی پڑھتے تھے تو کل مقدار رکعات پندرہ ہوئیں اور بعض روایات سے سترہ رکعتوں کا ثبوت ہوتا ہے؛ اسی لیے امام قرطبی شارح مسلمؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات میں بہت سے اہلِ علم کو اشکال وخلجان ہے، حتّٰی کہ بعض علماء نے ان کی حدیث کو مضطرب کہا ہے۔ (دیکھو! فتح الباری: ۳/۱۷)

قال القرطبی: أشکلت روایات عائشۃ علٰی کثیر من أھل العلم حتٰی نسب بعضھم حدیثھا إلی الاضطراب، آہ.

اور جس نے اصولِ حدیث پڑھا ہے، وہ جانتا ہے کہ حدیثِ مضطرب سے استدلال واحتجاج صحیح نہیں، جب تک اضطراب رفع نہ ہو۔ پس اوّل غیر مقلد مشتہر اس حدیث کے اضطراب کو رفع کرے، اس کے بعد اس سے احتجاج کرے اور اضطراب کو رفع کرتے ہوئے یہ بھی سوچ لے کہ حنفیہ پر اس کی بیان کردہ تاویل وتقریر حجت نہ ہوگی، ممکن ہے کہ وہ کسی دوسری تقریر سے اضطراب کو رفع کریں، نیز یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایات سے معلوم

ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں اور دنوں سے زیادہ عبادت کرتے تھے، پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ ہی رکعتیں پڑھتے ہوں اور یہ احادیث ہم آئندہ بیان کریں گے۔

اس کے بعد اس نے صحیح ابن خزیمہ وابن حبان کے حوالہ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو رمضان میں آٹھ رکعت نماز اور وتر پڑھائی، آھ''۔ اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے غیر مقلد کو شرمانا چاہیے؛ کیوں کہ اب تک یہ لوگ تراویح کی جماعت کو سنتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہتے تھے؛ بلکہ الگ الگ تراویح پڑھنے کو سنتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جماعتِ تراویح کو سنتِ عمر یہ کہتے تھے، اب وہ وقت آگیا کہ غیر مقلدین بھی جماعتِ تراویح کو سنتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم ماننے لگے، صرف عدد میں اختلاف رہ گیا، سوان شاء اللہ کچھ دنوں میں یہ اختلاف بھی رفع ہو جائے گا۔

اب سنئے کہ اس حدیث سے غیر مقلد نے بیس رکعت تراویح کی نفی پر استدلال کیا ہے، حالاں کہ اس سے بیس کی نفی کسی طرح بھی نہیں ہوئی؛ کیوں کہ ایک عدد کا ثبوت دوسرے کی نفی کو مستلزم نہیں، البتہ اگر غیر مقلد اس بات کو ثابت کر دے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی ہر رات میں تراویح کی جماعت کا اہتمام کرتے تھے اور صحابہ کو عام طور پر اس کی اطلاع تھی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ تراویح کی جماعت میں شروع سے آخر تک شریک تھے تو بیشک اس سے بیس رکعت کی نفی ہو جائے گی، ورنہ یہ احتمال باقی رہے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح آٹھ رکعت سے زیادہ پڑھی ہوگی اور صحابہ کو بوجہ خوف فرضیت کے جمع نہیں کیا اور اس لیے عام طور پر سب کو اطلاع نہیں کی، پھر کیف ما اتفق جس کو جس وقت خبر ملی آکر شریک ہو گیا، من جملہ ان کے حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی تھے، جن کو آٹھ رکعت ملی، اور اس احتمال کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے ہوتی ہے، جو بخاری (۱۵۲/۱) میں مذکور ہے:

''أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلّی ذات لیلة فی المسجد فصلّٰی بصلاته ناس، ثم صلی القابلة فکثر الناس ثم اجتمعوا من الثالثة، فلم یخرج إلیهم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وقال: لم یمنعنی من الخروج إلیکم إلاّ أنی خشیت أن یفرض علیکم. (الحدیث)(۱)

اس کے بعد غیر مقلد مشتہر نے امام محمد مروزیؒ کے قیام اللیل سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بلا سند نقل کی ہے کہ ''حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ صحابی رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: یارسول اللہ! آج رات مجھ سے کچھ ہو گیا ہے، فرمایا: بیان کرو، کہا: میرے محلّہ کی عورتوں نے کہا کہ ہم قرآن نہیں پڑھ سکتے ہیں، ہم تمہارے پیچھے نماز پڑھیں گے تو میں نے ان کو آٹھ رکعت نماز پڑھائی اور وتر پڑھائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سن کر خاموش ہو گئے'' الخ۔

اس کے متعلق عرض ہے کہ غیر مقلد نے اس حدیث کی سند نقل نہیں کی اور نہ کسی امام کے قول سے اس کی تصحیح بیان کی

---

(۱) صحیح البخاری: ۱۵۲/۱، انیس

اور بدون اس کے اس کو استدلال کا کیا حق ہے؟ افسوس؛ غیر مقلد ہم سے تو حدیث صحیح ونص صریح کا مطالبہ کرتے ہیں، اور خود مطلق العنان ہوکر احادیث نقل کرتے ہیں، گویا حدیث کے صحیح کرنے کی باگ ڈوران کے ہاتھ میں ہے کہ جس کو چاہیں گے، صحیح کر دیں گے، پس اول غیر مقلد اس حدیث کی صحت ثابت کرے اور اس کے بعد یہ بتلائے کہ اس سے بیس کی نفی کیوں کر ہوئی، کیا یہ احتمال نہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ نے بارہ رکعت تراویح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مسجد میں، یا تنہا پڑھ لی ہوں، اس کے بعد گھر پہونچے اور عورتوں کے اصرار پر آٹھ رکعت ان کو پڑھا دی ہوں؟

اس کے بعد مشتہر نے مؤطا امام مالکؒ ومصنف ابن ابی شیبہؒ وسنن سعید بن منصورؒ سے سائب بن یزید کا یہ اثر بیان کیا ہے کہ ''امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب وتمیم داری رضی اللہ عنہما کو فرمایا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں'' الخ۔

سو مشتہر کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ اثر صحیح نہیں ہے، گو راوی سب ثقہ ہیں؛ مگر یہ مضطرب المتن ہے، محمد بن یوسف راوی پر اس میں اختلاف ہوا ہے، مالک اور یحییٰ قطان اور عبدالعزیز بن محمد نے محمد بن یوسف سے گیارہ رکعت روایت کی ہیں اور قیام اللیل مروزی میں محمد بن اسحٰق نے محمد بن یوسف سے تیرہ رکعت روایت کی ہیں اور مصنف عبدالرزاق میں داؤد بن قیس وغیرہ نے انہی محمد بن یوسف کے واسطہ سے سائب بن یزید سے اکیس رکعت بیان کی ہیں۔ (دیکھو فتح الباری: ۲۱۹/۴)(۱) اور حافظ ابن عبدالبرؒ نے گیارہ رکعت کی روایت کو راوی کا وہم بتلایا ہے۔ (دیکھو زرقانی شرح موطأ: ۲۱۵/۱) اور سائب بن یزید سے محفوظ اور صحیح روایت وہ ہے جس کو مالک اور بیہقی نے یزید بن خصیفہ کے واسطہ سے سائب بن یزید سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیس رکعت (تراویح) اور وتر کے ساتھ قیام رمضان ہوتا تھا۔ (دیکھو! التعلیق الحسن: ۲/۵۷، اور فتح الباری: ۳۱۹/۴) اور اس کے محفوظ اور صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے الفاظ میں راویوں نے اختلاف نہیں کیا، دوسرے اس کے مؤیدات بہت زیادہ ہیں۔

من جملہ ان کے وہ ہے جو مالک نے موطأ میں یزید بن رومان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں لوگ رمضان میں تیئیس رکعت کے ساتھ قیام کرتے تھے، (مراد تراویح ہے) اور ابن ابی شیبہؒ نے اپنے مصنف میں یحیی بن سعیدؒ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائے اور ابن ابی شیبہؒ نے عبدالعزیز بن رفیع سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ رمضان میں مدینہ کے لوگوں کو بیس رکعت (تراویح) اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے اور ان تینوں کی سند صحیح ہے، (دیکھو موطأ اور تعلیق حسن) البتہ یہ مؤیدات مرسل ہیں؛ مگر مرسل کے سب راوی ثقہ ہوں تو وہ ہمارے نزدیک مثل موصول کے ہے، اگر غیر مقلد اس کے ضعیف ہونے کا دعویٰ

---

(۱) عمدة القاری: ۲٤٥/۸، انیس

کریں تو کتاب وسنت سے دلیل لائیں، کسی عالم کا قول بیان نہ کریں؛ کیوں کہ کسی عالم کا قول جب خود ان کے اوپر حجت نہیں تو دوسروں پر اس سے حجت قائم کرنے کا ان کو کیا حق ہے، دوسرے اگر وہ دو عالموں کا قول اپنی تائید میں لائیں گے تو ہم دس کا قول اس کے خلاف دکھلا سکتے ہیں۔

مشتہر نے حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ کا قول نقل کیا ہے کہ پہلا عدد گیارہ رکعت کا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے موافق ہے، آھ۔

اس کے متعلق صرف ہم یہ چاہتے ہیں کہ اول مشتہر یہ بتلائے کہ کیا وہ حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ کا مقلد ہے، یا ان کی تقلید کو دوسروں پر واجب سمجھتا ہے۔ دوسرے فتح الباری کی عبارت بعینہ مع حوالہ صفحہ وسطر کے شائع کرے؛ کیوں کہ ہم کو مشتہر کی فہم کا چند مواقع کے مطالعہ سے اندازہ ہو گیا ہے کہ وہ کچھ کا کچھ سمجھ جاتا ہے، یا مخلوق کو دھوکہ دینا چاہتا ہے، ہم اس کو متنبہ کرتے ہیں کہ یہ قول حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ کا نہیں؛ بلکہ ابن اسحٰق صاحب مغازی کا ہے اور گیارہ کے متعلق نہیں؛ بلکہ تیرہ کے متعلق ہے، اس کے بعد اس نے علامہ جلال الدین سیوطیؒ کے رسائل تسعہ کے حوالہ سے امام مالک علیہ الرحمہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے گیارہ رکعت کو زیادہ محبوب بتلایا ہے اور یہ کہ یہی مقدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی تھی اور فرمایا کہ میں اس کی وجہ نہیں جانتا کہ یہ زیادہ رکعتیں کہاں سے اور کیوں پیدا ہو گئیں، آھ ملخصاً۔

اس کے متعلق بھی ہم سوالات مذکورہ کا اعادہ کر کے یہ کہتے ہیں کہ بالفرض اگر یہ قول امام مالکؒ سے کسی نے نقل بھی کیا ہو تو اس کی سند دیکھنا ضروری ہے، ورنہ امام مالکؒ کی طرف اس کی نسبت جائز نہیں ہو سکتی؛ کیوں کہ مدونہ مالک میں جو سحنون مالکی ثقہ کی روایت ابن القاسم مالکی ثقہ سے ہے اور ابن قاسم بلا واسطہ امام مالکؒ کے شاگرد ہیں، اس کے خلاف یہ مرقوم ہے۔

قال مالک: بعث إلى الأمير وأراد أن ينقص من قيام رمضان الذى كان يقومه الناس بالمدينة قال ابن القاسم وهو تسعة وثلاثون ركعة ست وثلاثون ركعة والوتر ثلاث قال مالک فنهيته أن ينقص من ذلک شيئًا وقلت له هٰذا ما أدركت الناس عليه وهٰذا الامر القديم الذى لم تزل الناس عليه. (۱۹۳/۱)

جس میں صاف تصریح ہے کہ امام مالک کے نزدیک تراویح چھتیس رکعت ہے اور وہ اس سے کم کرنے کو منع کرتے ہیں اور اس کو عملِ قدیم سمجھتے ہیں، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ امام مالک گیارہ رکعت سے زیادہ پر تعجب ظاہر کرتے ہوں اور یوں کہیں کہ میں اس کی وجہ نہیں جانتا کہ یہ زیادہ رکعتیں کہاں سے پیدا ہو گئیں۔

اس کے بعد مدونہ میں نافع اور حضرت عمر بن عبدالعزیز سے چھتیس رکعت کی روایت نقل کی گئی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ امام مالکؒ کے پاس عملِ اہلِ مدینہ کے علاوہ روایت بھی گیارہ رکعت سے زیادہ کے ثبوت میں موجود ہے۔

اس کے بعد مشتہر نے علامہ عینی حنفی کی شرح بخاری سے یہ نقل کیا ہے کہ بعض ائمہ کا مذہب گیارہ رکعت تراویح کا ہے، اور اسی کو امام مالک نے اپنے نفس کے لیے پسند فرمایا، الخ۔

اس کے متعلق ہم کو مشتہر کے انصاف کی داد دینا ضروری ہے کہ علامہ عینی حنفی نے جس عدد کو جمہور صحابہ اور جمہور علماء سے نقل کیا تھا اور جس کی تائید میں بہت سے آثار نقل کئے تھے، اس کو تو چھوڑ دیا اور جس قول کو سب سے اخیر میں تضعیف کے صیغہ سے نقل کیا تھا، اس پر زور دینے لگا۔ دوسرے ہم اس کے متعلق بھی تصحیح سند کا مطالبہ کرتے ہیں؛ کیوں کہ امام مالکؒ کا قول مدونہ میں اس کے خلاف مذکور ہے اور مدونہ فقہ مالکی کا فتویٰ معتبر ہے، اس کے مقابلہ میں کوئی روایت امام مالک کی طرف منسوب نہیں کی جا سکتی، اگر امام مالکؒ کے نزدیک گیارہ رکعت مختار ہوتی تو مدونہ میں ضرور اس کا ذکر ہوتا، قاضی ابن رشد نے بھی بدایۃ المجتہد میں امام مالک سے ایک روایت تو بیس رکعت کی جمہور کے موافق نقل کی ہے اور دوسری روایت چھتیس رکعت کی نقل کی ہے، گیارہ کا کوئی ذکر نہیں، پس گیارہ کی روایت امام مالک علیہ الرحمہ سے یقیناً ضعیف ہے۔

اور شیخ ابوبکر بن العربی ائمہ مجتہدین میں سے نہیں ہیں؛ بلکہ خود مقلد ہیں، ان کا قول مقلدین پر حجت ہے اور غیر مقلدین سے حیرت ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ وشافعی ومالک واحمد کی تقلید سے تو عار کرتے ہیں اور ان کے مقلدوں کی تقلید کو تیار ہیں، کہیں حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ کا نام لیتے ہیں، کہیں حافظ ابوبکر بن العربی کا۔

اس کے بعد مشتہر نے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی ما ثبت بالسنۃ اور شرح مشکوٰۃ وغیرہ کے حوالے سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ صحیح روایت وہ ہے، جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ رکعتیں پڑھیں، جیسا کہ آپ کی قیام اللیل میں عادت تھی اور نقل کیا گیا ہے کہ بعض سلف امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز کی خلافت میں گیارہ رکعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت کی نیت سے پڑھتے ہیں، آہ۔

اس عبارت کے نقل کرنے میں مشتہر نے بڑی چالاکی سے کام لیا ہے؛ کیوں کہ اس نے اس قول کو جو شیخ عبدالحق علیہ الرحمہ نے محدثین سے نقل کیا تھا، خود شیخ کا قول بتا کر حنفیہ کو دھوکا دیا ہے کہ دیکھو شیخ عبدالحق حنفی بھی گیارہ رکعت کے قائل ہیں، حالاں کہ شیخ کی عبارت اس طرح ہے:

فعندنا هي عشرون ركعة لما روى البيهقي بإسناد صحيح إلى أن قال وروى ابن عباس أنه صلّى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عشرين ركعة في رمضان وأوتر بعدها بثلث لكن المحدثين قالوا: أن هٰذا لحديث ضعيف والصحيح ماروته عائشة أنه صلّى إحدٰى عشرة ركعة، إلخ.

جس کو ذرا بھی عربی سے مس ہوگا، وہ سمجھ جائے گا کہ گیارہ رکعت کے عدد کو ترجیح شیخ عبدالحق علیہ الرحمہ خود نہیں دے رہے؛ بلکہ محدثین کا قول نقل کر رہے ہیں اور خود شیخ کے نزدیک تو راجح بیس ہی کا عدد ہے، جس کو سب سے اول بیہقی کی

سند صحیح کے حوالہ سے لکھا ہے اور خلاف عمر بن عبدالعزیزؒ میں جن بعض سلف کا فعل بیان کیا جاتا ہے، اس کی کوئی سند نہیں، نہ یہ معلوم کہ یہ بعض سلف کون ہیں؟ کہیں محمد بن اسحٰق صاحب مغازی اور واقدی تو نہیں؟ اور ایسی بے سند بات سے استدلال کرنا غیر مقلد کی ابتداعِ حدیث صحیح کی کافی دلیل ہے، اس کے بعد مشتہر نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا قول مبدأ و معاد سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ مشابہت کرنا چاہیے، اگرچہ بحسب ظاہر کیوں نہ ہوا، الخ۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تو ہر حنفی کا ایمان ہے اور تمام مقلدین خواہ حنفی ہوں، یا شافعی، تراویح کی بیس رکعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سنت کا اتباع کر کے پڑھتے ہیں اور ہم اوپر محدثین ہی کے قول سے بتلا چکے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت جس میں گیارہ کا ذکر ہے، مضطرب ہے اور جب تک اضطراب رفع نہ ہو، اس وقت تک وہ حدیث حجت نہیں۔

اس کے بعد مشتہر نے علامہ ابن ہمام کا قول فتح القدیر سے نقل کیا ہے کہ حاصل احادیث وآثار صحابہ سے ازروئے دلیل یہ ہے کہ تراویح سنت گیارہ رکعت مع وتر جماعت ہیں، الخ۔

مشتہر نے علامہ ابن ہمام علیہ الرحمہ کی عبارت میں ایسی کانٹ چھانٹ کی ہے، جس نے اس کی دیانت کی قلعی کھول دی، علامہ ابن ہمام علیہ الرحمہ کی عبارت سے یہ مطلب ہرگز نہیں نکلتا کہ تراویح بیس رکعت سنتِ نبویہ نہیں؛ بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ بیس رکعت تراویح اور وتر میں سے گیارہ رکعت تو سنت نبویہ ہے اور باقی بارہ رکعتیں سنت خلفائے راشدین ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سنت خلفاء کے اتباع کی بھی دعوت دی ہے، اپنے ارشاد "**علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين**، آہ (**أخرجه الترمذی وقال حسن صحيح**) میں۔

بتلایئے اس کا یہ مطلب کیوں کر نکلا کہ تراویح بیس نہ پڑھنا چاہیے؛ بلکہ گیارہ پڑھنا چاہیے، یا یہ کہ بیس رکعت سنت نہیں؛ بلکہ علامہ تو بیس کو سنت مان کر یہ تفصیل کرتے ہیں کہ ان میں سے گیارہ رکعت سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور باقی سنت خلفاء ہے۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ ان بیس سنتوں میں سے گیارہ بہت زیادہ مؤکد ہیں اور باقی ان کے برابر مؤکد نہیں اور سنن مؤکدہ میں باہم فرق مراتب ہو سکتا ہے، جیسا کہ سنتِ فجر تمام سنن مؤکدہ سے آکد ہے، اگر کسی کے نزدیک علامہ ابن ہمام علیہ الرحمہ کی عبارت کا یہ مطلب نہیں تو ہمارے اوپر غیر مقلدین کی فہم حجت نہیں؛ کیوں کہ علماء حنفیہ کے اقوال کا مطلب وہ ہم سب سے زیادہ نہیں سمجھ سکتے۔

اور بعد تسلیم کے ہم کو یہ بھی کہنے کا حق ہے کہ امام ابن ہمام علیہ الرحمہ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ سنتِ نبویہ کو نہیں سمجھ سکتے تو جب امام ابوحنیفہؒ نے بیس رکعات کو سنتِ مؤکدہ فرمایا ہے، ان کے مقابلہ میں ابن ہمام علیہ الرحمہ کا قول کوئی چیز نہیں، حنفیہ نے امام ابوحنیفہ اور صاحبین علیہم الرحمہ کی تقلید کا التزام کیا ہے، ابن ہمام علیہ الرحمہ کی تقلید کا التزام

نہیں کیا۔ پس اگر غیر مقلد کو اقوال علماء بیان کرنے سے حنفیہ پر الزام قائم کرنا مقصود ہے تو وہ امام ابوحنیفہ یا صاحبین علیہم الرحمہ کا کوئی قول پیش کریں، جن میں انھوں نے صرف گیارہ رکعت کو سنت فرمایا ہو اور بیس کو خلاف سنت کہا ہو؛ کیوں کہ اصلی اکابر حنفیہ یہی حضرات ہیں، ان کے مقابلہ میں سب اکابر و مشائخ اصاغر ہیں اور ہم عنقریب احادیث وآثار صحابہ ہی سے بیس رکعات تراویح کی مسنونیت کا ثبوت دینے والے ہیں، ناظرین منتظر رہیں۔

اس کے بعد مشتہر نے البحر الرائق وطحطاوی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ تحقیق ثابت ہوتی ہے تعداد گیارہ رکعات مع وتر صحیح بخاری وصحیح مسلم میں تو اس صورت میں ہمارے مشائخ حنفیہ کے اصول پر از روئے دلیل آٹھ ہی رکعت ہیں، آہ۔

یہاں بھی مشتہر نے دھوکا دیا ہے؛ کیوں کہ البحر الرائق وطحطاوی وغیرہ نے علامہ ابن ہمام علیہ الرحمہ ہی کا قول فتح القدیر سے نقل کیا ہے، خود صاحب بحر وطحطاوی نے اپنی ذاتی رائے بیان نہیں کی، پس اس کو صاحب بحر وطحطاوی کا قول بتا کر نقل کرنا عجیب حرکت ہے، نیز مشتہر نے بحر وطحطاوی کی عبارت کا ترجمہ بھی غلط کیا ہے، اس کو لازم ہے کہ اصل عبارت پیش کرے اور علامہ ابن ہمام کا مطلب ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، اسی جواب کا یہاں بھی اعادہ کرلیا جائے۔

اس کے مشتہر نے فتح المعین شرح کی ایک عبارت نقل کی ہے، چوں کہ فتح المعین میرے پاس نہیں ہے، اس کے متعلق میں تفصیل کے ساتھ مشتہر کی دیانت کو ظاہر نہیں کرسکتا، ہاں اجمالاً اتنا کہتا ہوں کہ یہ قول شارح کنز کا نہیں ہے؛ بلکہ غالباً اس نے محدثین کا قول نقل کیا ہے اور مشتہر کی عادت ہے کہ وہ ہر منقول کو ناقل کا قول بنا دیتا ہے، جیسا کہ شیخ عبدالحقؒ کی عبارت میں وہ ایسا کر چکا ہے۔

اس کے بعد مشتہر نے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالۂ حق الصریح کے حوالہ سے علامہ قدوری حنفی کا قول نقل کیا ہے کہ تراویح آٹھ رکعت سنت مؤکدہ ہے، اس کے بعد خود مولانا گنگوہیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ گیارہ رکعت تراویح ثابت اور مؤکدتر ہے، الخ۔

سو ہم نے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا رسالہ حق الصریح اب تک نہیں سنا، شاید اس نام کا کوئی رسالہ مشتہر کے گھر بیٹھ کر مولانا نے تصنیف کیا ہو، ہاں ''الرایٔ النجیح فی عدد رکعات التراویح'' مولانا کا رسالہ ہم نے ضرور دیکھا ہے، اس میں تو ان باتوں میں سے ایک کا بھی پتہ نہیں، جو مشتہر نے نقل کی ہیں، نہ اس میں علامہ قدوری کا قول مذکور ہے، نہ خود مولانا گنگوہی کا یہ قول ہے کہ گیارہ رکعت تراویح ثابت اور مؤکدتر ہیں؛ بلکہ اس میں تو مشتہر کے خلاف مولانا علیہ الرحمہ نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث جس میں فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعت سے زیادہ رمضان وغیر رمضان میں نہیں پڑھتے تھے، الخ، تراویح کے متعلق نہیں؛ بلکہ صرف تہجد کے متعلق ہے؛ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں اس سے زیادہ غالب اوقات میں نہ پڑھتے تھے؛ کیوں کہ تہجد میں بھی یہ حدیث کلی

نہیں؛ بلکہ اکثری ہے،خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسری روایات سے گیارہ پر زیادات اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کی روایات سے اس سے زیادہ رکعات تہجد میں ثابت ہیں۔ (ملاحظہ ہو،ص:۸-۹)

اس کے بعد مشتہر نے سیدی مرشدی مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مدنی کا یہ قول براہین قاطعہ سے نقل کیا ہے کہ سنت مؤکدہ ہونا آٹھ رکعت تراویح کا تو بالاتفاق ہے،انتہی۔ واقعی مشتہر کو عبارت کی قطع و برید اور مبتدا کو خبر سے جدا کر دینا خوب آتا ہے،کیوں نہ ہو،دھوکا دہی کا فن اسی طرح سیکھا جاتا ہے۔اب سنئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر انوار ساطعہ کے اس قول کو رد کر رہے ہیں کہ وہ تراویح کو جڑ ہی سے بدعت کہہ رہا تھا اور اس نے حضرت عمرؓ کے قول "**نعم البد عة هذه**" سے استدلال کیا تھا،اس کے جواب میں مولانا فرماتے ہیں کہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرما چکے ہیں: "**سننت لکم قیامه الحد یث من قام رمضان إیمانًا واحتسابًا**" اور اس کا فعل بتداعی کر دکھایا تو اب فعل اور مطلق قول سے جس قدر امور صلوٰۃ تراویح کے متعلق ہیں،سب ثابت ہو گئے،اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اور سنت مؤکدہ ہونا آٹھ رکعت تراویح کا تو باتفاق ہے،اگر خلاف ہے تو بیس میں ہے،الخ؛ یعنی پھر تمہارا اصل تراویح کو بدعت کہنا خلاف اجماع ہے؛ کیوں کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں،نہ مقلد،نہ غیر مقلد،نہ سنی،نہ وہابی،یہ تم نے تیسری شاخ کہاں سے نکالی کہ تراویح اصل ہی سے بدعت ہے،یہ مطلب تھا مولانا کا،جس پر نہ معلوم غیر مقلد کیوں اچھل رہا ہے،مولانا نے اس میں یہ کہاں فرمایا ہے کہ بیس رکعت کے سنت ہونے میں حنفیہ کو بھی اختلاف ہے؛ بلکہ صرف مؤلف انوار ساطعہ کی حماقت ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اگر کسی فرقہ مبتدعہ کو تراویح کی سنت موکدہ ہونے میں اختلاف ہے تو وہ گیارہ سے زیادہ میں ہے،ورنہ اصل تراویح کو سب کے سب بالاتفاق سنت مانتے ہیں،اس کو کوئی بدعت نہیں کہتا۔

یہ تو مشتہر کے دلائل کا جواب تھا،جس سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ مشتہر اور اس کی جماعت غیر مقلدین کے پاس کوئی دلیل صحیح اور صریح ایسی نہیں جس سے بیس رکعات تراویح کی نفی ہوتی ہو؛ بلکہ جو حدیث مرفوع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اور جو اثر سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے گیارہ رکعت تراویح کے متعلق وہ پیش کرتے ہیں،وہ دونوں مضطرب ہیں اور دلالت معنویہ بھی ان کی صریح نہیں۔

اس کے بعد میں جمہور علماء مجتہدین وفقہاء حنفیہ وغیرہ کے دلائل بیان کرتا ہوں،جن سے بیس رکعت تراویح کا سنت ہونا معلوم ہو گیا۔

(حدیث اول) **أخرج ابن أبی شیبة فی مصنفه حدثنا یزید بن هارون قال:أخبرنا أبراهیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر، وأخرجه ابن أبی شیبة فی مسنده والبغوی فی معجمه والطبرانی فی الکبیر والبیهقی فی سننه،آه.** (التعلیق الحسن:٥٦/٢)

(ترجمہ: عبداللہ بن عباس (صحابی رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے، اس کو ابن ابی شیبہ و بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔)

اور اس کی سند میں تمام راوی ثقہ ہیں؛ مگر شاید کوئی غیر مقلد ابراھیم بن عثمان کی وجہ سے سند پر کچھ کلام کرے تو اس کو تہذیب التہذیب میں حافظ ابن عدی کا یہ قول دیکھ لینا چاہیے، **لہ أحادیث صالحة و هو خیر من إبراهیم بن أبی حیة**، آہ، اس کی یعنی ابراھیم بن عثمان عمدہ ہیں اور وہ ابراھیم بن ابی حیہ سے بہتر ہے، اب ذرا ابراھیم بن ابی حیہ کو بھی لسان المیز ان میں دیکھ لو تو اس کے متعلق یحیٰ ابن معین امام جرح وتعدیل کا یہ قول ہے: **نقل عثمان الدارمی عن یحی بن معین أنه قال: شیخ ثقة کبیر**، یعنی عثمان دارمی نے یحیٰ ابن معین سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے ابراھیم بن ابی حیہ کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ شیخ ثقہ ہے، بزرگ ہیں، اب بتلاؤ جو شخص ایسے ثقہ شیخ کبیر سے بھی بہتر ہو، وہ کیا کچھ ہوگا، پھر ابراہیم بن عثمان کی عدالت وغیرہ کی تعریف امام یزید بن ہارون محدث حنفی نے کی ہے، جو ابراھیم مذکور کے کاتب و منشی زمانہ قضاء میں رہ چکے ہیں؛ اس لیے ہم اس کو ضعیف ماننے کے لیے تیار نہیں؛ کیوں کہ اس کی تعریف ایک حنفی محدث اور حافظ ابن عدی نے کی ہے، ہمارے لیے تو ایک محدث حنفی کی تعریف ہی راوی کے معتبر ہونے کو کافی تھی، خواہ سارے محدثین اس کو ضعیف کہتے ہوں، چہ جائیکہ اس کے ساتھ ابن عدی جیسا امام جرح وتعدیل مسلم فریقین بھی اس کی احادیث کو عمدہ کہتا ہے تو اب کوئی وجہ نہیں کہ ہم ابراھیم بن عثمان کی حدیث کو ضعیف مانیں اور اگر غیر مقلد اس حدیث کو ضعیف ہونے کا دعوی کرے تو وہ اول حدیث کے رد وقبول کے اصول کتاب وسنت سے بیان کرے، پھر اس حدیث کو ضعیف ثابت کرے اور جو چاہے انعام ہم سے لے لے، بخاری ومسلم وترمذی وغیرہ کی تقلید نہ کرے؛ کیوں کہ تقلید اس کے نزدیک جائز نہیں اور اگر وہ بخاری ومسلم وغیرہ کی تقلید کر کے ایک حدیث کو ضعیف کہے گا تو یاد رکھے کہ حدیث کے رد وقبول کے اصول وقواعد سے سوال کریں گے کہ تم کتاب وسنت سے اس کا ثبوت دو کہ حدیث کے رد وقبول میں بخاری ومسلم کی تقلید واجب ہے اور ابوحنیفہ کی جائز نہیں۔

نیز غیر مقلد کو معلوم ہونا چاہیے کہ کسی راوی میں کسی محدث کے طعن وجرح سے اگر وہ راوی ضعیف بھی ہو جایا کریں تو خود امام بخاری بھی ضعیف اور ان کی احادیث بھی ضعیف ہو جائیں گی؛ کیوں کہ امام بخاری پر بھی امام محمد بن یحیٰ ذہلی نے جرح کی ہے۔ (دیکھو مقدمہ فتح الباری) نیز بخاری کے بہت سے راویوں پر بعض محدثین نے جرح کیا ہے، جیسا کہ مقدمہ فتح الباری کے مطالعہ سے واضح ہو گیا ہے، پس اگر بعض محدثین کا طعن بوجہ دوسرے محدثین کی توثیق وتعدیل

---

(۱)　وقال أبو حامد بن الشرقی سمعت محمد بن یحیی الذهلی یقول: القرآن کلام اللّٰہ غیر مخلوق ومن زعم لفظی بالقرآن مخلوق فهو مبتدع ولا یجالس ولا یکلم ومن ذهب بعد هذا إلی محمد بن إسماعیل فاتهموه فإنه لا یحضر مجلسه إلا من کان علی مذهبه. (مقدمة فتح الباری، تصانیفه والرواة عنه: ۱/۴۹۱، دار المعرفة بیروت، انیس)

کے امام بخاری میں اوران کی احادیث میں مؤثر نہیں ہوسکتا تو ابراھیم بن عثمان میں بھی کسی کا طعن حافظ ابن عدی کی تعدیل اور یزید بن ہارون کی تعریف کے بعد مؤثر نہ ہونا چاہیے، لہذا کسی کا منہ نہیں، جو اس حدیث کوضعیف کہہ سکے اور اگر علماء حنفیہ میں سے بھی کسی نے بعض محدثین کی تقلید کر کے اس کوضعیف کہہ دیا ہوتو ان کا قول ہم پر حجت نہیں، کیوں کہ اس وقت اصولی گفتگو ہو رہی ہے، تقلیدی گفتگو نہیں ہے، دوسری حدیث:

قالت عائشة رضی اللّٰہ عنہا: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یجتھد فی العشر الأواخر مالا یجتھد فی غیرہ، رواہ مسلم فی صحیحہ.

(حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں (عبادت کے لیے) زیادہ مشقت کرتے تھے کہ غیر رمضان میں اس قدر مشقت نہ کرتے تھے، اس کو مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔)

وعنھا قالت: کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم إذا دخل العشر (الأخیر، فتح)**شد مئزرہ واحی لیلہ وأیقظ أھلہ، أخرجہ البخاری.** (۱)

(حضرت عائشہؓ ہی سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا اخیر عشرہ آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی کمر کس لیتے اور رات بھر جاگتے اور گھر والوں کو جگاتے تھے، اس کو بخاریؒ روایت کیا ہے۔)

وعنھا مرفوعاً: کان إذا دخل شھر رمضان شد مئزرہ ثم لم یأت فراشہ حتیٰ ینسلخ، وإسنادہ حسن، رواہ البیھقی فی شعب الإیمان قالہ العزیزی فی شرح الجامع الصغیر السیوطی.

(حضرت عائشہؓ ہی سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب رمضان تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمر کس لیتے اور بستر پر نہ لیٹتے تھے، یہاں تک کہ رمضان ختم ہوجاتا، اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (عزیزی)

وعنھا مرفوعاً قالت: کان اذادخل رمضان تغیر لونہ وکثرت صلاتہ وابتھل فی الدعاء وأشفق لونہ، أخرجہ البیھقی فی الشعب. (عزیزی)

(حضرت عائشہؓ ہی سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ جب رمضان داخل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ بدل جاتا، اور آپ کی (نماز پہلے سے) زیادہ ہوجاتی اور دعاء میں زیادہ عاجزی کرنے لگتے اور آپ کا رنگ سرخ ہوجاتا، اس کو بھی بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔)

یہ چار احادیث صاف طور سے اس بات کو بتلاتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی راتوں میں اور راتوں سے زیادہ نماز پڑھتے تھے، گو ان میں بیس رکعات تراویح کا صاف ذکر نہیں؛ مگر یقیناً ان سے اتنا ضرور معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث جو بواسطہ ابوسلمہ کے شیخینؒ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) صحیح البخاری، أبواب العمل فی العشر والأواخر من رمضان: ۳۲۱/۵، انیس

رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، آہ۔ اس کا وہ مطلب نہیں جو غیر مقلدوں نے سمجھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی راتوں میں بھی تہجد وغیرہ ملا کر صرف گیارہ ہی رکعت پڑھتے تھے؛ کیوں کہ یہ مطلب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسری روایات کے بالکل خلاف ہے؛ بلکہ تمام روایات کو ملا کر اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تہجد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول غالب گیارہ رکعت ہی کا تھا، رمضان میں بھی تہجد کی مقدار اکثر یہی تھی۔ باقی یہ کہ تہجد کے علاوہ بھی آپ رمضان کی راتوں میں کچھ نماز نہ پڑھتے تھے، اس سے یہ گیارہ والی روایت ساکت ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسری روایات بتلاتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے علاوہ رمضان میں اور نماز بھی پڑھتے تھے، جس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نے صاف طور پر واضح کر دیا کہ آپ رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے، پس یہ چار احادیث بالاجمال حدیث ابن عباس کی مؤید ہیں۔

اور اگر غیر مقلد ہماری اس تقریر کو تسلیم نہ کرے تو ہم کہیں گے کہ اچھا تم کسی دوسری تقریر سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات کا اختلاف رفع کردو؛ مگر اختلاف رفع کرنے سے پہلے تم کو گیارہ رکعت والی حدیث سے استدلال کا کیا حق تھا؟

عن السائب بن يزيد الصحابی قال: كانوا يقومون علىٰ عهد عمر رضی الله عنه بعشرين وعلىٰ عهد عثمان وعلی رضی الله عنهما مثله، رواه البيهقی بإسناد صحيح.

(سائب بن یزید صحابیؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان وحضرت علی رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بیس رکعات (تراویح) پڑھا کرتے تھے۔)

قال الحافظ ابن عبد البر: وروی الحارث بن عبد الرحمن بن أبی ذباب عن السائب بن يزيد قال: كان القيام علىٰ عهد عمر بثلاث وعشرين ركعة. قال ابن عبد البر: إن هٰذا محمول علی والثلاث للوتر، آه. (۱)

(حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ حارث ابن عبدالرحمٰن نے سائب بن یزید سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قیام رمضان (تراویح) تئیس رکعت تھا، حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ تین رکعت وتر کی ہیں۔)

وكيع عن حسن بن صالح عن عمرو بن قيس عن أبی الحسنات عن علی رضی الله عنه أنه أمر رجلاً يصلی بهم رمضان عشرين ركعة، أخرجه فی مسنده. (۲)

(حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت (تراویح) پڑھا دیا کریں، اس کو وکیع نے روایت کیا ہے۔)

میں کہتا ہوں کہ اس کی سند حسن ہے۔

(۱-۲) عمدة القاری شرح صحيح البخاری: ۸/ ۲٤۵، انيس

أخبرنا يحی بن يحی أخبرنا حفص بن غياث عن الأعمش عن زيد بن وهب قال: كان عبد الله بن مسعود يصلي لنا في شهر رمضا ن فينصرف وعليه ليل، قال الأعمش: كان يصلي عشرين ركعة ويوتر بثلاث، رواه محمد بن نصر المروزی. (۱)

(زید بن وہب کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رمضان کے مہینہ میں ہم کو نماز پڑھاتے اور ایسے وقت فارغ ہوتے کہ کچھ رات باقی رہتی، اعمش راوی کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیس رکعت اور وتر کی تین رکعت پڑھا کرتے تھے، اس کو محمد بن نصر مروزی نے روایت کیا ہے۔)

میں کہتا ہوں کہ یہ سند صحیح ہے اور تین مرسل آثار ہم اور بیان کر چکے ہیں، جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھے جانے کا ثبوت ہے۔

اب ان سب احادیث کو ملاؤ تو معلوم ہوگا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھنا ثابت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمرؓ وحضرت عثمانؓ وحضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں عام طور پر صحابہ بیس رکعت اور تین وتر پڑھتے تھے اور حضرت علیؓ نے بھی اسی کا حکم دیا ہے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی بیس رکعت اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور اس کے خلاف کسی صحابی سے ثابت نہیں اور جو روایت موطا کی گیارہ رکعت کی مشہتر نے بیان کی تھی، ہم کہہ چکے ہیں کہ وہ مضطرب ہے، اس سے استدلال ہرگز صحیح نہیں۔

ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کا یہی قول ہے اور کوفہ والے اور امام شافعیؒ اور اکثر فقہاء اسی کے قائل ہیں اور حضرت ابی بن کعبؓ سے بھی صحیح طور پر یہی ثابت ہے، اور اس کا خلاف صحابہ سے ثابت نہیں۔ (دیکھو! عمدة القاری: ۲۴۶/۸)

اور حافظ ابن قدامہ مغنی میں فرماتے ہیں کہ احمد بن حنبل کے نزدیک (جو محدثین کے امام ہیں) تراویح میں بیس رکعت ہی مختار ہیں اور سفیان ثوری و ابوحنیفہ اور شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں، ... ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب سب آدمیوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے جمع کیا ہے تو وہ ان کو بیس رکعت ہی پڑھاتے تھے، ... اس کو ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے اور سائب بن یزید نے بھی ایسے ہی روایت کیا ہے، جو متعدد طرق سے ان سے مروی ہے اور امام مالکؒ نے یزید بن رومان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں صحابہؓ رمضان میں تئیس رکعت سے قیام کیا کرتے، (یعنی تراویح پڑھتے) تھے اور حضرت علیؓ نے بھی ایک شخص کو رمضان میں بیس رکعت پڑھانے کا حکم کیا اور یہ اجماع کے مثل ہے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ جو کچھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا، جس پر ان کے زمانہ میں حضرات صحابہؓ نے اجماع کرلیا ہے، وہی اتباع کے زیادہ لائق ہے، آہ۔ (۱)

---

(۱) والمختار عند أبی عبد الله رحمه الله فيها عشرون ركعة وبهذا قال الثوری و أبو حنيفة و الشافعی ... ولنا أن عمر رضی الله عنه لما جمع الناس علی أبی بن كعب كان يصلی لهم عشرين ركعة ... رواه أبو داود ==

اب غیر مقلد بتلائیں کہ وہ اس اجماع کی مخالفت کر کے کہاں رہیں گے، اخیر میں ہم اتنا اور بتلائے دیتے ہیں کہ حضرات صحابہؓ کے یہ تمام آثار اور ان کا بیس رکعات تراویح پر اجماع واتفاق کرنا یہ سب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کی تائید کر رہا ہے، جو ابن ابی شیبہ نے مرفوعاً ان سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے۔(۱)

اب اس حدیث کے صحیح ہونے میں کچھ شک نہیں؛ کیوں کہ حدیث کی صحت کی یہ بھی دلیل ہے کہ امت نے اس کی تلقی بالقبول کی ہو، قاضی شوکانی نے نیل الاوطار میں منتقیٰ کی پہلی ہی حدیث کی شرح میں یہ قاعدہ بیان کیا ہے، (۱۵/۱) اور اس سے بڑھ کر تلقی کیا ہوگی کہ خلفاء ثلثہ کے عہد میں صحابہ نے بیس رکعت تراویح پر اجماع واتفاق کیا اور ان کے بعد سے اب تک تمام امت کا اس پر اتفاق چلا آ رہا ہے، اگر کسی نے بیس پر زیادتی کی ہو تو کی ہو، بیس سے کمی کسی نے نہیں کی، سوائے غیر مقلدوں کے اور ہم ان کے دلائل کا ضعف ہونا اوپر ظاہر کر چکے، پس حدیث مرفوع صحیح بالتلقی وحسن بالسند اور آثار کثیرہ واجماع صحابہ کے ہوتے ہوئے کسی مسلمان کو جس کے دل میں خدا کا خوف ہو، یہ حق نہیں کہ وہ بیس رکعات تراویح کا انکار کرے، یا اس کو خلاف سنت کہے اور گیارہ رکعت کا رواج دے، خدا ایسی سستی اور کاہلی سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ (آمین) وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

۱۹/رمضان ۱۳۴۶ھ (امدادالاحکام:۲/۲۵۱-۲۶۷)

☆ ☆ ☆

== ورواه السائب بن يزيد وروى عنه من طرق وروى مالك عن يزيد بن رومان قال: كان الناس يقومون في زمن عمر في رمضان بثلاث وعشرين ركعة وعن علي أنه أمر رجلا يصلي بهم في رمضان عشرين ركعة وهذا كالإجماع ... لكان ما فعله عمر وأجمع عليه الصحابة في عصره أولى بالإتباع. (المغني، حكم صلاة التراويح: ١/٨٣٣، دارالفكر بيروت،انيس)

(۱) حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ. (مصنف ابن أبي شيبة،من كان يرى القيام في رمضان،رقم الحديث: ٧٧٧٤،انيس)

اردو کتب فتاویٰ

نمبر شمار	کتب فتاویٰ	مفتیان کرام	مطبع
(۱)	فتاویٰ عزیزی	حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	ایم ایچ سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی
(۲)	فتاویٰ رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	محمد اسحاق صدیقی اینڈ سنز، تاجران کتب، ومالکان کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند، سہارنپور، انڈیا
(۳)	تالیفات رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	مکتبۃ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی ۱۰۲
(۴)	باقیات فتاویٰ رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ ضلع پربدھ نگر (مظفرنگر) یوپی، انڈیا
(۵)	عزیز الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ابن فضل الرحمٰن عثمانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۶)	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ابن فضل الرحمٰن عثمانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۷)	امداد الفتاویٰ	حضرت مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۸)	الحیلۃ الناجزۃ	حضرت مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	مکتبہ رضی دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۹)	امداد الاحکام	حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی بن لطیف احمد/مولانا عبدالکریم گمتھلوی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۰)	آلات جدیدہ کے شرعی احکام	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانی	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۱)	جواہر الفقہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانی	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۲)	امداد المفتیین	حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۳)	مجموعۂ فتاویٰ عبدالحیٔ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	مکتبہ تھانوی، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۱۴)	فتاویٰ مظاہر علوم	ابوابراہیم خلیل احمد بن مجید علی انبہٹوی محدث سہارنپوریؒ	شعبۂ نشرواشاعت مظاہر علوم سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۵)	فتاویٰ محمودیہ	حضرت مولانا مفتی محمود حسن بن حامد حسن گنگوہی	مکتبہ شیخ الاسلام دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۶)	فتاویٰ امارت شرعیہ	حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بن مولوی حسین بخش ودیگر مفتیان	شعبۂ نشرواشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ
(۱۷)	کفایت المفتی	حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی بن شیخ عنایت اللہ	حفیظ الرحمٰن واصف، کوہ نور پریس، دہلی، انڈیا
(۱۸)	فتاویٰ باقیات صالحات	حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری بن عبدالقادر	جامعہ باقیات صالحات، ویلور، بنگلور، انڈیا
(۱۹)	فتاویٰ احیاء العلوم	حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین مبارک پوری بن عبدالسبحان	جامعہ احیاء العلوم، مبارکپور، یوپی، انڈیا
(۲۰)	منتخبات نظام الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی	ایفا پبلیکیشن، جوگابائی، نئی دہلی، انڈیا

(۲۱) نظام الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی	ایفا پبلیکیشن، جوگا بائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۲) خیر الفتاویٰ	حضرت مولانا خیر محمد جالندھری	مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی ۱۰۲
(۲۳) فتاویٰ شیخ الاسلام	شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی بن سید حبیب اللہ	مکتبہ شیخ الاسلام، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۲۴) فتاویٰ حقانیہ	حضرت مولانا عبد الحق بن حاجی معروف گل پاکستانی	دکن ٹریڈرس بک سیلر اینڈ پبلیشرز، نزد واٹر ٹینک مغل پورہ، حیدرآباد
(۲۵) احسن الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی رشید احمد بن مولانا محمد سلیم پاکستانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۲۶) فتاویٰ عثمانی	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی بن محمد شفیع دیوبندی	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۲۷) فتاویٰ قاضی	قاضی القضاۃ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی	ایفا پبلیکیشن، جوگا بائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۸) فتاویٰ رحیمیہ	حضرت مولانا مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ	مکتبہ رحیمیہ منشی اسٹریٹ راندیر، سورت گجرات
(۲۹) کتاب الفتاویٰ	مولانا مفتی خالد سیف اللہ رحمانی صاحب	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۳۰) محمود الفتاویٰ	مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب	مکتبہ نور، محمودنگر، متصل جامعہ، ڈابھیل
(۳۱) حبیب الفتاویٰ	مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب	سمیع پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹیڈ، دریا گنج نئی دہلی
(۳۲) فتاویٰ فرنگی محل	حضرت مولانا محمد عبد القادر صاحب فرنگی محلی	مطبع نامی نخاس لکھنؤ، یوپی، انڈیا
(۳۳) فتاویٰ ندوۃ العلماء	حضرت مولانا مفتی محمد ظہور ندوی صاحب	مجلس صحافت ونشریات، ندوۃ العلماء مارگ، پوسٹ باکس نمبر ۹۳ لکھنؤ، انڈیا
(۳۴) فتاویٰ بینات	مفتیان جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، پاکستان	مکتبہ بینات، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی، پاکستان
(۳۵) فتاویٰ فریدیہ	مولانا مفتی محمد فرید صاحب پاکستانی	مولانا حافظ حسین احمد صدیقی نقشبندی مہتمم دار العلوم صدیقیہ زروبی ضلع صوابی، پاکستان
(۳۶) فتاویٰ مفتی محمود	مولانا مفتی محمود صاحب پاکستانی	جمعیت پبلیکیشنز وحدت روڈ، لاہور، پاکستان
(۳۷) آپ کے مسائل اوران کا حل	حضرت مولانا محمد یوسف بن چودھری اللہ بخش لدھیانوی	مکتبہ لدھیانوی ایم اے جناح روڈ، کراچی، پاکستان
(۳۸) مرغوب الفتاویٰ	مولانا مفتی مرغوب الرحمٰن صاحب لاجپوری	جامعۃ القرأت کفلیتہ، مولانا عبد الحئی نگر، سورت، گجرات
(۳۹) فتاویٰ دار العلوم زکریا	مولانا مفتی رضاء الحق صاحب، افریقہ	ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی-۶، انڈیا
(۴۰) فتاویٰ شاکر خان	مولانا مفتی محمد شاکر خان صاحب پونہ، انڈیا	مدرسہ بیت العلوم کونڈوا، خردسروے نمبر ۱۴۲، شوکا میوز کے پیچھے، پونہ ۴۸، انڈیا
(۴۱) فتاویٰ ریاض العلوم	مفتیان کرام مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، گورینی، جونپور	مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، چوکیہ گورینی، جونپور (یوپی)
(۴۲) فتاویٰ بسم اللہ	حضرت مولانا اسماعیل بن محمد بسم اللہ	جامعۃ القرءات، مولانا عبد الحئی نگر، کفلیتہ، سورت گجرات
(۴۳) فتاویٰ یوسفیہ	مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی	مکتبہ فقیہ الامت دیوبند

مصادر ومراجع

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
	﴿قرآن (مع تفاسیر وعلوم قرآن)﴾		
(۱)	القرآن الکریم	کتاب اللہ	وحی الٰہی
(۲)	جامع البیان فی تأویل القرآن	ابوجعفر الطبری، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی	۳۱۰ھ
(۳)	احکام القرآن	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ بن عبدالملک بن سلمۃ الازدی الحجری المصری الطحاوی	۳۲۱ھ
(۴)	احکام القرآن	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۵)	التفسیر الکبیر (مفاتیح الغیب)	أبوعبداللہ، محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین التیمی الرازی، فخر الدین الرازی	۶۰۶ھ
(۶)	انوار التنزیل واسرار التأویل (تفسیر بیضاوی)	ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر بن محمد الشیرازی البیضاوی	۶۸۵ھ
(۷)	تفسیر القرآن العظیم	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری ثم الدمشقی	۷۷۴ھ
(۸)	تفسیر الجلالین	جلال الدین محمد بن احمد المحلی	۸۶۴ھ
		جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۹)	الاِتقان فی علوم القرآن	جلال الدین سیوطی، عبدالرحمٰن بن ابوبکر	۹۱۱ھ
(۱۰)	تفسیر مظہری	قاضی محمد ثناء اللہ مظہری پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۱۱)	فتح القدیر	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۲)	روح المعانی	محمود بن عبداللہ شہاب الدین ابوالثناء الحسینی الآلوسی	۱۲۷۰ھ
(۱۳)	کیف یجب علینا ان نفسر القرآن الکریم	محمد ناصر الدین الألبانی	۱۴۲۰ھ
	﴿عقائد (مع شروحات)﴾		
(۱۴)	فقہ اکبر	ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۱۵)	العقیدۃ الطحاویۃ	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱۶)	الشریعہ	ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری البغدادی المکی	۳۶۰ھ
(۱۷)	شرح فقہ اکبر	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۸)	منح الروض الأزہر فی شرح فقہ أکبر	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۹)	مبدأ ومعاد	حضرت مجدد الف ثانی احمد فاروقی سرہندی	۱۰۳۴ھ
	﴿متون واطراف واجزاء حدیث﴾		
(۲۰)	مسند ابوحنیفہ بروایۃ الحصکفی وابی نعیم	امام اعظم ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۲۱)	جامع معمر بن راشد	ابوعروۃ البصری معمر بن أبی عمرو راشد الأزدی	۱۵۳ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۲)	موطأ امام مالک	امام دارالہجر ہ، مالک بن انس بن مالک بن عامرالاصحی المدنی	۱۷۹ھ
(۲۳)	کتاب الآثار بروایۃ أبی یوسف	ابویوسف القاضی، یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن حبتۃ انصاری	۱۸۲ھ
(۲۴)	الزھد والرقائق لابن المبارک	ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن المبارک بن واضح الحنظلی الترکی ثم المروزی	۱۸۱ھ
(۲۵)	کتاب الأثار بروایۃ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۲۶)	موطأ امام مالک رموطأ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۲۷)	الجامع لابن وھب	ابومحمد عبداللہ بن وھب بن مسلم المصری القرشی	۱۹۷ھ
(۲۸)	مسندالشافعی بترتیب السندی السنن الماثورۃ بروایۃ المزنی	امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن عبدالمطلب بن عبدمناف الشافعی القرشی المکی	۲۰۴ھ
(۲۹)	مسندابوداؤدالطیالسی	ابوداؤدسلیمان بن داؤد بن الجارودالطیالسی البصری	۲۰۴ھ
(۳۰)	مصنف عبدالرزاق صنعانی	عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الصنعانی	۲۱۱ھ
(۳۱)	مسندالحمیدی	ابوبکرعبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ القرشی الأسدی الحمیدی المکی	۲۱۹ھ
(۳۲)	الصلوٰۃ	ابونعیم الفضل بن عمرو بن حماد بن زہیر بن درہم القرشی المروف بابن دکین	۲۱۹ھ
(۳۳)	مسندابن الجعد	علی بن الجعد بن عبیدالجوھری البغدادی	۲۳۰ھ
(۳۴)	مصنف ابن ابی شیبہ رمسندابن ابی شیبہ	حافظ ابوبکرعبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان بن خوستی	۲۳۵ھ
(۳۵)	مسنداسحاق بن راھویہ	ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحنظلی المروزی، ابن راھویہ	۲۳۸ھ
(۳۶)	مسندامام احمد	امام احمد، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۳۷)	فضائل الصحابۃ	امام احمد، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۳۸)	المنتخب من مسندعبدبن حمید	ابومحمدعبدالحمید بن نصرالکسی	۲۴۹ھ
(۳۹)	صحیح البخاری	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۰)	الادب المفرد	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۱)	صحیح مسلم	ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری بن دردین النیشافوری	۲۶۱ھ
(۴۲)	أخبارمکۃ فی قدیم الدھروحدیثہ	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن العباس المکی الفاکھی	۲۷۲ھ
(۴۳)	سنن ابن ماجہ	حافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ الربعی القزوینی، ابن ماجہ	۲۷۳ھ
(۴۴)	سنن ابوداؤدرمراسیل ابوداؤد	ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمروالازدی السجستانی	۲۷۵ھ
(۴۵)	سنن الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۴۶)	شمائل الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۴۷)	مسندالحارث	ابومحمدالحارث بن محمد بن داھرالتمیمی البغدادی الخطیب المعروف بابن ابی اسامہ	۲۸۲ھ
(۴۸)	البدع	ابوعبداللہ محمد بن وضاح بن بزیع المروانی القرطبی	۲۸۶ھ
(۴۹)	الآحادوالمثانی	ابوبکربن أبی عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلدالشیبانی	۲۸۷ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۵۰)	السنة	ابوبکر بن أبي عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۵۱)	البحر الزخار المعروف بمسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بن خلاد بن عبید اللہ العتکی، البزار	۲۹۲ھ
(۵۲)	تعظیم قدر الصلاة	ابوعبد اللہ محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	۲۹۴ھ
(۵۳)	مختصر قیام اللیل وقیام رمضان وکتاب الوتر	ابوعبد اللہ محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	۲۹۴ھ
(۵۴)	القدر	ابوبکر جعفر بن محمد بن الحسن بن المستفاض الفریابی	۳۰۱ھ
(۵۵)	سنن النسائی	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۵٦)	عمل الیوم واللیلة	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۵۷)	المسند	حافظ ابویعلی احمد بن علی الموصلی	۳۰۷ھ
(۵۸)	المنتقی	ابن الجارود ابومحمد عبد اللہ بن علی النیشاپوری	۳۰۷ھ
(۵۹)	مسند الرویانی	ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی	۳۰۷ھ
(٦۰)	الکنی والأسماء	ابوبشر محمد بن احمد بن حماد بن سعید بن مسلم الانصاری الدولابی الرازی	۳۱۰ھ
(٦۱)	صحیح ابن خزیمة	محمد بن اسحٰق بن المغیرة بن صالح بن بکر السلمی النیسافوری الشافعی	۳۱۱ھ
(٦۲)	التوحید	محمد بن اسحٰق بن المغیرة بن صالح بن بکر السلمی النیسافوری الشافعی	۳۱۱ھ
(٦۳)	السنة لابن ابی بکر بن الخلال	ابوبکر احمد بن محمد بن ہارون بن یزید الخلال البغدادی الحنبلی	۳۱۱ھ
(٦۴)	مسند السراج رحدیث السراج	ابوالعباس محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن مہران الخراسانی النیسابوری	۳۱۳ھ
(٦۵)	مستخرج ابوعوانہ	ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم النیسابوری الاسفرائنی	۳۱٦ھ
(٦٦)	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامة الطحاوی	۳۲۱ھ
(٦۷)	شرح مشکل الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامة الطحاوی	۳۲۱ھ
(٦۸)	مکارم الأخلاق رمساوی ءالاخلاق	ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سہل بن شاکر الخرائطی السامری	۳۲۷ھ
(٦۹)	مسند الشاشی	ابوسعید الہیثم بن کلیب بن سریج بن معقل الشاشی البنکثی	۳۳۵ھ
(۷۰)	معجم ابن الأعرابی	ابوسعید بن الأعرابی احمد بن محمد بن زیاد بن بشر بن درہم البصری الصوفی	۳۴۰ھ
(۷۱)	صحیح ابن حبان	ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ التمیمی الدارمی البستی	۳۵۴ھ
(۷۲)	المعجم الأوسط رالمعجم الکبیر	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳٦۰ھ
(۷۳)	الدعاء	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳٦۰ھ
(۷۴)	مسند الشامیین	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳٦۰ھ
(۷۵)	عمل الیوم واللیلة	ابن السنی، احمد بن محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن اسباط بن عبد اللہ	۳٦۴ھ
(۷٦)	سنن الدارقطنی	ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود البغدادی الدارقطنی	۳۸۵ھ
(۷۷)	الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذلک	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۷۸)	شرح مذاہب أہل السنة	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۷۹)	الإبانة الكبرىٰ	ابوعبداللہ عبیداللہ بن محمد بن محمد بن حمدان العکبری المعروف بابن بطۃ	۳۸۷ھ
(۸۰)	معالم السنن	ابوسلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم بن الخطاب البستی المعروف بالخطابی	۳۸۸ھ
(۸۱)	المستدرک علی الصحیحین	محمد بن عبداللہ بن حمدویہ الحاکم النیسا فوری	۴۰۵ھ
(۸۲)	الإیمان	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن محمد بن یحی بن مندہ العبدی	۳۹۵ھ
(۸۳)	شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة	ابوالقاسم هبة اللہ بن الحسن بن منصور الطبری الرازی اللالکائی	۴۱۸ھ
(۸۴)	حلیة الاولیاء وطبقات الاصفیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۸۵)	المسند المستخرج علی صحیح مسلم	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۸۶)	امالی	ابوالقاسم عبدالملک بن محمد بن عبداللہ بن بشران بن محمد بن بشران بن مہران البغدادی	۴۳۰ھ
(۸۷)	مسند الشهاب	ابوعبداللہ محمد بن سلامة بن جعفر بن علی بن حکمون القضاعی المصری	۴۵۴ھ
(۸۸)	السنن الکبریٰ رالسنن الصغیر	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیهقی	۴۵۸ھ
(۸۹)	شعب الإیمان	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیهقی	۴۵۸ھ
(۹۰)	معرفة السنن والآثار	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیهقی	۴۵۸ھ
(۹۱)	الدعوات الکبیر	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیهقی	۴۵۸ھ
(۹۲)	المدخل إلی السنن الکبریٰ	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیهقی	۴۵۸ھ
(۹۳)	جامع بیان العلم وفضله	ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم النمری القرطبی	۴۶۳ھ
(۹۴)	تفسیر غریب مافی الصحیحین	محمد بن فتوح بن عبداللہ بن فتوح بن حمید الازدی المیورقی الحمیدی	۴۸۸
(۹۵)	الفردوس بمأثور الخطاب	ابوشجاع، شیرویہ بن شهردار بن شیرویہ بن فناخسر والدیلمی الهمدانی	۵۰۹ھ
(۹۶)	شرح السنة	محی الدین ابومحمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی	۵۱۶ھ
(۹۷)	سنن الدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بهزام التمیمی السمرقندی الدارمی	۵۵۲ھ
(۹۸)	المعجم	ابوالقاسم علی بن الحسن بن هبة اللہ المعروف بابن عساکر	۵۷۱ھ
(۹۹)	کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الهندی	۵۷۹ھ
(۱۰۰)	جامع الأصول فی أحادیث الرسول	مجدالدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی الجزری ابن الاثیر	۶۰۶ھ
(۱۰۱)	مشکوٰۃ المصابیح	ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی	۷۴۰ھ
(۱۰۲)	منهاج السنة	تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الحرانی الحنبلی الدمشقی	۷۲۸ھ
(۱۰۳)	الجوهر النقی	علاء الدین علی بن عثمان بن ابراہیم بن مصطفیٰ المار دینی ابن الترکمانی	۷۵۰
(۱۰۴)	جامع المسانید والسنن الهادی لأقوم السنن	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی	۷۷۴ھ
(۱۰۵)	نصب الرایة فی تخریج أحادیث الهدایة	جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف بن محمد الزیلعی	۷۶۲ھ
(۱۰۶)	البدر المنیر رمختصر تلخیص الذهبی	ابن الملقن سراج الدین ابوحفص عمر بن علی بن احمد الشافعی المصری	۸۰۴ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۰۷)	تخریج أحادیث إحیاء علوم الدین	عبدالرحیم بن الحسین بن عبدالرحمٰن الحافظ العراقی	۸۰۶ھ
		تاج الدین ابونصر عبدالوھاب ابن تقی الدین السبکی	۷۷۱ھ
		السید محمد مرتضی الزبیدی	۱۲۰۵ھ
(۱۰۸)	مجمع الزوائد ومنبع الفوائد	نورالدین محمد بن ابوبکر بن سلیمان الہیثمی	۸۰۷ھ
(۱۰۹)	موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان	ابوالحسن نورالدین علی بن أبی بکر بن سلیمان الھیثمی	۸۰۷ھ
(۱۱۰)	الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجرالکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۱۱)	التلخیص الحبیر	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجرالکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۱۲)	المقاصدالحسنۃ	محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد شمس الدین السخاوی	۹۰۲ھ
(۱۱۳)	الجامع الصغیر/الفتح الکبیر	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۱۴)	تنویرالحوالک شرح موطأ الامام مالک	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۱۵)	جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد	العلامۃ محمد بن محمد سلیمان المغربی	۱۰۹۴ھ
(۱۱۶)	آثارالسنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۱۷)	اعلاء السنن	مولانا ظفراحمد بن محمد لطیف عثمانی تھانوی	۱۳۹۴ھ

﴿شروح وعلل حدیث﴾

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۱۸)	شرح صحیح البخاری	ابن بطال ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک	۴۴۹ھ
(۱۱۹)	النووی شرح مسلم	محی الدین ابوزکریا یحيٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۱۲۰)	احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام	تقی الدین ابوالفتح الشہیر بابن دقیق العید	۷۰۲ھ
(۱۲۱)	المفاتیح شرح المصابیح	الحسین بن محمد بن الحسن مظہرالدین الزیدانی الکوفی الضریرالشیرازی الحنفی	۷۲۷ھ
(۱۲۲)	الکاشف عن حقائق السنن شرح الطیبی	شرف الدین حسین بن عبداللہ بن محمد الحسن الطیبی	۷۴۳ھ
(۱۲۳)	فتح الباری	زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب بن الحسن السلامی البغدادی ثم الدمشقی الحنبلی	۷۹۵ھ
(۱۲۴)	المحلی شرح الموطأ	ابوعبداللہ محمد بن سلیمان بن خلیفہ المالکی	
(۱۲۵)	فتح الباری شرح صحیح البخاری	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجرالکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۲۶)	تقریب التھذیب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجرالکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۲۷)	شرح المصابیح	محمد بن عزالدین عبداللطیف بن عبدالعزیز بن امین الدین بن فرشتاالرومی الکرمانی الحنفی المشہور بابن ملک	۸۵۴ھ
(۱۲۸)	عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۲۹)	شرح سنن أبی داؤد	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۳۰)	قوت المغتذی شرح جامع الترمذی	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۱)	مصباح الزجاجۃ شرح سنن ابن ماجۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۳۲)	ارشاد الساری شرح البخاری	احمد بن محمد بن ابوبکر بن عبد الملک القسطلانی المصری	۹۲۳ھ
(۱۳۳)	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۳۴)	جمع الوسائل فی شرح الشمائل	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۳۵)	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	زین الدین محمد عبد الرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۳۶)	اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح	مولانا عبد الحق محدث دہلوی (عبد الحق بن سیف الدین بن سعد اللہ البخاری الدہلوی الحنفی)	۱۰۵۲ھ
(۱۳۷)	حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجۃ	ابوالحسن نور الدین السندی محمد بن عبد الهادی التتوی	۱۱۳۸ھ
(۱۳۸)	شرح مسند الشافعی	ابوالحسن نور الدین السندی محمد بن عبد الهادی التتوی	۱۱۳۸ھ
(۱۳۹)	کشف الخفاء	اسماعیل بن محمد بن عبد الہادی بن عبد الغنی العجلونی الدمشقی الشافعی	۱۱۶۲ھ
(۱۴۰)	سبل السلام شرح بلوغ المرام	محمد بن اسماعیل بن صلاح بن محمد الحسن امیر یمانی	۱۱۸۲ھ
(۱۴۱)	نیل الأوطار	محمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۴۲)	مظاہر حق	نواب قطب الدین دہلوی	۱۲۸۹ھ
(۱۴۳)	بذل المجہود فی حل أبی داؤد	المحدث خلیل احمد السہارنفوری	۱۲۹۷ھ
(۱۴۴)	التعلیق الممجد علی موطا الإمام محمد	ابوالحسنات محمد عبد الحیٔ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۴۵)	حاشیۃ السنن لأبی داؤد	ابوالحسنات محمد عبد الحیٔ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۴۶)	حاشیہ حصن حصین	ابوالحسنات محمد عبد الحیٔ بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۴۷)	التعلیق الحسن علی آثار السنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۴۸)	لامع الدراری علی صحیح البخاری	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۱۴۹)	الکوکب الدری علی جامع الترمذی	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۱۵۰)	عون المعبود فی شرح سنن أبی داؤد	ابوالطیب محمد شمس الحق بن أمیر علی بن مقصود علی الصدیقی العظیم آبادی	۱۳۲۹ھ
(۱۵۱)	المنھل العذب المورود شرح أبی داؤد	محمود محمد خطاب السبکی	۱۳۵۲ھ
(۱۵۲)	العرف الشذی شرح سنن الترمذی	علامہ محمد انور شاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۵۳)	فیض الباری شرح البخاری	علامہ محمد انور شاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۵۴)	تحفۃ الأحوذی شرح سنن الترمذی	ابوالعلی عبد الرحمٰن مبارکپوری	۱۳۵۳ھ
(۱۵۵)	فتح الملہم	مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی	۱۳۶۹ھ
(۱۵۶)	التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح	مولانا محمد ادریس کاندھلوی	۱۳۹۴ھ
(۱۵۷)	معارف السنن شرح جامع الترمذی	مولانا محمد یوسف بن سید زکریا حسینی بنوری	۱۳۹۷ھ
(۱۵۸)	أوجز المسالک إلی موطا امام مالک	مولانا محمد زکریا بن محمد یحییٰ کاندھلوی	۱۴۰۲ھ
(۱۵۹)	مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	ابوالحسن عبید اللہ بن بن محمد عبد السلام بن خاں محمد بن امان اللہ بن حسام الدین رحمانی مبارکپوری	۱۴۱۴ھ
(۱۶۰)	منہاج السنن شرح سنن الترمذی	مولانا مفتی محمد فرید زرویوی	۱۴۳۲ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
		﴿سیرت وشمائل﴾	
(۱۶۱)	زادالمعادفی ہدیۃ خیرالانام	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۱۶۲)	سبل الہدی والرشادفی سیرۃ خیرالانام	محمد بن یوسف الصلاحی الشامی	۹۴۲ھ
(۱۶۳)	لمواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجرالکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۶۴)	شرح المواہب اللدنیۃ	العلامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی المالکی	۱۱۲۲ھ
		﴿کتب فقہ احناف﴾	
(۱۶۵)	الحجۃ علی اہل المدینۃ	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۶۶)	کتاب الأصل	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۶۷)	الجامع الصغیر	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۶۸)	مختصرالطحاوی	ابوجعفراحمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱۶۹)	شرح مختصرالطحاوی	ابوبکراحمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۱۷۰)	عیون المسائل	ابواللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۳ھ
(۱۷۱)	مختصرالقدوری	محمد بن احمد بن جعفر بن حمدان القدوری	۴۲۸ھ
(۱۷۲)	النتف فی الفتاوی	ابوالحسن علی بن الحسین بن محمد السغدی الحنفی	۴۶۱ھ
(۱۷۳)	المبسوط	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۱۷۴)	شرح السیر الکبیر	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۱۷۵)	تحفۃ الفقہاء	علاءالدین محمد بن احمد بن ابواحمد السمرقندی الحنفی	۵۳۹ھ
(۱۷۶)	خلاصۃ الفتاویٰ رمجموع الفتاویٰ	طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری	۵۴۲ھ
(۱۷۷)	المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی	ابوالمعالی محمود بن احمد بن عبدالعزیز بن مازہ البخاری	۵۷۰ھ
(۱۷۸)	بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع	علامہ علاءالدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی	۵۸۷ھ
(۱۷۹)	فتاویٰ قاضی خان	محمود اوزجندی قاضی خان حسن بن منصور	۵۹۲ھ
(۱۸۰)	بدایۃ المبتدی وشرحہ الہدایۃ	برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر المرغینانی	۵۹۳ھ
(۱۸۱)	قنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ	ابوالرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	۶۵۸ھ
(۱۸۲)	المجتبی شرح مختصرالقدروی	ابوالرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	۶۵۸ھ
(۱۸۳)	تحفۃ الملوک	زین الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر الحنفی الرازی	۶۶۶ھ
(۱۸۴)	مجمع البرکات	ابوالبرکات بن حسام الدین بن سلطان بن ہاشم بن رکن الدین بن جمال الدین بن سماءالدین الحنفی الدہلوی	۶۶۷ھ
(۱۸۵)	الوقایۃ (وقایۃ الروایۃ)	صدرالشریعہ محمود بن عبداللہ بن ابراہیم المحبوبی الحنفی	۶۷۳ھ
(۱۸۶)	الاختیارلتعلیل المختار	عبداللہ بن محمود بن مودود بن محمود ابوالفضل مجدالدین الموصلی	۶۸۳ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۸۷)	الفتاویٰ الغیاثیۃ	شیخ داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	۶۸۶ھ کے بعد
(۱۸۸)	مجمع البحرین وملتقی النیرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب المعروف بابن الساعاتی البعلبکی	۶۹۴ھ
(۱۸۹)	منیۃ المصلی وغنیۃ المبتدی	سدید الدین محمد بن محمد بن الرشید بن علی الکاشغری	۷۰۵ھ
(۱۹۰)	کنز الدقائق	حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی	۷۱۰،۷۰۱ھ
(۱۹۱)	تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق	فخر الدین عثمان بن علی بن محجن الزیلعی	۷۴۳ھ
(۱۹۲)	شرح مختصر الوقایۃ (شرح وقایۃ الروایۃ)	صدر الشریعہ الصغیر، عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۱۹۳)	النقایۃ مختصر الوقایۃ	صدر الشریعہ الصغیر، عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۱۹۴)	الکفایۃ شرح الہدایۃ (متداولہ)	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی الکرمانی	۷۶۷ھ
(۱۹۵)	النہایۃ شرح الہدایۃ	حسام الدین حسن بن علی بن حجاج السغناقی	۷۷۱ھ
(۱۹۶)	جامع المضمرات شرح مختصر القدوری	یوسف بن عمر بن یوسف الصوفی الکادوری نبیرہ شیخ عمر بزار	۸۳۲ھ
(۱۹۷)	شرح العنایۃ علی الہدایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد بن محمود البابرتی	۷۸۶ھ
(۱۹۸)	الفتاویٰ التاتارخانیۃ	علامہ عالم بن العلاء الأنصاری الدہلوی	۷۸۶ھ
(۱۹۹)	السراج الوہاج فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۲۰۰)	الجوہرۃ النیرۃ فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۲۰۱)	شرح مجمع البحرین علی ہامش المجمع	ابن الملک، عبداللطیف بن عبدالعزیز	۸۰۱ھ
(۲۰۲)	الفتاویٰ البزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری الخوارزمی المعروف بابن بزازی	۸۲۷ھ
(۲۰۳)	معین الحکام	ابوالحسن علاء الدین علی بن خلیل الطرابلسی الحنفی	۸۴۴ھ
(۲۰۴)	البنایۃ شرح الہدایۃ	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۲۰۵)	منحۃ السلوک فی شرح تحفۃ الملوک	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۲۰۶)	فتح القدیر علی الہدایۃ	ابن ہمام کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید الحنفی	۸۶۱ھ
(۲۰۷)	کتاب التصحیح والترجیح علی مختصر القدوری	ابوالعدل زین الدین قاسم بن قطلو بغا الحنفی	۸۷۹ھ
(۲۰۸)	درر الحکام شرح غرر الأحکام	ملاخسرو، محمد بن فرامرز بن علی	۸۸۵ھ
(۲۰۹)	شرح النقایۃ	ابوالمکارم عبدالعلی بن محمد بن حسین البرجندی	۹۳۲ھ
(۲۱۰)	حاشیۃ علی العنایۃ شرح الہدایۃ	سعداللہ بن عیسیٰ بن امیرخان الرومی الحنفی الشہیر بسعدی چلپی وبسعدی آفندی	۹۴۵ھ
(۲۱۱)	ملتقی الأبحر	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۱۲)	الصغیری رالکبیری شرح منیۃ المصلی	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۱۳)	جامع الرموز شرح مختصر الوقایۃ المسمیٰ بالنقایۃ	شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی	۹۶۲ھ
(۲۱۴)	البحر الرائق فی شرح کنز الدقائق	ابن نجیم زین العابدین بن ابراہیم المصری الحنفی	۹۷۰ھ
(۲۱۵)	الفتاویٰ الحامدیۃ	حامد بن محمد آفندی القونوی العمادی المفتی بالروم	۹۸۵ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۱۶)	تنویرالأبصار وجامع البحار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد بن تمرتاش الغزی الحنفی الخطیب التمرتاشی	۱۰۰۴ھ
(۲۱۷)	النہر الفائق شرح کنزالدقائق	علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم المصری الحنفی	۱۰۰۵ھ
(۲۱۸)	شرح النقایۃ فی مسائل الہدایۃ	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۱۹)	رمزالحقائق شرح کنزالدقائق	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۲۰)	حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق	شہاب الدین احمد بن محمد بن احمد بن یونس بن اسماعیل بن یونس الشلبی	۱۰۲۱ھ
(۲۲۱)	سکب الأنہر علی فرائض مجمع الانہر	علاء الدین علی بن محمد الطرابلسی بن ناصرالدین الحنفی	۱۰۳۲ھ
(۲۲۲)	نورالایضاح ونجاۃ الارواح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۲۳)	امدادالفتاح شرح نورالایضاح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۲۴)	مراقی الفلاح شرح نورالایضاح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۲۵)	مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر	عبدالرحمٰن بن شیخ محمد بن سلیمان الکلیبولی المدعو بشیخی زادہ، المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸ھ
(۲۲۶)	الفتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ	خیرالدین بن احمد بن نورالدین علی ایوبی علیمی فاروقی الرملی	۱۰۸۱ھ
(۲۲۷)	الدرالمختار شرح تنویرالأبصار	محمد بن علی بن محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن حسن الحصنی المعروف بالعلاء الحصکفی	۱۰۸۸ھ
(۲۲۸)	الفتاویٰ الھندیۃ (عالمگیریہ)	شیخ نظام الدین برہان پوری گجراتی (وجماعۃ من اعلام فقہاء الھند)	۱۱۶۱ھ
(۲۲۹)	حاشیۃ الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۳۰)	حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۳۱)	اسعاف المولی القدیر شرح زادالفقیر	احمد بن ابراہیم تونسی دقدویسی مصری	۱۱۲۲ھ کے بعد
(۲۳۲)	مالابدمنہ (فارسی)	قاضی ثناء اللہ الاموی العثمانی الہندی پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۲۳۳)	ردالمحتار حاشیۃ الدرالمختار	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۳۴)	العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۳۵)	مجموعہ رسائل ابن عابدین	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۳۶)	منحۃ الخالق حاشیۃ البحرالرائق	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۳۷)	مأۃ مسائل	ابوسلیمان اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین العمری الدھلوی (مولانا محمد اسحاق دہلوی)	۱۲۶۲ھ
(۲۳۸)	غایۃ الاوطار	مترجم اول: مولانا خرم علی ملہوری	۱۲۷۱ھ
	ترجمہ اردوالدرالمختار	مترجم دوم: مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی	--
(۲۳۹)	التحریرالمختار حاشیۃ ردالمحتار	عبدالقادر الرافعی الفاروقی	۱۲۸۳ھ
	مفتاح الجنۃ	کرامت علی بن ابوابراہیم شیخ امام بخش بن شیخ جاراللہ جونپوری	۱۲۹۰ھ
(۲۴۰)	اللباب فی شرح الکتاب (القدوری)	عبدالغنی بن طالب بن حمادۃ بن ابراہیم الغنیمی الدمشقی المیدانی الحنفی	۱۲۹۸ھ
(۲۴۱)	النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۴۲)	السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۴۳)	عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۴۴)	حاشیہ علی الہدایہ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۴۵)	نفع المفتی والسائل بجمع متفرقات المسائل	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۴۶)	مجموعۃ الفتاویٰ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۴۷)	مجموعۃ رسائل اللکنوی	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۴۸)	تحفۃ النبلاء فی جماعۃ النساء	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۴۹)	تحفۃ الاخیار	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۰)	علم الفقہ	عبدالشکور بن ناظر علی فاروقی لکھنوی	--
(۲۵۱)	القطوف الدانیۃ فی تحقیق الجماعۃ الثانیۃ	مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد انصاری گنگوہی	۱۳۲۲ھ
(۲۵۲)	رسالہ تراویح	مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد انصاری گنگوہی	۱۳۲۲ھ
(۲۵۳)	رسائل الارکان	عبدالعلی محمد بن نظام الدین محمد انصاری لکھنوی	۱۳۳۵ھ
(۲۵۴)	مجلۃ الاحکام العدلیۃ	لجنۃ مکونۃ من عدۃ علماء وفقہاء فی الخلافۃ العثمانیۃ	--
(۲۵۵)	الآثار الحمیدیۃ شرح مجلۃ الاحکام العدلیۃ	عبداللطیف بن حسین الغزی	۱۳۴۰ھ
(۲۵۶)	بہشتی گوہر، بہشتی زیور	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۵۷)	کشف الدجیٰ عن وجہ الربوا	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۵۸)	تصحیح الاغلاط	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۵۹)	رکعات تراویح	مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی	۱۴۱۳ھ
(۲۶۰)	نماز مسنون کلاں	مولانا عبدالحمید سواتی	۱۴۲۹ھ

﴿دیگر مسالک کی کتب فقہ﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۶۱)	المدونہ	امام دارالہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی	۱۷۹ھ
(۲۶۲)	کتاب الام	امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن عبدالمطلب بن عبدمناف الشافعی القرشی المکی	۲۰۴ھ
(۲۶۳)	المحلی بالآثار	ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی القرطبی الظاہری	۴۵۶ھ
(۲۶۴)	نھایۃ المطلب فی درایۃ المذہب	امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف بن محمد الجوینی	۴۷۸ھ
(۲۶۵)	بحر المذہب	ابوالمحاسن عبدالواحد بن اسماعیل الرویانی	۵۰۲ھ
(۲۶۶)	المغنی	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۲۶۷)	المجموع شرح المھذب	محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۶۸)	فتاویٰ النووی	محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۶۹)	المقنع / الشرح الکبیر علی المقنع	شمس الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد بن قدامۃ المقدسی	۶۸۲ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۷۰)	الفتاویٰ الکبریٰ	تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الحرانی الحنبلی الدمشقی	۷۲۸ھ
(۲۷۱)	المدخل	ابوعبداللہ محمد بن محمد بن محمد العبدری الفاسی المالکی الشہیر بابن الحاج	۷۳۷ھ
(۲۷۲)	شرح العباب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۷۳)	الفتاویٰ الکبریٰ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۷۴)	المبدع شرح المقنع	ابواسحاق، برہان الدین، ابراہیم بن محمد عبداللہ بن محمد بن مفلح	۸۸۲ھ
(۲۷۵)	الحاوی للفتاویٰ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۲۷۶)	المیزان الکبریٰ	ابوالمواھب عبدالوھاب بن احمد بن علی بن احمد بن علی بن زوفا بن ابی الشیخ الشعرانی	۹۷۳ھ
(۲۷۷)	فتح المعین بشرح قرۃ العین	زین الدین احمد بن عبدالعزیز بن زین الدین بن علی بن احمد الملیباری الہندی	۹۸۷ھ
(۲۷۸)	ہدایۃ السائل/الانتقاد الرجیح/بدور الاہلہ	نواب صدیق حسن خاں (محمد صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ حسینی قنوجی)	۱۳۰۷ھ
(۲۷۹)	العرف الجادی	ابوالخیر میر نورالحسن خاں صاحب	۱۳۳۶ھ
(۲۸۰)	نزل الأبرار من فقہ النبی المختار	مولوی وحیدالزماں صاحب	۱۳۳۸ھ
(۲۸۱)	ابکار المنن فی تنقید آثار السنن	ابوالعلی عبدالرحمٰن مبارکپوری	۱۳۵۳ھ

فقہ مقارن

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۸۲)	بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۸۳)	الفقہ الاسلامی وادلتہ	ڈاکٹر وہبہ بن مصطفیٰ زحیلی	۲۰۱۵ء
(۲۸۴)	الموسوعۃ الفقہیۃ	مرتبہ وزارت اوقاف کویت	--

اصول فقہ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۸۵)	اصول البزدوی	فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی	۴۲۲ھ
(۲۸۶)	اصول السرخسی	محمد بن احمد بن ابوسہل شمس الائمہ السرخسی	۴۸۳ھ
(۲۸۷)	آداب المفتی	محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۸۸)	الکافی شرح البزدوی	الحسین بن علی بن حجاج بن علی حسام الدین السغناقی	۷۱۱ھ
(۲۸۹)	کشف الاسرار شرح اصول البزدوی	عبدالعزیز بن احمد بن محمد علاء الدین البخاری الحنفی	۷۳۰ھ
(۲۹۰)	الأشباہ والنظائر	زین الدین بن ابراہیم بن محمد، ابن نجیم المصری	۹۷۰ھ
(۲۹۱)	غمز عیون البصائر فی شرح الاشباہ والنظائر	احمد بن محمد المکی ابوالعباس شہاب الدین الحسینی الحموی الحنفی	۱۰۹۸ھ
(۲۹۲)	شرح عقود رسم المفتی	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۹۳)	عمدۃ الفقہ	سید زوار حسین شاہ	۱۴۰۰ھ
(۲۹۴)	فقہ السنۃ	مولانا محمد عاصم صاحب	--

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات
		﴿تزکیہ واحسان﴾	
(۲۹۵)	ادب الدنیاوالدین	ابوالحسن علی بن محمد بن محمد بن حبیب البصری البغدادی الماوردی	۴۵۰ھ
(۲۹۶)	احیاءعلوم الدین	ابوحامد محمد بن محمد الغزالی الطّوسی	۵۰۵ھ
(۲۹۷)	غنیۃ لطالبین	قطب ربانی محبوب سبحانی عبدالقادر بن أبی صالح الجیلی	۵۶۱ھ
(۲۹۸)	الفتح الربانی	قطب ربانی محبوب سبحانی عبدالقادر بن أبی صالح الجیلی	۵۶۱ھ
(۲۹۹)	الترغیب والترہیب	ابومحمد زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری الشامی الشافعی	۶۵۶ھ
(۳۰۰)	الأذکارللنووی	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۳۰۱)	الکبائر	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قائماز ذہبی	۷۴۸ھ
(۳۰۲)	الزواجرعن اِقتراف الکبائر	شہاب الدین شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجرالہیثمی السعدی الانصاری	۹۷۴ھ
(۳۰۳)	سلاسل طیبہ	حسین احمد مدنی بن سید حبیب اللہ بن سید پیرعلی بن سید جہانگیر بخش بن شاہ انوراشرف بن شاہ مدن	
(۳۰۴)	دلیل الواعظ اِلی أدلۃ المواعظ	شحاتۃ محمد صقر	--
		﴿لغات،معاجم،ادب وتاریخ،طبقات وتراجم﴾	
(۳۰۵)	الطبقات الکبریٰ لابن سعد	ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع الھاشمی البصری البغدادی	۲۳۰ھ
	المتفق والمفترق	ابوبکراحمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی	۴۶۳ھ
(۳۰۶)	النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر	مجدالدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی الجزری	۶۰۶
(۳۰۷)	مجمع البحارفی لغۃ الاحادیث والآثار	علامہ محمد طاہر بن علی صدیقی پٹنی	۹۸۶ھ
(۳۰۸)	التعریفات الفقھیۃ	محمد عمیم الاحسان المجددی البرکتی	۱۳۹۵ھ
(۳۰۹)	قاموس الفقہ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	مدظلہ
(۳۱۰)	معجم لغۃ الفقہاء	محمد رواس قلعہ جی/حامد صادق قنیبی	مدظلہ
(۳۱۱)	فیروزاللغات	الحاج مولوی فیروزالدینؒ	--
		﴿متفرفات﴾	
(۳۱۲)	حجۃ اللہ البالغۃ	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم ابوعبدالعزیزوابوعبداللہ	۱۱۷۶ھ
(۳۱۳)	ازالۃ الخفاء	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم ابوعبدالعزیزوابوعبداللہ	۱۱۷۶ھ
(۳۱۴)	ایضاح الادلۃ	شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب	۱۳۳۹ھ

نوٹ: ''فتاویٰ علماء ہند،جلد-۱۲'' کے متن وحاشیہ میں ان کتابوں سے استفادہ ہوا ہے اور متعلقہ جگہ طباعت کی تفصیلات درج ہیں۔(انیس الرحمٰن قاسمی/محمد اسامہ ندوی)